گرداب
حصہ اوّل
ایم۔اے۔راحت
ساگر پبلشرز

عرض ناشر

ہمارے ادارے سے ایم اے راحت صاحب کے دو نئے ناول پیش خدمت ہیں۔
ایم، اے راحت کا نام ناول کے کسی بھی قاری کے لئے اجنبی نہیں ہے آپ کا شمار بلاشبہ ہمارے ملک کے ان لکھنے والوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ڈائجسٹوں کے ابتدائی زمانے سے لکھنا شروع کیا اور آغاز ہی میں جن کی تحریروں نے قارئین کے بڑے حلقے کو اپنا اسیر بنالیا۔
ایم۔اے راحت کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے آج پاکستان کے مقبول ترین ڈائجسٹوں کا آغاز کیا تھا۔ان رسالوں کی مقبولیت میں ایم۔اے راحت کی تحریروں نے اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ یوں تو انہیں ہر طرح کی کہانی لکھنے پر کمال حاصل ہے لیکن خصوصاً جاسوسی، تحیر، ایڈونچر اور پراسرار کہانیاں لکھنے میں انہیں جو کمال حاصل ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔
ایم۔اے راحت نے سینکڑوں کہانیاں لکھی ہیں ان کی ہر کہانی نے عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ان کا کمال یہ ہے کہ معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر لکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دن بدن ان کے پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔
اپنے ملک کے پس منظر میں لکھی گئی ایم۔اے راحت کی کہانیوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک وقوم سے محبت کرتے ہیں اور اپنی کہانیوں کے ذریعے قارئین میں وطن

دوستی کا جذبہ بھی اجاگر کرتے ہیں۔

ساگر پبلشرز کی طرف سے ان کا ناول ''گرداب'' دو حصوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جبکہ دوسرا ناول ''صندل کا تابوت'' ہے۔ یہ دونوں ناول مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں لیکن ان میں قارئین کی دلچسپی کا بے پناہ عنصر موجود ہے۔ امید ہے آپ کو یہ ناول پسند آئیں گے اور آپ مدتوں ان کہانیوں کو بھلا نہیں سکیں گے۔

ساگر پبلشرز کی طرف سے جلد ہی ایم۔اے راحت کے اور ناول بھی پیش کئے جائیں گے۔

ساگر پبلشرز

انگریز ہندوستان سے نکال دیئے گئے تھے لیکن وہ پرانے انگریز جنہوں نے طویل عرصہ تک ہندوستان میں من مانیاں کی تھیں آج تک وہاں کی یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے تھے اور زندگی کی جدوجہد کے دن گزارنے کے بعد فرصت کی زندگی تو حسین یادوں کو اور جگا دیتی ہے۔

سر جیمز الیگزینڈر انہیں لوگوں میں تھے۔ اُن کے پورے خاندان نے اقتدار کے دور میں ہندوستان میں زندگی گزاری تھی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے تھے۔ خود جیمز الیگزینڈر ایک اعلیٰ سرکاری آفیسر رہے تھے اور غیر منقسم ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تعینات رہے تھے۔ وہاں سے وہ سینکڑوں یادیں سمیٹ کر لائے تھے۔ پھر زندگی کے ڈھلان پر انہوں نے ان یادوں کو اپنی پوتی کیتھرائن کے ذہن میں محفوظ کر دیا تھا۔ ویسے تو ان کے خاندان میں ان کی بہت سی اولادوں کی بیٹیاں اور بیٹے تھے۔ لیکن کیتھی ہندوستان سے بہت متاثر تھی۔ اس نے بہت بار اپنے والد نکولس الگزینڈر سے کہا تھا کہ وہ ہندوستان دیکھنا چاہتی ہے تو اس کے باپ نے کہا تھا۔

''ہم نے ایشیاء کے اس خطے میں جو آگ لگائی ہے وہ صدیوں نہیں بجھے گی۔ تم ان جلتے ہوئے ملکوں میں کیوں جانا چاہتی ہو۔''

''کیونکہ میں وہاں کی پراسرار زندگی سے بہت متاثر ہوں۔''

''انتظار کرو...... کوئی موقع ہوا تو میں تمہارے وہاں جانے کا بندوبست کروں گا۔''

لیکن نکولس الگزینڈر بے حد مصروف انسان تھے اس لئے کیتھی کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ وہ چشم تصور سے ایشیاء کے خواب دیکھتی رہی۔ تب اسے علی غازی شاہ نظر آ گیا۔ کیتھرائن نے اسے ایش مین کلب میں دیکھا تھا جہاں وہ رائیڈنگ کر رہا تھا۔ کیتھرائن اسے دیکھتی رہ گئی۔ قد چھ فٹ تین انچ، سینہ انتہائی حد تک چوڑا، کمر چیتے کی طرح پتلی۔ رنگ دودھ کی طرح سفید، بال گہری کالی رات کی مانند چہرے پر مخصوص انداز کی داڑھی اور گھنی نوکیلی

موچھیں۔ گھوڑے کو گدھا بنا رکھا تھا اس نے۔

کیتھی نے اپنا گھوڑا اس کے پاس روک لیا اور وہ چونک کر اسے دیکھا تھا۔ کیتھی بھی بے مثال حسن کے مالک تھی اپنے خاندان کی سب سے حسین، سب سے پروقار لڑکی۔

''ہیلو۔''

''ہائے......'' جواب ملا۔

''تمہاری گھڑسواری کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ اس شاندار جانور کو تم نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ حالانکہ یہ بے حد سرکش گھوڑا ہے۔ کلب میں اس کی سواری کر چکی ہوں میں۔''

''ہم شیروں کو گیدڑ بنا دینے والوں میں سے ہیں۔ یہ تو گھوڑا ہے۔'' گرجدار مردانہ خوبصورت آواز ابھری۔ اور چہرے پر ایسا بانکپن نظر آیا کہ کیتھی اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔

''انڈین......''

''ہشت۔'' وہ حقارت سے بولا۔

''پھر......'' کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

''پاکستانی۔''

''او...... مجھے پاکستان کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں۔''

''اپنی کرکٹ ٹیم کے کپتان سے معلوم کرو، جو اوول میں شرم سے منہ چھپائے پھر رہا تھا۔ یا پھر......''

''نہیں......'' کیتھی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''دوست خوشگوار باتیں کرتے ہیں۔ میں تم سے اچھی باتیں سننا چاہتی ہوں۔'' کیتھی کی اس بات پر وہ مسکرا دیا۔

اور وہ دوست بن گئے۔ روز ملنے لگے۔ اس کا نام علی غازی شاہ تھا۔ اس نے بتایا۔

''بہت بڑا خاندان ہے ہمارا۔ ہمارے گوٹھ کا نام علی خیر محمد گوٹھ ہے۔ علی خیر میرے پردادا کا نام تھا۔ میرے والد علی حاکم شاہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ میرے بڑے بھائی سائیں مکرم شاہ زمینیں اور کاروبار سنبھالے ہوئے ہیں۔ میں ادھر تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں۔''

کیتھی نے پاکستان کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ علی غازی شاہ اس میں ڈوب گیا۔ حسین کیتھی جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی ذہین اور چالاک بھی تھی۔ اور غازی شاہ ایک سیدھا سادہ وڈیرہ تھا۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد غازی شاہ نے کہا۔

''میری تعلیم پوری ہو چکی ہے۔ مجھے واپس جانا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں اپنے دماغ میں پستول کی گولی اتار لوں گی۔ میرے اندر اتنی ہمت ہے۔''

''بابا، ایسا کیوں کرو گی۔''

''اس لیے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

''تم میرے سے شادی کر لو......'' غازی شاہ نے کہا۔

''پھر۔''

''میرے ساتھ چلو۔''

''تم یہاں نہیں رہ سکتے؟ میرا خاندان بہت معزز ہے۔ میں تمہیں یہاں نیشنلٹی دلوا دوں گی۔''

''اونہیں بابا...... یہ مشکل ہے۔ ادھر میری بڑی ذمہ داریاں ہیں اور پھر ہمارے ہاں کی روایات میں تو لڑکیاں رخصت ہو کر سسرال جاتی ہیں لڑکے سسرال میں نہیں رہتے۔ ہمارے ہاں تو اس بات پر قتل ہو سکتا ہے اگر ایسی بات ہمارے بزرگوں کو پتا چلے۔ بابا! گاؤں گوٹھ کا رسم رواج بہت الگ ہوتا ہے۔ تم میری بیوی بن کر جاؤ گی تو ادھر تمہارا ایسا استقبال ہوگا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ باقاعدہ جلوس آئے گا۔ تم کو لے کر جائے گا۔ ابھی میں تمہارے سے کوئی غلط بات نہیں کرنا چاہتا۔ پر اگر میری بیوی بن کر تم ادھر جاؤ گی تو تم کو زندگی کا لطف آ جائے گا۔'' کیتھرائن ویسے ہی ایشیاء کے خوابوں میں کھوئی رہتی تھی۔ اسے یہ ایک نیا احساس ملا تھا اس نے گھر میں اپنی ماں کو اس بارے میں بتایا تو ماں تشویش میں ڈوب گئی۔

''تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم پاکستان چلی جاؤ گی۔''

''ہاں۔ اور پھر میں ادھر ہی رہوں گی۔'' کیتھرائن کی ماں گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔

''بات اصل میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ ہماری کچھ خاندانی روایت ہیں اور یہ بات تو تم جانتی ہو کہ ہمارا خاندان بہت بڑا خاندان ہے اور اس خاندان کے لیے ذرا سوچنا پڑے گا۔ بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ ہیمشائر سے سر جیمز کو بلانا پڑے گا۔ ٹھیک ہے اس نے تمہیں پروپوزل دیا ہے۔ پہلے ہم آپس میں مشورہ کر لیں اس کے بعد اس سے ملاقات کریں گے اور فیصلہ کریں گے ویسے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اس سے اس کے خاندانی معاملات معلوم کرو اور اس کی تھوڑی سی تصدیق کر لو۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ تمہارے دادا جیمز الگزینڈر آدھے ہندوستان کو جانتے

ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ساری زندگی ہی ہندوستان کے مختلف گوشوں میں گزاری ہے۔ وہ ضرور ان لوگوں کو بھی جانتے ہوں گے کہ وہ کون لوگ ہیں اور اگر وہ خاندانی نہ ہوئے تو پھر سوچنا پڑے گا۔"

"خاندان۔ خاندان۔ خاندان۔ خاندان تو انسانوں سے بنتے ہیں۔ پھر بھی آپ چاہیں تو دیکھ لیجئے گا۔ میں غازی شاہ سے اس کے خاندانی معاملات کی تفصیل لے لوں گی۔ غازی شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔" ہاں۔ یہ اچھی بات ہے کہ تم لوگ بھی خاندانوں کی چھان بین کرتے ہو۔ ہم لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ کم از کم مجھے ایک آسانی حاصل ہے۔ وہ یہ کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں ایک معمولی خاندان کی لڑکی کو اپنی دلہن بنا کر لے آیا۔ اصل میں ایسے بہت سے واقعات ہوئے ہیں کہ یہاں کی کوئی معمولی سی لڑکی بہو بن کر وہاں پہنچ گئی اور پتا چلا کہ یہاں اس کا کوئی خاندان نہیں۔ پھر بہت سے مشکل معاملات پیش آ جاتے ہیں۔" غازی شاہ نے نہ صرف اپنے خاندانی کوائف کیتھرائن کو لکھ کر دیئے بلکہ ایک تصویری البم بھی جس کا سلسلہ اس کے گھر کے سب سے چھوٹے فرد سے لے کر حاکم شاہ تک جاتا تھا۔ بہر حال یہ ساری تفصیل اس نے کیتھرائن کو دے دی اور سر جیمز الگزینڈر خاص طور سے ہیمپشائر سے لندن آ گئے۔ پھر ایک گول میز کانفرنس ہوئی اور جب سر جیمز الگزینڈر کے سامنے علی خیر محمد گوٹھ کے حاکم شاہ کا حوالہ دیا گیا تو سر جیمز الگزینڈر چونک پڑا۔

"کیا بتایا تم نے حاکم شاہ علی خیر محمد گوٹھ کا حاکم شاہ۔ اوہ مائی گاڈ۔ او مائی گاڈ۔ یہ تو ہندوستان کے اس علاقے کا بے تاج بادشاہ تھا۔ جواب پاکستان میں شامل ہو چکا ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ ہے۔ اوہو۔ اوہو۔ تو یہ وہ لوگ ہیں۔ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے ڈیئر کیتھرائن اور میرے پیارے بیٹے نکولس الگزینڈر کہ ہم اس خاندان سے انتقام کی حسرت لے کر واپس آئے تھے اور اس کے بعد ہمارے خاندان میں ایسا جیالا نہیں پیدا ہوا جو یہ انتقام لیتا۔ تمہیں میرے بھائی کے بارے میں تفصیلات معلوم ہیں۔ وہ اسی علاقے میں مارا گیا تھا اور یہ بات بالکل فائنل ہو چکی تھی کہ اسے حاکم شاہ کے آدمیوں نے ہلاک کیا۔ یہ ہے صورتحال۔"

"تم اسے فوراً انکار کر دو اور اس کے ساتھ نفرت کا سلوک کرو سمجھیں۔ اتنا ذلیل و خوار کرو اسے کہ وہ خود اپنی نگاہوں میں گر جائے۔" نکولس الگزینڈر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ لیکن جیمز الگزینڈر ہاتھ اٹھا کر مسکرا دیا۔

"نہیں۔ اس سے کیا ہو گا۔ صرف ایک آدمی کو دکھ پہنچے گا اور پھر مرد کو کبھی دکھ نہیں پہنچتا۔ یقیناً اسے کوئی دوسری خوبصورت اور خاندانی لڑکی مل جائے گی۔ دیکھو! انگریز قوم کی

یہی خوبی رہی ہے کہ اس نے جوش اور جذبات سے کام لے کر کسی چھوٹے منافع پر اکتفا نہیں کی بلکہ (In The long run) اس نے اپنے منصوبے بنائے اور ان پر کام کیا۔ مائی ڈیئر کیتھی! تمہیں اس سے شادی کرنی چاہئے۔ تم ضرور اس سے شادی کرو اور شادی کرنے کے بعد اس کے وطن پہنچ جاؤ۔ انتقام ایک سے نہیں اس کے پورے خاندان سے لینا چاہیے۔ مسٹر محمد علی جناح نے ہمارے ساتھ جو سنگین عمل کیا تھا اور جس کے نتیجے میں ہمیں ہندوستان سے بھاگنا پڑا تھا۔ وہ معمولی عمل نہیں تھا۔ دال، سبزی کھانے والی قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ ہم نے اگر نقصان اٹھایا تو ان گوشت خوروں سے اٹھایا جنہیں مسلمان کہا جاتا ہے لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن برطانیہ کی تاریخ میں ایک سنہری نام ہے جس نے ہندوستان چھوڑتے چھوڑتے کشمیر کا تنازعہ کھڑا کر کے ان قوموں کو آج تک الجھائے رکھا ہے۔ ففٹی فائیو ایر (Fifty five years) ہو گئے وہ لوگ یہ مسئلہ حل نہیں کر سکے اور اس سلسلے میں آپس میں خون ریزی کرتے رہتے ہیں۔ میرا مطلب صرف یہ تھا کہ انگریز قوم کبھی کسی کو معاف نہیں کرتی۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ ہم میٹھی چھری سے وار کرتے ہیں اور ہمارے دشمن کبھی ہماری ذہنی پہنچ تک نہیں پہنچ پاتے۔ اب ہمیں یہ چانس ملا ہے تو تمہارے شانوں پر یہ ذمہ داری رکھی جاتی ہے کیتھرائن کہ وہاں جاؤ۔ اپنی محبت کو بے شک قائم رکھو لیکن اس خاندان کو فنا کر دو۔ انہیں انہی کی چھری سے ہلاک کرو۔" کیتھرائن دل آویز انداز میں مسکرا دی پھر اس نے کہا۔

"ڈیئر گرینڈ فادر! میں نے ہمیشہ آپ ہی سے تربیت پائی ہے۔ بے شک غازی شاہ میرا محبوب ہے۔ لیکن آپ نے جو واقعات مجھے بتائے ہیں اور جو ذمہ داری میرے سپرد کی ہے۔ میں اسے بڑی خوشی سے انجام دوں گی۔ چنانچہ سر جیمز الگزینڈر کا پورا خاندان اس شادی میں شریک ہوا جو پہلے چرچ میں ہوئی اور بعد مسلمانوں کی ایک مسجد میں لیکن کیتھرائن نے اپنا مذہب نہیں تبدیل کیا تھا اور نہ ہی اس نے اس سلسلے میں کوئی تعاون قبول کیا تھا اور یہ بھی جیمز الگزینڈر کی ہدایت تھی۔ انہوں نے کہا تھا۔

"بے شک تم اس کی خواہش پر ایک مسلمان لڑکی بن جاؤ۔ لیکن ایک فائدہ ہم اپنے آپ سے کھو بیٹھیں گے۔"

"وہ کیا گرینڈ فادر!"

"وہ لوگ بہت فرسودہ خیالات کے مالک ہوتے ہیں ان کے ہاں اقدار اور خیالات بلند سمجھے جاتے ہیں غازی شاہ کے خاندان والے اس بات پر شرمندہ ہو جائیں گے کہ ایک انگریز لڑکی ان کی بہو ہے اور اگر تم مسلمان ہو گئیں تو وہ تمہیں خوشی سے قبول کر لیں گے۔

ایک دکھ ان کے سینوں میں رہنا چاہیے کہ اس خاندان کے ایک فرد نے اس قوم کی ایک لڑکی سے شادی کی ہے۔ جس سے ہمیشہ ان کی دشمنی چلتی رہی ہے۔ کیا سمجھیں۔'' کیتھرائن مسکرا دی تھی۔

☆☆☆☆

علی خیر محمد گوٹھ میں یہ اطلاع ظفر خان نے دی تھی جو کراچی میں ان لوگوں کے قانونی مشیر تھے۔ ظفر خان ایڈووکیٹ ان لوگوں کے تمام قانونی معاملات سنبھالتے تھے اور بہت اچھے انسان تھے۔ غازی شاہ سے ان کا رابطہ رہتا تھا اور خاص طور سے غازی شاہ نے ظفر خان کو ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے کہا تھا۔

''خان صاحب! آپ کا بیٹا غازی شاہ بول رہا ہے۔''

''اوہو غازی شاہ! خیر تو ہے نا۔''

''ہاں۔ خیر ہے لیکن تھوڑی سی تشویش کے ساتھ۔'' غازی شاہ نے جواب دیا تھا۔

''مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔''

''آپ جانتے ہو۔ سائیں ظفر خان! کہ میں لمبی بات کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں نے یہاں شادی کر لی ہے اور اب وطن واپس پہنچ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں فرسودہ خیالات کے مالک ہیں اور یقینی طور پر میری شادی سے وہ لوگ خوش نہیں ہوں گے۔ اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے سائیں ظفر کہ آپ وہاں جا کر معاملات ہموار کرو۔ یہ ایک چھوٹی سی ذمہ داری میں آپ کو سونپ رہا ہوں۔'' ظفر خان پر سکتہ طاری تھا۔ وہ اس خاندان کا وفادار تھا اور اس کی بہتری کا خواہشمند بھی وہ جانتا تھا کہ یہ خبر ان پر بجلی بن کر گرے گی۔ ایک غیر ملکی لڑکی وہ لوگ قبول نہیں کر پائیں گے۔ اس نے جلدی سے پوچھا۔

''سائیں غازی! یہ بتاؤ۔۔۔ لڑکی مسلمان ہے؟ پاکستانی ہے؟ میرا مطلب ہے ایسی پاکستانی جو وہاں جا کر آباد ہو گئی ہو۔''

''نہیں بابا! اگر پاکستانی سے ہی شادی کرنا ہوتی تو اس کے لیے پاکستان کیا برا تھا۔ لندن میں آ کر یہ کوشش کرنا بالکل بیکار تھا۔''

''انگریز ہے؟''۔

''ہاں۔ اور ایک بہت اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔''

''مسلمان کر لیا ہے تم نے اسے سائیں۔''

''نہیں بابا نہیں۔ میں کسی کے مذہب میں ٹانگ نہیں اڑاتا۔ خود بھی مذہبی آدمی نہیں

ہوں۔ کسی دوسرے سے بھی کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔ آپ ایسا کرو بڑی ہوشیاری سے ادھر جا کر بتاؤ۔ میں یوں سمجھو کہ بس تین چار دن میں آنے والا ہوں۔ ایک بار پھر ٹیلی فون کر کے میں آپ کو فلائیٹ کے بارے میں اطلاع دے دوں گا۔ تم ادھر جاؤ اور جو میں نے کام کہا ہے وہ کرو۔''

''ٹھیک ہے۔'' ظفر شاہ! گوٹھ خیر محمد پہنچ گیا اور کسی اور سے ملنے کے بجائے وہ سیدھا مکرم شاہ کے پاس پہنچا۔ سندھ کے بنجر اور ویران علاقوں میں بہت سے ایسے علاقے شامل ہیں۔ جنہیں وہاں کے لوگوں نے سرسبز و شادابی میں کمال کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ کی تقدیر بھی ہمیشہ سے سنہری رہی تھی۔ تاحد نظر پھیلے ہوئے اونچے نیچے خشک و پہاڑی ٹیلوں کے درمیان آباد یہ خیر محمد گوٹھ اپنی مثال آپ رکھتا تھا۔ حاکم شاہ نے اس کے گرد قلعہ نما فصیلیں بنوائی تھیں۔ کچی مٹی اور بھوسے سے بنی ہوئی یہ فصیلیں سینکڑوں سال سے اسی طرح سر بلند کھڑی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان علی خیر محمد گوٹھ آباد تھا۔ چاروں طرف سبزہ زار اگے ہوئے تھے اور تپتی ہوئی گرمیوں میں جب سندھ کے مختلف شہروں کا درجہ حرارت آگ ہوا کرتا تھا۔ خیر محمد گوٹھ ایک ایسی جگہ تھی جسے اس علاقے کا حصہ کہا ہی جا سکتا تھا۔ بڑا سا داخلی دروازہ پھاٹک کے بغیر تھا۔ کیونکہ بہر حال یہاں حملہ آوروں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ مکرم شاہ کی نگرانی میں مزید خوبصورت ہو گیا تھا اور ظفر خان اس وقت مکرم خان کے پاس پہنچا تھا جب مکرم شاہ سندھڑی آموں کے باغ میں فصل دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔ ظفر خان اسے تلاش کرتا ہوا وہیں پر پہنچا تھا اور مکرم شاہ نے اس کا پر جوش استقبال کیا تھا۔

''آیئے بابا سائیں! آپ ہمارے خاندان کے ایک فرد ہیں اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ وہ لوگ جو ہمدرد اور محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی موقعوں پر پہنچتے ہیں جب خوشیاں کسی کی جھولیاں بھر رہی ہوں۔ آپ دیکھو اس بار فصل بہترین ہوئی ہے اور میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے۔'' ظفر خان نے دکھ بھری نگاہوں سے مکرم شاہ کو دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ جو اطلاع لے کر وہ مکرم شاہ کے لیے آیا ہے وہ مکرم شاہ کی خوشیوں کو ماند کر دے گی اور اس کا شاداب چہرہ پھیکا پڑ جائے گا۔ تاہم، جس خوشی میں اسے شریک کیا گیا تھا۔ اس کے لیے کچھ نہ کچھ کہنا تو ضروری تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''واہ! سائیں مکرم شاہ۔ آپ نے تو اس علاقے کو اور بھی گلزار بنا دیا ہے۔ میرا خیال ہے پورے سندھ کے کسی باغ میں آموں کی اتنی اچھی فصل نہیں ہوئی ہو گی۔''

''محبت اور مہربانی سائیں! آپ کی۔ آپ ہمارے خاندان کے بڑے ہو۔ اب ذرا تھوڑا سا گھوم پھر کر بتاؤ آپ کے لیے کون سے درخت کے پھل تڑوائے جائیں۔''

''ارے نہیں۔ مکرم شاہ! اس کی کیا ضرورت ہے بڑی مہربانی۔''

''آیئے بیٹھیے۔ آپ کو پتا چلا ہوگا کہ میں ادھر باغ میں ہوں۔''

''ہاں۔ مجھے پتا چل گیا تھا۔'' مکرم شاہ نے باغ کے گوشے میں بنے ہوئے ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے چارپائیاں بچھواتے ہوئے ظفر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر ملازم خاطر مدارات میں مصروف ہو گئے۔ مکرم شاہ نے کہا۔

''آپ کی آمد کی اطلاع مجھے پہلے سے نہیں تھی اور ویسے بھی میری سمجھ میں کوئی ایسی بات نہیں آئی ہے جو آپ کے آنے کی وجہ ہو حالانکہ آپ جیسا کہ میں نے کہا۔ ہمارے خاندان کے بڑے ہو اور ہمارے رہنما بھی جب بھی آپ آتے ہو خیر محمد گوٹھ کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہوتے ہیں۔ پر ذرا سا تجسس رہتا ہے آپ جیسے مصروف آدمی کے آنے پر خیر تو ہے۔''

''ہاں۔ سائیں! اللہ کا شکر ہے۔ آپ کی محبت آپ کی بڑائی ہے۔ سائیں ایک مشکل خبر ہے۔ جو آپ کو دیتے ہوئے تھوڑا سا تردد ہو رہا ہے۔'' مکرم شاہ نے چونک کر ظفر خان کی صورت دیکھی اور بولا۔

''آپ بتاؤ۔ کیا خبر ہے۔''

''سائیں غازی شاہ وطن واپس آ رہے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے لندن چھوڑ کر۔''

''یہ مشکل خبر ہے۔ ہم تو غازی شاہ کا لمحہ لمحہ انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے کافی دن پہلے ہمیں اطلاع دی تھی کہ وہ آ رہا ہے۔ تعلیم تو اس کی مکمل ہو چکی ہے۔ کوئی ضروری کام اسے کرنے تھے۔ آپ کو پتا نہیں سائیں کہ اماں کس طرح اس کا انتظار کر رہی ہیں۔''

''جانتا ہوں سائیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ پر غازی شاہ نے ایک اور ذمہ داری بھی میرے سپرد کی ہے۔ وہ مشکل ہے۔ آپ کو بتاتے ہوئے اسی سے ڈر رہا ہوں۔''

''جلدی کہو کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے۔''

''سائیں غازی شاہ! اپنی بیوی کے ساتھ آ رہے ہیں۔''

''کیا۔'' مکرم شاہ کے چہرے پر بہت سے رنگ آ کر گزر گئے۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

''بیوی کے ساتھ۔''

''ہاں! سائیں انہوں نے شادی کر لی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جس وقت آپ لوگ غازی شاہ کو یورپ بھیجنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ میں نے آپ سے ایک بات کہی تھی اور وہ بھی ڈرتے ڈرتے میں نے کہا تھا کہ ہمارے گھر کے بچے بہت اچھے ہیں۔ پر یہ انگریز قوم اچھی نہیں ہے اور یہ اس حد تک غلط ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اپنی نگرانی کے بغیر ان کے حوالے کر دیں۔ ان کا تو کام ہی الگ ہے۔ سائیں آپ سمجھتے ہو۔ پر آپ کے خاندان کے ایک بزرگ نے ہمیں ڈانٹ دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم ایڈووکیٹ ہو کر اس طرح جہالت کی باتیں کر رہے ہیں۔ خیر سائیں! بات پرانی ہے۔ ہم جانتے ہیں آپ کو بھی دکھ ہوا ہوگا اس بات پر لیکن آپ دیکھ لیجیے یہ سوچ لیجیے۔ یہ اطلاع سائیں غازی شاہ نے ہمیں دی ہے اور کہا ہے کہ ہم حالات کو ہموار کرنے کی کوشش کریں۔ سائیں! ہم جانتے ہیں کہ آپ لوگوں کو ان ساری باتوں سے کتنا دکھ ہوا ہوگا۔ لیکن بہرحال حقیقتوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے ایسا ہو چکا ہے۔'' مکرم شاہ سکتے کے عالم میں یہ تمام باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

''کب آ رہا ہے وہ۔''

''سائیں! انہوں نے کہا کہ ہمیں ٹیلی فون کر کے وہ صورتحال معلوم کریں گے اور اس کے بعد ہمیں خبر دیں گے۔'' مکرم شاہ پھر خاموش ہوا تو ظفر خان نے کہا۔

''ویسے ایک بات بتائیں ہم آپ کو سائیں۔ جو ہوا ہے وہ ہو چکا ہے۔ اگر آپ نے زیادہ ناراضگی کا اظہار کیا تو آپ کا بھائی ہاتھ سے چلا جائے گا۔ اس سے فائدہ نہیں ہوگا۔ اسے ہاتھ میں رکھنے کے لیے آپ تھوڑی سی نرمی پیدا کرو اپنے اندر۔''

''کیا کروں۔ کیا نہ کروں۔ ماں کو یہ باتیں بتاؤں گا تو کیا گزرے گی ان کے دل پر خیر ٹھیک ہے بہت شکریہ، آپ ابھی واپس جاؤ گے۔''

''ہاں۔ سائیں! بس آپ کو اطلاع دینی تھی۔''

''نہیں آپ کے لیے آم تڑواتا ہوں۔''

''نہیں سائیں! ابھی نہیں۔ اس خبر کے بعد خوشی کا کوئی کام تو نہیں ہونا چاہیے۔'' ظفر خان نے کہا اور اس کے بعد واپسی کی اجازت طلب کر لی۔ مکرم شاہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ ظفر خان کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا اور اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اپنی پجیرو کی جانب بڑھ گیا۔ بہت سے واقعات اسے یاد آ رہے تھے۔ پجیرو میں بیٹھ کر اپنے گھر کی جانب سفر کرتے ہوئے وہ ان لمحات کو یاد کر رہا تھا جب آٹھ سال پہلے خیر محمد گوٹھ سے غازی شاہ رخصت کیا گیا تھا۔ تقریباً آدھا گوٹھ گاڑی میں بھر کر کراچی پہنچا

تھا اور وہاں سب نے ایئر پورٹ سے غازی شاہ کو خدا حافظ کہا تھا۔ آج غازی شاہ کے آنے کی خبر سن کر یقیناً اسی انداز میں اس کا استقبال کیا جاتا۔ لیکن غازی شاہ تنہا نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز لڑکی تھی۔ یہ بڑی دردناک خبر تھی سندھ کے اندرونی علاقوں میں وڈیروں کی کہانیاں الگ الگ حیثیت رکھتی ہیں۔ کہیں ایسے ولی اور درویش ہوتے ہیں کہ تقدیریں بدل دیا کرتے ہیں۔ کہیں برے اور بگڑے ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے عقوبت خانے بنائے ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی عدالتوں میں مجرمانہ فیصلے ہوتے ہیں لیکن خیر محمد گوٹھ کی ظاہری صورت دیکھ کر بھی باآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ حاکم شاہ سے لے کر مکرم شاہ تک بہت ہی اچھا خاندان یہاں برسر اقتدار رہا ہے اور اس کی ساری شکلیں نظر آتی ہیں۔ یہ نور جو خیر محمد پر برس رہا ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے لیکن اب جنت میں سانپ گھس آیا تھا۔ پتا نہیں۔ یہ سانپ مستقبل کے لیے کیسا ثابت ہو۔ ماں کو یہ سب کچھ بتانے کی ہمت نہیں ہوئی تو مکرم شاہ اپنی بیوی افریشم کے پاس پہنچ گیا۔ افریشم بھی ایک بہترین سندھی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ بہت ہی باوفا، باحیا اور باشعور۔ وہ جو گھروں میں امن اور ٹھنڈک پیدا کرتی ہیں۔ حاملہ تھی اور دعاؤں سے معمور کہ بیٹے کی ماں بنے اور مکرم شاہ بیٹے کا باپ تاکہ خاندانوں کو ان کے ولی ملتے رہنے چاہیں۔ بڑی دعائیں، بڑی منتیں، بڑی مرادیں۔ شرجیلہ بیگم جو مکرم شاہ اور غازی کی والدہ تھیں۔ نیک نمازی پرہیز گاران کی دعائیں اس سلسلے میں ہمیشہ ہی رہتی تھی اور ان کے ہاتھ پھیلے ہوتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مکرم شاہ کو بیٹے سے نوازے۔ گھر پہنچنے کے بعد مکرم شاہ ماں کے پاس جانے کے بجائے افریشم کے پاس پہنچا تھا۔ افریشم اس وقت کسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مکرم شاہ کے قدموں کی چاپ نہ سن سکی اور مکرم شاہ کو اسے آواز دینا پڑی۔ افریشم چونک پڑی تھی اس کے ہونٹوں پر ایک خوشگوار مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ارے۔ آپ اس وقت۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اتنی جلدی آ جائیں گے۔ بات بڑی حیرت کی ہے۔ درختوں پر لگے آموں کو آپ اپنی اولاد کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولاد کی دیکھ بھال بڑی ضروری ہوتی ہے۔ تبھی وہ ہونہار ہوتی ہے۔ یہ آپ اپنی ساری اولاد کو چھوڑ کر اس وقت کیسے آ گئے۔'' افریشم نے شوخی سے کہا اور ہنس پڑی لیکن مکرم شاہ کے ہونٹوں پر ہنسی نہ آئی تو وہ پریشان ہوگئی۔

''کچھ پریشان ہیں۔'' کوئی بات ہے کیا؟''

''ہاں افریشم! ایک بہت بری خبر سننے کو ملی ہے۔''

''اللہ خیر کرے۔ کیسی خبر ہے بتایئے تو سہی۔'' افریشم پریشان ہوگئی۔

''غازی شاہ! دو تین دن میں واپس آ رہا ہے۔''

''اپنا غازی شاہ۔'' افریشم خوش ہو کر بولی۔

''ہاں۔''

''تو یہ پریشانی کی خبر ہے۔ فون آیا ہے اس کا؟ چٹھی آئی ہے؟ یا کسی کے ہاتھوں خبر بھیجی ہے اس نے؟''

''خبر ہی آئی ہے سمجھو لیکن اس کے ساتھ ایک عورت بھی آ رہی ہے اور وہ عورت انگریز ہے اور سب سے بڑی بات ہے کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ مکرم شاہ نے ٹکڑوں میں یہ تفصیل بتائی اور افریشم کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ مکرم شاہ کہنے لگا۔

''اسی خبر نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں ماں کو یہ خبر دینا چاہتا ہوں۔ مگر میری ہمت نہیں پڑتی ان پر گیا گزرے گی۔ اصل میں تم ہماری خاندانی روایات کو جانتی ہو۔! افریشم خاص طور پر انگریزوں سے تو ہمارے خاندان کی ہمیشہ سے دشمنی چلتی رہی ہے۔ تمہیں اس بات کا یقیناً علم ہوگا کہ تقسیم کے بعد بہت سے ایسے معلامات سامنے آئے۔ جن سے ہمارا واسطہ انگریزوں سے پڑسکتا تھا۔ لیکن ہمارے بابا جان نے بھی انگریزوں کی قربت قبول نہیں کی اور کروڑوں روپے کا نقصان اٹھایا اسی طرح سے ہمارے دادا جان حاکم علی شاہ بھی انگریزوں کے خلاف رہے ہمیشہ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ خیر محمد گوٹھ کے اطراف میں آج بھی گوروں کی روحیں بھٹکتی پھر رہی ہیں۔ ہم نے ان کا قتل عام کرا دیا تھا۔ یہ لوگ خیر محمد گوٹھ پر قبضہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ لیکن اللہ کا فضل رہا حاکم علی شاہ نے ان کا قبضہ یہاں نہیں ہونے دیا اور انہیں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ تو ایک پوری کہانی ہے۔ اس آبادی میں کسی انگریز عورت کا وجود آبادی میں رہنے والوں کے لیے کس قدر نفرت ہوسکتا ہے۔ یہ بات شاید مکمل طور پر تمہیں نہ معلوم ہو افریشم! جواب وہی مجھے کرنی پڑے گی۔ بولو کیا کروں؟'' افریشم شوہر کی صورت دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''مگر غازی شاہ نے ہمیں تو کوئی اطلاع نہیں دی۔''

''ہاں۔ بہت برا ہوا ہے افریشم! بہت برا ہوا ہے تم ماں کے کانوں تک یہ بات پہنچاؤ۔ کسی بھی طرح پہنچاؤ۔ میں تو اپنے اندر ہمت نہیں پاتا۔''

''ہاں۔ بولو ظفر خان ایڈووکیٹ آئے تھے۔ غازی شاہ نے انہیں اطلاع دی تھی اور یہ اطلاع وہ مجھے دے کر گئے ہیں۔ جاؤ بتا دو۔'' افریشم نے ادب سے گردن جھکا دی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر شرجیلہ کی جانب چل پڑی اور جب اس نے یہ خبر شرجیلہ کو دی۔ تو شرجیلہ بیگم

کی کیفیت بھی قابل دید تھی وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد سے اب تک اتنی پریشان کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ جتنا اس وقت ہو گئیں۔ اس وقت بھی ایک بہت بڑی ذمہ داری اس کے کندھوں پر آ پڑی تھی۔ لیکن اس کے مددگار اس کے بیٹے تھے لیکن آج وہ ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ کیا کچھ ہوا ہے وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بیٹے کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ بڑی پریشانی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال وہ آہستہ سے چلتی ہوئی مکرم شاہ کے پاس پہنچ گئی۔ مکرم شاہ ایک بستر پر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔ ماں اور بیوی کے قدموں کی آہٹ سے چونکا اور پھر شرجیلہ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اسے تعظیم دی افریشم، شرجیلہ کو یہاں چھوڑ کر واپس چلی گئی تھی۔ اخلاقی طور پر اسے ماں اور بیٹے کی گفتگو میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اس لیے اس نے انہیں تنہا چھوڑ دیا۔

''بیٹھے اماں!'' مکرم شاہ نے کہا۔

''جو اطلاع مجھے ملی ہے یقیناً سچ ہوگی۔ تمہیں یاد ہے میں نے بھی غازی شاہ کو یورپ بھیجنے کی مخالفت کی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ یورپ کی کہانیاں اچھی نہیں ہوتیں۔ جوانی کی عمر کسی بھی مشکل میں بھٹک سکتی ہے لیکن تم پر بھائی کی محبت غالب تھی۔ تم اس کی خوشی کو سرتاج بنانا چاہتے تھے اب بولو کیا کہتے ہو۔''

''امید نہیں تھی اماں مجھے یہ امید نہیں تھی۔ میں رہنمائی چاہتا ہوں۔ کیا کرنا چاہیے مجھے۔''

''سارے گوٹھ کی نگاہیں ہم پر آ جائیں گی۔ کس کس کا جواب دو گے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اطلاع بھجوا دو اسے کہ وہ یہاں واپس نہ آئے وہیں رہے جو مانگے گا ہم اسے بھیجتے رہیں گے۔''

''نہیں اماں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی ہے ہمارا خون ہے وہ ہم، زندگی بھر کے لیے تو اسے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ آٹھ سال ہو گئے پورے آٹھ سال، جس دن سے وہ یہاں سے گیا ہے اس دن سے آج تک آنکھیں اسے دیکھنے کو ترستی رہی ہیں۔''

''ماں سے بڑی بات کرتے ہو۔ میں تو اس کی یاد کو آنکھوں میں بسائے بستر پر لیٹی تھی اور خواب میں اسے دیکھ کر اپنے دل کو بہلاتی رہتی تھی لیکن اس نے جو کچھ کیا ہے وہ اچھا نہیں کیا۔''

''ماں اب مجھے بتاؤ۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے پہنچ جائے گا وہ دو تین دن میں۔''

''نہیں۔ اسے احساس دلاؤ کہ اس نے جو کچھ کیا ہے غلط کیا ہے۔ بہت غلط کیا ہے اس نے۔ اس کے کیے ہوئے کے اثرات ہم پر کیسے مرتب ہوتے ہیں ہم تو ابھی اس کا جائزہ بھی نہیں لے سکتے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ہمارے گوٹھ میں ہمارے بزرگوں کے سارے کارنامے ہر ایک کو اچھی طرح معلوم ہیں اور ہم پر فخر کرتے ہیں۔ علی خیر محمد گوٹھ میں انگریزوں کے لیے خلاف آج بھی وہی نفرت پائی جاتی ہیں۔ کوئی بھی مسئلہ ہو دیکھ لو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب ایک انگریز عورت ہمارے گھر کی بہو بن کر آئے گی۔ اس کی اولادیں ہمارے گھر کی سرتاج ہوں گی۔ تم خود سوچو کیا ہوگا یہ کیا سب کچھ صحیح ہوگا۔''

''سنو میری بات غور سے سنو غازی شاہ کبھی باپ نہیں سکتا، سمجھے وہ کبھی باپ نہیں بن سکے گا۔ یہ میرا عہد ہے۔''

''میں سمجھا نہیں اماں۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ جواب میں شرجیلہ نے خاموشی اختیار کر لی بہت دیر تک خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

''ایک اور سوال جس کا جواب شاید ابھی تمہارے پاس نہیں ہوگا۔ کیا وہ لڑکی مسلمان ہو چکی ہے۔''

''پتا نہیں۔ اتنی ساری باتیں مجھے پتا نہیں اور اس نے جو کچھ کیا ہے بہت بُرا کیا ہے۔'' مکرم شاہ درد بھرے لہجے میں بولا۔ شرجیلہ کی آنکھیں بھی جھک گئیں تھی۔

☆☆☆☆

راستے پھر کیتھرائن پاکستان کے بارے میں گفتگو کرتی آئی تھی۔ اس نے اپنے طور پر بھی پاکستان کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں اور اس کے شہروں کے بارے میں وہاں کی زندگی کے بارے میں پوری معلومات جمع کر لی تھیں۔

''سندھ کے اس علاقے میں جہاں کے رہنے والے تم ہو غازی شاہ! سنا ہے بڑی گرمی پڑتی ہے۔''

''ہاں۔ دھوپ سے تپتی ہوئی زمین آگ اگلتی ہے لیکن ہمارے خاص طریقے سے بنے ہوئے گھر اس آگ جذب کر کے اندر ٹھنڈک پیدا کرتے ہیں۔''

''تمہارے ہاں۔ بڑی بڑی رہائش گاہ کو حویلی کہا جاتا ہے۔ ان حویلیوں کی کہانیاں بڑی عجیب اور پراسرار ہوتی ہیں۔''

''اب سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گی۔''

''یقین کرو۔ غازی شاہ میں بڑی سنسی محسوس کر رہی ہوں اپنے بدن میں۔ ہم کس

وقت تک وہاں پہنچ جائیں گے۔''

''بس اب تھوڑی دیر کے بعد ہمارا جہاز کراچی ائیر پورٹ پر اتر جائے گا۔ جناح ٹرمینل پر ہمارے ساتھی ایک جلوس کی شکل میں ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں نے اپنے ایڈووکیٹ کو اطلاع دے دی تھی اس نے یقینی طور پر میرے بڑے بھائی مکرم شاہ کو میری اور تمہاری آمد کی اطلاع کر دی ہوگی۔ وہ لوگ بڑی بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ گوٹھ سے کراچی تک کا سفر بہت زیادہ تو نہیں ہے لیکن پھر بھی کافی ہے میرا خیال ہے وہ رات ہی کو چل پڑے ہوں گے اور ائیر پورٹ پہنچ گئے ہوں گے۔ تم میری ماں سے ملو گی تو بہت خوش ہوگی۔ وہ ایک بہت پروقار اور روایتی عورت ہے۔ وہاں میری بھابی بھی ہے۔ ان کا نام افریشم ہے۔ افریشم بہت ہی اچھے خاندان کی خاتون ہے۔ غازی شاہ ایک ایک شخص سے تعارف کراتا آ رہا تھا یہاں تک کہ طیارہ کراچی ائیر پورٹ پہنچ گیا اور دو تین چکر لگانے کے بعد رن وے پر اتر گیا۔ اپنی باری آنے پر غازی شاہ کیتھرائن کے ساتھ سیڑھیاں طے کر کے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد۔ ان کا سامان بھی کلیئر ہو گیا اور غازی شاہ کی نگاہیں سامنے بھٹکنے لگیں۔ وہ مکرم شاہ اور دوسرے لوگوں کے چہرے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے کہ شرجیلہ بیگم بذات خود آ جائیں۔ بیٹے کی جدائی ماں کے لیے بڑی مشکل ہوتی ہے۔ بہر حال ان ہی تصورات کو لیے ہوئے وہ۔ اپنی ٹرالی دھکیلتا ہوا باہر نکلا تو سچل دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ سچل بھی گھر کا پرانا منتظم تھا۔ حویلی کے سو فی صد معاملات اس کی ذمہ داری ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی خاندانی ملازم تھا اور حاکم شاہ سے بھی پہلے اس کے اہل خاندان اس گھر کی چاکری کرتے تھے۔ سچل نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سینے پر رکھے اور سر جھکا کر بولا۔

''اللہ سائیں! غازی شاہ سائیں! کو دنیا کی ساری خوشیاں دے۔ صحت تندرستی اور زندگی دے۔ آیئے یہ ٹرالی مجھے دے دیجئے۔''

''باقی لوگ کہاں ہیں سچل!''

''آپ آیئے میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ دو بندے اور ہیں جو آپ کا سامان سنبھالیں گے۔''

''سائیں! بس میں آیا ہوں۔ سائیں مکرم شاہ نے مجھے ہی بھیجا ہے۔'' غازی شاہ کو پورا بدن ایک لمحے کے لیے تھرتھرا کر رہ گیا تھا۔ دیر تک وہ کچھ بول نہیں سکا۔ پھر اس کے بعد اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے اور کوئی نہیں آیا۔''

''نہیں سائیں! آیئے۔'' غازی شاہ نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھا۔ کیتھرائن کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ تھی۔ وہ مسکراہٹ میں ایک خنجر کی طرح غازی شاہ کے دل میں ترازو ہوگئی۔ وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چلتا ہوا۔ پجیرو تک آیا وہاں دو ملازم موجود تھے۔ انہوں نے اس کا سامان پجیرو کے پچھلے حصے میں رکھا اور پھر خود بھی بیٹھ گئے۔ غازی شاہ کیتھرائن کے ساتھ خود درمیانی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ سچل نے خود اسٹیئرنگ سنبھالا تھا اور گاڑی وہاں سے چل پڑی تھی بڑا خاموش اور اکتا دینے والا سفر تھا غازی شاہ کو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیتھرائن نے بھی اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ بہر حال سفر جاری رہا اور خاصی دیر کے بعد ایک وسیع و عریض میدان نظر آیا۔ جس میں یادگاریں بنی ہوئی تھیں۔ میدان کے بائیں جانب قبرستان تھا۔ یادگاروں پر چونا کیا گیا تھا اور ان کی سفیدی زمین پر عجیب سا تاثر چھوڑتی تھی۔ کیتھرائن بہر حال ان تمام مناظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور اپنے طور پر سوچ بھی رہی تھی کہ غازی شاہ نے جو کچھ کہا تھا وہ نہیں ہوا اس بات سے غازی شاہ خاصا دل برداشتہ نظر آتا ہے لیکن یہ بات متوقع تھی کیونکہ کیتھرائن جانتی تھی کہ اسے وہاں خوشی کے ساتھ نہیں قبول کیا جائے گا اور یہ بات اسے صرف ایک آدمی نے نہیں سر جیمز الگزینڈر، انڈانیا الگزینڈرا اور نکولس الگزینڈر نے اچھی طرح اسے سمجھائی تھی اور کہا تھا کہ بے شک یہ شادی اس کی زندگی کے لیے ایک خوشی ہے لیکن یہ الگزینڈرز فیملی کے لیے ایک مشن بھی ہے۔ جو کیتھرائن کو اسے انجام دینا ہے اور اس مشن کا آغاز ہو گیا تھا۔ نفرت کرنے والے لوگ اس وقت بھی اسی نفرت کا شکار تھے اور اسے ان سب کو سنبھالنا تھا۔ پھر پجیرو علی خیر محمد گوٹھ میں داخل ہوگئی۔ خود غازی شاہ کی کیفیت بہت خراب تھی۔ کیتھرائن نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا ان باتوں پر۔ لیکن غازی شاہ خود بڑی شرم محسوس کر رہا تھا اور اس کی وجہ بھی وہ جانتا تھا۔ دو صورتیں تھیں یا تو وہ لوگ خوشی سے غازی شاہ کی اس حرکت کو قبول کر لیتے یا پھر اس سے نفرت کا اظہار کیا جاتا۔ دوسرا عمل ہوا تھا اور غازی شاہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے انتہا پسندی سے کام لیا ہے۔ اصولی طور پر انہیں بعد میں غازی شاہ سے شکایت کر لینی چاہیے تھی۔ اس وقت تو اس کی عزت رکھنا چاہیے تھی اس بات نے غازی شاہ کو خاصا مشتعل کر دیا تھا۔ بہر حال پجیرو اندر داخل ہوگئی۔ حویلی میں بھی اس کا کوئی خاص استقبال نہیں کیا گیا تھا۔ سامنے افریشم، مکرم شاہ گھر کے ملازموں کے ساتھ اور آس پاس کے چند رشتے داروں کے ساتھ موجود تھے۔ غازی شاہ اور کیتھرائن نیچے اترے۔ تو افریشم چند قدم آگے بڑھ کے آ گئی اس نے مسکراتے ہوئے کیتھرائن کو گلے لگایا مکرم شاہ کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ چند قدم آگے بڑھا اور سرد مہری سے اس نے غازی

شاہ کو گلے لگایا۔ بہرحال بڑا بھائی تھا اور غازی شاہ نے ہمیشہ اس کی عزت کی تھی۔ اس لیے غازی شاہ خود کچھ نہ کہہ سکا لیکن اس کے انداز میں بھی سرد مہری پیدا ہوگئی تھی۔ پھر افریشم ان لوگوں کو لے کر اندر داخل ہوگئی۔ اور وہ حصہ جو ان لوگوں کے لیے سجایا گیا تھا وہاں غازی شاہ اور کیتھرائن پہنچ گئے۔ مکرم شاہ درمیان ہی سے چلا گیا تھا۔ افریشم البتہ ایک اچھی میزبان کا کردار ادا کر رہی تھی۔ انہیں ان کے کمرے میں پہنچانے کے بعد افریشم نے مسکراتے ہوئے غازی شاہ سے کہا۔

''ادا! گھر کو بھول تو نہیں گئے۔ ساری چیزیں جوں کی توں ہیں۔ اپنی بیوی کو ان کے بارے میں سمجھا دینا۔ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔'' غازی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر افریشم کو دیکھا۔ پھر سرد لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے بھابی! آپ کی مہربانی کہ آپ نے میرے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو اس وقت دوسرے کر رہے ہیں۔ ایک بات بتا سکتی ہیں آپ؟''

''ہاں۔ ادا۔ پوچھو۔'' افریشم نے کہا۔

''اماں کہاں ہیں۔ وہ خیریت سے تو ہیں۔ طبیعت ٹھیک ہے ان کی۔ کوئی بیماری تو نہیں ہے انہیں جس کی وجہ سے وہ ابھی تک میرے سامنے نہیں آئیں۔ یا پھر وہ مجھ سے ملنا ہی نہیں چاہتیں۔'' افریشم نے نگاہیں اٹھا کر غازی شاہ کو دیکھا پھر بولی۔

''ادا! یہ تمہارا فرض ہے جاؤ اور ماں کے پاؤں چومو۔ ٹھیک ہے وہ اپنی محبت سے مجبور ہیں لیکن کوئی وجہ ہوگی جو نہیں آئیں۔''

''پاؤں تو مجھے ان کے چھونے تھے بھابی! مگر اس جگہ جہاں وہ اپنے بیٹے کا استقبال کرنے کے لیے کھڑی ہوتیں۔ وہاں پر مجھے پاؤں چھونے تھے ان کے۔ ماؤں، بیوؤں تو آسمان کی طرح ہوتے ہیں۔ مگر انہوں نے واقعی مجھے آسمان بن کر زمین کی طرح دیکھا ہے۔ اس بات کو نہیں بھولوں گا بھابی! کہ بیوی سے میں نے کہا تھا کہ علی خیر محمد گوٹھ میں میرا ایک مقام ہے۔ میرے لیے جلوس آئے گا جو ہم لوگوں کو لے کر گوٹھ پہنچے گا۔ پر ایسا لگتا ہے کہ سائیں مکرم شاہ نے مجھے اپنے دل سے کھرچ کر پھینک دیا ہے۔ ہوسکتا ہے اس میں کوئی بڑی مصلحت ہو اور وہ مجھے ہر طرف سے میرے منصب سے بے دخل کرنا چاہتے ہوں۔'' افریشم تڑپ گئی اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر کچھ لمحے تک خاموش رہی اور اس کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

''ادا غازی شاہ! تمہارے کہے کا جواب میرے پاس ہے مگر میں یہ جرأت نہیں

کر سکتی۔ تم چھوٹے ہو میرے لیکن حویلی کے بڑوں میں سے ہو۔ میں چلتی ہوں اپنے لیے صرف اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ میری ضرورت ہو تو مجھے آواز دے دینا۔ میں حاضر ہو جاؤں گی۔'' یہ کہہ کر افریشم واپس چلی گئی۔ ان لوگوں کی یہ گفتگو سندھی زبان میں ہو رہی تھی۔ اس لیے کیتھرائن کے سمجھنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن انگریز نسل کی چالاک عورت ایک ایک جنبش سے تمام حقیقتوں سے واقف ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆

افریشم نے مکرم شاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''مسئلے کا حل یہ تو نہیں ہوتا سائیں! آپ بڑے ہو وہ چھوٹا ہے اگر ہمارے بابا جی ہمارے درمیان ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی لیکن اب ذمہ داری آپ کی ہے۔ آپ اس سے بات کرو۔''

''کیا بات کروں افریشم! جو کچھ وہ کر کے آ گیا ہے اس کے بعد بات کی کیا گنجائش ہے۔ بس ایسا لگتا ہے کہ اب دل پر زخم ہی زخم کھانے پڑیں گے۔''

''نہیں سائیں! خون کے رشتے ایسے نہیں چھوڑے جا سکتے۔ آپ کو اس پر غور کرنا پڑے گا۔ آپ ایسا کرو جا کر اماں کو سمجھاؤ۔ ماں بیٹے کے درمیان یہ بات نہیں ہونی چاہئے۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو افریشم مطلب تمہارا یہ ہے کہ ماں اس کے پاس جائے اور کہے بیٹے! تو کیسا ہے؟ وہ یہ سب کچھ کیوں بھول گیا؟''

''وجہ ہے اس کی۔ سائیں! اس کی وجہ ہے۔''

''کیا وجہ ہے؟''

''بس بچہ ہے۔ بیوی سے یہ کہہ کر لایا ہوگا کہ ادھر اس کا زبردست استقبال ہوگا۔ لوگ اس کے قدموں میں بچھ جائیں گے۔ یہ سب کچھ اسے نہیں ملا۔ تو بس بگڑ گیا ہے۔''

''نہیں۔ میں جاتی ہوں اس کے پاس، میں بات کروں گی اس سے۔'' دروازے سے آواز آئی۔ شرجیلہ دروازے میں کھڑی ہوئی تھی۔ مکرم شاہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

''نہیں۔ آپ کیوں جائیں گی اس کے پاس افریشم جاؤ۔ اس سے کہو کہ ماں اسے طلب کرتی ہے۔'' مکرم شاہ نے تڑپ کر کہا۔

''نہیں۔ نافرمان بیٹے کے سر سے ماں کی دعائیں تو اٹھ ہی گئی ہیں۔ اب وہ برائی ہو جانے دو جو برے لوگوں سے منسوب ہوتی ہے۔'' شرجیلہ نے کہا۔ مکرم شاہ خاموش ہو گیا تھا۔ پھر شرجیلہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں غازی شاہ اس وقت

بھی ایک دیوان پر دراز خنجر کی نوک سے پینسل چھیل رہا تھا۔ماں کو دیکھ کر اس نے خنجر رکھ دیا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''میں نے سوچا کہ بہو بیٹے کو سلام کر آؤں۔'' شرجیلہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مہربانی ہے آپ کی اماں! میری تو دراصل ہمت ہی نہیں ہوئی آپ کے پاس آنے کی، اتنا بڑا مجرم خود ان لوگوں کے سامنے کیسے جائے۔جن کے خلاف اس نے جرم کیا ہے۔''

''تجھے اپنے مجرم ہونے کا احساس ہے۔'' شرجیلہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔کیتھرائن ایک گوشے میں خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

''نہیں'' غازی شاہ نے جواب دیا۔

''ہوں۔گویا تیرا خیال ہے کہ تو نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔''

''ہاں۔اماں آپ نے مجھے اس کا موقع دیا مجھے ولایت بھیج دیا۔میں نے وہاں کی فضا میں زندگی کے آٹھ سال گزارے ہیں۔پھر اس کے بعد میں وہاں کے ماحول کو کیوں نہ اپنا لیتا۔''

''تجھے اس لیے بھیجا گیا تھا کہ تو شادی کر لے۔''

''نہیں لیکن شادی بھی زندگی کے شب و روز کا ایک حصہ ہے اور پھر میں نے جس خاندان میں شادی کی ہے وہ انگلینڈ کا اعلیٰ ترین خاندان ہے۔کیتھرائن جانتی ہے کہ پاکستان میں ہم لوگ گاؤں گوٹھوں کے رہنے والے ہیں اور ہمارے گھر بار میں سادگی ہے۔میں نے اسے بتایا تھا اماں! کہ یہاں تہذیب کی ریل پیل نہیں ہے لیکن محبت کی ریل پیل ہے۔یہاں سب لوگ اس کی عزت کریں گے اس سے محبت کریں گے۔مجھے بڑی شرمندگی ہے اس کے سامنے۔''

''نہیں۔ہرگز نہیں ہم محبت کے متوالے ہیں۔انسان کی عزت کرتے ہیں لیکن انسان کی اس گندی نسل کی نہیں۔جس نے دھوکے سے ہمارے وطن پر قبضہ کیا اور ہمارے آقا بن بیٹھے۔آقا بننے کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ تو بھی جانتا ہے کیونکہ ہم نے تجھے تعلیم سے الگ نہیں رکھا۔جان بوجھ کر اس نسل کی لڑکی کو تو بیاہ کر لے آیا جس کے لیے ہمارے دلوں میں نفرت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔''

''کیتھرائن میری بیوی ہے کسی فوج کی سربراہ نہیں ہے۔وہ انگریزوں کی نمائندہ بن کر یہاں نہیں آئی ہے میری بیوی بن کر آئی ہے۔آپ کی بہو، میرے بچوں کی ماں، اس حویلی

کی مالک، آپ لوگ گڑے مردے اکھاڑتے ہیں۔اس دور کے لوگوں نے غلطی کی تھی۔جو انگریزوں کو اپنے آپ پر مسلط کر لیا۔یہ ان کی غلطی تھی اب تو دور بالکل بدل چکا ہے۔واقعات اور حالات بھی بدل چکے ہیں۔''

''لیکن یہ قوم کبھی نہیں بدل سکتی تو ان کی تاریخ جانتا ہے۔غازی شاہ۔''

''دیکھو۔میں صرف ایک بات جانتا ہوں۔میں نے اس سے شادی کی ہے اور میری بیوی ہے علی خیر محمد گوٹھ میں اس کے لیے میں عزت کا مقام چاہتا ہوں اور اسی وعدے پر اسے یہاں لایا ہوں۔آپ لوگوں کا رویہ ہمارے ساتھ بہت خراب ہے۔کتنا وقت گزر چکا ہے اور سائیں نے ایک لمحہ کے لیے ہمارے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔یہ تمام باتیں مجھے کسی اور راستے پر لے جا رہی ہیں۔''

''کون سے راستے کی بات کرتا ہے تو؟ دھمکیاں دے رہا ہے ہمیں۔تو نے اس سے شادی کی ہے۔''

''ہاں۔میں نے اس سے شادی کی ہے۔''

''ہمارے بغیر۔''

''بس میں اچانک اسے آپ کے سامنے لانا چاہتا تھا۔''

''تو جانتا ہے ہمارے ہاں شادیاں کیسے ہوتی ہیں۔''

''میں نہیں جانتا آٹھ سالوں نے مجھ سب کچھ بھلا دیا ہے۔''

''کیا یہ لڑکی مسلمان ہو چکی ہے۔''

''نہیں عیسائی ہے۔''

''عیسائی لڑکی؟ تو نے اسے مسلمان نہیں کیا۔''

''بالکل نہیں۔''

''پھر شادی کیسے ہوئی اس سے نکاح ہوا تھا تیرا۔''

''شادی دو انسانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت کا نام ہے اماں! اس میں خدا کو گواہ بنا لیا جاتا ہے۔ہم نے بھی خدا کو گواہ بنا لیا تھا اس نے گاڈ کہا تھا اور میں نے خدا بس۔''

''افسوس! میں نہیں سمجھتی تھی کہ میں تیرے ساتھ کیا کر رہی ہوں وہ بھائی جو تجھے انگلینڈ بھیج کر ایک نیا روپ دینا چاہتا تھا۔اس نے غلطی کر دی بس۔''

''اور اب میں کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں اماں! مجھے معاف کرنا میں تو یہ سمجھتا

ہوں کہ اداسائیں نے مجھے اس لیے باہر بھیجا تھا کہ میری واپسی نہ ہو اور جب غلطی سے میں واپس آ گیا ہوں تو انہیں سخت مایوسی ہوئی ہے۔ وہ دکھی ہے کہ انہیں زمینوں میں یا دولت اور جائداد میں مجھے حصہ دینا پڑے گا۔''

''کیا بکواس کرتا ہے تو۔'' شرجیلہ غصے سے کھڑی ہوگئی۔

''میں یہ بکواس کرنے کے لیے ادھر نہیں آیا تھا اماں! میں یہ بکواس کرنے کے لیے ادھر نہیں آیا تھا میں تو کچھ اور سوچ کر ہی آیا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں ہر کام اچھا ہوتا ہے۔ وقت پر پہنچ گیا میں اگر ابھی یہاں آنے کا فیصلہ نہ کرتا تو اداسائیں نجانے کیا کیا کر چکے ہوتے۔''

''تو واپس چلا جا غازی۔ تو واپس چلا جا جہاں سے آیا ہے وہاں واپس چلا جا۔ یہاں تیری گنجائش نہیں ہے۔''

''افسوس کی بات ہے۔ آپ بھی اداسائیں کے ساتھ مل گئی ہو اماں! مجھے افسوس ہے لیکن میں اس سازش کو مکمل نہیں ہونے دوں گا۔ یہ زمینیں، یہ علاقہ، میرے باپ کا ورثہ ہے۔ اس پر میرا بھی حق ہے اور میں اس حق کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔'' شرجیلہ کا بدن کانپنے لگا وہ بولنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن بول نہیں پا رہی تھی۔ پھر وہ تیزی سے واپس مڑی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ غازی شاہ سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی گردن گھومی اور اس کی نگاہیں کیتھرائن پر آ جمیں۔ وہ چونک سا گیا تھا کیتھرائن مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ غازی شاہ کی آنکھیں جھک گئیں۔ تو کیتھرائن آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

''کیا بات ہے غازی شاہ! پریشان ہو گئے ہو تم لیکن میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہر مشکل میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''بس میں تمہیں کیا بتاؤں کیتھی! کیا بتاؤں میں تمہیں۔''

''مجھے کچھ مت بتاؤ۔ سب کچھ دیکھ رہی ہوں۔ سب کچھ سمجھ رہی ہوں۔ لیکن فکر مت کرنا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ایک بات کہوں تم سے۔ میری بات مان لوگے۔'' غازی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ کیتھرائن کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''دیکھو۔ جب دشمنوں کی کچھار میں آ کر بیٹھ جاؤ اور دشمن تمہارے اردگرد غرا رہے ہوں تو تمہیں چاہیے کہ امن کا لبادہ اوڑھ لو۔ اس طرح سر جھکا کر بیٹھ جاؤ کہ ان کے ہاتھ تمہاری جانب نہ بڑھ سکیں۔ اور پھر اس وقت کینچلی سے منہ نکالو۔ جب تم انہیں اچھی طرح سمجھ لو اور یہ جان لو کہ وہ کہاں تک جا سکتے ہیں۔ یہی تمہارے مقابلے کا انداز ہونا چاہیے۔ سمجھ رہے ہو

نا تم اس طرح تنہا ان سے مقابلہ کر سکو گے۔ ورنہ یہ سوچ لو کہ تمہارے اردگرد دشمنوں کا ڈیرا ہے۔ تم ان سب سے اکیلے جنگ نہیں کر سکتے۔'' غازی شاہ کسی قدر حیران نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

''مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''تھوڑی سی نرمی اپنے اندر۔ تھوڑی سی نرمی، تم فکر مت کرو۔ بس جو میں کہوں وہ کرتے رہو۔ پھر تماشا دیکھو۔'' غازی شاہ نے گہری سانس لی۔ کیتھرائن کو دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ اس کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں کھل گئے۔

''ٹھیک ہے آج سے تم میری استاد۔'' کیتھرائن نے دل ہی دل میں کہا میں نہیں بلکہ تمہارے استاد میرے گرینڈ فادر سر جیمز الگزینڈر ہیں۔ جنہوں نے اپنی ذہانت مجھے دے کر ایک بار پھر ایشیاء پر اقتدار قائم کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

☆☆☆☆

افریشم اچھی طرح محسوس کر رہی تھی کہ ان دونوں مکرم شاہ بہت پریشان ہے۔ بڑی عظیم الشان زمینیں تھیں ان کی بہت ہی اعلیٰ اقتدار کے مالک تھے۔ عام وڈیروں کی طرح مکرم شاہ اس طبیعت کا مالک نہیں تھا۔ جو وڈیروں کی طبیعت اور ان کا مزاج ہوتا ہے۔ افریشم کو مکرم شاہ سے آج تک کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایک محبت کرنے والا شوہر اور ایک بہت ہی نرم دل رکھتا تھا۔ جو ماں کی بے پناہ عزت کرتا تھا۔ ایسے لوگ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ لیکن جب سے غازی شاہ واپس آیا تھا افریشم محسوس کر رہی تھی کہ مکرم شاہ پوری نیند نہیں سو سکا تھا۔ اس کے اثرات اس کے سرخ وسفید چہرے سے بھی نمایاں تھے۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ مکرم شاہ کا ہنستا ہوا چہرہ اترا ہوا ہے۔ اس وقت بھی مکرم شاہ اپنے بیڈروم میں کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تاریک خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ افریشم تھوڑی دیر پہلے سو رہی تھی۔ لیکن اچانک ہی کسی کھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ مکرم شاہ جاگ رہا ہے۔ کھڑکی کے دوسری طرف پھیلے ہوئے ستاروں کی مدہم چھاؤں میں مکرم شاہ کا چہرہ اور اس کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ جب افریشم سے نہ رہا گیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مکرم شاہ کو ایک دم احساس ہو گیا تھا کہ سوئی ہوئی افریشم اس کی وجہ سے جاگی ہے وہ جلدی سے واپس پلٹا اور اس نے کھڑکی بند کرنے کی کوشش کی تو افریشم نے کہا۔

''نہیں سائیں! رہنے دیجئے کوئی بات نہیں ہے۔ ہوا کے جھونکے خوشگوار محسوس ہو رہے ہیں۔ میں آپ کے پاس آ سکتی ہوں؟''

’’مکرم شاہ افریشم کے پاس پہنچا۔ محبت سے اس کا بازو پکڑا اور اسے ساتھ لے کر چل پڑا۔ پھر کھڑکی کے پاس پہنچ کر اس نے کہا۔

’’اگر جی چاہتا ہے افریشم تو باہر لان پر چلتے ہیں ہوائیں خوشگوار ہوں گی۔‘‘

’’آیئے چلتے ہیں۔‘‘ افریشم نے شوہر کی خوشنودی کے لیے کہا اور پھر دونوں وہاں سے آگے بڑھ کر کمرے سے نکل آئے اور راہداریاں اور غلام گردشیں طے کرتے ہوئے بیرونی حصے میں پہنچ گئے۔ رات کی رانی اور موتیا کی ملی جلی خوشبو مزہ دے رہی تھی اور بہت ہی خوشگوار موسم پیدا ہوگیا تھا۔ ایک خوبصورت قطعے پر دونوں گھاس پر بیٹھ گئے۔ افریشم کہنے لگی۔

’’اگر کسی نے ہمیں یہاں بیٹھے دیکھ لیا سائیں! تو سوچے گا کہ ’’بوڑھے منہ مہاسے‘‘ اس عمر میں بچوں جیسی حرکتیں کرنے چلے ہیں۔‘‘

’’اگر تم مجھے بوڑھا کہنا چاہتی ہو! افریشم تو تمہیں نہیں روکوں گا لیکن سچ تو یہ کہ ابھی ہم بوڑھے کہاں ہیں۔‘‘

’’ہو جائیں گے سائیں! ہو جائیں گے جب ہم سے چھوٹا اس دنیا میں آجائے گا۔‘‘ افریشم نے کہا اور مکرم شاہ کی آنکھوں میں ستارے اتر آئے۔ پہلے بچے کا باپ بننے والا تھا اور دل میں سینکڑوں آرزوئیں اور امنگیں تھیں اولاد دیر سے ہی پیدا ہو رہی تھی لیکن بہر حال قدرت نے اسے اولاد سے محروم نہیں رکھا تھا۔ افریشم کی کیفیت ایسی نہیں کہ وہ اس وقت کوئی ذہنی دباؤ برداشت کر سکے۔ گھر کا ہر فرد اس بات کا خیال رکھتا تھا لیکن بہر حال اب ایک مشکل پیش آگئی تھی۔ مکرم شاہ کو تو اس بات کا افسوس تھا کہ ان حالات میں افریشم کو یہ ذہنی دباؤ برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ ادھر افریشم مکرم شاہ کی خوشیوں کی خواہش مند تھی۔ بہر حال یہ سارا سلسلہ دونوں میاں بیوی کے درمیان تھا۔ افریشم کہنے لگی۔

’’کیسی عجیب بات ہے۔ آپ جاگ رہے تھے اور میں پریشان تھی کہ آپ کیوں جاگ رہے ہیں۔ لیکن میں نے اب تک آپ سے آپ کے جاگنے کے بارے میں نہیں پوچھا۔‘‘

’’جانتی ہو افریشم سب کچھ جانتی ہو۔ بڑا غمزدہ ہوں میں تم یقین کرو یا نہ کرو۔ آنے والا یا والی تو ابھی اس دنیا میں نہیں آئے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان کی صنف کیا ہوگی لیکن اگر تم میری بات پر یقین کرو۔ تو میرے دل کے ہر گوشے میں میرا بھائی بسا ہوا تھا اور میں نے کبھی اس سے ہٹ کر نہیں سوچا تھا۔ اب میں بڑی مشکل کا شکار ہوں کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ بستی میں بہت سے معزز لوگ ہیں وہ ہماری خاندانی روایات کو جانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ خیر محمد

گوٹھ ہمیشہ انگریزوں کا دشمن رہا ہے شاید تمہیں اس بات کا یقین نہ آئے کہ میرا ایک دوست کراچی میں رہتا ہے۔ سفارت خانوں سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ وہ خود بھی ایک بہت بڑا آدمی ہے۔ آسٹریلیا کے ایک سفیر نے ہمارے علاقے میں پاڑے کا شکار کھیلنے کی اجازت مانگی تھی پاڑا صرف انہیں علاقوں میں ملتا ہے۔ سندھ کے دوسرے علاقوں میں پاڑا نہیں ہے۔ میں نے صرف اس لیے اس دوست سے معذرت کر لی کہ بستی خیر محمد گوٹھ کے رہنے والے یہ نہیں جانتے کہ کون انگلینڈ کا رہنے والا ہے اور کون آسٹریلیا کا۔ سفید رنگ کا کوئی فرد ہمارا مہمان بنے گا۔ تو وہ لوگ صرف یہی کہیں گے کہ وہ انگریز ہے اور مجھ پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ میں نے اپنے دوست کو یہ بات بتائی تو وہ خوب ہنسا۔ کہنے لگا کہ ٹھیک ہے وہ کسی طرح آسٹریلیا کے سفیر کو منع کر دے گا لیکن بات دلچسپ ہے۔ تو اب ہماری اس لال حویلی میں ایک انگریز عورت آگئی ہے۔ خالص انگریز اور وہ بھی ہماری عزت بن کر تو اس کے بعد سکون کیسے رہ سکتا ہے۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ اصل بات یہ ہے۔‘‘

’’ایک بات کہوں آپ سے۔ اس بے چینی کا کوئی نہ کوئی حل تو نکالنا ہی ہوگا۔ تعاون کی بات کیجئے آپ کے اوپر کون سا دباؤ ہے ایسا۔ لوگوں کو جواب دے دیجئے۔‘‘

’’بات لوگوں کو جواب دینے کی نہیں ہے۔ کسی کی اتنی جرات نہیں ہے کہ مجھ سے جواب طلب کرے۔ لیکن میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ غازی شاہ کے انداز میں بڑی سرکشی پیدا ہوگئی ہے۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سرکشی کس وجہ سے پیدا ہوئی ہے وہ دوسرے تصورات لے کر یہاں آیا ہوگا لیکن یہ مناسب نہیں ہے کچھ نہ کچھ حل نکلنا چاہیے۔ ان مشکلات کا اور پھر برا مت ماننا میں ان دنوں تمہارے بارے میں بھی سوچ رہا ہوں اور ایک خاص بات سوچ رہا ہوں۔‘‘

’’کیا؟‘‘ افریشم نے سوال کیا۔

’’تم سکھر چلی جاؤ اور میرے۔ بچے کو وہیں جنم دو۔ تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں رہنا چاہے۔‘‘ افریشم نے نگاہیں اٹھا کر مکرم شاہ کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں شکایت تھی۔ مکرم شاہ کو ایک دم احساس ہوگیا۔ کہنے لگا۔

’’اور تم یہ بات جانتی ہوں افریشم کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ پورے خلوص اور پوری سچائی سے کہا ہے اس کے پس منظر میں کوئی غلط بات نہیں ہے۔‘‘

’’جانتی ہوں سائیں! اچھی طرح جانتی ہوں۔ پر آپ مجھے ایک بات بتاؤ۔ ہم تو ہر مشکل کے ساتھی ہیں۔ ہر دکھ اور تکلیف میں زندگی بھر ہاتھ میں ہاتھ رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ ایک دوسرے سے، تم اس وقت پریشان ہو تو اپنے آپ سے دور کر رہے ہو۔ اس وقت تو میں سمجھتی

ہوں کہ میرا فرض سب سے آگے ہے۔'' مکرم شاہ نے آگے بڑھ کر افریشم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور محبت بھرے لہجے میں بولا۔

''نہیں افریشم! تم خود بھی سمجھتی ہو کہ میں ایک لمحہ تمہیں اپنے آپ سے دور کرنا گوارا نہیں کرتا۔ لیکن ہم اپنے نئے ساتھی کو کیوں پریشان کریں۔ اسے تو ابھی کسی الجھن کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ مکرم شاہ نے افریشم کی جانب اشارہ کر کے کہا اور افریشم نے شرما کر گردن جھکا لی۔ پھر مدھم لہجے میں بولی۔

''وہ ہمارا اپنا ہے۔ ہم دونوں کا خون مشترک اگر ہماری تکلیفوں میں وہ ابھی سے شریک نہیں ہوگا۔ تو آگے کب ہمارا وفادار رہ سکتا ہے۔'' مکرم شاہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا پھر اس نے کہا۔

''کس طرح کہہ رہی ہو تم جیسے وہ ساری باتیں سن رہا ہو۔'' افریشم بھی مسکرانے لگی۔ شوہر کے ذہن کا بوجھ کسی حد تک کم کر دینے سے اسے دلی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''ہر مشکل کا حل نکل آتا ہے۔ سائیں! آپ اتنا بوجھ نہ ڈالوا اپنے سر پر۔ میں تو کہتی ہوں۔ معاف کر دو اسے۔ جب آپ جانتے ہیں کہ آپ کو کسی کو جواب وہی نہیں کرنی۔ آپ اسے اپنا مسئلہ بتاؤ۔ کوئی آپ سے سوال کرے تو اسے یہی کہو کہ وہ آپ کا بھائی ہے وہ آپ کا بیٹا ہے کوئی غلطی کر بھی بیٹھا ہے تو اس غلطی کو نبھانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ بے فکر ہو کر کام کریں کوئی اگر الٹی سیدھی بات کرے تو اس کے ساتھ سختی کریں تھوڑے دن بعد تمام آوازیں دب جائیں گی۔ آپ کو کون سا کسی کے سامنے سر جھکانا ہے۔''

''جھکانا ہے افریشم! مجبوری تو یہی ہے جھکانا ہے۔ مان لوں میں ساری باتوں کو دفن کر دوں میں اپنی روایات لیکن ایک ہستی ایسی ہے جس کی وجہ کچھ یہ سب نہیں کر سکتا۔ جسے شدید دکھ پہنچا ہے۔ اور اس کی وجہ سے میں بھی دکھی ہوں۔''

''کون؟'' افریشم نے تعجب سے سوال کیا۔

''اماں! تم نے اماں کا چہرہ غور سے نہیں دیکھا ذرا اس پر غور کر لو۔ وہ پتھرا کر رہ گئی ہے۔ ہم تو جدید نسل کے لوگ ہیں۔ بہت سی باتوں کو کانوں کے پاس سے گزار دیتے ہیں لیکن ماں کے لیے یہ مشکل ہو رہا ہے۔ یہ آٹھ سال اس نے کس طرح تڑپ تڑپ کر گزارے ہیں۔ میں جانتا ہوں ہر لمحے یاد کرتی رہی ہے غازی کو بلکہ کبھی کبھی تو مجھے یہ احساس ہوتا تھا کہ میں نے یہ فیصلہ کر کے غلطی کی ہے۔ اس وقت تک یہ احساس صرف اس لیے تھا کہ ماں اپنے بیٹے کی

جدائی کی وجہ سے دکھی ہے۔ لیکن آج اس کے جو نتائج نکلے ہیں افریشم! آج میں ان نتائج سے دکھی ہوں۔'' افریشم سر جھکائے شوہر کی بات سن رہی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''ماں کو میں سمجھاؤں گی وہ بہت اچھی ہیں میری بات ضرور مان جائیں گی۔''

افریشم اسی وقت شرجیلہ کے پاس پہنچی۔ شرجیلہ ایک آرام چیئر پر دراز ہلکے ہلکے ہچکولے لیتی ہوئی آنکھیں بند کیے سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ افریشم کی آہٹ پر وہ سنبھلی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ افریشم نے اس کے قدموں میں بیٹھنے کی کوشش کی۔ تو شرجیلہ نے جلدی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور بولی۔

''نہیں صوفے پر بیٹھو میں تمہاری محبت اور تمہاری سعادت مندی پر کبھی کوئی شک نہیں کرتی۔ میرے برابر کا درجہ حاصل ہے تمہیں۔ بیٹھو آرام سے بیٹھو۔ طبیعت ٹھیک ہے۔''

''جی اماں! بس آپ کی وجہ سے تھوڑی سی پریشان ہوں۔'' افریشم نے براہ راست کہا۔

''میری وجہ سے۔''

''ہاں اماں! آپ پریشان ہیں تو میں خوش نہیں رہ سکتی۔'' شرجیلہ نے نگاہیں اٹھا کر بہو کو دیکھا اور بولی۔

''میری پریشانی کا کوئی حل نہیں ہے افریشم! میں بہت غور کر رہی ہوں بہت سوچ رہی ہوں۔ حل نہیں نکل رہا۔ دیکھو آنے والے وقت میں اللہ سائیں! تمہیں بہت سی اولادوں سے نوازے گا۔ تم دیکھ لینا اور میری بات کو یاد رکھنا۔ انسان اولادوں میں تفریق نہیں کر سکتا۔ کسی سے کم اور کسی سے زیادہ محبت نہیں کر سکتا۔ آٹھ سال اس کی جدائی میں کاٹے تھے میں نے ہر لمحہ انتظار کیا تھا تم سوچ لو آٹھ سال میں کتنے لمحے ہو سکتے ہیں، پر اس نے غلط کیا ہے۔ برا کیا ہے۔ میری نگاہیں دور تک دیکھ رہی ہیں۔ ہمارے پرکھے۔ ہمارے بڑے اس خاندان کو آباد کرتے چلے آئے ہیں۔ نسلیں چلتی ہیں شجرے بنتے ہیں اور انسان کو پہچانے جاتے ہیں۔ ہندوستان تقسیم ہونے سے سینکڑوں برس پہلے سے خیر محمد گوٹھ ہمارے خاندان سے آباد ہے۔ سارے وڈیرے ہمارے اپنے لوگ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی روایات قائم کی ہیں۔ اس وقت جب انگریز ہندوستان پر قابض ہوا تھا قرب و جوار کے بہت سے وڈیروں نے جو ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی تھے۔ انگریز کی غلامی قبول کر لی تھی۔۔ ہماری روایات میں ہے کہ خیر محمد گوٹھ میں انگریزوں کو ہمیشہ ذلیل و خوار سمجھا گیا۔ جب بھی انہوں ادھر کا رخ کیا انہیں بھگا دیا گیا یہاں ان کی ایک نہیں چلنے دی گئی تھی۔ تم اگر چاہو تو پیچ نامے میں یہ تاریخ دیکھ سکتی ہو تاریخ

سندھ میں ہمارے خاندان کی ساری کہانیاں پڑھ سکتی ہو۔ سب سے بڑی روایت یہ رہی ہے اس خاندان کی کہ اس نے انگریزوں کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ جبکہ سندھ کے دوسرے علاقوں میں انگریزوں کے پنجے گڑ گئے تھے۔ اب ایسے حالات میں ہم میں سے کوئی ایک انگریز عورت کو ہماری مالک بنا کر لے آئے تو سوچو یہ سب کیا ہے۔ کیا یہ دکھ کی بات نہیں ہے۔''

''ہے اماں! لیکن ہر مشکل کا کوئی حل نکالا جاتا ہے۔''

''یہی حل نکال رہی ہوں میں، یہی پریشانی ہے مجھے اور کوئی پریشانی نہیں ہے حل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں دونوں کو اپنے ہاتھ سے گولی ماردوں اور قصہ ختم کردوں لیکن ماں ہوں ایسا نہیں کرسکتی ہاں! اگر پانی سر سے اونچا ہوگیا تو شاید مجھے یہ سوچ کر دنیا سے رخصت کرنا پڑے کہ میرا ایک ہی بیٹا تھا۔ دوسرے بیٹے کو میں نے جنم ہی نہیں دیا۔'' افریشم لرز کر رہ گئی۔ شرجیلہ اس حد تک خونخوار ہوچکی ہے۔ اپنے بیٹے کے سلسلے میں۔ اس نے یہ بات نہیں سوچی تھی۔ شرجیلہ کے چہرے پر سرخی اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ جو کچھ کہہ رہی ہے کر بھی سکتی ہے وہ دیر تک بیٹھی لرزتی رہی۔ شرجیلہ نے تھوڑی دیر کے بعد نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔

''ہاں! یہ حقیقت ہے۔ مردوں پر ہی نہیں عورتوں پر بھی خاندانی اقتدار سنبھالے رہنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ میں اس گھر کی بزرگ ہوں اگر میں سختی سے کہتی کہ مکرم شاہ غازی شاہ اس ملک میں نہیں جائے گا جس سے ہمیں نفرت ہے۔ تو مکرم شاہ ضد نہ کرتا اور بات ختم ہوجاتی پر میں نے بھی لچک دکھائی اور جانے دیا اب اس کا نتیجہ بھگت رہی ہوں۔ بس تم بیٹی! تم خوش رہو پریشان نہ ہو۔ تم پر ایک اہم فرض عائد ہوا ہے۔ تمہیں ہماری نسلوں کو نیا پھول دینا ہے۔ اسے جنم دینا ہے تمہیں جو ہمارا آئندہ وارث ہوگا اس لیے تم ہر فرض خوش اسلوبی سے پورا کرو۔ سمجھ رہی ہو نا تم اپنے ذہن پر کوئی بوجھ مت ڈالو'' افریشم کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

''لیکن اماں میں اسی وقت خوش رہ سکوں گی جب آپ مطمئن ہوں۔ جب سائیں مکرم شاہ مطمئن ہوں۔ سب دکھی ہوں گے تو میں کیسے خوش رہ سکتی ہوں۔'' شرجیلہ نے مسکرا کر بہو کو دیکھا اور بولی۔

''میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے میں نے تمہیں بیٹیوں کا درجہ دیا ہے۔ تمہاری اس محبت اور پریشانی کو میں دل سے قبول کرتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم اپنے آپ کو مطمئن رکھو۔ لڑ رہی ہوں، سوچ رہی ہوں اسی وقت سے، کوئی حل نہ نکل سکا تو تم سے

بات کروں گی۔ سمجھیں جاؤ آرام کرو۔'' افریشم خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔

صدیوں سے قائم یہ حویلی بہت وسیع وعریض تھی۔ اس میں بے شمار اضافے ہوئے تھے۔ اس کی وسعت بے پناہ تھی اور اس میں خاص طور سے مغربی حصہ بے حد خوبصورت بنا ہوا تھا۔ یہ کچھ عرصے پہلے تعمیر کرایا گیا تھا اور شاید خیال بھی یہی تھا کہ غازی شاہ کو واپس آنے کے بعد یہ حصہ دیا جائے گا لیکن اس کی شادی کرنے کے بعد اور اس سلسلے میں بہت سے منصوبے دونوں ماں بیٹوں نے بیٹھ کر بنائے تھے۔ افریشم بھی شریک رہا کرتی تھی۔ پھر شرجیلہ نے بیٹے کو بلایا اور مکرم شاہ اس کے پاس پہنچ گیا۔

''مکرم شاہ! مشرقی حویلی ہم نے غازی شاہ کے لیے تعمیر کرائی تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ وہاں منتقل ہوجائے۔'' مکرم شاہ نے ماں کا چہرہ دیکھا اور بولا۔

''ضرور۔ آپ اسے وہاں بھیج دیجیے۔''

''تم کیوں نہیں کہتے اس سے۔''

''نہیں اس وقت اس کے دل میں میرے لیے غصہ ہے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ دے مجھ سے۔''

''ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی اس سے۔'' یہ بھی کہہ دوں گی کہ اگر وہ گوٹھ سے کہیں اور جانا چاہتا ہے تو اسے تمام سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔'' مکرم شاہ نے ایک دم سیدھا ہاتھ اٹھا دیا اور سرد لہجے میں بولا۔

''نہیں اماں! آپ سے کسی مسئلے میں اختلاف نہیں کرتا ہوں میں۔ اس مسئلے میں اختلاف کروں گا۔ ہم اسے دور نہیں بھیجیں گے اور اس کی وجہ آپ جانتی ہو۔ حالانکہ وہ ایک کمزور سی لڑکی ہے اکیلی آئی ہے اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی کسی کو، لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی بھی بہت مختصر افراد کے ساتھ یہاں پہنچی تھی اور اس کے بعد اس نے جو کچھ کیا آپ کے علم میں ہے۔ یہ اکیلی لڑکی بھی پورے انگلستان کی نمائندہ ہوسکتی ہے۔ ہم غازی شاہ کو اس کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔ میں کچھ فیصلے کر رہا ہوں اماں! کچھ منصوبے بنا رہا ہوں میں وہ آگئی ہے ٹھیک ہے دنیا داری بھی نبھا لیں گے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس پر نظر بھی رکھیں گے۔ ہم اپنے غازی شاہ کو اس طرح نہیں چھوڑ سکتے۔ میں آپ کو ایک بات بتاؤں اماں اگر بات صرف غازی شاہ کی محبت کی ہوتی تو وہ جس قدر بھی کوششیں ہوسکتی تھیں کر کے اسے وہاں رہنے پر مجبور کر دیتی، آپ دیکھ رہی ہیں۔ غازی شاہ صرف اس کے اشاروں پر کھیلتا ہے۔ اس کے لیے یہ مشکل نہیں ہوتا لیکن اب صورت حال بالکل الگ ہے۔ غازی شاہ کو ہم اس کے حوالے نہیں کرسکتے ٹھیک

ہے آپ اسے ادھر بھیج دیں۔ بات کرلیں اس سے اگر وہ خود پسند کرے تو ٹھیک ہے۔'' شرجیلہ نے غازی شاہ کو بلایا اور کہا۔

''مشرقی حویلی میں نے تمہارے لیے تعمیر کرائی ہے تم وہاں اپنی بیوی کے ساتھ چلے جاؤ۔''

''اگر آپ کہو اماں! تو خیر محمد گوٹھ میں کوئی اچھا مکان لے کر میں کیتھرائن کے ساتھ ادھر چلا جاؤں۔ آپ لوگ جس طرح چاہو مجھے اپنے آپ سے دور کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''اپنا سامان ادھر منتقل کرلو۔ اسے اپنی پسند کے مطابق سجالو''۔ شرجیلہ نے بیٹے کی بات سے متاثر ہوئے بغیر کہا کیتھرائن کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے مسکراتے ہوئے غازی شاہ سے کہا۔

''جب کوئی انسان سچائی پر ہوتا ہے تو تقدیر سارے فیصلے اس کے حق میں کرتی ہے۔''

''ادا سائیں نے مجھے ماں سے اور اپنے آپ سے دور کرنے کے لیے یہ چال چلی ہے۔ میں ان کی ساری چالوں کو سمجھتا ہوں'' غازی شاہ نے کہا اور کیتھرائن قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ غازی شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ جب کیتھرائن خاموش ہوئی تو اس نے کہا۔

''کیوں۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔''

''مجھے معاف کرنا جو کہوں گی برا تو نہیں مانو گے۔''

''کہو'' غازی شاہ بولا۔

''بہت سیدھے بڑے معصوم لوگ ہیں تمہارے گھر والے۔ تم انہیں چالاک سمجھتے ہو۔ جو حرکتیں وہ کر رہے ہیں وہ چھوٹے بچوں جیسی ہیں اور یہ اچھی بات ہے انہوں نے چالیں تو چل ڈالی لیکن صحیح چالیں چلنا نہیں آتا نہیں۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ اتنا فاصلہ ہوگیا ہے ہمارے اور ان کے درمیان اگر وہ ہر وقت ہم پر مسلط رہتے تو شاید ہم ان کی چالوں کا صحیح انداز میں جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اب ہمیں بھی کھیلنے کا موقع ملے گا۔ بہت سوچ سمجھ کر کام کرو غازی شاہ تم نے میرے کہنے پر عمل کرنے کا وعدہ کرلیا ہے۔ بس اس سے ہٹنا نہیں۔''

''کبھی کبھی تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں کیتھرائین!''

''اور میں تم سے آخری بار یہ درخواست کروں گی کہ میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اگر نہ سمجھ میں آئیں۔ تب بھی ان عمل پر سے گریز مت کرو۔ کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے۔''

''کیوں نہیں؟''

''وہ لوگ تمہیں الگ کر رہے ہیں الگ ہوجاؤ۔ اپنے آپ کو بہت زیادہ سخت مت ظاہر کرو لیکن ایسا بھی نہ کرو کہ ان کی گود میں بیٹھنے کی کوشش کرتے رہو یہ خطرناک ہوجائے گا۔ خاموشی سے ان کی ہدایات پر عمل کرو'' غازی شاہ ایک ٹھنڈی آہ لے کر خاموش ہوگیا تھا۔ کیتھرائن اس کی صورت دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

''کیوں؟ آپ کیا سوچ رہے ہو۔''

''میں سب کو جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں اور یہ دیکھ رہا ہوں کہ کیسے کیسے رویے تبدیل ہوئے ہیں۔ ماں انسان کا سب سے بڑا سہارا ہوتی ہے لیکن یہاں میری ماں ہی میرے خلاف ہے۔''

''دیکھو بہت سوچ سمجھ کر کام کرنا ہے۔ ہمیں ان لوگوں کو ہر حالت میں نیچا دکھانا ہے اور اس سلسلے میں تم مجھ پر اعتبار کرو۔''

''مجھے تم پر اعتماد ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ میرا رواں رواں سلگ رہا ہے۔ میں ان لوگوں سے اپنی اس بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ صرف ان سے نہیں بلکہ ان کی اولادوں سے اور ان کے سارے خاندان سے انتقام لیا جائے گا لیکن ہوشیاری شرط ہے؟'' کیتھرائن نے سفاک لہجے میں کہا۔ پھر بولی۔

''اب تمہیں اپنے رویے میں ہلکی ہلکی تبدیلی پیدا کرنی ہوگی جیسے ہی یہ لوگ ہمیں وہاں منتقل کر دیں۔ تمہیں سب سے محبت کا سلوک کرنا ہوگا۔ یہ میری ہدایت ہے تمہیں اور اب تم اس سلسلے میں میرے شاگرد بن چکے ہو۔''

مشرقی حویلی بے حد خوبصورت تھی۔ ہر آسائش وہاں موجود تھی۔ غازی شاہ نے ابھی تک یہاں آنے کے بعد اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ نہ ہی اپنی زمینوں پر گھومنے کے لیے نکلا تھا۔ جبکہ یہ زمینیں انتہائی وسعتوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسے اپنے کچھ دوست بھی یاد تھے خاص طور پر جمالی گوٹھ کا افضل شاہ اس کا بڑا گہرا دوست تھا جمالی گوٹھ کا وڈیرہ تھا اور بڑے کروفر کا آدمی تھا۔ بہت بڑا گروہ بنا رکھا تھا اس نے اور اس کے ذرائع آمدنی بھی کہیں کہیں پراسرار تھے۔ یہ خیال تھا کہ وہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر اسمگلنگ کرتا ہے لیکن ابھی تک اس کے خلاف کبھی کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی۔ آٹھ سال پرانی بات تھی اب پتا نہیں اس کے کیا حالات ہوں۔ انگلینڈ میں رہ کر دو تین بار غازی شاہ نے اگر سوچا تھا تو اسی کے بارے میں سوچا تھا وہ یہ بھی سوچ کر آیا تھا کہ جب وہ کیتھرائن کے ساتھ وطن واپس پہنچے گا۔ تو

تھوڑے عرصے کے بعد افضل شاہ کے پاس جائے گا اور اسے اپنی انگریز بیوی سے ملوائے گا۔ افضل شاہ کے مشاغل بھی ذرا رنگین سے تھے۔ شاید مکرم شاہ کو افضل شاہ کے بارے میں یہ تفصیلات معلوم تھیں۔ چنانچہ وہ اس وقت جب غازی شاہ یہاں موجود تھا غازی شاہ اور افضل شاہ کے تعلقات کو زیادہ پسند نہیں کرتا تھا۔ بہر حال اب تو سارے معاملات ہی مختلف ہو گئے تھے پہلے تو یہ طے کرنا تھا کہ اس کی حیثیت یہاں کیا ہوتی ہے۔ بہر حال کیتھرائن اس کی رہنمائی کر رہی تھی اس کے اشارے پر وہ تین دن کے بعد شرجیلہ کے پاس پہنچا۔ شرجیلہ غیر معمولی طور پر مطمئن نظر آتی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھال یا تھا غازی شاہ نے ماں کے سامنے پہنچ کر اس کی قدم بوسی کی شرجیلہ نے سرد مہری سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ غازی شاہ نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''تمہارا ہاتھ میرے سر پر سے کیوں ہٹ گیا۔ اماں! مائیں تو بچوں کے سروں پر ہاتھ رکھتی ہیں یہ میرے شانے پر تمہارا ہاتھ کیوں پہنچ گیا ہے۔''

''تیری ایک منزل کم ہو گئی ہے غازی شاہ! مجھے اس کا حق ہے کہ اپنے دل کی بات مانوں۔''

''مگر مجھے اب بتاؤ میں کیا کروں؟ جو ہونا تھا وہ تو میں کر ہی چکا ہوں۔''

''مانے گا نہیں تو، حل سوچتی رہی ہوں تیرے لیے لیکن بس ایک خوف ہے دل میں کہ جس طرح تو نے اس لڑکی سے شادی کے سلسلے میں سرکشی کی۔ اسی طرح کہیں میرے فیصلے سے سر نہ ہٹائے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔''

''کیا چاہتی ہیں آپ مجھے بتایئے۔''

''شادی کر لے۔ خاندان کی کسی لڑکی کو تلاش کرتی ہوں۔ شادی کر کے اسے آباد کر لے اپنے گھر میں۔ ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ اس انگریز لڑکی کو بھی ایک گوشے میں جگہ دے دے۔ اگر وہ انگلینڈ واپس جانا چاہے تو جو تیرا دل چاہے اسے دے اور اسے واپس بھیج دے۔ یہاں رہنا چاہے اسے رکھ۔ وڈیروں اور سرداروں کے لیے یہ کام مشکل نہیں ہوتا اور اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا۔ بلکہ اس طرح تو تیری گری ہوئی ساکھ اچھی ہو جائے گی۔ بھائی سے رشتہ قائم کرا سے بڑا سمجھ۔''

''کیا بات کرتی ہو اماں! میں یہ سوچ کر آیا تھا تم شاید میرے ساتھ اپنے اس سلوک پر پچھتا رہی ہو لیکن تم ہمیشہ میرے دل پر ایک گھونسہ مار دیتی ہو۔ اماں اگر اس بات کی گنجائش ہوتی کہ میں کوئی اور لڑکی اپنی زندگی میں شامل کر لوں۔ تو کیتھرائن کے لیے میں اتنی مشکل مول

نہ لیتا جواب میں شرجیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

''اس بات کا خوف ہے مجھے۔ اس نے جتنے گہرے پنجے گاڑ رکھے ہیں تیرے دل میں اس بات کے امکانات ہیں کہ وہ بہت زیادہ خطرناک نہ ہو جائے ہمارے لیے۔''

''میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اماں وہ ایک عورت ہے اور اپنے گھر اور اپنے خاندان سے اتنی دور ہے کہ اس کے خاندان والے اگر یہاں آنے کا تصور بھی کریں تو انہیں مشکل پیش آئے۔ فرض کر لو کہ وہ انگریز عورت ہے مگر ہے تو عورت ہمارا کیا بگاڑے گی اور وہ پھر اماں برا مت ماننا تمہارا احترام میری سر آنکھوں پر مجھے یہ بتا دو کہ اسے بھی اپنا مستقبل یہیں گزارنا ہے ہماری اولادیں یہیں پروان چڑھیں گی۔ اپنی زمینوں پر ان کی اجارہ واری ہوگی۔ وہ اپنی زمینوں کے وارث کہلائیں گے۔'' شرجیلہ نے عجیب سی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور بولی۔

''ہاں۔ ماں ہوں میں میرے دل سے تیرے لیے صرف دعائیں ہی نکلنی چاہیے لیکن میرا واسطہ صرف تجھ سے نہیں ہے اب بھی کبھی کبھی خوابوں میں مجھے تیرے باپ کی صورت نظر آتی ہے تو ایک ہی سوال ہوتا ہے ان کی آنکھوں میں وہ یہ کہ غازی شاہ نے اتنا غلط قدم کیسے اٹھالیا۔''

''یہ صرف تمہارا احساس ہے اماں بابا سائیں اگر ہوتے تو کوئی مشکل، مسئلہ ہی نہ ہوتا۔''

''ہاں۔ واقعی اگر بابا سائیں ہوتے تو یہ فیصلہ کرتے کہ تجھے انگلینڈ کبھی نہ بھیجا جائے۔''

''مگر مکرم شاہ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا اماں! اور جانتی ہیں آپ کس لیے کیا تھا۔ اس لیے کہ مجھے آپ سے اتنا فاصلہ مل جائے کہ آپ کے دل سے میری محبت نکل جائے خیر ٹھیک ہے میں کوشش کرتا رہوں گا اور کیتھرائن بھی کوشش کرتی رہے گی کہ ہم مرتے دم تک آپ کے وفادار ہیں اور اور ایک دن ایک دن آپ کو اس بات کا احساس ہو جائے گا کہ برے ہم تھے یا دوسرے۔ غازی شاہ وہاں سے چلا آیا۔ کیتھرائن کو اس نے رپوٹ دی کیتھرائن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک ہے سب ٹھیک ہے لوگوں سے مقابلہ کریں گے ہم اب تو مقابلہ بڑا کھرا کھرا ہو گیا ہے اس ساری زمین جائیداد پر ہمارا قبضہ ہونا چاہیے سب کچھ ان کے لیے نہیں اب ہمارے لیے ہے۔ سمجھے اور میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ ایک دن تمہیں اس علاقے کا

سب سے بڑا وڈیرہ بنادوں گی۔ یہ میرا عزم ہے آخر یہ ذہانت اور کس کام آئے گی۔

☆☆☆☆

افریشم کی ولادت کے دن قریب آتے جارہے تھے مکرم شاہ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ سب سے بڑی بات تھی کہ کیتھرائن اب باقاعدہ یہاں آتی تھی اور افریشم سے بھی اس نے اچھی خاصی دوستی گانٹھ لی تھی مکرم شاہ نے افریشم کو ہوشیار کردیا تھا اور کچھ ہدایات کی تھیں خاص طور سے۔ ادھر کیتھرائن کے فرشتوں کو بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ شرجیلہ نے کس طرح اس پر نگرانی کے انتظامات کرر کھے ہیں۔ شرجیلہ بھی معمولی عورت نہیں تھی اور اب تو خاص طور پر سے اس نے اپنی تمام حسیات کو زندہ کرلیا تھا۔ بہرحال ایک رات شرجیلہ نے گوٹھ علی مراد سے کسی کو طلب کیا اس وقت چھم چھم بارش ہورہی تھی۔ جب شرجیلہ کی طلب کردہ عورت اس کے پاس پہنچی۔ یہ شرجیلہ کی بہت ہی پرانی دوست کی بیٹی تھی سکھاواں تھی۔ سکھاواں گوٹھ علی مراد میں رہتی تھی۔ بیوہ ہوچکی تھی۔ لیکن شرجیلہ اپنے اقدار نبھارہی تھی اور سکھاواں کو وہیں سے بہت کچھ مل رہا تھا خاصی رات ہوگئی تھی جب سکھاوں شرجیلہ تک پہنچی۔ شرجیلہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

''جاؤ پہلے کپڑے تبدیل کرو۔ اگر اتنی تیز بارش تھی تو تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''آپ نے بلایا تھا مالکہ! تو میں کیسے نہ آتی۔'' سکھاواں نے کہا۔

''دیکھو۔ کتنی دفعہ میں نے تم سے کہا ہے کہ مجھے مالکہ نہ کہا کرو۔ پر تم باز نہیں آتی۔''

''میں نہیں کہتی آپ کو مالکہ میرا دل کہتا ہے۔ آپ نے جس طرح میری بیوگی کو ڈھکا ہے میں اس کا کیا جواب دے سکتی ہوں آپ کو بس احترام ہی تو کرتی ہوں۔ مجھے اپنا احترام کرنے دیجیے۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے جاؤ۔ کپڑے نکلوا کرر کھے ہیں میں نے تمہارے جانتی تھی کہ بارش میں آرہی ہو۔''

''اور اس کے بعد آپ کہتی ہیں کہ میں آپ کو مالکہ نہ کہوں۔'' سکھاواں نے کہا۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد شرجیلہ نے اسے کھلایا پلایا اور پھر بولی۔

''ایک خاص بات یاد آگئی تھی مجھے تمہاری بس پہلے تو میں نے اس پر غور نہیں کیا تھا لیکن اب مجھے خیال آیا کہ تم سے تھوڑی سی بات کی جائے۔ یہ بات میں جانتی ہوں کہ تم میری اس قدر اعتبار کی عورت ہو کہ تم پر مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔''

''کہوں گی نہیں کچھ کہوں گی نہیں۔ صرف ایک بات کہوں گی اگر کبھی آنکھیں مانگیں تو نکال کر تمہارے حوالے کردوں گی مالکہ! زبان مانگی تو زبان کاٹ کر تمہیں دے دوں گی

گردن مانگی تو گردن اتار کر تمہیں دے دوں گی اور یہ صرف کہانی نہیں ہے کبھی کہہ کر دیکھو۔

''مجھے یقین ہے۔'' شرجیلہ نے گہری سانس لے کر کہا۔ پھر بولی۔

''تمہیں یاد ہے کافی عرصے پہلے جب تم میرے پاس آئیں تھی تو تم نے مجھے اپنی کسی جاننے والی کا قصہ بتایا تھا۔ غالباً تمہاری نند کی نند تھی۔

''ہاں میری نند کی نند کا نام بجیلا تھا۔''

''شاید یہی نام بتایا تھا تم نے اس کا۔ تم نے بتایا تھا کہ اس کی دیورانی اور جٹھانی کے درمیان جنگ چل رہی تھی اور جٹھانی نے دیورانی کو بانجھ کردیا تھا۔''

''یاد ہے مجھے پورا قصہ۔''

''کیسے کیا تھا؟''

''سانپ کی زبان پکا کر کھلائی تھی اسے۔'' سکھاواں نے بتایا۔

''سانپ کی زبان۔''

''ہاں۔ کسی جوگی نے بتایا تھا کہ سانپ کی زبان اگر پکا کر کھلا دی جائے تو عورت ہمیشہ کے لیے بانجھ ہوجاتی ہے اور ایسا ہی ہوا آج تک اس کے ہاں اولاد نہیں پیدا ہوئی۔ جبکہ اس کا گھر والا اولاد کا خواہشمند تھا اور ہے۔ دنیا بھر کے وید، حکیم، ڈاکٹر استعمال کرلیے گئے۔ پر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔''

''سانپ کی زبان۔'' شرجیلہ نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا اور خاموش ہوگئی۔ سکھاواں نے کہا۔

''مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں مالکہ! آپ کو اس سے کیا دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔''

شرجیلہ نے نگاہیں اٹھا کر سکھاواں کو دیکھا پھر سپاٹ لہجے میں بولی۔

''اگر تجھ سے کوئی بات پوچھی جائے سکھاواں! تو کیا ضروری ہے کہ تجھے اس کی وجہ بتائی جائے۔''

''یہ بات نہیں مالکہ! بلکہ میں اس وجہ سے پوچھ رہی تھی کہ کہیں کسی سلسلے میری ضرورت تو نہیں ہے۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ معلومات کے لیے پوچھ رہی تھی تجھ سے۔ اچھا ایک بات بتا۔''

''جی مالکہ!''

''سانپ کی زبان تو زہریلی ہوتی ہے۔ کیا اسے کھلانے سے انسان مر نہیں جاتا۔''

''خون کی الٹیاں کی تھیں میری جاننے والی کی نند کی نند نے بڑی مشکل سے جان بچی تھی۔ایسا ہوتا۔ظاہر ہے زہریلا جانور زہریلا ہی ہوتا ہے۔''

''ہوں۔ٹھیک۔اچھا اب تو آرام کر میں نے تجھے یہی معلوم کرنے کے لیے بلایا تھا۔لیکن تو بھول گئی یہ بات کہ میں نے تجھ سے کس موضوع پر بات کی تھی۔میری بات سمجھ رہی ہے نا۔''

''پہلے ہی کہہ چکی ہوں۔ہمیشہ وفادار رہی ہوں اور ہمیشہ وفادار رہوں گی۔شبہ ہے اگر مجھ پر گردن کٹوا دو میری اور کہیں دفن کرا دو۔تمہاری پوچھی ہوئی بات کبھی منظر پر نہیں آئے گی۔''

''جا کر سو جا۔صبح یہاں سے نکل جانا۔'' شرجیلہ نے کہا۔

☆☆☆☆

نئی رہائش گاہ ہر طرح سے شاندار تھی۔کیتھرائن گہری نگاہوں سے چاروں طرف کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی۔کون یہاں ہے اس حویلی میں کیا ہے۔کیتھرائن کے لیے یہ جاننا ضروری تھا۔وہ ایسے طاقتور ستون تیار کر رہی تھی۔جو اس کے کام آ سکیں۔اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے ملازموں سے وہ ہر طرح کی معلومات حاصل کرتی رہتی تھی۔ان میں سب سے زیادہ کام کی شخصیت جو نظر آئی اسے وہ مائی تاج ور کی تھی تاج ور اور اس نئی عمارات کی نگراں تھی۔بھرے بھرے بدن ایک کی ایک صورت عورت جس کے چہرے ہی سے عیاری ٹپکتی تھی۔اس کی آنکھیں برق رفتاری سے چلتی تھیں۔اپنے کام کے لیے وہ بالکل موزوں تھی۔ایک ایک پر نگاہ رکھنا اس کی عادت تھی۔ہر ایک کا ریکارڈ اپنے پاس رکھتی تھی۔کیتھرائن نے اسے دیکھا اور اپنے قریب بلایا۔

''کون ہے تو؟'' اس نے ٹوٹی پھوٹی سندھی زبان میں کہا۔ان دنوں وہ دن رات مقامی زبان سیکھ رہی تھی اور اس سلسلے میں غازی شاہ اس کا استاد تھا۔خاصی ٹوٹی پھوٹی زبان آ گئی تھی اسے۔تاج ور نے گردن جھکا کر کہا۔

''آپ کی خادم ہوں بی بی سائیں! آپ کے جوتوں کی خاک ہوں۔تاج ور ہے میرا نام۔''

''یہی فرق ہے ہم میں اور تم میں، ہم انسان کو انسان سمجھتے ہیں جوتوں کی خاک نہیں۔خبردار! اس کے بعد تم نے ایسا کوئی لفظ کہا۔میں نے تمہیں دو تین بار دیکھا ہے۔پر مجھے تمہاری زبان میں بات کرنا نہیں آتا تھا۔اب میں تھوڑا بہت سیکھ گئی ہوں۔اس لیے میں نے تم

سے بات کی۔''

''آپ تھوڑا بہت تو نہیں سیکھیں مالکہ!'' آپ تو بہت اچھی سندھی بول رہی ہیں۔مجھے تو حیرت ہو رہی ہے۔''

''اچھا کیا واقعی۔''

''ہاں مالکہ! آپ بہت خوبصورت ہیں۔ہم تو آپ کو بہت پیار کرتے ہیں۔پر مالکوں اور نوکروں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔''

''میں تجھ سے یہی کہہ رہی تھی تاج ور کہ میں یہ فاصلے نہیں رکھنا چاہتی دیکھ! اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ہوں اور بہت دور سے آئی ہوں۔مجھے یہاں اپنوں کی تلاش ہے۔اور تم سے زیادہ اپنا میرا اور کون ہو سکتا ہے۔جن کا میرا دن رات کا ساتھ ہو تو آ میرے ساتھ۔'' کیتھرائن تاج ور کو لے کر اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔تاج ور نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا تھا۔وہ کہنے لگی۔

''آپ واقعی بہت عظیم ہو مالکہ! ملازموں کو مالکوں کے کمرے میں داخلے کی اجازت نہیں ہوتی اس کے لیے اپنی خادمائیں رکھی جاتی ہیں جو کمروں کی دیکھ بھال اور صفائی کرتی ہیں۔آپ نے مجھے بہت بڑا درجہ دیا ہے۔''

''شوہر کیا کرتا ہے تیرا۔بیٹھ جا۔'' کیتھرائن نے کہا اور تاج ور بیٹھ گئی۔

''مالکہ! مر چکا ہے وہ۔دو بیٹے ہیں جن کی شادی ہو گئی ہے۔''

''اچھا...... بچے ہیں ان کے۔''

''ایک کے ہاں بیٹا ہے اور ایک کے ہاں بیٹی ہے۔''

تاج ور میرے پاس آ جایا کر کبھی کبھی تجھ سے باتیں کر کے مجھے اچھا لگتا ہے اور مجھے اور زبان سکھایا کر۔''

''دل سے حاضر ہوں۔''

''دیکھ مجھے یہ سب نہیں آتا لیکن یہ پیسے رکھ لے اپنے پوتے اور پوتی کو میری طرف سے بہت سے کپڑے بنوا دینا۔'' کیتھرائن نے تاج ور کو اتنی بڑی رقم دی کہ تاج ور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اس کا سانس پھولنے لگا اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر جھکتے ہوئے کہا۔

''مالکہ یہ ہماری اوقات سے بہت زیادہ ہیں۔''

''تیری اوقات میرے دل میں ہے۔مجھ سے محبت کر میری دوست بن جا۔تاج ور میں تجھ سے دل کی بہت سی باتیں کہنا چاہتی ہوں۔کوئی بھی نہیں ہے میرا۔دیواروں کے سامنے

بیٹھی رہتی ہوں اور دیواریں تکتی رہتی ہوں۔ دولت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ تو مجھ سے محبت کر۔ میں تیری ہر مشکل حل کر دوں گی۔ دولت ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔ تاج ور دل سے اس کی دوست بن گئی تھی۔ کیتھرائن کو ایسے کچھ ستون چاہیے تھے۔ جن سے کمر ٹکا کر وہ کھڑی ہو سکے اور شرجیلہ اور مکرم شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے۔ ادھر مکرم شاہ اور شرجیلہ کے دل ٹوٹ چکے تھے غازی شاہ کوئی غیر نہیں تھا۔ لیکن اتنی دور نکل گیا تھا کہ اپنائیت کا ہر تصور ختم ہو گیا تھا۔ لاکھ کوشش کرتا مکرم شاہ لیکن وہ بات نہ پیدا ہو سکی کہ ادھر غازی شاہ بھی ذرا تلخ مزاج کا آدمی تھا۔ کیتھرائن کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ اپنے دل سے کدورت نہیں دور کر سکا تھا۔ حالانکہ کیتھرائن اسے ہر وقت پڑھاتی رہتی تھی۔

''غازی شاہ! تم بہت اچھے شوہر ہو۔ بہت اچھے دوست ہو یقیناً تم بہت اچھے بھائی بھی ہو گے۔ ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک ہر احساس کو کھو کر مار چکا ہوتا اور اپنا حق وصول کر کے عیش کر رہا ہوتا۔''

''بات اصل میں یہ ہے کیتھرائن! کہ میں دہری فطرت کا انسان نہیں ہوں۔ کوئی چیز اچھی لگتی ہے تو صرف اچھی لگتی ہے۔ بری لگتی ہے تو صرف بری لگتی ہے۔ میں بہت کوشش کرتا ہوں لیکن جب ان کا رویہ میرے سامنے آتا ہے تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ مجھے میری ماں اور میرے بھائی نے ٹھکرایا ہے۔ کوئی غیر ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی۔

''تب پھر یہاں کچھ بھی نہیں کر سکوں گی۔ مجھے واپس انگلینڈ بھیج دو۔'' غازی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور بولا۔

''تم اگر واپس جانا چاہتی ہو تو چلو میں تمہیں پہنچائے دیتا ہوں چونکہ مجھے ان لوگوں سے ایک بھرپور جنگ لڑنی ہے اور یہ جنگ اتنی آسان نہیں ہو گی کیونکہ مکرم شاہ کے یہاں پیر جمے ہوئے ہیں۔ میں آہستہ آہستہ یہ اقدامات کروں گا۔''

''اور مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔''

''ہے۔''

''تو پھر وہ کر دو جو میں کہہ رہی ہوں۔''

''کوشش تو کرتا ہوں۔''

''صرف کوشش نہیں عمل بھی کرو۔ جس طرح ہو سکے ان لوگوں سے تعلقات اچھے بناؤ۔ میں تو سوچ رہی ہوں کہ کچھ دنوں کے بعد میں باقاعدہ شرجیلہ بیگم کی خدمت میں حاضری دینا شروع کر دوں۔'' غازی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا۔

''افسوس کیتھرائن! میں تمہیں وہ مقام نہیں دلوا سکا جس کا وعدہ کر کے تمہیں یہاں تک لایا تھا۔''

''اور میں تم سے دعویٰ کر رہی ہوں کہ میں وہی مقام حاصل کروں گی جو میرا ہے۔''

کیتھرائن نے پرعزم لہجے میں کہا غازی شاہ اسے دیکھنے لگا۔ کیتھرائن کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر اس نے کہا۔

''ایک بات بتاؤ غازی شاہ! کیا تمہاری روایات اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں تمہارے ساتھ گھومنے پھرنے جاؤں۔''

''کیوں نہیں۔ بھلا اس سے تمہیں کون روک سکتا ہے۔ ہاں اگر یہ لوگ ہمیں ہمارا وہ مقام دیتے۔ جو اصولی طور پر ہمارا مقام تھا تو ہم ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے لیکن شرجیلہ بیگم نے ہم پر سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ سائیں مکرم شاہ تین تین چار دن تک نظر نہیں آتے جب انہیں ہماری پروا نہیں ہے۔ تو ہمیں بھلا کیا پڑی ہے کہ ہم ان اقدار کی پابندی کریں۔ جو گوٹھوں اور حویلیوں کی اقدار ہوتے ہیں۔ میں تو خود یہ بات سوچ رہا تھا کہ بہت دن ہمیں یہاں گھٹن میں ہو گئے۔ ہمیں کہیں گھومنے پھرنے چلنا چاہیے۔ میں تمہیں اپنی زمینیں دکھاؤں گا۔''

''نہیں غازی شاہ مجھے کراچی لے چلو۔ ایک جدید شہر کی زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے تیاریاں کر لو۔'' کسی سے اجازت لینے کی واقعی ضرورت نہیں تھی۔ غازی شاہ نے ایک شاندار پجیرو میں بچل کے ساتھ چل پڑا۔ بہرحال اس سلسلے میں کوئی سختی نہیں ہوتی تھی۔ بچل کے ساتھ دو باڈی گارڈ تھے۔ جو گنیں سنبھالے پیچھے جیپ میں آ رہے تھے پجیرو میں غازی شاہ اور کیتھرائن تھے۔ یہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ لمبا سفر طے کرتے ہوئے کراچی جانے لگے۔ راستے میں جمالی گوٹھ پڑتا تھا۔ جب جمالی گوٹھ آیا تو اچانک ہی غازی شاہ کو افضل شاہ یاد آ گیا۔ اس نے کہا۔

''بچل سائیں۔ آپ کو افضل شاہ کی حویلی یاد ہے۔''

''کیوں نہیں سائیں! افضل شاہ سائیں تو بڑے مشہور آدمی ہیں۔ آپ کیوں یہ بات پوچھ رہے ہیں۔''

''وہ میرا دوست ہے۔ سوچ رہا ہوں ادھر سے گزر رہا ہوں تو اس سے ملتا چلوں۔''

''سائیں! آپ خود سمجھدار آدمی ہیں لیکن ایک وڈیرے کے ہاں اس طرح اطلاع دیئے بغیر پہنچ جانا۔ اپنی شان کو ہلکا کرنا ہے آپ اس سے بڑے وڈیرے ہو۔ وہ کچھ بھی نہیں

ہے آپ کے سامنے آپ پہلے اس سے ٹیلی فون پر بات کرو۔ میرے کو معاف کرنا سائیں! اپنی اوقات سے بڑھ کر بول گیا ہوں لیکن آپ کی عزت مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔'' غازی شاہ نے کچھ سوچا اور اس کے بعد گردن ہلا کر خاموش ہو گیا۔ کیتھرائن نے بھی سکون کی سانس لی تھی۔ وہ کچھ منصوبوں کے ساتھ کراچی جا رہی تھی۔ راستے میں یہ رکاوٹ اسے اچھی نہیں لگی تھی۔ اس نے پچل کو مطمئن انداز میں دیکھا اور پھر غازی شاہ سے تائید کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ غازی شاہ! ہمیں اپنا ایک وقار اور مقام بنانا ہے۔ پہلے ہمیں اس کے لیے محنت کرنا ہوگی بعد میں سب کچھ، اس طرح واقعی ہمیں کسی کے ہاں نہیں جانا چاہیے۔'' غازی شاہ نے گردن ہلا دی تھی۔ کراچی میں ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہاں خیر محمد ہاؤس موجود تھا اور مکرم شاہ جب بھی یہاں آتا تھا خیر محمد ہاؤس میں ہی رہتا تھا لیکن غازی شاہ نے کیتھرائن کے مشورے پر۔ پرل کونٹی نینٹل میں ایک اعلیٰ درجے کا کمرہ حاصل کیا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد کیتھرائن کہنے لگی۔

''سائیں! اب پچل کو آرام کا موقع دو۔ ہم لوگ اپنے طور پر گھومیں گے پھریں گے۔'' غازی شاہ نے گردن ہلا دی تھی۔ ساحل سمندر۔ اعلیٰ درجے کے ہوٹل۔ شاپنگ سینٹر اور پھر ایک شاپنگ سینٹر سے کیتھرائن نے کافی خریداری کی اس کے بعد وہ اپنے طور بھی کچھ خریداریاں کرتی رہی۔ اس نے ایک بڑا سوٹ کیس تیار کر لیا تھا۔ خاصا عمدہ وقت گزرا یہاں اور کیتھرائن کو خاصا سکون محسوس ہوا لیکن وہ جانتی تھی کہ اصل کام کیے بغیر یہ سکون قائم نہیں رہ سکتا۔ چار پانچ دن یہاں گزارنے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب ہمیں واپس چلنا ہے آپ کا موڈ ہے یا نہیں غازی شاہ جی۔''

''میں نے تو اپنے آپ کو تمہارے سپرد کر دیا ہے کیتھی! جو تمہارا دل چاہے۔ مجھے تو تم بس حکم دیا کرو۔''

''غازی شاہ جی! آپ سوچتے ہوں گے کہ آپ کی یہاں حق تلفی ہوئی ہے اور ان لوگوں نے آپ سے آپ کا مقام چھین لیا ہے۔ لیکن شاہ جی! کیتھرائن آپ کی بیوی ہے وہ جانتی ہے کہ شاہ جی کو ان کا مقام کیسے دلایا جا سکتا ہے۔''

''میں ظفر خان سے ملنا چاہتا ہوں۔ ظفر خان ہمارا ایڈووکیٹ ہے اس سے تھوڑی معلومات کر لی جائیں۔''

''ایک بات پوچھوں سائیں! آپ بتاؤ گے؟'' کیتھرائن نے کہا تو غازی شاہ بے اختیار مسکرا دیا۔ اس نے کہا۔

''کیا کہا تم نے مجھے۔''

''سائیں۔''

''کتنا اچھا لگا ہے مجھے تمہارے منہ سے یہ لفظ۔''

''میں اچھی سندھی نہیں بول رہی۔''

''تمہاری ذہانت کا تو میں دل سے قائل ہوں۔ لگتا ہی نہیں ہے کہ تم نے چند روز کے اندر اندر ہماری زبان سیکھی ہے۔''

''سائیں! آپ دیکھ لینا میں آپ کی ہر خواہش پوری کروں گی۔ اب سوال میں کرنا چاہتی ہوں آپ سے۔''

''ہاں۔ بولو۔''

''یہ ظفر خان جو ہے آپ کا اپنا دوست ہے۔''

''دوست تو نہیں ہے ہمارا قانونی مشیر ہے۔ ہمارے سارے معاملات میں ہمارا ساتھ دیتا ہے۔ ہمارے سارے قانونی معاملات یہی طے کرتا ہے۔''

تو پھر آپ سے ایک بات کہوں۔ آپ آٹھ سال تک ملک سے باہر رہے ہو اور بڑے سائیں یعنی مکرم شاہ یہاں۔ ظفر شاہ جتنا ان کا وفادار ہو سکتا ہے آپ کا نہیں۔ اگر آپ اس سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے لیے جانا چاہتے ہو تو ابھی ایسا نہ کرو۔ ورنہ ظفر خان ان لوگوں کو بتائے گا کہ آپ یہاں آ کر اس سے ملے ہو اور آپ نے اس سے زمینوں اور جائیدادوں کے بارے میں بات چیت کی ہے وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں گے۔ ہم لوگ ایسا کوئی کام نہیں کریں گے۔ میں تو انتظار کر رہی ہوں کہ ان لوگوں کا رویہ ہمارے ساتھ کچھ نرم ہو۔ تو میں ان کے دل میں جا کر بیٹھ جاؤں۔''

''گویا تم کہنا چاہتی ہو کیتھرائن! کہ تم ان سے مفاہمت کر کے سارے کام کرو گی۔''

''نہیں۔'' کیتھرائن کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو پھر۔''

''میں ان کی بڑی عزت کرتی اگر وہ مجھے عزت سے قبول کرتے۔ دشمنی کی بنیاد انہوں نے ڈالی ہے تو پھر دشمنی ہی کی جائے گی۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا میں ان کے ساتھ جو کچھ بھی کروں گی وہ میرے پروگرام کا ایک حصہ ہوگا۔ آپ میرے ساتھ ہو غازی شاہ بس آپ یہ سمجھ لو کہ میں آپ کو ایسا مقام دلواؤں گی کہ آپ یاد کرو گے اور اس کے علاوہ میرے دل میں ایک

اور بات بھی ہے۔''

''کیا؟''

''میں انتظار کر رہی ہوں کہ سائیں مکرم شاہ کے ہاں اولاد ہو۔ آپ دیکھنا سائیں! میں کیسا کھیل کھیلتی ہوں۔''

''تمہارا مشورہ یہ ہے کہ میں ظفر خان سے نہ ملوں۔''

''بالکل نہیں۔''

''ابھی ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کراچی ہم کس مقصد کے تحت آئے تھے۔''

''مقصد تو ہمارا کوئی بھی نہیں تھا۔''

''ہاں۔'' کیتھرائن نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ بہر حال اس کے بعد ان لوگوں نے واپس کا فیصلہ کیا اور کیتھرائن اس کاٹ کے الو کو لے کر خیر محمد گوٹھ چل پڑی۔ جو ایک ایسی عورت کے ہاتھوں کھیل رہا تھا۔ جس نے اپنے خاندان اور اپنی نسلوں کا انتقام لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ کیتھرائن جانتی تھی کہ وہ ان لوگوں کے درمیان تنہا ہے۔ کہیں بھی چوک نہیں ہونی چاہیے۔ جہاں بھی چوک ہوئی وہیں مارے جانے کا اندیشہ ہے۔ بہر طور وہ واپس خیر محمد گوٹھ آ گئی۔ یہاں کے لوگ معمول کے مطابق ان لوگوں سے بیگانے تھے۔ مکرم شاہ کو اپنے بھائی سے بے پناہ محبت تھی۔ لیکن دل جس طرح ٹوٹا تھا اس نے اسے بھی کچھ بیزار سا کر دیا تھا۔ اکثر دور سے کھڑے ہو کر بھائی کی شکل دیکھا کرتا تھا اور سوچتا تھا کہ غلطی کس سے ہوئی اس سے یا پھر غازی شاہ نے ہی ان کی حیثیت تو نظر انداز کر کے انہیں بیگانہ کر دیا ہے۔ غازی شاہ کی غیر موجودگی میں شرجیلہ نے مکرم شاہ سے پوچھا تھا۔

سنا ہے دونوں کہیں گئے ہیں۔ ساتھ میں پچل کو لے گئے ہیں۔''

''ہاں۔'' مکرم شاہ نے جواب دیا۔

''تم سے بھی نہیں پوچھا۔''

''نہیں۔''

''ہونا تھا...... یہی ہونا تھا لیکن مکرم شاہ ہم کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہے۔ یہ غلط ہے وہ اپنی من مانی کر رہا ہے اور ساتھ میں عورت ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔''

''اماں میں اس سلسلے میں اپنے آپ کو معذور سمجھتا ہوں۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو وڈیرے ہو تم خیر محمد گوٹھ میں ٹھیک ہے سرکاری قانون چلتا

ہے لیکن وڈیروں کی اپنی بھی کچھ ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ انگریز عورت کس کو بھی کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

''اگر وہ نقصان پہنچاتی ہے اماں تو پھر کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے یہاں برٹش سفارت خانہ اس کا ذمہ دار ہے۔ ہم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ سرکاری قوانین بھی ہوتے ہیں۔'' شرجیلہ خاموش ہو گئی تھی۔ بہر حال کیتھرائن نے اپنے طور پر کیا فیصلے کیے تھے۔ یہ وہی جانتی تھی لیکن حویلی کا پر سکون ماحول زخموں سے چور چور چکا تھا۔ شرجیلہ کا سکون برباد ہو گیا تھا۔ مکرم شاہ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ غازی شاہ اپنی زمینوں کا اپنے حصے کا مطالبہ کر دے گا۔ وہ تو خوشی سے غازی شاہ کو سب کچھ دینے پر آمادہ تھا لیکن ابھی یہ سوچ کر خاموش تھا کہ اگر خود اس سلسلے میں کسی بات کا آغاز کیا تو کہیں غازی شاہ نہ سمجھے کہ وہ اسے علیحدہ کرنا چاہتا ہے کچھ بھی تھا ایک ہی بھائی تھا۔ مکرم شاہ کسی بھی طور اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ ادھر کیتھرائن یہاں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کی خواہش مند تھی۔ اس نے تو فیصلہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو در بدر کر دے گی۔ جس طرح بھی ہوا نہیں تباہی اور بربادی کے اس گڑھے تک پہنچا دے گی کہ جس سے باہر آنے کا وہ تصور بھی نہ کر سکیں اور اس کے لیے اسے اپنے اطراف کچھ لوگ درکار تھے۔ نور بخش کے بارے میں اس نے تفصیلات تاج ور سے معلوم کی تھیں۔ تاج ور نے اس بتایا تھا۔

''نور بخش کا بھی خاندان صدیوں سے اس حویلی کی نمک خواری کرتا آیا ہے بیگم صاحبہ وہ حویلی کا نگران ہے۔ اسے اختیار حاصل ہے کہ بڑے سے بڑے مسئلے میں اپنا پاؤں ڈال دے۔ کوئی سرکشی کرتا ہے تو نور بخش اسے ٹھیک کر دیتا ہے۔ بڑے مضبوط ہاتھ ہیں اس کے۔''

''بیوی بچوں کی کیا کیفیت ہے۔''

''دو بیٹے ہیں بیوی ہے سامنے رہتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ دونوں بچے اسکول جاتے ہیں۔''

''کیا کیا نام ہے ان کے۔''

''نبی بخش اور رسول بخش۔''

''اچھا اچھا۔ میں نے دیکھا ہے ان دونوں کو۔ بڑے خوبصورت سے بچے ہیں۔''

''ہاں۔''

''بچوں سے مجھے بہت پیار ہے۔ کبھی ان کو لے کر ادھر آ جایا کرو۔''

"دوپہر کو ہی لے آؤں گی۔" دوپہر کو دونوں بچے کیتھرائن کے پاس پہنچ گئے اور کیتھرائن نے ان سے بہت پیار کا اظہار کیا۔ انہیں بہت سے تحفے دیئے۔ جن میں ٹافیوں کے پیکٹ اور کچھ کھلونے وغیرہ بھی تھے۔ پھر وہ بچے کیتھرائن کے پاس آنے جانے لگے۔ کوئی دس بارہ دن کے بعد ایک دن کیتھرائن دوپہر کو ان کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ صبح کو صرف نبی بخش اسکول گیا ہے رسول بخش گھر پر ہی تھا۔ وہ انتظار کرتی رہی اور دوپہر کو جب نبی بخش اسکول سے واپس آیا تو اس نے ہاتھ سے اشارہ کر دیا۔ نبی بخش اس کے پاس آ گیا تھا۔ وہ کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوا تھا کہ اچانک اس کی کمر میں کوئی چیز زور سے چبھی اور وہ اچھل پڑا وہ اس وقت ایک ایسے دروازے کے پاس تھا جو پردے سے ڈھکا ہوا تھا۔ جو بھی چیز اس کی کمر میں چبھی تھی وہ پردے کے پیچھے سے آئی تھی اس نے ایک سسکاری لے کر پلٹ کر دیکھا لیکن کچھ نہیں تھا۔ پردہ ہٹا کر دیکھا تب وہ بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ اپنی کمر سہلانے لگا اور اس کے بعد اس نے کیتھرائن کو آواز دی۔

"آنٹی آنٹی آپ کہاں ہیں؟" کیتھرائن سامنے سے باہر گئی تھی۔

"ہیلو۔ تم اسکول سے آ رہے ہو کہو کیسی پڑھائی ہوئی۔ تمہاری۔"

"ٹھیک ہوں آنٹی۔" نبی بخش کمر مسلتا ہوا بولا۔

"تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ بس ایسے ہی تمہیں پیار کرنے کے لیے بلایا تھا۔ شام کو تم سے ملاقات ہوگی۔"

"کیتھرائن نے کہا۔ نبی بخش نے گردن ہلا دی۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد تکلیف زائل ہو گئی تھی لیکن شام کو پانچ ساڑھے بجے کے قریب اچانک ہی نبی بخش کو زور کا چکر آنے لگا۔ پھر اسے شدید بخار چڑھ گیا اور اس کے بعد جسم اتنا گرم ہوا کہ دیکھنے والے گھبرا گئے یہ ایسا بخار تھا کہ اس سے پہلے کسی کو نہیں چڑھا ہوگا درجہ حرارت کا ہی پتا نہیں لگتا تھا اس کا باپ بری طرح گھبرا گیا اور اس نے مکرم شاہ سے شہر جانے کی اجازت مانگی۔ مکرم شاہ نے خود بھی اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ لیکن صورتحال انتہائی سنگین تھی۔ یہاں تک کہ جب تک اسے شہر لے جانے کی تیاریاں مکمل ہوئیں نبی بخش کی نبض ڈوب گئی۔ دل کی دھڑکن رک گئی۔ تنفس ختم ہو گیا۔ اسے دیکھنے والا ایک لمحے کے اندر یہ فیصلہ کر سکتا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ پوری حویلی میں کہرام مچ گیا ویسے نور بخش بھی حویلی کا چہیتا تھا۔ خود شرجیلہ اس سلسلے میں پریشان ہو گئی۔ اچانک ہی نبی بخش کی موت نے حویلی پر ایک برا اثر ڈالا تھا۔ نور بخش تو دیوانہ ہو گیا تھا اس کی بیوی سکتے کے عالم میں رہ گئی تھی۔ کیتھرائن بھی وہاں پہنچ گئی۔

"یہ دونوں بچے تو مجھے بہت پیارے تھے۔ معافی چاہتی ہوں آپ لوگوں سے ذرا میں بھی اسے دیکھ لوں۔" کیتھرائن نبی بخش کو دیکھتی رہی۔ اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دل کی حرکت دیکھی اور اس کے بعد آہستہ سے بولی۔"

"نور بخش تمہارا بچہ مر چکا ہے۔" نور بخش بلک بلک کر رو رہا تھا۔

"اگر تم اجازت دو تو میں اس مردہ وجود کو تھوڑی دیر کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤں۔" سب نے ان الفاظ پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ بہرحال کیتھرائن نے غازی شاہ کی مدد سے اپنی رہائش گاہ میں منتقل کیا۔ غازی شاہ نے اس سے پوچھا۔

"کیتھی! یہ کیا تماشا ہے کیا ڈرامہ کرنا چاہتی ہو تم؟" کیتھرائن نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے ایک جانب بڑھ گئی ایک الماری سے اس نے ایک سرنج اور انجکشن وغیرہ نکالے اور اس کے بعد دو انجکشن نبی بخش کے دونوں بازوؤں پر لگا دیئے۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیتھرائن باقی لوگ خاموش بے شک ہیں لیکن ایک عجیب سا انداز ہے ان کا۔" کیتھرائن نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولی۔

"مجھے صرف ایک گھنٹہ دے اور جو کچھ تمہیں کرنا ہے ایک گھنٹے کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔ میں دروازہ بند کر رہی ہوں تم بھی باہر جاؤ غازی شاہ اور ان لوگوں کو بتا دو کہ ایک گھنٹے کے بعد نبی بخش کی لاش ان کے سپرد کر دی جا ہے گی۔ صرف ایک گھنٹے کے لیے اسے میرے کمرے میں رہنے دو۔" بہرحال جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ ایک الگ بات تھی لیکن ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد کیتھرائن نے دروازہ کھولا اور نور بخش کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ نور بخش جو باہر موجود تھا غازی شاہ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ تو کیتھرائن نے کہا۔

"نور بخش تمہارا بیٹا ٹھیک ہو چکا ہوا ہے دیکھو۔" نور بخش کے پاس پہنچا۔ نبی بخش کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں وہ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ بڑا عجیب سا تھا۔ نور بخش تو خیر کیتھرائن کا گرویدہ ہو ہی گیا تھا۔ لیکن باقی لوگ بھی اس بات پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔ کیتھرائن نے کہا۔

"اصل میں لندن میں میں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن کچھ ایسی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے میں ایم بی بی ایس مکمل نہیں کر سکی اور درمیان میں مجھے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی لیکن میرے جو استاد تھے وہ ڈاکٹر ایمرسن تھے ایک درویش صفت آدمی انہوں نے مجھے کچھ نشانیاں بتائی تھیں جن میں سے ایک نشانی مجھے یاد آ گئی اور مجھے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ نبی بخش مرا نہیں ہے بلکہ ایک ہارٹ انفیکشن کا شکار ہے۔ میں نے اس کے لیے اپنی

یادداشت کے مطابق ایک دوا استعمال کی اور نبی بخش کو دوبارہ زندگی مل گئی۔ بہرحال یہ نور بخش پر ایک بہت بڑا احسان تھا۔ نور بخش اس کے قدموں پر آ گرا۔ اپنے بیٹے کی زندگی بچ جانے پر وہ بڑا خوش تھا لیکن شرجیلہ مشکوک نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھتی تھی۔ مکرم شاہ سے اس نے کہا۔

''نہیں۔ مکرم شاہ اس کے پیچھے کوئی چکر ہے۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اس کے پیچھے چکر ہے۔''

''بس کیا کیا جائے میں خود بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' مکرم شاہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا تھا۔

☆☆☆☆

کیتھرائن اور غازی شاہ کے معاملات بس اسی طرح چل رہے تھے۔ غازی شاہ کیتھرائن کی کوششوں کے باوجود ماں اور بھائی میں گھل مل نہیں سکا تھا۔ وہ بھی انہی کا خون تھا اور اس پر بھی دیوانگی ہی طاری رہتی تھی بہرحال ادھر کیتھرائن حویلی میں اپنے لیے ہمدرد پیدا کر رہی تھی ادھر غازی شاہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے اپنے پاس بھی کوئی طاقت ور شخصیت ہونی چاہیے۔ حویلی کے اندر تو ان لوگوں کا بڑا کام بن گیا تھا اور یہ پتا چل چکا تھا کہ نور بخش اب ان کا بہترین ساتھی ہے۔ ویسے نور بخش مکرم شاہ اور شرجیلہ بیگم کا بھی وفادار تھا۔ صدیوں پرانی وفاداری تھی جو پشت در پشت چلتی چلی آئی تھی۔ زمینوں کے معاملات عمدگی سے چل رہے تھے۔ غازی شاہ نے بھی مکرم شاہ کے معاملات میں مداخلت نہیں کی تھی لیکن ایک دن مکرم شاہ نے غازی شاہ کو طلب کر لیا تھا یہ لوگ اس جگہ بیٹھے تھے جہاں کاروباری امور طے ہوتے تھے۔ غازی شاہ نے نرم لہجے میں کہا۔

''جی اداسائیں! آپ نے مجھے بلایا۔''

''غازی شاہ! میں چاہتا ہوں کہ اب تم اپنی ذمہ داریاں سنبھال لو۔ زمینیں جائیداد فصلیں جو کچھ بھی ہے تمہیں ان سے مکمل طور پر واقف ہونا چاہیے تاکہ کبھی ایسا موقع نہ آئے کہ تمہیں اس بات سے اختلاف ہو اور تم یہ کہو کہ مکرم شاہ نے میری ساتھ زیادتی کی۔ غازی شاہ نے ایک نگاہ اٹھا کر بھائی کو دیکھا اور بولا۔

''اداسائیں برا مت ماننا زیادتی تو میرے ساتھ ہو چکی ہے۔ جو بے عزتی میں نے کیتھرائن کے ساتھ آ کر محسوس کی ہے وہ قبر میں جاتے ہوئے بھی مجھے نہیں بھولے گی۔ یہ ٹھیک ہے سائیں! آپ نے جیسا مناسب سمجھا کیا آپ کو روکنے والا کوئی نہیں۔ روک سکتی تھی آپ

تو وہ میری ماں! لیکن وہ بھی اپنے خون کو بھول چکی ہے۔'' مکرم شاہ گہری نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

غازی شاہ میں اگر اپنی طرف سے ان ساری باتوں کو قبول کر بھی لوں تو تم یقین کرو گوٹھ خیر محمد کے لوگ اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے تم نے۔ باہر نکل کر دیکھ لیا ہوگا وہ سب تمہیں چاہتے تھے لیکن اب صورت حال مختلف ہو چکی ہے۔''

''ہاں سائیں دیکھ چکا ہوں۔ بڑی محنت سے آپ نے یہ ماحول ترتیب دیا ہے۔''

''اور میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا غازی شاہ کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب تم اس طرح مجھ سے بدتمیزی کرو گے۔''

''نہیں سائیں۔ رشتے تو آپ نے خود الٹی چھری سے کاٹ کر پھینک دیئے ہیں۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو زمینوں وغیرہ کا جو مسئلہ رہا مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور سچی بات یہ ہے مکرم شاہ جو کاغذات آپ نے تیار کرائے ہے آپ جو کچھ میرے سامنے لاؤ گے وہ یکطرفہ ہوگا۔ مکرم شاہ اچھل پڑا اس نے خونخوار نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور کہا۔

''تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں نے زمینوں کے معاملات میں بے ایمانی کی ہے۔''

''نہیں اداسائیں! میں کچھ نہیں کہنا چاہتا ہوں بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جس طرح گاڑی چلا رہے ہیں چلاتے رہیں۔

ہم دونوں آپ کے ستم برداشت کریں گے۔ میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر غازی شاہ باہر نکل گیا۔ مکرم شاہ سکتے کے عالم میں اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر وہاں سے وہ ماں کے سامنے پہنچا چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شرجیلہ نے کہا۔

''کیا بات ہے مکرم شاہ مجھے معلوم ہے تم نے غازی شاہ کو بلایا تھا اور اسے جائیداد وغیرہ کی تفصیل بتانے والے تھے میں تو کہہ رہی تھی کہ اپنے وکیل ظفر خان کو بھی بلا لو۔ تاکہ سارے قانونی طور پر سامنے آ جائیں۔''

''نہیں اماں! اس نے مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کی اور میرے سینے پر ایک زخم لگا کر چلا گیا وہ کہتا ہے کہ تمام کاغذات میرے بنائے ہوئے ہیں۔ اسے ان پر اعتبار نہیں ہے۔'' شرجیلہ خاموش نگاہوں سے مکرم شاہ کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

''اس طرح میرے خیالات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ لیکن اس بار وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ میں اس کے ہر منصوبے کو فیل کر دوں گا۔'' مکرم شاہ نے خاموش ہو گیا تھا کہ پانچویں دن شرجیلہ نے ایک بار پھر سکھاواں کو

بلایا۔سکھاواں اس کی غلام تھی آ گئی شرجیلہ نے کہا۔

سکھاواں کون ہے ایسا جو مجھے سانپ کی زبان لا کر دے۔میں اس کام کے لیے منہ مانگا معاوضہ دے سکتی ہوں۔''

''مالکہ! بستی بستی میں سپیرے مارے مارے پھرتے ہیں یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''سکھاواں کیا تو یہ کام کر سکے گی؟''

''مالکہ حکم دیں گی تو کیوں نہیں کر سکوں گی۔مگر مالکہ! اسے یہ کھانا کھلایا کیسے جائے گا۔''

''کچھ کرنا ہوگا کچھ کرنا ہوگا۔شرجیلہ نے سوچتے ہوئے کہا۔اور پھر اس سلسلے میں سکھاواں کو اس نے کافی رقم دی۔اور اپنے طور پر کچھ کام کرنے لگی۔مہران شاہ اس کا ایک بہت ہی قابل اعتماد آدمی تھا بہت عرصے سے مختلف کام انجام دیا کرتا تھا۔گوٹھ سے الگ ایک اور گوٹھ میں رہتا تھا۔شرجیلہ نے مہران شاہ کو طلب کر لا او مطلوبہ وقت میں مہران شاہ اس کے پاس پہنچ گیا۔شرجیلہ نے اس بارے میں مکرم شاہ کو بھی نہیں بتایا تھا۔مہران شاہ نے گردن خم کر کے کہا۔

''جی مالکہ! حکم دیجیے............کیسے طلب کیا مہران شاہ کو۔''

''مہران شاہ کچھ الجھنیں پیش آ گئی ہیں۔تم ایسا کرو کراچی چلے جاؤ وہاں ایڈووکیٹ ظفر خان ہوتا ہے ظفر خان سے کہو کہ فون کر کے غازی شاہ کو بلائے اس سے کہے کہ بہت ہی ایمرجنسی ہے غازی شاہ فوراً وہاں پہنچ جائے وہاں بلا کر غازی شاہ کو تیار کرے کہ زمینوں کا حصہ بانٹ لے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ میرا نام لیا جائے لیکن اس وقت جب غازی شاہ وہاں پہنچ جائے۔تم کو یہ کام کرنا ہے اپنے سامنے زمینوں کا تصفیہ کرا کر آؤ۔چنانچہ شرجیلہ کا یہ حکم ہے کہ مہران شاہ کراچی پہنچ گیا ظفر خان کو ساری صورت حال بتائی سادہ اور عام سی بات تھی اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ شرجیلہ نے جائیداد کا تصفیہ کرنا چاہتی ہے۔مہران شاہ کے سامنے ہی ظفر خان نے غازی شاہ کو ٹیلی فون کیا اور اس سے درخواست کی کہ سائیں کچھ ایمرجنسی ہے آپ براہ کرم کراچی تک تکلیف کریں۔ظفر خان سے غازی شاہ کی اچھی چلتی تھی۔چنانچہ غازی شاہ نے جب اس سلسلے میں کیتھرائن سے تذکرہ کیا تو کیتھرائن نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مظفر خان کو ہمیں اپنا اعتماد والا آدمی بنانا ہوگا۔کیونکہ مستقبل میں جب جائیداد کا

سلسلہ سامنے آئے گا۔تو ظفر خان ہمارا ساتھ دے گا۔میں سمجھتی ہوں کہ اس سے رابطہ قائم کر لینا میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

''تو پھر مجھے کراچی جانا ہوگا۔''

جاؤ اور بڑے اطمینان سے جاؤ۔میں نے ارد گرد محافظوں کی فوج بنا رکھی ہے۔اور اب مجھے پرواہ نہیں ہے۔''

''خیر نہ میرا بھائی مکرم شاہ اور نہ میری ماں شرجیلہ اتنے خطرناک ہیں کہ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تم اطمینان سے ان کے درمیان رہ سکتی ہو۔ویسے بھی کوشش کروں گا کہ صبح کو جاؤں اور شام کو واپس آ جاؤں۔''

''ٹھیک ہے ایسا ہی کرنا۔'' کیتھرائن نے کہا اور غازی شاہ روانہ ہو گیا ماں یا بھائی کو اس سلسلے میں اطلاع دینے کی ضرورت اس نے محسوس نہیں کی تھی لیکن شرجیلہ نے پوری پوری نگاہ رکھی ہوئی تھی۔اور جیسے ہی غازی شاہ اپنی پجیرو میں نکلا تو شرجیلہ نے فوراً ہی سکھاواں کو بلا بھیجا اور اسے حکم دیا کہ جس کام کے لیے اس سے کہا گیا ہے اسے کرنے کے بعد فوراً خیر محمد گوٹھ پہنچ جائے۔شرجیلہ انتظار کر رہی تھی۔

سکھاواں شرجیلہ سے کافی بڑی رقم لے کر گئی تھی اور اس نے اپنا کام کر ڈالا تھا جب وہ واپس حویلی آئی تو اس کے پاس مطلوبہ چیز موجود تھی۔باقی سارے کام شرجیلہ سرانجام دے چکی تھی ایک منصوبہ بنایا گیا تھا جس کے تحت مشرقی حویلی میں کچن تک رسائی حاصل کرنی تھی اور خاص طور سے اس وقت جب دوپہر کا کھانا کیتھرائن کے سامنے جانا تھا۔کام خوش اسلوبی سے سرانجام پایا گیا تھا اور پھر کیتھرائن نے بغیر کسی تکلف کے دوپہر کا کھانا کھا لیا۔اس کے بعد بس یہ کام سرانجام دینے والوں کی باری تھی کہ وہ برتن سمیٹ کر وہ سالن ضائع کر دیں۔جو کیتھرائن کو کھلایا گیا تھا۔انگریز عورت پہلی بار یہاں مشکل کا شکار ہوئی تھی اس کا احساس اسے اس وقت ہوا جب کھانے کے بعد وہ آرام کرنے لیٹی اس کا دل اندر سے مالش کرنے لگا وہ تنہا تھی۔اسے سینے کو مسلتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر اس نے بمشکل تمام تاج ور کو آواز دی۔اس کے ساتھ ہی اسے خون کی بڑی سی الٹی ہوئی تھی اور وہ اوندھے منہ کمرے کے فرش پر گر پڑی تھی۔

تاجور دوڑی دوڑی اندر آئی لیکن کیتھرائن کی شکل دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ کیتھرائن قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ ہلکے رنگ کے قالین پر اس کے منہ سے نکلنے والے خون کی مقدار کافی نظر آ رہی تھی۔ تاجور نے دونوں ہاتھوں سے سینہ پیٹتے ہوئے کہا۔

ہائے میں مرجاؤں۔ ارے کوئی ہے دوڑو۔ دیکھو میری بیگم سائیں کی کیا حالت ہوگئی ہے۔ ارے کوئی ہے ابراہیم۔ ابراہیم۔ اس نے اس ملازم کو آواز دی۔ جیسے یہاں آتے ہوئے اس نے راہداری سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ابراہیم راہداری کے سرے تک ہی پہنچا تھا کہ اس کے کانوں میں تاجور کی آواز گونجی اور فوراً پلٹ پڑا۔

''کیا ہوا...... تاجور؟''

''او ابراہیم جلدی ادھر آؤ۔ دیکھو بیگم سائیں کو کیا ہوگیا۔ جلدی آؤ دیکھو تو سہی ارے بلاؤ کسی کو۔ ابراہیم تاجور کے ساتھ اندر آیا اور اس نے کیتھرائن کو اوندھے منہ فرش پر پڑے دیکھا۔ کیتھرائن شاید بے ہوش ہوگئی تھی۔ بس ایک نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد وہ فوراً باہر نکل آیا اور دوڑتا ہوا پرانی حویلی کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اسے جو بھی نظر آیا وہ اسے اطلاع دیتا گیا کہ کیتھرائن کی حالت بری ہوگئی ہے۔ حویلی کے نگران نے یہ بات سنی تو جلدی سے اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہوا بولا۔

''ابراہیم! کچھ منہ سے تو بتا ہوا کیا ہے۔''

''چھوٹی بیگم کو خون کی الٹیاں ہو رہی ہیں۔ صاحب کو جلدی سے اطلاع دو۔ تمہیں معلوم ہے کہ سائیں غازی شاہ اس وقت کہاں ہیں۔''

''ہاں بڑے باغ گئے ہوئے ہیں۔ آم کی فصل توڑی جارہی ہے اس کی نگرانی کرنے گئے ہیں۔''

''موبائل تو ہوگا ان کے پاس انہیں فوراً خبر کرو۔ سائیں جلدی کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑی بات ہوجائے۔'' ابراہیم نے کہا اور پھر حویلی کی جانب دوڑ گیا اور پھر وہ سیدھا

شرجیلہ کے بیڈ روم کی جانب بڑھ گیا۔ شرجیلہ بیڈ روم میں آرام کر رہی تھی۔ دوپہر کو وہ ہمیشہ سونے کی عادی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی اس کے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ البتہ برابر والے کمرے سے مکرم شاہ نکل آیا۔

''سائیں! بڑے سائیں! اللہ رحم کرے آپ ذرا چل کر دیکھو۔ سائیں چھوٹی بیگم صاحب خون کی الٹیاں کر رہی ہیں۔''

''خون کی الٹیاں۔'' مکرم شاہ اچھل پڑا۔

''سائیں جلدی کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کھیل خراب ہو جائے۔'' مکرم شاہ نئی حویلی کی جانب دوڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں حویلی کے بہت سے افراد اس کمرے کے اردگرد جمع ہوگئے۔ جو کیتھرائن کا بیڈ روم تھا۔ اندر جانے کی اجازت بہت کم لوگوں کو تھی۔ افریشم کیونکہ ان دنوں ذرا دوسری حالت میں تھی اس لیے اس کے سلسلے میں بھی احتیاط برتی جارہی تھی۔ البتہ شرجیلہ بیگم وہاں نہیں آئی تھیں۔ غازی شاہ کو ٹیلی فون کر دیا گیا تھا چنانچہ تھوڑی دیر بعد غازی شاہ بھی اپنی جیپ دوڑاتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ اتنی دیر میں گوٹھ کے حکیم کو بلایا گیا تھا۔ حکیم صاحب بھی برق رفتاری سے پہنچے تھے۔ مکرم شاہ نے اپنے آدمی دوڑا کر انہیں بلایا تھا۔ حکیم صاحب نے کیتھرائن کی نبضیں دیکھیں اور تشویش زدہ لہجے میں بولے۔

''بہتر تو یہ ہوگا کہ انہیں کسی ہسپتال میں منتقل کیا جائے۔ میری جڑی بوٹیاں فوری اثر نہیں دکھائیں گی۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ ویسے آپ کا جو بھی حکم ہو سائیں مکرم شاہ۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم انہیں شہر لے چلتے ہیں۔ غازی شاہ بھی آ گیا۔ اس دوران کیتھرائن کو بے ہوشی کے عالم میں ہی خون کی دوسری الٹی ہوئی تھی اور سب بری طرح گھبرا گئے تھے۔ کیتھرائن کا سرخ وسفید چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا اور ایک عجیب سی کیفیت اس کے انداز میں نظر آتی تھی۔ عورتوں نے اسے اٹھا کر بڑی پجیرو میں لٹایا اور غازی شاہ نے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ مکرم شاہ اور دوسرے چند افراد ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ دوسری چند ملازماؤں کو بھی لے لیا گیا تھا اور پجیرو طوفانی رفتار سے چل پڑی تھی۔

''کراچی چلنا ہے وہاں اسے ایک پرائیوٹ کلینک میں لے جاؤں گا۔ تمہیں ڈاکٹر الیاس یاد ہوگا غازی شاہ!'' غازی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے پجیرو ڈرائیو کرتا رہا۔ اس کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے سرخ وسفید چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ نجانے اس کے ذہن میں کیا سوچیں تھیں۔ یہ بات تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جب سے وہ اور کیتھرائن لندن سے واپس آئے ہیں۔ دشمنوں

میں گھرے ہوئے ہیں۔ حالتیں اس طرح اچانک خراب نہیں ہو جاتیں۔ بے شمار خیالات اس کے ذہن میں تھے لیکن مکرم شاہ بہرحال بڑا بھائی تھا۔ وہ کسی طور اس پر اپنی سوچوں کا اظہار نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ بات انہی لوگوں پر جاتی تھی۔ ڈاکٹر الیاس کے اسپتال میں داخل ہوکر مکرم شاہ نے اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے فوراً ہی کیتھرائن کو آپریشن تھیٹر تک پہنچا دیا۔ الیاس اس وقت موجود نہیں تھا لیکن دوسرے ڈاکٹروں نے ضروری کارروائی شروع کردی۔ یہ اسپتال بہت ہی شاندار اسپتالوں میں شمار ہوتا تھا اور یہاں مکمل لیبارٹری بھی موجود تھی اور دوسرے تمام لوازمات بھی کیتھرائن کو فوراً ہی آکسیجن لگائی گئی اور اس کے بعد ڈاکٹروں کا پورا پینل اس پر مصروف ہوگیا۔ ڈاکٹر الیاس کو بھی ٹیلی فون کردیا گیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی پہنچ گیا اور اس نے فوراً ہی کیتھرائن کا بھرپور معائنہ کیا۔ پھر اس نے اپنے ڈاکٹروں سے کہا۔

خون کی الٹیوں کو نظرانداز کر کے سب سے پہلے ان کا اسٹامک واش کرنا ہوگا۔ تیاریاں کرو۔ یہ ایک سنگین عمل تھا۔ عام حالات میں تو کوئی ہرج نہیں تھا لیکن خون کی الٹیوں سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ جسم کے اندر کوئی چیز پھٹ گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کے زہریلے اثرات پورے جسم کو متاثر کریں۔ معدہ صاف کردینا ضروری تھا۔ جہاں تک خون کی الٹیوں کا تعلق تھا۔ انہیں فوری طور پر نہیں روکا جاسکتا تھا جبکہ اندر کے حالات معلوم نہ ہوجائیں اور اندر کے حالات معلوم کرنے کے لئے ایکسرے اور الٹرا ساؤنڈ وغیرہ بھی کرنا ضروری تھے۔ لیکن سب سے پہلے معدے کی صفائی کو ترجیح دی گئی۔ یہ ڈاکٹر الیاس کا اپنا تجربہ تھا۔ چنانچہ اس نے کسی سے اجازت لئے بغیر یہ رسک لے لیا اور اس سلسلے میں کام شروع ہوگیا۔ کیتھرائن کی حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ کیونکہ خون کافی ضائع ہوگیا تھا۔ خون کی ایک الٹی کو پلاسٹک کی بوتل میں محفوظ کرلیا گیا تھا تاکہ اس کا کیمیاوی تجزیہ کرلیا جائے۔ یہ سارے کام ڈاکٹر الیاس اپنی نگرانی میں کرا رہا تھا۔ باہر غازی شاہ خاموش ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے قریب مکرم شاہ' ملازمائیں اور دوسرے چند افرادان سے چند قدم کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مکرم شاہ نے غازی شاہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی سنگین خاموشی سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ غازی شاہ اس وقت کیا سوچ رہا ہے اور مکرم شاہ کی آنکھوں میں غصے کے تاثرات منجمد تھے۔ غازی شاہ جو کچھ سوچ رہا ہے وہ اس خاندان کی توہین تھی۔ یہاں کے لوگ پیچھے سے وار نہیں کرتے تھے انگریزوں سے ایک مکمل جنگ کی تھی۔ اس علاقے والوں نے اور ان کا اپنا ایک معیار زندگی تھا۔ غازی شاہ اگر اس انداز میں سوچ رہا ہے کہ کیتھرائن کے ساتھ حویلی کے کسی

فرد نے کوئی ایسا سنگین عمل کیا ہے جس کے نتیجے میں کیتھرائن کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ یہ ایک افسوسناک سوچ تھی اور مکرم شاہ کو اسی بات پر غصہ تھا۔ اس دوران مکرم شاہ نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ غازی شاہ کا لہجہ اب بڑے بھائی کے ساتھ توہین آمیز ہوگیا ہے۔ حالانکہ یہی غازی شاہ مکرم شاہ کے سامنے کبھی نگاہیں اونچی نہیں کرتا تھا لیکن جانتا تھا کہ لندن کی زندگی نے اس سے بہت سی اقدار چھین لی ہیں۔ قصور اس کا اپنا ہی تھا۔ بعض اوقات بہت زیادہ محبت بھی ایک عذاب بن جاتی ہے اور اپنے کئے کا صلہ خود ہی ملنے لگتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ مکرم شاہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ایک ہی دایاں بازو تھا اس طرح جڑ سے اکھڑا تھا کہ شانہ ہی خالی ہوگیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ غازی شاہ کے دل میں بہت سی برائیاں پروان چڑھ رہی ہیں لیکن اب اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ان برائیوں کو دور کر دیتا۔ کچھ تجاویز بھی پیش کی تھیں اس نے غازی شاہ کو۔ لیکن غازی شاہ نے جس طرح ان تجاویز کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کیتھرائن غازی شاہ کے سارے وجود میں آکٹوپس کی طرح لپٹ چکی ہے اور اب اس سے چھٹکارا ملنا بہت مشکل ہے۔ انگریز عورت نے ان کے ہنستے بستے گھر کو جہنم بنا ڈالا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسا یک بار ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں داخل ہوکر پوری حکومت کو ہلا ڈالا تھا اور اس کے بعد ہندوستان پر قبضہ جما لیا تھا۔ وہ اسی قوم کی ایک فرد تھی اور اس قوم پر اعتبار کرنا اندھے کنوئیں میں گرنے کے مترادف تھا۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن مکرم شاہ کا کمزور پہلو یہی تھا کہ غازی شاہ اس کی طرف سے بددل ہوگیا تھا اور اس وقت بھی اس کی آنکھوں میں جو کیفیت نظر آرہی تھی۔ وہ اس بات کی غماز تھی کہ غازی شاہ ان لوگوں کے بارے میں برے انداز میں سوچ رہا ہے اور کیتھرائن کی اس کیفیت سے یہی اندازہ لگا رہا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی غلط قدم اٹھایا گیا ہے۔ جبکہ مکرم شاہ کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ بہرحال ماں کا ایک کردار ہوتا ہے۔ شرجیلہ بیگم ایک باوقار خاتون تھیں اور حویلی میں اس کا اپنا وقار ایک مثالی حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کیتھرائن کی آمد خود اس کے لیے ایک سنگین حادثہ تھا لیکن بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ اس نے ابھی تک بیٹے یا بہو کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ جبکہ مکرم شاہ کے لیے بڑی مشکلات پیدا ہوگئیں تھی۔ خیر محمد گوٹھ کے رہنے والوں صدیوں سے اس خاندان سے واقف تھے۔ ان کے چہروں پر ان کے سوالات لکھے ہوئے تھے۔ کسی کی زبان مکرم شاہ سے کوئی سوال نہیں کرتی تھی لیکن ان کی آنکھیں مکرم شاہ کو دیکھتی تھیں اور آنکھیں پوچھتی تھیں کہ مکرم شاہ اس گوٹھ میں تو انگریزوں کا اس وقت داخلہ ممکن نہیں ہوا تھا۔ جب وہ ہندوستان پر قابض تھے ایک عورت نے گوٹھ کو کیسے

تسخیر کرلیا اور اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا مکرم شاہ کے پاس۔ سوائے اس کے کہ وہ گردن جھکا کر راستے سے گزر جائے۔ اچانک اس نے ایک ڈاکٹر کو آپریشن تھیٹر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا یہ ایک خاتون ڈاکٹر تھی سانولے سے چہرے اور دلکش نقوش کی مالک مکرم شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

''ڈاکٹر۔''

''جی سر! کوئی بات پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ مجھ سے۔''

''ہاں مریضہ کی کیا کیفیت ہے؟''

''سر! ابھی ہم بالکل غیر یقینی کیفیت کا شکار ہیں اسٹامک واش ہو چکا ہے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ الٹیاں رک جائیں۔ ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ خون کی الٹیوں کی وجہ کیا ہے۔ پلیز۔'' ڈاکٹر نے غازی شاہ کی طرف دیکھا ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات ابھر آئے۔ گورے چٹے رنگ کا مالک غازی شاہ! بے شک سندھی روایات کے مطابق اپنا چہرہ رکھتا تھا لیکن لندن کی فضاؤں نے اور کچھ ماحول کی جدت نے اس کے اندر ایک نمایاں دلکشی پیدا کر دی تھی۔ لمبے چوڑے بدن کا مالک ایک انتہائی خوبصورت جوان تھا اور اکثر یہ دیکھا گیا تھا کہ نوجوان لڑکیوں کی نگاہیں دیر تک اس کا جائزہ لیتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر بھی کچھ لمحے اسی کیفیت کا شکار رہی اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گئی لیکن اس وقت غازی شاہ نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور ڈاکٹر کے پیچھے چل پڑا۔ ڈاکٹر نے پلٹ کر اسے دیکھا اور ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئی۔ پھر ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''جی سر...... مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں آپ۔''

''پہلا سوال میں آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں ڈاکٹر کیا آپ کو ابھی آپریشن تھیٹر جانا ہے۔''

''نہیں سر! ذرا ابھی کچھ دوسری مصروفیات میں ہوں۔ وہاں ڈاکٹر الیاس کا پورا پینل موجود ہے اور وہ لوگ بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ وہ خاتون آپ کی کون ہیں۔''

''میری بیوی ہے۔''

''اچھا اچھا...... آپ نے باہر شادی کی ہے۔ آیئے اپنے ذہن سے الجھن جھٹک دیجئے۔ میں آپ کو چائے پلواؤں۔''

''نہیں ڈاکٹر! آپ کا بہت شکریہ آپ مجھے صرف یہ بتا دیجئے کہ کیا اس کی زندگی خطرے میں ہے۔''

''آپ آیئے پلیز۔ ایک منٹ کے لیے آپ آیئے۔'' ڈاکٹر نے اپنے شوق کی

تسکین کے لئے کہا۔ ایسے حسین و جمیل آدمی کو قریب بٹھا کر وہ اس کا بھرپور تجزیہ کرنا چاہتی تھی۔ ڈیوٹی روم میں اس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے غازی شاہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے بیٹھ گئی۔

''سر! اگر آپ پسند کریں تو میری طرف سے ایک چائے قبول کر لیجئے۔''

''ڈاکٹر معافی چاہتا ہوں۔ آپ بہت اچھی ہیں آپ کا شکریہ کہ آپ نے میری ساتھ یہ امتیازی سلوک کیا۔ صرف میرے سوال کو جواب دے دیجئے۔''

''سر! اگر میں آپ سے کہوں کہ میں جھوٹ نہیں بولنا چاہتی، دلاسے نہیں دینا چاہتی۔ تو میں سمجھتی ہوں کہ میرا ضمیر ضرور مطمئن رہے گا۔ آپ کی مسز کی زندگی شدید خطرے میں ہے۔ کچھ وقت گزر جائے اور ان کی یہ خون کی الٹیاں رک جائیں۔ تو ہم امید کرتے ہیں کہ وہ بچ جائیں گی۔''

''ڈاکٹر! میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کا نام کیا ہے؟''

''زاہدہ۔ میرا نام ڈاکٹر زاہدہ ہے۔''

''ڈاکٹر زاہدہ۔ یہ ایک بالکل تندرست اور اچھی خاتون تھیں۔ کوئی چار گھنٹے پہلے میں نے انہیں بالکل بہتر حالت میں چھوڑا تھا اور کسی کام سے نکل گیا تھا اس کے بعد ان کی یہ کیفیت ہوئی میں آپ سے ذاتی طور پر ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور پلیز۔ آپ اس چیز کو خاص طور سے ذہن میں رکھیے کہ یہ سوال اور اس کا جواب میرے اور آپ کے درمیان رہے۔''

''جی جی۔''

''اس کیفیت کا کوئی بیک گراؤنڈ ہو سکتا ہے۔ ہم اسے فوڈ پوائزننگ تو نہیں کہہ سکتے۔''

''سر! ان کی یہ کیفیت یقینی طور پر کوئی ایسی ہی غذا کھانے سے ہوئی ہے جو زہریلی ہو سکتی ہے لیکن ڈاکٹر الیاس کا کہنا ہے کہ اگر کوئی زہریلی غذا ان کے معدے میں گئی ہے۔ تو وہ بہت عجیب ہو سکتی ہے ناقابل فہم ابتدائی تجزیہ یہی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''کس طرح سمجھاؤں۔ کوئی ایسا زہر جس کے بارے میں ڈاکٹر الیاس جیسا شخص بھی ابھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتا۔ دیکھئے ایسا ہوتا ہے کہ ایک تو کوئی بیرونی چیز ہوتی ہے جو زہریلی ہو اور سسٹم پر اثر انداز ہو۔ ایک کچھ ایسا سلسلہ ہوتا ہے کہ کوئی غذا کھائی جائے اور

اندر جا کر وہ زہر بن جائے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہیں بیرونی طور پر زہر دیا گیا ہے۔ لیکن کوئی ایسی چیز ضرور کھائی ہے انہوں نے جو اندر جا کر اس شدید ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنی ہے۔''

''ہوں۔ ایک کام کریں گی آپ ڈاکٹر زاہدہ میں اس کے لیے آپ کو منہ مانگا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔'' غازی شاہ نے جیب سے ہزار ہزار کی کئی نوٹ نکال کر ڈاکٹر زاہدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں، یہ رہنے دیجئے۔ آپ مجھے بتائیے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔''

''ڈاکٹر زاہدہ میرا رابطہ صرف تم سے ہے ڈاکٹر الیاس سے نہیں ہے یہ جو زہریلا مادہ اس کے معدے سے نکالا گیا ہے۔ یا ان خون کی الٹیوں میں جو چیز پوشیدہ ہے۔ میں اس کا لیب ٹیسٹ چاہتا ہوں یہ سب ٹیسٹ خفیہ طریقے سے ہو اور اس کی رپورٹ مجھے مل جائے، چاہے اس پر خرچ کتنا ہی ہو۔ ڈاکٹر زاہدہ ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

''لائیے یہ رقم آپ مجھے دے دیجئے۔ میں آپ کو اس کی خفیہ رپورٹ پیش کر دوں گی۔''

''اس میں یہ رقم اور شامل کر لیجئے۔'' غازی شاہ نے ہزار ہزار کے دس نوٹ اور جیب سے نکالے اور پہلے نوٹوں میں شامل کر کے زاہدہ کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

''آپ کو یہ رپورٹ کل شام کو مل جائے گی۔ آپ جس طرح بھی چاہیں کل مجھ سے یہ رپورٹ لے لیں۔''

''میں خود آپ کے پاس آؤں گا۔ اب ذرا آپ پلیز میرے لیے ایک کام کیجئے کہ اپنی دوسری مصروفیات چھوڑ کر آپریشن تھیٹر میں چلی جائیے۔ اور یہ بتائیے کہ میری بیوی کی کیا کیفیت ہے۔''

''اب دس منٹ تک آپ مجھے وقت دے دیجئے۔ دس منٹ کے بعد مجھے دوبارہ واپس جانا ہے۔ مجھے ڈاکٹر الیاس ہی نے کچھ کام سے بھیجا ہے۔ ان کا کام کرنا ضروری ہے میرے لیے۔''

''ٹھیک ہے آپ جائیے۔'' تھوڑی دیر کے بعد غازی شاہ پھر مکرم شاہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا اور مکرم شاہ نے کہا۔

''کیا کہتی ہے ڈاکٹر۔''

''وہ کہتی ہے کہ زندگی کے امکانات دس فی صد ہے اور موت کے نوے فی صد ہے۔'' غازی شاہ نے کھردرے لہجے میں کہا اور مکرم شاہ گہری سانس لے کے خاموش ہو گیا پھر کوئی آدھے گھنٹے تک خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد ڈاکٹر الیاس باہر نکلا۔

''مبارک ہو شاہ جی! آپ کے مریض کی زندگی بچ گئی ہے لیکن بے پناہ کمزوری ہے۔ ہم اسے ابھی آئی سی یو میں رکھیں گے اور اس کا تجزیہ کرتے رہیں گے۔ آپ اب آرام کیجئے۔ ہم اس کو بلڈ لگا رہے ہیں۔ اس طرح اس کی خون کی وہ کمی پوری کی جاسکے گی۔ جو خون کی الٹیوں سے پیدا ہوئی ہے لیکن اب وہ خطرے سے باہر ہے اس کا اسٹامک واش کر دیا گیا ہے۔ آپ اب اطمینان رکھیں۔ خون میں جو زہریلے جراثیم چلے گئے ہیں۔ ان کی صفائی کے لیے اسے ڈرپ لگائی جارہی ہے۔ ابھی ہم تھوڑی دیر تک اسے آپریشن تھیٹر میں رکھیں گے اور کے بعد آئی سی یو میں منتقل کر دیں گے۔''

''آپ میرے ساتھ آیئے ڈاکٹر الیاس۔'' مکرم شاہ نے کہا اور ڈاکٹر الیاس کو لیے ہوئے راہداری میں ایک طرف چل پڑا۔ ڈاکٹر الیاس اس کے ساتھ وہ راہداری کے آخری سرے پر پہنچا اور پھر اس نے ڈاکٹر الیاس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ نے ہمارے ساتھ جو تعاون کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب! اس کے لیے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آپ کے پاس خاص طور سے اسے لے کر اسی لیے آئے تھے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان رازداری کا رشتہ قائم رہے گا۔''

''آپ یقین کیجئے شاہ جی! یہ کیس کرتے ہوئے میں پریشان ہوں۔ میرے ذہن میں ایک بات مسلسل آرہی ہے۔ اگر پولیس کو اس کیس کے بارے میں معلومات حاصل ہوگئیں تو میرے ساتھ تو بڑی مشکل پیش آجائے گی۔ زہر خورانی کا کیس ہے۔ پولیس نے مجھ سے یہ سوال کر لیا کہ بغیر اطلاع کے میں نے اس کا ٹریٹمنٹ کیوں کر دیا تو میں کیا جواب دوں گا۔''

مکرم شاہ کے چہرے پر غصے کے تاثرات پھیل گئے۔

''پولیس تم سے یہ سوال کبھی نہیں کرے گی بابا! ہم بھی گھسیارے نہیں ہیں۔ ہماری فیملی کا معاملہ ہے۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے ڈاکٹر کہ اگر ہم نے یہ بات کہہ دی کہ یہ معاملہ ہماری فیملی کا ہے۔ تو پولیس خاموشی سے واپس چلی جائے گی۔ اگر اسے پتا چل جائے تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''نہیں شاہ جی کوئی ایسی بات نہیں۔'' ڈاکٹر الیاس گھبرا گیا وہ مکرم شاہ اور اس کی فیملی کو اچھی طرح جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ان لوگوں کے کتنے اثر ورسوخ ہیں۔''

''تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو اپنے ان الفاظ سے ڈاکٹر صاحب۔''

''نہیں شاہ جی! میں تو صرف یہ بتا رہا تھا کہ...... کہ......''

''سنو ڈاکٹر! میں اس لیے نہیں لایا تمہیں اس طرف کہ کوئی بات کسی اور سے چھپانا

چاہتا ہوں۔ میں تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہوا کیا ہے۔

''کوئی بہت ہی عجیب قسم کا زہر استعمال کیا گیا ہے۔''

''کیفیت کیا ہے بچ جائے گی۔''

''جی اب بالکل ٹھیک ہے۔ بس جو مشکل تھی وہ دور ہوگئی۔''

''ہوں۔ زہر کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوسکا۔''

''جسم پر کوئی نشان نہیں ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ زہر انجکشن کے ذریعے دیا گیا ہے۔ یا کسی جانور نے کاٹا ہے۔ صرف ایک ہی خیال رہ جاتا ہے کہ وہ حلق کے ذریعے معدے تک پہنچا ہے کسی خوراک کے ساتھ۔''

''ٹھیک ہے بابا ٹھیک ہے۔ اب تم یہ بتاؤ وہ ٹھیک ہوجائے گی نا۔''

''جی شاہ جی! اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ ہے۔''

''پولیس کی دھمکی ہمیں مت دیا کرو۔ ہمارے ہاں جرائم نہیں ہوتے۔ کوئی اتفاقی بات ہوسکتی ہے کراچی کے بڑے سے بڑے اسپتال میں ہم اسے لے جاسکتے تھے۔ تمہارے پاس اس لیے لائے کہ تم پوری توجہ دو گے اور ایک قابل آدمی ہو بس۔ تم چاہو تو اخبارات میں چھپوا سکتے ہو کہ مکرم شاہ کے خاندان کی ایک عورت یہاں آئی تھی اور تم نے اس کے ساتھ بڑی محنت کی ہے۔ ہم اس کی تصدیق کردیں گے سمجھے۔''

''شاہ جی آپ یقین کریں میرا یہ مقصد بالکل نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں یہ بے وقوفی کی بات منہ سے نکل گئی۔ اس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔''

''بل بنادو اپنا ادائیگی کردیں۔''

''شاہ جی! بہت ناراض ہوگئے ہیں مجھ سے بہرحال ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں اپنے الفاظ کی۔'' مکرم شاہ کچھ سنے بغیر وہاں سے واپس پلٹ پڑا تھا۔ بہرحال کیتھرائن کی حالت بہتر ہوگئی تھی۔ مکرم شاہ خود بھی پریشان تھا۔ اس نے غازی شاہ سے کہا۔

''غازی شاہ تم اگر چاہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔ کچھ انتظامات کرنے ہوں تو انتظامات کردو۔ میں یہاں بندے لگادوں گا۔ بے فکر رہو۔ وہ ٹھیک ہوجائے گی میں ڈاکٹر سے بات کرچکا ہوں۔ غازی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر بھائی کو دیکھا اور بولا۔

''حالات ایسے نہیں ہیں ادا! کہ اب میں کیتھرائن کو یہاں تنہا چھوڑ دوں اب تو بہت کچھ سوچنا پڑے گا مجھے اس کے بارے میں۔ اللہ نے اسے نئی زندگی دے دی ہے۔ اب مجھے اس زندگی کی قدر کرنی ہے۔ بہت دور سے لے کر آیا ہوں یہ کہہ کر کہ اس کی عزت کی جائے

گی۔ اس سے محبت کی جائے گی پہلا ہی وعدہ جھوٹا ہوگیا ہے سائیں! اب میں اس پر اور رسک نہیں لے سکتا۔ آپ مجھے معاف کروادا سائیں غلطی مجھ سے ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوگئی۔ بہت سی چیزوں کا مجھے خیال رکھنا تھا۔'' مکرم شاہ نے غصے بھری نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا پھر بولا۔

''ٹھیک ہے بابا! میں چلتا ہوں تم اس کے گرد حفاظتی پہرے قائم کرو۔'' یہ کہہ کر مکرم شاہ واپس پلٹ پڑا تھا اور غازی شاہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ غازی شاہ نے اپنے لیے وہیں انتظامات کرلیے۔ حالانکہ یہاں بہت سے انتظامات تھے۔ خیر محمد ہاؤس تھا یہاں پر لیکن غازی شاہ کیتھرائن کے ساتھ ہی تھا۔ کیتھرائن کو صرف آٹھ گھنٹے آئی سی یو میں رکھا گیا اور اس کے بعد اسے اس کمرے میں منتقل کردیا گیا۔ جسے غازی شاہ نے اپنے لیے حاصل کرلیا تھا۔ اب اسے ہوش آگیا تھا۔ ڈاکٹر نے ہدایت کردی تھی کہ ابھی اس سے بات چیت نہ کی جائے۔ البتہ ڈاکٹروں نے اس کی حالت بالکل بہتر بتائی تھی۔ کیتھرائن نے بوجھل نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور غازی شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ٹھیک ہو بابا! بالکل پرواہ مت کرو۔ میں ہوں۔'' کیتھرائن نے آنکھیں بند کرکے آہستہ سے گردن ہلادی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مدھم سے مسکراہٹ آگئی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غازی شاہ پر مکمل اعتماد کا اظہار کررہی ہے۔ بہرحال ادھر ڈاکٹر زاہدہ نے فوراً ہی خون کے کیمیاوی تجزیے کے انتظامات کردیئے تھے اور اس تجزیے کی رپورٹ وہی تھی۔ البتہ اس میں سانپ کے زہر کا تذکرہ کیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ خون کے ذرات میں ایک ایسے گوشت کے ہلکے ہلکے ذرے پائے گئے ہیں۔ جو اجنبی ہے اور سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کیا چیز ہے اس کا شمار جراثیموں میں نہیں ہوتا۔ پھر نجانے کیا ہے وہ بہرحال اس کا ابھی صحیح طریقے سے تجزیہ نہیں ہوسکا تھا۔ کیتھرائن کی حالت اب اس قابل ہوگئی کہ ڈاکٹروں نے اسے بات چیت کی اجازت دے دی۔ غازی شاہ نے اس سے پہلا سوال کیا تھا۔

''کیتھرائن مجھے بتاؤ تو سہی تمہیں ہوا کیا تھا۔'' کیتھرائن نے مسکراتی نگاہوں سے شوہر کو دیکھا اور بولی۔

''وہی جو ہونا چاہیے تھا غازی شاہ۔''

''کیا...... میں سمجھا نہیں کیتھی کیا کہنا چاہتی ہو تم۔''

''کاش! تم اتنے معصوم نہ ہوتے تو مجھے سب کچھ کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔ میں اپنی زندگی تو تمہیں سونپ چکی ہوں غازی شاہ! مکمل طور پر تم پر بھروسہ کرلیتی ہو اور کبھی اپنی

زبان سے کچھ نہ کہتی لیکن تم خود اس قدر معصوم ہو کہ اب تو میں سوچتی ہوں کہ مجھے تمہاری حفاظت کرنی پڑے گی۔ اصل میں اس حد تک امید نہیں تھی کہ دشمن یوں وار کر دے گا بس یہ سمجھتی تھی کہ ان لوگوں سے ہوشیار رہنا ضروری ہوگا۔ غازی شاہ یقین کرو میں نے کبھی اپنے آپ کو یہاں تنہا نہیں سمجھا۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ غازی شاہ ایک فوج بن کر میری حفاظت کر رہا ہے۔ میرے اردگرد پھیلا ہوا ہے لیکن دشمن زیادہ طاقت ور ہے۔ اندازہ ہوا کہ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں اور شاید قدرت نے اسی لیے مجھے یہ نئی زندگی بھی دی ہے کہ اس کے بعد میں ہوشیار رہوں۔''

''کیتھی، کیتھی، کیتھی، تم کہنا کیا چاہتی ہو خدا کے لیے مجھے بتاؤ تو سہی۔ میں بہت پریشان ہوں۔ تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔''

''میرے علاوہ بھی کسی اور کو اندازہ ہو سکتا ہے غازی شاہ! تمہاری پریشانیوں کا۔ مگر میں یہی کہہ رہی ہوں نا کہ یقین کرو۔ مجھے دشمن کے اس قدر پھرتیلے ہونے کی امید نہیں تھی اور پھر اس نے جو کچھ کیا ہے بڑی جرات مندی سے کام لیا ہے اس کی بہادری کی داد تو دینا ہی ہوگی۔ غازی شاہ عاجز نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

''میں خاموش ہوا جاتا ہوں اور مزید کوئی سوال نہیں کرتا۔ اس لیے کہ تمہارے ذہن میں جو کچھ ہے وہ تم مجھے بتا نہیں رہا۔''

''نام تو نہیں لے سکتی کسی کا غازی شاہ! یہ بات تم ڈاکٹر سے معلوم کر سکتے ہو کہ مجھے کوئی زہر دیا گیا ہے۔''

''کس نے، کیسے؟''

''اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی تو تمہارے خیال میں، میں زہر کھا لیتی۔'' کیتھرائن مسکرا کر بولی اور غازی شاہ سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''مجھے وہ ساری تفصیلات بتاؤ۔ جس کے بعد تمہاری طبیعت خراب ہوئی تھی۔

کیتھرائن نے مختصر الفاظ میں غازی شاہ کو وہ تفصیل بتا دی تو غازی شاہ کہنے لگا۔

''آہ۔ کاش! ہم اس کھانے کو اپنی تحویل میں لیتے۔ جسے کھا کر تمہاری یہ حالت ہوئی۔ لیبارٹری ٹیسٹ سے یہ پتا چل جاتا کہ کھانے میں کیا ملایا گیا تھا۔''

''مگر ایک بات سوچو غازی شاہ! کھانا میں نے اکیلے تو نہیں کھایا تھا۔''

''مطلب۔''

''صرف اس کھانے میں وہ چیز شامل کی گئی تھی جو مجھے کھانا تھا۔''

''ہوں۔ پتا تو چل جائے گا۔ میں معلوم کر لوں گا۔ تم بتاؤ تمہیں کھانا کس نے دیا تھا۔''

''یہ اتنی معمولی سی بات نہیں ہے غازی شاہ! جس نے مجھے کھانا دیا ہوگا کم از کم وہ مجرم نہیں ہوگا۔ کیونکہ کسی کی ایسی ہمت نہیں پڑ سکتی کہ وہ براہ راست مجھ پر حملہ کر سکے۔ نہیں، غازی شاہ اگر اس بارے میں جاننا چاہتے ہو تو تمہیں بڑی گہری نگاہ رکھنا ہوگی۔ یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ تمہیں زہر کا شبہ نہیں ہے لیکن گہری نگاہوں سے حویلی میں موجود ان لوگوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ جو ہمارے دشمن ہو سکتے ہیں۔'' غازی شاہ ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلانے لگا۔

☆☆☆☆☆

سکھاواں اکثر گوٹھ علی خیر محمد آتی رہتی تھی۔ اس بار بھی وہ آئی ہوئی تھی اور شرجیلہ کے کمرے ہی میں رہ رہی تھی۔ شرجیلہ سے اس کی خاصی گہری لاگ ڈاٹ تھی اور وہ اس سے ہر طرح کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ اس دن بھی دونوں اس موضوع پر بات کر رہی تھیں۔

''کیا حال ہے کچھ پتا چلا بیگم جی۔'' سکھاواں نے شرجیلہ سے کہا۔

''اسپتال میں ہے مکرم شاہ کا کہنا ہے کہ طبیعت بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ اسپتال والوں نے اسے آئی سی یو سے کمرے میں منتقل کر دیا ہے لیکن چونکہ خون بہت ضائع ہو چکا ہے۔ اس لیے شدید کمزوری ہے اور کسی بھی لمحے طبیعت بگڑ سکتی ہے۔ اس لیے اسپتال میں رکھا جا رہا ہے۔''

''میں نے آپ کو بتایا تھا نا بیگم جی کہ جب میری نند کی نند نے سانپ کی زبان اپنی سوتن کو کھلائی تھی۔ تو اس کی بھی یہی حالت ہوئی تھی۔ خون کی الٹیاں لگیں تھی اسے اور بہت بری حالت ہوگئی تھی پھر وہ بچ گئی لیکن بانجھ ہوگئی۔''

''سکھاواں ہم بھی اس کی موت نہیں چاہتے تھے۔ ہمارے دل میں بھی یہی بات تھی کہ بس اس کے ہاں اولاد نہ ہو۔ غازی شاہ اس انگریز چھپکلی کو یہاں لے تو آیا لیکن پورا خیر محمد گوٹھ یہ بات نہیں چاہتا کہ غازی شاہ کے ہاں اولاد پیدا ہو اور یہ اولاد حکم شاہ کی جائیداد کی حصے دار ہو۔ غازی شاہ ہمارے دل کا ٹکڑا ہے۔ ہم اسے سب کچھ دینے کے لیے تیار ہیں لیکن انگریز عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والی اولاد کے لیے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ چاہے وہ غازی شاہ ہی کے جگر کا ٹکڑا کیوں نہ ہو۔ سکھاواں ہم اتنے برے نہیں ہیں ہم نے انتہائی مجبوری کے عالم میں یہ قدم اٹھایا ہے۔ کیتھرائن کو سانپ کی زبان کھلا کر ہم نے صرف اسے بانجھ کیا ہے اس کی زندگی نہیں لینا چاہتے ہم۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ زندہ رہے لیکن بہرحال ہم اسے اپنی

بہو کبھی نہیں تسلیم کر سکتے۔''

''بیگم جی! اللہ آپ کو محفوظ رکھے بس کام ہوشیاری سے ہونا چاہیے۔کہیں سے کسی کو پتا تو نہیں چلے گا۔''

''نہیں۔کوئی نہیں جان سکے گا کہ کیتھرائن کو سانپ کی زبان ہم نے کھلوائی ہے اور تم بھی سکھاواں ان تمام لوگوں کی زبانیں بند کر دینا۔جو اس سلسلے میں شامل ہیں۔''

''آپ اس کی فکر ہی مت کریں بیگم جی سانپ کی زبان لانے والا تو یہاں سے بہت دور چلا گیا ہے۔پیسے ملے نا اسے، اسی کا انتظار کر رہا تھا۔وہ شاید دوبئی چلا گیا ہے۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے۔بہر حال وہ واپس آ جائے گی اب حالت بہتر ہو گئی ہے۔ میں جتنا کچھ چاہتی تھی وہی ہوا ہے۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیگم جی کہ اب ہوگا کیا۔''

''بہت سوچ چکی ہوں اس موضوع پر غازی شاہ اگر دوسری شادی پر آمادہ ہو گیا۔تو میں شوق سے اس کی دوسری شادی کروں گی اور اگر وہ اس انگریزن کا غلام رہا تو ٹھیک ہے پڑا رہے اپنی جائیداد بھی لے لے لیکن اس کی اولاد نہیں ہو سکتی۔'' سکھاواں گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔یہ لوگ تمام باتیں تو کر رہی تھیں لیکن ان کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ تاجور اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہی ہے۔اور ایک ایسے گوشے میں چھپی ہوئی ان کی باتیں سن رہی ہے جہاں ان کا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور اس وقت وہ پتھرائی ہوئی کھڑی ہے۔اس کے سارے وجود میں سنسنی ہو رہی ہے۔وہ اپنے قدم اٹھانا چاہتی ہے لیکن قدم اتنے بوجھل ہو رہے ہیں کہ اس سے اٹھائے نہیں جا رہے ہیں اور وہ خوفزدہ ہے کہ کہیں شرجیلہ کو اس کی یہاں موجودگی کا علم نہ ہو جائے۔پھر نجانے کتنی مشکل کے بعد اس کے جسم میں جنبش پیدا ہوتی ہے اور وہ وہاں سے آگے بڑھ جاتی ہے لیکن اس کیفیت میں کہ سارا بدن شدید سنسنی کا شکار ہے اور قدم اتنے بوجھل ہو رہے ہیں کہ اب گری کہ تب گری۔یہ حقیقت ہے کہ کیتھرائن نے چالاکی کے ساتھ تاجور کا دل اس طرح مٹھی میں لیا تھا کہ اب تاجور اس کی ہر بہتری کے بارے میں سوچتی تھی اور کیتھرائن کی اس حالت پر تاجور بھی بری طرح متاثر ہوئی تھی اس طرح جیسے کوئی اپنا بہت ہی عزیز بیمار ہو جاتا ہے لیکن اب جو کچھ اس نے سنا تھا اسے سن کر اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ شرجیلہ بیگم اس حویلی کی ماں۔اس حویلی کی سب سے بڑی شخصیت اور ایسا عمل ناقابل یقین۔ لیکن جو کچھ سنا تھا وہ جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔بری حالت ہو گئی اس کی اپنی رہائش گاہ میں آ کر لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے لیٹ گئی۔ویسے بھی زیادہ تر کیتھرائن کے پاس رہا کرتی تھی اور کیتھرائن

یہاں موجود نہیں تھی اس لیے فراغت بھی تھی جو حالت ہو رہی تھی اس کی۔یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔خواتین ویسے ہی پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں اور پھر اس قسم کی خواتین جن کا کام ادھر کی ادھر کرنا ہوتا ہے۔کوئی اہم بات تو ان کے دل میں رکنا تو مشکل ہی ہو جاتا ہے۔بہر حال اس کی حالت بری تھی اسی دوران اس کا شوہر کہیں سے آ گیا۔اس نے تاجور کو دیکھتے ہی کہا۔

''ارے کیا بات ہے یہ تیرا چہرہ سرخ کیسے ہو رہا ہے۔کیا ہو گیا تجھے بھئی۔''

''کچھ نہیں۔کچھ نہیں۔'' تاجور نے پیٹ کی تکلیف سے تڑپتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات تو ضرور ہے۔''

''ہاں۔ہاں ہے دروازہ بند کر دو۔'' تاجور بولی اور اس کے شوہر نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

''کیا ہوا خیر تو ہے۔'' وہ تاجور کو اوپر سے نیچے تک دیکھتا ہوا بولا۔

''بس ایک ایسی ہی بات ہے جس نے میرے اندر اتھل پتھل پیدا کر دی ہے۔''

''ہوں۔کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔''

''پیٹ بھاری ہو رہا ہے۔'' تاجور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''خدا کی لعنت ہے تجھ پر۔اب یہ عمر پیٹ بھاری ہونے کی ہے۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا تو۔''

''اور ہو جائے گا اگر تم نے اس بات کی تصدیق کر دی۔''

''ارے میرا مطلب وہ تھوڑی ہے۔''

''تو پھر۔''

''ایک ایسی بات سنی ہے میرے کانوں نے کہ بس میرے پیٹ میں رک نہیں پار ہی۔''

''ایک بار پھر تجھ پر خدا کی لعنت ہو کیا بات ہے مجھے بتا دے۔''

''ہائے کسی سے کہو گے تو نہیں۔''

''ہاں ہاں ہاں۔میں سمجھتا ہوں۔چل ٹھیک ہے۔اگر شبہ ہے تجھے کہ میں کسی کو کہہ دوں گا تو نہ بتا۔''

''مر جاؤں گی میں۔''

''مجھے پتا ہے۔'' تاجور کا شوہر ہنس کو بولا۔پھر کہنے لگا۔

''اچھا اب آدمی کی بچی بن کر بات بتا کیا ہے۔''

’’ہائے ایک ایسی بات سنی ہے میں نے کہ بتا نہیں سکتی۔‘‘

’’بات کیا ہے بتا تو سہی۔‘‘

’’یہ تمہیں پتا ہے کہ انگریزن کی طبعیت بہت زیادہ خراب ہے۔‘‘

’’ہاں پتا ہے۔ میں کوئی ولایت میں تھوڑی رہتا ہوں کہ مجھے پتا نہ ہو۔‘‘

’’اس کی طبیعت کیوں خراب ہوئی ہے۔ یہ بھی پتا ہے تمہیں۔‘‘

’’جی نہیں مجھے نہیں پتا ہوگی کوئی اندر کی بات۔‘‘

’’اندر کی نہیں باہر کی بات ہے۔‘‘

’’اچھا۔ ٹھیک ہے تو مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہے بھئی۔ باہر کی کیا بات ہے۔‘‘

’’ہاں ایک ایسی بات ہے اگر کبھی تمہارے منہ سے نکل گئی۔ تو تم بھی مارے جاؤ گے اور میں بھی ماری جاؤں گی۔‘‘

’’تو تو خیر ابھی ماری جائے گی اگر زیادہ ایکٹنگ کی تو نے تو۔ میں خود ہی مار مار کر تیرا حساب کتاب ٹھیک کردوں گا۔‘‘

’’تم تو بس مجھ پر ہی اکڑتے رہتے ہو۔ بات ہی ایسی میں کیا بتاؤں تمہیں۔ کیا تم سوچ سکتے ہو کہ بیگم صاحب کسی کو زہر دے سکتی ہیں۔‘‘

’’کون۔ بیگم صاحب۔‘‘ تاجور کا شوہر سنجیدہ ہوگیا۔

’’بڑی بیگم کی بات کررہی ہوں۔ شرجیلہ بیگم کی۔‘‘

’’زہر دے سکتی ہیں۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’کسے؟‘‘

’’کون بیمار ہے۔‘‘

’’کیتھرائن۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’شرجیلہ نے زہر دیا ہے اسے۔‘‘

’’ہاں اور زہر بھی بڑا ہی خراب اور بڑی ہی خطرناک بات ہے۔‘‘

’’بک بک کیے جارہی ہے جلدی سے تفصیل بتا۔‘‘

’’بیگم جی نے انگریزن کو سانپ کی زبان کھلائی ہے۔‘‘

’’کیا کھلائی ہے۔‘‘

’’سانپ کی زبان۔‘‘

’’کیا بکواس کررہی ہے۔‘‘

’’سچ کہہ رہی ہوں۔‘‘

’’مگر کیوں؟‘‘

’’اس لیے کہ وہ بانجھ ہوجائیں۔‘‘

’’بانجھ۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

’’بیگم صاحبہ نہیں چاہتیں کہ انگریزن ماں بنے اور باہر والی ان جائیدادوں کی مالک بن جائے اور اس کی اولاد خیر محمد گوٹھ کی سربراہ۔‘‘

’’اوہ۔‘‘ تاجور کے شوہر نے بھنچی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

’’یہ تو واقعی بڑی خوفناک بات ہے۔ مگر تجھے کیسے معلوم ہوگئی۔‘‘

’’علی مراد گوٹھ کی سکھاواں کو جانتے ہو سکھاواں۔‘‘

’’ہاں ہاں کیوں نہیں اس کا شوہر مرگیا میری اس سے بڑی دوستی تھی۔‘‘

’’سکھاواں نے سانپ کی زبان لاکر اسے دی ہے اور شرجیلہ بیگم نے وہ زبان اسے کھلادی ہے تاکہ وہ بانجھ ہوجائے۔‘‘

’’سانپ کی زبان کھانے سے کوئی بانجھ ہوجاتا ہے۔‘‘

’’ہوجاتا ہوگا۔ کسی نے ٹوٹکا بتادیا ہوگا۔ شرجیلہ بیگم کو۔‘‘

’’یہ تو واقعی بڑی خطرناک بات ہے۔ سانپ زہریلا ہوتا ہے اس لیے انگریزن کی یہ حالت ہوگئی ہے۔‘‘

’’تو کیا ہوا ہے۔ یہی تو ہوا ہے۔ مگر ایک بات میں تم سے کہوں۔ ہوا برا ہے۔ وہ بیچاری انگریزن ہے تو کیا ہوا۔ میرا تو اتنا خیال کرتی ہے کہ بتا نہیں سکتی۔ تمہیں معلوم ہے اس نے ہمیں کیا کیا دیا ہے۔‘‘

’’ہاں۔ یہ تو ہے عورت اچھی ہے اور ضروری تو نہیں کسی بھی رنگ اور کسی بھی نسل میں سارے ہی لوگ برے ہوں۔ پر اب ہوگا کیا۔‘‘

’’میں یہی سوچ رہی ہوں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ یہ بات تمہیں معلوم ہے کہ کیتھی بیگم نے مجھے اس کام پر لگا رکھا ہے کہ ان کے آس پاس نظر رکھوں۔ یہ ذمہ داری میری ہی تھی کہ ان

تک وہ غلط چیز نہیں پہنچنے دیتی لیکن مجھے کیا معلوم کہ یہ سب کیسے ہوا ہے۔ بس سکھاواں اور شرجیلہ بیگم آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے سن لیں۔ ان سے مجھے یہ پتا چلا کہ ایسا ہوا ہے۔''

''ویسے حالت تو ٹھیک ہے اب کیتھرائن کی۔ مگر تاجور بات واقعی بہت خطرناک ہے۔''

''میں تو سخت پریشان ہوگئی ہوں اب اس میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوں۔''

''کیا کرنا چاہتی ہے تو۔'' تاجور کے شوہر نے سوال کیا۔

''دیکھو۔ کچھ بھی ہے لیکن یہ بات کیتھرائن بی بی کو بتانا ضروری ہے۔ ویسے بھی مجھ سے سوال کیا جائے گا کہ میری آنکھیں بند تھیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن کوئی مشکل نہ ہو جائے۔ شرجیلہ بیگم اس حویلی کی مالک ہیں اور سائیں مکرم شاہ ہمارے سردار! انہی کا نمک کھاتے ہیں ہم۔''

''مگر انگریزن نے بھی تو ہم پر بڑے احسانات کیے ہیں۔''

''تو سوچ لے تاجور! گردنیں کٹ جاتی ہیں ایسی باتوں پر۔''

''وہ تو میں جانتی ہوں۔'' تاجور نے کہا اور سوچنے والے انداز میں گردن ہلانے لگی۔ کوئی سولہ دن کے بعد کیتھرائن اسپتال سے گھر واپس آ گئی تھی۔ حویلی کا ماحول جوں کا توں تھا۔ ظاہر ہے کیتھرائن کی آمد کا کوئی جشن نہیں منایا جانا تھا۔ شرجیلہ بیگم کی طرف سے کوئی ہدایت ہی نہیں تھی۔ مکرم شاہ بھی دو تین بار اسپتال گیا تھا لیکن غازی شاہ نے اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک روا رکھا تھا کہ مکرم شاہ نے بعد میں جانا ہی چھوڑ دیا۔ غازی شاہ خاموشی سے کیتھرائن کو لے کر حویلی واپس آ گیا تھا کیتھرائن کی حالت اب خاصی بہتر تھی۔ تاجور اور دوسری ملازمائیں جو کیتھرائن کے آس پاس رہتی تھیں۔ کیتھرائن پر واری صدقے ہونے لگیں۔ کیتھرائن نے ان سب کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ ان ملازماؤں کو جمع کر کے اس نے ہر ایک کو ایک ایک ہزار روپے نقد دیے اور ملازمائیں اسے دعائیں دینے لگیں لیکن کیتھرائن اور غازی شاہ کی نگاہیں اس ملازمہ کا جائزہ لے رہی تھیں جو اس سلسلے میں ملوث ہو سکتی تھی۔ کوئی پتا نہیں چل سکا تھا کوئی ایک ہفتے کے قیام کے بعد کیتھرائن نے تاجور کو اپنے پاس بلوا لیا اور اکیلے کمرے میں بیٹھ گئی اس نے تاجور سے کہا۔

''تاجور تو کیسی ہے۔''

''ٹھیک ہوں۔ بیگم جی! آپ کے لیے دعائیں کرتی رہی ہوں۔ ہم نوکر لوگ بیگم جی! دعاؤں کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔''

''تاجور! تجھے معلوم ہے مجھے کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔''

''بیگم جی! مجھے یہ تو نہیں معلوم پر یہ معلوم ہے کہ آپ کی حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔''

''کیسے یہ نہیں پتا تجھے۔''

''بیگم جی! مجھے نہیں معلوم تھا لیکن بعد میں معلوم ہوگیا۔''

''کیا؟''

''یہی بیگم جی! کہ آپ کو زہر دیا گیا تھا۔''

''بعد میں معلوم ہوگیا تھا سے تیری کیا مراد ہے۔'' تاجور نے ادھر ادھر دیکھا اور خوف زدہ لہجے میں بولی۔

''بیگم سائیں میں نے آدھی زندگی اس حویلی کا نمک کھایا ہے۔ آپ کے آنے سے بہت پہلے یہاں پر ہوں۔ مالکوں کا دیا کھاتی رہی ہوں۔ اونچ نیچ چلتی رہی ہے لیکن بیگم جی! مجھے یہاں کبھی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ اب اس کے لیے میں کیا کروں کہ آپ کی محبت نے مجھے ان سے دور کر دیا ہے۔ جو مدتوں سے مجھ سے محبت اور مہربانیاں کرتے چلے آئے تھے۔''

''تاجور! اگر ٹھنڈے دل سے تو سوچے تو یہ بات طے ہے کہ میں تجھ پر مکمل بھروسہ کر کے اپنی ساری ذمہ واری تجھ دے دی تھی۔ تاجور! میرے ایک اشارے کی دیر ہے کہ غازی شاہ تیرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دے گا۔ اگر میں سے یہ کہہ دوں کہ کھانے میں زہر ملانے والوں میں تاجور بھی شامل تھی۔'' تاجور نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! آپ کا جو دل چاہے کہہ لیں۔ پر کیا کروں تقدیر نے کچھ لکھ بھی ایسا ہی دیا ہے۔ مجھے ان لوگوں کو پتا چل گیا ہے بیگم جی! جنہوں نے آپ کو سانپ کی زبان کھلائی تھی۔''

''کیا......؟'' کیتھرائن کا چہرہ شدت حیرت سے سکڑ گیا۔

''کیا کہہ رہی ہے تو تاجور! سانپ کی زبان۔''

''ہاں بیگم جی۔''

''تھو، تھو، تھو۔ تیری بکواس بالکل میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' کیتھرائن نے شدید

بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا اور تاجور گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ کیتھرائن کو پوری تفصیل بتانے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''چھوٹی بیگم جی۔ آپ کے خلاف بہت بڑی سازش ہوئی ہے۔ بڑی بیگم نے سازش آپ کے خلاف کی ہے۔ میرا چھوٹا منہ ہے بڑی بات کر رہی ہوں بیگم جی۔ پر کیا کروں آپ نے میرے اوپر اتنے احسانات کیے ہیں کہ آپ سے کوئی بات کبھی نہیں چھپا سکتی چاہے نتیجے میں مجھے کوئی بھی نقصان پہنچ جائے۔ چھوٹی بیگم سائیں! بڑا ظلم کیا گیا ہے آپ پر۔ اصل میں مجھے ایسے پتا چلا بڑی بیگم کی ایک منہ چڑھی ہے سکھاواں نام ہے۔ علی مراد گوٹھ کی رہنے والی ہے۔ میاں مر چکا ہے۔ بیگم جی کے ٹکڑوں پر پل رہی ہے اور وہ ہی بیگم جی کو الٹی سیدھی پٹی پڑھاتی رہتی ہے۔ چھوٹی بیگم سائیں! اللہ معاف کرے۔ میں نمک حرامی کر رہی ہوں مگر یہ فیصلہ کرنا میرے لیے مشکل ہوگیا ہے کہ آپ کے نمک کی حلالی کروں یا بڑی بیگم کے۔ بیگم جی سکھاواں نے بڑی بیگم کو یہ بتایا تھا کہ سانپ کی زبان کھلانے سے عورت بانجھ ہو جاتی ہے اور اولاد کے قابل نہیں رہتی۔ بڑی بیگم نہیں چاہتیں کہ آپ کے ہاں اولاد ہو جی۔ تو انہوں نے سکھاواں کے کہنے سے آپ کو سانپ کی زبان کھلوائی کھانے میں۔ سانپ جو زہریلا ہوتا ہے جی اور ویسے بھی سکھاواں نے بڑی بیگم صاحب کو بتا دیا تھا کہ سانپ کی زبان کھلانے سے خون کی الٹیاں ہوتی ہیں لیکن موت نہیں ہوتی۔ بڑی بیگم بھی یہی چاہتی ہیں کہ آپ کے ہاں اولاد نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے جی کہ وہ یہ نہیں چاہتیں کہ آپ کی اولاد خیر محمد گوٹھ کی جائیداد اور زمینوں کی حصے دار بنے۔ اس لیے انہوں نے کام کیا ہے بیگم جی۔ اس لیے آپ کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔'' کیتھرائن کو چکر آ رہے تھے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے تاجور کو دیکھ رہی تھی۔

''تو سچ کہہ رہی ہے تاجور!''

''بیگم جی۔ اتنا بڑا جھوٹ بول کر میں اپنی گردن کٹوانے کی کوشش نہیں کر سکتی۔ مگر کیا کروں بیگم جی۔ بات ہی ایسی آپ اتنی اچھی ہو کہ میں اپنی جان بھی وار سکتی ہوں آپ پر۔ آپ سے جھوٹ بولنے کا کوئی مقصد نہیں ہے بیگم جی۔'' کیتھرائن سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔

''تاجور! ایک بات کا خیال رکھنا یہ بات اگر تیرے منہ سے کہیں اور نکلی تو میں تیری گردن کٹوا دوں گی۔ بڑی بیگم تجھے نقصان پہنچائیں یا نہ پہنچائیں۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

''بیگم جی! آپ کیسی بات کر رہی ہو۔ سو بار میری گردن کٹوا دو ایک بات آپ سے

کہوں۔ اپنے گھر والے کو میں نے اس بارے میں بتا دیا ہے۔''

''ہوں۔ مگر یہ بات بھی اس کو بتا دینا کہ میں نے تم سے کیا کہا ہے۔''

''ٹھیک ہے بیگم جی۔ اس بات کا آپ اطمینان رکھو وہ بھی کسی سے کچھ نہیں کہے گا لیکن بات عجیب نہیں ہے جی۔ آپ دشمن کا راز چھپا رہی ہو۔''

''سن۔ اتنا کام کر جتنا تجھ سے کہا جائے۔ آگے کی بات کی تو اچھا نہیں ہوگا تاجور۔''

''ٹھیک ہے بیگم جی! آپ اطمینان رکھو۔'' کیتھرائن کا پورا وجود آگ میں سلگ رہا تھا۔ بہت بڑا وار کیا گیا تھا اس پر تاجور اتنی ذہین نہیں تھی کہ اپنے طرف سے کوئی ایسی کہانی گھڑ لیتی۔ اس نے جو کچھ کہا ہے سچ ہی کہا ہے۔ یقیناً اس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ رات کو اس نے غازی شاہ سے کہا۔

''غازی شاہ! ایک بات بتانا چاہتی ہوں تمہیں لیکن ایک شرط پر۔''

''مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے کیتھرائن! بولو کیا بات ہے۔''

''غازی شاہ! ہمارے اوپر تو اتنا بڑا وار کیا گیا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے غازی شاہ! یہ سوچو تم کہ میں نے تمہارے گھر والوں کے خلاف کسی کارروائی کا آغاز کیا ہے لیکن اپنی زندگی کی قیمت پر ایسا کوئی کام نہیں کیا جا سکتا غازی شاہ۔''

''کیتھرائن! تم مجھے روکتی رہی ہو۔ ورنہ میرا ذہن تو نجانے کیسے کیسے خیالات میں ڈوبا ہوا ہے۔ میں تو بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ مگر کیتھی! بس نہیں کر رہا۔ وہ ایک الگ بات ہے۔''

''ہاں۔ تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو کہ میرے کہے بغیر کوئی ایسا عمل نہیں کرو گے جو بعد میں تمہارے لیے نقصان دہ ہو۔ میری آنکھیں بھی دور دور تک دیکھ رہی ہیں غازی شاہ میں بے وقوف نہیں ہوں یہ اندازہ ہو چکا ہے مجھے کہ اس علاقے کو پوری طرح تمہارے خلاف کر دیا گیا ہے۔ نجانے کیا کیا کہانیاں علی خیر محمد گوٹھ میں پھیلا دی گئی ہیں۔ جو ساری کی ساری تمہارے خلاف ہیں۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے غازی شاہ کہ تمہیں ساتھ لے کر کسی دوسرے شہر میں منتقل ہو جاؤں۔ میں خود بھی ملازمت کر سکتی ہوں۔ لندن سے اپنے لیے بہت سی آسائشیں منگوا سکتی ہوں۔ میرا اسفارتخانہ مجھے مکمل طور پر سپورٹ کرے گا۔ غازی شاہ برا مت ماننا میں تو خود تمہاری کفالت بھی کر سکتی ہوں۔ خواہ تم کچھ کرو نہ کرو۔ میں تم سے بالکل نہیں کہوں گی کہ اپنے حصے کی زمینیں مانگو۔ انہیں بیچو اور کراچی میں منتقل ہو جائے۔ کچھ بھی نہیں کیونکہ میں یہ محاذ

چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتی۔ یہی تو میرا معیارِ زندگی ہے۔ دشمن اگر دشمن بن کر للکار دے۔ تو پھر ان ساری للکاروں کا مقابلہ کرو۔ غازی شاہ انہوں نے مجھ سے ایک بہت بڑا حق چھین لیا ہے۔ وہ حق جو عورت کی زندگی میں اس کا سب سے بڑا حق ہوتا ہے ہمارے ہاں تو خیر اسے کوئی بہت بڑی بات نہیں سمجھا جاتا۔ مگر تمہارے ہاں اسے عورت کا مان سمجھا جاتا ہے۔ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔''

''کیتھرائن تم نجانے کہاں کہاں کی بات کر رہی ہوں۔ اصل بات مجھے نہیں بتا رہی۔''

''مجھے ایک بڑی بھیانک چیز کھلائی گئی ہے اور اسی کے نتیجے میں میری وہ حالت ہوئی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوگئی ہے۔''

''کھلائی گئی ہے۔''

''ہاں۔''

''کیا چیز؟''

''یقین کرو گے؟''

''ہاں۔''

''سانپ کی زبان جو مجھے غذا میں دی گئی ہے۔''

''کیا؟'' غازی شاہ اچھل پڑا۔

''ہاں۔ مجھے سانپ کی زبان کھلائی گئی ہے۔''

''کس نے کھلائی ہے؟'' غازی شاہ غصے سے آگ بگولہ ہوتے ہوئے سوال کیا اور کیتھرائن عجیب سی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

''شرجیلہ بیگم نے۔''

''ماں نے۔ کیسے پتا چلا''

''پتا چل گیا ہے غازی شاہ! سانپ کی زبان کھانے سے عورت بانجھ ہو جاتی ہے۔ یہ ساری باتیں تو اپنی جگہ جو میرے ساتھ ہوئیں۔ میری زندگی ختم ہونے کو تھی بچ گئی لیکن اب میں ساری عمر کے لیے بانجھ ہوگئی ہوں۔ میں اولاد نہیں پیدا کرسکوں گی اور یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ہمارا حصہ دار وارث نہ پیدا ہو اور جائیداد تقسیم نہ ہو سکے۔''

''یہ...... یہ...... یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم کیتھرائن! مجھے بتاؤ کیسے پتا چلا یہ؟'' اور پھر کیتھرائن نے ساری تفصیل غازی شاہ کو بتا دی۔

''سکھاواں کو میں جانتا ہوں بہت پرانی دوست ہے بیگم سائیں کی۔ لیکن شرجیلہ بیگم اس قدر سنگدل ہو سکتی ہیں۔ ایسا کر سکتی ہیں۔'' اور کیتھرائن جھوٹ موٹ آنسو بہانے لگی اس کے آنسو بہہ کر اس کے رخساروں پر آئے تو غازی شاہ بے قرار ہو کر آگے بڑھا اور اس نے یہ آنسو اپنے سینے میں خشک کر لیے۔

''نہیں کیتھی! نہیں روؤ نہیں، رونے سے دل کا غبار ڈھل جاتا ہے اور انتقام کی وہ توت نہیں رہتی۔ جو انسان اپنے دشمن سے لینا چاہتا ہے۔ نہیں تم روؤ گی نہیں۔ ایک بار پھر مجھے سارے واقعات بتاؤ۔'' کیتھرائن گلوگیر آواز میں غازی شاہ کو پوری کہانی سنانے لگی۔ غازی شاہ کا چہرہ غصے سے انگارہ ہو گیا تھا۔ کیتھرائن روتے ہوئے ہنسنے لگی۔

''مگر میں دل برداشتہ نہیں ہوں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے میرے ساتھ اس کا صلہ انہیں دوں گی۔''

''کیتھرائن! خاموش رہو۔ کچھ مت کہو مجھے سوچنے دو۔ مجھے سوچنے دو۔''

''تم ضرور سوچو غازی شاہ! لیکن ایک وعدہ کرو مجھ سے کہ عمل وہ کرو گے جو میں کہوں گی۔ بولو کیا مجھے میری تنہائی میری بے بسی کا یہ صلہ دے سکتے ہو تم؟''

''تم...... کیتھرائن تم۔''

''نہیں۔ اگر تم یہ بھی نہیں کرو گے غازی شاہ تو پھر مجھے اس بات کا احساس ہوگا کہ مجھے نقصان ہوا ہے غازی شاہ پلیز۔'' غازی شاہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ ایک ہفتے تک اس نے کسی قسم کا اظہار نہیں کیا۔ شرجیلہ کا رویہ تو خیر بالکل ہی سرد رہتا تھا اور وہ نہ کبھی بیٹے کو طلب کرتی تھی نا بہو کو۔ لیکن افریشم، کیتھرائن کا بہت خیال رکھتی تھی اور اس کا جائزہ لیتی رہتی تھی۔ اس کی اپنی حالت زیادہ بہتر نہیں تھی۔ بس کچھ دن ہی رہ گئے تھے اس کے ہاں ولادت میں اور اس وقت وہ شدید الجھن کا شکار ہوگئی تھی۔ غازی شاہ ایک ہفتے کے بعد کیتھرائن کو لے کر چل پڑا۔ اس نے الیاس سے ہی رابطہ قائم کیا تھا۔

''ڈاکٹر الیاس! میں کیتھرائن کے سلسلے میں اعلیٰ درجے کی لیڈی ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔''

''ویسے تو بہت سی لیڈی ڈاکٹر ہیں لیکن ہمارے ہاں ڈاکٹر زاہدہ بہت اچھی ڈاکٹر ہے۔''

''ارے ہاں۔ میں ڈاکٹر زاہدہ کو بھول گیا تھا۔'' غازی شاہ نے کہا پھر وہ الیاس ہی کے کلینک میں ڈاکٹر زاہدہ سے ملا۔

"ڈاکٹر زاہدہ تم میرے اہم کام کر چکی ہو۔ ایک اور ذمہ داری تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔"

"سائیں! غازی شاہ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت مجھے آپ کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم نہیں تھیں۔ بہر حال میں حاضر ہوں آپ حکم کرو۔"

"ڈاکٹر زاہدہ! تم نے کیتھرائن کا لیب ٹیسٹ کرایا تھا اب ایک اور تفصیل میں ذرا وضاحت کے ساتھ جاننا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ کیا جو کچھ کیتھرائن کے ساتھ ہوا اس کی وجہ سے وہ ماں بننے کے قدرتی حق سے محروم ہو سکتی ہے۔"

"سائیں! اس کے سو فیصدی امکانات ہیں لیکن آپ چاہو تو فوری طور پر اس کا ٹیسٹ ہو سکتا ہے۔"

"اسی لیے میں آیا ہوں۔" کیتھرائن کو فوری طور پر لیبارٹری میں پہنچا دیا گیا اور مختلف طریقوں سے اس کے ٹیسٹ لیے گئے۔ ان کی رپورٹ بھی ایمرجنسی میں حاصل کی گئی اور ڈاکٹر زاہدہ نے کہا۔

"ہاں۔ سائیں! ان کے اندر اب وہ صلاحیت نہیں رہی یہ اب کبھی ماں نہیں بنیں گی اور ان کا کوئی علاج بھی نہیں ہے۔" غازی شاہ سناٹے میں رہ گیا تھا۔ پھر وہ کیتھی کے ساتھ پجیرو میں بیٹھ کر واپس چل پڑا۔ بار بار وہ بڑبڑانے لگتا تھا۔

"کوئی ماں اپنے گھر کے چراغ اس طرح پتھر سے کچل کر پھینک سکتی ہے۔ یہ تو بجھانے والی بات بھی نہیں یہ سارے چراغ تو پتھر سے کچلے گئے ہیں۔ نہیں۔ ماں ایسا نہیں کر سکتی بابا! یہ تو بڑا غلط ہے۔ سائیں مکرم شاہ! تم نے اپنے بارے میں نہیں سوچا۔ شرجیلہ بیگم اگر میرے گھر کوئی چراغ روشن نہیں ہو سکتا تو تم کیا سمجھتی ہو۔ مکرم شاہ کے ہاں اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔ نہیں اماں! نہیں افریشم کے ہاں اولاد نہیں پیدا ہوگی۔ افریشم کو بھی اسی عذاب سے گزرنا ہوگا۔ جس عذاب سے ہم گزر رہے ہیں۔"

"نہیں سائیں نہیں۔ یہ میری جنگ نہیں ہوگی غازی شاہ یہ میری جنگ نہیں ہوگی۔ تم لڑنا مت شروع کرو۔ مجھے لڑنے دو۔ غازی شاہ! بار بار تم اپنا کیا ہوا وعدہ بھول جاتے ہو۔ تم جو جنگ لڑو گے وہ روح کا خاتمہ کرے گی۔ میں روح پر وار کروں گی۔ ایسی جنگ لڑوں گی میں کہ دیکھنے والے تماشا دیکھیں گے۔ سائیں غازی شاہ! یہ جنگ مجھے لڑنے دو تمہاری مہربانی ہوگی۔ میں دیکھتی ہوں کہ وہ میرے وجود میں سے کیا کیا کمی کرتے ہیں۔ کیا کیا چھینتے ہیں وہ سائیں! مجھے میری یہ جنگ لڑنے دو۔ تمہاری منت کرتی ہوں میں۔"

"کیتھرائن سسکیاں لینے لگی۔ غازی شاہ رحم بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"تمہارے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے کیتھرائن! اب بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ واپس انگلستان چلو ہم لوگ وہیں رہیں گے۔ اتنی دولت لے جاؤں گا میں یہاں سے کہ اس کے بعد زندگی میں ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"سائیں غازی شاہ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو اب میں لندن جاؤں گی ایک بانجھ اور ناکارہ عورت کی حیثیت سے ایک ہارے ہوئے جواری کی حیثیت سے، جس سے اس کا سب کچھ چھین لیا گیا ہو۔ نہیں نہیں سائیں! ایسا مت کہو میں تو ماری گئی۔ ختم کر دیا ان لوگوں نے مجھے لیکن میں شکست مان کر لندن واپس چلی جاؤں۔ سائیں! کیا یہ میرے ساتھ انصاف ہے۔"

"ٹھیک ہے کیتھرائن! جیسا تم کہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"ایک بات سوچی ہے میں نے سائیں! ہمیں ایک ایسی جگہ چاہیے۔ جہاں ہم اپنے طور پر کچھ وقت گزار سکیں۔ یہاں تو اس حویلی کے قیدی ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ کون ہمارا دوست ہے اور کون ہمارا دشمن۔ سائیں! ہم یہاں سب کی نگاہوں میں ہیں۔ میں ان نگاہوں سے بچنا چاہتی ہوں۔ کچھ وقت کے لیے ہی سہی۔ کوئی ایسی جگہ سائیں! جہاں ہماری ہی حکمرانی ہو۔"

"کیوں نہیں۔ شہری زندگی چاہتی ہو یا......"

"نہیں سائیں! یہاں سے زیادہ دور نہیں، کوئی قریب ہی کی جگہ ہو اتنی کہ چند گھنٹوں کے نوٹس پر کہیں بھی پہنچ سکیں۔ یہاں واپس آسکیں۔ سائیں شہری زندگی میں تو میری عمر بیت گئی ہے۔ شہر نہیں۔"

"تو پھر۔ ہم اپنے آموں والے باغ میں چلتے ہیں۔ سندھی آموں کا یہ باغ آموں کی مہک سے مہکتا رہتا ہے۔ وہاں پر ایک چھوٹی سی جھیل بھی بنائی ہے اور جھیل کے کنارے میرا کاٹیج ہے۔ بہت پرانی بات ہے کہ وہاں شکار کھیلتے ہوئے میں اسی کاٹیج میں قیام کرتا تھا۔ اس کے آس پاس جنگل بکھرا ہوا ہے۔ چکرا گوٹھ کہلاتا ہے آبادی نہیں ہے وہاں۔ آبادی صرف تھوڑی سی کسانوں کی ہے۔ ہماری زمینوں اور باغ پر کام کرتے ہیں ان کے لیے الگ جگہ بنی ہوئی ہے اور باغ کے بیچوں بیچ وہ جھیل ہے جس کے کنارے ہمارا کاٹیج ہے۔"

"کیا عمدہ جگہ ہوگی سائیں! کب چل رہے ہیں ہم وہاں۔"

"بہت جلد۔ مکرم شاہ کو اس بارے میں اطلاع دے دوں۔" مکرم شاہ سے غازی

شاہ نے کہا۔

''اوا سائیں! کیتھرائن یہاں بڑی تھکن محسوس کر رہی ہے کہتی ہے شہر نہیں جائے گی کسی پر فضا مقام پر لے چلوں اسے۔''

''تو پہاڑی پر چلے جاؤ۔ پشاور، پنڈی، کاغان، ناران، ایبٹ آباد، مری بھوربن ہماری زمین قدرتی حسن سے مالا مال ہے بولو کہاں جانا پسند کرو گے۔ تمہارا فوراً بندوبست کیے دیتا ہوں۔ یہ بات خود میرے دل میں بھی ہے کہ تھوڑی سی آب و ہوا کی تبدیلی ہو جائے تو اچھا ہی ہے۔''

''نہیں سائیں! ہم اتنی دور نہیں جانا چاہتے۔ اگر آپ حکم دو تو چکرا گوٹھ والے باغ میں چلے جائیں۔''

''چلے جاؤ۔ آج کل تو سندھ بھی مہک رہا ہے تمہیں پسند آئے گا میں کاٹیج صاف کرائے دیتا ہوں۔''

''کیا وہ گندا ہے سائیں۔''

''بالکل نہیں اکثر وہاں باہر سے آنے والے مہمانوں کو ٹھہرا دیتا ہوں۔ بالکل ٹھیک ہے تم دیکھ لو۔''

''دیکھنا نہیں ہے مجھے سائیں! مجھے بس کچھ گھنٹوں کے بعد میں کیتھرائن کے ساتھ اودھر جا رہا ہوں دو چار نوکر ساتھ لے جاؤں گا۔''

''جیسا تم پسند کرو۔'' کیتھرائن نے اپنی تمام ضروری چیزیں سمیٹیں اور اس کے بعد وہ غازی شاہ کے ساتھ چکرا گوٹھ چل پڑی۔ تاجور کو بھی اس نے خاص طور پر ساتھ لے لیا تھا اور بھی کئی ملازم تھے۔ کھانے پینے اور دوسرے امور کے لیے باقی پہرے دار تو وہاں موجود ہی تھے۔ سچل بھی ساتھ ہی چلا تھا۔ جانے سے پہلے غازی شاہ نے اس سے کہا تھا۔

''سچل سائیں! آپ ایک کام کرو تھوڑی سی بندوقیں اور ایمونیشن ساتھ لے لو۔ بندوں کو مسلح کر کے لے چلو۔''

''ٹھیک ہے چھوٹے سائیں۔'' سچل نے کہا اور تمام چیزیں مہیا کر لیں گئیں۔ اس کے بعد یہ قافلہ فاصلے طے کرتا ہوا۔ آخر کار چکرا گوٹھ پہنچ گیا۔ باغ کے بڑے گیٹ پر غازی شاہ کا نام، پیتل کے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ یہ بہت پہلے کی بات تھی جب اس باغ کو غازی شاہ کے نام سے منسوب کیا گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک یہ اسی نام سے جانا جاتا تھا۔ کیتھرائن نے بھی ان الفاظ کو دیکھا اور کہنے لگی۔

''یہ تو تمہارا نام ہے غازی شاہ۔''

''ہاں بہت کچھ میرا تھا یہاں چھین لیا ہے ان لوگوں نے لیکن فکر مت کرو کیتھرائن ایک ایک چیز ان سے واپس لے لوں گا۔ میرا نام غازی شاہ ہے۔ غازی ہوں میں غازی۔'' غازی شاہ نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ کیتھرائن مسکراتی نگاہوں سے قریب و جوار کے علاقے کو دیکھ رہی تھی اور خوش نظر آ رہی تھی اس نے جھیل کو دیکھا۔ صاف و شفاف موتی جیسے پانی والی جھیل۔ جسے بڑی محنت سے اس قدر شفاف رکھا گیا تھا۔ پھر کاٹیج جو ایک کھلونے کی مانند نظر آتا تھا۔ تقریباً پندرہ کمرے تھے اس میں ایک بڑا سا ڈرائنگ ہال اس کے بعد مہمان خانے اور ایسی بہت سی جگہیں اعلیٰ درجے کا فرنیچر بہت ہی خوبصورت جگہ تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ پچھلے حصے میں ایک زو بنایا گیا تھا جس میں دنیا کے کئی ملکوں کے پرندے مور، اور ہرن وغیرہ رکھے گئے تھے اگر یہیں کرسی ڈال کر بیٹھ جایا جائے۔ تو پرندے اور جانوروں کی دلچسپ حرکات انسان کا دل بہلا دے۔ سندھ کا سخت موسم یہاں بے اثر ہو گیا تھا۔ درختوں نے، پانی کی جھیل نے اور قرب و جوار کے حسین ماحول نے موسم کو بے حد خوش گوار بنا دیا تھا۔ غازی شاہ کیتھرائن کو ہر علاقے کی سیر کراتا چلا گیا۔ درختوں پر بڑے بڑے پیلے آم لٹکے ہوئے تھے اور خاص طور سے آموں کی یہ فصل تیار کی جاتی تھی کہ بڑے بڑے وڈیرے اور چوہدریوں کو سندھڑی آموں کے یہ تحفے بھیجے جاسکیں۔ مکرم شاہ کے اپنے بہت سے تعلقات تھے۔ ایک جگہ باغوں میں کام کرنے والے مالی آموں کو صاف کر کے ان پر مہریں لگا رہے تھے اور انہیں پیٹیوں میں پیک کرتے جا رہے تھے۔ کیتھرائن اور غازی شاہ وہاں پہنچ گئے تو وہ کھڑے ہو گئے اور جھک جھک کر سلام کرنے لگے۔

''یہ آم کیا بیچے جاتے ہیں۔''

''نہیں کیتھی! دوستوں کو تحفے میں دیئے جاتے ہیں۔''

''کیا تمہارے ایسے دوست ایسے ہیں جنہیں تم یہ تحفے بھیج رہے ہو۔''

''میرے نہیں۔ سائیں مکرم شاہ کے دوست ہیں جن کو یہ تحفے جاتے ہیں۔''

''لیکن باغ تو غازی شاہ کا ہے۔''

''غازی شاہ! آموں کے یہ تحفے کہیں نہیں جائیں گے کیا سمجھے۔ انہیں ان غریب لوگوں میں بانٹ دو۔ جو یہاں کام کرتے ہیں۔ ادھر آؤ۔'' کیتھرائن نے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے کانپتا ہوا کیتھرائن کے پاس پہنچ گیا۔

''کیسے ہوتے ہیں اس باغ کے آم، میٹھے ہوتے ہیں۔''

"بی بی سائیں! اللہ کو مان کر کہہ رہے ہیں ہم نے آج تک نہیں چکھے یہ آم۔ یہ تو مالک کے دوستوں کے لیے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں کے لیے غریب آدمیوں کو تو یہ بھی اجازت نہیں ہے کہ یہ اگر آندھی سے نیچے گر پڑیں اور نیچے پڑے پڑے سڑ جائیں تو انہیں اٹھا کر کھا لیا جائے ہمیں یہ اجازت نہیں ہے۔ ہم مالک کے وفادار ہوتے ہیں۔ مالک کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔"

"کتنے آدمی ہو تم جو اس باغ میں کام کرتے ہو۔"

"تیرہ آدمی ہیں بی بی سائیں! اسی شخص نے عاجزی سے کہا۔

"کتنی پیٹیاں ہیں؟ اور کس کے حکم سے جارہی ہیں۔"

"بڑے سائیں کا حکم ہے کہ یہ پیٹیاں تیار کر کے ریلوے سے بک کرادی جائیں۔"

"ہوں۔ ان میں سے ایک ایک پیٹی تم سب لوگ اپنے گھر لے جاؤ۔ اپنے اپنے بچوں کو کھلاؤ۔" کیتھرائن نے کہا اور اس شخص کی حالت خراب ہوگئی۔

"اللہ سائیں! جانتے ہیں اماں کہ ہم نے آج تک ان کی سوکھی گٹھلیاں تک منہ سے نہیں لگائیں۔"

"دیکھو۔ میرے اندر ایک بہت بڑی خرابی ہے پہلی بات تو یہ بتاؤ تم مجھے جانتے ہو۔" "بی بی سائیں آپ مالک ہیں ہماری۔"

"خرابی میں تمہیں بتا رہی تھی یہ کہ ایک بات میں کہوں اور اس میں عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا جائے تو پھر جسموں پر کھال نہیں رہتی۔ میں نے جو کہا ہے وہ تم نے سنا نا؟"

"جی بی بی سائیں۔"

"جاؤ۔ ایک ایک پیٹی اٹھاؤ اور خبردار! کسی کو اس بارے میں اطلاع کی۔ میں کہہ رہی ہوں جب کوئی بھی تم سے پوچھنے کے لیے آئے تو مجھے اطلاع کر دینا۔"

"جی بی بی سائیں! اللہ سائیں! آپ کو زندگی کی ساری خوشیاں دے۔ بی بی سائیں! ہم نے ساری عمر اس باغ میں کام کیا ہے۔ مگر کبھی اپنے لگائے ہوئے اس پھل کو نہیں چکھا جسے ہم تھیلی میں باندھ باندھ کر شاخوں سے لٹکاتے ہیں کہ ان سے ایک بھی ٹوٹ کر نیچے گرے اور بی بی سائیں ہم کبھی کسی کام کر خراب نہیں ہونے دیتے۔ بڑی فصل ہوتی ہے اس باغ کی۔ ایک حیرت ناک عمل تھا۔ جتنے کام کرنے والے یہاں موجود تھے حیران تھے۔ بلکہ بعض نے تو بڑے دلچسپ اقدامات کیے۔ جلدی جلدی آموں کی صفائی کر ڈالی کہ کہیں مالکن کا فیصلہ بدل نہ جائے۔ غازی شاہ محسوس کر رہا تھا کہ کیتھرائن چکرا گوٹھ کے اس باغ میں آکر

بہت زیادہ خوش ہے لیکن کیتھرائن کا شیطانی دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ غازی شاہ پر اس نے ابھی تک اپنے مقصد کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ باغ آب و ہوا کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ خاص طور سے اس مصنوعی جھیل نے یہاں کے موسم کو سندھ کے دوسرے علاقوں کے موسم سے بالکل تبدیل کر دیا تھا۔ اونچے اونچے درختوں کے درمیان گھرا ہوا یہ کاٹیج ویسے تو بہت ہی خوش نما بنا ہوا تھا لیکن ان درختوں نے اس کے حسن میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔ ان کی چھاؤں میں یہ کسی کھلونے کی مانند پڑا ہوا تھا اور انہوں نے اسے دھوپ کی تپش اور موسموں کے اثرات سے بچائے رکھا تھا۔ پھر اس کے بعد باغوں کا وسیع و عریض سلسلہ سندھڑی آموں کا یہ باغ قرب و جوار کے علاقے میں سب سے شاندار تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی دیکھ بھال بھی اسی انداز میں ہوتی تھی اور بہت سے لوگ اس کے ایک ایک پھل کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ یہاں جتنے لوگ کام کرتے تھے۔ کیتھرائن نے انہیں خواب نوازا تھا۔ دولت کی بھلا کیا کمی ہو سکتی ہے۔ بیچارے ہاری جو چند ٹکڑوں کے عوض یہاں کام کیا کرتے تھے کیتھرائن کی مہربانیوں سے اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ اب اس کے لیے جان دینے پر آمادہ تھے۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے کیتھرائن کاٹیج سے باہر نکل آتی تھی۔ غازی شاہ دیر تک سونے کا عادی تھا۔ کیتھرائن اس کی پرواہ نہیں کرتی تھی۔ وہ باغ میں چہل قدمی کرتی اور اپنے آدمیوں کو مستعد پاتی بلکہ وہ اس کے اردگرد بکھرے ہوتے۔ مقامی زبان چونکہ اس نے اہل زبان کی طرح سیکھ لی تھی۔ یہ اس کی بے پناہ ذہانت کا اظہار تھا۔ اس لیے اسے ان لوگوں سے باتیں کرنے میں بھی کوئی دقت نہیں محسوس ہوتی تھی۔ ابھی کیتھرائن کو یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ گزرا تھا لیکن اس نے اپنے لیے ایک انتہائی بہترین ماحول بنا لیا تھا ایک ہفتے میں ان دونوں سے ملنے کے لیے بڑی حویلی سے کوئی نہیں آیا تھا۔

اس وقت بھی ناشتہ کرتے ہوئے کیتھرائن نے کہا۔

"غازی شاہ! میں محسوس کر رہی ہوں کہ ان سات آٹھ دنوں میں تم ایک بار حویلی نہیں گئے۔ دیکھو میں کسی کے رشتے نہیں چھینتی اپنا گھر بار اپنے عزیز و اقارب چھوڑ کر میں یہاں آ گئی ہوں، سوچا تو یہ تھا کہ یہاں بھی مجھے وہ تمام لوگ مل جائیں گے۔ ماں باپ، بھائی بہن کسی نہ کسی شکل سب مجھے مل جائیں گے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ یہاں مجھے کوئی نہیں ملا۔ خیر یہ بات میری تقدیر سے تعلق رکھتی ہے مگر میں تمہاری تقدیر پر سیاہی نہیں پھیرنا چاہتی غازی شاہ ماں ہے تمہاری۔ بھائی ہے بھابی ہے۔ تم ان سے ملنے کے لیے جایا کرو۔ میری وجہ سے یہاں مت پڑے رہا کرو۔ میں بہت خوش ہوں یہاں پر بس ایک بات بتاؤ مجھے۔" غازی شاہ محسوس

کر رہا تھا کہ کیتھرائن کا ہر لفظ اس کے منہ پر تھپڑ کی مانند پڑ رہا ہے۔ واقعی کیا کیا کہانیاں سنائی تھی اس نے انہیں لندن میں لیکن یہاں ساری کہانیاں الٹی ہو گئی تھیں۔ کیتھرائن ایک لمحے تک خاموش رہی پھر بولی۔

''غازی شاہ! تم وہاں چلے جایا کرو۔''

''کیتھرائن! تم براہ کرم اس سلسلے میں مجھے مشورے مت دیا کرو۔ میں خود فیصلے کرلوں گا۔ تم ان لوگوں کو میرا اپنا کہہ کر مجھے ذلیل کرتی ہو۔ جنہوں نے تمہیں اتنا نقصان پہنچا دیا ہے۔''

''ہاں۔ غازی شاہ میری آنکھ نکال لیتے وہ۔ میرا پاؤں اور ہاتھ توڑ دیتے۔ اپاہج کر دیتے مجھے کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن جو کچھ انہوں نے مجھ سے چھینا ہے تم یہ سمجھ لو کہ پوری زندگی کے لیے انہوں نے میرا مان چھین لیا۔ میری اندر کی عورت چھین لی انہوں نے غازی شاہ یہ اچھا نہیں کیا۔ یہ بہت برا کیا ہے انہوں نے یہ انہیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کیتھرائن! لیکن ایک بات پر مجھے تم سے شدید اختلاف ہے وہ یہ کہ بہت زیادہ ظرف کا اظہار کر کے تم نے کم ظرفوں کو معاف کیا ہے۔ باظرف ہونا اچھی بات ہے لیکن بے وقوف ہونا ایک الگ بات ہے۔''

''نہیں۔ نہ میں بے وقوف ہوں اور نہ اتنی زیادہ باظرف ہوں کہ اپنے دشمنوں کو معاف کر دوں۔ ہاں میں سڑک پر کھڑے ہو کر سر پھوڑنے اور سر پھڑوانے کی قائل نہیں ہوں میرے قدم مستحکم ہوتے ہیں۔ میں چھوڑوں گی نہیں ان لوگوں کو جنہوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے لیکن میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میری جنگ کا انداز مختلف ہے اور تم نے مجھے اجازت دی ہے غازی شاہ! کہ میں اپنی جنگ خود لڑوں۔''

''آٹھ دن سے میں یہی دیکھ رہا ہوں کہ تم جنگ لڑ رہی ہو۔''

''ہاں میں لڑ رہی ہوں۔ بے شک میں لڑ رہی ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تم یہ سمجھو کہ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ میرا کام جاری ہے غازی شاہ۔''

''پتا نہیں کس طرح جاری ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ مجھے۔''

''ہاں ہاں بولو۔''

''حویلی کے ماحول میں واقعی شدید گھٹن کا احساس ہوتا ہے وہاں یوں لگتا ہے ہم ہر وقت دشمنوں کی نگاہوں میں ہیں۔ میری ماں بڑی عظیم تھی لیکن اس کی عظمت کا محل بھی گر پڑا۔ یقین کرو اب میرے دل میں اس کے لیے ایک ماں جیسا احترام نہیں ہے۔ رشتہ کوئی بھی ہو

دونوں طرف سے نبھایا جاتا ہے۔ میری ماں نے میرے ایک چھوٹے سے قدم سے متاثر ہو کر مجھے جس طرح اپنے آپ سے دور کر دیا ہے۔ میں اسے جائز نہیں سمجھتا وہ لوگ ہمارے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ شروع سے اب تک انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کس کی کوشش ہے مکرم شاہ آدمی تو گھرے ہیں لیکن اپنے بھائی کے ساتھ وہ یہ سلوک کریں گے مجھے اس کی امید نہیں تھی۔ آج وہ کتنے ہی میٹھے بن کر میرے سامنے آئیں۔ مگران کے زہر کا مجھے اندازہ ہے۔ کیتھرائن کیا تمہیں یہ جگہ پسند ہے۔''

''بے حد۔''

''کیا ہم اسے مستقل قیام گاہ بنا سکتے ہیں۔''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں۔''

''واقعی۔''

''ہاں۔''

''پھر تو ٹھیک ہے کیونکہ میرے ذہن میں بھی بعد میں یہ خیال آیا ہے کہ یہ باغ ہمارے لیے حویلی سے زیادہ بہتر ہے یہ کاٹیج بھی خوبصورت ہے۔ اگر ہم یہاں ہوتے تو شاید سازش کا شکار نہ ہو پاتے۔''

''غازی شاہ کیا تمہارے پاس ایسا کوئی بھی آدمی نہیں جو صرف تمہارا ہم آواز ہو تمہارے لیے ہر کام کرے۔ اتنا خطرناک ہو کہ ہم جو کام بھی اس کے سپرد کرنا چاہیں۔ وہ کر ڈالے مجھے ایسا آدمی چاہیے۔ یوں سمجھ لو ہم اسے اپنے تمام معاملات کا منتظم بنا دیں گے۔''

''ہے ایک بندہ میں اسے ایک آدھ دن میں حاصل کرلوں گا۔ میرا بچپن کا ساتھی ہے۔ ہے تو ایک نچلی سطح کا آدمی۔ لیکن بڑا دلیر اور بڑا خطرناک رہا ہے۔ وہ میرے لیے پورا گروہ تیار کر لے گا۔''

''یہی تو میں بھی چاہتی ہوں ایسا کوئی آدمی لے کر آؤ۔''

''آ جائے گا۔'' غازی شاہ نے جواب دیا۔ آنے والے کا نام قربان تھا اور وہ لمبے چوڑے بدن کا مالک اور خاصی خطرناک شکل رکھتا تھا۔ خیر محمد گوٹھ کے مشرقی حصے میں رہتا تھا۔ آنے کے بعد اس نے بڑے احترام کے ساتھ سلام کیا اور بولا۔

''سائیں پر قربان بہت دیر میں یاد کیا قربان کو۔ میں تو یہ سوچتا تھا کہ غازی شاہ جب باہر سے آئیں گے تو سب سے پہلے اپنے غلام کو بلائیں گے۔ پر ایسا نہیں ہوا۔ بہت دیر میں یاد کیا سائیں! خیر آپ کی مرضی قربان حاضر ہے۔''

''قربان۔'' غازی شاہ نے اسے پکارا۔

سائیں پر قربان۔ حکم کریں کوئی ضرورت ہے قربان کی۔''

''کیا کر رہے ہو آج کل۔''

''سائیں! تھوڑے دن کے لیے حیدر آباد گیا تھا نوکری کری سپروائزر نے بدتمیزی کی اس کی کھوپڑی کھولی اور واپس آ گیا۔ پھر دوبارہ کراچی گیا۔ کراچی میں شپ بریکنگ میں کام کیا۔ سائیں کچھ چیزیں پسند آ گئیں۔ انہیں لے کر کسی دوسری جگہ پہنچا۔ بیس ہزار روپے حاصل کیئے۔ نوکری چھوڑی اور آ گیا۔ کیونکہ چوری کا پتا چل چکا تھا۔ سائیں اب ان بیس ہزار روپے میں سے کوئی بارہ سو باقی رہ گئے ہیں۔ سوچ رہا تھا کہ اس بار کدھر کا رخ کروں کہ آپ نے بلا لیا اس سے پہلے ہی سائیں بس یہی ہے اپنا کام مستقل تو کہیں بھی نہیں کیا۔ کریں گے تو ملے گا بھی نہیں۔''

''مگر میری تو تمہارے ساتھ بہت پرانی دوستی تھی۔''

''تھی سائیں تھی۔ ہے نہیں۔ آپ نے ہمیں گھاس ہی نہیں ڈالی۔''

''شکایت کر رہے ہو یا بغاوت۔''

''نہیں سائیں نہیں۔ بغاوت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''یہاں سے کتنے پیسے لے کر بھاگو گے۔''

''سائیں! آپ ضرورت پوری کرتے رہو گے تو کون سسرا بھاگے گا اپنا گھر چھوڑ کر یہاں سے کہیں جانے کو دل نہیں چاہتا بس۔ مجبوری اور وقت لے جاتا ہے۔''

''میرے لیے کام کرو گے۔''

''سائیں! یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ آپ کا غلام ہوں۔''

''سوچ لو میں ملک سے باہر رہ کر آیا ہوں تمہاری میری دوستی ہے لیکن یہاں سے اگر تم نے کوئی غلط کام کر کے بھاگنے کی کوشش کی تو خیر محمد گوٹھ سے دس میل زیادہ نہیں جا سکو گے۔ اس دس میل کے اندر اندر تمہاری قبر بن جائے گی۔''

''واہ سائیں واہ۔ یہی تو لفظ سننے کو دل چاہتا تھا۔ ایسا مالک ملے تو پھر بات ہی کا ہے۔''

''میرے لیے کام کرو''،

''سائیں پر قربان۔ حاضر ہوں۔'' اس طرح قربان جیسا شیطان صفت آدمی غازی شاہ کا ساتھی بن گیا۔ کیتھرائن نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سنو بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرنا کبھی رازداری شرط ہے ورنہ زبان کاٹ کر پھینک دوں گی۔ خیال رکھنا۔''

''آپ فکر مت کرو۔ شہزادی سائیں! قربان کتے کی طرح وفادار رہے مگر شرط ہے کہ اسے عزت سے ٹکڑا ڈال دیا جائے۔''

''تمہاری یہاں بھرپور عزت کی جائے گی۔ اس کی تو تم فکر ہی مت کرو۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' مزید چند روز اور گزر گئے۔ اس دوران حویلی سے چند ملازم اور آئے تھے۔ خیریت معلوم کر کے چلے گئے تھے۔ شرجیلہ کی طرف سے کوئی طلب ظاہر نہیں کی گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ محدود تھی۔ اپنے لوگوں سے اس کا تعلق تھا۔ البتہ افریشم نے کئی بار کیتھرائن کی خیریت معلوم کرائی تھی اور ایک پرچی بھیجی تھی جس میں لکھا تھا کہ کیتھرائن میں خود جس کیفیت میں ہوں اس میں میرا گھر سے باہر نکلنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اس کی اجازت ملے گی۔ تم فکر مت کرنا یہ نہ سوچنا کہ میں تمہیں دیکھنے کے لیے نہیں آئی۔ کب تک رہو گی چکرا گوٹھ میں واپس نہیں آؤ گی۔'' یہ افریشم کا رقعہ تھا۔ بہرحال کیتھرائن جیسا کہ اس نے کہا کہ ٹھنڈا کر کے کھاتی ہے۔ خاموشی سے یہاں اپنا وقت گزار رہی تھی اور یہ بھی حسین جگہ یہاں کے لیے اس نے کئی منصوبے بنائے تھے اور غازی شاہ سے گفتگو کرتی رہتی تھی پھر اس نے غازی شاہ سے کہا۔

''ہاں غازی شاہ یہ بتاؤ کہ کافی دن ہو گئے ہیں یہاں ہم آغاز کریں۔''

''میں تو خود حیران ہوں کیتھرائن کہ تم نے ایک دم خاموشی کیوں اختیار کر لی ہے۔''

''صبر، صبر، صبر سے کام لینا اچھی بات ہوتی ہے۔''

''ٹھیک ہے اسی لیے میں نے تم سے کچھ کہا بھی نہیں ہے؟'' کیتھرائن تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

''یہ بچل کس طرح کا آدمی ہے غازی شاہ۔''

''ہمارا پرانا ملازم ہے اور وفادار بھی ہے۔''

''شرجیلہ بیگم کے تمام جاننے والوں کا جاننے والا ہو گا۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ غازی شاہ! شرجیلہ بیگم تو تمہاری ماں ہیں باقی لوگ بھی بھائی وغیرہ ہیں۔ تاجور کا جو انکشاف ہے اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ میری اس کیفیت کے مجرم کون کون ہیں۔''

''ماں کے بارے میں تو کہتے ہوئے میں شرمندہ ہوتا ہوں لیکن اور بھی کئی نام ہیں جیسے سکھاواں اور باقی جو اس کے معاون ہوں گے وہی جانتی ہو گی۔''

''ہاں تو سکھاواں کو چھوڑ دو گے کیا۔''

''بالکل نہیں۔ مجھے تو تم نے خاموش کیا ہے اس لیے میں خاموش ہوں۔''

''ٹھیک۔ سکھاواں سے کچھ معلومات حاصل کرنا ہے مجھے۔''

''ہو جائیں گی۔''

''بلانا پڑے گا اسے یہاں۔''

''ہاں آ جائے گی وہ۔''

''کون لائے گا؟''

''سچل وہ جانتا ہے سکھاواں کو پرانا آدمی ہے۔ وہ لے کر آئے گا اسے تم اس کی فکر مت کرو۔ اس سے معلومات حاصل کرو گی نا۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تیاریاں کرتا ہوں۔'' غازی شاہ نے کہا۔

''غازی شاہ، قربان کو میرے پاس بھیج دینا۔ مجھے اس سے کچھ کام ہے۔'' کیتھرائن نے کہا اور غازی شاہ گردن ہلا کر باہر نکل گیا۔ اس نے قربان کو ہدایت کی کہ کیتھی سے جا کر مل لے اور قربان کیتھرائن کے پاس پہنچ گیا۔ کیتھرائن اسے کچھ ہدایات دینے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆

سچل سکھاواں کے پاس پہنچ گیا۔ جیپ لے کر گیا تھا۔ سکھاواں اس وقت علی مراد گوٹھ میں ہی موجود تھی۔ سچل کو دیکھ کر بولی۔

بابا سائیں! آپ کیوں آئے۔ خیر تو ہے کیا کام تھا میرے سے کسی اور کو بھیج دیا ہوتا اب آپ کی ایسی عمر کہاں ہے کہ آپ ایسے کام کرو۔ حکم کرو۔''

''سکھاواں! بڑی بی بی سائیں نے بلایا ہے تمہیں۔''

''میں تو ایک دن کے بعد آنے ہی والی تھی موٹر لے کر آئے ہو گے۔ تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی تو اچھا رہے گا۔''

''تیار ہو جاؤ۔'' سچل نے کہا اور انتظار کرنے لگا۔ سکھاواں اپنا سامان لینے اندر چلی گئی تھی۔ یہ بات غازی شاہ نے سچل کو کہی تھی اور کہا تھا کہ اسے شرجیلہ کے نام پر چکرا گوٹھ لے آیا جائے۔ سچل سے اس نے بات کرتے ہوئے کہا تھا۔

''سچل سائیں! دیکھو بندہ وہی نیک ہوتا ہے جو مالک کی بات کو کان دھر کر سنے سکھاواں کو لے کر آنا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دینی کہ سکھاواں چکرا گوٹھ آئی ہے۔ سچل سائیں اگر کسی کو یہ بات معلوم ہو گئی بابا تو تمہاری تو خیر کوئی بات نہیں، تمہارے خاندان کی کوئی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی۔'' بابا! سمجھ رہے ہو نا میری بات نبھا سکو گے بات کو۔''

''سائیں غازی شاہ! بچپن سے لے کر اب تک سچل پر اعتبار کرتے چلے آئے ہو۔ اب ایسی کیا بات ہو گئی جو سچل کا اعتبار ختم ہو گیا تم سے۔''

''نہیں بابا سچل۔ اعتبار ختم نہیں ہو گیا۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ کچھ باتیں اپنے لیے کی جاتی ہیں اور کچھ کسی اور کے لیے۔ بابا میری بات سنو اب صورت حال بدل گئی ہے۔ اپنے دشمن ہو گئے ہیں سچل ایک ایک قدم پھونک کر چلنا پڑتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے کسی دوست کو نقصان پہنچاؤں لیکن دوست! اگر نقصان پہنچانے لگیں تو میں بھلا کر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک کہتے ہو سائیں! آپ سچل کی طرف سے بے فکر رہو۔ سچل کبھی آپ سے غداری نہیں کرے گا۔''

ٹھیک ہے۔'' اس کے بعد غازی شاہ نے سچل کو سکھاواں کے بارے میں بتایا تھا۔ بہر حال سکھاواں تیار ہو کر باہر آ گئی تھی تو سچل اسے لے کر چل پڑا۔ سکھاواں ایک ایک کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

''بابا سچل! میرا خیال ہے۔ افریشم بیگم کے ہاں اولاد ہونے والی ہے۔ شرجیلہ بیگم نے مجھ سے پہلے ہی کہا تھا میرے پاس رہنا۔ بڑی بہو کے ہاں بچہ ہونے والا ہے ذرا خیال کرنا ہو گا۔ بڑا اعتبار کرتی ہیں بیگم سائیں مجھ پر اللہ انہیں زندگانی دے۔ میرے لیے تو وہ فرشتہ ہیں فرشتہ۔'' سچل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ سکھاواں راستوں سے واقف تھی پرانی گھاگ عورت تھی جیپ کا رخ چکرا گوٹھ کی طرف ہوا تو چونک کر بولی۔

''بابا سچل! یہ ادھر کیسے چل پڑے تم۔''

''چکرا گوٹھ جا رہا ہوں سکھاواں بڑی بیگم سائیں کے لیے کچھ لے کر جانا ہے۔ ادھر سے لیتا جاؤں گا۔''

''یہ تو بالکل ہی الگ علاقہ ہے۔ چھوٹی جگہ چھوڑ کر بڑی جگہ جا رہے ہو۔ ادھر تو تم دوبارہ بھی آ سکتے ہو بابا سائیں۔''

''سکھاواں! سفر میں چپ بیٹھا کرتے ہیں۔ مشورے نہیں دیا کرتے۔''

نہیں۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔ ویسے بابا سچل آپ تو ادھر ہی رہتے ہونا۔''

''کدھر۔''

''چکرا گوٹھ۔''

''ہاں۔ادھر ہی رہتا ہوں میں کیوں پوچھ رہی ہے یہ۔''

''نہیں نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ چھوٹی بہو بیمار ہوگئی تھی ناں۔اب کیا حال ہے اس کا۔''

''بری حالت ہے سوکھتی چلی جارہی ہے۔ چمڑی بدن سے لگ گئی ہے۔''

''اللہ سائیں رحم کرے اس پر ہوا کیا تھا اسے۔''

''اب میں کیا وائی ہوں جو مجھے ساری باتیں معلوم ہوں۔ ہوا کیا تھا؟ اور کیا نہیں ہوا تھا۔تو چپ نہیں بیٹھ سکتی تھوڑی دیر کے لیے ساری باتیں چالاکی کی کرتی رہتی ہے مجھ سے میں عورتوں سے ویسے بھی بہت کم بات کرتا ہوں۔تو ہے کہ کان کھائے جارہی ہے۔ارے بابا جو کچھ پوچھنا ہو تجھے حویلی جا کر ان سے پوچھنا۔ جو تجھے ان باتوں کا جواب دے سکیں۔'' سکھاواں خاموش ہوگئی۔تھوڑی دیر کے بعد جیپ چکرا گوٹھ میں داخل ہو کر آخر کار باغ میں پہنچ گئی۔ بچل نے کہا

''جا اندر چلی جا۔ چھوٹی بیگم سے خیر خیریت معلوم کر لے۔''

''ہاں جاتی ہوں تم جلدی سے اپنا سامان لے لو شرجیلہ بیگم میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ بڑی بے چین رہتی ہیں میرے لیے۔''

''ہاں ہاں۔ جا بابا اندر جا۔'' سکھاواں اندر داخل ہوگئی اس نے چکرا گوٹھ کی یہ چھوٹی حویلی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ایک ایک چیز سے نفاست ٹپک رہی تھی وہ اندر داخل ہو کر آخر کار اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں کیتھرائن اس کا انتظار کر رہی تھی۔سکھاواں نے عادت کے مطابق تین سلام کیے اور پھر دعاؤں کی لائن لگادی۔کیتھرائن طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی اس نے ہاتھ اٹھایا تو کسی نے اس کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا کیتھرائن سکھاواں کی بکواس سنتی رہی اس کے بعد اس نے کہا۔

''بیٹھ جاؤ سکھاواں۔'' سکھاواں بیٹھ گئی۔

''تو کبھی میرے پاس نہیں آئی کیا اس لیے کہ بڑی بیگم کی غلام ہے۔''

''نہیں۔ چھوٹی سائیں! ہم تو آپ سب کے غلام ہیں۔ گوٹھوں میں رہنے والے وڈیروں کی جوتیوں کی خاک ہوتے ہیں۔ہم بھی آپ کی جوتیوں کی خاک ہیں۔''

''ہوں کیسی ہے تیری بڑی بیگم۔''

''اچھی ہے۔''

''میں نے تجھے ایک خاص کام سے بلایا ہے سکھاواں۔''

''جی بیگم سائیں! حکم کرو۔غلام تو ہوتے ہی خدمت گزاری کے لیے ہیں۔آپ حکم کرو۔''

''کچھ پوچھنا چاہتی ہوں تجھ سے۔''

''پوچھو بیگم سائیں پوچھو۔''

''سکھاواں تو جانتی ہے کہ یہاں اس حویلی میں ہمیں کسی نے دل سے قبول نہیں کیا۔ سب کے سب ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں صرف اس گوری چمڑی اور گوری رنگت کی وجہ سے۔''

''بی بی سائیں! یہ مالکوں کا کام ہے غلام ایسا نہیں کرتے۔ہم تو آپ سب کے چرنوں کی دھول ہیں۔ جب چاہو پاؤں اٹھا کر ہماری گردن پر رکھ دو۔بی بی سائیں ہم گردن نہیں ہلائیں گے۔''

''سکھاواں! کیا تھوڑی سی دولت کے لیے انسان اپنا ضمیر بھی بیچ دیتا ہے۔دیکھو انسان تو انسان ہوتا ہے چاہے وہ جھونپڑیوں میں رہتا ہو چاہے محل میں دل و دماغ سوچنے سمجھنے کی قوت عقل کے ساتھ اور عمر کے ساتھ بڑھتی ہے۔تم ایک عمر رسیدہ عورت ہو تم نے کبھی یہ سوچا کہ اپنی قبر اپنی قبر ہوتی ہے۔کوئی کسی غیر کی قبر میں نہ جا کر سو سکتا ہے نہ اس کے ساتھ مر سکتا ہے۔''

''جی بی بی سائیں! آپ پڑھی لکھی ہو۔بڑی بڑی باتیں کر سکتی ہو۔ہم سوچ سکتے ہیں مگر بول نہیں سکتے۔''

''ہوں۔ میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ شرجیلہ بیگم کے خیالات میرے لیے کیا ہیں۔وہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں تو کس حد تک۔''

''نہیں بی بی! بڑی بی بی سائیں تو بہت اچھی ہیں۔ کسی کے لیے دل میں کوئی برائی نہیں رکھتیں۔ ہر ایک کے کام آتی ہیں وہ تو چھوٹے سائیں نے ذرا سی غلطی کر لی۔ بڑا پیار کرتے ہیں سب ان سے ولایت میں رہ کر اگر وہ بیگم سائیں کو اطلاع دے لیتے یہ اجازت لے لیتے کہ اماں! آپ حکم دو تو میں شادی کر لوں۔ ذرا سا لاڈ کر لیتے تو آج صورت حال بالکل الگ ہوتی کوئی بگڑا ہوا نہ ہوتا۔ بچوں سے محبت تو سب ہی کرتے ہیں۔ان کی خواہشوں کا بھی خیال کرتے ہیں۔ بس چھوٹے سائیں نے ذرا سی غلطی کر ڈالی۔جس کی وجہ سے یہ ساری

گڑبڑ ہوگئی۔''

''ہوں اور اس گڑبڑ کے نتیجے میں وہ لوگ میری جان لینے پر تل گئے۔'' کیتھرائن نے کہا اور سکھاواں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہم سمجھے نہیں بیگم سائیں! ہم کم عقل لوگ ہیں آپ ذرا ہمیں بتاؤ کیا مطلب ہوا آپ کی بات کا۔''

''مطلب تو تو اچھی طرح جانتی ہے سکھاواں! تو نے مشورہ دیا تھا شرجیلہ کو مجھے سانپ کی زبان کھلا دی جائے اس طرح میرے ہاں اولاد نہیں ہوگی۔ تو نے ہی مشورہ دیا تھا نا سکھاواں اور اس کے بعد تو نے ہی انہیں سانپ کی زبان مہیا کر دی تھی۔ صرف یہ بتا دے کہ سکھاواں کہ وہ کھانا مجھ تک کیسے پہنچایا گیا جس میں سانپ کی زبان پکا کر شامل کر دی گئی تھی۔''

سکھاواں کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا تھا ایک لمحے کے اندر اسے احساس ہونے لگا کہ اس وقت سازش کے جواب میں سازش ہوئی ہے۔ سچل اسے چکرا گوٹھ بلاوجہ نہیں لایا تھا۔ یہاں لائے جانے میں بڑی گہرائی ہے۔ بری طرح گھبرا گئی تھی وہ کوئی جواب نہیں بن پڑا اس سے۔ کیتھرائن اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ سکھاواں نے کیتھرائن کا چہرہ دیکھا نجانے کیوں اس اس کی آنکھوں میں سانپ جیسی آنکھوں کی چمک لہراتی محسوس ہوئی۔ سکھاواں کو یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی زہریلی ناگن پھن اٹھائے بیٹھی ہو اور اس کی نگاہیں سکھاواں پر جمی ہوئی ہو۔

''بول سکھاواں۔ بڑی وفادار ہے تو شرجیلہ کی۔ بڑی وفادار ہے تو خیر محمد گوٹھ کی۔ پر وہ نہیں چاہتی کہ خیر محمد گوٹھ کا ایک انگریز عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ جائیدادوں کا مالک ہو۔ ہے ناں۔ یہی بات ہے نا خیر چھوڑ ان باتوں کو۔ کیا رکھا ہے ان میں۔ تو مجھے یہ بتا کہ وہ کھانا کس نے پہنچایا تھا۔''

''بی بی سائیں غلطی ہوگئی معاف کر دو۔''

''معاف نہ کرتی تو تو زندہ ہوتی اس وقت۔ معاف تو تجھے میں نے کر دیا سکھاواں۔ مگر معلومات تو ضروری ہے نا۔''

''آپ نے ہمیں معاف کر دیا بی بی سائیں؟''

''میں بہت بڑے دل کی مالک ہوں سکھاواں۔ اپنے دشمنوں کو ہمیشہ معاف کر دیتی ہوں۔ ہمیشہ۔''

''بی بی سائیں...... اللہ آپ کو حیاتی دے ہزاروں سال زندہ رکھے آپ کو۔ آپ

یقین کرو بی بی سائیں باقی باتوں میں سے مجھے کوئی بات معلوم نہیں ہے۔''

''تجھے یہ پتا نہیں کہ مجھے کھانا کس نے پہنچایا اور وہ سانپ کی پکی ہوئی زبان کس نے کھانے میں ملائی ہے۔''

''بی بی سائیں! اپنے سارے بچوں کی قسم ہمیں یہ نہیں معلوم بس بڑی بی بی نے ہم سے یہی کہا تھا سکھاواں تو مجھے سانپ کی زبان مہیا کر دے، ہم نے ایسا کیا۔''

''یہ سانپ کی زبان تم نے کہاں سے حاصل کی؟''

''وٹھل ہے وٹھل سپیرا ہے۔ سانپ پکڑتا رہتا ہے علی مراد گوٹھ میں ہی رہتا ہے۔''

''اچھا اچھا تم نے بتا دیا تھا اسے کہ زبان کسے چاہیے؟''

''ہاں۔ ہم نے اسے یہ تو نہیں بتایا تھا کہ کس کے لیے چاہیے۔''

''ٹھیک اور کون کون تھا اس کام میں شریک۔''

''اور بھلا کون ہوتا؟''

''وٹھل کو ہمارا بیٹا بلا کر لایا تھا۔''

''اچھا اچھا اسے تم نے بتا دی ہوگی اصل بات و''

''ہاں اسے بتایا تھا ہم نے۔''

''تیرا بیٹا کتنا بڑا ہے؟''

''جوان ہے۔ دو بچے ہیں اس کے۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے بڑی اچھی بات ہے یہ تو......'' کیتھرائن نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ پھر بولی۔

''ہم نے تجھے بہت تکلیف دی ہے سکھاواں تو جا علی خیر محمد گوٹھ جاتی ہے تو شرجیلہ بیگم کے ساتھ کئی کئی دن تک رہتی ہے۔ اب دو چار دن ہمارے ساتھ بھی رہ۔''

''بی بی سائیں۔ آپ حکم کرو گی تو رہ جاؤں گی پر گھر کہہ کر نہیں آئی کہ کب واپس آؤں گی۔''

''ارے چھوڑ گھر تو کبھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ کبھی پیچھے نہیں چھوڑتا کیا سمجھی؟''

''ہاں بیگم سائیں۔''

''اچھا اب میں تیرے آرام کا بندوبست کر دوں؟''

''بیگم سائیں اجازت دو تو ہم بعد میں آ جائیں گے۔''

''نہیں، نہیں، نہیں ابھی کیسے۔ ابھی تجھے آئے وقت کتنا ہوا ہے۔ اب میں ایسی بھی

نہیں ہوں کہ تجھے کچھ نہ دوں۔ دو چار دن رہ میرے پاس۔ یہاں تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

''وہ تو میں جانتی ہوں بی بی سائیں۔''

''ٹھیک ہے چل کر آرام کر۔ آ جا میرے ساتھ۔'' کیتھرائن نے کہا اور اسے ساتھ لیے ایک ایسے کمرے میں پہنچ گئی جہاں کوئی فرنیچر نہیں تھا بس ایک بستر پڑا ہوا تھا۔ اس نے سکھاواں کو اس کمرے میں چھوڑا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ پھر ایک آدمی کو بلا کر دروازے پر تعینات کرتے ہوئے کہا'

''یہ عورت باہر نہیں نکلنی چاہیے۔ کمرے سے باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ بس صرف ایک دروازہ ہے لیکن تم اس کے کسی جال میں مت آ جانا۔''

''جو حکم سائیں۔'' پہرہ دینے والے نے مستعدی سے کہا اور کیتھرائن باہر آ گئی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ بہرحال پھر اس نے غازی کو ساری تفصیل بتائی اور کہا۔

''سکھاواں کو میں نے بند کر دیا۔''

''اس کتیا کو میرے سامنے لاؤ۔'' میں اس کی گردن اپنے ہاتھ سے کاٹ دوں گا۔''

''نہیں جناب آپ وعدہ کر چکے ہیں غازی شاہ صاحب کہ میری جنگ مجھے لڑنے دیں گے۔ یہ تو ابتداء ہے اب آپ یہ کام کریں۔ وٹھل نامی ایک سپیرا ہے علی مراد گوٹھ میں اور سکھاواں کا بیٹا ہے۔ اس کے بیٹے اور اس کے دونوں بچوں کو لے آؤ۔ کر لو گے یہ کام؟''

''ہم نے ایک ایسے آدمی کا انتخاب کیا ہے جو زبردست کارگردگی کا مالک ہے۔''

''کون.....''

''قربان.....''

''ہاں.....قربان سے کہو احتیاط سے وٹھل نامی سپیرے اور سکھاواں کے بیٹے اور دونوں بچوں کو لے آئے۔''

''کیا اس کی بیوی نہیں؟''

''نہیں۔ ایک بے قصور عورت کو میں نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔ ویسے بھی عورت ہوں اور رحم دل ہوں۔''

غازی شاہ نے گردن ہلا دی تھی۔ قربان کے سپرد کچھ اور بھی ذمہ داری کی گئی تھی اس نے پوری کر لی تھیں۔ غازی شاہ نے اسے کیتھرائن کا پیغام دیا تو قربان کیتھرائن کے سامنے پہنچ گیا۔

''ہاں قربان۔''

''بی بی سائیں پر قربان۔'' قربان نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

''کام ہو گیا تمہارا؟''

''جی بی بی سائیں آپ نے حکم دیا تھا کام کیسے نہ ہوتا۔''

''جگہ ٹھیک ہے؟''

''بالکل ٹھیک ہے بی بی سائیں آپ وہاں دنیا کا ہر کام کر سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے قربان۔ اب تمہیں علی مراد گوٹھ جانا ہے۔''

''بالکل جانا ہے بی بی سائیں۔''

''کیا غازی شاہ نے تمہیں بتا دیا کہ تمہیں وہاں جا کر کیا کرنا ہے؟''

''نہیں چھوٹے سائیں نے ہم سے کہا کہ آپ ہمیں طلب کرتی ہو تو ہم حاضر ہو گئے۔''

''وٹھل نامی ایک سپیرا ہے وہاں۔ سانپ پکڑتا ہے۔''

''ہاں۔ نکما ہے زمانے بھر کا۔ سانپ بھی نہیں پکڑے جاتے ٹھیک طرح سے اس سے۔''

''جانتے ہو؟''

''اچھی طرح.....''

''سکھاواں کو جانتے ہو؟''

''اصل میں ہم لوگ یہاں آس پاس کے چھوٹے چھوٹے گوٹھوں میں رہنے والے تقریباً تمام ہی لوگوں کو جانتے ہیں اور پھر سکھاواں کو اس لیے جانتے ہیں کہ وہ بڑی بی بی سائیں کی منہ چڑھی ہے۔''

''ہاں۔ اس کا بیٹا..............''

''بھیکا بھیکا کہتے ہیں اسے ہم سب.....''

''بھیکا اور اس کے دونوں بیٹوں کو جس طرح بھی ہو سکے لے آؤ۔''

''اٹھا کر لائیں بی بی سائیں یا مرضی سے؟''

''اس کے بیٹے ہیں کتنے بڑے؟''

''ایک نو سال کا ایک، چار سال کا.....''

''بس جیسے بھی مناسب سمجھو لے آؤ..... چھوڑنا نہیں ہے اسے.....''

''رات تک پہنچ جائیں گے بی بی سائیں۔''

''ٹھیک ہے اور یہ بات تو کہنے کی ضرورت نہیں ہے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔''

''نہیں ہوگی بی بی سائیں آپ اطمینان رکھو۔''

''جاؤ۔ کیتھرائن نے کہا اور قربان وہاں سے رخصت ہوگیا۔ رات کو ساڑھے آٹھ بجے قربان اپنا کام کر کے واپس آ گیا تھا۔ سکھاواں کے بیٹے بھیکا کو ایک جگہ بیٹھا دیا گیا اس کے دونوں معصوم بچے بھی اس کے ساتھ تھے۔ پھر کیتھرائن کو اطلاع دی گئی۔ ادھر وٹھل کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا اور وٹھل کی حالت خراب تھی۔ قربان اسے زبردستی جنگل سے اٹھا کر لے آیا تھا۔ اس وقت جب وٹھل سانپوں کی تلاش میں بین بجا رہا تھا۔ قربان کی جیپ اس کی گردن پر پہنچی تھی۔ اور وٹھل چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔ سامنے والے بل میں سانپ موجود تھا جو آہستہ آہستہ اپنا پھن باہر نکال رہا تھا لیکن جیپ کے انجن کی آواز سن کر وہ اس بل میں داخل ہوگیا تھا اور وٹھل چونک کر قربان کو دیکھنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''آہا قربان سائیں۔ آپ خیریت سے تو ہو ادھر کیسے نکل آئے۔؟''

''وٹھل آ جا جیپ میں بیٹھ جا۔''

''کدھر چلنا ہے سائیں کوئی سانپ وغیرہ پکڑوانا ہے۔''

''ہاں ایسا ہی سمجھ لے۔ آ جا۔'' اور وٹھل جیپ میں آ بیٹھا تھا اس جیپ میں سکھاواں کا بیٹا اپنے دونوں بچوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بھی قربان دھوکا دے کر ہی لایا تھا۔ کہا تھا کہ اس کی ماں اسے بلا رہی ہے۔ دونوں بچوں کو شرجیلہ بیگم کچھ دینا چاہتی ہے۔ چنانچہ دونوں ساتھ چلیں اور سکھاواں کا بیٹا بھیکا بچوں کو ساتھ لے کر ساتھ چل پڑا تھا۔ بہرحال کچھ دیر کے بعد وہ چکرا گوٹھ پہنچ گئے تھے۔ جب قربان نے کیتھرائن کو اطلاع دی تو کیتھرائن نے کہا۔

''ایسا کرو اب سکھاواں کو لے جا کر اس کمرے میں چھوڑ دو جہاں اس کا بیٹا اور دونوں بچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وٹھل کہاں ہے؟''

''بند ہے۔''

''ہوں۔ اس سے مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔ بہرحال باقی ساری باتیں اپنی جگہ ہیں جو کچھ میں کروں گی وہ قربان کسی کے بھی کانوں تک نہیں جانا چاہیے۔''

''بی بی سائیں پر قربان...... قربان وفادار ہے۔ آپ کبھی بھی اسے آزما کر دیکھو۔

بی سائیں دھوکا نہیں نہیں دے گا یہ قربان کے ضمیر میں شامل نہیں ہے۔''

''ٹھیک ٹھیک ہے ٹھیک ہے جاؤ جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔'' سکھاواں کو اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں اس کا بیٹا اپنے دونوں بچوں کے ساتھ موجود تھا۔ سکھاواں کی حالت خراب ہو رہی تھی اسے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ بند کمرے میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا اب اس کے برے دن آ گئے ہیں۔ بہرحال وہ اس کمرے میں پہنچا دی گئی۔ بیٹے کو دیکھ کر وہ بری طرح اچھل پڑی تھی۔

''تو یہاں کیسے آ مرا۔ کیسے آیا تو ادھر؟ ابھی تجھے پتا نہیں کہ تو کتنی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔''

اماں تو نے ہی تو بلایا تھا مجھے۔ قربان سائیں مجھے یہ کہہ کر لایا کہ شرجیلہ بیگم نے میرے کو بلایا ہے اور تو اس کے پاس موجود ہے۔''

''اور ان بچوں کو کیوں لایا ہے تو؟''

''یہ بھی تو تو نے ہی کہا تھا ماں۔ کیا ہوگیا تجھے کیا ایسی بات نہیں ہے۔'' سکھاواں زار و قطار رونے لگی تھی۔

''کیا ہوگیا اماں کچھ بول تو سہی میرے کو مجھے بتا تو بابا۔ بات کیا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ بھیکا پریشان ہو کر بولا۔

''کیا بتاؤں میرے کو تو ایسا لگتا ہے کہ کوئی بڑی مصیبت آ رہی ہے۔''

''اور کدھر سے آ رہی ہے مصیبت۔'' بھیکا نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ سکھاواں روئے جا رہی تھی۔ کافی دیر اسی طرح گزار گئی پھر تھوڑی دیر کے بعد قربان دو آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔

''چلو'' اس نے کہا اور بھیکا اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''کدھر قربان سائیں۔ بات کیا ہے۔ میرے کو کچھ بتا تو سہی۔'' بھیکا نے کہا اور قربانی خونی نظروں سے بھیکا کو دیکھنے لگا۔'' میں نے منع تو نہیں کیا۔ میں کیسے منع کر سکتا ہوں۔ چلو سائیں پر میرے کو بتا دو کہ بات کیا ہے۔''

''بہت جلدی ہے بات معلوم کرے گی بھیکا۔ ابھی تھوڑی دیر کو بابا۔ سب پتا چل جائے گا۔'' قربان نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا اور بھیکا اور اس کے دونوں بچوں کو ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔ سکھاواں بھی ساتھ تھی باغ کے ایک اندرونی گوشے میں ایک جگہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ غازی شاہ نے قربان کی مدد سے اب اپنے اردگرد ایک محفوظ حصار قائم کر لیا تھا۔

سکھاواں مسلسل روئے جا رہی تھی اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کیتھرائن کے پاؤں پکڑ لیے۔

''میرے کو معاف کر دو بیگم سائیں۔ اللہ کے واسطے ہم کو معاف کر دو۔ میں نے ز بس نمک حلالی کی تھی میرے کو معلوم نہیں تھا بڑی بیگم سائیں کیا کرنے والی ہیں۔''

''قربان......'' غازی شاہ کی آواز ابھری۔

''سائیں پر قربان..........'' قربان بولا۔

''اس کتیا کو کیتھرائن کے پاس سے ہٹا دو۔''

''جی سائیں......'' قربان نے کہا اور آگے بڑھ کر سکھاواں کے بال پکڑ لیے۔ پھ اسے زور سے گھسیٹ کر دور دھکیل دیا۔ بھیکا جلدی سے ماں کی طرف لپکا۔

''کیا کر بیٹھی ہو۔ کیا کر دیا ہے تو نے میرے کو بھی تو بتا اماں اور یہ تم کیا کر رہے ہ قربان سائیں۔ بابا انسان کو انسان سمجھو۔''

''باندھ دو اس حرام زادے کو۔ ہاتھ پاؤں کس دو اس کے۔'' غازی شاہ غرا ک بولا۔ اور دو گن مینوں نے اپنی گنیں رکھ دیں۔ پھر بھیکا کو رسیوں سے کس دیا گیا۔ اس کے دونوں بچے رو رہے تھے۔ اور سہم کر دادی سے لپٹ گئے تھے۔

''ہم تو بہت غریب ہے غازی سائیں۔ رعیت ہیں آپ کی۔ ہم پر یہ ظلم کیوں ک رہے ہیں آپ۔'' بھیکا نے روتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر میں دو آدمی ڈھل کو بھی اسی جگہ۔ آئے تھے۔

''چلو...... پورے ہو گئے۔'' کیتھرائن کی آواز ابھری۔

''کیا کیا ہے ہم نے بی سائیں۔'' ڈھل بولا۔

''اس سے پوچھو بول ...... کتیا ...... کیا کیا ہے ان سب نے۔'' کیتھرائن ۔ سکھاواں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''برا میں نے کیا ہے بی بی سائیں۔ یہ بے چارے تو بے قصور ہیں۔'' سکھاوا روتے ہوئے بولی۔

''کیا کیا ہے تو نے بتا اپنے بیٹے کو۔'' کیتھرائن نے کہا۔

''بی بی سائیں......'' سکھاواں نے کہا تو کیتھرائن نے پاس پڑی ہوئی درخت ایک شاخ اٹھائی اور پوری قوت سے سکھاواں کی کمر پر ماری۔ سکھاواں تکلیف سے بلبلا اٹھ تھی۔ ''ہائے مر گئی'' اس نے چیخ کر کہا۔ اور پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''معاف کر دو بی بی سائیں اللہ آپ کو......''

''اولاد دے.......... کیوں.......... یہی کہہ رہی ہے نا تو بتا اے کتیا کی بچی بتا''

کیتھرائن نے پے در پے کئی چھڑیاں سکھاواں کو رسید کر دیں اور سکھاواں زمین پر گر پڑی۔

''بڑی بھول ہو گئی مجھ سے۔ بڑی غلطی ہو گئی بھیکا۔ بیگم سائیں کے کہنے سے میں نے ڈھل سے سانپ کی زبان حاصل کی اور بڑی بیگم سائیں نے وہ زبان چھوٹی بیگم سائیں کو کھلا دی۔ اور......اور چھوٹی بیگم سائیں بیمار ہو گئیں۔''

''صرف بیمار ہو گئیں۔'' کیتھرائن نے چھڑی نکالی۔

''خون کی الٹیاں لگ گئیں تھی۔''

''اور......'' کیتھرائن نے کہا۔

''اور وہ بانجھ ہو گئیں......اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہیں۔''

''کیا......'' ڈھل اور بھیکا کی آواز ابھری۔

''ہاں ان کے ہاں اولاد نہیں ہو گی مگر یہ میں نے نہیں کیا سائیں غازی شاہ یہ تو آپ کی اماں نے کیا ہے سائیں میرا یہ قصور ہے۔''

''انہیں یہ بات کس نے بتائی تھی۔''

''بتائی تو میں نے تھی۔'' سکھاواں میں اب جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

''کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔ میں ماں بے شک نہیں بنوں گی۔ لیکن ......'' کیتھرائن شدت جذبات سے خاموش ہو گئی۔ غازی شاہ اب کھڑا ہو گیا تھا۔

''انتظار مت کرو کیتھرائن ......سزا سب کو ملے گی۔ ابتداء کر دو...... پہلے اس کتیا اور اس کے ساتھ اس سازش میں شامل ان لوگوں کو سزا دو..........قربان......'' غازی شاہ نے قربان کو آواز دی۔

''سائیں پر قربان......'' قربان نے جواب دیا۔

غازی شاہ کی آنکھیں کبوتر کے خون کے مانند سرخ ہو رہی تھیں۔ جو کچھ اس نے سکھاواں کی زبانی سنا تھا۔ اس نے اسے دیوانہ کر دیا تھا۔ شرجیلہ نے ماں ہونے کا ثبوت تو نہیں دیا تھا۔ بہرحال اس وقت اس پر جو دیوانگی طاری تھی، وہ فطری تھی۔ قربان اس کے اشارے کا منتظر تھا۔ غازی شاہ نے کہا۔

''ڈال دو ان تمام حرام زادوں کو اس گڑھے میں: زندہ دفن کر دو انہیں۔ مٹی ڈال دو ان پر، ہاتھ پاؤں باندھ دو ان کے چلو، جلدی کرو، وٹھل، بھیکا اور سکھاواں گڑگڑانے لگے۔ بھیکا کے ہاتھ پاؤں تو پہلے ہی بندھے ہوئے تھے۔ گن مینوں نے وٹھل کو بھی گرا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ وہ گڑھا جو کیتھرائن نے تیار کرایا تھا۔ پیچھے ہی موجود تھا۔ دونوں بچے بھی رو رہے تھے سکھاواں گڑگڑا کر دھائی دے رہی تھی۔

''رحم کر دو بی بی سائیں! رحم کر دو تمہیں اللہ کا واسطہ، چھوٹے سائیں معافی دے ہمیں معاف کر دو چھوٹے سائیں!''

''معاف کر دوں۔ پاگل ہوں ناں تو نے میرے مستقبل کے چراغ بجھا دیئے میرا مستقبل تاریک کر دیا ایک عورت سے ماں بننے کا حق چھین لیا۔ کتیا کی بچی! کس زبان سے معافی مانگ رہی ہے۔ کس زبان سے معافی مانگ رہی ہے۔ تو نے میری اولاد کو قتل کر دیا۔ بول...... قتل کیا ہے نا تو نے میری اولادوں کو۔''

''معافی دے سائیں! معافی دے دو۔ میرے کو معافی دے۔''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے دیکھوں گا سوچوں گا۔ چلو............ سب پہلے اس کتے کو گڑھے میں ڈال دو۔'' غازی شاہ نے بھیکا کی جانب اشارہ کر کے کہا اور گن مینوں نے بھیکا کو پیروں اور ہاتھوں سے پکڑا اور پوری قوت سے گڑھے میں اچھال دیا۔ بھیکا بری طرح چیخ رہا تھا۔

''ارے مر گیا رے مر گیا سائیں! مر گیا سائیں! معاف کر دو مجھے۔ سائیں میرے

کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ سائیں آپ یقین کرو اگر میرے کو معلوم ہوتا تو میں کبھی ایسا نہ کرتا۔ سائیں میرے کو معافی دے۔ اللہ آپ کا بھلا کرے گا۔ معاف کر دو سائیں۔''

''کیوں بڑھیا دیکھا یہ تیری اولاد ہے۔ ابھی یہ منوں مٹی کے نیچے چلی جائے گی۔ دونوں بچوں کو ڈال دے اس میں۔'' غازی شاہ نے کہا اور گن مینوں نے اس کی ہدایت کی تعمیل بھی کی ہے۔ بچے چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ سکھاواں بری طرح گڑگڑا رہی تھی۔

''معافی دے دو سائیں! غلطی ہماری ہے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں کٹوا دو۔ ہماری آنکھیں نکلوا دو سائیں! ان بچوں نے قصور نہیں کیا ہے۔''

''جب میرا بچہ اس دنیا میں نہیں آئے گا سکھاواں تیری وجہ سے تو پھر پھر تیرے یہ پوتے کیسے زندہ رہیں گے۔''

''سائیں! بہت چھوٹے ہیں یہ انہوں نے کوئی قصور نہیں کیا' سائیں! قصور تو میں نے بھی نہیں کیا۔ اگر میرے کو معلوم ہوتا کہ ایسی کوئی بات کی جا رہی ہے تو سائیں! میں کبھی اس سازش کا شریک نہ ہوتا۔''

''سائیں میرے کو تو بلاوجہ مارا جا رہا ہے۔ میں تو ہوں سپیرا! میرے کو کیا معلوم تھا کہ یہ کنجری! سانپ کی زبان میرے سے اس کے لیے لے رہی ہے سائیں! ہم باپ دادا سے آپ کی رعیت ہیں۔ آپ کا نمک کھا کر جیتے آئے ہیں۔ سائیں ہمارے ساتھ ایسا مت کرو۔ ہم تو ہیں ہی سپیرے! ہمارے کو نہیں معلوم تھا کہ کوئی ایسی بات ہو رہی ہے۔ ہم تو کبھی ایسا نہ کرتے۔''

''دیکھ رہی ہو کیتھرائن اپنی جان پر بنی تو سب ہمارے وفادار بن گئے ہیں۔''

''جانتے ہو غازی شاہ یہ سب کیا چاہتے ہیں۔ تم بھی جانتے ہو میں بھی جان چکی ہوں۔ خیر محمد گوٹھ حریت پسندوں کا گوٹھ تھا نا۔ انگریزوں کے خلاف بڑی بڑی جنگیں لڑی ہیں نا۔ خیر محمد گوٹھ نے۔ یہ لوگ جو اپنے آپ کو تمہارا نمک خوار کہہ رہے ہیں۔ تمہارے نمک کی بات کر ہیں یہ۔ یہ لوگ سائیں! بڑے مذہب پرست ہیں۔ انہوں نے انگریزوں سے جنگیں کی ہیں انہوں نے سائیں! بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں اور بیگم سائیں! کہ کہنے کے مطابق خیر محمد گوٹھ کا کوئی فرد یہ نہیں چاہتا۔ ایک انگریز عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والی اولاد خیر محمد گوٹھ کی جائیدا کی مالک بنے۔ سائیں! یہ لوگ یہ نہیں کہتے کہ تمہارا حصہ تمہیں نہیں ملے گا۔ یہ زمین، جائیدادیں، کھیت باغات تمہیں دینے پر آمادہ ہیں۔ لیکن کیتھرائن کے پیٹ سے پیدا ہونے والی اولاد کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں ہے سائیں! آپ ہی بتاؤ۔ کیا میں کسی

فقیر کے گھر سے اٹھ کر آئی تھی۔"

"میں کیتھرائن میں تمہارا خاندانی بیک گراؤنڈ جانتا ہوں۔"

سائیں مجھے یا میری اولاد کو کچھ نہیں چاہیے تھا یہاں۔ اگر ایسا ہی تھا تو ہم اپنے بچے کو لے کر لندن چلے جاتے۔ وہاں جیتے ہم سائیں! میری زندگی لینے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ میں اب بھی بیگم سائیں کو برا نہیں کہوں گی۔ ماں ہے تمہاری اگر وہ تمہیں پیدا نہ کرتیں تو تم مجھے کہاں سے ملتے۔ غازی شاہ لیکن سانپ کے یہ بچے جو اگر کل بیگم سائیں! یہ کہہ کر کھڑی ہو جائیں۔ کہ کیتھرائن کو خیر محمد گوٹھ سے نکال دیا جائے۔ تو یہ سب ان کی آواز میں آواز ملائیں گے۔ یہ تمہارے دوست! کہاں سے ہوئے۔"

کیتھرائن! میرے دل پر اور زخم مت لگاؤ۔ کس کی مجال ہے جو تمہیں خیر محمد گوٹھ سے نکالنے کا مطالبہ کرے۔"

"ایک بات کہہ رہی ہوں غازی شاہ! ایک بات کہہ رہی ہوں۔ یہ لوگ جو دہائیاں دے رہے ہیں۔ باتیں بنا رہے ہیں۔ میں ان کی بات تمہیں بتا رہی ہوں۔"

"قربان!" غازی شاہ نے کہا۔

"سائیں پر قربان۔" قربان جس کے سینے میں دل کا کوئی تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اس سارے ماحول اور منظر سے لطف لے رہا تھا۔"

"مٹی ڈالو اور ان سب پر، اس حرام زادی کو بھی پھینک دو اس گڑھے میں، ڈالو ان سب پر مٹی۔"

"جی سائیں! چلو کام شروع کرو۔" قربان نے کہا سکھاواں کو بھی گڑھے میں ڈال دیا گیا اور ان پر مٹی ڈالی جانے لگی اور وٹھل اور بھیکا کے چہرے اب دہشت سے پھیکے پڑ گئے تھے۔ بچوں کی آنکھوں پر مٹی پڑ گئی تھی۔ وہ آنکھیں مسل مسل کر چیخ رہے تھے۔ لیکن جب مٹی کھلے ہوئے منہ سے اندر گئی تو ان کے دم گھٹنے لگے۔ وہ بری طرح ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن مٹی ڈالنے والوں نے پھاوڑے مار مار کر انہیں گڑھوں میں گرا دیا۔ سکھاواں بے حد خاموش ہوگئی تھی۔ مٹی ان کے چہروں پر پڑی اور بہت تعداد میں ایک دم پڑی تو ان کی آوازیں بند ہوگئیں۔ پھر رفتہ رفتہ گڑھے کو بند کیا جانے لگا پانچ افراد زندہ زمین میں دفن کر دیے گئے اور جب منوں مٹی ان پر پڑ گئی تو یہ کام کرنے والوں نے ان پر پانی چھڑکاؤ کرنا شروع کر دیا اور پھاوڑوں سے مٹی برابر کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں ایک خاموش قبر بن گئی تھی۔ بالکل زمین کی سطح سے ہموار کیتھرائن خود اس کی قبر کی نگرانی کر رہی تھی۔

از کم ایک عورت کا اس قدر سنگدل ہونا ایک ناقابل یقین سی بات تھی۔ لیکن تاریخ سے دور کی بات نہیں ایسی عورتیں اس روئے زمین پر پیدا ہو چکی ہیں اور تاریخ میں اپنا نام درج کرا چکی ہیں۔ وہ انتہائی سنگدل اور وحشی تھیں اور جنہوں نے انسانی زندگی کو کھلونے سے زیادہ نہیں سمجھا تھا۔ کیتھرائن بھی انہی میں سے ایک تھی۔ قابل نفرت قوم کی ایک فرد جو اپنے دشمنوں سے انتقام لے رہی تھی۔ کیتھرائن نے اپنی نگرانی میں وہ قبر برابر کرائی اور اس کے بعد گہری سانسیں لیتی ہوئی غازی کی جانب دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"آؤ سائیں! بیٹھتے ہیں چل کر تھک گئی ہوں میں۔"

"قربان!"

"جی بی بی سائیں۔" قربان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"ان تمام لوگوں کو انعام دو اور ان سے ایک بات کہو کہ ان کی زبانیں کبھی نہ کھلیں۔ ورنہ برابر میں ایک دوسرا گڑھا بھی تیار کیا جا سکتا ہے۔"

"میں سمجھا دوں گا بی بی سائیں! ویسے یہ سارے بندے اپنے ہیں۔ ان میں سے ایک کی بھی مجال نہیں ہے کہ بی بی سائیں کے خلاف زبان کھولے۔ کیتھرائن غازی شاہ کو لے کر اپنی آرام گاہ میں آگئی تھی۔ اندر پہنچ کر اس نے ایک ملازمہ سے شربت طلب کیا اور تھوڑی دیر کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے ایک گلاس تیار کر کے۔ غازی شاہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں سائیں۔" انسان انسان ہی ہوتا ہے۔ یہ سب تمہاری قوم کے آدمی تھے۔ تمہیں ان کی موت کا خوب افسوس ہوا ہوگا۔ غازی شاہ غراتی ہوئی آواز میں بولا ......

میرے دل پر اور زخم مت لگاؤ کیتھرائن! اگر مجھے یہ پتہ چل جائے۔ کہ ان کے خاندان کے اور بھی افراد یہاں ہیں تو میں ان کو بھی گرفتار کر کے ایسے ہی گڑھے میں دفن کرا دوں۔ کیتھرائن میں تو یہ سوچ رہا ہوں۔ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میری ماں جس نے مجھے اپنے پیٹ سے پیدا کیا۔ اس طرح میری نسل کشی کرے گی۔ مجھے اس کی کوئی امید نہیں تھی۔ کیتھرائن میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ایسا ہی ایک گڑھا اور تیار کراؤں اور اس میں ان سب کو دفن کر دوں۔ جنہوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ کیتھرائن کے ہونٹوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ آئی۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی اس مسکراہٹ کو دبا لیا۔ اور سنجیدہ چہرہ بنا کر بولی۔

"نہیں۔" سائیں نہیں۔ ماں پھر ماں ہوتی ہے۔" میری سمجھ میں نہیں آیا کہ بیگم سائیں کے خلاف آج تک میں نے کوئی لفظ نہیں نکالا۔ یہ کرتے ہوئے انہوں نے مجھے موت

کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اتنی دشمنی ہوگئی انہیں مجھ سے میں نے تو کبھی یہ سوچا نہیں تھا۔ میری جان لینے کی کوشش کی انہوں نے مجھے تو حیرت کہ میں بچ کیسے گئی۔ غازی شاہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا شربت کا گلاس نیچے رکھا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''رشتہ ختم کردیا ہے۔ اماں نے میرا اور اپنا۔ رشتہ ختم کردیا ہے اور جب رشتے ختم ہوجاتے ہیں تو دشمن صرف دشمن رہ جاتا ہے میں جواب طلب کرتا ہوں ان سے پوچھتا ہوں۔ ان سے کہ بیگم سائیں! آپ کو کیا حق تھا کہ آپ میری بیوی کی زندگی لینے کی کوشش کریں۔ آپ کو کیا حق تھا کہ آپ نے میرے بچوں کو ختم کردیا۔ آپ اگر میرے خلاف تھیں تو ہم لوگوں کو گھر سے باہر نکال دیتیں۔ بات کرتا ہوں کیتھرائن میں ان سے۔ بتائے دیتا ہوں کہ خون کا بدلہ خون ہوتا ہے۔ انہوں نے میرا مستقبل ختم کردیا۔ میرے بچوں کو اس دنیا میں آنے سے پہلے ختم کردیا۔ تو میں بھی تو ان کے بیٹے کو دنیا سے واپس بھیج سکتا ہوں۔ میں بھی تو مکرم شاہ کو زندگی سے محروم کرسکتا ہوں۔ ان کی گود خالی کرسکتا ہوں۔'' غازی شاہ انتہائی جوش کے عالم میں یہ سب کچھ کہہ رہا تھا۔ کیتھرائن نے مکاری سے آگے بڑھ کر کہا۔

''نا سائیں نا...... نا...... بالکل نا...... کہہ چکے ہو تم کہ میری جنگ کی کمانڈ میرے ہی ہاتھ میں رہنے دو گے۔ مجھے لڑنے دو کے سائیں۔ مجھے لڑنے دو گے۔ تم نہیں سمجھتے دشمن کو مار دو گے سائیں۔ مجھے لڑنے دو تم نہیں سمجھتے دشمن کو مار دو گے تو دشمنی کس سے کرو گے۔ غازی سائیں کچھ تو ہمارے پاس رہنے دو۔ دشمنی کا کھیل بھی برا نہیں ہوتا۔ ہم بھی کھیلنا چاہتے ہیں غازی سائیں! تم ایسا نہیں کرو گے۔ آپ ایسا بالکل نہیں کرو گے۔''

''میرا سینہ سلگ رہا ہے کیتھرائن۔ کیا کیا ہے ان لوگوں نے۔ کیوں بیر باندھ لیا ہے ہمارے ساتھ؟ ہر شخص اپنی مرضی سے سب کچھ کرتا ہے۔ ہماری اپنی روایتیں ہیں۔ ہمارے پرکھوں نے، ہمارے بڑوں نے بھی اپنی پسند سے شادیاں کی ہیں۔ ان کے خلاف تو کوئی ایسا محاذ ہمیں نظر نہیں آیا۔ ہمارے خلاف یہ محاذ کیوں بنایا گیا ہے۔''

''سب ٹھیک ہوجائے گا سائیں! سب ٹھیک ہوجائے گا۔ بس مجھے ایک موقع دو کہ جو کچھ میں کرنا چاہتی ہوں مجھے کرنے دو۔ میرا راستہ مت روکو۔ مشورہ کرلوں گی تم سے مگر مگر غازی شاہ نے ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔

☆☆☆☆☆

کیتھرائن نے جو کچھ بھی منصوبے بنائے ہوں بہرحال غازی شاہ اس کی مٹھی میں تھا۔ شرجیلہ کیتھرائن کے خلاف سب سے بڑا محاذ بنی ہوئی تھی۔ مکرم شاہ نرم مزاج آدمی تھا

اور پھر ویسے بھی اسے زمینوں اور جائیدادوں کے مسئلوں سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ جو گھر کی باتوں پر غور کرتا۔ کوئی واقعہ کوئی حادثہ ہوجائے تو وہ بھی متاثر ہوجاتا تھا۔ ورنہ اس کی اپنی ذمہ داریاں تھی اور انہی ذمے داریوں کے درمیان آخرکار افریشم کے ہاں ولادت ہوئی اور اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ حویلی میں خوشیاں ہی خوشیاں دوڑ گئیں۔ شرجیلہ مسرت سے نہال ہوگئی۔ پرانی حویلی میں ایک ایک ملازم خوشی سے اچھلتا پھر رہا تھا۔ مکرم شاہ بھی بہت خوش تھا۔ ادھر افریشم کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی۔ بیٹے کی آرزو سب کے دل میں تھی۔ شرجیلہ نے بڑی خوشیاں منائی۔ لیکن اس دوران نہ تو غازی شاہ مبارکباد دینے آیا اور نہ کیتھرائن بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ لیکن مکرم شاہ کے دل میں ایک دکھ ضرور تھا شرجیلہ سے کسی نے اس بارے میں کہا۔ تو اس نے نفرت سے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ ان دونوں نحوسوں کا دور رہنا بھی زیادہ اچھا ہے۔ میں اپنے بیٹے پر اس کا سایہ نہیں پڑنے دینا چاہتی۔ لیکن جانے کیوں مکرم کے دل میں بھائی کا خیال آیا تھا۔ مٹھائی لے کر مشرقی حصے میں پہنچا تھا لیکن یہاں منظر ہی دوسرا دیکھا۔ کیتھرائن مٹھائی کا بہت بڑا ٹوکرا رکھے ہوئے۔ حویلی کے ملازموں کو مٹھائی اور ایک ایک جوڑا کپڑے کا دے رہی تھی۔ باہر کے لوگ بھی لائن میں لگے ہوئے تھے اور غازی شاہ خوشی سے ناچ رہا تھا۔ مکرم حیرانی سے یہ منظر دیکھنے لگا۔ وہ سامنے نہیں آیا۔ بلکہ پیچھے ہی ان لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ خیرات لینے والے ایک بزرگ نے کہا۔

''سائیں غازی شاہ کس خوشی میں ناچ رہے ہو آپ۔ ہمارے کو بتاؤ تو سہی۔''

''اوہ۔ بے وقوف! میں چاچا بنا ہوں چاچا۔ چا...... چا مجھے چاچا کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ لیکن بنا تو ہوں چاچا اور یہ چاچی جو تم لوگوں کو تین دن سے خیرات بانٹ رہی ہے۔ یہ چاچی ہے۔ ایک حویلی کے ملازم نے جو بہت منہ چڑھا ہوا تھا کہا۔!

''شاہ جی! آپ برا نہ مانو تو ایک بات ہم بھی کہیں کہ آپ نے اپنے بھتیجے کو دیکھا ہے۔''

''مطلب کیا ہے تیرا۔''

''سائیں! انہوں نے آپ کو کوئی عزت نہیں دی۔ اپنے ہاتھوں سے آپ کو مٹھائی تک نہیں کھلائی میرے کو یہ بات معلوم ہے۔ آپ ادھر تین دن سے ناچ رہے ہو اور وہ لوگ آپ سے الگ رہ کر خوشیاں منا رہے ہیں۔ غازی شاہ رک گیا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔ سمجھے۔ میری ماں اور میرے بھائی کے خلاف، ایک لفظ

اگر تم لوگوں نے کہا تو تمہاری زبانیں نکال کر باہر رکھ دوں گا۔ ارے ٹھیک ہے۔ ابھی نہیں آیا وہ میرے پاس، تھوڑا سا بڑا ہوگا تو خود ہی چاچا، چاچا کہہ کر دوڑتا چلا آئے گا۔ جب اسے پتا چلے گا کہ میں اس کا چاچا ہوں اور یہ چاچی۔"

"معافی دو سائیں! ہم نے تو ایسے ہی جو بات ہمارے دل میں آئی ہم نے کہہ دی۔ ملازم نے کہا۔ لیکن مکرم شاہ پر گھڑوں پانی پڑ رہا تھا۔ کیسے ہیں یہ دونوں بے وقوف کیسے ہیں مگر اس نے خود ہی غور بھی کیا اور سوچنے لگا۔ کیہ کیسے بھی نہیں ہیں۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ کچھ بھی نہیں کیا۔ خاموشی سے یہ گوشہ اپنا لیا ہے اور یہیں گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ برائی تو ہم لوگ کر رہے ہیں۔ ہم نے صرف اپنی ایک نافرمانی کی سزا کے طور پر ان لوگوں کو تمام حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ یہ تو غلط ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خاموشی سے مٹھائی لے کر واپس چلا آیا تھا۔ اس نے اس وقت یہ ظاہر نہیں کرنا چاہا تھا کہ اسے ان لوگوں کی ذہنی کیفیت کا علم ہو گیا ہے۔ لیکن اپنی آرام گاہ میں پہنچ کر وہ بڑا الجھا الجھا رہا تھا۔ افریشم سے ملا۔ افریشم بہت خوش تھی۔ بچہ بہت پیارا تھا اور اس کے لیے ضروری کارروائیاں ہو رہی تھیں افریشم نے کہا۔

"شاہ جی! آپ کے چہرے پر کچھ فکر کی لکیریں دیکھ رہی ہوں میں۔"

"افریشم! آج مجھ پر ایک بڑا عجیب و غریب انکشاف ہوا ہے۔ میں بہت حیران ہوں۔" افریشم نے سنجیدہ نگاہوں سے مکرم شاہ کو دیکھا۔ بردبار چہرے والا لمبے اونچے قد کا مالک۔" جس کی آنکھوں میں زندگی کھیلتی تھی۔ اس وقت اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس نے کہا۔

"شاہ جی! کیا بات ہے۔ بتایئے تو سہی۔"

"افریشم! ہم نے غازی شاہ کو مٹھائی کا ایک ڈبہ تک نہیں بھجوایا۔ کیتھرائن کو ہم نے ایک بار یہاں آنے کی دعوت بھی نہیں دی۔"

"مگر اس کو منع کس نے کیا شاہ جی! وہ جب بھی چاہے یہاں آ سکتی ہے۔ آخر حویلی پر اس کا بھی کوئی حق ہے وہ تو خود ہی نہیں آئی۔"

"میں جانتا ہوں کیوں نہیں آئی۔"

"آپ بتاؤ سائیں۔"

"اماں اس کے بہت زیادہ خلاف ہیں۔ وہ اس کی آمد کو پسند نہیں کرتیں اور شاید ایک بار اس سے کہہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ یہاں نہ آیا کرے۔ شدید بیمار ہوئی وہ لیکن اماں اسے دیکھنے تک نہیں گئیں۔ اب تم خود بتاؤ۔ یہ بات دلوں میں نفرتوں کو پروان چڑھاتی ہے۔ یا

محبتیں پیدا کرتی ہے۔ افریشم سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔

"شاہ جی آپ یقین کرو مجھے تو جب بھی موقع ملتا ہے میں کیتھرائن سے ملتی ہوں اور اس سے بہنوں جیسا سلوک ہی کرتی ہوں۔ میں نے تو کبھی اس سے منہ نہیں موڑا۔ مگر اماں کے سامنے میں کیسے بول سکتی ہوں آپ خود بھی مجھے بتاؤ۔"

"افریشم! میں تم سے ایک بار پھر مشورہ کرنا چاہتا ہوں اس سلسلے میں۔" مکرم شاہ نے کہا اور افریشم سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"حکم کرو سائیں! اگر آپ میرے کو اس قابل سمجھتے ہو تو میں دل و جان سے حاضر ہوں۔"

"جانتی ہو میں مٹھائی کا ڈبہ لے کر اس طرف گیا تھا۔"

"کس طرف سائیں۔"

"غازی شاہ کی طرف۔"

"تو پھر کیا اس نے مٹھائی واپس کر دی۔"

"نہیں۔ میں نے اسے مٹھائی دی ہی نہیں۔"

"کیوں۔"

"جب وہاں پہنچا تو ان لوگوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا لیکن میں چھپ کر ایک جگہ کھڑا ہو گیا تھا۔ کیونکہ ایک طویل قطار بنی ہوئی تھی۔ غریبوں، مسکینوں اور گھر کے ملازموں کی اور کیتھرائن انہیں کپڑے اور مٹھائی دے رہی تھی۔ نقد پیسے بھی دے رہی تھی۔ اس نے بہت سے جوڑے پیک کیے ہوئے تھے۔ اور ضرورت مندوں کو یہ کپڑے دے رہی تھی۔"

"اچھا پھر۔"

"اور وہ پاگل ناچ رہا تھا۔"

"کون۔"

"غازی شاہ خوشی سے ناچ رہا تھا۔ میں کھڑا ہو کر یہ تماشہ دیکھنے لگا۔ تو ان میں سے ایک فقیر نے کہا کہ سائیں غازی شاہ تم کیوں ناچ رہے ہو۔ برا مان گیا جھلا کر بولا کہ پتا ہے تم لوگوں کو میں چاچا بنا ہوں۔ چاچا...... اور ایسی باتیں کر رہا تھا وہ کہ میرا دل پھٹ رہا تھا۔"

"کیسی سائیں۔ کیسی بتاؤ۔" افریشم نے تجسس سے پوچھا۔

"کسی نے کہا کہ تم نے تو اس کی شکل تک نہیں دیکھی تو کہنے لگا کوئی بات نہیں ہے۔ بڑا ہو کر تو میرے پاس آئے گا مجھے چاچا، چاچا کہتا ہوا افریشم یہ تو ظلم ہے بچہ ہی تھا وہ اپنی مرضی

سے نہیں گیا تھا۔لندن میں نے بھیجا تھا اسے اب میں بھی افریشم تمہیں بتاؤں۔ میرے دل میں بھی اس کے لیے یقین کرو دلا دجیسا ہی پیار تھا۔ چھوٹا بھائی ہے میرا میں نے سوچا کہ یہ مستقبل کا وڈیرا بن کر آئے گا۔ میں اسے ساری جائیداد ساری زمینیں سونپ دوں گا۔ بالکل اس طرح جیسے ایک بوڑھا باپ اپنے بیٹے کو اپنی تمام فرحت دے دیتا ہے۔ افریشم یہی جذبات ہیں میرے دل میں اس کے لیے وہ کہتا ہے کہ میں نے اسے جان بوجھ کر لندن بھیجا ہے۔ تاکہ میں دولت اور جائیداد پر قبضہ کرلوں۔ افریشم ایسا نہیں تھا۔ یقین کرو ایسا نہیں تھا۔ میرے دل کے گوشے میں کہیں ایسا تصور نہیں تھا کہ میں اس جائیداد پر سانپ بن کر بیٹھ جاؤں۔ میں نے بڑے پیار سے اسے بھیجا تھا۔ اس بے وقوف نے بہت بڑی غلطی کی۔ انگریز قوم سے ہماری کبھی نہیں بنی۔ خیر محمد گوٹھ کی ایک تاریخ رہی ہے۔ یہاں انگریزوں سے صرف دشمنی کی گئی ہے صدیوں سے انگریزوں کے خلاف یہاں ردعمل رہا ہے اور یہ بھی خیر محمد گوٹھ کی ایک تاریخ ہے کہ انگریزوں نے ہر جگہ اپنے قدم جما لیے مگر خیر محمد گوٹھ اس کے تسلط سے آزاد رہا۔ کیتھرائن سے اس لیے نفرت کی جاتی ہے۔ میں ہی نہیں بلکہ تم یقین کرو۔ اب تو میں لوگوں کی نگاہوں سے چھلنی ہوا جاتا ہوں۔ شاید کسی کو دشمن کے تیروں سے اتنی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ جتنی مجھے لوگوں کی نگاہوں سے پہنچتی ہے۔ ان نگاہوں میں ایک سوال ہوتا ہے۔ کہ سائیں ہمارے بزرگوں نے تو انگریزوں کے چہروں پر کالک ملی ہے۔ انہیں کتا بنا کر خیر محمد گوٹھ سے بھگایا تھا ہے۔ پر سائیں غازی شاہ نے کیا کیا ہے وہ جو ایک سفید کتیا پکڑ لایا ہے۔ اس کا کیا ہوگا۔ کیا اس کے بچے یہاں حکمرانی کریں گے۔ بات تو پوری ہوگئی۔ خواہ وہ غازی شاہ کے بچے ہوں چاہے کیتھرائن کے رنگ اور نسل تو ان کا وہی ہوگا۔ یہ سوال لوگوں کی نگاہوں میں ہے۔ لوگ یہ سننا چاہتے ہیں کہ میں نے آخر کار کیا فیصلہ کیا۔ یہ ساری باتیں ہے افریشم جن کی وجہ سے میں سخت پریشان ہوں'۔ مگر ادھر وہ دیوانہ ہمارے بچے کی خوشی میں ناچ رہا ہے۔ خیراتیں بانٹ رہا ہے۔ مجھے بتاؤ اس کا کیا جواب دوں۔ افریشم گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی تھی۔ بہت دیر تک وہ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

''ایک بار سائیں! ایک بار اماں سے بات کرلو۔ ان کا مشورہ لینا بڑا ضروری ہے۔ ویسے بھی ہمیں اپنے بچے کو غازی شاہ سے دور نہیں رکھنا چاہیے۔ ورنہ دلوں میں برائی پیدا ہونے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ افریشم کی بات پر مکرم شاہ گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''میرا دل دکھتا ہے بابا۔ دنیا چاہے کچھ بھی کہہ دے اولاد کی طرح ہے وہ میری۔

میرے دل میں اس کے لیے دکھ ہے۔ اتنا دور ہو گیا ہے وہ مجھ سے پر میرے بیٹے کے لیے کہتا ہے۔ کہ چاچا ہے وہ اس کا ہے تو سہی افریشم کوئی کسی سے رشتے چھین سکتا ہے میرے کو بولو۔''

''نہیں چھین سکتا سائیں! بالکل نہیں چھین سکتا۔''

''اماں سے بات کرتا ہوں بابا! لیکن میرے لیے ایک مشکل پیدا ہوگئی ہے۔'' مکرم شاہ وہاں سے نکل کر شرجیلہ کے پاس پہنچ گیا۔ بچہ اس وقت شرجیلہ کے پاس ہی تھا اور شرجیلہ اسے سینے سے لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ دو ملازمائیں اس کے پاس موجود تھیں۔ جو شرجیلہ سے بچے کے بارے میں ہی باتیں کر رہی تھیں۔ مکرم شاہ نے انہیں غور سے دیکھا اور وہ دونوں سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ شرجیلہ نے مسکراتے ہوئے بیٹے کو دیکھا۔

''بیٹے کو گود میں لینے کا پیار دل میں مچل رہا ہوگا۔ یہ لو پکڑ لو ہم کب منع کرتے ہیں۔''

''نہیں بیگم سائیں۔ آپ کا غلام آپ کے قدموں میں ایک اور مقصد کے حصول کے لیے حاضر ہوا ہے۔''

''بولو بیٹھ جاؤ۔'' شرجیلہ نے کہا اور مکرم شاہ بیٹھ گیا پھر کہنے لگا۔

''دل نہیں مانا تھا۔ مٹھائی لے کر مشرقی حویلی گیا تھا غازی شاہ کے پاس۔ شرجیلہ نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔

''پھر بدتمیزی کی اس نے تم سے۔''

''نہیں۔ ناچ رہا تھا اماں خوشی سے ناچ رہا تھا۔ خیرات بانٹ رہا تھا۔ اس کی بیوی بہت سے جوڑے لیے بیٹھی تھی اور لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ وہ غریبوں کو جوڑے اور مٹھائی دے رہی تھی۔ خوشی میں تین دن سے خیرات بانٹنے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔'' خانم شرجیلہ کے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھرے۔ دیر سوچتی رہی۔ پھر بولی۔

''تم نے اس سے ملاقات کی۔''

''نہیں اماں! بس یہ دیکھ کر واپس چلا آیا۔ ہم نے تو اسے اطلاع تک نہیں بھیجی۔''

''وہ یہاں ملنے آیا۔''

''اماں! کب آتا ہے وہ آپ بتاؤ۔ جو سختیاں اور جو پابندیاں اس پر لگائی ہیں ان کے تحت کب آتا ہے وہ۔''

''تو پھر۔''

''اماں آپ بولو یہ تو بری بات ہے۔ میرا دل نہیں مانتا آپ اس کو اجازت دو۔''

''مجھے سوچنے دو۔'' شرجیلہ نے کہا اور کسی خیال میں ڈوب گئی۔ دل میں ایک دم

ہلچل مچ گئی تھی۔ غازی شاہ مکرم شاہ کے بعد اس دنیا میں آیا تھا۔ننھا سا معصوم سا پیارا سا اس کے ذہن میں ایک فلم چل پڑی۔ غازی شاہ اسے بہت عزیز تھا۔لیکن اس نے جو کچھ کیا تھا وہ ناقابل معافی تھا۔تاریخ بدلنے پر تل گیا تھا وہ علی خیر محمد گوٹھ کی بے شک انسان کو انسان سب سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔لیکن تاریخ صدیوں میں بنتی ہے اور اس تاریخ کے امین اس تاریخ کو قائم رکھنے کے ذمے دار ہوتے ہیں۔ جرم بہت طرح کے ہوتے ہیں۔لیکن کچھ جرائم ناقابل معافی ہوتے ہیں۔ بہت دیر تک وہ سوچتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے مکرم شاہ۔ وہ میرا بیٹا ہے تمہارا بھائی ہے اور یہ بچہ اس کا بھتیجا ہے۔ بڑا مضبوط رشتہ ہے اس کا اس سے ہوسکتا ہے کل میری موت کے بعد مجھے یہ رشتہ توڑنے کا مجرم قرار دیا جائے۔دیکھو وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔''

''اماں اسے معاف کردو۔''

''دیکھو۔میں ابھی یہی تمام باتیں سوچ رہی تھی وہ میرا نہیں علی خیر محمد کی تاریخ کا مجرم ہے اور تاریخ نے آج تک بہادر شاہ ظفر کو نہیں معاف کیا میں اسے کیسے معاف کرسکتی ہوں۔''

''اسے اس سے ملادوں۔''

''ہاں جیسے تم مناسب سمجھو۔'' شرجیلہ نے بچہ مکرم شاہ کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔

مکرم شاہ اس وقت کسی پس وپیش کا مظاہرہ نہیں کرسکتا تھا وہ بچے کو لے کر وہاں سے چلا آیا اور افریشم کے پاس پہنچ گیا۔

''تمہاری طبیعت کیسی ہے افریشم!''

''اللہ سائیں کی مہربانی ہے۔''

''پرانی حویلی چل سکتی ہو۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''

''تو پھر تیار ہوجاؤ۔''

''جو حکم سائیں۔'' افریشم نے کہا اور تیار ہوگئی۔ مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ مضبوط جسم رکھتی تھی۔ حالانکہ ابھی چھلہ بھی نہیں نہایا تھا۔لیکن بہرحال تیار ہوگئی۔ بچے کو بھی خوبصورت کپڑے پہنائے گئے اور مکرم شاہ نے بچہ افریشم کی گود میں دے دیا اور پھر خود آگے آگے اور افریشم پیچھے پیچھے چل پڑی۔ دو نوکرانیاں ساتھ میں لے لی گئی تھیں۔ جو افریشم کے ساتھ چل رہی تھیں اور فاصلہ کافی تھا۔ بہرحال جس وقت مکرم شاہ پرانی حویلی میں داخل ہوا۔تو

غازی شاہ بیرونی چبوترے پر جہاں بہت ہی حسین گھاس لگی ہوئی تھی اور پھول کھلے ہوئے تھے۔کیتھرائن کے ساتھ بیٹھا ہوا باتیں کررہا تھا۔افریشم بہت پیچھے تھی۔کیتھرائن اس وقت بھی چار چھ ملازموں کو سامنے بٹھائے ہوئے۔انہیں کپڑے اور مٹھائی دے رہی تھی۔ دونوں نے چونک کر مکرم شاہ کو دیکھا اور غازی شاہ کھڑا ہوگیا۔

''حیرانی ہے ادا سائیں! آپ ادھر آئے آپ کی بڑی مہربانی۔ یا پھر کسی غلطی کی سزا دینے آئے ہو۔''

''دے دیں سائیں دے دیں۔ میں نے غلطیاں ہی غلطیاں کی ہیں۔ سب سے بڑی غلطی میں نے اس دنیا میں آنے کی ہے۔ کیا کہوں آپ سے سائیں! آپ بڑے ہو میرے حکم کرو۔''

''یہ کیا ہورہا ہے۔''

''غلطی ہورہی ہے سائیں! پر میں کیا کروں آپ میرے کو بولو۔ اس کی اجازت بھی نہیں ہے مجھے کیا۔ بھتیجا ہوا ہے میرے ہاں ہم لوگ خاندان بدر ہیں۔ پر ہیں تو سہی خوشیاں منارہے ہیں اس کی۔ آپ کو کیا بولیں اچانک ہی کیتھرائن کی نگاہ پیچھے اٹھی تو وہ ایک دم حلق سے ایک آواز نکال کر کھڑی' ہوگئی۔ اس کی اس آواز پر غازی شاہ نے بھی گردن گھما کر دیکھا۔ افریشم بچہ ہاتھوں پر لیے ہوئے کھڑی ہوئی تھی۔کیتھرائن بے اختیار آگے بڑھی اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے لیکن بچے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی اور پھر اس کے ہاتھ آہستہ آہستہ نیچے گر گئے۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی تو افریشم دو قدم آگے بڑھی اور بچے کے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر کیتھرائن کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

''ناراض ہو کیتھرائن! اپنے بھتیجے سے بھی ناراض ہو۔ مجھ سے بھی ناراض ہو۔''

''نہیں۔ نیں یہ میں..........''

''تمہارے پاس آیا ہے یہ سوچ کر کہ چاچی اس سے ملنے نہیں آئی وہ خود تمہارے پاس آگیا۔ غازی شاہ بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے مکرم شاہ کی طرف دیکھا تو مکرم شاہ بولا۔

''بے نام پھر رہا ہے بے چارہ۔ اس کا نام تو اس کا چاچا ہی رکھے گا۔'' غازی شاہ نے بھائی کو دیکھا پھر آہستہ آہستہ اس کی گردن جھک گئی۔

''اس قابل نہیں رہا ہے غازی شاہ! سائیں مکرم شاہ غازی شاہ اب اس قابل نہیں رہا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ سے لپٹ جاؤں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے سینے

سے چمٹ جاؤں۔ مگر نہیں چمٹوں گا میں کیونکہ اس طرح میرے دل کی آگ بجھ جائے گی۔ نہیں سائیں نہیں۔''

''تو مجھ پر بہت الزامات لگا چکا ہے۔ غازی شاہ لیکن کوئی بات نہیں ہے کل کو یہ جوان ہو کر میری اتنی ہی بے عزتی کرے جتنی تو نے کی ہے تو میں اسے مار تو نہیں دوں گا بابا اسے بھی گلے لگائے ہوئے ہوں۔ تو بھی گلے لگ جا۔''

''نہیں سائیں نہیں۔'' فریب میری زندگی کا کوئی حصہ نہیں ہے میرے دل میں برائی ہے تمہارے لیے۔''

''ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔ اس کے لیے بھی برائی ہے تیرے دل میں۔''

''نہیں۔ یہ تو اس دنیا میں آنے والا ایک معصوم وجود ہے میں نے بڑی خوشی منائی ہے۔ اس کی میں نہیں جانتا تم بڑا ہو کر اسے کیا سکھاؤ گے۔ ہوسکتا ہے یہ مجھے چاچا بھی نہ کہے۔ لیکن اگر موقع ملا تو میں اس کو ضرور بتاؤں گا کہ میں اس کا چاچا ہوں۔ لا کیتھرائن یہ تیری گود میں آیا۔ تو دو منٹ کے لیے اسے میری گود میں بھی دے دے۔'' کیتھرائن نے بچے کو غازی شاہ کی گود میں دے دیا تو غازی شاہ نے اسے کتنی ہی بار چوما۔ بولا۔

''کیا نام ہے تیرا بابا۔ میرے کو نام نہیں بتائے گا۔''

''اس کا نام تو آپ ہی رکھو گے بھائی۔'' یہ حق ہم نے آپ کو دیا ہے۔''

''اچھا سچ بولتی ہو بھابھی سائیں۔''

''ہاں۔ غازی شاہ میں جھوٹ نہیں بولتی۔''

''میں اس کا نام رکھ دوں۔''

''رکھ دو۔''

''مان لوگے آپ لوگ۔''

''مان لیں گے۔''

''تو پھر میں اس کا نام علی خیر شاہ رکھتا ہوں۔ ایک بار تاریخ پھر اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ، ایک بار پھر علی خیر کے قدموں کی برکت میں آ جائے گا۔'' مکرم نے چونک کر غازی شاہ کو دیکھا پھر بولا۔

''اس کا نام کچھ اور رکھ دے غازی شاہ! تو اس نام کو برداشت نہیں کر سکے گا۔''

''مطلب کیا ہوا۔ بابا سائیں! بولو میرے کو۔''

''علی خیر نے ساری زندگی انگریز دشمنی کی ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ میں انگریز کے پاؤں

کبھی نہیں آئے۔ اس کا نام علی خیر رکھ رہا ہے تو۔''

''اس تاریخ کو بدلنا ہے میرے کو۔''

''تاریخ نہیں بدلے گی۔''

''تم دیکھ لینا بابا سائیں۔'' غازی شاہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے اس کا نام علی خیر شاہ قبول ہے مجھے۔ سب کو بتا دینا افریشم اس کا نام علی خیر شاہ ہے۔''

''ٹھیک ہے آپ مجھے ایک بتاؤ۔ میں کبھی کبھی اسے دیکھ سکتی ہوں۔'' کیتھرائن نے کہا۔

''کبھی کبھی کیوں۔ یہ زیادہ تر تمہارے ہی پاس رہے گا کیتھرائن سمجھیں۔ یہ میرا قول ہے۔ سائیں مکرم شاہ کو بھی میں یہی کہوں گی۔ کہ کم از کم میرے ایک قول کا پاس کر لیں۔'' کیتھرائن نے آگے بڑھ کر افریشم کی پیشانی چوم لی تھی پھر اس نے کہا۔

''آپ کی اس محبت کو ہمیشہ یاد رکھوں گی بھابی سائیں! یہ لیں اپنا بچہ۔''

''نہیں رہنے دو اپنے پاس جب دل بھر جائے تو واپس نئی حویلی پہنچا دینا۔'' اس کے بعد مکرم شاہ اور افریشم واپس چل پڑے تھے۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو کیتھرائن نے غازی شاہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

''ہاں غازی شاہ اب کیا کہتے ہو۔''

''مانتا ہوں تمہیں بابا جادوگرانی ہو تم۔''

''نہیں غازی شاہ! میں جادوگرانی نہیں ہوں صحیح وقت پر صحیح کھیل کھیلتی ہوں۔ اس کا رزلٹ بہترین نکلتا ہے میں نے کہا تھا نا تم سے کہ بابا سائیں کے جذبات پھٹیں گے اور وہ بچے کو کسی نہ کسی طرح ہم تک پہنچائیں گے۔ سائیں غازی شاہ! سانپ کو اولاد سانپ ہوتی ہے۔ میں تمہارے کو بالکل سچ کہتی ہوں۔ مجھے اس سے ذرہ برابر نہ دلچسپی ہے نا محبت۔ لیکن بات اس کھیل کی ہے جو ان لوگوں نے شروع کیا ہے ابھی تم بس میرے اشاروں پر ہی سب کچھ کرتے رہو جو میں نے تم سے کہا ہے اور میرا کھیل دیکھو اور حقیقتاً ایک نیا کھیل شروع ہوا تھا۔ غازی شاہ خود شہر گیا تھا۔ کپڑوں کے انبار ایک سے ایک قیمتی کھلونا۔ کمرہ بھر گیا تھا ان تمام چیزوں سے۔ مکرم شاہ اور افریشم بھی دیکھ رہے تھے کہ غازی شاہ اور کیتھرائن دیوانے ہو گئے ہیں۔ صبح ہی صبح غازی شاہ بچے کو لینے آ جاتا تھا۔ رات کو اس خود ہی پہنچا بھی دیا جاتا تھا بچہ ان کے ساتھ بہت خوش رہتا تھا حیرت کی بات یہ تھی کہ شرجیلہ نے بھی علی خیر شاہ کا نام قبول کر لیا تھا اور یوں

کیتھرائن کی چالاک پالیسی آسانی سے آگے سفر کر رہی تھی لیکن نجانے کیوں شرجیلہ کو ان دونوں ایک عجیب سی الجھن کا احساس تھا۔ آخر کار اس نے اپنی الجھن کو رفع کرنے کے لیے سچل کو بلایا۔ سچل اس کا وفادار تھا اور شرجیلہ کو اس پر مکمل اعتماد تھا؟

"بیگم سائیں! کی خدمت میں سچل حاضر ہے۔"

"سچل ذرا چلے جاؤ اور یہ معلوم کر کے آؤ کہ سکھاواں بیمار تو نہیں ہے۔ اس نے ضرور سن لیا ہوگا کہ اللہ نے ہمیں پوتا دیا ہے۔ مبارکباد دینے نہیں آئی وہ حیرانی کی بات ہے حالانکہ ہمارا خیال تھا کہ سب سے پہلی مبارکباد ہمیں اسی کی ملے گی۔ تم ایسا کرو۔ ذرا چلے جاؤ اور معلومات کر کے آؤ۔ کہ وہ خیر سے تو ہے۔ اگر خیر سے ہے تو آئی کیوں نہیں۔"

"چلا جاتا ہوں بیگم سائیں۔" سچل نے کہا اور خاموشی سے وہاں چل پڑا۔ سکھاواں کے گوٹھ میں ایک عجیب سی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ نہ صرف سکھاواں بلکہ اس کا بیٹا بھیکا اور اس کے دو بچے بھی غائب تھے اور ان کا کہیں پتا نہیں ملا تھا اس کے علاوہ وٹھل سپیرا بھی غائب تھا اور ان لوگوں کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ یہ اطلاع لے کر سچل واپس خیر محمد گوٹھ پہنچا تھا۔ اور اس نے شرجیلہ کو بتا دیا تھا۔

"کیا؟" سکھاواں کہاں جا سکتی ہے۔ تم نے معلومات حاصل کیں اس کے بارے میں۔"

"ہاں بیگم سائیں بڑی پوچھ گچھ کی ہے ہم نے پر وہاں گوٹھ والوں کو بھی ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تو کوئی کسی کو کیا بتاتا وہ غائب ہیں۔"

"سکھاواں اس کا بیٹا دو بچے اور سب سے بڑی بات یہ وٹھل کہاں چلے گئے یہ تو ذرا غور کرنے کی بات ہے۔" بہرحال نجانے کیوں شرجیلہ کے دل میں تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ ان لوگوں کی گمشدگی کے پس منظر میں کوئی چکر ضرور ہے۔ اس نے دل میں سوچا تھا اور یہ احساس اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کیتھرائن کو اس بارے میں پتا چل گیا ہو بس یونہی ایک خیال دل میں آیا تھا۔ اسے کوئی ٹھوس حیثیت حاصل نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆

اللہ ڈینو اس خاندان کا پرانا ملازم تھا۔ برسوں سے اسی خاندان میں رہتا تھا۔ اس کا باپ مالی تھا۔ اس کا دادا بھی مالی تھا۔ درخت کھیت باغات ایک طرح سے اس طرح کے رشتے دار تھے۔ انہی میں زندگی گزری تھی۔ ماں باپ مر چکے تھے۔ اس لیے اکیلا ہی زندگی گزار رہا تھا شادی کرانے والا کوئی تھا ہی نہیں۔ جو شادی ہوتی۔ لیکن وہ اکیلا تو نہیں تھا گوٹھ میں بے شمار

ایسے افراد تھے۔ جو بیوی بچوں کے بغیر ہی زندگی گزار رہے تھے اور یہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ اللہ ڈینو کو کسی ضروری کام سے اس باغ میں بھیجا گیا تھا جہاں کچھ عرصہ تک غازی اور کیتھرائن قیام پذیر رہے تھے اور وہیں انہوں نے وہ بھیانک قدم اٹھایا تھا جو انسانیت کے خلاف ایک بہت ہی مشکل عمل تھا۔ لیکن وہ بڑی آسانی سے پانچ افراد کو زندہ قبر میں دفن کرنے کے بعد حویلی کے شمالی حصہ میں آرام سے وقت گزار رہے تھے اور کیتھرائن اپنا عمل جاری کیئے ہوئے تھی۔ اس دن بھی اتفاقیہ طور پر آسمان پر بادل گھر آئے تھے۔ علی خیر محمد گوٹھ میں بارش بہت کم ہوا کرتی تھی اور جب ہوتی تھی تو ایک طرح عید کا سماں ہو جاتا تھا۔ آسمان پر گھرے ہوئے بادلوں کو دیکھ کر اللہ ڈینو کے دل میں بھی زندگی دوڑ رہی تھی۔ وہ پھاوڑا ہاتھ میں لے باغوں کی کیاریاں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ بارش ایک دم شروع ہوئی تھی اور پھر اس طرح جل تھل ہوا تھا کہ سالوں کی کسر پوری ہو گئی تھی۔ چار گھنٹے سے مسلسل بارش ہو رہی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ تھوڑے فاصلہ کی چیز نظر نہ آئے۔ اللہ ڈینو پھاوڑا ہاتھ میں لیے درختوں کے تھانولے بناتا پھر رہا تھا۔ ایک جگہ اس کا پاؤں زمین میں دھنسنے لگا تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ یہاں زمین کیوں دب رہی ہے اس نے دل میں سوچا بارش کا پانی وہاں جمع نہیں ہوا تھا لیکن کیچڑ بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اللہ ڈینو اس باغ سے اچھی طرح واقف تھا اس وقت وہ جس علاقے میں تھا وہاں کوئی ایسا گڑھا وغیرہ نہیں تھا۔ جس سے یہ سوچا جا سکے کہ زمین وہاں دھنس رہی ہے اس کے ہاتھ میں پھاوڑا تو تھا اس نے تھوڑی سی مٹی ہٹائی اور اچانک ہی اس کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکل گئی۔ ایک ہاتھ اس مٹی سے نمودار ہوا تھا۔ سوکھا ہوا انسانی ہاتھ جو کسی انسان کا ہاتھ ہے اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر اس نے اپنے لباس کو اوپر کر لیا۔ اس بات کو وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا پھاوڑے سے اس نے آس پاس کی زمین کھودنا شروع کی اور ہاتھ کے ساتھ ساتھ بازو پھر گردن اور پھر ایک انسانی کھوپڑی نمودار ہو گئی۔ اللہ ڈینو کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ ایسا تو نہیں کسی نے قتل کر کے یہاں دفن کر دیا ہو۔ وہ مٹی ہٹانے لگا۔ ابھی تھوڑی سی مٹی ہٹائی تھی اس نے کہ ایک اور انسانی ڈھانچہ اس کی نگاہوں میں آیا یہ کسی بچے کا تھا۔ اس کے قد سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ آٹھ یا نو سال کا بچہ ہوگا۔ برابر میں ایک دوسرا بچہ پھر ایک اور جسم پانچ انسانی ڈھانچے اس گڑھے سے نمودار ہوئے تھے۔ جو اللہ ڈینو نے کھودا تھا اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ ان کے جسم زیادہ پرانے نہیں ہیں۔ تھوڑا تجربہ اسے بھی تھا اور یہ اندازہ وہ لگا سکتا تھا کہ انسانی جسم کتنے پرانے ہوں تو ہڈیوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ان پانچ افراد کو زیادہ عرصے پہلے یہاں دفن نہیں کیا گیا تھا۔ پانچ انسان ایک قبر میں دفن تھے اور دو بھی مکرم شاہ

کے اس پسندیدہ باغ میں جس میں اس نے بڑی خوبصورت رہائش گاہ بنوائی تھی۔ اللہ ڈینو کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ پریشانی کے عالم میں کھڑا رہا وہ سوچ رہا تھا کہ اس بارے میں کسی کو اطلاع دے یا نہ دے لیکن اطلاع دینا تو بڑا ضروری تھا اس نے اس لاشوں پر مٹی ڈالی اور اس کے بعد وہاں سے دوڑ پڑا سوچ رہا تھا کہ کسی اور کو اس بارے میں بتائے یا سیدھا سیدھا مکرم شاہ کو مکرم شاہ کو زیادہ مناسب تھا چنانچہ اس نے یہ طویل فاصلہ طے کیا اور حویلی پہنچ گیا پھر اس نے کسی نہ کسی طرح مکرم شاہ کو تلاش کیا جو حویلی ہی کے ایک گوشے میں بنائے ہوئے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اللہ ڈینو ہاتھ جوڑ کر جھک گیا پھر سیدھا ہو کر بولا۔

''سائیں! ایک خبر لائے ہیں ہم جانتے ہیں آپ بڑے مصروف ہو پر سائیں بات ہی ایسی ہے۔''

''کوئی بات نہیں اللہ ڈینو بتاؤ کیا بات ہے۔''

''سائیں ہم باغ میں کام کر رہے تھے چکرا گوٹھ کے باغ میں وہاں ہمیں ایک عجیب منظر ملا ہے۔''

''کیوں کیا ہوا ہے۔''

''سائیں درختوں کے پیچھے ایک گڑھے میں کام کر رہے تھے کہ وہاں ہمیں ایک انسانی ڈھانچہ ملا سائیں ہم نے اسے کھود کر دیکھا تو وہاں پانچ ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ دو بچوں کے ہیں تین بڑوں کی ہڈیاں ابھی تک سوکھی نہیں ہیں گوشت گل گیا ہے سائیں زیادہ پرانی لاشیں نہیں ہیں۔ ہم نے مٹی ڈالی اور دوڑے چلے آئے ہیں۔

''چکرا گوٹھ کے باغ میں گڑھا' انسانی لاشیں اور وہ بھی پانچ پانچ۔''

''سائیں آپ دیکھ لو آ کر ہم آپ کو بتاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے چلو۔''

''مکرم شاہ سارے کام چھوڑ کر وہاں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ سجل کو ساتھ لے گیا تھا۔ سجل مکرم شاہ کا خاص آدمی تھا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد سجل، مکرم شاہ اللہ ڈینو اور دو گن مین جو مکرم شاہ کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے چکرا گوٹھ پہنچ گئے بارش کی وجہ سے زمین گیلی ہو رہی تھی۔ جگہ جگہ کیچڑ تھی چنانچہ مکرم شاہ بچتا بچاتا وہاں پہنچ پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں گڑھا کھدا ہوا تھا اللہ ڈینو جگہ کی نشاندہی کرنے لگا۔ سجل بھی وہیں کھڑا ہوا تھا تھوڑی دیر کے بعد اللہ ڈینو نے وہ گڑھا دوبارہ کھودا اور انسانی ڈھانچے نمایاں ہو گئے اللہ ڈینو کا کہنا بالکل ٹھیک معلوم ہو رہا تھا۔ پانچ انسانی جسم جس میں دو بچوں کے جسم تھے اور یہ بات بھی کوئی

اناڑی سے اناڑی دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ یہ جسم زیادہ پرانے نہیں ہیں۔ انہیں زیادہ عرصہ پہلے دفن نہیں کیا گیا مکرم شاہ کے حلق سے ایک بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

''پانچ انسانی جسم اور ایک ہی گڑھے میں کون ہو سکتے ہیں یہ۔'' بہت دیر تک مکرم شاہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

''سجل۔''

''جی مالک۔''

''سجل ایسا کرو ان جسموں کو یہاں سے نکلوا لو قبرستان لے جاؤ اور انہیں الگ الگ قبروں میں دفن کرو ان کے کفن دفن کا باقاعدہ انتظام کرنا ہو گا کچھ لوگ اپنے ساتھ لگا لو پیسے مجھ سے لے لینا۔

''جی سائیں جو حکم۔''

''میری طبیعت خراب ہو رہی ہے واپس جانا چاہتا ہوں۔''

''وہ یہ کہہ کر الٹے قدموں چل پڑا اسے بڑا دکھ ہو رہا تھا اس کا ذہن گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کوئی دشمنی ہو سکتی ہے کوئی ایسا عمل ہو سکتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی دشمنی تھی کسی کی تو اس نے یہ اجتماعی قبر بنانا چکرا گوٹھ میں کیوں ضروری سمجھا اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خود یہ عمل کرنے والے کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں چکرا گوٹھ سے تھا مگر ایسا کون ہو سکتا ہے وہ پریشان سا ان سوچوں میں ڈوبا ہوا واپس حویلی پہنچ گیا اور پھر ایک الگ کمرے میں جا بیٹھا ایسا کوئی نہیں تھا جس سے وہ اس بارے میں گفتگو کر لیتا اس نے خود ہی اپنے طور پر فیصلے کرنے تھے تفتیش کرنی تھی سجل کاموں سے گیا ہوا تھا اور اسے کافی وقت واپسی میں لگتا ویسے تو بہت سے ایسے لوگ تھے جن سے اس کے بارے میں بات چیت کی جا سکتی تھی وہ بہت دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو طلب کر لیا یہ حمزہ تھا۔ حمزہ پڑھا لکھا آدمی تھا اور بہت سمجھدار آدمی تھا لکھنے پڑھنے کے کام کیا کرتا تھا۔ زمینوں کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔ حمزہ نے آ کر سلام کیا۔ تو مکرم شاہ نے اس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''حمزہ میں نے تمہیں ایک خاص کام سے بلایا ہے تم بہت سمجھدار آدمی ہو اور بڑے ذہین بھی ہو کام تمہارا اپنا نہیں ہے لیکن میرا ہے۔

''سائیں جب آپ کا کام ہے تو پھر ہمارا ہی ہوا نا''۔

''حمزہ'' چکرا گوٹھ میں ہمارے باغ کے مشرقی حصے میں ایک گڑھے میں پانچ انسانی لاشیں ملی ہیں تین بڑے دو چھوٹے ان کے بارے میں جو اندازہ ہم نے لگایا ہے وہ یہ ہے کہ

انہیں بہت تھوڑے عرصے پہلے قتل کیا گیا ہے اور ان کے جسم گڑھے میں چھپا دیئے گئے ہیں حمزہ ہم نہیں جانتے کہ ایسا کس نے کیا ہے اس کی تفتیش تمہیں کرنی ہے۔ جس طرح بھی ہو سکے اپنے آدمیوں کو آس پاس پھیلا دو اور یہ معلوم کرو کہ ایسے کون سے پانچ افراد آس پاس گوٹھوں سے غائب ہیں جن میں دو بچے اور تین بڑے ہیں ہم چاہتے تو ان کا حوالہ پولیس کو بھی دے سکتے تھے لیکن حمزہ کون جانے کہ بات ہمارے گھر کی نکلتی اس لیے خاموشی اختیار کر لی جائے۔ بجل انہیں کفن دفن دے کر قبروں میں پہنچا رہا ہے۔ تم سارے کام چھوڑ دو اور پوری پوری تفتیش کرو میں اس سلسلے میں تمہارا انتظار کروں گا۔

''جو حکم سائیں آپ بے فکر رہیں انشاءاللہ میں آپ کو ساری تفصیل بتا دوں گا۔

''حمزہ نے کہا اور مکرم شاہ نے گردن ہلا دی لیکن وہ مسلسل تشویش کا شکار تھا ایک طرف علی خیر شاہ کی پیدائش سے خوشی دل میں پھوٹ رہی تھی طرح طرح کے منصوبے بنا رہا تھا وہ یہ کرے گا وہ کرے گا اس طرح علی شاہ کو پروان چڑھائے گا۔ اسے تعلیم دلائے گا اور دوسری طرف اس کے ذہن پر یہ بوجھ سوار تھا لیکن حمزہ بھی بلا کا ذہین نکلا آخر کار اس نے تفصیلات معلوم کرلیں۔ اور تیسرے ہی دن مکرم شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

سائیں بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک بات ہم آپ کو بتائیں قریب کے ایک گوٹھ سے پانچ بندے غائب ہیں ان میں دو بچے بھی ہیں ایک عورت ہے دو مرد ہے۔

''کون ہے وہ؟''

''عورت سکھاداں ہے مرد اس کا ایک بیٹا بھیکا ہے اور دو بچے جو بھیکا کے ہی ہیں ایک سپیرا اوٹھل ہے یوں پانچ افراد غائب ہیں بچوں کی عمریں بھی چھوٹی ہیں گیارہ بارہ سال کے ہیں سائیں یہ لوگ ہیں۔ دوسری بات ہم آپ کو بتائیں سائیں۔ آپ پہلے ہمارے سر پر پانچ جوتے مارلو چونکہ اپنے منہ سے بڑی بات کہہ رہے ہیں۔

''کیا؟'' ''کون سی بات۔''

''سائیں تھوڑے دن پہلے چھوٹے سائیں اپنی انگریز بیگم کے ساتھ چکرا گوٹھ میں رہ رہے تھے اور کئی دن وہ وہاں رہے ہیں اور اس کے بعد واپس آئے ہیں مکرم شاہ نے حیرانی سے حمزہ کو دیکھا اور ایک دم اچھل پڑا۔

''تت۔ تمہارا مطلب ہے کہ۔''

''نہیں سائیں، ہمارا کوئی مطلب نہیں ہے یہ بس تھوڑی سی تفتیش کی ہے ہم نے اور اب ایک اور آخری بات ہم آپ کو بتا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ آپ کے لیے کام کی بات

ہوگی۔

''بولو، بولو جلدی بتاؤ۔ بکواس بند کرو میرا مطلب ہے وقت مت ضائع کرو صحیح بات بتاؤ۔

''مکرم شاہ یہ انکشاف سن کر حواس باختہ ہوگیا تھا کہ پچھلے دنوں غازی شاہ چکرا گوٹھ میں مقیم تھا خود اسے یاد آ گیا تھا کہ ایسا ہی تھا یہ علی خیر شاہ کی پیدائش سے پہلے کی بات تھی اور اتنا ہی یقین ان لاشوں کے بارے میں کہا جاسکتا تھا سکھاداں کا نام بھی ان کے لیے اجنبی نہیں تھا وہ تو بیگم سائیں کی منہ چڑھی تھی اور آتی جاتی رہتی تھیں یہ ساری باتیں سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ بہر حال جو کچھ بھی تھا وہ اپنی جگہ تھا لیکن تفتیش کرنا بہت ضروری تھا۔ مکرم نے حمزہ کو دیکھا اور بولا۔

''ہاں آگے کی بات بول خاموشی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تو جانتا ہے۔''

''سائیں اس سلسلے میں بجل کو بلالو بجل آپ کو بہت کچھ بتا سکے گا۔ سمجھے سائیں بجل آپ کو بہت کچھ بتا سکے گا بس یہ ہماری آخری تفتیش ہے اس سے آگے ہماری معلومات کچھ نہیں ہے۔''

''بجل''۔

بہر حال مکرم شاہ نے حمزہ سے کچھ اور باتیں کیں اور اس کے بعد اس نے سب سے پہلے بجل کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

''بجل کچھ پتہ چلا کہ وہ لاشیں کس کی ہوسکتی ہیں۔''

''سائیں نہیں ہمیں کچھ نہیں معلوم اس بارے میں۔''

''اچھا تم ایک کام کرو۔ بجل کو لے کر میرے اندر کے کمرے میں آجاؤ میں اس سے کچھ معلومات حاصل کروں گا۔''

بجل کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا مکرم شاہ اسے اپنے کمرے میں لے کر آگیا جہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں آتا تھا پھر اس نے چمڑے کا کوڑا نکالا اور بجل کو گھورتا ہوا بولا۔

''بجل تجھے معلوم ہے کہ میں نے تجھے یہاں کیوں بلایا ہے اتنے ٹکڑے کردوں گا تیرے کہ تو بھی یاد کرے گا یہ بتا سکھاداں کا کیا قصہ ہے۔

''بڑے سائیں! اللہ آپ کو خوش رکھے ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں سکھاداں بڑی بیگم کی منہ چڑھی تھی۔ بڑی بیگم اس سے اپنے کام لیا کرتی تھیں۔ اب ہمیں کیا کیا معلوم کہ وہ کام کیا تھے سائیں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتے ہیں آپ سے جھوٹ بولنے کی ہمت تو کبھی

نہیں کر سکتے بڑی بیگم سائیں نے سکھاداں کو بلایا تھا اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ہمیں بھیجا تھا۔ پتا چلا سائیں کہ سکھاداں غائب ہے اس کا بیٹا اور پوتے بھی نہیں ہیں وہاں تو بڑی لے دے پڑی ہوئی ہے۔

''بچل اگر اس کے علاوہ تجھے کچھ معلوم ہے تو مجھے بتا دے اگر بعد میں پتا چلا تو میں شریف آدمی ہوں تجھے سزا نہیں دوں گا لیکن پولیس سزا دے گی کہ تو یاد رکھے گا۔

''سائیں آپ کو اللہ کا واسطہ ایک بے قصور آدمی کے ساتھ کچھ نہ کریں ہمیں تو جو حکم ملے گا ہم کریں گے باقی اور کچھ نہیں کر سکتے ہم۔''

''ہوں۔''

''مکرم شاہ نے کہا بچل سے کوئی خاص معلومات نہیں ہو سکی تھیں مکرم شاہ ویسے بھی اس سلسلے میں بہت زیادہ ذہین آدمی نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کے دل میں ایک شک گزرا تھا۔ لیکن شک کا کوئی جواز نہیں تھا اور پھر ان دنوں غازی شاہ سے تعلقات کچھ بہتر ہوئے تھے اور اس کی وجہ علی خیر شاہ تھا جو اب زیادہ تر پرانی حویلی میں ہی رہا کرتا تھا۔ کیتھرائن اور غازی شاہ کے لیے وہ زندگی کا کھلونا بن گیا تھا اور مکرم شاہ۔ بھائی کی بے بسی کا ازالہ کرنے کے لیے افریشیم کو ہدایت کر چکا تھا کہ جب بھی غازی شاہ کی طرف سے کوئی علی خیر شاہ کو لینے تو اسے منع نہ کیا جائے۔

''بہر حال اس کیس کی کوئی خاص تفتیش نہیں ہو سکی یہ پتا نہیں چل سکا کہ پانچ لاشیں کس کی تھیں غائب ہونے والے پانچ افراد بے شک غائب ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد کی تفتیش ختم ہو گئی تھی اور مکرم شاہ کو کوئی پتا نہیں چل سکا تھا۔

☆☆☆☆☆

کیتھرائن نے مسکراتی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا غازی شاہ ایک کرسی پر سوچ میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا علی خیر شاہ کیتھرائن کی گود میں کھیل رہا تھا بڑے لوگوں کے بچے بھی دنوں میں بڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی کا سفر غربت میں ڈوبے ہوئے بچوں سے کہیں زیادہ تیز ہوتا ہے پتا نہیں ہم اسے نظام قدرت کا کونسا حصہ کہیں گے انسانوں کی تو کوئی تفریق نہیں ہے لیکن پھر ایسا کیوں ہوتا ہے غربت و افلاس ایک طرف سڑک پر زندگی گزارتے ہوئے بچوں کو بدصورت اور بدنما بنا دیتی ہے تو دوسری طرف بالکل ان جیسے ہی بچے حسن و جمال میں یکتا، صحت میں بے مثال، بہر حال کارخانہ قدرت میں کیا کیا ہے انسانی ذہن تو اس میں سے ایک ذرہ بھی نہیں پا سکتا۔ علی خیر شاہ بھی بڑی تیزی سے دانش کی طرف سفر کر رہا تھا کیتھرائن نے

مسکراتی نگاہوں سے پھر غازی شاہ کو دیکھا اور کہنے لگی۔

''ایسا بھی ہوتا ہے غازی شاہ ایسا بھی ہوتا ہے ہم زندگی کی ایک انوکھی کہانی ترتیب دے رہے ہیں۔

غازی شاہ نے چونک کر کیتھرائن کو دیکھا اور بولا۔

''کیسے۔''

''اس بچے سے ہم کتنی محبت کا اظہار کرتے ہیں صبح ہوتے ہی اس طرح اس کی تلاش میں دوڑ پڑتے ہیں۔ جیسے اس کے بغیر ہماری زندگی نامکمل ہے ادھوری ہے پر یہ بات آپ جانتے ہو چھوٹے سائیں کہ ہم سے بڑا اس کا دشمن اور کوئی نہیں ہے ہم اس کی زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں چاہتے کیونکہ یہ ہمارے دشمن کا بیٹا ہے مجھے معاف کرنا چھوٹے سائیں، میں یہ بات کہنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتی ہوں کہ مکرم شاہ اور بیگم سائیں اس وقت اس کائنات میں ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں مکرم شاہ نے تمہاری ساری جائیداد دبا لی ہے اور بیگم سائیں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہے یہ ان کی آنکھوں کا تارا ہے دل تو چاہتا ہے کہ اس کی گردن دبا کر اس کی لاش سامنے لٹکا دوں لیکن ظاہر ہے میرے انتقام کا یہ طریقہ نہیں ہے ویسے ایک بات بتاؤں غازی شاہ تم اسی طرح اپنے ہاتھ پاؤں دبائے یہاں بیٹھے رہو گے کیا یہ ہی زندگی ہوتی ہے؟ یا پھر ہم لوگ انگلینڈ واپس چلیں۔''

''غازی شاہ نے چونک کر کیتھرائن کو دیکھا اور بولا۔

''یہ خیال تمہارے دل میں کیسے آیا کیتھرائن؟''

''ایسے کہ زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہے۔

''تم تبدیلی چاہتی ہو۔''

''وہ کیا ہو سکتا ہے۔''

''ویسے تو چھوٹے سائیں میرے دل میں ایک خاص خیال پروان چڑھ رہا ہے لیکن بات وہی ہو جاتی ہے کہ اتنا لمبا سفر طے کرنا پڑے گا ہمیں بہت لمبا سفر طے کرنا پڑے گا۔

''کیا! کیسے۔''

''سائیں، علی خیر شاہ مکرم شاہ کا بیٹا ہے نا۔ اسے کیا بننا چاہیے ایک ایسا نیک لڑکا جس کے اندر عقل ہی نہ ہو اور وہ صرف نیکیوں کے بارے میں سوچے یا پھر ایک ایسا شاطر جو آسمان میں سوراخ کرے جو بہت ہی خطرناک ہو اور ایسا نوجوان اگر پروان چڑھے گا سائیں آپ سوچ لو کہ علی خیر گوٹھ میں کیا ہو گا۔

غازی شاہ گردن ہلا کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

''ایک بات میں سوچ رہا ہوں۔ پوری سنجیدگی کے ساتھ مکرم شاہ نے میرا وہ استقبال نہیں کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا ہمیں انہوں نے الگ تھلگ کر کے پھینک دیا کیتھرائن صرف تمہاری وجہ سے لیکن تم میرے وجود کا ایک حصہ ہو۔ شرجیلہ بیگم سائیں نے تمہارے ساتھ جو بے انصافی کی ہے وہ بھی قابل معافی نہیں ہے میں ان کے اور اپنے درمیان ماں بیٹے کا رشتہ تو توڑ ہی چکا ہوں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اب کیا کرنا کیا چاہیے۔

''سائیں کوئی خاص بات سوچی ہے آپ نے۔ کیتھرائن نے سوال کیا۔

''ہاں'' سب سے پہلے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ایڈووکیٹ ظفر سے مل کر جائیداد کا حساب کتاب کروں اور اپنا حصہ الگ کر لوں۔

''اس سے کیا ہوگا۔''

''مکرم شاہ کے دل کو ٹھیس پہنچے گی شرجیلہ بیگم کو شدید دکھ ہوگا ہمارے ہاں صدیوں سے کبھی جائیداد کا بٹوارہ نہیں ہوتا آیا دس بھائی بھی ہوئے ایک مٹھی بن کر رہے یہ بھی علی خیر محمد گوٹھ کی ایک تاریخ ہے اور جب اس جائیداد کے ٹکڑے ہونگے تو علی خیر محمد گوٹھ میں سوچ کا ایک انقلاب آئے گا پھر جو حصہ میرے پاس آئے گا میں اس پر اکیلا حکمرانی کروں گا اور علی خیر گوٹھ والوں پر زندگی اتنی تنگ کر دوں گا کہ وہ بھی یاد رکھیں گے۔

غازی شاہ کا لہجہ بہت پر جوش ہوگیا لیکن کیتھرائن کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی وہ غازی شاہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی جب غازی شاہ خاموش ہوگیا تو کیتھرائن نے کہا۔

''بس سائیں۔''

''غازی شاہ نے چونک کر کیتھرائن کو دیکھا اور مدھم لہجے میں بولا۔

''ہاں کیوں۔ بولو تمہارے ذہن میں کچھ اور خیال ہے۔''

''ہاں سائیں ہے۔''

''کیا بولو۔''

''سائیں آپ کا منصوبہ بہت اچھا ہے لیکن میں آپ کو ایک بات بتاؤں اس طرح میرا مقصد پورا نہیں ہوتا۔''

''سائیں، آپ اپنی جائیداد کا حصہ لے کر ایک طرف ہو جاؤ گے پھر وہاں آپ جو کچھ بھی کرو گے کرتے رہو گے میں ابھی سندھ کے اس ماحول میں کے بارے میں ساری

تفصیلات نہیں جان سکی ہوں لیکن سائیں جہاں برائی ہوتی ہے وہاں برائی سمجھی جاتی ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ والوں کے دلوں میں ہمیشہ سے خیال ہے کہ ایک سفید چہرے والی عورت ان کی دوست کبھی نہیں ہوسکتی۔ سائیں ٹھیک ہے انہوں نے دشمنی کی داغ بیل ڈالی ہے تو دشمنی ہی سہی لیکن دشمنوں سے دور رہ کر ان سے دشمنی نہیں کی جاسکتی دشمنی کرنے کے لیے تو یہ ضروری ہے سائیں کہ ہمارا ہاتھ ہمیشہ ان کے سینے پر ان کی گردن پر ہو، یہاں سے کہیں چلے گئے تو پھر کیا فائدہ۔''

''تو پھر آخر ہم کریں گے کیا؟''

''سائیں وہ کریں گے ہم جو ان کے دماغ کبھی بھی نہیں کر سکے گا کبھی بھی نہیں۔

''ٹھیک ہے کیتھرائن اصل میں اب تم سے کچھ کہنے کا حق تو اب میں بالکل نہیں رکھتا ہوں بس یوں سمجھ لو کہ تمہیں میں نے پورے پورے اختیارات دے رکھے ہیں چلو مجھے بتاؤ تو سہی کرو گی کیا۔''

''سائیں ہماری امیدوں کا مرکز یہ ہے نا، ہم اس سے اپنا کام لیں گے۔''

''مگر کیسے کیتھرائن یہ تو بتاؤ۔''

''کیتھرائن کے ہونٹوں پر ایک بھیانک مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

''مکرم شاہ کا بیٹا علی خیر محمد شاہ علی خیر محمد گوٹھ والوں کے لیے ایک اگر جہنم کا فرشتہ ثابت ہو تو کیسا رہے گا لوگ مکرم شاہ کو شرجیلہ کو سب کو برا کہیں گے کیونکہ یہ مکرم شاہ کی اولاد ہے ہم اسے ایسا ہی بنائیں گے سائیں ایسا ہی بنائیں گے ہم اسے۔

''غازی حیرت سے اور دلچسپی کی نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

''یہ تو بڑا خطرناک منصوبہ ہے کیتھرائن۔''

''ہاں سائیں ایک اور منصوبہ بھی ہے میرے ذہن میں اور میری نگاہیں اس کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔

''وہ کیا؟''

''ابھی نہیں بتاؤں گی سائیں بہت سے کام صیغہ راز میں رہنے چاہیں۔

''ٹھیک ہے بابا، اگر تم اس طرح سے خوش ہو تو مجھے تو تمہاری خوشی ہی چاہیے۔

''کیتھرائن مسکرانے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆

شرجیلہ اپنے طور پر ہوشیار تھی۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ مدمقابل

کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔کیتھرائن کی جنگ براہ راست ان سے ہے۔شرجیلہ نے ایک بہت بڑی فتح حاصل کی تھی کیتھرائن کو ہمیشہ کے لیے بانجھ کر دیا تھا۔اس سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ کیتھرائن کی اولاد اب علی خیر محمد گوٹھ میں حکمران نہیں بن سکتی تھی ورنہ یہ انگریز عورت نجانے کیا کیا چکر چلاتی بہر حال اس ایک محاذ سے اسے فراغت حاصل ہوئی تھی اور اس کے بعد وہ سکھاواں کے لیے پریشان تھی۔سکھاواں مکمل طور پر غائب تھی۔اس کا بیٹا اور دو پوتے بھی غائب تھے۔اس کے علاوہ ڈھل سپیرا بھی نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ ان کی گمشدگی کا کوئی پس منظر ہے۔بچل اس کا خاص آدمی تھا اس نے بچل کو بلا بھیجا۔بچل بخار میں پتا ہوا اس کے پاس پہنچا تھا۔

''سلام بیگم سائیں! اللہ آپ کو لمبی عمر دے۔بیگم سائیں! حکم دیں۔''

''تجھے بخار کیسے آ گیا بچل۔''

''آپ یہ پوچھیے ہم سے بیگم سائیں کہ ہم آپ کو زندہ کیسے نظر آ رہے ہیں۔''

''ارے پاگل اب یہ ہلکے پھلکے بخار زندگی تھوڑی چھین لیتے ہیں۔''

''ہمیں بخار تو بعد میں ہوا ہے بیگم سائیں زندگی چھنتے چھنتے بچی ہے میری۔پتا نہیں کون سی نیکی کام آ گئی ورنہ گئے تھے کام سے۔''

''بک بک کیے جا رہے ہو کیا۔''

''بیگم سائیں مکرم شاہ صاحب نے بلوایا تھا ہمیں اور لے گئے تھے اس کمرے میں جہاں سے پہلے، مکرم شاہ صاحب سے پہلے کوئی زندہ واپس نہیں آتا تھا۔اس کمرے میں انہیں لوگوں کو لے جایا جاتا تھا جنہیں خاموشی سے ختم کر دینا ہوتا تھا۔بیگم سائیں حویلی کی تاریخ سے ہم سے زیادہ اور کون واقف ہوگا۔''

''مکرم شاہ تجھے اس کمرے میں لے گیا تھا کیوں؟''

''سکھاواں کے بارے میں پوچھنے۔'' بچل نے جواب دیا اور شرجیلہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے مردنی چھا گئی۔

''پھر۔''

''نمک کے غلام ہیں بیگم جی کیا بتاتے اور پھر ہمیں معلوم ہی کیا تھا ویسے بیگم سائیں بہت بڑی گڑبڑ ہوئی ہے جی ہم نے وہ معلومات حاصل کیں ہیں۔جو کسی کو نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بھیکا جو سکھاواں کا بیٹا تھا وہ بھی غائب ہے اور اس سے بھی بڑی بات جو ہوئی ہے بیگم جی وہ آپ کو بتائیں۔وہ چکرا گوٹھ کے باغ میں ایک گڑھے سے پانچ لاشیں ملی ہیں جی۔

جن میں دو بچوں کی لاشیں ہیں اور ان سے یہی پتا چلتا ہے کہ بھیکا کے بچے تھے ایک لاش ضرور سکھاواں کی ہے جی اور دوسری بھیکا کی تھی اور تیسری لاش ڈھل کی ہے۔بیگم جی آپ سوچ لو یہ وہ ہیں جو لاپتا ہو گئے ہیں اور ان کا کہیں پتا نہیں چل رہا تھا مکرم شاہ صاحب نے ہمیں پکڑ کر بلوایا تھا اور وہاں ہم سے معلومات حاصل کی تھیں۔'' شرجیلہ کے چہرے پر اب گہرے غور و فکر کے آثار پھیلے ہوئے تھے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ تو اچھا نہیں ہوا۔اگر مکرم شاہ کو حقیقت معلوم ہو گئی۔تو بڑی مشکل پیش آ جائے گی اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور تھی کہ کیا غازی شاہ کو اس بات کا پتا چل گیا کہ میں نے کیتھرائن کو سانپ کی زبان کھلائی تھی اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔بہر حال بات غور کرنے کی تھی۔پہلے بھی جانتی تھی کہ کیتھرائن کسی معمولی شخصیت کی مالک نہیں ہے۔بچل کو اس نے جانے کی اجازت دے دی۔سکھاواں کے بارے میں اب اس کا دل یہی کہہ رہا تھا کہ اسے ختم کر دیا گیا اور ظاہر ہے غازی شاہ کے علاوہ اور ایسا کون کر سکتا تھا یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔پھر اس کا ذہن علی خیر شاہ کی طرف چلا گیا ان لوگوں کی اس بچے سے دلچسپی کیا کسی خاص منصوبے کے تحت ہے یا پھر یہ صرف اولاد سے محرومی کا نتیجہ ہے کبھی کبھی شرجیلہ کو یہ احساس ہوتا تھا کہ اس نے اتنا بڑا اقدام اٹھا کر غلطی کی ہے۔کوئی اور کارروائی ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔یہ کارروائی اگر منظر عام پر آئی اور دنیا کو پتہ چلا تو دنیا شرجیلہ کا ساتھ نہیں دے گی بلکہ سبھی اسے برا بھلا کہیں گے وہ ان سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ افریشم آ گئی۔افریشم نے شرجیلہ کو سلام کیا تو شرجیلہ غور سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''بہو بیگم! تم نے تو بچے کو جنم دے کر اس انگریز عورت کے حوالے کر دیا ہے صبح سے شام تک وہیں رہتا ہے۔تمہارا کیا خیال ہے کیا اس کے اس پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔''

بیگم سائیں غلام ہوں آپ کی میں کسی سلسلے میں بھلا کیا فیصلہ کر سکتی ہوں بڑے سائیں نے مجھ سے کہا کہ علی خیر کو ادھر لے چلو میں نے تعمیل کی جی۔میں منع نہیں کر سکتی اور اب بھی میں آگے منع نہیں کروں گی آپ حکم دیں بیگم صاحب جی جیسا آپ کہو شاہ جی مجھ سے پوچھیں گے تو میں کہوں گی کہ بیگم جی کا حکم تھا۔''

''نہیں یہ بات نہیں ہے وہ میرا بیٹا ہے مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن انگریز عورت۔اس کی تربیت پر مجھے ذرا سی پریشانی ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ علی خیر شاہ کو۔''

''میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے بیگم سائیں وہ تو بڑے پیار سے اسے رکھتی ہے علی خیر مجھے بھی بھولتا جا رہا ہے۔''

کیا تمہیں یہ بات پسند ہے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بیگم سائیں میں تو صرف آپ لوگوں کے حکم کی غلام ہوں۔'' شرجیلہ کسی سوچ میں ڈوب گئی اس بات کا شبہ اب بھی تھا کہ غازی شاہ اور کیتھرائن کو اس بارے میں معلومات ہوگئی ہیں اور غازی شاہ نے سکھاواں کو بھیکا اور وٹھل کو بلکہ بھیکا کے دو بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے آہ اگر ایسا ہے تو ان کے ساتھ تو بہت برا ہوا ہے۔ وہ بیچارے تو بڑے مظلوم ہیں لیکن فیصلہ کیسے کیا جاسکتا تھا کہ ایسا ہوگیا ہے اور سکھاواں مرچکی ہے بہر حال افریشم کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں دی جاسکتیں تھیں۔ افریشم نے کہا۔

''بیگم سائیں آپ حکم کریں۔''

''نہیں ٹھیک ہے۔ بس اس انگریز عورت پر مجھے شدید غصہ آتا ہے۔ لیکن پھر بھی تم اس پر نگاہ رکھو۔ یہ کہہ کر شرجیلہ خاموش ہوگئی تھی۔

وقت کی رفتار کافی تیز تھی اور حالات ایک طرح سے منجمد ہوگئے تھے۔ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہوئی تھی۔ جو قابل ذکر ہوتی۔ کیتھرائن نہایت امن پسندی کے ساتھ اپنے معاملات سے گزر رہی تھی۔ علی خیر شاہ اس کی آغوش میں پل رہا تھا۔ اس سلسلے میں کیتھرائن کو اور غازی شاہ کو مکرم شاہ کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ مکرم شاہ کو اور حقیقتیں تو معلوم نہیں تھیں۔ لیکن یہ اندازہ تھا کہ دل کے ٹکڑے کی مانند بھائیوں کی خوب دل آزاری ہوئی ہے۔ ایک دو بار ڈھکے چھپے الفاظ میں مکرم شاہ نے ماں سے سفارش بھی کی تھی۔

''بیگم سائیں! پاگل ہے سرا! آپ اسے معاف کردیں اس کے دل میں تڑپ تو اٹھتی ہوگی کہ ماں کبھی سینے سے نہیں لگاتی۔ آپ نے بہت سخت رویہ اختیار کیا ہوا اس کے ساتھ۔''

شرجیلہ نے چونک کر بیٹے کو دیکھا اور مکرم شاہ کو فوراً احساس ہوگیا۔ کہ الفاظ کچھ غلط ہوگئے ہیں۔ جلدی سے بولا۔

''اماں سائیں اور کچھ نہیں کہتا میں آپ میری بات سے غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ آپ مانو یا نہ مانو جس طرح میرے دل میں علی خیر شاہ کی محبت ہے۔ اسی طرح میں غازی شاہ کو بھی چاہتا ہوں۔ اماں بہت چھوٹا ہے وہ مجھ سے اور پھر غلطی بھی میری ہے۔ میں نے ہی اسے غلط راستے پر ڈال دیا تھا۔ نہ میں اسے انگلینڈ بھیجتا اور نہ وہ کسی ایسی عورت کے جال میں پھنستا ویسے اماں ہم علی خیر محمد گوٹھ کے رہنے والے جس زمین سے ہماری مٹی اٹھی ہے وہ انگریز دل سے نفرت کی زمین ہے اور ہم آج بھی اسی نفرت کا شکار ہیں۔ ورنہ اماں میں آپ سے یہ کہوں۔ کہ کیتھرائن اتنی بری عورت نہیں ہے۔ شرجیلہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ اس نے

آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن مکرم شاہ کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ غصے کی شدت شرجیلہ کے منہ سے آواز بھی نہیں نکلنے دے رہی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کی آواز لرزتی ہوئی ابھری۔''

''سائیں بخش محمد۔ علی خیر محمد گوٹھ کے ایک ذمے دار بزرگ تھے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنی بزرگی کے فرائض ادا کیا کرتے تھے۔ ایک شخص جس کا نام مائیکل میچل تھا۔ اس نے سائیں بخش محمد سے دوستی کی اور انہیں اپنے پاس بلایا۔ بڑی عزت احترام کے ساتھ ان سے پیش آتا رہا دس بیس ملاقاتوں کے بعد اس نے بخش محمد سے کہا کہ بخش محمد خیر محمد گوٹھ کے چار افراد کو ہلاک کرنے میں انگریزوں کی مدد کرو۔ یہ چار افراد انگریز کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ بخش محمد نے مائیکل میچل کو حیرت سے دیکھا اور کہا۔

''مائیکل میچل! آپ نے کچھ عرصے پہلے مجھ سے کہا تھا کہ آپ خیر محمد گوٹھ کو دوستی کا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ اور آپ کی خواہش ہے کہ انگریز دشمنی ختم کردی جائے۔ جاگیریں اور زمینیں دی جائیں اور دوستی کی فضا پیدا کی جائے۔ کیا ان چار افراد کو قتل کرنے کے بعد آپ خیر محمد گوٹھ میں رہنے والوں سے دوستی کے خواہش مند ہیں۔ برتنوں میں شربت رکھا ہوا تھا۔ مائیکل میچل نے بخش محمد سے کہا کہ یہ کام بے حد ضروری ہے۔ تو بخش محمد غصے سے کھڑے ہوگئے۔ پھر مائیکل میچل نے ہنستے ہوئے کہا کہ نہیں بخش محمد میں تو آپ کا امتحان لے رہا تھا۔ آپ بڑے اعلیٰ درجے کے انسان ہو۔ اگر کوئی اپنی قوم سے غداری کرتا ہے۔ تو وہ ہر ایک سے غداری کرسکتا ہے اور وہ اچھا دوست ثابت نہیں ہوسکتا مجھے معاف کرنا بخش محمد میں آپ کو بہت اچھے دوست کی حیثیت سے پرکھنا چاہتا تھا۔ میرے دل میں آپ کے عزت بے پناہ بڑھ گئی ہے۔ جو ربخش آپ کے دل میں پیدا ہوگئی ہے۔ وہ نکال دیجئے۔ آپ کی محبت میرے دل میں بہت زیادہ ہے۔ اور بخش محمد نرم پڑ گئے۔ مائیکل میچل کے ساتھ انہوں نے شربت پیا اور کچھ لمحوں کے اندر اندر شربت میں ملے زہر نے اس کے کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے مائیکل میچل نے ان کی لاش ایک ایسی جگہ پھنکوادی جہاں درندے پائے جاتے تھے۔ درندوں نے انہیں چیر پھاڑ کر ختم کردیا لیکن بعد میں یہ راز کھل گیا۔ کیونکہ مائیکل میچل کے ہاں خیر محمد گوٹھ کا ایک اور آدمی موجود تھا۔ جس نے ساری تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ یہ تو ایک داستان ہے ایسی لاکھوں داستانیں انگریز قوم کی تاریخ میں لکھی ہوئی ہیں اور تم کہتے ہو کہ۔

''اماں میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ میں تو بس اپنے بھائی کے لیے تڑپتا ہوں۔''

''غازی شاہ کو یہ احساس ہونے دو کہ اس نے غلطی کی ہے جب یہ احساس اس کے دل میں پیدا ہوجائے گا تو کیتھرائن کو واپس انگلینڈ بھجوادیا جائے گا۔ اور میں غازی شاہ کو اسی

طرح اپنی محبت میں قبول کروں گی۔ جیسے وہ طویل عرصے کے بعد انگلینڈ سے واپس آیا ہو۔ کرم شاہ خاموش ہوگیا۔ ماں کا موقف بھی زبردست تھا اور وہ اس مسئلے کو اس طرح نظرانداز نہیں کرسکتی تھی۔ بہرحال یہ سارے معاملات چل رہے تھے۔ غازی شاہ نے کیتھرائن کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے ایڈووکیٹ ظفر علی سے زمینوں کی بات تو نہیں کی تھی لیکن اس علاقے سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک بہت ہی خوبصورت زمین کا ٹکڑا اس نے آباد کرلیا تھا۔ جو چکرا گوٹھ کے بائیں سمت مشرقی علاقے میں تھا۔ اور یہ زمین سونے کی زمین کہی جاتی تھی۔ غازی شاہ نے وہاں سنڈھری آم لگایا تھا۔ اور خود اس کی دیکھ بھال کرتا تھا اس نے اپنے لیے مشغلہ دریافت کرلیا تھا۔ زمین سے تھوڑے ہی فاصلے پر علی گوٹھ تھا۔ علی گوٹھ بھی ان لوگوں کی ملکیت تھی۔ کوئی پانچ سو گھرانوں پر مشتمل علی گوٹھ کے باشندے بھی بڑے شریف النفس تھے۔ محنتی اور جفاکش جس کا نتیجہ علی گوٹھ میں سبزے کی شکل میں نظر آتا تھا جب کہ موسمی طور پر وہاں کے حالات بھی کافی سخت تھے۔ لیکن غازی شاہ نے یہ مشغلہ تلاش کرکے اپنے آپ کو مصرف کر لیا تھا۔ حالانکہ وہ یہ سوچتا تھا کہ یہ اس کا منصب نہیں ہے۔ اسے تو بہت کچھ ہونا چاہیے تھا۔ بھائی کے دور اقتدار پر اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن بس وہ اپنے معاملات میں مشغول تھا سب سے بڑی بات یہ تھی کہ علی خیر محمد یا علی خیر شاہ ان دونوں کی تربیت میں پل رہا تھا اور کیتھرائن غازی شاہ کے علم میں لائے بغیر ہی بہت سے ایسے کام کررہی تھی جو اس کے شیطانی ذہن کے پیداوار تھے علی خیر شاہ کو ایک سنگدل بچے کی حیثیت سے پروان چڑھایا جارہا تھا۔ جس کے مشغلے اب کچھ اس طرح تھے۔ وہ ننھی ننھی تتلیوں کو پکڑ کران کے پر چپکا دیا کرتا تھا۔ اور تتلیاں تڑپ تڑپ کر جان دے دیا کرتی تھیں۔ علی خیر شاہ اس سے بہت خوش ہوتا تھا۔ پھر اس نے اس سے آگے قدم بڑھائے۔ مینڈک پکڑتا اور چھری سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا پھر انہیں دیکھ کر خوش ہوتا۔ چھپکلیوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا۔ ایک درندہ اس کے اندر پل رہا تھا۔ اور کیتھرائن اس کی خاص طور پر نگرانی کیا کرتی تھی۔ ایک شام وہ اپنے باغ کے ایک خوبصورت سے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ غازی شاہ نے کیتھرائن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک بات سوچ رہا ہوں دو دن سے کیتھرائن۔''

''کیا چھوٹے سائیں۔'' کیتھرائن نے دور تتلیوں کے پیچھے دوڑتے ہوئے علی خیر شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بہت عرصہ ہوگیا ہے تمہیں انگلینڈ سے آئے ہوئے۔ تمہیں اپنا اہل خاندان تو یاد آتے ہوں گے کیوں نہ تم کچھ عرصے کے لیے انگلینڈ چلی جاؤ۔'' کیتھرائن نے تیکھی نگاہوں

سے غازی شاہ کو دیکھا۔ پھر مسکراتی ہوئی بولی۔

''صرف میں سائیں۔''

''کیا مطلب''

''مطلب یہ کہ صرف میں چلی جاؤں۔''

''ہاں صرف تم۔''

''تم کیوں نہیں جاؤ گے سائیں۔''

''اس لیے کیتھرائن کہ ابھی یہاں کا محاذ میرے قابو میں نہیں آیا ہے۔ ابھی میں اس حالت میں ہوں کہ نہ کوئی بہتر فیصلہ کرسکتا ہوں۔ نہ تمہارے لیے کوئی اچھی فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔'' کیتھرائن ہنسنے لگی اور پھر بولی۔

''اور کیا میرے پیچھے تم یہ کرلو گے''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔ میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ تمہیں اپنے اہل خاندان یاد آتے ہوں گے۔''

''نہیں سائیں! جب ہم نے تم سے محبت کی ڈور باندھ لی۔ تو پھر تمہارے سوا کچھ نہیں رہ گیا۔ اس کائنات میں ہمارے لیے۔ اور سائیں بات رہی محبتوں کی اور یاد آنے کی تو سچی بات یہ ہے کہ ہم جذباتی نہیں ہوتے۔ میں اور میرے ماں باپ اور ان کے ماں باپ بے شک ایک دوسرے سے پیار کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ پیار اپنی جگہ اگر کبھی سامنے آگئے تو ہم ایک دوسرے کو اپنے رشتوں سے یاد کریں گے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی دوسری ذمے داریاں چھوڑ کر ان رشتوں کے پیچھے دوڑ پڑیں گے سائیں معاف کرنا۔ تمہارے ہاں جو جوائنٹ فیملی سسٹم ہے۔ ہمارے ہاں بھی کبھی ایسا ہوتا تھا۔ لیکن سمجھداروں نے حالات کو دیکھا ان کے بارے میں سوچا اور یہ نتیجہ نکلا کہ یہ سسٹم غلط ہے۔ اس طرح ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق نہیں جی سکتا۔ بلکہ اسے کسی ایک یا دو کے تابع ہونا پڑتا ہے۔ سائیں یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ انسان دنیا میں آنے سے پہلے یہ نہیں جانتا کہ دنیا میں آنے کے بعد اس کی کیا حیثیت ہوگی۔ وہ قدرتی عمل کے تحت ایک پھل کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ اور پروان چڑھتا ہے۔ اب کم از کم زندگی کے ایک تھوڑے سے وقفے میں اسے اتنی آزادی تو ملنی چاہیے کہ وہ یہ چند سانس اپنی پسند اپنی مرضی سے لے سکے۔ سائیں اگر اس پر بھی دوسروں کا تسلط ہو۔ تو پھر یہ تو زندگی نہ ہوئی۔ غازی شاہ مسکرا دیا اور بولا۔

''تمہاری منطق سن رہا ہوں میں چلو ٹھیک ہے ایک بات بتاؤ۔ میرے احکامات تو تم

مانتی ہو۔"

"اپنی پسند سے۔ اپنی پسند سے سائیں! معاف کرنا۔ اگر تم مجھے پسند نہ ہوتے۔ اگر میں تم سے دور رہنا چاہتی تو بڑے آرام سے ہٹ جاتی۔ سمجھ رہے ہو نا سائیں!"

"سمجھ رہا ہوں بابا! سمجھ رہا ہوں۔ تمہارا ساتھ میں نہیں دے سکتا۔ میرا مطلب ہے تمہارے دماغ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں سائیں! ان لوگوں نے دشمنی کی بنیاد ڈالی ہے۔ اور اب یہ دشمنی میرا مشغلہ بن چکی ہے۔ کیا سمجھے"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔"

"اور میرا کام خوشی سے ہو رہا ہے۔ میری پسند کے مطابق۔"

"میں جانتا ہوں۔" غازی شاہ نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ بہرحال یہاں آنے کے بعد زندگی میں ایک اور تبدیلی پیدا ہوگئی تھی۔ اب تو سچی بات یہ ہے شرجیلہ با مکرم شاہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں رہا تھا ہاں علی خیر کا معاملہ دوسرا تھا۔ اس سلسلے میں شاید مکرم شاہ نے ماں کی بات بھی ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ بھائی کی محبت سے تو انکار نہیں کر سکتا تھا ا لیکن جو حالات پیدا ہوگئے تھے۔ وہ ایک الگ نوعیت کے حامل تھے۔ موسم بدلا فصلیں تیار ہو کر کٹ گئی تھیں۔ جشن منائے جا رہے تھے۔ انسانوں اور ان کی آبادیوں نے ایسی ہی چھوٹی موٹی مسرتوں کو اپنا لیا تھا جب کہ مکرم شاہ وغیرہ کے پاس علی گوٹھ کے لوگ پہنچے تھے اور انہوں نے درخواست کی تھی کہ مکرم شاہ جشن میں آئے۔ مکرم شاہ نے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ بہرحال مکر شاہ جشن میں نہیں پہنچا۔ کیتھرائن نے البتہ غازی شاہ سے کہا۔

"چھوٹے سائیں! بستی والوں سے قریب ہونے کے موقعے ایسے ہی ہو ہیں۔ آؤ۔ کسی وقت ہم جشن میں چلیں۔ اور ان کے ساتھ خوشیاں منائیں۔ کم از کم وہ یہ سمجھیں گے کہ وہ ہم سے دور کے لوگ نہیں ہیں۔ غازی شاہ کے چہرے پر تشویش پھیل گئی تھی۔ اس۔ کہا۔

"کیتھرائن۔"

"میں جانتی ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔ آؤ میں اس محاذ پر بھی لڑ رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ علی خیر محمد گوٹھ کے آس پاس کے گوٹھ بھی ہم لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن ہم ا کے درمیان میں بار بار جائیں گے اور آخر کار ان کی پسند حاصل کر لیں گے۔ غازی شاہ کی کیا مجال تھی۔ جو انکار کر دیتا۔ اس کی تو تقدیر کا یہ حصہ تھا کہ وہ کیتھرائن کے اشاروں پر ناچ

چنانچہ تیار ہو گیا۔ جشن پندرہ روز تک جاری رہنا تھا۔ روزانہ ہی شام کو کسی بہت بڑے میدان میں لوگ جمع ہو جاتے ڈھول تماشے بجتے، ناچ گانے ہوتے اور مختلف قسم کی ہنگامہ آرائیاں ہوتیں جس وقت غازی شاہ اور کیتھرائن اس مجمع کے درمیان پہنچے۔ گوٹھ کے پہلوان ملاکھڑا لڑ رہے تھے۔ کشتی شباب پر تھی لوگ خوب شور مچا رہے تھے۔ کیتھرائن کے لیے کشتی کا یہ انداز ہی بڑا دلچسپ تھا۔ یہ لوگ اچانک پہنچے تھے۔ اس لیے ان لوگوں کو ان کے بارے میں شروع میں تو کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن جب یہ تھوڑا سا آگے بڑھے تو لوگوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔ چہروں کا جوش سرد پڑ گیا۔ چیخنے والی آوازیں بند ہو گئیں۔ ملاکھڑا لڑنے والے خاموش ہو گئے۔ آپس کی جنگ بھول کر وہ ادھر دیکھنے لگے۔ اور پھر مجمع میں ایک بھنبھناہٹ سی اٹھی ملاکھڑا لڑنے والے واپس اس جگہ پہنچ گئے جہاں ان کا لباس وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے لباس پہنے ادھر ڈیرا جمائے مجمع منتشر ہونے لگا۔ لوگ واپس پلٹ گئے۔ ان چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار تھے۔ غازی شاہ کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے کمر پر لٹکے ہوئے ریوار پر ہاتھ ڈالا تو کیتھرائن نے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ تھوڑی ہی دیر میں انسانوں سے بھرا ہوا یہ میدان خالی ہو گیا۔ لوگ نفرت کا اظہار کرتے ہوئے۔ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تھے۔ یہ انتہائی شرمناک عمل تھا۔ کیتھرائن اور غازی شاہ اس بھرے پھے میدان میں اب تنہا رہ گئے تھے۔ تا حد نظر خاموشی اور سناٹے کا راج تھا غازی شاہ کو سخت شرمندگی ہو رہی تھی۔ وہ نجانے کیتھرائن کے سامنے نجانے کیا کیا کہانیاں بیان کر چکا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود غازی شاہ کو بھی اس طرح کے کسی ردعمل کا شبہ بھی نہیں تھا۔ تھوڑی سی ناتجربے کاری اور تھوڑی سی سرکشی ان دونوں چیزوں نے مل کر اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیتھرائن نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہ۔

"آؤ...... غازی شاہ۔"

"دل چاہتا ہے یہ ساری بستی تباہ کر دوں۔"

"آؤ...... ایسی باتیں نہیں سوچتے۔ دل کی چاہتیں تو نجانے کیا کیا ہوتی ہیں۔ ہمیں دل کی باتوں پر تو غور نہیں کرنا۔ حالانکہ ایک طویل مہم سرانجام دینی ہے۔"

"کیسی مہم......"۔

"آؤ چلو .... راستے میں باتیں کرتے ہوئے چلیں گے۔" کیتھرائن نے پرسکون لہجے میں کہا۔ اور غازی شاہ اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگا کیتھرائن گہری سوچ میں تھی اس نے کہا۔

''ایک بات نہیں معلوم غازی شاہ۔''

''کیا......''

''ان لوگوں نے کیا اس پوری آبادی کو ہمارے خلاف کھڑا کر دیا ہے چلو مکرم شاہ بیگم سائیں اور آس پاس کے دوسرے لوگ اگر تمہاری اس حرکت سے نفرت کرتے ہیں مگر آس پاس کی بستی والوں کو یہ نفرت کیوں ہوئی۔''

''کیتھرائن بات اصل یہ ہے کہ یہ سب غیر تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ انہیں دنیا کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ بس ان کے ذہنوں میں جو بات بٹھا دی گئی ہے۔ اسے یہ لوگ اول حیثیت دیتے ہیں۔ کیتھرائن ان کا خیال ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان پر حکومت کے دوران مقامی لوگوں پر جو مظالم کیے ہیں انہیں کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نسل در نسل اس نفرت کا شکار چلے آ رہے ہیں۔''

''مگر اب تو بہت وقت گزر چکا ہے۔ پچاس سال سے زیادہ گزر گئے ہیں۔ دوسری بلکہ تیسری نسل جوان ہو رہی ہے۔''

''جہالت اسی کو کہتے ہیں۔ نفرتوں کا یہ بیج ہر جانے والا اپنے آنے والے بچے کے ذہن میں بو دیتا ہے۔''

''کیسی عجیب بات ہے حالانکہ ہم لوگ جب سے یہاں سے گئے ہیں۔ یہ تجزیہ کرتے رہے ہیں کہ ہم ان ممالک میں اپنے کیا اثرات چھوڑ گئے ہیں۔ ہمیں ہر لمحے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ بہرحال ہمارے ہی کلچر کو پسند کرتے ہیں۔ ان دیہاتی آبادیوں کی تو میں بات نہیں کرتی جہاں پہننے کے لیئے کپڑے اور کھانے کے لیے روٹی تک نہیں ہے۔ لیکن خوشحال آبادیوں کے رہنے والے انگریزی بولتے ہیں انگریزی لباس پہنتے ہیں۔ انگریزی طرز زندگی کو اچھا سمجھا جاتا ہے یہ ساری چیزیں کیا ہیں یہ اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ جن سمجھدار لوگوں نے انگریزی دور کے نظام کو گہری نگاہوں سے پرکھا ہے وہ آج بھی اس نظام کو پسند کرتے ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ اگر شدت جوش میں آ کر جنگ آزادی نہ لڑی جاتی تو ہم اب بھی یہیں ہوتے۔ اور یہ نسل جو اس وقت بھی ہمیں پسند کرتی ہے۔ ایسی کسی مخالف کی خود مخالفت ہوتی۔ تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے میں غازی شاہ۔''

''سچی بات یہ ہے کیتھرائن! کہ میں نے تو کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں۔ میں تو ایک سیدھا سادا آدمی تھا۔ یورپ کی تعلیم کے لیے بھی میرے دل میں کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ حالانکہ شہری زندگی میری نگاہوں کے سامنے تھی میں نے ابتدائی تعلیم شہروں ہی میں حاصل کی۔

کراچی لاہور اور اپنے وطن عزیز کے دوسرے شہروں کو بھی دیکھا لیکن کبھی ان پر یہ نگاہ نہیں ڈالی۔ پھر سائیں مکرم شاہ نے فیصلہ کیا کہ مجھے اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ بھیج دیں میں نے اس پر بھی اعتراض نہیں کیا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے ذہنوں میں جو سوال بیٹھا ہوا ہے۔ وہ کم از کم میرے ذہن میں نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ مجھے ایک انگریز لڑکی سے ہی محبت ہوئی تھی۔'' کیتھرائن نے غازی شاہ کے ان الفاظ پر کوئی تاثر نہیں دیا۔ اس کے اندر کی آگ کبھی باہر نہیں آئی تھی۔ سر جیمس الیگزینڈر نے اسے ایک مشن دے کر بھیجا تھا اور اس وقت کیتھرائن کے ذہن میں اتنا کچھ نہیں تھا۔ وہ بے شک انگریز نسل کی ایک شیطان صفت عورت تھی۔ لیکن غازی شاہ کے لیے اس کے دل میں واقعی محبت تھی۔ اور وہ سر جیمس الیگزینڈر کی تمام باتیں یہ سمجھ کر سن رہی تھی کہ چلو غازی شاہ کی مملکت پر حکمرانی کرنے کے ساتھ ساتھ وہ سر جیمس الیگزینڈر کا مشن بھی پورا کرے گی لیکن اب یہاں آنے کے بعد جب اس نے اپنے لیے نفرت کے یہ انبار دیکھے تھے۔ تو اس کے دل میں بھی نفرت کا طوفان امنڈ آیا تھا۔ اور وہ سوچتی رہ گئی تھی۔ غازی شاہ نے کہا۔

''مجھے واقعی افسوس ہے۔ یہ میری نسل کے لوگ ہیں ان سب کو ہلاک تو نہیں کر سکتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے ان کے ذہن بدلنے کے لیے کیا کرنا ہوگا۔''

''کچھ نہیں ہم کوششیں جاری رکھیں گے اور میں تمہیں یہ بتائے دیتی ہوں غازی شاہ کہ اگر ان چھوٹی چھوٹی بستیوں میں ان آبادیوں میں ایک بھی آبادی میری دوست ہوئی تو میں باقی سب کو معاف کر دوں گی ورنہ دوسری صورت میں میں یہاں ایک ایسا طوفان برپا کروں گی جو دیکھنے کے قابل ہوگا۔'' غازی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا کیتھرائن تھوڑی دیر سلگتی رہی اور اس کے بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سوری غازی شاہ! تمہیں یقیناً یہ سب کچھ برا لگ رہا ہوگا لیکن میں واقعی اتنی بددل ہوں ان حالات سے۔''

''میں جانتا ہوں کیتھرائن۔''

''مگر کوئی بات نہیں ہے۔ یہ آبادیاں تو قابل معافی ایسے ہی ہو گئی ہیں کیونکہ انہوں نے مجھے میرا محبوب دیا ہے۔ میرا محبوب غازی شاہ!۔''

☆☆☆☆☆

وقت بھلا کہاں رکتا ہے اس کی اپنی کہانیاں جاری رہتی ہیں کیتھرائن کے دل میں

نجانے کیا کیا منصوبے تھے۔ اگر وقت ان منصوبوں کو پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے تو یہ منصوبے پورے ہوتے ہیں ورنہ دوسری شکل میں ان منصوبوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وقت کا آہنی ہاتھ ایک لمحے کے اندر اندر پلاننگ کرنے والے کی گردن مروڑ کر پھینک دیتا ہے۔ اور وہ اپنے سارے منصوبوں سمیت تاریکیوں میں جا سوتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک مشاہدہ ہے کہ شیطان کو طویل عمر ملتی ہے غالباً اس وعدہ کے تحت جو اللہ نے اس سے کیا ہے۔ اور وہ اپنی شیطانیت کے جال میں پھیلا دیتا ہے۔ یہ شیطنت نجانے کہاں کہاں زیر عمل آتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ سب کچھ کرداروں میں ڈھل جاتا ہے اور کیتھرائن بھی ایک ایسا ہی کردار تھی وہ سوچوں کے دائروں میں جکڑی رہتی تھی۔ البتہ اس نے اپنے گرد ایسے لوگوں کو پھیلا لیا تھا جو اس کے کام میں معاون ہوتے تھے وہ بات جانتی تھی کہ بڑی حویلی ہر طرح سے مکرم شاہ اور شر ہے چنانچہ اس نے یہ دور کی رہائش گاہ اختیار کر لی تھی اور جہاں وہ اپنا مشن پورا کر رہی تھی فی الحال اس کا یہ مشن علی خیر شاہ تک ہی محدود تھا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ بڑے لوگوں کے بچے دیکھتے ہی دیکھتے بڑے ہو جاتے ہیں۔ علی خیر شاہ بھی مہینوں کا سفر دنوں میں طے کر رہا تھا۔ کھیلتا کودتا تھا اور کیتھرائن ایک خاص انداز میں اس کی تربیت کر رہی تھی وہ اس کے لیے ایک سے ایک حسین کھلونا لے کر آتی تھی پھر وہ کھلونا اس کے ہاتھ میں دیتی تھی علی خیر شاہ اس کھلونے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لیکن کیتھرائن وہ کھلونا اس کے ہاتھ سے لے کر دیوار پر دے مارتی تھی اور وہ کھلونا ٹوٹ جاتا تھا۔ ابتداء میں علی خیر شاہ کے چہرے میں اس کے کھلونے کے ٹوٹنے کے اثرات نظر آتے تھے۔ وہ بسورتا تھا تو کیتھرائن دوسرا کھلونا اس کے ہاتھ میں دے دیتی تھی یوں رفتہ رفتہ علی خیر شاہ کی یہ عادت پڑ گئی کہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی چیز سے وہ تھوڑی دیر تک کھیلتا اور اس کے بعد اسے چکنا چور کر دیتا۔ یہ اس کی تربیت کا پہلا دور تھا۔ دوسرے دور میں کیتھرائن نے اسے زندگیاں لینا سکھایا۔ چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے پکڑ کر علی خیر شاہ کے سامنے چھوڑے جاتے۔ اور ایک ایسی چیز اس کے ہاتھ میں دے دی جاتی جس سے انہیں مارا جا سکے۔ چلتے پھرتے جانداروں کو ہلاک کرنا اور اب علی خیر شاہ کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا پھر باغوں میں اڑنے والی تتلیاں پکڑ پکڑ کر علی خیر شاہ کے حوالے کی جاتیں۔ وہ مختلف طریقوں سے ان کے ہاتھ پاؤں توڑتا انہیں ہلاک کرتا۔ انہیں کیلوں کے ذریعے درختوں میں جکڑ دیتا اور ان کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتا پھر کوئی چیز مار کر انہیں ہلاک کر دیتا۔ اس کے بعد نوبت پرندوں تک آئی حسین چڑیاں، طوطے خریدے جاتے اور انہیں علی خیر شاہ کے حوالے کر دیا جاتا۔ اب علی خیر شاہ کے لیے یہ عمل سب سے پسندیدہ عمل ہوتا تھا۔ وہ اڑنے والی چڑیوں کی ٹانگیں توڑ

دیتا۔ بڑے اطمینان سے ان کی آنکھیں نکال لیتا ان کے پر نوچ کر انہیں بالکل گنجا کر دیتا۔ اور زمین پر ڈال کر قہقہے لگاتا تھا اس کے قہقہوں میں ایک وحشت ہوتی تھی۔ کیتھرائن نے اسے سب سے بڑا سبق یہ سکھایا تھا کہ یہاں ہونے والی کوئی بات پرانی حویلی جا کر نہ بتائے جائے۔ اس کا خاص طور سے خیال رکھا جائے۔ اور علی خیر شاہ چچی کے زیر سایہ بہترین تربیت حاصل کر رہا تھا۔ اس کے لیے دوستوں کا انتخاب بھی کیا گیا تھا۔ قربان نے ایسے کئی گھرانوں سے رابطہ قائم کیا تھا جن کے بچے علی خیر شاہ کے ساتھ کھیلتے تھے۔ چھوٹے بچوں کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اور انہیں حاصل کر لیا جاتا۔ آبادیوں میں بہت سے معزز لوگ رہا کرتے تھے۔ ان سے غازی شاہ کے رابطے تھے کئی بار کچھ بزرگوں نے غازی شاہ سے کہا کہ کیتھرائن کو چھوڑ دے تاکہ ماں اور بھائی سے تعلقات بحال ہو جائیں۔ ایسے لوگوں سے غازی شاہ نے ایک دو بار انتہائی تلخ لہجے میں کہا تھا۔

''بابا سائیں! آپ بزرگ ہو میرے میں نے آپ کے بازوؤں میں رہ کر صحت اور زندگی حاصل کی ہے۔ لیکن مجھے ایک بات بتاؤ۔ میں کبھی آپ کے گھر میں آ کر آپ سے یہ بولا کہ آپ اپنے گھر کا انداز ایسا اختیار کرو بابا سائیں جب میں یہ بات آپ کو نہیں بولا۔ تو آپ کو کیا حق ہے کہ میرے گھر آ کر میری بیوی کے خلاف مجھ سے بات کرو۔ دیکھو۔ بابا سائیں عزت اپنی جگہ ہوتی ہے لیکن اگر نگاہیں گھر کی چوکھٹ کو پار کرنے لگیں۔ تو پھر ان آنکھوں کو نکال دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور آپ جانتے ہو یہ کام میں آسانی سے کر سکتا ہوں۔ لوگوں نے غازی شاہ سے اس بارے میں کچھ کہنا چھوڑ دیا۔ بعد میں غازی شاہ اس طرح سے وقت گزارتا رہا جو زمین اس نے حاصل کی تھی اس سے اس نے بے حد خوبصورت بنا دیا تھا۔ اور علی گوٹھ کے نواح میں یہ عظیم الشان باغ دیکھنے کی حیثیت رکھتا تھا۔ غازی شاہ نے یہاں اپنی ذہانت کو استعمال کیا تھا۔ سندھ کے قرب و جوار کے گرم ترین علاقے اور بنجر زمینیں اپنا ایک مزاج ایک موسم کر رکھتی تھی لیکن اگر کوئی بھولا بھٹکا راستہ گزار کر اس طرف آ نکلتا تو دیکھنے والے یہ دیکھتے کہ یہ علاقہ سندھ کے دوسروں علاقوں سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ یہ غازی شاہ کا اپنا عمل تھا اور مکرم شاہ نے بھی کئی بار دیکھا تھا ایک دن مکرم شاہ غازی شاہ کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا اور اس نے اس باغ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کاش غازی شاہ وہی ہوتا جو میں چاہتا تھا۔'' غازی شاہ کے چہرے پر طنزیہ نقوش پھیل گئے اس نے مکرم شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔''

''ہاں بڑے سائیں آپ ٹھیک کہتے ہو۔ انسان کی ازلی خواہش رہی ہے کہ وہ

انسانوں پر حکمرانی کرے۔ آپ بھی انسان ہی ہو۔ آپ مجھے وہ گدھا بنانا چاہتے تھے جو آپ کے اشاروں پر چلتا۔'' مکرم شاہ نے چونک کر بھائی کو دیکھا پھر بولا۔

''یہ بات نہیں غازی شاہ اب تو تیری ہر سوچ نیگیٹو ہو چکی ہے میں اگر تجھ سے محبت سے بھی بات کروں تو تو اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔''

''بڑے سائیں آپ نے ٹوٹے ہوئے دل بھی نہیں دیکھے ہوں گے۔ میں نے بھی نہیں دیکھے لیکن سائیں کچھ کرچیاں میرے اندر چھبتی ہیں۔ وہ کرچیاں میرے ٹوٹے ہوئے دل کی ہیں اور جب یہ کرچیاں میرے اندر چھبتی ہیں تو میری زبان خراب ہو جاتی ہے۔ معافی چاہتا ہوں سائیں۔ معافی چاہتا ہوں۔''

''میرا مطلب کچھ اور تھا غازی شاہ! میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ جس طرح تم نے یہ باغ لگایا ہے اور جس طرح تم نے اردگرد کے ماحول کو حسین کر دیا ہے۔ میں یہی تو سب کچھ چاہتا تھا علی خیر محمد گوٹھ کے آس پاس کے علاقوں میں کہ تم انہیں گلزار بنا دو۔ وہ تعلیم حاصل کر کے آؤ جو ہمارے ان علاقوں کی تاریخ بدل دے۔''

''تعلیم تو میں وہی حاصل کر کے آیا تھا سائیں مگر تاریخ آپ نے بدل دی۔'' غازی شاہ بدستور تلخی سے بولا۔ مکرم شاہ کو غصہ آنے لگا اب تک بڑی محبت سے کام لیتا رہا تھا وہ لیکن غازی شاہ کا ہر لفظ اسے مجرم ثابت کرنے پر تل گیا تھا۔

''تاریخ بدلنا ضروری تھی۔ کیونکہ تم نے علی خیر محمد گوٹھ اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا۔ تم ایک وڈیرے کے بیٹے تھے۔ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ورنہ بتاؤ یہاں اور کس نے وہ عمل کیا ہے جو تم نے کیا۔''

''سائیں! میں نے کوئی برا عمل نہیں کیا۔ شادی تو زندگی کا ایک فریضہ ہوتی ہے میں کسی لڑکی کو انگلینڈ سے اٹھا کر نہیں لایا۔''

''بیوی بنا کر لائے نا۔''

''ہاں۔ سائیں۔ بیوی بنا کر لایا۔''

''تمہیں پتا ہے کہ علی خیر محمد گوٹھ کی تاریخ میں انگریزوں کا اس سرزمین پر قدم رکھنا نہیں ہے۔''

''وہ تاریخ پرانی ہو چکی ہے بڑے سائیں اب نئی تاریخ جنم لے رہی ہے ایک میں ہی نہیں ذرا ملک بھر کا سروے کرو۔ لاکھوں افراد نے غیر ملکی عورتوں سے شادیاں کی ہیں۔ سائیں! میں اکیلا تو نہیں ہوں۔''

''وہ لاکھوں افراد علی خیر محمد گوٹھ میں نہیں رہتے سمجھے۔ میں تم سے تلخ باتیں نہیں کرنا چاہتا غازی شاہ تم دیکھ لو۔ سوچ لو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم آس پاس کی اور زمینوں کو بھی اپنی محنت سے ایسا ہی بناؤ۔ جیسا تم نے یہ باغ بنایا ہے۔''

''میری دنیا محدود ہے۔ میں نے بہت سی چیزوں کا صبر کیا ہے بڑے سائیں۔ میرے صبر کو اور نہ آزماؤ۔''

''دیوانے ہو تم دیوانے۔ میں تمہیں پیشکش کرتا ہوں کہ ہماری زمینیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے جو کچھ پسند کرو اپنے نام کرا لو۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے لیکن تم ایسا کر سکتے ہو باقی تمہاری مرضی ہے یہ تو میں نے اپنی محبت سے بات کہی تھی تمہارا جو دل چاہے کرو میں بھلا کون ہوتا ہوں تمہیں مجبور کرنے والا۔ اور آئندہ بھی اس بات کا خیال رکھوں گا کہ دل کی کوئی بات تم سے نہ کہوں خوشی ہو تو اپنے سینے میں دبا لوں غم ہو تو اپنی ذات میں اتار لوں تم تو ہر وقت میری توہین کرنے پر تلے رہتے ہو۔''

''مکرم شاہ یہ کہہ کر غصے سے قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا غازی شاہ خاموش کھڑا ایک دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ کیتھرائن پیچھے سے نمودار ہوگئی۔ اس نے تالیاں بجاتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔ اور غازی شاہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''واہ چھوٹے سائیں واہ کبھی کبھی تو دل اس طرح خوش کر دیتے ہو کہ اپنے سارے دکھ بھول جاتی ہوں۔'' غازی شاہ کیتھرائن کو دیکھنے لگا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں کیا کروں انہوں نے بات ہی ایسی کہی تھی۔''

''بڑی اچھی بات کہی تھی انہوں نے۔ میں اسی کے بارے میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ آؤ بیٹھو۔'' کیتھرائن نے کہا اور غازی شاہ کو لے ایک سمت بیٹھ گئی۔

''بڑے سائیں کہتے ہیں کہ جو زمین تمہیں پسند ہو وہ تم لے لو اور فوراً وہ زمین لے لو یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ تمہیں زمینوں کے بٹوارے کی بات نہیں کرنی پڑی۔''

''مگر کیتھرائن پہلے تو تم نے مجھے اس کے لیے منع کیا تھا۔''

''وقت کی بات سمجھا کرو چھوٹے سائیں وقت کی بات سمجھا کرو جب میں نے منع کیا تھا اس وقت بات اور تھی اگر فوراً ہی تم زمینوں کے بٹوارے کی بات کر لیتے تو دنیا آسانی سے یہ الزام لگا دیتی کہ میں نے تمہیں اس کے لیے آمادہ کیا ہے۔ لیکن سائیں ایک بات میں جانتی تھی کہ ایک دن یہ بات بڑے سائیں ضرور کہیں گے۔ چاہے تمہارا دل رکھنے کے لیے کیوں نہ کہیں بس وہیں سے اس بات کو پکڑ لینا۔ تاکہ دنیا کے سامنے یہی آئے۔ کہ بڑے سائیں نے تمہیں

خود پیشکش کی تھی۔ سائیں سمجھا کرو۔ تھوڑی سی نرمی پیدا کرو اپنے اندر اور بڑے سائیں سے خود بات کرو اور ان کو بولو کہ وہ کون کون سی زمینیں تمہیں دینا چاہتے ہیں۔ پھر لاڈ سے ان سے یہ بات کہہ دینا کہ بڑے سائیں یہ زمینیں میرے نام کردو تو میں ان پر کام شروع کروں۔ کون جانے کل تم کیتھرائن کے چکر میں پڑ کر مجھے میری نبی بنائی زمینوں سے محروم کردو۔'' غازی شاہ گہری نگاہوں سے کیتھرائن کا جائزہ لیتا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

شرجیلہ کے سینے میں دکھ کی لہریں اٹھتی تھیں جب وہ غازی شاہ سے اپنی دوری کو محسوس کرتی تھی۔ جب وہ انگلینڈ میں تھا تو اکثر شرجیلہ مکرم شاہ کو برا بھلا کہتی رہتی تھی۔ اور کہتی تھی کہ مکرم شاہ نے اس کے آنکھوں کے نور کو اس سے جدا کردیا۔ غازی شاہ کی واپسی کی خبر اس کے لیے اسقدر خوشی کا باعث تھی کہ جس دن اسے یہ اطلاع ملی وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی لیکن دوسری اطلاع نے اس کا سکون غارت کردیا تھا۔ اور ساری خوشی مٹی میں مل گئی تھی۔ بہر حال لمحہ لمحہ وہ غازی شاہ کو یاد کرتی تھی۔ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن علی خیر محمد گوٹھ کی جو تاریخ تھی۔ اس کا شوہر اس کا سسر اور اس کے ماضی قدیم کے تمام عزیز واقارب جن کے گھروں میں ان کے تمغے آویزاں تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ہمیشہ انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔ اور انگریزوں کے جانے کے بعد اب یہی ہتھیار ان کی شاخت بن گئے تھے وہ سب سے پہلے اپنے وطن کی وفادار تھی اپنی روایات کی وفادار تھی اپنے بزرگوں سے وفادار تھی اس کے بعد اس کی ذات شروع ہوتی تھی بہر حال اس نے کیتھرائن کو اولاد سے محروم کردیا تھا۔ یہ احساس اس کے دل میں تھا۔ خاص طور پر اس لیے وہ علی خیر شاہ کو وہاں جانے اور وہاں پلنے سے نہیں روکتی تھی ویسے اس دوران افریشم کے ہاں دو بیٹیاں بھی پیدا ہوچکی تھیں اور علی خیر شاہ کی غیر موجودگی کی کسر انہوں نے پوری کردی تھی۔ لیکن علی خیر شاہ بھی کبھی کبھی آجاتا تھا مکرم شاہ اسے لے کر آتا تھا کیونکہ افریشم کی فرمائش ہوتی تھی اور شرجیلہ کی بھی وہ کہتی تھی۔

''مکرم شاہ اللہ تجھے ایک بیٹا اور دے دے تو کسر پوری ہوجائے ویسے علی خیر شاہ ہم سے زیادہ دور نہیں رہنے لگا ہے۔''

''بیگم سائیں غازی شاہ بھی تو ہم سے زیادہ دور رہ گیا ہے۔ وہ بھی ہمارا تو بیٹا ہی ہے۔ اللہ سائیں نے اس کو اولاد سے نہیں نوازا وہ دونوں اس سے جتنی محبت کرتے ہیں میری ہمت نہیں پڑتی کہ کبھی ان سے یہ بھی کہوں افریشم علی خیر کو یاد کررہی ہے۔''

''ہاں یہ تو ٹھیک ہے پر بس ایک خیال دل کو ڈراتا رہتا ہے وہ کیا خیال ہے بیگم

سائیں!''

''کیتھرائن کی تربیت پتا نہیں کیسی ہے۔''

''ابھی وہ بہت چھوٹا ہے بیگم سائیں آپ بے فکر رہو اس کی طرف سے وہ لوگ اسے بہت چاہتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ کیتھرائن خود کتابیں خرید کر لاتی ہے کراچی جاکر اور علی خیر شاہ کو پڑھاتی رہتی ہے شرجیلہ گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی تھی اس سے زیادہ وہ خود بھی غازی شاہ کی مخالفت نہیں کرسکتی تھی۔ لیکن اس دن اس نے جو کچھ دیکھا وہ بڑا سنسنی خیز تھا۔

علی خیر شاہ اب حویلی میں جگہ جگہ کھیلتا رہتا تھا اور اس کے اپنے مشاغل شرجیلہ کے علم میں کبھی نہیں آئے تھے لیکن اس دن شرجیلہ نے جو منظر دیکھا اس نے ششدر کردیا۔ ایک بلی کا بچہ کہیں سے اندر آگیا تھا۔ اس وقت علی خیر شاہ ایک پرندے کو انگلی سے ادھر ادھر کررہا تھا۔ اس پرندے کے سارے پر نچے ہوئے تھے۔ اور وہ لنگڑا لنگڑا کر قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ کہ بلی کے بچے نے اس پر چھلانگ لگائی اور اسے دانتوں میں دبوچ کر دروازے کی جانب بھاگی۔ شرجیلہ یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ علی خیر دیوانہ وار اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے جھپٹا مار کر بلی کے بچے کو پکڑ لیا پرندہ بلی کے بچے کے منہ میں تھا اس نے اسے چھیننے کی کوشش کی لیکن نیم مردہ پرندہ اس کے منہ سے نہیں نکلا۔ تو علی خیر نے بلی کے بچے کی پچھلی دونوں ٹانگیں پکڑیں۔ اور بے پناہ قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے درمیان سے چیر دیا۔ بلی کے بچے کے حلق سے ایک مرتی ہوئی چیخ نکلی اور اس کے دونوں پاؤں لمبے ہوگئے۔۔ خون بھل بھل کر کے بہنے لگا تو علی خیر نے اپنا پاؤں اٹھا کر مرتے ہوئے بلی کے بچے کے منہ پر زور سے مارا اور اسے رگڑ کر پھینک دیا جس قدر بے دردی اور درندگی اس کے انداز میں تھی اس نے شرجیلہ کا سانس روک دیا تھا اتنا سا بچہ اس قدر بے رحم دلیری اپنی جگہ لیکن اس بے رحمی کا کوئی دوسرا انداز نہیں مل سکتا تھا۔ یہ ایک انتہائی خوف ناک صورتحال تھی۔ شرجیلہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر رہ گئی تھی۔ پھر اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''یہ تو نے کیا کیا؟ علی خیر!''

''دادی سائیں میں نے تو یہ نیک کام کیا ہے ثواب کا کام ہے یہ اس نے مظلوم اور بے گناہ پرندے کو اپنے منہ میں دبا کر ہلاک کیا میں نے اس کا بدلہ لے لیا۔ اسے کیا حق تھا دادی سائیں! کہ وہ اس مظلوم پرندے کو زندگی سے دور کردیتی۔ میں نے اس سے زندگی چھین لی۔ شرجیلہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے علی خیر کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''یہ باتیں تجھے کس نے سکھائیں۔علی خیر! کتنی بڑی باتیں کر رہا ہے تو اپنی عمر سے۔''

''آسمان سے ایک فرشتہ اترتا ہے۔اور وہ مجھے بتاتا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے تم مجھے پاگل سمجھتی ہو۔ واوی سائیں! ارے بابا میں نے تم سے کہا کہ بلی نے پرندے کو نقصان پہنچایا پرندہ میری ملکیت تھا۔ایک طرف تو میں نے اپنی ملکیت کی حفاظت کی اور دوسری طرف میں نے اسے اس کی برائی کا نتیجہ دیا بس یہ کہہ کر علی خیر باہر کی جانب چل پڑا تھا۔اور شرجیلہ دہشت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

عید آئی تھی گھر میں وہ خوشیاں نظر نہیں آتی تھیں جو غازی شاہ کے آنے سے پہلے ایسے تہواروں کے موقع پر یہاں نظر آتی تھیں۔ غازی شاہ کی آمد کا انتظار ہوتا تھا اسے یاد کیا جاتا تھا آرزوئیں کی جاتی تھیں کہ غازی شاہ آجائے گا تو عید ایسے منائی جائے گی ویسے منائی جائے گی افریشم بہت اچھی عورت تھی۔ ہر شخص کے جذبات کا اسے خیال تھا اچھی طرح محسوس کر لیا تھا اس نے کہ علی خیر شاہ اپنی فطرت میں بالکل الگ ہوتا جا رہا تھا اس کے اندر ایک انوکھی سرکشی پروان چڑھ رہی تھی کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بے دردی سے ہر چیز کو استعمال کرتا تھا۔ فطرت میں بے پناہ درندگی پیدا ہوتی جا رہی تھی اور یہ تمام چیزیں احساس دلاتی تھیں کہ وہ انتہائی شدت پسند ہوتا جا رہا ہے لیکن پہلے دہی وہ علی خیر شاہ کو کیتھرائن کے حوالے کر چکی تھی غازی شاہ کو بھائی کی طرح چاہتی تھی اور اسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ غازی شاہ کے ہاں اولاد نہیں ہوئی ہے اور دونوں میاں بیوی علی خیر شاہ کو اپنی اولاد کی طرح چاہتے ہیں اس احساس نے اسے بہت نرم کر دیا تھا اور وہ اپنے طور پر بہت مختلف تھی۔ بہرحال اس وقت بھی اس نے مکرم شاہ سے کہا۔

''سائیں، آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں بولو بابا کیا بات ہے۔ کچھ طبیعت خراب ہے کیا۔ اب تو ڈر ہی لگا رہتا ہے تمہاری طرف سے۔''

''کیسا ڈر سائیں۔'' افریشم نے معصومیت سے پوچھا۔

''ابھی یہ نہ کہہ دو کہ سائیں، مجھے لیڈی ڈاکٹر کو دکھا دو۔'' افریشم کے چہرے پر شرم کے تاثرات پھیل گئے۔ کہنے لگی۔

''آپ تو مذاق کرتے ہو۔''

''نہیں بابا، میرا مذاق ذرا الگ ہوتا ہے اور تمہارا مذاق کسی نہ کسی بچے کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔''

"سائیں میں آپ کو کیا کہوں۔"

"برا مت ماننا میری بات کا بولو کیا کہہ رہی ہو۔"

"وہ۔عید آنے والی ہے۔ابھی میرے کو ایک کبھی کبھی بہت بڑا احساس ہوتا ہے۔"

"کیا؟"

"غازی شاہ آپ کا بھائی ہے سائیں۔پر اللہ کو سچ مان کر بولتی ہوں۔کسی بھی طرح میں اسے آپ سے کم نہیں چاہتی یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کے دل میں بھی اس کا پیار ہے۔سائیں، کوشش کرو۔بیگم سائیں اسے معاف کر دیں اگر بیگم سائیں اسے معاف کر دیتی ہیں تو سارے کام بن جاتے ہیں۔"

"میں کیا بتاؤں تمہارے کو افریشم، میں تو بھرپور کوشش کرتا رہتا ہوں کہ بیگم سائیں کے دل سے غازی شاہ کے لیے غصہ دور ہو جائے، پر بات وہیں آ جاتی ہے۔کیتھرائن بیگم سائیں کو کبھی قبول نہ ہوگی ہاں اگر غازی شاہ اسے چھوڑ دے یا اسے لندن پہنچا دے تو بات بن سکتی ہے۔"

"ایسا مشکل سے ہو سکتا ہے سائیں کیونکہ غازی شاہ بھی اسے بہت زیادہ چاہتا ہے۔"

"بس یہ ہی تو پریشانی ہے۔ہم غازی شاہ کی چاہتوں کو بھی نہیں روک سکتے۔"

"بیگم سائیں کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی جائے میں اور آپ چلتے ہیں۔"

"اگر تم سمجھتی ہو تو ضرور چلو۔"

"افطار کا وقت گزر چکا تھا۔عشاء بھی پڑھی جا چکی تھی جس وقت یہ دونوں شرجیلہ کے پاس پہنچے شرجیلہ نماز سے فارغ ہو کر تسبیح پڑھ رہی تھی۔دونوں کو دیکھ کر تسبیح کے دانوں پر پھونک ماری اسے ایک طرف رکھا کھڑے ہو کر پہلے افریشم کی پیشانی چومی پھر مکرم شاہ کی اور کہنے لگی۔

"بیٹھو۔جب تم دونوں اس طرح آتے ہو تو مجسم سوال بن جاتے ہو اور میں ایک لمحے میں سمجھ جاتی ہوں کہ تمہیں کچھ کہنا ہے کہو کیا بات ہے۔"

"بیگم سائیں، رمضان کا متبرک مہینہ ہے ایک درخواست لے کر آئے ہیں آپ کے پاس۔"

"ارے ارے میرے پیارے بچو! یہ تو تمہاری محبت اور تمہاری بڑائی ہے کہ اب بھی تم ایک بوڑھی اور بیکار عورت کو اتنی عزت دے لیتے ہو اس کے جواب میں یہ ہی کہوں گی کہ

اللہ سائیں جسے جو کچھ دیتا ہے وہ دوسرے کو وہی کچھ دے سکتا ہے تم خود عزت دار ہو۔عزت کا مطلب جانتے ہو اس لیے میری عزت کرتے ہو۔"

"ہم اپنے بدن میں آخری سانس تک آپ کا احترام کرتے رہیں گے بیگم سائیں۔آپ ہماری ماں ہو، ماں چاہے راجہ کی ہو یا فقیر کی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے کوئی فرق نہیں ہوتا اس میں آپ نے بھی ہمارے لیے زندگی تلاش کی ہے ہم آپ سے محبت کیوں نہیں کریں گے۔"

"اللہ سائیں تمہیں خوش رکھے میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہوں مگر وہ درخواست والی بات کیا ہے۔"

"بیگم سائیں، تہوار آتے ہیں۔خوشیاں منائی جاتی ہے پہلے جب عید بقرعید آتی تھی تو ہم لوگ باتیں کرتے تھے کہ غازی شاہ جب واپس آ جائے گا تو اس طرح اس کی شادی کریں گے، اس طرح عید منائیں گے، ایسے رہیں گے، ایسے گھر میں ہنگامے ہوں گے وہ آ چکا ہے لیکن ہم نے اسے بھلا دیا ہے ہم اسے بھولے بیٹھے ہیں بیگم سائیں۔"

"اس نے بھی تو ہمیں بھلا دیا تھا ہم تو جوابی کارروائی کر رہے ہیں۔ابھی تم نے خود کہا کہ ہم یہ کہتے تھے کہ جب غازی شاہ آئے گا تو ہم اس کی شادی کریں گے، یہ کریں گے، وہ کریں گے لیکن غازی شاہ اپنی شادی کرتے وقت ہمیں بھول گیا تھا یہ بھلا دیا تھا اس نے کہ جب ہمیں اس کی شادی کے بارے میں معلوم ہوگا تو ہم کتنا دکھ محسوس کریں گے۔ہم یہ سوچیں گے کہ جو کام ہمارے کرنے کا تھا وہ ہمیں نہیں کرنے دیا گیا۔غازی شاہ نے خود شادی کر لی ہم اس کی شادی میں شریک تک نہیں ہوئے حالانکہ وہ ہمارے جگر کا ٹکڑا تھا ہمارے خون کا قطرہ تھا جب وہ ہم سے اتنا دور ہٹ گیا تو مجھے بتاؤ میں کیا کروں بابا مکرم شاہ میرے کو بولو مجھے کیا کرنا چاہیے میں کیسے صبر کر لوں اس بات کو۔"

"بیگم سائیں، بہت عرصہ ہو گیا اب تو کتنے سال بیت گئے ہمارا علی خیر شاہ بھی بڑا ہو گیا ہے اب تو اسے معاف کر دو۔"

"کیسے معاف کر دوں۔وہ انگریز عورت ہے اور انگریز، انگریز نے ہمیشہ بغل میں چھری ماری ہے۔پیچھے سے وار کیا ہے بغلی گھونسہ ہے وہ، کیا اسے قبول کر لوں۔تسلیم کر لوں اسے۔علی خیر محمد شاہ گوٹھ میں بڑی قربانیاں دی گئی ہیں انگریزوں کے خلاف۔جنگ آزادی میں اگر تم علی خیر شاہ گوٹھ کی تاریخ دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ ہمارے ہاں کتنے شہید دفن ہیں۔جب ایک انگریز عورت ان قبرستانوں کی حکمران بنے گی۔جن میں جنگ آزادی کے شہید دفن ہیں تو کیا ان کی روحیں تڑپ نہیں اٹھیں گی کیا وہ ہمارے اس گناہ کو معاف کر دیں گے بتاؤ

میرے کو بولو معاف کرو دو گے تم کیتھرائن کو۔"

"بیگم سائیں، بہت پرانی بات ہے انگریزوں کو مار مار کر بھگا دیا گیا اور اب انگریز اپنی اوقات میں نہیں بیگم سائیں اتنے سال ہو گئے اسے آئے ہوئے ابھی تک اس نے کوئی نقصان والی بات نہیں کی آپ اسے تھوڑا سا موقع دے کر تو دیکھو۔"

"نہیں بالکل نہیں، حاکم شاہ کو کیا جواب دوں گی میں اپنے آباؤ اجداد کی روحوں کو کیا جواب دوں گی۔ افریشم بہت محبت ہے مجھے تم سے ہر بات مانتی ہوں تمہاری۔۔ پر میری بیٹی ایسی کوئی بات میں نہیں مان سکوں گی۔"

"بیگم سائیں، ہمارا زیادہ خیال غازی شاہ کی طرف ہے۔ غازی شاہ ہمارا اپنا ہے بڑا دکھی ہوگا وہ۔ الگ تھلگ عید منائے گا الگ نماز پڑھنے جائے گا وہ۔"

"نہیں ایسا نہ کرو اگر تم پہلے ایسا کرتے رہے ہو تو ایسا نہ کرو اسے اپنے ساتھ شامل کرو۔"

"کیسے ہوگا وہ آپ کو سلام کرنے نہیں آئے گا تو یہ کیسے ہوگا۔"

"ابھی اتنے دن ہیں جاؤ چلی جاؤ اس کے پاس میں نے منع تو نہیں کیا۔ مکرم شاہ تم بھی چلے جاؤ کوئی بات نہیں ہے۔ بیٹا تو ہے نا وہ میرا بات کرو اس سے گلے ملو اس کے ساتھ پر جہاں تک کیتھرائن کا تعلق ہے میرے پاس اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ میرے پاس ایک اور خبر ہے تمہارے لیے کئی دن سوچ رہی تھی کہ تم سے اس موضوع پر بات کروں پر ہمت نہیں پڑتی تھی۔"

"بیگم سائیں کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ ہم سے بات کرنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی آپ کو، ہم تو آپ کے قدموں کی خاک ہیں بیگم سائیں کیا بات ہے بتاؤ ہمیں۔"

"دیکھو چند روز پہلے کی بات ہے میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا علی خیر شاہ نے کچھ پرندے پالے ہوئے ہیں ایک بلی نے ان میں سے ایک پرندے کو پکڑ لیا اور اسے مار ڈالا علی خیر شاہ نے بلی کے دونوں پاؤں پکڑے اور طاقت لگا کر اسے درمیان سے چیر دیا اس کے انداز میں بڑی بے رحمی تھی۔ میں نے اس سے اس بارے میں بات کی تو اس نے بڑی بے خوفی سے مجھ سے کہا کہ بلی کا یہ ہی انجام ہونا چاہیے تھا بڑی عجیب بات کہی اس نے جو اس کی عمر کے بچے نہیں کر سکتے یہ بات بتا کر میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ علی خیر شاہ کی تربیت غلط ہو رہی ہے صبح سے شام تک وہ ان لوگوں کے ساتھ رہتا ہے وہ لوگ جو کچھ اسے سکھائیں گے وہ وہی سیکھے گا اس کی تربیت غلط ہو رہی ہے اور اگر تم میری بات مانو تو میں اسے

بھی کیتھرائن کی سازش ہی کہتی ہوں وہ ہمارے خون سے اتنی محبت نہیں کر سکتی جتنی نفرت کر سکتی ہے ہمارے بچے کو بگاڑ رہی ہے وہ۔"

"شرجیلہ کی بات پر مکرم شاہ نے گردن جھکا لی۔ ماں کو کوئی جواب نہیں دے سکا تھا لیکن دل سے اس نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا تھا اسے وہ لمحات یاد تھے جب علی خیر شاہ پیدا ہوا تھا اور دونوں میاں بیوی الگ تھلگ اس کی پیدائش کی خوشیاں منا رہے تھے۔

"بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں مکرم شاہ اور افریشم کو یہ بات لمحوں میں محسوس ہوگئی کہ کم از کم شرجیلہ کے دل میں کیتھرائن کے لیے کوئی نرمی نہیں پیدا ہو سکتی تاہم افریشم نے کہا۔

"بیگم سائیں، اگر آپ حکم کرو تو میں ان دونوں کو جوڑا دے دوں ہم نے ابھی تک ان کو عید کا جوڑا نہیں دیا۔"

"اس سے میں نے تمہیں کبھی منع نہیں کیا یہ کام جب تمہارا دل چاہے تم کر سکتی ہو۔"

"شکریہ......بیگم سائیں۔"

"دونوں واپس آ گئے مکرم شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے افریشم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا سوچ رہے ہیں۔ بڑے سائیں۔"

"بات اصل میں یہ ہے افریشم؟ کہ بیگم سائیں میری ماں ہیں ان کا احترام ہم پر فرض ہے ان کے لیے ہم بڑے سے بڑا نقصان اٹھا سکتے ہیں۔ غازی شاہ میرا بھائی ہے اور میں اسے اس لیے نہیں چاہتا کہ وہ بیگم سائیں کا بیٹا ہے بلکہ اس لیے چاہتا ہوں کہ اس کی رگوں میں میرا بھی خون ہے میں جب بھی اسے دیکھتا ہوں مجھے اس کا بچپن یاد آ جاتا ہے۔ بہت پرانی بات ہے مجھ سے ہی ناز نخرے کیا کرتا تھا اور میں اس کی ہر خوشی ہر فرمائش پوری کرتا تھا اپنی مرضی کے خلاف اس کی خوشیوں میں شریک ہو جاتا تھا لیکن اب وہ اتنا دور ہو گیا ہے مجھ سے کہ عید کے دن میرے گلے بھی نہیں لگتا بیگم سائیں بہت سخت ہو گئی ہیں بات غلط کی ہے اس نے علی خیر محمد شاہ گوٹھ کی تاریخ کو مٹی میں ملا دیا ہے لیکن غلطی تو انسان ہی کرتا ہے میں تو اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیتھرائن کو انگلینڈ بھیج دے۔" مکرم شاہ خاموش ہوا تو افریشم کے جلدی سے کہا۔

"یہ تو سائیں آپ نے منہ کی بات چھین لی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیتھرائن انگلینڈ جا کر رہے بے شک غازی شاہ اسے طلاق نہ دے اسے نہ چھوڑے لیکن غازی شاہ ادھر رہے

اسے خرچہ دیتا ہے۔''

''غازی شاہ بھی انتہا پسند ہوگیا ہے وہ ہمیں بھی ان معاملات میں برابر کا شریک سمجھتا ہے ڈور بڑی الجھی ہوئی ہے غور کرو تو دل دکھتا ہے اور پھر خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے خیر بیگم سائیں نے تمہیں جوڑے لے جانے کی اجازت دے دی ہے اعلیٰ درجے کے سات جوڑے اس کے لیے اور سات جوڑے غازی شاہ کے لیے بناؤ جتنی جلدی ممکن ہو سکے عید میں زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے سائیں یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے میں کرلوں گی۔'' افریشم نے تیاریاں کرلیں خود مکرم شاہ اس کے ساتھ غازی شاہ کے پاس پہنچا تھا اسے خود بھی اپنی تنہائی کا احساس تھا اور کبھی کبھی دل سخت دکھنے لگتا تھا کہ ماں اور بھائی سے اتنی دوری ہے لیکن قصور انہی کا پاتا تھا اس کے دل میں آج تک یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کیتھرائن سے شادی کر کے اس نے کوئی غلطی کی ہے۔ بہرحال سوچ تھی اپنی اپنی اور پھر کیتھرائن ایسی ساحرہ تھی کہ اس نے غازی شاہ کو کبھی اپنے انداز میں سوچنے ہی نہیں دیا تھا مکرم شاہ اور افریشم اپنی ایک بچی کے ساتھ جو سب سے چھوٹی تھی جب گاڑی سے اترے تو کیتھرائن نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''ایک بات ہے غازی شاہ۔''

''غازی شاہ نے سوالیہ نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

''بڑے سائیں تم سے زیادہ چالاک ہیں انہوں نے ہم سے تعلقات بحال رکھے ہیں اور وقفے وقفے سے یہ ظاہر کرتے رہتے ہیں کہ ان کی محبت ہمارے لیے ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے حالات کو بھی جانتے رہنا چاہتے ہیں۔''

غازی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا نہ ہی اٹھ کر بڑے بھائی کا استقبال کیا۔ البتہ کیتھرائن اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی اور اس نے بڑے خلوص سے مسکراتے ہوئے افریشم کو خوش آمدید کہا تھا وہ افریشم کے گلے ملی تھی لیکن غازی شاہ جو کیتھرائن کے تمام تر داؤ پیچ کے باوجود دلبرداشتہ رہتا تھا اور اس احساس کا شکار کہ بہرحال وہ اپنے ہی گھر میں اجنبی ہے مکرم شاہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہاتھ بھی نہیں ملاؤ گے غازی شاہ۔''

''آپ میرے کو شرمندہ نہ کیا کرو بڑے سائیں میں سچ مچ آپ سے ہاتھ نہیں ملانا چاہتا کیونکہ ہم دوست نہیں بھائی ہیں سارے رشتے کچے دھاگوں کو توڑ دو لیکن وہ ایک رشتہ جو

ماں کے پیٹ میں قائم ہوتا ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔''

''پاگل میں تو کوئی رشتہ نہیں توڑنا چاہتا تجھ سے پر میں کیا کروں تو نے ہی سارے رشتے توڑ دیئے ہیں۔''

''ہاں، رشتہ قائم ہو سکتا ہے بڑے آرام سے رشتہ قائم ہو سکتا ہے اگر میں کیتھرائن کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دوں ایک ایسا عمل جو میں نے باپ دادا کے راستے پر چلتے ہوئے کیا ہے اسے ختم کروں آپ سب خوش ہو جاؤ گے نہیں سائیں نہیں ہر انسان کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ جب ہم ایک چھوٹے سے بچے ہوتے ہیں تو اپنے بڑوں کا ہر جائز ناجائز کہنا مانتے ہیں بڑے کہتے ہیں یہ کرو ہم وہ کر لیتے ہیں کبھی کبھی بڑوں کو احساس ہوتا ہے جو کچھ انہوں نے کہا تھا غلط کہا تھا لیکن بات کسی بچے کی ہوتی ہے اس سے نہ معذرت کی جاتی ہے اور نہ کوئی اور ہدایت کی جاتی ہے بس بڑوں نے جو کہا مان لیا گیا لیکن جب یہ بچے بڑے ہو جاتے ہیں سائیں تو پھر ضرور سوچنا چاہیے آپ لوگوں نے جو میرے ساتھ سلوک کیا اور کیتھرائن کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے یا جو کیا جا چکا ہے سائیں، آپ آپ نہیں جانتے ہو آپ نہیں جانتے ہو۔''

''تیری ساری شکایتیں بجا ہیں پر مجھے بتا میں کیا کروں۔ کیا کرنا چاہیے مجھے۔''

''سائیں، اولاد والے ہو انصاف سے سوچ سکتے ہو کل تمہاری اولاد بھی تم سے یہ سوال کرے گی یا کوئی عمل کرے گی جس پر تمہیں معمولی سا اختلاف ہو تو تم اس اختلاف کو آسمان تک نہیں لے جاؤ گے کبھی نہیں لے جاؤ گے لیکن میرے لیے ایسا کیا گیا ہے میں اسے اپنی غلطی نہیں کہوں گا تمہارا اختلاف کہوں گا سائیں، برا مت ماننا کوئی بات مت کرو مجھ سے ادھر پڑا ہوا ہوں خاموشی سے پڑا رہنے دو۔ اگر یہاں گوارا نہیں کر سکتے تو میرے کو بولو ادھر کدھر اور چلا جاؤں پر سائیں اپنے کئے کو غلطی کبھی نہیں کہوں گا اس غلطی کی جو سزائیں مجھے دی گئی ہیں وہ میری اوقات سے کہیں زیادہ ہیں سائیں میرے قد سے بہت اونچی سزائیں ہیں وہ کبھی کبھی ان سزاؤں کا احساس مجھے باغی کرنے لگتا ہے۔''

''کیتھرائن نے فوراً ہی غازی شاہ سے کہا۔

''چھوٹے سائیں، بھائی آئے ہیں آپ کیا باتیں کرنے لگے آپ کو ان سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے۔ بیٹھیے بھائی۔''

''اسی وقت حویلی کے ملازم خوان سجائے اندر داخل ہوئے تو غازی شاہ ادھر دیکھنے لگا کیتھرائن نے حیرت سے کہا۔

''یہ کیا ہے؟ بھابی جی۔''

''بس عید کے جوڑے لائی ہوں تمہارے لیے۔''

''نہیں بھابی بیگم نہیں اللہ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے یہ رشتے تو ہم لوگ ختم کر چکے ہیں ایسی کوئی چیز ہمیں نہیں چاہیے۔ ہم معافی چاہتے ہیں آپ سے ہمیں احساس مت دلائیے کہ آپ لوگ ہمارے اپنے ہیں آپ نے ہمارے ساتھ صرف احسان کیا ہے صرف ایک احسان وہ یہ کہ علی خیر محمد شاہ کو ادھر آنے سے نہیں روکا خیر شاہ ہمارا جگر کا ٹکڑا ہے اگر آپ اسے بھی چھیننا چاہیں چھین سکتے ہو ہم رو پیٹ کر خاموش ہو جائیں گے پر بھابی سائیں یہ سب کچھ نہیں چلے گا اس میں محبت کی خوشبو ہے یہ خوشبو کے بغیر کوئی چیز اچھی نہیں لگتی آپ ہمارے کو معاف کر دو۔ بیگم سائیں سے پوچھو انہوں نے ہم سے کیا چھین لیا ہے۔''

''غازی شاہ کیوں جذباتی ہو رہے ہو جذبات میں کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نہ نکال بیٹھنا جو بعد میں واپس نہ آ سکے بزرگوں کا احترام بہر حال بڑی چیز ہوتا ہے سائیں ایسا نہ کرو۔''

''مگر یہ کپڑے میں نہیں لوں گا اتنے سال کے بعد کیوں خیال آیا کہ عید بھی آتی ہے اور عید پر کچھ لیا دیا بھی جاتا ہے۔ نہیں بڑے سائیں ایسا مت کرو میرے ساتھ میں گستاخی نہیں کرنا چاہتا مگر یہ ساری چیزیں واپس لے جاؤ۔''

''مکرم شاہ نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی پھر آہستہ سے بولا۔

''ٹھیک ہے افریشم چلو۔''

''بیٹھئے بڑے سائیں، کوئی چائے وغیرہ۔''

''مکرم شاہ نے پھیکی سی ہنسی ہنسی اور اس کے بعد واپسی کے لیے مڑ گیا۔ غازی شاہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

☆☆☆☆☆

مکرم شاہ اور افریشم کے جانے کے بعد کیتھرائن نے مسکراتی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور بولی۔

''چھوٹے سائیں آپ کے اندر ایک بڑی کمزوری ہے وہ یہ کہ آپ جذباتی ہو جاتے ہو اس وقت بھی دو بار آپ نے جذباتی ہو کر وہ راز کھولنے کی کوشش کی جو کسی قیمت پر نہیں کھولنا تھا۔''

''کیتھرائن میں تم پر مکمل اعتماد کرتا ہوں اور جہاں تک میری محبت کا تعلق ہے تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اس وقت اس کائنات میں تمہارے سوا کسی سے محبت نہیں کرتا

لیکن تمہاری بہت سی باتیں کبھی میری سمجھ میں نہیں آتیں تم ٹھیک کہتی ہو میں کبھی کبھی جذباتی ہو جاتا ہوں لیکن اس کی بھی کچھ وجہ ہے بابا، بہت سے رشتے ہیں میرے ادھر۔ مکرم شاہ میرا بھائی ہے بڑا بھائی وہ اتنا برا آدمی نہیں ہے یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں بھی اس بات کا اندازہ ہوگا۔''

''ہاں میں جانتی ہوں بڑے سائیں اچھے آدمی ہیں۔''

''اور میں اپنے غصے میں اسے بھی برا بھلا کہتا رہتا ہوں جب اس کے چہرے پر کرب کے آثار نظر آتے ہیں تو مجھے بھی افسوس ہوتا ہے مگر میری ماں جسے اب ماں کہتے ہوئے میرے کو شرم آتی ہے۔ بہت بڑی سازش کی ہے اس نے ہمارے خلاف بہت برا سلوک کیا ہے۔ میرا اماں نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے بھائی کو نہیں معلوم۔ ایک بار اسے بتانے دو مجھے ایک بار تو اسے بتانے دو کیا سمجھیں۔''

''نہیں سائیں نہیں۔ بات یہ ہے کہ تم معصوم آدمی ہو کھیل ہم نے ختم تو نہیں کیا کر دیا بیگم سائیں نے ہمارے خلاف جو کچھ بھی کیا ہے وہ بے شک ایک بھرپور داؤ ہے اور ہم پر ظلم کیا ہے۔ انہوں نے مگر ہم نے شکست نہیں مان لی انہوں نے اپنے دماغ سے کام لے کر مجھے ختم کرنے کی کوشش کی میری زندگی چھین لی وہ اس میں تو کامیاب نہیں ہو سکیں لیکن انہوں نے مجھ سے میری عورت چھین لی مجھ سے ماں بننے کا سہارا چھین لیا۔ چھوٹے سائیں کسی عورت سے ماں بننے کا حق چھین لیا جائے تو وہ عورت نہیں ناگن بن جاتی ہے وہ ایک ایک کو ڈس لیتی ہے۔ میں نے ایسا نہیں کیا اس لیے کہ یہ تمہارا گھر ہے میرے غازی شاہ کا۔ سائیں مگر انسان تو ہوں نا انتقام کے جذبے میرے دل میں بھی پلتے ہیں بہت سے دکھ میں نے بھی اپنے آپ پر جھیل رکھے ہیں سائیں میری بات سنو ایک منصوبہ ہے میرے دماغ میں، وقت کا انتظار کر رہی ہوں صرف وقت کا انتظار کیا سمجھے سائیں اگر ہم نے یہ بات بڑے سائیں کے کانوں تک پہنچا دی تو وہ منصوبہ فیل ہو جائے گا میرا۔ سمجھ رہے ہو نا۔''

''ہاں میں سمجھ رہا ہوں۔''

''تو یہ صورتحال ہے سائیں، آپ آرام سے رہو اور میری بات سنو جذباتی بالکل نہ ہو بڑے سائیں کے خلاف میں کوئی بات نہیں کہنا چاہتی لیکن ایک بات میں اچھی طرح جانتی ہوں بڑے سائیں اگر چاہتے تو بھرپور کوشش کر کے بیگم سائیں کو ہماری مخالفت کرنے سے روک سکتے تھے پر کچھ بھی ہو جائے میرا دل یہ بات نہیں مانتا انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔'' غازی شاہ آنکھیں بند کر کے گردن پر جھٹکنے لگا تھا اس کا دماغ ایسے موقعوں پر سوچ سوچ

کر تھک جاتا تھا۔

کیتھرائن کہنے لگی۔

''اور آپ اب اس سلسلے میں لاپروائی مت برتو۔ظفر شاہ وکیل کو بلاؤ اور اس سے بات کرو۔انہوں نے کہا ہے کہ ہماری پسند کی زمین ہمیں دے دی جائیں گی۔سائیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے ناہمیں۔آپ ظفر شاہ سے بات کر کے ان زمینوں پر مارکنگ کر دو۔''

''ٹھیک ہے۔میں بندہ بھیج دیتا ہوں اور وہ ظفر شاہ کو بلا کر لے آتا ہے۔'' بہرحال کیتھرائن اپنا کام کر رہی تھی اور بڑے اعتماد کے ساتھ کر رہی تھی۔وہ یہاں تنہا تھی اور اکیلی فوج کا کردار ادا کرنا چاہتی تھی۔لغزش کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔چاروں طرف بکھرے ہوئے دشمن اسے کھا جاتے بہرحال ظفر شاہ آ گیا۔سلام دعا کے بعد اس نے کہا۔

''کہیے چھوٹے سائیں حالات کچھ بہتر ہوئے۔''

''بابا! حالات بہتر ہوئے یا نہیں۔یہ بات ہم گھر سے باہر تو نہیں کہہ سکتے۔ہاں اگر تم خود کچھ سمجھ لو گے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔حالات کی کونسی بہتری کی بات کرتے ہو۔''
ظفر شاہ نے غازی شاہ کے بدلے ہوئے سلوک کو محسوس کیا اور بولا۔

''نہیں سائیں! میرا مطلب آپ کے ذاتی حالات کریدنا نہیں تھا۔میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ پرسکون ہو۔''

''ہاں پرسکون بھی ہوں اور بے کار بھی۔''

''سائیں آپ نے علی گوٹھ کو جتنا حسین بنا دیا ہے اتنا حسین یہ پہلے تو نہیں تھا۔یہ جگہ تو بہت خوبصورت ہو گئی ہے۔علی خیر محمد گوٹھ کے اطراف بھی اتنے زیادہ حسین نہیں ہیں۔''

''اب میں ان زمینوں کو حسین بنانا چاہتا ہوں۔جو میری اپنی ملکیت ہوں گی۔میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے ظفر شاہ صاحب! کہ آپ مکرم شاہ سے مل کر یہ بات طے کر دو کہ میری زمینیں کون کون سی ہیں۔ویسے تو بڑے سائیں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں زمینیں پسند کر لوں۔انہیں میرے نام منتقل کر دیا جائے گا۔میں ایسا نہ کرتا سائیں! اگر مجھے مکرم شاہ کی نیت پر شبہ نہ ہوتا۔صاف صاف اور کھل کر کہہ رہا ہوں۔کوئی بھائی بھائی نہیں کوئی بہن بہن نہیں۔ماں، بھائی، باپ، بہن سارے رشتے جھوٹے ہیں۔بس کچھ رشتے ایسے ہیں جن میں سچ تلاش کیا جا سکتا ہے۔آپ ایسا کرو کہ میرے ساتھ چل کر ذرا مجھے زمینوں کا معائنہ کرا دو۔آپ کو تو ساری زمینیں معلوم ہیں۔''

''ٹھیک ہے سائیں! آپ حکم دیتے ہو تو ایسا کروں گا میں مگر مجھ سے زیادہ کام کا

بندہ آپ کے پاس موجود ہے۔''

''کون؟''

''سچل۔''

''نہیں۔سچل پر مجھے بھروسہ نہیں ہے۔''

''تو ٹھیک ہے۔پھر میں ہی چلوں گا۔'' ظفر شاہ نے کہا اور اس کے بعد بولا۔

''تو پھر میرے کو تھوڑا سا ٹائم دے دو۔میں آ جاؤں گا۔''

''جاؤ اور تیاریاں کر کے آؤ۔'' پھر اس کے بعد ظفر شاہ واپس آ گیا اور تمام تر تیاریوں کے بعد کیتھرائن اور غازی شاہ ظفر شاہ کے ساتھ اپنی عظیم الشان زمینوں کی سیر کو چل پڑے۔غازی شاہ نے کہا۔

''سائیں! کسی ہاری کے ہاں یا کسی نمبروار کے ہاں ٹھہریں گے نہیں۔اپنا کام خود کریں گے۔اس لیے ساری چیزیں ساتھ لے چلنی ہیں۔زمینوں کے طویل وعریض سلسلے دیکھے گئے۔ایک طرح سے پکنک کا ماحول بن گیا تھا۔خیمہ زنی ہوتی اور اس کے بعد زمینیں ایک ہو جاتیں۔ایک دن صبح ہی صبح کیتھرائن اپنے خیمے سے باہر نکلی۔ایک چھوٹا سا گوٹھ تھوڑے ہی فاصلے پر تھا جو دلاور گوٹھ کہلاتا تھا۔دلاور گوٹھ کے آس پاس وسیع وعریض زمینوں پر ترکاریوں کے کھیت تھے۔تازے تازے سفید گوبھی بہار دے رہی تھی۔دوسری ترکاریوں کے بھی پورشن بنے ہوئے تھے۔کیتھرائن نے رنگین لباس میں ایک لڑکی کو دیکھا۔جو زمین سے گوبھی نکال نکال کر ایک طرف جمع کر رہی تھی۔دودھ جیسا سفید رنگ کالی کالی آنکھیں ایک مخصوص انداز کا سندھی چہرہ عمر سترہ، اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔کیتھرائن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے وہ آگے بڑھی اور تھوڑی دیر کے بعد لڑکی نے اسے دیکھ لیا وہ ایک دم گوبھی توڑتے توڑتے رک گئی تھی۔کیتھرائن نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا تو لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔تب کیتھرائن نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور لڑکی بھاگ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔کیتھرائن نے مسکرا رہی تھی۔اس نے لڑکی سے کہا۔

''کیا نام ہے تیرا۔''

''زمل۔'' لڑکی کام کرتی ہے۔''

''کھیتوں پر کام کرتی ہے۔''

''کھیتوں پر کام میرا ابا کرتا ہے۔اس کی طبیعت خراب ہے۔گوبھی توڑ کر ٹھیکیدار کو پہنچانے تھے۔سو میں آ گئی۔''

”کیا نام ہے تیرے باپ کا۔“

”آسو۔“ اس نے جواب دیا۔

”کدھر رہتی ہے۔“

”وہ سامنے جو جھونپڑا نظر آ رہا ہے ہمارا ہی تو ہے۔ چھ بکریاں ہیں ہمارے پاس اور بس بابا ہیں اور میں۔“

”شادی نہیں ہوئی تیری۔“ کیتھرائن نے پوچھا اور لڑکی کے چہرے پر شرم کے آثار پھیل گئے۔

”نہیں۔ ابھی کدھر، ابھی بہت ٹائم ہے۔“

”رشتہ طے ہو گیا ہے۔“

”نہیں۔“ وہ ہنس پڑی۔ اور یوں لگا جیسے موتیوں کا تھال بکھر گیا ہو۔

”کسی سے محبت کرتی ہے۔“

”ایسی بات مت بولو۔ مالک سائیں! ایسی بات مت بولو۔ ہم لوگ ایسا نہیں کرتے۔ ہمارے ماں باپ ہمارے لیے کسی کو پسند کر لیتے ہیں اور ہماری شادی کر دیتے ہیں۔ ہم ایسا کوئی کام نہیں کرتے جس سے ہمارے ماں باپ کی عزت خراب ہو۔“

”بہت اچھی لڑکی ہے تو زل! سن ایک بات میں کہوں تجھ سے۔ میں تیرے گھر آؤں گی لیکن ابھی نہیں۔ جب آؤں گی تو تیرے لیے بہت کچھ لے کر آؤں گی کیا سمجھی۔ مجھے جانتی ہے تو۔“

”بیگم سائیں! میرا باپ بولتا تھا مالک آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے خیمہ لگایا ہوا ہے۔ میں تو خود یہ سوچتی تھی کہ کسی طرح آپ کو دیکھ لوں اللہ سائیں نے میری آرزو پوری کر دی۔ آپ کی بہت مہربانی کہ آپ نے اس طرح مجھ سے بات کی آپ تو آسمان سے اتری ہوئی پری لگتی ہو۔ میں نے پری پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ بس سنا ہے اس کے بارے میں۔ مگر میں آرام سے بول سکتی ہوں کہ آپ پری ہو۔“ کیتھرائن ہنسنے لگی پھر اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے اب تو اپنا کام کرو۔“ کیتھرائن پر خیال انداز میں سوچتی ہوئی واپس چل پڑی تھی۔ بہر حال زمینوں کی یہ سیاحت بارہ پندرہ دن تک جاری رہی تھی اور وہ لوگ خوب گھومتے رہے تھے۔ غازی شاہ نے ایک کسان کی نگاہ سے زمینوں کو دیکھا تھا اور یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کون سی زمینوں کو کس طرح شاداب کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد وہ واپس آ گئے۔ تو غازی شاہ نے کہا۔

”سائیں ظفر شاہ! ابھی آپ کو ایک کام اور کرنا ہے ہم جو مارکنگ کر کے آئے ہیں اس کی کی تفصیل مکرم شاہ کو بتا دی جائے۔ اوا سائیں کو بولو کہ میں ان زمینوں کو پسند کر چکا ہوں اور اب ان پر کام کرنا چاہتا ہوں لیکن اس وقت جب یہ زمینیں میرے نام کر دی جائیں۔“

”سائیں اگر آپ یہ بات خود کر لیتے تو زیادہ اچھا نہیں ہوتا۔“

”بابا! تم بھی تو کچھ کرو۔ ہم پیسے دیتے ہیں تمہیں جو کچھ کرتے ہو اس کا معاوضہ دیتے ہیں۔ پھر جو ہمارے خواہش ہوتی ہے اس پر تم یہ کیوں کہتے ہو؟ کہ یہ کام آپ خود کر لو۔ دیکھو۔ ہمارے زمینوں کے کاغذات آپ کے پاس ہیں اور آپ ہمارے قانونی مشیر ہو۔ اگر آپ صرف مکرم شاہ کے قانونی مشیر ہو۔ اگر آپ صرف مکرم شاہ کے قانونی مشیر رہنا چاہتے ہو۔ تو آپ کھل کر بتا دو اور بے فکر ہو جاؤ۔ ہم آپ سے اچھا کوئی ایڈووکیٹ تلاش کر سکتے ہیں۔“

”میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ چھوٹے سائیں! آپ تو ناراض ہو گئے۔“

”تو پھر جو تم سے کہا جا رہا ہے صرف وہ کرو۔ غازی شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔

”جو آپ کا حکم سائیں۔“ ظفر شاہ نے گردن ہلا دی تھی۔ بہر حال اسے اپنا فرض پورا کرنا تھا۔ چنانچہ وہ مکرم شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ مکرم شاہ کو بھی اطلاع ملی تھی کہ ظفر شاہ آیا ہے اور غازی شاہ کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔ پھر یہ بھی پتا چلا تھا اسے کہ ظفر شاہ اور غازی شاہ کیتھرائن کے ساتھ کہیں گھومنے نکلے ہوئے ہیں۔ بہر حال اس نے ظفر شاہ کا استقبال کیا تھا۔

”کیسے ہو۔ سائیں ظفر شاہ! کیسے ہو؟“

”اللہ سائیں کی مہربانی ہے۔ بڑے سائیں! کچھ ضروری کاموں سے آپ کے پاس آیا ہوں۔“

”ہاں بولو۔ میں نے سنا تھا کہ تم علی گوٹھ غازی شاہ کے ساتھ کسی کام میں مصروف ہو۔“

”بالکل ٹھیک سنا آپ نے سائیں۔ چھوٹے سائیں! کچھ زمینوں کو کاشت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بے کار بیٹھنے سے اچھا ہے کہ زمینوں پر کام کیا جائے۔“

”یہ بات تو میں نے اس بے وقوف سے پہلے بھی کہی تھی مگر میری کہی ہوئی بات پر وہ توجہ کب دیتا ہے۔“

”سائیں! اب انہوں نے زمینوں کو مارک کیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ یہ زمینیں ان کے نام کر دی جائیں۔“ مکرم شاہ کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس

نے کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میرا بیٹا ہے وہ۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے اس پر اس کا پورا پورا حق ہے۔ کیا تم نے ان زمینوں کے نقشے بنائے ہیں۔"

"ہاں سائیں۔ ویسے تو میں نے آپ کو زبانی بتائے دیتا ہوں لیکن نقشے بنا کر بھی پیش کر دوں گا۔" ظفر شاہ نے کہا اور پھر زمینوں کی جو تفصیل ظفر شاہ نے مکرم شاہ کو بتائی۔ مکرم شاہ اسے سن کر دنگ رہ گیا۔ صحیح معنوں میں یہ سونا اگلنے والی زمینیں تھیں۔ کام ان پر ہو رہا تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ غازی شاہ نے علی گوٹھ کے پاس جو باغ بنایا تھا وہ دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر بھی مکرم شاہ نے کہا۔

"ظفر شاہ مجھے یہ تمام زمینیں غازی شاہ کو دینے میں ایک لمحے کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ پر یہ بات میں آپ کے سامنے بیگم سائیں کے کانوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ آپ میرے ساتھ آؤ۔" شرجیلہ کے سامنے جب ظفر شاہ نے یہ تمام تفصیلات بتائیں تو وہ بپھر اٹھی۔

"بکواس کرتا ہے وہ نکما! ناکارہ حرام خور! مفت کی بیٹھا کھا رہا ہے۔ بڑے بھائی کو محنت کرتے کرتے فرصت نہیں ملتی اور وہ اس انگریز عورت کے جادو کا شکار ہو کر گوشہ نشین ہوا بیٹھا ہے کوئی زمین نہیں ملے گی اسے۔ صاف صاف کہہ دو کہ زمینوں کا بٹوارہ نہیں ہوگا۔ کام کرنا ہے تو کرے زمین اس کے باپ کے نام ہے۔ خود مکرم شاہ کے نام بھی نہیں۔ اگر اپنے باپ کے نام زمینوں پر کام کرنا چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔"

"لیکن بیگم سائیں۔ بٹوارہ تو ہوگا۔ حصہ دونوں کا ہے۔"

"سنو۔ تم وکیل ہو یا کچھ اور کیا کہوں میں تمہیں۔ تمہارے پاس میرے شوہر کا وصیت نامہ موجود ہے اور اس وصیت نامے میں یہ بات بات صاف صاف لکھی ہوئی ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں ان زمینوں کا کوئی بٹوارہ نہیں ہو سکتا۔ ایسا میری موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ مجھے یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ میں اگر چاہوں تو ان زمینوں کو کسی کے بھی نام مخصوص کر سکتی ہوں۔ ٹرسٹ بنا سکتی ہوں۔ ان کی آمدنی کا۔ اگر غازی شاہ کو یہ بات نہیں معلوم تو تم اسے بتا دو۔"

"بیگم سائیں! میری بات سنیے۔" مکرم شاہ نے کہا۔

"سنو۔ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس پر غور کر لو ورنہ بعد پچھتاؤ گے۔ میں تم سے صاف کہے دیتی ہوں۔ ایسا نہیں ہوگا چاہے مجھے تمہاری مخالفت میں عدالت جانا پڑے۔ یا پھر تم دونوں مل کر ایک کام کرو۔ مجھے قتل کر دو۔ سمجھے۔"

"بیگم سائیں! آپ ایسی بات نہ کریں۔"

"تو تم بھی ایسی بات نہ کرو۔ اور میں نے تم سے کہا تھا۔ کچھ کہا تھا۔ ٹھیک ہے جاؤ ظفر شاہ! وصیت نامہ دیکھو اور اس کی ایک نقل اسے پہنچا دو۔ اس سے کہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ کام کرنے کو کوئی اسے منع نہیں کرے گا۔ مگر زمینوں کا بٹوارہ نہیں ہوگا۔ جاؤ میری شکل کیوں دیکھ رہے ہو۔" شرجیلہ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے بیگم سائیں! آپ بھی ٹھیک کہتی ہو۔" ظفر شاہ نے کہا اور وہاں سے نکل آیا۔ تو شرجیلہ نے کہا۔

"اور مجھ سے مشورہ کرنے کے بجائے تم وکیل کو لے آئے۔"

"بیگم سائیں! آپ جانتی ہو کہ میں غازی شاہ کی کسی بات کو بھی نہیں ٹھکرانا چاہتا۔"

"اور مجھے ٹھکراتے رہو گے۔ کیوں؟"

"نہیں بیگم سائیں میری یہ مجال۔"

"تو سنو۔ ایک بار پھر کہتی ہوں۔ زمینوں کی بات تو دماغ سے نکال ہی دو۔ اپنے بیٹے کو اپنے قبضے میں کرو۔ وہ ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ سمجھے۔ روکو اسے ورنہ سر پکڑ کر رونا پڑے گا تمہیں۔"

"نہیں بیگم سائیں! اس کے بارے میں تو کوئی وصیت نہیں کی تھی میرے باپ نے آپ کے لیے۔" مکرم شاہ کو ایک دم طیش آ گیا اور شرجیلہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"بھائی ہے وہ میرا کیا کیا چھین لوں اس سے بہت دکھی ہے وہ بیگم سائیں! یہ میں نہیں کر سکتا آپ میرے کو معاف کر دینا۔" مکرم شاہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑا شرجیلہ سے دیکھتی رہ گئی تھی پھر اس نے کہا۔

"آہ...... یہ میں اپنے لیے کچھ بھی نہیں کر رہی۔ کیتھرائن! وہ انگریز زادی تم نہیں سمجھتے میرا دل کہتا ہے کہ علی خیر گوٹھ کے لیے وہ خیر کا نشان نہیں ہے۔ بلکہ شر کا نشان ہے اللہ سائیں ہمیں محفوظ رکھے۔"

☆☆☆☆☆

ظفر شاہ خود بھی شرجیلہ کے رویے سے کچھ دلبر داشتہ ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے باقی کام بھی اس کی ذمہ داری تھی۔ اس خاندان سے پرانے رشتے تھے۔ مالی منافع بھی اچھا خاصا تھا اور مالی منافع کو چھوڑنا کم از کم اس کے بس کی بات نہیں تھی لیکن غازی شاہ کے بارے میں بھی اچھی طرح جانتا تھا غازی شاہ اگر بگڑ گیا تو بہر حال تھے تو دونوں بھائی۔ کچھ نہ کچھ کرنا تھا اس سلسلے

میں میں چنانچہ وہاں انتظار کرتا رہا۔ پھر جب مکرم شاہ اس کے پاس پہنچا۔ تو اس نے کہا۔

''بڑے سائیں! آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ بات آپ کے خاندان کی ہے۔ آپ کے رسم و رواجات کی ہے اور میں ایڈووکیٹ ہونے کی حیثیت سے مشکل میں پڑ گیا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مرحوم سائیں کا وصیت نامہ ایسا ہے۔ لیکن بات اب بالکل مختلف ہے۔ اس میں یہ گنجائش نکلتی ہے کہ اگر چھوٹے سائیں اپنا حصہ طلب کریں تو قانونی طور پر یہ حصہ انہیں ملے گا۔ وصیت نامے میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔''

''ہوں۔ لیکن ظفر شاہ بیگم سائیں کو اگر اس بات کا علم ہو گیا تو وہ معاف نہیں کریں گی۔''

''علم تو ہوگا بڑے سائیں! بھلا ایسی باتیں چھپتی ہیں کہیں۔ اب بتاؤ۔ میں کیا کروں۔''

''میں کوشش کروں گا تم ایسا کرو۔ ادھر چلے جاؤ۔''

''کدھر سائیں۔''

''غازی شاہ کے پاس۔ اسے صورت حال بتاؤ۔ ہم یہ بھی تو نہیں کر سکتے کہ ماں کی باتیں چھپالیں وہ غازی شاہ کی بھی ماں ہیں۔ یہ کام تمہارا ہے ظفر شاہ کہ اسے صحیح صورت حال سے آگاہ کرو تاکہ اس کے دل میں میرے لیے کوئی برائی نہ پیدا ہو اور پھر اسے بتا دو کہ میں کوشش کر رہا ہوں۔ میں بیگم سائیں کو بھی سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ وہ اپنے رویے میں نرمی پیدا کر دیں۔''

''ٹھیک ہے سائیں! میں چلاتا ہوں۔'' ظفر شاہ نے کہا اور اس کے بعد وہ مکرم شاہ سے اجازت لے کر چل پڑا۔ علی گوٹھ میں اسے غازی شاہ اور کیتھرائن کو ساری صورت حال بتانی تھی۔ دونوں کو جب اس کی آمد کا پتا چلا تو انہوں نے دلچسپی کے ساتھ اسے اپنے پاس بلالیا۔ کیتھرائن نے اپنی ڈیوٹی لگالی تھی کہ غازی شاہ کو بالکل تنہا نہ چھوڑے۔ سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دے۔ دل ہی دل میں جب وہ اپنے والدین اور سر جیمز الیگزینڈر کو یاد کرتی تھی تو مسکرا کر کہتی تھی۔

''گرینڈ فادر! تم نے مجھے ایک مشن دے کر یہاں بھیجا تھا۔ دیکھو لو میں اپنے مشن کو کس طرح پورا کر رہی ہوں۔ اتنے سال ہو گئے۔ تم لوگوں نے میری کوئی خبر نہیں لی لیکن میں تمہارے بتائے ہوئے نقشِ قدم پر چل رہی ہوں اور میں نے علی خیر محمد گوٹھ میں ہلچل مچادی ہے۔ اس سرزمین پر جہاں انگریزوں کا قتل عام ہوا تھا۔ میں نے تم سے وعدہ کرتی ہوں۔ گرینڈ

فادر کہ اس سرزمین پر جس میں انگریزوں کا خون پیوست ہے۔ مقامی باشندوں کا خون بہا دوں گی اور اس خون کو دبا دوں گی جو میرے نسلوں کا ہے۔'' انہوں نے ظفر شاہ کا استقبال کیا۔ غازی شاہ نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''ہاں۔ سائیں ظفر شاہ کیا کہانی لائے ہو۔'' ظفر شاہ نے گہری نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا پھر کیتھرائن کو دیکھا پھر بولا۔

''سائیں! کچھ قانونی گڑبڑ ہو گئی ہے اور کچھ بیگم سائیں کی مخالفت۔'' غازی شاہ کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بیگم سائیں کی مخالفت کا تو مجھے پتا تھا۔ پوری بات بتاؤ۔''

''سائیں مکرم شاہ سچے دل سے تیار تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ غازی شاہ کو جو بھی زمین چاہیے وہ لے لے انہیں اعتراض نہیں ہے اور جب ہم بیگم سائیں کے سامنے پہنچے تو بیگم سائیں نے اس وصیت کا حوالہ دیا۔ جس کے تحت زمینوں کا نہ تو بٹوارہ ہو سکتا ہے نہ وہ کسی کو دی جا سکتی ہیں۔ جب تک بیگم سائیں زندہ ہیں۔ زمینیں نہ مکرم شاہ کی ملکیت ہیں اور نہ غازی شاہ کی۔ سائیں! وصیت میں یہ سب کچھ ہے حالانکہ مجھے صاف محسوس ہو گیا تھا کہ مکرم شاہ بیگم سائیں کی اس بات سے خوش نہیں ہیں۔''

''ظفر شاہ! تم صرف اپنی بات کرو۔ اپنی رائے مت دو کون کس کا مخالف ہے یا نہیں یہ بات تمہیں نہیں ہمیں معلوم ہے۔ آخری فیصلہ کیا ہوا۔''

''یہی کہ سائیں غازی شاہ کو یہ زمینیں نہیں ملیں گی۔'' ظفر شاہ نے جواب دیا۔

'اب تم ایک بات میرے کو بتاؤ ظفر شاہ! ہمارے باپ کا انتقال ہو چکا ہے اور زمینیں ماں کی نہیں باپ کی ملکیت ہیں کیا باپ نے ماں کو اتھارٹی دی ہے کہ وہ زمینوں کے معاملے میں مداخلت کر سکے۔ یا بات صرف وصیت نامے کی ہے۔''

نہیں سائیں! ایسی کوئی اتھارٹی بیگم سائیں کے پاس موجود نہیں ہے۔ بس ان کی عزت اور ان کا وقار ہی ان کی اتھارٹی ہے۔''

''عزت وقار ہوں۔'' غازی شاہ نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ پھر کہنے لگا۔

''سنو ظفر شاہ کاغذی تیاریاں مکمل کر دو۔ میں قانونی طور پر مکرم شاہ کو نوٹس بھجواتا ہوں۔ بلکہ بیگم سائیں کو کہ میرے حصے کی زمینیں میرے حوالے کر دی جائیں۔ میں اس کا حقدار ہوں اور ان پر کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''ایک بات کہوں سائیں! آپ سے۔''

''ہاں بولو۔''

''یہ نوٹس میں نہیں دے سکتا۔''

''کیوں؟'' غازی شاہ کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔

''اس لیے سائیں! کہ میں آپ کا مکرم شاہ کا قانونی مشیر نہیں ہوں بلکہ اس خاندان کے مفاد کی ذمہ داریاں، جائیداد کی دیکھ بھال۔ یہ ہے میرے سپرد۔ آپ کو یہ نوٹس کسی اور وکیل سے دلوانا ہوگا۔''

''گویا تم اس سلسلے میں میرا ساتھ دینے سے انکار کر رہے ہو۔''

''نہیں سائیں! قانون کی بات ہے ظفر شاہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ دونوں کے وکیل ہیں۔ بلکہ تینوں کے۔ بلکہ چاروں کے۔ ظفر شاہ ایڈووکیٹ، بیگم سائیں کے بھی ہیں۔ ان کے شوہر کے بھی ہیں غازی شاہ اور مکرم شاہ کے بھی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک فریق اپنے حق کی وصولی کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنا چاہتا ہے تو پہلے وہ ظفر شاہ سے بات چیت کرے گا اور ظفر شاہ اسے جواب دیں گے پھر قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ یہی قانونی طریقہ کار ہے۔ برٹش لاء کے بارے میں مجھے بہت باتیں معلوم ہیں۔''

''ہاں۔ اور یہ برٹش لاء ابھی تک ہماری گردن میں غلامی کے طوق کی مانند پڑا ہوا ہے۔'' ظفر شاہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور کیتھرائن ہنس پڑی۔

''اور ابھی صدیوں تم اس سے نجات نہیں حاصل کر سکتے ظفر شاہ برٹش لاء نے ابھی تک تمہیں بہت سے رشتوں میں باندھ رکھا ہے۔ انگریزوں نے ہندوستان پر حکومت کی اور طویل عرصے تک تم لوگوں کی حفاظت کرتا رہا۔ اپنے اندازے کے مطابق اور جب اس نے ہندوستان چھوڑا تو تمہیں ایک ایسی سوغات دے گیا کہ تم آج تک اس سے لطف اندوز ہو رہے ہو۔ یعنی مسئلہ کشمیر۔ کیا سمجھے۔ تو برٹش لاء کو اگر تم غلامی کا طوق کہتے ہو۔ تو یہ طوق ابھی تو صدیوں تمہارے گلے کا زیور بنا رہے گا۔'' کیتھرائن نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ظفر شاہ نے طنزیہ نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھا اور کہا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ چھوٹی بیگم سائیں! اصل میں آپ لوگ اپنے دلوں سے نفرت نہیں نکال سکتے۔ بلکہ اسے نفرت نہیں آپ کی سیاست کہا جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ علی خیر محمد گوٹھ میں ایک بھی فرد آپ ایسا نہیں نکال سکتے۔ جو آپ کے حق میں بولے۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو ظفر شاہ۔'' غازی شاہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہوں سائیں! وکیل ہوں آپ کا ملازم نہیں ہوں۔ بات جب قومی

غیرت کی آ جاتی ہے تو انسان بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کا قانونی مشیر ہوں آپ کی رعایا نہیں ہوں۔''

''گیٹ آؤٹ۔ نکل جاؤ یہاں سے۔''

''شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔'' ظفر شاہ نے کہا اور تیز تیز قدموں سے وہاں سے باہر نکل آیا۔ کیتھرائن سرد نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھ رہی تھی۔

''میں یہ نہیں کہوں گی کہ تم نے برا کیا۔ چھوٹے سائیں! مگر دشمن تو یہاں چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ دوست! کوئی نہیں ہے۔ سائیں! دوست تلاش کرو دوست! کوئی تو ہوگا تمہارا دوست ایسا دوست جو تمہارا ساتھ دے سکے۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔''

''میں اسے راستے ہی میں ٹھکانے میں لگوا سکتا ہوں۔''

''ایک آدمی کو ٹھکانے لگوانے سے کیا حاصل ہوگا اور پھر ہم ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتے جو قانون کی گرفت میں آ جائے۔ سائیں ذرا تھوڑا سا ذہن کو قابو میں رکھو صرف اتنا کرو جتنا میں کہہ رہی ہوں۔ یا جتنا میں کہتی ہوں کوئی بات نہیں ہے ہم ابھی کوئی نوٹس نہیں دیں گے۔ کوئی قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔ ہم اتنے کمزور نہیں ہیں جتنا لوگ ہمیں سمجھ رہے ہیں۔ اکیلے ہیں بس اکیلے ہیں۔ میں پہلے بھی یہ بات آپ سے کہہ چکی تھی سائیں! کہ دوست تلاش کرو دوست۔''

''اس کتے کی یہ مجال کہ یہ اس طرح کی باتیں کرے چلا جائے اس اس کا نتیجہ بھگتنا ہوگا''

''نہیں سائیں! اب تم یہ دیکھو ذرا سا غور کرو۔ علی خیر محمد گوٹھ ہی نہیں۔ یہ علی گوٹھ ہے اور بہت سارے دوسرے علاقے ہیں۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا تمہیں یاد نہیں ہے کہ ہم لوگ ان کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لیے گئے تھے اور وہ سب لوگ اپنی خوشیاں ترک کر کے صرف ہماری وجہ سے اپنا جشن منانا بند کر کے چلے گئے۔ سائیں ایسے نہیں کچھ کرو۔ کوئی ایسا کام کرو جو سامنے آئے اب دیکھو نا دشمن تو وار پر وار کرتے چلے آئے ہیں اور خاص طور سے میں بات کرتی ہوں برا مت ماننا بیگم سائیں کی۔ بیگم سائیں نے پہلے میری زندگی چھیننے کی کوشش کی۔ چھوٹے سائیں! تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہاں تک آئی ہوں اور سمجھتی ہوں کہ میری زندگی کی حفاظت کرنا تمہارا ہی فرض ہے۔ چھوٹے سائیں ایسی مشکل میں اگر دوسرے لوگ مجھ پر وار کرتے رہیں۔ تو کب تک میں ان کے وار سہوں گی۔ وہ تو زندگی تھی کہ بچ گئی۔ تمہارے ساتھ کچھ قدم ملا کر چلنا تھا۔ چل پڑی لیکن اتنے سارے دشمنوں سے میں کیسے نمٹ سکوں گی۔ تم

میرے کو بتاؤ سائیں!''

''کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیتھرائن خون کی ندیاں بہادوں گا میں۔''

''ہاں سائیں! بہانی پڑیں گی خون کی ندیاں۔ ایسے نہیں ہم اپنا کام تو کر ہی رہے ہیں۔ میں بار بار تم سے یہ کہتے ہوئے شرمندہ ہونے لگتی ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم سیدھے سادے اور شریف آدمی ہوں۔ دشمن بہت چالاک ہیں اور ہر طرح سے ہم پر وار کرتے رہتے ہیں۔ لیکن تم تم ایک سادہ دل آدمی ہو۔ مجھے سچ جانو تمہاری حفاظت کرنی پڑ رہی ہے۔ برامت مانو میری بات کا۔''

''نہیں برا نہیں مانتا لیکن ایک بات میں تم سے ضرور کہنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''تم خود سوچو''

''نہیں سائیں! بتاؤ مجھے۔''

''کیتھرائن ! تم نے میری جو زبان بندی کر رکھی ہے وہ مناسب نہیں ہے۔''

''کیسی زبان بندی۔''

''دیکھو کیتھرائن ایک بات میں کہوں؟ دشمن تو دشمن ہی ہوتا ہے۔ پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح ہماری دشمنی پر آمادہ ہے۔ اس کے بعد یہ بات ہمارے علم میں آتی ہے کہ وہ ہمارا رشتے میں کیا لگتا ہے۔ دیکھو کیتھرائن انسان جب انتہا پسندی پر اتر آتا ہے تو سارے رشتے بھول جاتا ہے۔ یہی کام بیگم سائیں نے کیا ہے۔ جب انہوں نے مجھ سے میرا مستقبل چھین لیا۔ جب انہوں نے مجھ سے باپ بننے کا حق چھین لیا۔ تو وہ میری ماں کیسے رہ سکتی ہیں۔ دشمن ہیں وہ میری صرف دشمن کم از کم اپنے دشمن کو منظر عام تک لانا ضروری ہے۔ میں اوطاق میں بلاؤں گا۔ میں چوپال میں ان تمام گوٹھوں کے بزرگوں کو شریک کروں گا۔ جو شرعی فیصلے کرتے ہیں۔ شرع کی حد میں یہ بات کسی بھی طور جائز نہیں ہے کہ قدرتی عمل کو روکا جائے۔ با اسے کسی سازش کے تحت نقصان پہنچایا جائے۔ بیگم سائیں نے ایسا کیا ہے انہوں نے تمہیں بانجھ کرنے کے لیے اور اپنی دیوانگی اور اپنی نفرت کی آگ بجھانے کے لیے تمہیں سانپ ک گوشت کھلا کر بانجھ کرنے کی کوشش کی۔ اور اس میں تمہاری ہلاکت بھی ممکن ہو سکتی تھی۔ وا قانون کی بھی مجرم ہیں اور انہیں بدترین سزا دی جائے گی۔ بات یہ ہے کہ وہ میری ماں ہیں۔ لیکن انہوں نے ماں ہونے کا جو حق ادا کیا ہے وہ کسی ماں نے کبھی نہیں کیا ہوگا۔ یہاں وہ ماں نہیں صرف ایک عورت بن کر سامنے آئی ہیں اور اس عورت کو سزا ملنا بہت ضروری ہے۔''

''نہیں سائیں نہیں۔ تم کتنی ہی بار یہ بات کہہ چکے ہو۔ اور میں تمہیں منع کر چکی ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میرے ذہن میں ایک ایسا منصوبہ ہے کہ میں بیگم سائیں کو ان کے کیئے کی بہت بڑی سزا دے سکتی ہوں لیکن ایسی سزا کہ وہ صرف سوچتی رہ جائیں کہ ایسا کیسے ہوا کیا سمجھے۔ ایسی سزا دینا چاہتی ہوں میں انہیں ہمیں دوست چاہیے دوست باقی ساری باتیں رہنے دو اور دوسرا کام جو میں تمہارے سپرد کرتی ہوں سائیں۔ وہ علی خیر شاہ کا ہے علی خیر شاہ ہمارے لیے بہت بڑی چیز ہے۔ اسے جانور بنا دو۔ جانور ایک ایسا وحشی جانور جو انسانوں کے لیے خوف کا نشان بن جائے۔ مکرم شاہ کا بیٹا جس کی حکمرانی کے لیے بیگم سائیں نے ہماری نسلوں کے دروازے بند کر دیئے۔ کیا سمجھے۔ مکرم شاہ کا بیٹا علی خیر شاہ ایک خونی درندہ آس پاس کی بستیوں کے لیے وحشت کا نشان۔ سائیں یہ کام تمہارا ہے میں یہ نہیں کر سکتی اور پھر تماشا دیکھو۔'' غازی شاہ۔ کیتھرائن کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''تھوڑی سی تیاریاں کرلو کیتھرائن ہم جمالی گوٹھ چلیں گے۔''

''جمالی گوٹھ۔''

''ہاں۔ وہاں فضل شاہ رہتا ہے۔۔ میرا پرانا دوست! پرانا ساتھی! وہ ایک طاقت ور وڈیرا ہے اس سے ملاقات کر کے ہم اپنے لیے ایک اچھا دوست مہیا کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے سائیں! سوغات جمع کر لو اس کے لیے۔''

''یہ کام تم کر دو بابا! میرے کو بتاؤ کیا لانا ہے۔''

''ادھر سے ہم کیا لائیں گے سائیں! کراچی چلو کراچی سے خریداری کریں گے۔'' کیتھرائن نے کہا۔ غازی شاہ کے لیے اور کوئی کام تو تھا نہیں۔ کیتھرائن کے کہنے کے مطابق وہ علی گوٹھ سے باہر نکل گیا اور اپنی لینڈ کروز میں کراچی چل پڑا۔ علی گوٹھ سے کراچی تک کا سفر پکنک کے انداز میں کیا گیا اور پھر کراچی کلفٹن کے علاقے سے اعلیٰ درجے کی خریداری کی گئی۔ کپڑوں کے انبار دوسرے تحائف ڈیکوریشن پیش جو امپورٹڈ تھے اور جن کے بارے میں کیہ جاسکتا تھا کہ ان کی خریداری لندن میں ہوئی ہے۔ حالانکہ طویل ترین عرصہ گزر گیا تھا۔ لیکن غازی شاہ کیتھرائن کے کہنے پر آخر کار تمام چیزوں سے لدا پھندا۔ جمالی گوٹھ پہنچ گیا۔ جیپ جمالی گوٹھ میں داخل ہوئی اور فضل شاہ کی عالی شان حویلی کے سامنے رک گئی۔ فضل شاہ بھی شاندار زندگی گزار رہا تھا۔ ذرا سرکش اور باغی قسم کا آدمی تھا۔ اس نے بڑی حیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ادا سائیں! آپ کو آئے ہوئے عرصہ گزر گیا۔ آپ کی ساری کہانی تو شروع ہو کر ختم ہوگئی یہ فضل شاہ آپ کو کیسے یاد آ گیا۔ پھر بھی فضل شاہ آپ کو خوش آمدید کہتا ہے حالانکہ سالوں پہلے یہ پتا چلا تھا کہ علی خیر محمد شاہ گوٹھ میں بہار آئی ہے۔ علی شاہ گوٹھ کا چھوٹا وڈیرہ انگریزی بیوی کو ساتھ لے کر آیا ہے۔ ہمیں نہ چھوٹے وڈیرے سے کوئی دلچسپی تھی نہ انگریز بیوی سے ہمیں تو اپنا غازی شاہ یاد آتا تھا۔ اور ہم یہ انتظار کرتے تھے کہ غازی شاہ اپنے کسی بندے کو بھیج کر کہے گا کہ فضل شاہ میرے پاس آ جاؤ میں بعد میں تمارے پاس تم سے ملنے آؤں گا اور یہ انتظار پہلے ہفتوں، پھر مہینوں، اور پھر سالوں میں تبدیل ہوگیا اور پھر اس کے بعد ہم نے بچپن کے خواب اپنے دماغ سے نکال پھینکے ہم نے سوچا کہ خواب تو خواب ہوتے ہیں۔ خوابوں میں کون پھنسے۔''

''دیکھو بابا جب دماغ حد سے زیادہ پریشان ہوگیا اور میں نے سوچا کہ اب پورے سندھ میں میرے لیے کوئی جگہ کوئی راستہ نہیں ہے تو اس وقت میں نے تمہارے پاس آنے کی ہمت کی۔ اور یہ سوچ کر تمہارے پاس آیا کہ آخری کوشش تمہارے پاس کرلوں۔ فضل شاہ ہماری تمہاری بچپن کی دوستی ہے بڑی امنگیں لے کر میں انگلینڈ سے اپنے وطن واپس آیا تھا مگر یہاں میری ایک چھوٹی سی لغزش کو اتنا بڑا گناہ بنا دیا گیا کہ کوئی مجھے معاف کرنے کو تیار نہیں۔ فضل شاہ اس وقت میں نے دل میں یہ سوچا کہ ظاہر ہے تم بھی اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہو۔ جو سلوک میرے ساتھ دوسرے لوگ کر رہے ہیں تم بھی وہی کرو گے اس لیے میں نے تمہارے پاس آنے کی ہمت بھی نہیں کی اور اب جب میری بیوی کیتھرائن نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ سرزمین سندھ میں تمہارا ایک بھی دوست نہیں ہے تو میں نے کہا کہ دوست تو میرے تھے پر انہوں نے خود ہی میری خبر نہیں لی۔ کیتھرائن نے کہا ہوسکتا ہے وہ تمہارے نہ جانے ناراض ہوا اس لیے تم خود جا کر ان سے ملو سو میں چلا آیا بابا!! اگر تم بھی طنزیہ باتیں کرنا چاہتے اور مجھے میری پریشانیوں کی وجہ سے نہ آنے کی سزا دینا چاہتے ہو تو سزا دے لو۔ میں ادھر سے چلا جاتا ہوں۔'' فضل شاہ تھوڑی دیر تک غازی شاہ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور بولا۔

آ جا میرے دوست میرے گلے لگ جا۔ بچپن کے دوست عام نہیں ہوتے۔ جوانی میں جو دوستیاں ہوتی ہیں وہ اتنی پائیدار نہیں ہوتیں جتنی بچپن کی دوستیاں اگر تو کسی مشکل میں تھا اور نہیں آیا تھا تو میں تجھے خوش آمدید کہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر فضل شاہ نے غازی شاہ کو گلے لگا لیا پھر کیتھرائن کی طرف دیکھ کر بولا۔

''بھابی سائیں! یہ بڑا بے تکلف دوست ہے ناراض تھا میں اس سے لیکن اب میری ناراضگی دور ہوگئی ہے۔ میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں'' فضل شاہ نے ان کی زبردست آؤ بھگت کی اور پھران کے دیئے ہوئے تحائف دیکھ کر تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سمایا۔

''اویار یہ چیزیں تو نے میرے لیے لندن سے خریدی تھیں۔''

''ہاں اور انہیں جس طرح میں نے محفوظ رکھا ہے تم دیکھو فضل شاہ کس طرح چمک دمک رہی ہیں۔ جیسے آج ہی خریدی گئی ہوں۔'' پھر فضل شاہ نے ان کی خوب خاطر و مدارات کی کیتھرائن کو سونے کے کنگن دیئے۔ جو سندھ کی روایت کا حصہ ہیں۔ اپنے بارے میں بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

''سائیں میرا کام ذرا مختلف ہے۔ کراچی میں پورٹ پر میں نے کچھ بندے لگا رکھے ہیں۔ ضرورت کی چیزیں باہر سے آتی ہیں اور فروخت ہو جاتی ہیں۔ زمینوں کی آمدنی اب اتنی نہیں رہی ہے کہ عزت قائم رکھی جائے۔ اللہ کا فضل کہ فضل شاہ مضبوط زندگی گزار رہا ہے۔''

''لیکن شاہ جی ہم بہت کمزور ہو چکے ہیں آپ کے دیس میں آ کر۔ کیتھرائن نے کہا اور فضل شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

''بھابی سائیں! آپ کے منہ سے اپنی زبان سن کر جتنی خوشی میرے کو ہوئی ہے میں بیان نہیں کرسکتا آپ کدھر کمزور ہیں۔ آپ نے خود ہی اپنی طاقت کو اپنے آپ سے دور رکھا ہے میں ہوں نا آپ کے پاس بھابی سائیں آپ کا چھوٹا بھائی ہے ادھر ابھی بولو آپ کیا پریشانی ہے۔ کیا تنگی ہے اور جس کو آپ لوگ دشمن بولتے ہو وہ کون ہے۔ فوج ہے میرے پاس پوری آپ کے نام پر پھیل جائے گی۔ اور آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کر دے گی۔''

''ہمارے ساتھ افسوس کی بات تو یہی ہے فضل شاہ کہ ہم اپنے دشمنوں کا خاتمہ نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے دشمن ہمارے اپنے ہیں۔'' فضل شاہ ان الفاظ پر ہنس پڑا پھر بولا۔

''معصوم ہو تم لوگ معصوم ہو۔ دنیا سے کوئی واقفیت نہیں ہے تمہاری ارے بابا جو دشمنی پر آمادہ ہو جائیں وہ اپنے کہاں ہوتے ہیں وہ تو صرف دشمن ہوتے ہیں۔ دیکھو ادا سائیں! دشمن کو تو صرف دشمن سمجھو اگر کہیں سے اس میں رشتے اور اپنائیت تلاش کرنے پر تل گئے تم تو سمجھ لو دشمن کے کام نیں آسانی ہو جاتی ہے۔''

''اب میں تمہارے کو کیا بتاؤں فضل شاہ۔ سائیں مکرم شاہ اور بیگم سائیں۔ یعنی میری ماں ہماری سخت مخالف ہیں ہور کیتھرائن سے نفرت کرتی ہیں اور اس نفرت کی بنیاد پر

انہوں نے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھا ہوا ہے۔''

''تو تم کیتھرائن کو چھوڑ دو بابا۔'' فضل شاہ نے کہا اور کیتھرائن ہی نہیں خود غازی شاہ بھی چونک کر فضل شاہ دیکھنے لگا پھر بولا۔

''یہ کیا بات کی تم نے۔''

''میں وہی بولا جو میرے کو بولنا چاہیے تھا ابھی وہ لوگ اگر کیتھرائن کی وجہ سے تمہارے دشمن ہیں تو تم کیتھرائن کی وجہ سے ان کے دشمن بنو۔ بیچ کی بات کیوں کرتے ہو بابا۔ تم خود سوچو کیتھرائن تمہاری زندگی بھر کی ساتھی ہے مکرم شاہ کی اپنی لائف ہوگی وائف ہوگی اور اماں سائیں میرا مطلب ہے تمہاری اماں وہ اپنی زندگی کے بعد چلی جائیں گی۔ تمہاری زندگی کا ساتھ تو کیتھرائن کے ساتھ ہی ہوگا نا۔''

''ہاں ایسا تو ہے۔''

''تو پھر جو لوگ کیتھرائن کی مخالفت کرتے ہیں تم ان کی مخالفت کرو اس میں سوچنے سمجھنے کی کیا بات ہے۔''

''بات تو وہی ہے فضل شاہ کہ میں اکیلا پڑ گیا ہوں۔''

''کیا چاہتے ہو۔''

''بس یہی کہ میری سپورٹ کی جائے۔ میں نے ابھی کچھ زمینیں مانگیں تھیں سائیں مکرم شاہ سے بیگم سائیں نے کہا یہ زمینیں تقسیم نہیں ہو سکتیں۔ اب تم میرے کو بولو کیا کرنا چاہیے۔''

''کیس کرو عدالت کے ذریعے اپنا حصہ حاصل کر لو۔ تم اپنے باپ کی جائز اولاد ہو اور تم یہ محسوس کر رہے ہو کہ سائیں مکرم شاہ تمہارے حق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اس بات کو بنیاد بنا کر کام کرو۔ میں تمہارے کو ایک وکیل کا پتا دیتا ہوں۔ کراچی چلے جاؤ سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''آپ مجھے بتا دو۔''

''بیرسٹر حامد بہت کام کے آدمی ہیں۔ میرا نام لو ان کو اور اپنا سارا کیس انہیں بتا دو باقی رہا دوسرا کام تو میں تمہارے کو پہلے بھی بول چکا ہوں کہ ایک فوج تمہارے کام کے لیے تیار ہے۔ دو سو بندے ہیں میرے پاس جدھر بھی اشارہ کرو گے ادھر تباہی مچا دیں گے۔''

''ہوں ٹھیک ہے تمہارا بہت بہت شکریہ فضل شاہ۔'' فضل شاہ کے ساتھ ایک وقت کا کھانا کھانے کے بعد جب کیتھرائن اور غازی شاہ واپس لوٹے تو کیتھرائن نے کہا۔

''ایک بات سنو غازی شاہ زمینوں کے حصول کے لیے تو تم جب چاہو قانونی چارہ جوئی کر سکتے ہو اگر مصروف ہونا چاہتے ہو تو کام کرو اور یہ سوچ کر کام کرو کہ یہ زمین تمہاری ہیں۔ کوئی انہیں تم سے نہیں چھین سکتا۔ اگر ہم ابھی سے دعویٰ اور کیس وغیرہ کر کے مکرم شاہ کے زمینوں پر قبضہ کرتے ہیں تو بات بگڑ جائے گی اور وہ نہیں ہو سکے گا جو ہم خود کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیتھرائن تم کیا کرنا چاہتی ہو یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''چھوٹے سائیں بات اعتماد کی ہے میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔ ایک سرپرائز جو صرف تمہیں ہی نہیں بلکہ علی خیر شاہ محمد گوٹھ کے آس پاس بکھرے ہوئے تمام لوگوں کو جو ہمارے دشمن ہیں اور ہم سے نفرت کرتے ہیں۔''

''تمہاری بات کبھی میرے سمجھ میں نہیں آئے گی۔''

''آ جائے گی۔ آ جائے گی۔'' کیتھرائن مسکراتی ہوئی بولی۔

''تو پھر اب ایسا کرو ہو سکتا ہے سائیں مکرم شاہ آپ کو ملنے کی کوشش کریں آپ ان سے محبت اور احترام سے پیش آؤ اور بولو بس آپ کا دل کہتا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ سختی کریں گے یہ تو ایک آزمائش تھی۔ پھر اگر وہ بولیں کہ تم زمینوں پر کام کرو۔ تو آپ زمینوں پر کام شروع کر دینا کیا سمجھے۔''

''ٹھیک ہے۔'' غازی شاہ نے کہا۔

☆☆☆☆☆

جس طرح کے پہلے کہا جا چکا ہے کہ امیروں کے بچے شکل و صورت میں بھی اچھی نکال لیتے ہیں اور قد و قامت بھی ان کی عمر کی بڑھنے کی رفتار بھی بہت تیز ہوتی ہے اور اسی تیز رفتاری سے علی خیر شاہ اپنا قد و قامت نکال رہا تھا اکثر وہ کیتھرائن کے پاس ہی ہوا کرتا تھا اور کیتھرائن اسے لے کر گھومتی پھرتی تھی۔ جنگل کے جانوروں کی ہلاکت چھوٹے چھوٹے پرندوں کو پکڑ کر درخت سے باندھ دینا اور پھر اس پر پتھروں کی بارش کرنا کراچی سے چھرے والی بندوق بھی منگوا دی گئی تھی اور اس سے چھوٹے چھوٹے معصوم پرندوں کا نشانہ بنایا جاتا تھا کبھی کبھی معصوم چڑیوں کی باری آئی تو علی خیر شاہ ان کے ڈھیر لگا دیتا اور پھر قہقہے لگاتا۔ کیتھرائن اسے غور سے دیکھتی رہتی تھی۔ علی خیر شاہ کی شکل میں ایک عفریت پروان چڑھ رہا تھا اور کیتھرائن بے پناہ خوش تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ علی خیر شاہ انگریزی بولنے لگا تھا۔ باقی غازی شاہ بھی اسے پڑھاتا تھا یہ بھی کیتھرائن کی ایک چال تھی اور اس چال کی رونمائی کا دن آ گیا۔ یہ بات شرجیلہ نے مکرم شاہ سے کہی تھی۔

”مکرم شاہ خیر میری بات کو تو لوگ دشمنی ہی قرار دیتے ہوں لیکن میں نے بھی طے کر لیا ہے کہ اپنے باپ دادا کی ریت نبھاؤں گی۔ دشمنی ہے تو دشمنی ہی سہی علی خیر محمد گوٹھ میں انگریزوں عورت کو کبھی عزت نہیں حاصل ہو سکے گی پر ایک سوال میں تم سے کرتی ہوں تمہاری دو بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹا اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ابھی تک تم نے کوئی مستقبل تلاش کیا یا نہیں۔“

بیگم سائیں آپ کی مہربانیاں ہیں ہمارے پاس اتنی زمینیں ہیں اور اتنی آمدنی ہے ان کی کہ اللہ فضل سے ہماری چھ نسلیں ہاتھ پر ہاتھ رکھی بیٹھی رہی تو انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“

جن لوگوں نے یہ سوچا ہے وہی تنزلی کا شکار ہوئے ہیں۔ انسان کی اپنی جدوجہد اور محنت اسے جو کچھ دیتی ہے وہی اس کے لیے صحیح ذریعہ اور سہارا ہوتا ہے۔ تم اسی کو زیادہ جانو سمجھ رہے ہو نا میری بات علی خیر شاہ کو اسکول میں داخل کراؤ اتنا بڑا ہو گیا ہے وہ بہت بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔ اس کو نواب شاہ بھیج وو وہاں تعلیم حاصل کرے گا اور اس کے بعد وہاں کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم سے کراچی بھیج دیں گے۔“

”اور اس کے بعد انگلینڈ۔“ مکرم شاہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

”دیکھو۔ مجھ پر طنز مت کیا کرو۔ غازی شاہ کو انگلینڈ تم نے ہی بھجوایا تھا۔“

”اسی لیے مجھے تو تعلیم سے نفرت ہو گئی ہے بیگم سائیں مجھے یوں لگتا ہے جیسے تعلیم کے حصول کا احساس میرے بھائی کو مجھے چھیننے کا ذریعہ بنا ہے۔“

”بچوں کی طرح نہ سوچو جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے لیکن ہم علی خیر شاہ کو جاہل تو نہیں رکھیں گے۔“ اتفاق کی بات یہ تھی کہ اسی وقت علی خیر شاہ کیتھرائن کے پاس سے واپس آیا تھا۔ مکرم شاہ نے اسے قریب بلا لیا وار علی خیر شاہ سے کہا۔

”ہاں بھی کیا ہو رہا ہے؟“

”آپ کی مہربانیاں بابا سائیں جی رہا ہوں۔“ علی خیر شاہ نے کہا اور شرجیلہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ بڑا نرم اور پیارا انداز تھا۔

”کیوں تمہاری دلچسپی اور تفریحات کیسی چل رہی ہیں۔“

”آئی ایم تھینک فل ٹو یو گرینڈ مادر۔“ علی خیر شاہ نے جواب دیا۔

”کس سلسلے میں۔“

”یو آر کائنڈ ٹو می۔“ وہ بولا شرجیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”تم نے یہ زبان بولنا کہاں سے سیکھی۔“

”بس اپنی زبان تو سب ہی جانتے ہیں گرینڈ مادر لیکن وہ زبان جو انسان کو ساری دنیا سے منسلک کر دے وہ سیکھنا بڑا ضروری ہوتا ہے اور ویسے بھی آپ سے یہی عرض کر سکتا ہوں کہ لو ینگرز۔

”اور خود تمہارے لیے کیا ہدایت ہے۔“

”پے ریسپیکٹ ٹو ایلڈرز۔“ اس نے فوراً ہی جواب دیا اور شرجیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں خو مکرم شاہ بھی حیران رہ گیا تھا۔

”جاؤ۔ آرام کرو۔“ مکرم شاہ نے علی خیر شاہ سے کہا اور علی خیر شاہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔

”ہاں۔ اب کہیے بیگم سائیں۔“

”مجھے انگریزی زبان سے نفرت ہے۔“

”نہیں۔ بیگم سائیں یہ جواز نہیں ہے آپ کو نہیں پتا گوٹھ کی بات اور ہے لیکن اب ہمارے بچے گوٹھوں سے نکل چکے ہیں وہ شہری آبادی میں ادر دنیا کے مختلف حصوں میں دندناتے پھر رہے ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ اپنی زبان تو سب ہی جانتے ہیں دوسروں کی زبان سیکھنا بڑا ضروری ہے تا کہ ان سے دوستیاں رہیں۔ رابطے رہیں۔“

ٹھیک ہے ٹھیک ہے تمہاری اولاد ہے تم بہتر جانتے ہو وہ اسے صرف یہی نہ پڑھاتی ہوگی اور بھی کچھ پڑھاتی ہوگی۔

”اگر آپ کیتھرائن کی بات کر رہی ہیں تو آپ یہ سمجھ لیجیے کہ کیتھرائن بہت اچھی طرح سے اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اللہ نے اسے اولاد نہیں دی ہے۔ وہ علی خیر شاہ ہی کو اپنی اولاد سمجھتی ہے۔ میں اچھی طرح دیکھ چکا ہوں اس کے علاوہ ایک دفعہ میں نے اس موضوع پر بات کی تھی او پوچھا تھا کہ میں اسے اسکول میں داخل کرواؤں یا نہیں تو غازی شاہ نے کہا تھا کہ بڑے سائیں آپ کی اولاد ہے میری نہیں ہے پر اگر آپ اجازت دو تو میں اس کی اتنی تعلیم کر دوں کہ بعد میں کسی بہت اچھی کلاس میں اد خل کرایا جا سکتا ہے۔ آپ دیکھ لیجے بلکہ اس کا امتحان لے لیجیے۔ وہ صرف انگریزی زبان ہی نہیں بلکہ میتھ اور دوسرے سبجیکٹ میں بھی بہت آگے ہے وہ دونوں اس پر حوب محنت کرتے ہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔“

شرجیلہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ کیتھرائن اس پر بھرپور محنت کر رہی تھی غازی شاہ تو صحیح معنوں میں موم کی ناک تھا جو کیتھرائن کہتی تھی وہی کرتا تھا

کیتھرائن اسے مسلسل جنگلوں میں لے جاتی تھی۔ اور فی الحال جنگلی جانور ہی اس کا شکار ہوتے تھے لیکن اس کے بعد کیتھرائن نے ایک دن علی خیر شاہ سے کہا۔

''علی خیر شاہ جنگل کے پرندوں اور درندوں کو تم تم آسانی سے موت کی آغوش میں پہنچا دیتے ہو۔ کبھی تمہارے دل میں یہ خواہش بھی ابھری کہ تم کسی انسان کو خون میں نہلا دو۔''

''کون سے انسان۔'' علی خیر شاہ نے سوال کیا۔

''کیا تم اپنے سے بڑے۔ اپنے سے زیادہ مضبوط اور طاقتور انسان کو موت کی نیند سلا سکتے ہو۔ اسے ایسے ہی ختم کر سکتے ہو جیسے تم درختوں پر پھرنے والے بندروں کو مار دیا کرتے ہو۔''

''میرے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے چچی جان۔'' علی خیر محمد نے کہا۔

''سوچ لو استاد ہوں تمہارا امتحان لوں گی۔''

''جب آپ کا دل چاہیے۔'' علی خیر شاہ نے آرام سے جواب دیا۔ علی گوٹھ کے نواحی علاقوں میں چراگاہیں پھیلی ہوئی تھیں اور اکثر کیتھرائن علی خیر شاہ کو ان چراگاہوں میں لے جاتی تھی۔ ایک گھوڑا کیتھرائن کے استعمال میں ہوتا تھا دوسرا علی خیر شاہ کے اور علی خیر شاہ اس چھوٹی سی عمر میں ہی اچھا خاصا گھڑ سوار بن گیا تھا اس کے پاس چھوٹے چھوٹے ہتھیار بھی ہوا کرتے تھے اور کیتھرائن بھی اپنے ساتھ ریوالور وغیرہ رکھتی تھی۔ منصوبے کے مطابق دوسرے یا تیسرے دن کیتھرائن علی خیر شاہ کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر نکل گئی اس بار اس نے ایک مختلف سمت اختیار کی تھی جو چراگاہوں کی طرف جاتی تھی اور اس کی نگاہیں دور تک بھٹک رہی تھیں سنال ایک چرواہا تھا جو بھیڑ اور بکریاں چرا کر روزی کماتا تھا تیس بتیس سال کی عمر تھی اس لیکن مفلسی اور فاقہ کشی کا شکار تھا تھوڑے پیسے کماتا تھا اور انہی میں گزارہ کرتا تھا اس لیے۔ جسمانی قوتیں کچھ بھی نہیں تھیں علی خیر شاہ اور کیتھرائن اس سمت جا نکلے تھے۔ بھیڑیں چر رہی تھیں اور سنال ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں انہیں دونوں کی جانب نگراں تھیں وہ تھوڑی دیر کے بعد جلدی سے کھڑا ہو گیا چونکہ کیتھرائن اور علی خیر شاہ اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔

کیتھرائن نے علی شاہ سے کہا۔

''ہاں بھئی۔ تم نے امتحان کی بات کی تھی۔ یہ تمہارا شکار ہے یہ چاقو لو اس سے اس کی گردن کاٹ ڈالو۔'' علی خیر شاہ نے مسکراتے ہوئے چاقو اپنے ہاتھ میں لے لیا سنال منہ پھاڑے یہ الفاظ سن رہا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ علی خیر شاہ نے چاقو ہاتھ میں پکڑا تو کیتھرائن نے کہا۔

''مگر ایک بات سنو۔ تمہارے لباس پر خون کا ایک دھبہ نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ مہارت ہوگی۔ اے کیا نام ہے تمہارا۔'' اس بار کیتھرائن نے سنال کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

''سنال۔'' سنال نے جواب دیا۔

''یہ لڑکا کتنا چھوٹا ہے تم سے۔ معصوم سا بچہ ہے یہ۔ کیا تم اس سے کمزور ہو۔''

''نہیں۔''

''دیکھو۔ اس کے ہاتھ میں چاقو ہے اور یہ تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ اپنی بچت کرو۔''

کیتھرائن بولی اور سنال نے ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔ اپنی بچت کا یہی ذریعہ اسے نظر آیا تھا باقی اور تو وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ چونکہ جانتا تھا کہ یہ وڈیروں کے گھرانے کے لوگ ہیں۔ ابھی اس نے چند ہی قدم کا فاصلہ کیا تھا کہ علی خیر شاہ نے ایک پتھر اٹھایا اور پوری قوت سے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دے مارا یہ اسے روکنے کی کوشش تھی۔ وہ بے اختیار ہو کر سنال کے پیچھے نہیں بھاگا تھا۔ سنال کی کمر پر پتھر پڑا تو اس کے حلق سے ایک دلدوز کراہ نکل گئی اور پھر وہ اوندھے منہ نیچے گر اپڑا اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر علی خیر شاہ اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر چاقو کا ایک زوردار چرکا سنال کی گردن کی شہ رگ پر لگا اور اس کے حلق سے ہائے نکل گئی۔ بھرپور وار تھا اس کی گردن کٹ کر ایک طرف جھک گئی اور نرخرے سے خون کا فوارہ بہہ نکلا علی خیر شاہ پیچھے ہٹ گیا تھا کیتھرائن سرد نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی اور اس وقت اسے علی خیر شاہ کے چہرے پر جو درندگی نظر آ رہی تھی وہ بہت سفاک اور خوفناک تھی کیتھرائن کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی پہلا وار کرنے کے بعد علی شاہ صرف خون کی دھار سے بچنے کے لیے ایک طرف ہو گیا تھا۔ لیکن جیسے ہی دھار ہلکی ہوئی اس نے سنال کی پسلی پر وار کیا اور پھر مسلسل اس پر وار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے سنال کے بال پکڑے اور اس کی گردن ایک ہی وار میں اس کے شانوں سے جدا کر دی دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کے لباس پر خون کی کوئی چھینٹ نہیں پڑی تھی یہ اس کی مہارت کا ثبوت تھا ایک انسان زندگی سے محروم کر دیا گیا اور کیتھرائن کے حلق سے ایک غرائی ہوئی آواز نکلی۔

''علی خیر محمد گوٹھ کے لوگو اس زمین پر انگریز کا قتل عام ہوا تھا اور تم لوگوں نے اپنے آپ کو جنگ آزادی کا ہیرو قرار دے دیا تھا۔ آج اس زمین کی تاریخ میں انتقام کی پہلی اینٹ رکھ دی گئی ہے۔ یہ خون ان انگریزوں کے نام پر جو تم لوگوں کے ظلم کا شکار ہوئے تھے اور ان سے بدلہ لینے والی کیتھرائن ہے۔ کیتھرائن الیگزینڈ سمجھے۔ کیتھرائن الیگزینڈر۔'' کیتھرائن نے

خونی نگاہوں سے علی خیر شاہ کو دیکھا اور اس کے ہاتھ بجانے والے انداز میں اٹھ گئے۔"

"یہ گردن اسی جگہ پھینک دو۔ چاقو میرے حوالے کردو اور خاموشی سے گھوڑے پر آ کر سوار ہو جاؤ۔ تمہارے ہاتھوں پر تو خون کی چھینٹیں نہیں ہے۔"

"میرے لباس پر خون کی چھینٹیں نہیں ہیں چچی جان باقی آپ نے یہی کہا تھا۔"

"آؤ...... میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تمہیں ہاتھ کہاں دھونے ہیں چلو میرے ساتھ۔"

کیتھرائن نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑی۔

"غلطیاں سب سے ہوتی ہیں شرجیلہ اور مکرم شاہ سے بھی غلطی ہوئی تھی۔ دونوں انتہا پسند ہو گئے تھے اور اس انتہا پسندی نے انہی کے اپنے خون کو ان سے بہت دور کر دیا تھا بلکہ لفظ بہت دور کافی ہلکا ہے غازی شاہ تو اب ان دشمن بن چکا تھا وہ کسی مشکل کا شکار ہوتے تو غازی شاہ کے قریب بھی کھڑا ہونا ناپسند ہوتا علی خیر محمد گوٹھ کا بہت زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ اس سے کہیں زیادہ فاصلہ غازی شاہ کا اپنوں سے تھا اور اس کا دل ان سے ہٹ چکا تھا ظفر شاہ بگڑ کر چلا گیا تھا لیکن اس نے شرجیلہ مکرم شاہ کو غازی شاہ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

غازی شاہ نے ایک بار کیتھرائن سے کہا۔

"کیتھرائن مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ظفر شاہ بیگم سائیں اور مکرم شاہ کو ہماری گفتگو کے بارے میں بتائے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا۔ ظفر شاہ کو راستے سے ہٹا دیا جائے اب تو ہمارے ساتھ فضل شاہ بھی ہے اور فضل شاہ کے پاس ایسے بندے موجود ہیں جو یہ چھوٹے موٹے کام آسانی سے کر سکتے ہیں۔ میں قربان کو بھی منظر عام پر نہیں لانا چاہتا کیونکہ وہ ہمارا بالکل اپنا آدمی ہے اور ہم اسے اس وقت استعمال کریں گے جب ہمیں کوئی خاص ضرورت ہو۔"

"ساری باتیں ٹھیک کہتے ہیں چھوٹے سائیں پر ذرا سے جذباتی ہو مجھے تو حیرت ہے کہ آپ کو اگر کسی سے واقعی دشمنی کرنی پڑ جائے تو آپ دشمنی نہیں کر سکتے۔ چھوٹے سائیں بندہ ضرور مارنا چاہیے مگر اس وقت جب اس کی زندگی آپ کے لیے خطرہ بن جائے۔ ویسے اس طرح کے کام ٹھیک نہیں ہوتے۔ ظفر شاہ کو زندہ رہنے دیں۔ آپ اپنے طور پر کسی وکیل سے مشورہ کریں۔ چلیں کراچی کا ایک چکر لگاتے ہیں۔" غازی شاہ تیار ہو گیا۔ کیتھرائن چاروں طرف کی جنگ لڑ رہی تھی۔ ایک طرف وہ اپنے منصوبے کے مطابق علی خیر شاہ کو اس پورے علاقے کے لیے ایک خوفناک شخصیت بنا رہی تھی اس کی آرزو تھی کہ علی خیر شاہ جتنی جلدی بڑا ہو جائے۔ اتنی ہی تیزی سے اس کا کام ہوا اور دوسری طرف وہ ان لوگوں کے لیے سازشیں کر رہی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے سب ہی سے نفرت تھی ان سارے علاقوں سے اس کے دل میں

وہی جنون تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے کرتا دھرتا کے دلوں میں تھا۔ ہاں ذرا سی غلطی شرجیلہ اور مکرم شاہ یہ ہوئی کہ بعد میں وہ غازی شاہ کو اپنی مٹھی میں لیتے' دکھاوے کے لیے ہی سہی لیکن کیتھرائن کی مخالفت بھی ترک کر دیتے۔ ہاں اس پر نظر ضرور رکھتے اس طرح غازی شاہ مکمل طور پر کیتھرائن کی بند مٹھی میں نہ آ جاتا اب تو اس کے اپنے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ہی ختم ہو گئی تھیں اور وہ ہر مسئلے میں کیتھرائن کی صورت میں دیکھنے لگتا تھا۔ چنانچہ کیتھرائن تیاریاں کرنے کے بعد کراچی چل پڑی۔ یہاں غازی شاہ نے تھوڑی سی معلومات حاصل کرنے کے بعد ایک بہت نامور ایڈووکیٹ سے رابطہ قائم کیا اس کے بارے میں فضل شاہ نے بھی بتایا تھا۔ یہ بیرسٹر حامد حسن تھا کیتھرائن اور غازی شاہ نے حامد حسن سے ملاقات کی اپنا تعارف کرایا تو حامد حسن نے انہیں بھرپور پذیرائی دی اور کہا۔

"فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ایک مشکل کیس لائے ہیں ہم آپ کے پاس۔"

"غازی شاہ نے کہا اور مختصر الفاظ میں زمینوں کے بارے میں تفصیل بتا دی اور حامد حسن نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔"

"نہیں چونکہ آپ کے والد جب انتقال ہو چکا ہے وصیت بے شک کی ہے انہوں نے لیکن زمینیں آپ کی والدہ کے نام تو نہیں کی گئیں۔ چنانچہ اس صورت میں انہیں یہ تقسیم روکنے کے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ آپ ایسا کریں اپنے بھائی کے نام ایک نوٹس ارسال کرا دیں۔ جس میں ان زمینوں کا مطالبہ کریں۔"

"اس کا کوئی فائدہ ہو گا۔"

"نوٹس کا جواب دینا پڑے گا اور ہو سکتا ہے کوئی درمیانی ترکیب نکل آئے۔ ویسے میں اس سلسلے میں مزید معلومات آپ کو بہت جلد فراہم کر دوں گا۔ آپ اجازت دیں تو نوٹس بھجوائے دیتا ہوں۔"

"آپ نوٹس بھجوا دیجیے۔" کیتھرائن نے کہا اور ضروری تیاریوں کے بعد بیرسٹر حامد حسن نے کاغذات مکمل کرنے کے لیے غازی شاہ سے دستخط لیے اور اسے اطمینان دلایا کہ نوٹس بہت جلد پہنچ جائے گا۔ معقول فیس لی گئی تھی نوٹس صرف ہو گیا اور مکرم شاہ کو مل گیا۔ مکرم شاہ کو کو نوٹس ملا تو اس کے دل پر گھونسا سا لگا تھا غازی شاہ نے کہیں کسی جگہ کوئی رعایت نہیں کی تھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ لیکن اس کے دل میں غازی شاہ کے لیے اب بھی بڑی محبت تھی۔ ماں کے ایک مطالبے کو اس نے ٹھکرا دیا تھا کہ علی خیر شاہ کو غازی کے پاس سے ہٹا دیا جائے۔

زمینوں کے مسئلے میں بھی کبھی اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ غازی شاہ کو کبھی کسی چیز سے بے دخل کر دے گا یہ نوٹس اس کے لیے بڑا دکھ بھرا تھا وہ یہ نوٹس کے لے شرجیلہ کے پاس نہیں پہنچا تھا کیونکہ جانتا تھا شرجیلہ بیٹے سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور اس شدید محبت نے ہی اس کے دل کو نفرت سے بھر دیا تھا۔ یہ بھی انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شرجیلہ اس سلسلے میں کبھی کوئی رعایت نہیں کرے گی اور عمل کر ڈالے گی یعنی مقدمہ باقاعدہ لڑا جائے گا۔ بہر حال اس نوٹس کو مکرم شاہ نے بار بار پڑھا تھا اور اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا پھر اس نے ظفر شاہ سے معاملہ طے کرنے کے بجائے غازی شاہ سے ملنا ضروری سمجھا وہ ماں کو بتائے بغیر غازی شاہ کے پاس پہنچ گیا تھا معمول کے مطابق غازی شاہ نے بڑی سرد مہری سے مکرم شاہ کا استقبال کیا۔ کیتھرائن تو ہر وقت غازی شاہ پر مسلط ہی رہتی تھی۔ اس وقت بھی اس کے پاس موجود تھی۔ مکرم شاہ نے اسے عجیب سے نگاہ سے دیکھا تو غازی شاہ بولا۔

"اور اب آپ یہ کہو گے سائیں کہ کیتھرائن کو میں اپنے پاس سے ہٹا دوں۔ یہ آپ سب لوگوں کی آنکھوں میں بری طرح کھٹکتی ہے تو ٹھیک ہے کیتھرائن تم چلی جاؤ تھوڑی دیر کے لیے ادا سائیں کا احترام مجھ پر فرض ہے۔" کیتھرائن اپنی جگہ سے اٹھی تو مکرم شاہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اس سے پہلے کبھی میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اگر تمہارے ذہن میں نئی نئی باتیں آتی ہیں غازی شاہ! تو میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ بیٹھو کیتھرائن کوئی ایسی بات کرنے نہیں آیا ہوں میں۔ جس کے لیے تمہارا یہاں سے ہٹنا ضروری ہو۔"

"سائیں! میری ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ انسان سے انسان کی نفرت کا جواز ہوتا ہے۔ کوئی دشمنی ہوتی ہے۔ کوئی واقعہ ہوتا ہے۔ ایک ایسی لڑکی سے آپ کی نفرت یا بیگم سائیں کی نفرت ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی ہے۔ جس نے کبھی آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"اس موضوع پر میں کوئی بات کرنے نہیں آیا ہوں۔ غازی شاہ مجھے تمہارا نوٹس ملا ہے۔"

"مجبوری تھی سائیں مجبوری تھی۔ وہ ظفر شاہ تمہارا پالتو ہے وہ میرے لیے کیا کر سکتا تھا۔ سائیں! میں نے اس سے کہا تھا کہ میری زندگی کی مصروفیت بھی اگر آگے بڑھ جائے تو اچھا ہے۔ میں نے زمینیں بھی پسند کر لی تھی مگر آپ نے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ آپ لوگوں کی بات میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ آپ لوگ چاہتے ہیں میں کیتھرائن کو لے کر

واپس انگلینڈ چلا جاؤں۔ سائیں میں نے کیتھرائن سے یہی بات کہی تھی مگر وہ نہیں مانتی وہ کہتی ہے کہ پہلے ہمیں ہمارا جرم بتا دیا جائے۔"

"تم بات کو ہمیشہ دوسرے رخ پر لے جاتے ہو غازی شاہ! میں نے کبھی تم سے نہ نفرت کی اور نہ یہ چاہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تم سے ہمیشہ اچھے انداز میں ملنے کے لیے آیا لیکن تم غلط موضوع نکال لیتے ہو۔ اور خوش ہوتے ہو کہ شاید تم مجھے ذلیل کر رہے ہو۔ یہ صرف تمہارا خیال ہے غازی کی شاہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تم سے نوٹس کی بات کرنے آیا ہوں کیا ضرورت تھی نوٹس بھیجنے کی۔ میں نے تمہارا سامنے بیگم سائیں کا خیال رکھا تھا۔ ارے پاگل ماں ہیں وہ تیری جا محبت سے اس کے کندھے پر سر رکھ دے اور ضد کرنا شروع کر دے کہ تجھے کیا چاہیے۔ میرا تو صرف ایک وعدہ ہے کہ ماں تجھے کچھ دے گی تو میں روکوں گا نہیں۔"

"ٹھیک کہتے ہیں سائیں ماں نے مجھے جو کچھ دیا تم نے اسے نہیں روکا ہوگا۔ نہیں روکا ہوگا تم نے اسے تم اگر روکتے تو شاید مجھے زندگی کا یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔" کیتھرائن پھر ایک دم آگے بڑھی پھر اس نے کہا۔

"سائیں! کوئی شکایت ادا سائیں سے نہ کرو۔ بڑے سائیں اتنے برے انسان نہیں ہیں سمجھ رہے ہو نا۔ جذباتی ہو کر ایسی بات مت کرو جو نقصان بن جائے۔" کیتھرائن نے غازی شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ بظاہر اس کا لہجہ نرم اور میٹھا تھا لیکن جب غازی شاہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اس میں جہنم کی آگ سلگ رہی تھی۔ وہ اس بات پر سخت ناراض تھی کہ غازی شاہ بار بار پٹری سے اتر جاتا ہے اور وہ کہنے پر آ جاتا ہے جو اسے نہیں کہنا چاہیے غازی شاہ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر بولا۔

"آپ کس کس چیز سے محروم کرو گے بڑے سائیں میں ان زمینوں پر کام کرنا چاہتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے لیے یہاں محبت کی فضا نہیں ہے۔ میں زمینوں کو گلزار بناؤں گا اور معاف کرنا آپ لوگ اسے لے اڑو گے۔ بیگم سائیں انہیں اپنی ملکیت قرار دے کر اپنی من مانی کریں گی۔"

"کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ زمینوں کے کاغذات پر اگر تیرا نام نہ لکھا گیا غازی شاہ تو وہ زمینیں میری ملکیت نہیں بن جائے گی۔ میں بیگم سائیں کی بات نہیں کرتا لیکن تیرے لیے میں ہر چیز سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ سے کاغذات پر دستخط کروا لے میں اقرار کروں گا سمجھ رہا ہے نا تو۔ کیوں میرے دل پر زخموں پر زخم لگائے جاتا ہے۔ غازی شاہ مجھے اتنا

برا نہ سمجھ میں تجھ سے الگ نہیں ہوں۔'' اس سے پہلے کہ غازی شاہ کوئی جواب دیتا۔کیتھرائن نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''بڑے سائیں! آپ انہیں معاف کر دو یہ بڑے جذباتی ہیں۔ ہمیشہ سمجھاتی ہوں میں انہیں کہ تم بھائی بھائی آپس میں اختلاف مت پیدا کرو۔تمہیں زندگی کے راستوں پر بہت آگے تک بڑھنا ہے۔پر یہ نہیں مانتے اور کیا چاہتے ہو غازی شاہ! اگر تمہارا خیال ہے کہ بڑے سائیں تمہارے حقوق پر ڈاکہ ڈالیں گے تو زمینوں کے کاغذت تیار کراؤ اور ان پر بڑے سائیں سے دستخط کرالو۔یہ ان سے دست بردار ہو رہے ہیں۔اور کیا چاہ ہو گے تم ان سے بڑے سائیں میں معافی چاہتی ہوں مجھے آگے بڑھ کر آپ دونوں بھائیوں کے درمیان نہیں بولنا چاہیے۔لیکن میں یہ بھی نہیں دیکھ سکتی کہ دن رات ٹینشن میں گزاریں۔آپ براہ کرم ان کی باتوں کو جانے دیں۔میں کاغذات تیار کرائے دیتی ہوں۔آپ ان پر دستخط کر دیں یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں ان زمینوں پر ان سے کام شروع کرداوں گی۔'' مکرم شاہ نے نگاہیں اٹھا کر کیتھرائن کو دیکھا زمانے سے ناواقف وہ بھی نہیں تھا۔اس وقت اسے کیتھرائن کا اصل نظر آیا تھا۔وہ واقعی چالاک عورت تھی اس نے فوراً ہی بات کو پکڑا تھا اور اسے اس میں اپنا مفاد نظر آیا تھا لیکن مکرم شاہ یہ بھی جانتا تھا کہ غازی شاہ اس وقت موم کی ناک بنا ہوا ہے۔کیتھرائن اسے جدھر موڑ دے گی وہ ادھر ہی مڑ جائے گا۔زمینوں کے سلسلے میں وہ پوری طرح غازی شاہ کے حق میں دست بردار ہونے کو تیار تھا۔اور اس وقت بھی یہ سوچ کر آیا تھا کہ اگر غازی شاہ نے اس سے فوری طور پر دستخط مانگے تو وہ زمینوں سے دست برداری کا کاغذ لکھ کر ان پر دستخط کر دے گا۔کیتھرائن نے پھر کہا۔

''بڑے سائیں! میں آپ کے لیے کچھ لے آؤں۔''

''نہیں کیتھرائن ایسے نہیں جب یہ محبت سے مجھے بلا کر کچھ پلائے گا۔تو میں زہر بھی پی لوں گا اس کے ہاتھ سے ہم لوگ زبان کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔جو میں کہہ رہا ہوں تم سے وہ کر لوں گا سمجھیں۔زہر پی لوں گا میں اس کے ہاتھ سے تم کاغذات تیار کرالینا مجھے اطلاع کرا دینا میں ان پر دستخط کر دوں گا۔ چلتا ہوں۔'' مکرم شاہ نے کہا اور واپسی کے لیے چل پڑا کیتھرائن مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا کیتھرائن نے قہقہ لگایا اور غازی شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''اسے کہتے ہیں کہ اپنے دام میں صیاد خود پھنس گیا۔بڑے سائیں اپنی محبت کی کہانی سنانے آئے تھے انہوں نے سوچا کہ چلو ایک داؤ مار دیا جائے۔سو انہوں نے داؤ مارا لیکن اسی

داؤ میں پھنس گئے۔اب دیکھوں گی کہ وہ دستخط کیسے نہیں کرتے۔آپ ایسا کرو چھوٹے سائیں! بیرسٹر حامد حسن کو یہاں بلالو بلکہ ان سے کہو کہ اس طرح کے کاغذات تیار کرالیں۔ انہیں ساری تفصیل بتا دو۔ہم سائن کرالیتے ہیں اس کے بعد ہم اپنا کام شروع کر دیں گے۔''

''ٹھیک ہے میں بھی اب جذباتی نہیں رہا ہوں۔کام ٹھوس بنیاد پر ہونا چاہیے اور یہ ٹھوس بنیاد یہی ہے کہ ہر موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔''

☆☆☆☆☆☆

شرجیلہ رات کی تنہائیوں میں جاگتی تھی، روتی تھی گزرے ہوئے وقت کو یاد کرتی تھی۔کس طرح اس نے ان دونوں بچوں کی پرورش کی تھی۔غازی شاہ کی معصوم معصوم باتیں آج بھی اسے اپنے کانوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں اور رات کی تاریکیوں میں اس کا دل چاہتا تھا کہ اڑ کر غازی شاہ کے پاس پہنچ جائے۔اس کے رخساروں پر طمانچے لگائے اور اس سے پوچھے کہ بے ایمان! کیا میرے سینے پر سر رکھ کر سونے کا لمس بھول گیا۔کیا میرے ہونٹوں کی حلاوت اپنی پیشانی پر بھول گیا۔کیا وہ باتیں تجھے یاد نہیں رہیں تو توتلی زبان میں کیا کرتا تھا۔ضدیں کرتا تھا پیار کرتا تھا کیا کیا بنا کر تجھے پروان چڑھایا تھا۔میری محبتیں کسی غیر کے حوالے کر دیں تو نے اور مجھے بھول گیا۔آخر کیوں؟ میری پسند کو تو نے اپنے ذہن میں کیوں نہیں رکھا۔یہ کیوں نہیں سوچا کہ بیگم سائیں! تیرے مستقبل کے لیے راستے منتخب کرے گی۔ بہرحال جب بھی رات کو آنکھ کھل جاتی تھی۔وہ بیٹھ کر یہی تمام باتیں سوچتی تھی اور اس وقت بھی وہ کھلی فضا میں سو رہی تھی۔آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور اس کی سوچیں ان ستاروں کے ساتھ جڑ گئی تھیں۔اس کو اپنے بازو پر غازی شاہ کے سر کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔اور وہ اسے یاد کر رہی تھی ایک سسکی سی اس کے حلق سے نکل گئی۔عورت ماں ہو یا بیوی ہو۔بہت تھوڑا سا فرق ہوتا ہے دونوں کی سوچ میں وہ رقابت محسوس کر رہی تھی۔اس عورت سے جس کے بازو پر اس وقت غازی شاہ کا سر ہوگا۔ایک اجنبی عورت جوان کی ہم مذہب بھی نہیں ہے کیتھرائن کا یہ جرم بھی سب سے بڑا تھا کہ اس نے مذہب قبول کیئے بغیر سندھی نوجوان کو اپنا لیا تھا۔یہ نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یہ ہو گیا تھا۔شرجیلہ کو بعض اوقات مکرم شاہ کی باتیں یاد آتی تھیں تو وہ ان پر سنجیدگی سے غور کرنے لگتی تھی اور سوچتی تھی کہ مکرم شاہ بعض معاملات میں بالکل سچ کہتا ہے۔ ایک دم شدت اختیار کرنے کے بجائے نرمی سے کام لیا جاتا۔غازی شاہ کو ہاتھ میں رکھا جاتا تو شاید کیتھرائن کا پتا کٹ جاتا۔بہت سی چالیں چلی جا سکتی تھیں۔لیکن شرجیلہ بھی بے اختیار ہو گئی تھی اور وہ بھرپور ردعمل ظاہر کیا گیا تھا۔جس نے غازی شاہ کو ان لوگوں سے اتنا دور کر دیا تھا اور

اب تو فاصلہ بھی بہت زیادہ ہوگیا تھا اور اسے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اگر چالاکی سے کام لیا جاتا اور حویلی ہی میں ان لوگوں کو جگہ دی جاتی۔ انہیں اختیارات دیئے جاتے تو شاید آگے کچھ کرنے کے راستے مل سکتے۔ اب بھی اس کے ذہن میں یہ تصور آتا تھا کہ سکھاواں اس کے بیٹے اور اس سپیرے کا غائب ہو جانا اور باغ سے ڈھانچوں کا برآمد ہونا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ کیتھرائن اور غازی کو شرجیلہ کی کاروائی کا علم ہو چکا ہے اور یہ بات سوچ کر شرجیلہ کو ایک عجیب سا احساس ہوتا تھا اور وہ سوچتی تھی کہ اگر ان لوگوں کو علم ہو چکا ہے تو کم از کم ان لوگوں نے مکرم شاہ کو اس بارے میں نہیں بتایا اور انتقام کے طور پر سکھاواں وغیرہ کو ہلاک کر دیا ہے۔ مگر یہ کیسے پتا چلے یہ تو بڑی مشکل کی بات ہے بہت سی باتیں سوچتی رہی اور پھر ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ ذرا سی معلومات تو حاصل کرے کہ اس وقت علی گوٹھ کی حویلی میں غازی شاہ اور کیتھرائن کے ساتھ کون کون سے ملازم کام کر رہے ہیں یہ ملازم ہی وہاں کی خبریں دے سکتے تھے۔ ورنہ فاصلہ اتنا ہوگیا تھا کہ اب ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا بڑا مشکل ہوگیا تھا وہ رات شرجیلہ ساری رات جاگتی رہی، سوچتی رہی اور آخر کار اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی بہرحال دنیا ساز تھی دنیا کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی عمر کا تجربہ بھی تھا اسے ایک دو معاملات میں اس نے مکرم شاہ کو ٹٹول کر دیکھ لیا تھا مکرم شاہ کے دل میں بھائی کے لیے بہت محبت تھی اور اگر شرجیلہ مکرم شاہ کو ایک لمحے کے لیے اجازت دے دیتی کہ غازی شاہ کی تمام خواہشوں کو پورا کر دیا جائے۔ تو یقینی طور پر کیتھرائن اپنے تمام مقاصد حاصل کر لیتی لیکن شرجیلہ ایسا نہیں ہونے دے سکتی تھی۔ آخر کار وہ بھی عورت تھی اور عورت کسی عورت سے بہت مشکل سے شکست قبول کرتی ہے۔ جو منصوبہ اس نے رات بھر میں بنایا تھا وہ بہرحال کارآمد تھا ویسے تو حویلی میں بہت سے افراد ایسے تھے جن پر اعتبار بھی کیا جا سکتا تھا اور جن کے بارے میں یہ پتا بھی تھا کہ ماضی میں انہوں نے تمام وفاداریوں کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دی ہیں۔ لیکن سچل ایک سچا ہی آدمی ثابت ہوا تھا۔ ان لوگوں کے کام آنے والا بھی تھا۔ بہت پرانا ملازم تھا بہت ہی پرانا اور یہاں بوڑھا ہوگیا تھا چنانچہ شرجیلہ نے سچل ہی کو طلب کر لیا۔ دل کی باتیں اس سے کہی جا سکتی تھیں اور اس اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی تھیں کہ یہ باتیں کہیں اور نہیں کہی جائیں گی۔ سچل معمول کے مطابق حاضر ہوگیا تھا اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گردن جھکائی اور بولا۔

''بیگم سائیں! حکم کیجئے کس کام سے بلایا ہے غلام کو۔''

''بیٹھ جاؤ بابا سچل جب تم ایسی باتیں کرتے ہو تو مجھے افسوس ہوتا ہے تم کبھی غلام نہیں

سمجھے گئے۔ تم تو میرے ایک ساتھی ہو۔ بابا سچل سچ بات کہوں۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں خوش کرنے کے لیے یہ بات کہہ رہی ہوں۔ اب جب وہ جدا ہوگئے ہیں۔ جن کے ساتھ زندگی گزارنے ہوئے تمہارا بھی ساتھ تھا تو پھر تم ان میں محسوس ہوتے ہو جن پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ دل میں جب بھی دکھی ہوتی ہوں۔ میں تمہارے کو بلا لیتی ہوں۔'' سچل نے گردن جھکا کر کہا۔

''بیگم سائیں! آپ یقین کرو۔ اللہ سائیں سے جب بھی دعا مانگی ہے یہی مانگی ہے کہ آپ کی وفاداری میں میں زندگی جائے۔''

''سچل ان دنوں جتنی پریشان ہوں میں تمہیں اس کا اندازہ ہوگا۔''

''ہاں بیگم سائیں! اندازہ ہے مجھے اولاد اگر ہاتھ سے نکل جائے تو انسان کو بڑی کمی کا احساس ہوتا ہے اللہ بڑے سائیں کو زندگی دے۔ وہ آپ کے لیے بہت اچھے ہیں۔ چھوٹے سائیں بس ہماری اپنی کمی کا شکار ہوگئے ہیں۔''

''میں غازی شاہ کے لیے بڑی پریشان ہوں۔ چھوٹی اولاد ویسے بھی بہت پیاری ہوتی ہے۔ سچل غازی شاہ جس طرح ایک غیر عورت کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ میں مرنے کے بعد بھی قبر میں کروٹیں بدلتی رہوں گی اور اس دکھ کو نہیں بھول پاؤں گی۔ جہاں تک کیتھرائن کو کوئی حیثیت دینے کا سوال ہے۔ میں وہ بھی نہیں کر سکتی کیونکہ بزرگوں کے مرنے کے بعد علی خیر محمد گوٹھ کی روایات کی جس حد تک بھی ممکن ہے پابندی کرنا میرا فرض ہے اور میرے بعد مکرم شاہ کا، ہم نے اس انگریز عورت کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار کر کے اپنی زمین سے محبت کا ثبوت دیا ہے بیٹے کے اس کے قبضے میں چلے جانے کی کیفیت کو برداشت کو کے میں اپنا مشن جاری رکھنا چاہتی ہوں لیکن ایک بات اور ہے سچل وہ یہ کہ دشمن سے ہوشیار رہنا بھی بے حد ضروری ہے۔ ہم اگر دشمن کے وار کا شکار ہوگئے تو یہ تو کوئی بات نہ ہوئی اس نے انہیں قبضے میں کر لیا ہے اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔ لیکن غازی شاہ کو اس کے قبضے سے نکالنے کی کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سچل جو باتیں اس وقت تم سے کہہ رہی ہوں۔ وہ میرا راز ہے تمہارے پاس میری امانت اسے اپنے سینے میں رکھنا کسی بھی طرح وہ دوسروں کے کانوں تک نہ جائے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔''

''ہاں بیگم سائیں! سمجھ رہا ہوں۔ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔''

''تو پھر سنو میں چاہتی ہوں کہ مجھے غازی شاہ کی حویلی کی تمام باتیں معلوم ہوتی رہیں۔ وہاں جتنے ملازم ہیں ان کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ کون کون ہیں۔ یہاں ہماری

حویلی سے تو صرف چند ہی مرد اور عورتیں وہاں گئے ہیں اور ان کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں یہ بات جانتی ہوں کہ کیتھرائن نے کوئی بھی پہلو کمزور نہیں چھوڑا ہوگا۔ وہ خود بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ حویلی سے اس کے خلاف کوئی بھی کارروائی ہو سکتی ہے۔ بلکہ سچل سائیں! ایک بار پھر میری سکھاواں کا تذکرہ کروں گی۔ ماری گئی بیچاری میری وفاداری میں اور اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ کیتھرائن اور غازی شاہ کو ہماری کارروائی کا پتا ہے۔'' سچل نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور بولا۔

''یہ بات تو میں آپ کو بتاتا ہوں بیگم سائیں! سکھاواں، اس کا بیٹا، اس کے بچے وہ سپیرا یہ سارے کے سارے مارے گئے ہیں۔ آپ کو میں نے پہلے ہی بتایا تھا کہ اس وقت چھوٹے سائیں اور ان کی دلہن اسی باغ میں مقیم تھے جب سکھاواں غائب ہوئی۔ ایک بات آپ کو اور بتاؤں بیگم سائیں! کہ قربان آپ قربان کو جانتی ہیں۔''

''ہاں جانتی ہوں۔ وہ لچا، لفنگا، غنڈہ۔''

''اسی کی بات کر رہا ہوں بیگم سائیں! وہ آج کل چھوٹے سائیں کے پاؤں پکڑے دیکھا جاتا ہے۔ بہت زیادہ منہ لگا ہوا ہے ان کے۔''

''سچل بابا! دیکھو میں اس وقت تک محاذ سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ جب تک میری جان میں جان ہے۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ لوگ کامیابی حاصل کرتے رہیں اور ہم یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں۔ ہمیں پتا چلتا رہنا چاہیے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور اس کے لیے میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ اگر تم اس پر عمل کرو تو۔''

''بولو بیگم سائیں۔''

''کسی وقت مکرم شاہ اور دوسرے لوگوں کی موجودگی میں تمہیں برا بھلا کہوں گی اور بہت زیادہ سخت زبان استعمال کروں گی تمہارے ساتھ اور اس کے بعد تمہیں نکال دوں گی لیکن اداکاری پوری پوری ہونی چاہیے اور ایسے لوگوں کے سامنے ہونی چاہیے جو کسی نہ کسی طرح غازی شاہ اور کیتھرائن تک یہ اطلاع پہنچائیں کہ میں نے تمہیں نکال دیا ہے اس کے بعد تم غازی شاہ کے پاس جاؤ گے مظلوم بن کر اور اسے اپنے بارے میں بتاؤ گے ہو سکتا ہے غازی شاہ تمہیں رکھ لے۔ بہرحال کوئی متنازعہ شخصیت نہیں ہو۔ تم وہاں پہنچو گے تو تمہیں یہ سارے کام کرنا ہوں گے کیتھرائن کی نگرانی اور اس کے علاوہ جو اہم کام میں تمہیں سونپ رہی ہوں وہ یہ ہے کہ تم علی خیر شاہ پر نگاہ رکھو گے۔ جسے کیتھرائن جیسی ناگن کے حوالے کر رکھا ہے۔ کیتھرائن کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اس سے ہر بات کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ تمہیں صرف اس بات کا خیال رکھنا ہے۔''

''ٹھیک ہے بیگم سائیں میں آپ کا مطلب پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔ آپ کو خفیہ طور پر اس بارے میں اطلاع دوں گا لیکن ایک بات غازی شاہ اور کیتھرائن نے مجھے نہ رکھا تو۔''

''تو تم واپس آ کر معافی مانگ لینا بات ختم ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! میں ساری کارروائی کے لیے تیار ہوں۔'' سچل نے کہا اور منصوبہ تکمیل پا گیا۔ شرجیلہ بہرحال اچھی خاصی تیز خاتون تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان بوڑھا ہونے کے بعد دوسروں کا مرہون منت ہو جاتا ہے مکرم شاہ ماں کی ہر بات پر گردن جھکا لیا کرتا تھا لیکن غازی شاہ کے مسئلے میں اس نے ماں سے چھپا کر کچھ عملی اقدامات کیے تھے لیکن اس کا رزلٹ یہ تھا کہ غازی کسی حد پر سکون ہو گیا تھا۔ سچل کا کھیل اس وقت شروع ہوا جب مکرم شاہ افریشم، مکرم شاہ کی دونوں بچیاں وغیرہ موجود تھے اور باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک ہی شرجیلہ کو کچھ یاد آیا اور اس نے ملازمہ سے کہا۔

''سچل کو بلا کر لاؤ۔ یہ اب کئی کئی دن تک صورت نہیں دکھاتا۔ ایک کام کیا تھا میں نے اس کے سپرد۔'' ملازمہ سچل کو بلانے چلی گئی۔ مکرم شاہ افریشم یا دوسرے لوگوں کو یہ احساس نہیں ہو سکا تھا کہ اس سب میں کوئی اداکاری ہے۔ سچل آ گیا۔ اس وقت کچھ ایسے ملازم بھی یہاں موجود تھے جو خاص قسم کے ملازم ہوتے ہیں۔ یعنی پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ جو مالکان کے بارے میں باتیں ضرور کیا کرتے ہیں۔ ہر چیز کی چھان بین ہوتی ہے۔ بہرحال سچل آیا تو شرجلہ نے کہا۔

''بابا سچل تم اب اتنے بوڑھے ہو گئے ہو کہ اب تم سے کوئی کام کہنے کو دل بھی نہیں چاہتا۔ مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر انسان اپنے فرض پورے نہ کر سکے تو کسی جگہ پر مسلط رہنا کون سی غیرت کی بات ہے۔''

''حکم دیجئے۔ بیگم سائیں! اس میں کوئی شک نہیں کہ دماغ کچھ کمزور ہو گیا ہے پر جب ہمارا دماغ طاقت ور تھا تو ہم آپ کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دیتے تھے۔''

''زبان تو چلتی ہے اچھی طرح دماغ اگر کمزور ہو گیا ہے پر زبان تو کمزور نہیں ہوئی۔ یاد کرو کچھ کہا تھا میں نے تم سے۔''

''یادداشت کی تو بات ہے۔ بیگم سائیں آپ دوبارہ کہہ دو آپ کی مہربانی ہو گی۔''

''میرا دماغ خراب نہیں ہے سمجھے۔ اور اگر اب تم سے کام نہیں ہوتا تو ایک کونے

میں جا کر بیٹھ جاؤ۔''

''یہ تو ہم نے کبھی نہیں کیا بیگم سائیں۔''

''تو پھر دفعان ہو جاؤ۔ اس حویلی سے لوگ کہتے ہیں کہ لنگڑے گھوڑے کو گولی مار دی جاتی ہے۔ تم سچ مچ لنگڑے گھوڑے ہو چکے ہو۔ لیکن تم گھوڑے نہیں ہو کہ تمہیں گولی مار دی جائے۔ اگر کچھ عزت اور کچھ غیرت رکھتے ہو تو دوبارہ مجھے حویلی میں نظر نہیں آنا۔ میں تمہیں حویلی سے نکالتی ہوں۔''

''نہیں بیگم سائیں! ایسا نہ کرو آپ کی مہربانی ہوگی اس بڑھاپے میں کدھر جائیں گے ہم۔''

''بابا سائیں آپ سے جو کہا جاتا ہے ذرا توجہ سے کام کر لیا کریں تاکہ بیگم سائیں کو ناراضگی کا موقع نہ ملے۔'' اس بار مکرم شاہ نے کہا۔

''بڑے سائیں کرتے تو ہیں وہی کام پر اب اسے کیا کریں کہ اللہ نے بڑھاپا دے دیا ہے۔ نوکر بوڑھا ہو جائے تو اسے بے عزتی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

''سن رہے ہو تم اس کے الفاظ ہم اس کی بے عزتی کرتے ہیں۔ ارے اتنے عزت دار ہو تو یہاں سے چلے کیوں نہیں جاتے۔''

''بیگم سائیں! اللہ کی دی ہوئی عزت ہے آپ تو صرف روٹی دیتی رہی ہیں۔ اللہ نے جو عزت دی ہے اس کی قدر کریں گے ہم چھوڑ دیتے ہیں آپ کی حویلی۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ اب دوبارہ آپ کو اپنا منہ نہیں دکھائیں گے۔'' یہ کہہ کر سچل باہر نکل گیا۔

''دیکھا...... دیکھا تم نے مکرم شاہ...... دیکھا۔'' افریشم بھی خاموشی سے کھانے میں مصروف رہی تھی۔ بہر حال گھر کے بڑوں کے معاملات تھے۔ وہ خود نہیں بولنا چاہتی تھی لیکن سچل منصوبے کے مطابق باہر چلا گیا کھانے سے فراغت حاصل کر کے جب مکرم شاہ باہر نکلا تو اس نے ملازموں کو جگہ جگہ کھڑے ہوئے باتیں کرتے ہوئے پایا۔ وہ افریشم سے بولا۔

''تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں بابا سچل کو سمجھاتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' افریشم نے کہا اور بچیوں کے ساتھ کمرے میں چلی گئی مکرم شاہ سچل کے کوارٹر میں پہنچ گیا تھا۔ یہاں بھی ملازم موجود تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

''بابا سچل چلے گئے یہاں سے۔'' مکرم شاہ ایک لمحے کے لیے ہکا بکا رہ گیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''چلے گئے؟''

''ہاں اور رو رہے تھے۔ سارا سامان اسی جگہ چھوڑ گئے ہیں۔ ایک جوڑی کپڑے بھی ساتھ نہیں لیے۔ ہم سے کہہ گئے ہیں کہ لوٹ لیں انہیں۔ جو کچھ ان کے کمرے میں ہے لوٹ لیں پر بیگم سائیں کو ایک بات بتا دیں کہ سچل کچھ لے کر نہیں گیا ہے۔ لباس اس کی مجبوری تھا۔'' مکرم شاہ کو بے حد افسوس ہوا۔ اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے سچل نے انتظار نہیں کیا چلا گیا لیکن وہ جب بھی واپس آئے اور احترام کے ساتھ اس کے کوارٹر میں پہنچا دینا۔'' یہ کہہ کر مکرم شاہ واپس حویلی کے اندرونی حصے میں چل پڑا۔ ادھر سچل اپنی تمام وفاداریوں کو سمیٹے ہوئے راستے طے کرتا ہوا علی گوٹھ پہنچ گیا۔ اس کی شخصیت ذرا مشکوک سی تھی۔ تقریباً تمام ہی افراد اسے شرجیلہ کا منہ چڑھا کہا کرتے تھے اور وہ شرجیلہ کے بڑے وفاداروں میں شمار ہوتا تھا۔ بہر حال سکھا اس کے سلسلے میں اس کا نام نہیں آیا تھا۔ اسے اتفاق ہی کہا جا سکتا تھا غازی شاہ کو اس کا پتا چلا تو وہ باہر نکل آیا۔ کیتھرائن بھلا اس سے الگ کہاں رہ سکتی تھی۔ سچل نے غازی شاہ کو سلام اور کیا اور بولا۔

''چھوٹے سائیں! آپ سے اجازت لینے آئے ہیں بڑا وقت گزر رہا ہے ہم نے آپ کے ساتھ بھی آپ کا بچپن ہماری گود میں گزرا ہے۔''

''کہاں جا رہے ہو بابا؟ آؤ بیٹھو۔'' غازی شاہ نے کہا اور سچل ان کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔

''آپ زمین پر نہیں بیٹھو سچل بابا! ہم نے ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے۔''

''بہت مہربانی سائیں! بہت مہربانی آپ سب لوگوں نے میری عزت کی ہے سائیں! بڑی مہربانی آپ کی۔ حالانکہ عزت سے ہمارا کیا تعلق۔''

''جا کہاں رہے ہو اور کیا بات ہو گئی۔''

''نوکری سے نکال دیئے گئے ہیں سائیں! اب سمجھ میں نہیں آتا کہ نوکری کریں یا کہیں جا کر ڈوب مریں۔ سائیں! یہ علاقہ چھوڑ رہے ہیں اب دل کھٹا ہو گیا ہے ادھر سے۔''

''کس نے نوکری سے نکال دیا تمہیں بابا سچل۔ اور نوکر تھے تم کہاں اس گھر کے۔ کون نوکر سمجھتا تھا تمہیں میرے بابا۔''

''وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے سائیں! عزت دے رکھی تھی انہوں نے ہمیں۔ مگر بیگم سائیں! نے سب کا دیا ہوا ہم سے چھین لیا۔ ارے دو روٹی کے علاوہ ہم کیا مانگتے تھے ان سے

ذرا سی غلطی ہوگئی نکال دیا ہمیں۔ اچھا تو نہیں کیا انہوں نے پر ہم ایک بات کا وعدہ کرتے ہیں آپ لوگوں کو بددعا کبھی نہیں دیں گے سائیں! بس پاؤں چھونے آ گئے ہیں اب ہمارے کو اجازت دو۔'' سچل روتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کیتھرائن گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''بیٹھو بابا سچل سائیں! بیٹھو...... ادھر بیٹھو ایک بری عورت باہر سے آئی ہوئی انگریزن اب تمہیں عزت دینے کا وعدہ کر رہی ہے۔ آ ؤ۔ جہاں سے نکال دیئے گئے ہو۔ وہاں سے تو ایک ایک کر کے سب کو نکالا ہی جاتا ہے۔ پر تم نے بڑا اچھا کیا کہ ادھر آ گئے ہیں بات کچھ بھی ہوئی ہو تم ادھر میرے پاس رہو گے۔'' کیتھرائن نے کہا۔

''نہیں چھوٹی بیگم سائیں! اللہ آپ کو خوش رکھے زندگی دے۔ خوشیاں دے چھوٹی بیگم سائیں اب ہمیں جانے ہی دو۔ جدھر سے دل اٹھ جائے۔ پھر ادھر رہنا نہیں چاہیے اور پھر بے عزتی ہوگی یہ بیگم سائیں کی کہ ہم ان کا گھر چھوڑ کر ادھر آ کر رہنے لگے۔''

''کوئی بات نہیں کیتھرائن بابا سچل کو جانے دو اگر ان کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرنا چاہتی ہو تو ہم انہیں اتنی رقم دے دیں کہ جہاں بھی رہیں گے سکون سے زندگی گزاریں گے وہاں۔''

''ایک منٹ۔ ایک منٹ۔ چھوٹے سائیں! ایک منٹ اگر بابا سچل کو اپنے ساتھ رکھنا چاہوں تو آپ منع کر دو گے۔'' کیتھرائن نے سوال کیا۔

''نہیں منع تو نہیں کروں گا لیکن تمہاری مرضی ہے ٹھیک ہے بابا سچل اب تم یہاں رہو گے اور یہاں سے کہیں جانے کے بارے میں بات نہیں کرو گے۔''

''چھوٹے سائیں! میرے کو معاف کرو۔ ایسا نہیں ہوسکتا ہے۔''

''ایسا ہوگا بابا سائیں۔ ایسا ہوگا۔'' کیتھرائن نے کہا اور پھر پاس سے گزرتے ہوئے ایک ملازم کو چٹکی سے اشارہ کر کے بلایا اور کہنے لگی۔

''ایک کوارٹر بابا سچل کے لیے خالی کر دو۔ اب یہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔''

''چھوٹی بیگم سائیں۔''

''سنو۔ بہت زیادہ بات نہیں کرنی چاہیے۔ ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ رہو گے جاؤ۔'' سچل نے گردن جھکا دی ملازم اسے اپنے ساتھ کوارٹر میں لے چلا تھا۔ کیتھرائن کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی اس

نے کہا۔

''اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے۔ چھوٹے سائیں! تو بابا سچل کو نوکری سے نکالا نہیں گیا ہے بلکہ انہیں یہاں جاسوسی کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ میرا نام کیتھرائن ہے اور شاید قدرت نے مجھے بہت سی پراسرار قوتوں سے نوازا ہے۔ برائیاں میرے کان میں سرگوشیاں کرتی ہیں۔ اور مجھے بتاتی ہیں کہ کھیل کیا ہے۔ تیل دیکھو سائیں! تیل کی دھار دیکھو۔ میرا نام بھی کیتھرائن ہے۔''

ایک طرف تجربہ تھا تو دوسری طرف شیطنت اور بہر حال شیطان کی عمر لاکھوں کروڑوں سال ہے اگر انسان اپنے آپ کو پچاس، ساٹھ، ستر، اسی سالہ تجربے کار سمجھتا ہے تو بھلا شیطان کا اور اس کا کیا مقابلہ، سچل یہاں آ گیا تھا۔ ساری کارروائی اس کے خیال کے مطابق ٹھیک ہوئی تھی۔ شرجیلہ نے اپنے طور پر ایک زبردست چال چلی تھی۔ بہت سے لوگ سچل کے لیے دکھی تھے۔ مکرم شاہ، افریشم اور حویلی کے رہنے والے دوسرے لوگ بعض کے دلوں میں شرجیلہ کے لیے برائی بھی آ گئی تھی۔ بھلا پرکھوں کا ملازم کہیں اس طرح نکال دیا جاتا ہے۔ شرجیلہ نے ان آنکھوں میں اپنے لیے نفرت کے آثار محسوس کیے تھے لیکن وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ چیخ چیخ کر ان لوگوں سے کہہ دے کہ سچل تو خیر بہت بڑی چیز ہے کیونکہ جس نے تمہیں ملازم رکھا ہے اس کی یادیں اور اس کا کیا ہوا ہر عمل میرے لیے احترام کا درجہ رکھتا ہے۔ تم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو تو میں کیا کروں۔ اور میں سمجھتی ہوں تم خود بھی بے قصور ہو تمہیں جس چیز سے شکایت ہے وہ ہوئی تو ہے اس سلسلے میں ایک بوڑھی ملازمہ کی عمر تقریباً پچھتر سال تھی، باقاعدہ بگڑ گئی۔ اس نے اپنا بوریا بستر سمیٹتے ہوئے تمام تر تیاریاں کی اور اس کے بعد وہاں سے نکلنے لگی تو بالکل اتفاقیہ طور پر شرجیلہ سے اس کا سامنا ہو گیا۔

''ارے سکینہ! یہ تم نے اپنی بغل میں کیا دبایا ہوا ہے۔''

''دیا ہوا تو آپ کا ہے بیگم سائیں! پر اتنا پرانا ہو چکا ہے کہ اب اس پر سے آپ کے دیئے ہوئے ہاتھ کے نقوش مٹ گئے ہیں۔''

''کیا فلسفہ بول رہی ہو؟''

''ہاں۔ ہم فلسفہ نہیں جانتے بیگم سائیں! پر ایک بات کہتے ہیں کہ نوکر کا بھی ظرف ہوتا ہے اس کا بھی مان ہوتا ہے بیگم سائیں! ہم انسان ہیں اگر آپ ہمیں جانوروں کا درجہ دو ہمارا قصور نہیں ہے۔''

''ارے ارے ارے بتا تو سہی اس میں کیا ہے۔''

''اوہو...... اب ہم سمجھے۔ آپ دیکھنا چاہتے ہو کہ ہم کہیں۔ ہم یہاں سے چوری کر کے تو کہیں نہیں جا رہے۔''

''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''ہاں۔ اب ہو گیا ہے۔ عمر نے تو ہم سے ہماری عقل نہیں چھینی لیکن آپ نے چھین بیگم سائیں۔''

''میں نے۔''

''ہاں۔''

''میں نے کیسے؟''

''آپ خود سوچو بیگم سائیں۔''

''تو ادھر آ میرے ساتھ۔''

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! نمک تو ہے نا آپ کا ہمارے خون میں چلو چلتے ہیں۔''

شرجیلہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

''تو نے مجھ سے جو باتیں کہی ہیں انہوں نے میرا دل چھلنی کر دیا ہے سکینہ کیا غلطی ہوئی ہے مجھ سے۔''

''بیگم سائیں! آپ کا دل چھلنی ہوا۔ لیکن اس سے پہلے ہمارا دل چھلنی ہو گیا ہے۔''

''کیسے؟ آخر مجھے بتا تو سہی۔''

''آپ نے سچل کو نکال دیا نا۔'' شرجیلہ کے ہونٹوں پر ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ پھیل گئی لیکن اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولی۔

''کیوں...... کیا سچل سے تیرا عشق چل رہا تھا۔''

''ہاں۔ آپ سچ کہتی ہیں۔ بیگم سائیں!''

''ارے تو تو نے مجھ سے کیوں نہ کہا۔''

''کہنے کی بات نہیں ہوتی بیگم سائیں! پچاس سال سے بلکہ اس بھی زیادہ سے جس بندے کا ساتھ ہو، اس سے عشق ہو ہی جاتا ہے۔ آپ پتا نہیں عشق کسے کہتے ہو۔ لیکن ہم اس پیار محبت کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے سے ہو جاتی ہے اور یہ عشق ہمیں آپ کے گھر کی ان دیواروں سے بھی ہے۔ آپ کے گھر میں رہنے والوں سے بھی ہے آپ سے بھی ہے بیگم سائیں۔ آپ یقین کرو......''

''اچھا اچھا بابا اچھا...... تو بات کیا ہوئی۔''

''آپ نے سجل کو نکال دیا۔''

''وہ خود ہی گیا ہے۔''

''نہیں بیگم سائیں۔''

''ہاں میں کہتی ہوں نا۔''

''نہیں بیگم سائیں! آپ غلط کہتی ہیں۔''

''تو مجھ سے بدتمیزی کر رہی ہے۔''

''نہیں بدتمیزی نہیں کر رہی ہوں دل جلا ہوا ہے بیگم سائیں! دل جلا ہوا ہے۔''

شرجیلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ایک لمحے تک وہ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

''دل تو میرا بھی جلا ہوا ہے سکینہ! جو کچھ مجھ سے چھن گیا ہے۔ وہ بہت زیادہ ہے۔ ٹھیک ہے جا...... کتنے لوگ ساتھ چھوڑیں گے میرا۔ نہیں جانتی کہ مجھے کتنے عرصے جینا ہے لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ علی خیر محمد گوٹھ کی زمین اس کے در و دیوار خون میں نہا جائیں۔ یہاں کے رہنے والے تکلیف کا شکار ہو جائیں۔ میں یہ سب کچھ نہیں چاہتی۔''

''تو کیا آپ نے سجل کو اس لیے نکالا ہے کہ سجل علی خیر محمد گوٹھ کے در و دیوار سرخ کرنا چاہتا تھا۔''

''تو جا سکینہ! بس اس سے زیادہ میرا ظرف میرا ساتھ نہیں دیتا۔'' سکینہ نے پوٹلی اٹھائی اور اپنی جگہ سے باہر نکل گئی۔ شرجیلہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی وہ بہرحال یہ بات حویلی تک ہی محدود تھی۔ لیکن سجل کا وہاں جانا ضروری تھا۔ ادھر سجل وہاں اپنا وقت گزار رہا تھا تو بات ہو رہی تھی انسان اور شیطان کی، یہاں انسان اپنی چالاکیوں میں مصروف ہے اور وہاں شیطان ان سب پر ہنس رہا تھا۔ یعنی کیتھرائن جو شیطان کا دوسرا روپ تھی۔ سجل کو ایک ایسی جگہ رہنے کے لیے دی گئی تھی۔ جہاں سے وہ حویلی کے معاملات پر اچھی طرح نگاہ رکھ سکتا تھا۔ اس وقت بھی کیتھرائن حویلی کے خوبصورت پارک میں علی خیر محمد شاہ کے ساتھ چہل قدمی کر رہی تھی۔ علی خیر شاہ اس سے بہت زیادہ مانوس ہو گیا اور حقیقت یہ تھی کہ کیتھرائن نے اس کی عمر میں بیس سال کا اضافہ کر دیا تھا۔ وہ بیس سال آگے سوچ سکتا تھا۔ بیس سال آگے سمجھ سکتا تھا اس کا ہر عمل اس کی عمر سے بیس سال آگے تھا اور اس کے لیے سب سے بڑی آسان بات یہ تھی کہ جو کچھ بھی وہ کر بیٹھے اگر دنیا کے علم میں آ جائے تو ذہین ترین بچہ شمار کیا جائے۔ ورنہ پورا سوچا سمجھا عمل اور سوچا ہوا منصوبہ ہوتا تھا۔ کیتھرائن نے ہنستے ہوئے علی خیر شاہ سے کہا۔

''علی خیر شاہ ایک سوال کروں تم سے؟''

''جی چچی سائیں۔'' علی خیر شاہ نے کہا۔

''یار جب مجھے چچی سائیں کہتے ہو تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں ایک داڑھی والی عورت ہوں۔'' کیتھرائن نے کہا اور علی خیر ہنسنے لگا۔

''تو پھر آپ کو کیا کہوں۔''

''دوست ہوں میں تمہاری۔''

''ہاں۔''

''تو جان مجھے کیتھی کہا کرو۔ مگر سب کے سامنے نہیں تمہارے چچا جان سنیں گے تو تمہیں گولی مار دیں گے۔'' علی خیر شاہ نے ہنس کر اسے دیکھا پھر بولا۔

''کیوں مار دیں گے گولی مجھے۔''

''دیکھو نا۔ کیتھی کہنے کا حق صرف انہیں ہے کسی اور کو نہیں۔''

''تو پھر آپ مجھے یہ حق کیوں دے رہی ہیں۔''

''بس دل کی باتیں ہیں یہ میں دل میں تمہیں اتنا ہی چاہتی ہوں۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ڈیئر کیتھی۔'' علی خیر شاہ نے کہا اور کیتھی نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ ان الفاظ پر تمہارے ہونٹ چوم لوں۔ مگر جانتے ہو دو آنکھیں ہماری نگرانی کر رہی ہیں۔ یہ ان کی ڈیوٹی ہے۔''

''کیا'' علی خیر شاہ چونک کر بولا۔

''ہاں۔''

''کیا کہہ رہی ہو۔''

''میں جو کچھ کہہ رہی ہوں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ آؤ ذرا اس جھنڈ کے پیچھے آ جاؤ۔'' کیتھرائن نے کہا اور علی خیر شاہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک گھنے جھنڈ کے پیچھے پہنچ گئی۔ پھر اس نے جھنڈ سے تھوڑی سی جگہ بنائی اور بولی۔

''دیکھو۔ اس کھڑکی کی طرف دیکھو۔''

''کون سی۔''

''اوپر کی منزل میں دوسرے نمبر کی کھڑکی'' علی شاہ نے جھنڈ میں ادھر دیکھا درحقیقت اس کھڑکی میں کوئی کھڑا ہوا تھا اور اس کا چہرا اسی جانب تھا۔ علی خیر شاہ کی تیز نگاہوں

نے اس کا جائزہ لے لیا تھا اس نے حیرت سے کہا۔

''یہ کون ہے؟''

''دیکھ لیا تم نے۔''

''ہاں۔''

''اور یہ بھی دیکھ لیا کہ یہ ہماری نگرانی کر رہا ہے۔''

''مگر یہ ہے کون؟''

''سچل۔'' کیتھرائن نے جواب دیا۔

''بابا سچل۔''

''ہاں۔''

''مگر یہ کیوں ہمیں دیکھ رہا ہے۔''

''اس لیے کہ یہ ڈیوٹی پر ہے۔''

''ڈیوٹی پر۔''

''ہاں۔''

''کس کی ڈیوٹی پر چچی سائیں۔''

''پھر چچی سائیں۔''

''کس کی ڈیوٹی پر کیتھی!'' علی خیر نے کہا۔

''ہاں ...... یہی میں تمہیں بتانا چاہتی تھی۔ یہ یہاں بھیجا گیا ہے۔ ایک ڈراما کر کے۔''

''ڈراما کر کے۔''

''ہاں۔''

''کس نے کیا یہ ڈراما۔''

''تمہاری دادی سائیں! بڑی بیگم شرجیلہ نے۔''

''دادی سائیں نے۔''

''ہاں۔''

''مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔''

''یہی باتیں تو میں تمہیں سمجھانا چاہتی ہوں۔ علی خیر شاہ۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ تم ہر بات ہونے سے پہلے سمجھ لیا کرو۔ وہاں یہ ڈراما کیا گیا کہ سچل کو نکال دیا گیا اور سچل یہاں پہنچ گیا

تا کہ ہم لوگ اسے یہاں جگہ دے دیں۔ تمہارے چچا سائیں نے ایسا ہی کیا سچل کو یہاں رکھ لیا گیا اصل میں سچل کو بیگم سائیں نے بالکل نہیں نکالا۔ بلکہ یہ کہانی بنا کر اسے یہاں بھیجا گیا ہے تا کہ وہ یہاں کی جاسوسی کرے۔''

''جاسوسی۔''

''ہاں...... یہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ بیگم سائیں روز اول سے میرے ہی خلاف ہیں وہ مجھے یہاں سے نکلوا دینا چاہتی ہیں۔ مگر یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی علی خیر تم جیسا دوست اگر کسی کا ہو اور اس کے ساتھ یہ سلوک ہو۔ تم خود بتاؤ کیا مناسب اور ممکن ہے۔''

مگر چچی سائیں! میرا مطلب ہے کیتھی! یہ تو غلط بات ہے۔''

''ہاں غلط ہے۔ لیکن ضروری بھی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ وہ یہاں حویلی میں میری کی ہوئی کارروائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں اور ان کے پاس سچل سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں ہے چنانچہ سچل یہاں آ گیا ہے اب وہ ساری رپورٹیں بیگم سائیں کو دے گا۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ کیتھی! کہ ہماری رپورٹیں ہی کون سی ہیں۔ سکون کی زندگی گزار رہی ہیں۔ دادی سائیں کو اگر اس سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو یہ تو بری بات ہے ویسے وہ مجھ سے بھی کبھی کبھی ٹیڑھی باتیں کیا کرتی ہیں لیکن مجھ سے زیادہ ٹیڑھی نہیں ہیں وہ میں انہیں اتنے ٹیڑھے جواب دیتا ہوں کہ ان کی زبان بند ہو جاتی ہیں۔'' کیتھرائن ہنس پڑی پھر بولی۔

''میں جانتی ہوں۔ لیکن تمہارے دل میں یہ زبان کس نے ڈالی ہے۔'' علی خیر نے ہنس کر کیتھرائن کو دیکھا اور کہا۔

''آپ نے۔''

''ہاں میں نے۔ سمجھے میں نے، خیر چھوڑو ان باتوں کو اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمہاری بیگم سائیں کو فیل کیسے کیا جائے۔''

''آسانی سے، سچل کو غلط انفارمیشن دے کر۔'' کیتھرائن نے جھک کر علی خیر شاہ کے ہونٹ چوم لیے۔'' اور پھر بولی۔

''دو بار ٹھیک ہے۔'' علی شاہ مسکرا دیا تو کیتھرائن نے کہا۔

''اب صورت حال یہ ہے کہ ایسی غلط انفارمیشن سچل کو دی جائے کہ بیگم سائیں بھی حیران رہ جائیں اور اس کا ذریعہ تم بنو گے علی خیر شاہ چونکہ یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ زیادہ تر تمہارے ہی بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ یا پھر یہ معلوم کرنا چاہتی

ہیں کہ مکرم شاہ یہاں ہمارے اوپر کیا عنایتوں کی بارش کر رہا ہے۔ معاف کرنا مجھے تمہارا باپ۔''
علی خیر شاہ ہنس پڑا پھر بولا۔

''ہاں میرا باپ۔ خیر اب یہ بتاؤ۔ وہ غلط انفارمیشن کیا ہوگی۔''

''تم میرے کمرے میں جب بھی بیٹھا کرو گے۔ ہم تم دونوں مکرم شاہ علی خیر محمد گوٹھ بیگم سائیں ان سب کے بارے میں بڑی اچھی اچھی باتیں کیا کریں گے۔ بچل حیران پریشان ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

''آپ فکر مت کرو بلکہ میں کہتا ہوں آپ میرا امتحان لو۔''

''ہاں ضرور میں تمہارا امتحان لوں گی۔ اچھا اب ایسا کرو ہم یہاں سے سیدھے چلتے ہیں اور پھر کسی دوسرے جھنڈ سے برآمد ہوں گے۔ تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم یہاں بیٹھ کر کچھ باتیں کر رہے تھے۔'' کیتھرائن علی خیر محمد کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ شیطان عورت اپنے تمام تر شیطانی عمل کر رہی تھی۔ اس نے اس چھوٹے بچے کو اتنا آگے پہنچا دیا تھا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال وہ ایک دوسرے جھنڈ سے نمودار ہوئی اور اس کے بعد دونوں ٹہلتے ہوئے حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئی۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''بابا بچل اپنی جگہ سے چل پڑا ہوگا اور اب تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی سمت والی کھڑکی پر آ جائے گا۔ اس کھڑکی میں شیشہ نہیں ہے اور پردے کے پیچھے سے تمام آوازیں باہر جاتی ہیں۔ میں نے یہ خاص طور سے تیار کرائی ہے تاکہ بابا بچل کو ہماری باتیں سننے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔'' کیتھرائن نے کہا اور ہنس پڑی۔ علی خیر شاہ بھی ہنسنے لگا تھا اس نے کہا۔

''کیتھی تم واقعی بہت چالاک ہو۔''

''اور جب تم مجھے کیتھی کہتے ہو تو میرا دل چاہتا کہ تمہیں اپنے سینے میں چھپا لوں۔''
علی خیر شاہ ہنس کر خاموش ہو گیا تھا۔ کیتھرائن نے کہا۔

''ہم اس وقت کام شروع کر دیں گے جب وہ کھڑکی پر آ جائے گا۔'' علی خیر شاہ نے گردن ہلا دی تھی۔ پھر وہ دوسری باتیں کرنے لگے اور کچھ ہی لمحے بعد اس کھڑکی پر سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ علی خیر شاہ نے اپنی بچپن کی عادت سے متاثر ہو کر اسے دیکھنے کی کوشش کی تو کیتھرائن کی سرگوشی ابھری۔

''نہیں...... ادھر مت دیکھو اسے شبہ نہیں ہونا چاہیے۔'' علی خیر شاہ فوراً سنبھل گیا تو کیتھرائن نے کہا۔

''نہیں علی خیر شاہ۔ مجھے تو تمہارے علی خیر محمد گوٹھ میں ایک دشمن سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ

علی خیر شاہ میں گوٹھ کی دشمن نہیں اس کی خادم اس کی ہمدرد ہوں۔''

''میں جانتا ہوں چچی سائیں۔'' علی خیر شاہ بھی دس ہاتھ آگے تھا۔ اس وقت اس نے کیتھرائن کو چچی سائیں کہہ کر ہی مخاطب کیا تھا۔

''مگر میں کیا کروں علی خیر شاہ مجھے کوئی ترکیب بتاؤ کہ میں یہاں کے رہنے والوں کو یہ یقین دلا سکوں کہ کیتھرائن غلام ہے ان سب کی۔ وہ ان سب سے اتنی محبت کرتی ہے کہ اس محبت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ علی خیر شاہ میں ان لوگوں کو اپنا دل چیر کر دکھانا چاہتی ہوں۔ کوئی ہے جو میرے دل کو اندر سے جھانک کر دیکھے مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے علی خیر شاہ مجھے بڑا احساس ہوتا ہے کہ میں اپنے شوہر کی بستی کو اپنا پیار نہیں دے سکی۔ میں انہیں نہیں بتا سکی کہ میں انہیں کتنا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے چچی سائیں! ایک نہ ایک دن وقت اس بات کا یقین دلا گا انہیں۔''

''اس وقت تک میں بوڑھی ہو جاؤں گی۔ علی خیر شاہ!''

''کوئی بات نہیں۔ کسی وقت سہی آپ کا کام ہو جائے گا۔''

''تم علی خیر شاہ ایک بہت ہی اچھے انسان بن کر اس دنیا میں آؤ۔ کم از کم لوگ یہ تو کہیں کہ کیتھرائن نے مکرم شاہ کے بیٹے کو فرشتہ صفت بنا دیا ہے۔''

''چچی سائیں فرشتہ صفت تو میں ہوں۔''

''ہاں۔ یہی اچھی بات ہے کہ تم ایک بہت ہی اچھے لڑکے ہو۔ کم از کم کوئی یہ نہیں سکتا کہ تم کیتھرائن کی صحبت میں بگڑ گئے ہو۔''

''میں بگڑا ہوا تو نہیں چچی سائیں!'' علی خیر شاہ نے کہا اور بمشکل تمام اپنی ہنسی روکی۔

''تم اتنے اچھے ہو کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ اب خیر یہ کرو کہ تم دادی سائیں کے پاس جایا کرو۔ ان کے قدموں میں بیٹھا کرو اپنے مذہب کے مطابق نیک عمل کیا کرو مجھے اس سے خوشی ہوگی۔''

''ٹھیک ہے چچی سائیں! آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ کھڑکی کے دوسری طرف کھڑے ہوئے بچل کے چہرے پر عجیب تاثرات ابھر آئے تھے۔ سیدھا سچا مسلمان تھا جو ڈیوٹی مالکوں نے سپرد کی تھی وہ سرانجام دے رہا تھا جبکہ درحقیقت وہ اس کے قابل نہیں تھا اسے بھلا جاسوسی واسوسی کرنا کہاں سے آتی تھی ان لوگوں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ کبھی اگر انہیں اس بات کا شبہ ہو گیا کہ وہ بیگم سائیں کے لیے جاسوسی کرتا ہے اور یہاں کی

خبریں وہاں پہنچاتا ہے۔ حالانکہ ابھی تک ایسا کچھ ہوا نہیں تھا۔ کیونکہ اسے آئے ہوئے وقت ہی کتنا گزرا تھا۔ لیکن وہ اتنا جانتا تھا کہ جب بھی ان لوگوں کو یہ معلوم ہوگا تو وہ خود شرمندگی سے زمین میں گڑ جائے گا۔ چونکہ ان لوگوں کا سلوک اس کے ساتھ برا نہیں تھا اور اس وقت اس نے جو باتیں سنی تھیں وہ اس کے لیے بڑی حیران کن تھیں۔ بہر حال دو طرفہ چل رہی تھی۔ کیتھرائن نے سچل کے کانوں تک یہ الفاظ پہنچائے تھے اور سچل اب اس بات کا منتظر تھا کہ وقت آئے تو وہ شرجیلہ کو کیتھرائن کے خیالات کے بارے میں تفصیلات بتائے۔ اس کے لیے شرجیلہ نے سچل کو ایک باقاعدہ منصوبہ بتایا تھا۔ ایک اور شخص جو شرجیلہ کا وفادار تھا اور جس پر شرجیلہ کو مکمل اعتماد تھا اور جو حویلی میں نہیں رہتا تھا۔ اس کے پاس جا کر سچل کو بتانا تھا کہ وہ شرجیلہ سے ملنا چاہتا ہے۔ پھر اس شخص کو شرجیلہ کے پاس جانا تھا۔ اس شخص کی رہائش گاہ حویلی سے بہت قریب تھی اور شرجیلہ وہاں آسانی سے آ سکتی تھی۔ یہ سارا منصوبہ پہلے سے طے پا گیا تھا اصل میں شرجیلہ بھی کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ بلکہ بہت ہی تیز اور چالاک تھی۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہو رہی تھیں۔ سچل کو اب یہ تھوڑی سی اطلاع شرجیلہ کو دینی تھی۔ وہ پریشان تھا کہ اس کے تو عجیب و غریب خیالات ہیں۔ بہر حال ان خیالات کا اظہار وہ شرجیلہ تک کرنا چاہتا تھا۔ حویلی کا قدیمی نمک خوار تھا اور دلی آرزو تھی اس کی کہ سارے معاملات ہموار ہو جائیں۔ کوئی ایسی ترکیب ہو جائے کہ شرجیلہ کے دل سے کیتھرائن کی برائی نکل جائے۔ اس سے پہلے تو وہ بھی کیتھرائن کو ایک انگریز عورت سمجھتا تھا اور سوچتا تھا کہ انگریز عورت کبھی ان کی وفادار نہیں ہو سکتی لیکن آج جو اس نے کیتھرائن کی زبانی باتیں سنی تھیں۔ انہیں سننے کے بعد اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ کیتھرائن بہر حال کوئی بری عورت نہیں ہے اور اگر ان دونوں کے درمیان دوستی ہو جائے تو ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔ غرضیکہ وہ کوشش کرتا رہا۔ یہاں حویلی میں اس نے یہ اندازہ لگایا تھا اس پر کوئی خاص پابندی نہیں ہے اور نہ ہی لوگ اس پر نگاہ رکھتے ہیں۔ یہ کیتھرائن ہی کی چالاکی تھی۔ وہ بہرا حال کہیں زیادہ چالاک عورت تھی۔ چنانچہ اس نے تیاریاں کیں اور ایک دوپہر کی ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا۔ اصل میں دوپہر کو یہاں کیتھرائن کی حویلی میں سب لوگ آرام کیا کرتے تھے۔ ملازموں وغیرہ پر کوئی پابندی نہیں تھی چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور پھر اس انداز میں چلتا ہوا فاصلے طے کرنے لگا کسی کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ کسی خاص جگہ جا رہا ہے۔ آسمان پر دھوپ چلچلا رہی تھی۔ نیچے زمین تپ رہی تھی۔ قرب و جوار کا ماحول بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ وہ فاصلے طے کرتا رہا راستے میں اسے بکا ملا۔ بکا اس کا پرانا دوست تھا۔ اس نے سچل کو دیکھا تو چونک پڑا اور بولا۔

''ارے سچل سائیں! کہاں گھوم رہے ہو۔''

''بس...... بابا زندگی کی دھوپ میں پیدل چل رہا ہوں۔''

''سائیں! برا مت ماننا ایک بات پوچھوں۔''

''یہی پوچھو گے نا کہ حویلی سے نکال دیا گیا ہوں۔''

''چلو یہی سہی۔ اب تم بڑی حویلی میں ہو تو نہیں۔''

''چھوٹی حویلی میں ہوں، چھوٹے سائیں نے مجھے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔''

''مگر یہ تو بہت ظلم ہوا ہے تمہارے ساتھ سچل سائیں۔''

''بالکل ظلم نہیں ہوا۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے میں جانتا ہوں۔ بیگم سائیں کسی دن تڑپ کر کہیں گی کہ سچل واپس آ جاؤ۔ تمہارے بغیر حویلی سونی سونی لگتی ہے۔'' بکا ہنسنے لگا پھر بولا۔

''کتنے بھولے ہو تم سچل سائیں۔''

''کیوں؟ اس میں بھولے پن کی کیا بات ہے۔''

''وہ تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ ناممکن ہے سائیں! یہ بڑے لوگ جو ہوتے ہیں نا۔''

''دیکھو بکا! تم میرے بہت پرانے دوست ہو۔ تمہیں ایک بات بتاؤں۔ اپنے مالکوں کے لیے میرے دل میں بڑی گنجائش ہے۔ بڑا پیار کرتا ہوں۔ مجھے جتنا چاہو برا بھلا کہہ لو۔ مگر ان میں سے کسی کو برا مت کہو۔ میں نہیں سن سکتا۔''

''اللہ تم پر رحم کرے۔ آؤ...... کچھ چائے پانی پیو۔''

''نہیں۔ بس ایسے ہی نکل آیا ہوں گھومنے دو۔'' بکا ایک طرف چلا گیا تو سچل آگے بڑھ گیا۔ بڑی بڑی جھاڑیوں سے گزرتا ہوا وہ آخر کار اس جگہ پر پہنچ گیا۔ جہاں سے تھوڑے فاصلے پر حویلی نظر آتی تھی۔ سچل نے مسکراتی نگاہوں سے بڑی حویلی کو دیکھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر دینو کا گھر تھا وہ جانتا تھا کہ دینو اس وقت گھر میں ہی ہوگا۔ بیوی بچے نہیں تھے۔ ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنا کر رہتا تھا۔ چھوٹے موٹے کام کر لیا کرتا تھا لوگوں کے اور لوگ اس کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بڑی حویلی سے اسے بہت کچھ مل جاتا تھا۔ جو اس کے گزارے کے لیے کافی تھا۔ بہر حال وہ دینو کے دروازے کے پاس پہنچ گیا اور دروازے کی زنجیر بجائی۔ دروازہ کھولنے والا دینو ہی تھا۔

''ارے سچل سائیں! آؤ اندر آ جاؤ۔ بڑا اچھا وقت نکالا تم نے۔ کوئی ملا تو نہیں راستے میں۔''

''نہیں کوئی بھی نہیں۔ مگر ایسی بات بھی نہیں ہے تم میرے دوست ہو۔ میں کوئی گوٹھ چھوڑ کر تھوڑی گیا ہوں۔ جو اگر کسی کو نظر آؤں تو لوگ میرے بارے میں سوچیں۔ چھوٹی حویلی والوں نے رکھ لیا ہے مجھے۔''

''مجھے سائیں! ساری بات معلوم ہے اب یہ بتاؤ میرے لائق کوئی خدمت ہے۔''

''ہاں تم بڑی سائیں کے پاس جاؤ اور بیگم سائیں سے کہو کہ ملاقات کے لیے کوئی وقت دیں۔''

''اچھا جب تم کہو چلا جاؤں۔''

''ایسا کرو۔ آج چلے جاؤ۔ اور کل دوپہر کو میں تمہارے پاس پھر آجاؤں گا۔ بیگم سائیں جو بھی وقت دیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آج چلا جاتا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔'' دینو کے ہاں پانی دانی پینے کے بعد سچل پھر گھومتا ہوا وہاں سے آیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس حویلی پہنچ گیا۔ ادھر دینو نے اپنی ذمہ داری پوری طرح نبھائی۔ شام کو پانچ بجے کے قریب وہ حویلی پہنچ گیا۔ حویلی کے منتظم سے ملنے کے بعد اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''بابا سائیں! میرے پاس خرچہ ورچہ ختم ہو گیا ہے۔ بھوکا مر رہا ہوں ان دنوں۔ بیگم سائیں نے مجھ سے کہا تھا کہ دینو کہ کوئی تکلیف مت اٹھانا کوئی ضرورت ہو تو میرے پاس سیدھے آجانا اور اگر کوئی تمہیں راستے میں روکے تو تم ان سے کہہ دینا کہ......''

''ارے بابا...... ارے بابا دینو۔ تم تو ویسے ہی بڑے ہو ہمارے ہم تو تمہاری عزت کرتے ہیں۔ کس نے روکا ہے تمہیں بیگم سائیں کے پاس جانے سے جاؤ۔ بیگم سائیں چھوٹے باغ میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہاں ان سے مل لو۔ چھوٹا باغ حویلی کا وہ حصہ تھا۔ جو صرف پردہ دار خواتین کے لیے ہوتا تھا۔ خاص ہی خاص لوگ وہاں جا سکتے تھے اور حویلی کا منتظم یہ بات جانتا تھا کہ بیگم صاحبہ دینو پر بڑی مہربان ہیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد دینو پرانے باغ میں پہنچ گیا اور اس نے بیگم سائیں کو دیکھ کر انہیں سلام کیا۔

''آؤ بابا! آؤ...... خیر تو ہے کیسے ہو؟''

''ٹھیک ہوں بیگم سائیں!'' دینو نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کہو کیسے آنا ہوا؟''

''بیگم سائیں! آپ کے پاس کوئی ہے تو نہیں۔''

''کوئی بھی نہیں ہے کہو کیا بات ہے۔''

''سچل آیا تھا میرے پاس۔''

''کب؟''

''دوپہر کو۔''

''اچھا خیریت۔''

''ہاں سب خیریت ہے۔ اللہ کا شکر ہے آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''کب؟ وقت دیا ہے اس نے۔''

''نہیں اس نے کہا ہے کہ وہ کل دوپہر کو میرے پاس آئے گا اور پوچھے گا کہ کس وقت اسے آنا ہے۔''

''دوپہر کو آئے گا۔''

''ہاں۔''

''بے چارے کو پھر دوبارہ آنا پڑے گا۔ اس کو بولو کہ میں رات کو نو بجے کے بعد تمہارے گھر آجاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! اس وقت وہ آجائے گا۔''

''اسے بھی، بے چارے کو بڑی پریشانی ہوتی ہوگی۔ بڑا اچھا آدمی ہے۔ اس سے کہنا ذرا خیال رکھے۔''

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! اب چلتا ہوں۔''

''کچھ لیتے جاؤ۔''

''بیگم سائیں اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے آپ کی مہربانیوں سے پیٹ بھر جاتا ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ مجھے ضرور دے دیں۔ تاکہ میں یہ بتا سکوں کہ آپ کے پاس کچھ لینے ہی آیا تھا۔''

''ہاں ہاں تم یہاں رکو میں لے کر آتی ہوں۔'' تھوڑی دیر کے بعد دینو ایک گٹھڑی لیے ہوئے باہر نکل آیا۔ منتظم نے کہا۔

''کہو دینو بابا کام بن گیا۔''

''سائیں دعائیں ہیں آپ سب لوگوں کی اللہ سائیں! بڑی بیگم کو ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ دینو وہاں سے نکل آیا اور پھر دوسرے دن دوپہر کو اس نے سچل سے ملاقات کی۔''

''ٹھیک ہے۔ رات کو ٹھیک نو بجے سچل دینو کی جھونپڑی میں پہنچ گیا۔ بڑی بیگم کو آنے میں تھوڑی دیر ہو گئی تھی۔ لیکن کوئی سوا نو بجے کے قریب بڑی بیگم آگئی۔ اس نے ایک

کالے رنگ کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ آ کر وہ ہنستی ہوئی بولی۔

''بابا تم لوگوں سے ملنے کے لیے مجھے یہ ڈراما کھیلنا پڑا۔ مگر کسی نے دیکھا نہیں ہے مجھے۔ دینو تم باہر جاؤ میں ذرا سچل سے بات کرلوں'' دینو باہر نکل گیا بیگم شرجیلہ نے کہا۔

''سنو دینو! آس پاس نظر رکھنا۔ اگر کوئی آئے تو بلی کی بول دینا میں سمجھ جاؤں گی اور چھپ جاؤں گی۔''

''جی بیگم سائیں! آپ اطمینان رکھو ویسے بھی یہاں کوئی آئے گا نہیں۔'' دینو نے کہا اور جھونپڑی سے تھوڑے فاصلے پر چلا گیا۔

''ہاں سناؤ بابا سچل کیسی گزر رہی ہے۔''

''بیگم سائیں۔ آپ کو خبریں دینے کے لیے آنا بڑا ضروری تھا اور ایک بات تو آپ جانتی ہیں کہ آپ کی وفاداری کے سوا سچل کسی کی وفاداری قبول نہیں کرے گا۔ سچل کے دل میں سب کے لیے محبت ہے پیار ہے۔ پر بیگم صاحبہ دیا آپ کا کھاتا ہوں۔ وہ کہوں گا جو سچ ہوگا۔''

''بابا سچل مجھے تم یقین ہے اور اگر یقین نہ ہوتا تو اتنا بڑا کام تمہیں کیسے سونپتی۔ میں جانتی ہوں تم جو کچھ بھی کہو گے وہ بالکل سچ ہوگا۔''

آپ کی مہربانی بیگم سائیں! آپ کو مجھ پر اسی قدر اعتبار کرنا چاہیے۔''

''اب مجھے جلدی سے بتاؤ کیا قصہ ہے کیسی گزر رہی ہے وہاں۔''

''بیگم سائیں! چند چیزوں پر نظر رکھنا ضروری تھا مالک کیا کھاتے ہیں۔ کیا پیتے ہیں کیسے رہتے ہیں۔ یہ معلوم کرنا تو میرا کام نہیں ہے نا۔''

''میں نے تمہیں اس کام کے لیے بھیجا بھی نہیں ہے سچل۔''

''وہی میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ اللہ سائیں آپ کو خوش رکھے۔ بیگم سائیں! میں نے ہر وقت چھوٹی بیگم سائیں کا پیچھا کیا ہے اور ہر طرح کا خطرہ مول لیا ہے۔ خوش قسمتی سے ایک کھڑکی مجھے ایسی مل گئی ہے۔ جہاں سے میں ان کی باتیں سن سکتا ہوں۔''

''ایک بات کا خاص خیال رکھنا سچل! مجھے ساری کیفیت بتانا جس کے تحت کیتھرائن بات چیت کرتی ہے۔''

''ہاں بیگم سائیں! وہی بتا رہا ہوں۔ بیگم سائیں! ویسے تو اور بہت سی باتیں معلوم ہوئیں جو گھر کی ہیں اور ان کا کوئی خاص مطلب نہیں ہے۔ لیکن ایک بات پر جو میں نے خاص طور پر نگاہ رکھی ہے۔ وہ ہے ہمارا چراغ سائیں علی خیر محمد شاہ! مطلب یہ ہے کہ علی خیر کا نام ہمارے لیے اتنا پیارا ہے کہ ہم اسے غلط طریقے سے لیتے ہوئے بھی شرمندگی محسوس کرتے

ہیں۔ سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ اس انگریز عورت کے جب میں اسے علی سے پیار کرتے دیکھتا ہوں۔ وہ اسے اپنی اولاد کی طرح چاہتی ہے۔ بیگم سائیں! زیادہ تر اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ بھی خوش رہتا ہے۔ بیگم سائیں! دونوں باغ میں گھومتے رہتے ہیں۔ باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یوں لگتا ہے بیگم سائیں جیسے کیتھرائن کو بھی بچے کی بہت خواہش ہے اور وہ علی خیر محمد شاہ کو اپنا ہی بیٹا سمجھتی ہے۔ میں نے کمرے میں ان دونوں کی باتیں سنیں اور حیران رہ گیا بیگم سائیں۔''

''وہی باتیں تو میں جاننا چاہتی ہوں۔'' شرجیلہ نے کہا اور سچل ان تمام الفاظ کو لفظ بہ لفظ دہرانے لگا۔ جو اس نے کمرے میں سنے تھے اور وہ ساری باتیں اس کے علم میں آ گئی تھیں۔ جو کیتھرائن اور علی خیر کے درمیان میں ہوئی تھیں۔ شرجیلہ غور سے ان تمام باتوں کو سنتی رہی۔ ایک ایک لفظ سنا اس نے اور جب سچل خاموش ہوا تو وہ پھر بولی۔

''سچل ایک بار ان باتوں کو دہراؤ۔''

''بیگم سائیں! اللہ سائیں! نے آپ کے دل میں نرمی اور محبت کا ایک ذریعہ پیدا کیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ کیتھرائن اتنی بری نہیں ہے علی خیر کو وہ جو کچھ سمجھا رہی تھی بیگم سائیں وہ کوئی ایسا شخص نہیں سمجھا سکتا۔ جس کے دل میں برائی ہو۔''

''سچل! مجھے وہ تمام باتیں بتاؤ۔ جو وہ علی خیر سے کر رہی تھی۔'' سچل نے ایک بار پھر پوری تفصیل بیگم سائیں کے سامنے دہرا دی۔ بیگم سائیں پریشانی سے گردن ہلانے لگیں۔ پھر بولیں۔

''سچل اب تم ایک کام کرو۔''

''جی بیگم سائیں! حکم دیں۔ جس طرح بھی بن پڑے چپ چاپ چھوٹی حویلی سے نکل کر کہیں بھاگ جاؤ۔ کسی ایسی جگہ جہاں کچھ دن تک تمہارا پتہ نہ چل سکے۔ بعد میں تم مہینے پندرہ دن کے بعد کسی طرح چھپ چھپا کر واپس آؤ۔ دینو سے ملو اور پھر مجھ سے ملاقات کرو۔''

سچل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ تعجب سے شرجیلہ کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

''آپ کا جو حکم بیگم سائیں! میں ایسا ہی کرلوں گا لیکن آپ کیوں یہ بات کہہ رہی ہیں۔''

''کیتھرائن کو پتا چل گیا ہے کہ تم حویلی میں میرے جاسوس ہو۔'' شرجیلہ نے کہا اور سچل کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

☆☆☆☆☆

افریشم کی آنکھ کھل گئی۔ مکرم شاہ تھوڑے ہی فاصلے پر جائے نماز بچھائے بیٹھا ہوا نماز پڑھ رہا تھا۔ افریشم نے نگاہیں اٹھا کر چمکدار ہندسوں والی گھڑی کو دیکھا۔ تین بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ رات کے تین بج کر دس منٹ مکرم شاہ تہجد گزار نہیں تھا۔ نماز وہ بے شک پڑھ لیتا تھا۔ لیکن بہت زیادہ عبادت گزار وہ کبھی نہیں تھا۔ یہ ذرا سی تشویش کی بات تھی ویسے بھی کتنی ہی بار افریشم نے اسے راتوں کو جاگتے ہوئے دیکھا۔ بہر حال اس وقت مکرم شاہ نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگ رہا تھا۔ اس کی مدھم مدھم آوازیں ابھر رہی تھیں لیکن کوشش کے باوجود الفاظ افریشم کی سمجھ میں نہیں آ سکے۔ البتہ یہ اندازہ اسے ضرور ہو گیا تھا کہ مکرم شاہ اس وقت کسی پریشانی کا شکار ہے۔ آخر کار مکرم شاہ اٹھا اس نے جائے نماز سمیٹی اور سیدھا ہوا تو افریشم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں بہت ہی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک خاص قسم کا نائٹ بلب جل رہا تھا جو صرف ایک چھوٹے سے حصے کو منور کرتا تھا اور اس کے جلنے سے روشنی کا احساس باقی رہ جاتا تھا۔ ورنہ چاروں طرف تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ مکرم شاہ سیدھا ہوا تو اس کی نگاہ افریشم پر پڑی اور وہ ایک دم چونک پڑا اس نے جائے نماز ایک طرف رکھی اور بولا۔

''میری کسی آواز سے جاگ گئیں افریشم!''

''نہیں سائیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو بہت دیر سے آپ کو نماز پڑھتے دیکھ رہی تھی۔''

''اچھا اچھا سو جاؤ۔ کل سے باہر نکل جایا کروں گا میں نے تو صرف یہ سوچ کر ادھر نماز پڑھی تھی کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ میں کہیں اور نکل گیا ہوں۔'' افریشم اٹھ کر کھڑی ہو گئی اس نے کہا۔

''آؤ سائیں! باہر ٹہلنے نکلتے ہیں۔'' مکرم شاہ نے چونک کر افریشم کو دیکھا پھر بولا۔

''چلو تمہاری مرضی ہے۔ باہر ہوا بھی کھلی ہے۔'' دونوں پچھلے دروازے سے باہر نکل آئے یہاں بھی ایک چھوٹا سا لان پھیلا ہوا تھا۔ جو ہر طرف سے محفوظ تھا۔ مکرم شاہ کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ افریشم کے ذہن میں کوئی خاص تاثر پیدا ہو چکا ہے۔ بہر حال بیوی لاکھوں میں ایک تھی ہر طرف سے قابل اعتبار اور دکھ درد میں ساتھ دینے والی یہ الگ بات ہے کہ خود مکرم شاہ اسے بہت کم پریشان کرتا تھا اور اپنے اصولوں کے مطابق اپنی الجھن کے معاملات اپنے آپ تک ہی محدود رکھتا تھا۔ بہر حال افریشم اس کے ساتھ ٹہلتی رہی پھر بولی۔

''انتظار کر رہی ہوں سائیں! کہ آپ اپنی پریشانی کی وجہ بتا دو۔''

''پپ.......... پریشانی کی وجہ۔''

''ہاں''

''کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''جھوٹ کیوں بولوں۔''

''میں اس کے بارے میں یہ بات کر رہی ہوں۔ دیکھو سائیں! بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے تک رکھنا ضروری ہوتی ہیں۔ لیکن بیوی کے بارے میں آپ کا رویہ بہت اچھا ہے اور آپ اسلامی اصولوں کے قائل ہیں۔ یعنی یہ کہ بیوی کو برابر کا درجہ دیتے ہیں۔ آج تک میں نے یہی محسوس کیا ہے۔ سائیں بیوی کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں اور اچھی عورت وہی ہوتی ہے جو اپنے شوہر کے معاملات میں مسلسل شامل رہے۔ سائیں! میں جانتی ہوں آپ بڑے انتظام والے ہو۔ دنیا کی ہر مشکل کو آپ فیس کرتے ہو پر سائیں انسان تو میں بھی ہوں نا۔ آپ کو ذرا بھی پریشان دیکھتی ہوں تو میرا وقت بھی پریشانی میں گزرتا ہے۔ سائیں ذرا سا کچھ بتانا پسند کرو گے مجھے۔''

''ویسے افریشم! ایسی کوئی بات نہیں ہے جو تم سے چھپانا ضروری ہو۔ اصل میں تم جانتی ہوں شروع ہی سے بے وقوفیاں ہو رہی ہیں کچھ مجھ سے ہوئیں اور کچھ اس کے بعد اب دوسرے کر رہے ہیں۔ مجھے معاف کرنا میں نے سخت الفاظ استعمال کر لیے ہیں۔ سب سے بڑی بے وقوفی مجھ سے یہ ہوئی کہ غازی شاہ کو میں نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اپنا دیس اپنا ہی ہوتا ہے۔ اپنا ماحول اپنا ہی ہوتا ہے۔ غازی شاہ اگر اپنے معاملے یہاں تک محدود رکھتا۔ تو کوئی انگریز عورت اس کی زندگی میں آتی اور نہ ہی کوئی خاص مشکل پیش آتی۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ وہ غلطی مجھ سے ہوئی میں نے بیگم سائیں کو مجبور کر دیا کہ غازی شاہ کو وہ ولایت بھیج دیں۔ میں تو کچھ اور ہی چاہتا تھا لیکن یہ نتیجہ غلط نکلا۔ کیتھرائن جیسی بری عورت اس کے پیچھے لگ گئی۔ اور آخر کار وہ اس سے شادی کر کے یہاں تک آ گیا۔ دیکھو اگر صرف میں ہوتا افریشم تو مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ علی خیر شاہ گوٹھ میں روایات تبدیل ہوں۔ یہ گوٹھ تو واقعی انگریزوں کا دشمن رہا ہے۔ اور یہاں انگریزوں کے ساتھ خاصی سختی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی آج تک یہاں کے رہنے والے انگریزوں سے نفرت کرتے ہیں۔ غازی شاہ ایک انگریز عورت کو یہاں لے آیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں تو یہ کوشش کرتا کہ وہ یہاں ایڈجسٹ ہو جائے لیکن بیگم سائیں نے یہ بات پسند نہیں کی اور سختی سے ہر طرح اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ اصل میں افریشم اس مقابلے نے میرے حوصلے پست کر دیئے ہیں۔ سالہا سال گزر گئے۔ بات کو عرصہ گزر گیا کیتھرائن کو اس نے یہاں کسی نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا لیکن ایک

کشمکش ایک کھچاؤ جو ہمارے اپنے گھر کے اندر پیدا ہو گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کھچاؤ کو کس طرح ختم کروں غازی شاہ بھی ضدی ہے اور بیگم سائیں کو تو میں کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔ غازی شاہ مجھ سے مطالبے کرتا رہتا ہے۔ یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ کیتھرائن ایک چالاک عورت ہے۔ یہ چالاکی اس کی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ انگریز قوم کی برائی ہی یہی ہے کہ وہ اپنے طور پر اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک سمجھتی ہے اور سازشیں کرتی رہتی ہے۔ بہرحال میں نہیں جانتا کہ ان سازشوں میں کیتھرائن کا کتنا ہاتھ ہے۔ البتہ غازی شاہ ہی ہمارے لیے ایک اہم مسئلہ ہے۔ غازی شاہ مجھ سے زمینوں کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے۔ میں پتا نہیں تمہیں یہ بات بتائی تھی یا نہیں جو اس نے مجھے وکیل کے ذریعے نوٹس بھیجا تھا۔''

''مجھے بتائی تھی آپ نے یہ بات سائیں۔''

''اس نوٹس کا جواب بھی مجھے دینا ہے لیکن اس سے پہلے میں غازی شاہ سے ملا۔ تو اس نے مجھ سے کھل کر بات کی اس نے کہا کہ وہ زمینیں وہ اپنے قبضے میں لے کر ان پر کام کرنا چاہتا ہے بیٹا ہے وہ میرا۔ اگر وہ زمینیں مانگتا ہے تو مجھ کیا پڑی ہے کہ وہ زمینیں اسے نہ دوں۔ بات صرف اتنی سی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کی زبانوں پر یہ بات آ جائے گی۔ کہ غازی شاہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور مجھے اس پر بھی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن بیگم سائیں اس بات کو بھی معاف نہیں کریں گی۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔''

''وہ کیا چاہتا ہے؟'' افریشم نے سوال کیا۔

''قانونی طور پر زمینوں کو اپنے قبضے میں لینا چاہتا ہے۔''

''اور آپ کیا چاہتے ہو سائیں۔''

''کچھ نہیں، میں سب کچھ اس کے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ میرا کیا ہے زمین کا اگر اک چھوٹا سا ٹکڑا بھی میرے پاس باقی رہ جاتا ہے تو میں اپنے بچوں کی پرورش کر لوں گا۔ اللہ کا فضل ہے۔''

''نہیں سائیں! ایسا مت سوچو۔'' افریشم نے پہلی بار زبان کھولی۔

''میں سمجھا نہیں افریشم۔''

''بات اگر صرف ایک بیٹے کی ہوتی تو میں کبھی یہ بات نہ کہتی۔ وہ تمہارے سائے تلے جو بھی اس کو ملتا پروان چڑھا لیتا۔ لیکن ہماری بیٹیاں بھی ہیں۔ آپ خود یہ سوچو کہ یہ بیٹیاں جوان ہوں گی ان کے رشتے آئیں گے اگر ہم ان کے ہم پلہ نہ ہوئے تو آپ کا کیا خیال ہے

سائیں! ہماری بیٹیاں اچھے گھروں میں چلی جائیں۔'' مکرم شاہ نے گردن جھکا لی تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''تو پھر کیا کروں مجھے بتاؤ۔''

''قانونی طور پر یہ زمینیں اس کے حوالے نہ کی جائیں۔''

''میں نے اسے ایک اور پیش کش بھی کی ہے۔''

''کیا؟'' افریشم نے سوال کیا۔

''وہ یہ کہ زمین قانونی طور پر اس کے حوالے نہ کی جائیں بلکہ میں اپنے طور پر اسے دست برداری لکھ دوں جو زمینیں وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کے حوالے کر دوں اس سے کہوں کہ جو اس کا دل چاہے وہ کرے کم از کم اسے یہ شبہ نہیں رہے گا کہ میں اس کی زمینوں پر قبضہ جمانا چاہتا ہوں۔ باقی رہیں دوسری زمینیں تو غازی شاہ بہت ساری تعلیم لے کر یورپ سے آیا ہے لیکن یورپ والے کیا جانیں کہ ہماری سرزمین کیا چاہتی ہے۔ ہماری زمین کو محبت کا پسینہ چاہیے۔ غازی شاہ سینکڑوں مشینوں سے کام لے کر زمینوں کو مجبور کر دے گا کہ وہ اناج اگلیں۔ اور وہ پھل اگلیں، لیکن میں صحیح بتاؤں سورج کی تپش جھلستی ہوئی گرمی میں کسان کے جسم سے بہنے والے پسینے سے زمین کا جو تعلق ہوتا ہے۔ وہ تعلق قدرتی محبت والا ہوتا ہے اور اس سے زمینوں کو جو سکون ملتا ہے اور جس طرح اس کے سینے میں ممتا جاگ اٹھتی ہے اور جب ممتا جاگ اٹھتی ہے تو وہ اپنا سب کچھ اپنی اولاد کے حوالے کرنے کو تیار ہو جاتی ہے وہ کھیل ہی دوسرا ہے افریشم وہ کھیل ہی دوسرا ہے ہم وہی کھیل کھیلتے ہیں۔ غازی شاہ جو کرنا چاہتا ہے کر لینے دو اسے ویسے اس نے بہت کچھ کیا ہے۔ جو کچھ اس نے بنایا ہے وہ بے مثال ہے۔ لیکن تم دیکھنا زمینوں کے جو ٹکڑے وہ چھوڑ دے گا میں ان سے کیا حاصل کرتا ہوں میرا نام بھی مکرم شاہ ہے۔''

''سائیں جانتی ہوں میں بیگم سائیں! کیا کہتی ہیں اس سلسلے میں۔''

''بیگم سائیں تو کبھی اس بات پر تیار نہیں ہوں گی۔''

''تو پھر آپ بیگم سائیں کو کیا جواب دو گے۔''

''چھپانا پڑے گا ان سے۔''

''یہ تو اچھا نہیں ہو گا۔''

''جو کچھ بھی ہو میں جو وعدہ کر چکا ہوں اس سے، وہ تو مجھے پورا کرنا ہی ہے اگر وہ تیار ہو جائے۔'' افریشم نے پرتشویش نگاہوں سے مکرم شاہ کو دیکھا اور بولی۔

''آپ وعدہ کر چکے ہوں سائیں! تو پھر بات بالکل ہی الگ ہو جاتی ہے۔ بھلا پھر میں آپ کو روکنے والی کون ہوں لیکن ایک بات کا آپ مجھے جواب ضرور دے دیجئے۔''

''ہاں بولو۔''

''اگر یہ ہے تو آپ راتوں کو پریشان کیوں رہتے ہو۔'' مکرم شاہ نے ایک بار پھر گردن جھکالی پھر آہستہ سے بولا۔

''فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں۔ افریشم فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں۔''

''فیصلہ کرنا ہوگا، کرنا ہی ہوگا۔'' افریشم نے کہا اور مکرم شاہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

☆☆☆☆☆

غازی شاہ، فضل شاہ کے پاس گیا تھا۔ کیتھرائن اور علی خیر اس کے ساتھ تھے۔ راستے میں کیتھرائن نے کہا۔

''فضل شاہ! کوئی اچھا آدمی نہیں ہے جو آپ مجھے اس کے پاس لے جاتے ہو۔''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

''میں نہیں چاہتی کہ بار بار اس کے سامنے جاؤں۔ آپ کی اس سے دوستی ہے سائیں! آپ اس سے ضرور ملو۔ آپ ایسا کرو مجھے راستے میں کہیں چھوڑ دو۔ جب مل کر واپس آؤ تو مجھے اور علی خیر کو واپس لیتے جانا۔''

''بابا تم جیسی دلیر عورت ایسی بات کہہ رہی ہے۔''

''دلیری اپنی جگہ سائیں غازی شاہ! آپ پھر وہی بات کہو گے کہ میں عورت ہوں اور پالیسیاں چلاتی رہتی ہوں۔''

''ارے ارے میں نے تم سے پہلے کبھی ایسی بات کہی۔''

''نہیں کہی سائیں لیکن کہہ تو سکتے ہو۔''

''کیا ہو گیا ہے تمہیں کیتھرائن! چلتے وقت تو تم نے اعتراض نہیں کیا تھا۔''

''بابا اعتراض تو میں اب بھی نہیں کر رہی ہوں۔ لیکن میرا ادھر کیا کام ہے۔ آپ ادھر جاؤ۔ آرام سے چلے جاؤ مجھے علی گوٹھ چھوڑ دو۔''

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی ہے۔ علی گوٹھ میں میرے بہت سے لوگ ہیں۔ عزت سے تمہارا استقبال کریں گے۔''

''ایسی بات نہیں ہے سائیں میں خود دیکھنا چاہتی ہوں کہ لوگ میری عزت کرتے

ہیں نہیں۔'' غازی شاہ کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھر آئے اس نے کہا۔

''مجھے معاف کرنا کیتھرائن ابھی ہم لوگ یہاں کے لوگوں کے مزاج نہیں بدل سکے۔ کہیں تمہیں مایوسی نہ ہو۔''

''سائیں ایک بات کہوں آپ سے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں خود یہاں اپنی جگہ بنانا چاہتی ہوں۔ تم آرام سے فضل شاہ کے پاس جاؤ۔ اور جب تمہاری دل چاہے علی خیر محمد گوٹھ آ جانا۔ کسی سے معلوم کر لینا میں کدھر ہوں۔ سب تمہیں بتا دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اور سنو میرے بارے میں کوئی تشویش مت کرنا میں بڑے آرام سے ادھر رہوں گی۔ تمہاری جب مرضی آئے چلے آنا۔ اصل میں خود کو آزمانا چاہتی ہوں۔''

''بس میرے دل میں تو صرف ایک ہی خیال تھا۔''

''کیا؟''

''کوئی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔'' جواب میں کیتھرائن ہنس دی پھر اس نے کہا۔

''سائیں! تمہاری بیوی بہت دلیر ہے۔ بڑے دل والی ہے وہ دشمنوں سے دوستی کرنا جانتی ہے۔'' غازی شاہ نے عجیب سی نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔''

''دشمنوں سے میری مراد سائیں مکرم شاہ یا بیگم سائین سے نہیں ہے کیونکہ میرے دشمن نہیں ہیں۔ یہ ناراض لوگ ہیں۔ جاؤ تم جاؤ۔'' غازی شاہ وہاں سے چل پڑا لیکن کیتھرائن کو اس نے علی گوٹھ کے پاس اتار دیا تھا اس نے گوٹھ میں جانے تک کی رواداری نہیں برتی تھی۔ اور غازی شاہ سے کہا تھا کہ وہ جائے اپنے کام سے۔ بہرحال غازی شاہ اسے چھوڑ کر چل تو ضرور پڑا تھا لیکن تشویش کے سائے اس کے دل میں تھے۔ علی خیر شاہ بھی کیتھرائن کے ساتھ تھا۔ کہیں بستی کے لوگ اسے نقصان نہ پہنچا دیں۔ لیکن کیتھرائن اپنے آپ کو آزمانا چاہتی تھی۔ اور غازی شاہ اسے روکنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ بہرحال وہ فضل شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ فضل شاہ نے معمول کے مطابق اس کا استقبال کیا تھا۔

''آؤ غازی شاہ...... بڑے بے مروت ہو گئے ہو یار تم۔ ہمیں تو تم نے اپنے گھر میں ایک بار بھی نہیں بلایا۔''

''ہزار بار آؤ سائیں! ہزار بار آؤ۔ اصل میں تھوڑے سے گھر کے معاملات میں نے آپ کو بتا دیئے تھے۔ نفرتوں کی فضا میں جی رہا ہوں میں۔''

”زیادتی کر رہے ہیں لوگ تمہارے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔“

”زیادتی نہ کرتے تو میں کبھی ان کے بارے میں برے انداز میں نہ سوچتا۔“

”میرے کو کوئی کام بتاؤ سائیں اور تم یہ بتاؤ کہ مالی طور پر تمہاری حیثیت کیا ہے۔“

”مالی طور پر کوئی پریشانی نہیں ہے مجھے۔“

”نہیں غازی شاہ ایسی بات مت کہو۔ سائیں مکرم شاہ کی میں کوئی برائی نہیں کرنا چاہتا لیکن وہ بڑے جوڑ توڑ کے آدمی ہیں۔ بلکہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جوڑ توڑ کے بادشاہ ہیں اور یہ بات تو تم خود بھی جان چکے ہو کہ تمہیں ملک سے باہر اسی لیے بھیجا گیا تھا کہ یہاں کے معاملات وہ اپنے ہاتھ میں سنبھال لیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ ساری زمینوں پر ان کا قبضہ ہے۔ کروڑوں روپیہ کما چکے ہیں وہ اپنے معاملات تھے۔ کبھی حساب دیا انہوں نے۔“

”نہیں...... لیکن حساب تو دینا ہی پڑے گا۔“

”چھوڑو غازی شاہ چھوڑو۔ چالاک آدمی چاروں طرف سے اپنا بندوبست کر لیتا ہے تم کہیں سے بھی یہ بات تلاش نہیں کر سکو گے کہ سائیں مکرم شاہ کی جھولی میں کیا' کیا ہے۔ بابا ایسے کام چھپ چھپا کر کیے جاتے ہیں۔ سمجھے اب تم جیسے سیدھے سادے آدمی جو ولایت میں رہ کر بھی اتنے ہی سیدھے ہوں۔ ارے بابا! ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے۔“ غازی شاہ خاموش نگاہوں سے فضل شاہ کو دیکھتا رہا فضل شاہ نے کہا۔

”خیر چھوڑو غازی شاہ! میرا اکرم شاہ سے بھی کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ جو میں بلاوجہ کی باتیں کروں۔ میں تو تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔“

”پیشکش۔“

”ہاں۔“

”کیسی پیش کش۔“

”سائیں دولت کماؤ دولت۔“

”ہاں۔ دولت زندگی کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اسے حاصل کرنے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔“

”یہی میں بولتا ہوں سائیں! یہی میں بولتا ہوں۔ آپ کو ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں اگر آپ پسند کرو۔“

”بولو۔“

”میرے ساتھ کام دھندے میں شریک ہو جائے۔“

”تمہارے ساتھ۔“

”ہاں۔“

”وہ کیسے۔“

”سائیں! سرحد پار سے ہر چیز آتی ہے۔ اور ملک میں پھیل جاتی ہے۔ ضرورت کی اشیاء ہر چیز اس کا معاوضہ اتنا ملتا ہے کہ تم سوچ نہیں سکتے۔“

”اگر تم پڑوسی ملک کی بات کرتے ہو تو یہ بات تو طے ہے کہ پڑوسی ملک کا مال ہمارے ملک سے کہیں گھٹیا ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کی یہاں کوئی خاص کھپت بھی نہیں ہے۔ لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔ کون سی چیز منگاؤ گے۔“ فضل شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

”بابا! یہ اسمگلنگ اس لیے نہیں ہوتی۔ اس میں تو پڑوسی ملک کی اپنی امداد بھی شامل ہوتی ہے۔ وہ اسلحہ بھیجتا ہے یہاں اس لیے نہیں کہ ہماری فوجوں کے کام آئے۔ بلکہ اس لیے کہ وہ دہشت گردی کے لیے استعمال ہو۔ دوسرا مال بھیجتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ تجارت کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ ہماری مال کی مارکیٹ کم ہو سستے داموں میں یہ مال ملے۔ اس سلسلے میں ان کی طرف سے بڑی امداد ملتی ہے۔ سائیں بات سمجھو، آندھی کے آم ہوتے ہیں یہ آندھی کے آم۔ جب تک گنجائش ہے سمیٹ لو۔ بہت کام ہوتے ہیں سائیں! بہت سے کام اب اس کی تفصیل تمہیں کیا بتاؤں۔“ غازی شاہ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

”مگر مجھے اس کے لیے کیا کرنا ہوگا۔“

”فضل شاہ سے دوستی اور ایسے بندے دینا ہوں گے جو تمہارے لیے کام کریں۔ انڈر گراؤنڈ گودام بناؤ۔ وہاں اپنے بندوں کو متعین کرو۔ سامان کی نقل و حرکت کرو۔ سائیں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ آرام سے یہ کام کر سکتے ہو۔ پریشانی کی تو کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔“

”یار تم نے مجھے ایک عجیب راستہ دکھایا ہے اصل میں میں تمہیں بتاؤں یہاں گوٹھ میں تو سب کچھ ہو رہا ہے۔ دشمنیاں بھی پال لی ہیں میں نے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ دشمنی میرے اپنے ہی مجھ سے کر رہے ہیں مگر۔ اس کے نتیجے میں میرے ہاتھ پاؤں مفلوج ہوگئے ہیں۔ میں زمینوں کو ایسا بنانا چاہتا ہوں کہ دنیا دیکھتی رہ جائے۔“

”سائیں! ایک بات کروں ہم وڈیرے لوگ زمینوں کے بل پر ہی جیتے ہیں۔ ہمارا اصل کام زمینیں ہی ہوتی ہیں۔ اب یہ تو مجھ جیسا ایک آدھا ایسا آدمی ہے۔ جسے دوسرے ذرائع بھی مل جاتے ہیں۔ تم زمینوں کا کام اپنے طور پر صحیح انداز میں جاری رکھو اور راستہ میں بتا رہا ہوں اس راستے پر کام کرو۔“

”مگر مجھے کرنا کیا ہوگا فضل شاہ۔“

”بس فضل شاہ تمہیں باقاعدہ تربیت دے گا۔ پر اگر دولت کے انبار لگ جائیں تمہارے پاس تو فضل شاہ کو استاد ضرور مان لینا۔“

”استاد تو تم ہو؟“ غازی شاہ نے ہنستے ہوئے کہا اور فضل شاہ آہستہ لہجے میں اسے وہ پروگرام بتاتا رہا جو وہ غازی شاہ کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف کیتھرائن علی خیر شاہ کو لے کر علی گوٹھ میں داخل ہوگئی۔ لوگ اسے پہچانتے تھے۔ علی شاہ کو بھی اس وقت گھوڑے پر سوار تھا اور کیتھرائن بھی گھوڑے پر۔ گوٹھ کی عورتیں اس طرح گھڑ سواری نہیں کرتی تھیں۔ لیکن کیتھرائن مختلف قسم کی عورت تھی۔ وہ ظاہر ہے رتھ یا پالکی پر سفر نہیں کر سکتی تھی۔ علی خیر شاہ کے ساتھ گوٹھ میں داخل ہوئی۔ تو کچھ لوگوں نے اسے سلام بے شک کیا۔ لیکن اس سے زیادہ اس سے بات کرتے ہوئے دور نکل گئے۔ البتہ ان میں سے کچھ کی نگاہیں علی خیر شاہ پر ضرور پڑیں تھیں اور ان کے اندر ایک جھجک سی پیدا ہوگئی تھی۔ کیتھرائن کو تو خیر کوئی بھی عزت یا حیثیت نہیں دے سکتا تھا لیکن علی خیر شاہ مستقبل میں ان کا سربراہ ان کا وڈیرہ ہونے والا تھا۔ چنانچہ ایک شخص نے اس سے آگے بات کی اور ان کے آگے آ کر کھڑا ہوگیا یہ علی گوٹھ کا ایک دولت مند آدمی تھا۔

”بیگم سائیں! آپ اکیلی علی گوٹھ آئی ہو۔“ اس نے کہا۔

”کیوں؟ تمہیں کیا یہ جوان نظر نہیں آتا۔“ کیتھرائن نے علی خیر شاہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”بابا! چھوٹے سائیں تو ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ یہ آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے ہیں۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی ضرورت تھی۔ جو آپ کو ادھر لے آئی۔“

”نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں چچی بھتیجے سیر کرنے کے لیے نکلے ہیں اور علی گوٹھ آ گئے تم اگر ہماری فکر کر رہے ہو تو فکر مت کرو۔ بلکہ اگر تم آزمانا چاہتے ہو کہ ہم محفوظ ہیں تو ایسا کرو۔ کسی کو ہمارے پیچھے بھیجو جو ہمیں نقصان پہنچانے یا لوٹنے کی کوشش کرے اور اس کے بعد اس کے لیے قبر تیار کرا لو۔“

”نہیں بیگم سائیں ایسی کوئی بات نہیں غریب کا جھونپڑا حاضر ہے۔ آپ ادھر چلو۔“

”نہیں۔ ہمیں غریب کا جو جھونپڑا پسند آئے گا ہم اسے اپنا لیں گے۔“ کیتھرائن نے کہا اور اس کے بعد گھوڑے کو وہاں سے آگے بڑھ دیا۔ وہ شخص اپنی جگہ کھڑا سوچتا رہا۔ پھر

اس نے کندھے اچکائے اور بولا۔

”اللہ سائیں۔ فرنگی عورت سے علی خیر شاہ گوٹھ کو محفوظ رکھے۔“ کیتھرائن وہاں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کے ذہن میں کوئی خاص ہی منصوبہ تھا۔ وہ اس جگہ کے راستوں کو اچھی طرح نہیں جانتی تھی لیکن گھوڑے سبک روی سے آگے بڑھتے رہے اس نے علی خیر شاہ کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

”اس کی باتوں پر غصہ تو نہیں آیا تمہیں۔“ علی خیر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو کیتھرائن نے پھر کہا۔

”علی خیر شاہ! ہمیں کسی کی بات پر غصہ نہیں آنا چاہیے۔ پالیسی سمجھتے ہو نا۔“ علی خیر شاہ نے نگاہیں اٹھا کر کیتھرائن کو دیکھا اور بولا۔

”ہاں...... سمجھتا ہوں۔“

”تو بس یہ سمجھ لو جس نے جذبات میں شدت اختیار کی اس نے نقصان اٹھایا۔ اور جس نے غور کر لیا اسے فائدہ ہی فائدہ ہوا۔ یہاں اگر میرے ساتھ کوئی بھی بدتمیزی کرے تو تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔“

”صبر کیا چیز ہوتی ہے کیتھی۔“

”ہائے۔ کیسی مردانگی آ گئی ہے تمہاری آواز میں۔ صبر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ بزدل اور کمزور لوگ صبر کا لفظ اپنی کمزوری چھپانے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور طاقت ور اسے مصلحت قرار دیتے ہیں۔ جس نے ہم سے بدتمیزی کی تو تم یہ سمجھ لو کہ اس کی موت تو اس کا مقدر بن گئی۔ لیکن ہم اسے کیسے ماریں گے یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے اور ہماری سوچیں بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ انہیں جذبات سے الگ ہی رہنا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے کیتھی، میں خیال رکھوں گا۔“

”سوئیٹ ہارٹ جب تم کیتھی کہتے ہو تو ......تو......تو......تو“ کیتھرائن اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی خاموش ہوگئی۔ پھر ایک دم اس کے حلق سے ایک آواز نکل گئی۔

”اوہو وہ دیکھو، وہ دیکھو۔“ کیتھرائن کے لہجے میں خوشی کا عنصر تھا، علی خیر شاہ نے بھی چونک کر اس طرف دیکھا، لیکن وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جس کے عقبی حصے میں ایک سرخ جھنڈا لگا ہوا تھا اور بیرونی حصے میں ایک احاطہ، علی شاہ کو اس میں ایسی کوئی خاص بات نظر نہیں آئی جسے دیکھ کر کیتھرائن خوش ہوئی، لیکن پھر اس سے نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”وہ کیا ہے؟“

''بابارا گی...... بابارا گی......'' کیتھرائن نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''یہ...... یہ کیا ہوتا ہے۔'' علی خیر شاہ بولا۔

''آؤ...... آگے آؤ میرے ساتھ آؤ۔'' کیتھرائن نے کہا اور دونوں گھوڑے اس جھونپڑی کی جانب چل پڑے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ جھونپڑی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ غالباً گھوڑوں کے قدموں کی آواز سن لی گئی تھیں...... جھونپڑی کے دروازے سے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی نمودار ہوئی جس نے بڑے معمولی سے موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ علی خیر شاہ اسے دیکھتا رہا لڑکی شوخ نگاہوں سے گھوڑے پر بیٹھی کیتھرائن کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔

''میں نے تمہیں پہچان لیا انگریز عورت، مجھے معاف کرنا اس کے علاوہ میں تمہیں کیا کہوں، مگر میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔''

''کیتھرائن گھوڑے سے نیچے اتر گئی اور بولی۔'' کہا تھا نا میں نے تم سے دوبارہ تمہارے پاس آؤں گی۔''

''ہاں تم نے کہا تھا مجھے یاد ہے۔''

''اور میں آ گئی، تمہارے باپ کہاں ہے؟''

''بابا کسی کام سے گیا ہوا تھا؟ وہ دیکھو وہ آ رہا ہے۔'' کیتھرائن نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ راگی بابا اس طرف چلا آ رہا تھا۔ اس نے دونوں گھوڑے دیکھ لیے تھے۔ کیتھرائن نے علی خیر شاہ سے کہا۔

''علی خیر! ان دونوں گھوڑوں کو وہ سامنے والے درخت سے باندھ دو۔ ہم تھوڑی دیر یہاں بیٹھیں گے۔''

''یہاں!'' علی خیر نے حیران لہجے میں کہا۔

''ہاں ...... جاؤ تم یہ دونوں گھوڑے ادھر باندھ دو، بلکہ اگر تم چاہو تو تھوڑی دیر وہاں رکو۔''

''ہاں یہاں بیٹھنے کے بجائے میں ادھر رکتا ہوں۔'' علی خیر شاہ نے کہا اور دونوں گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر وہاں سے آگے چل پڑا۔ کچھ دیر کے بعد وہ درخت کے قریب پہنچ گیا۔ ادھر بابا راگی ان کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔

''بیگم سائیں! آپ نے دوبارہ ہماری طرف آنے کی تکلیف کی، میرا دل اتنا بڑا

ہو گیا۔ ابھی میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کے قدموں میں اپنی آنکھیں رگڑ دوں۔ اتنے بڑے لوگ کب کسی کے پاس آتے ہیں، آپ بڑی مہربان ہیں، آیئے اندر جھونپڑے میں آ جائیے۔''

''چلو بابا راگی! میں نے کوئی احسان نہیں کیا تم پر، تمہاری بستی کی بہو ہوں، بزرگ ہو تم میرے۔''

''بڑی مہربانی بیگم سائیں، بڑی مہربانی، اللہ آپ کو اور عزت دے۔'' کیتھرائن آرام سے اندر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ چھوٹی سی جھونپڑی بڑی صاف ستھری تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ صفائی ستھرائی تمہاری بیٹی نے ہی کی ہو گی نا۔ شمیلہ نے نام ہے نا اس کا۔''

''ارے...... آپ کو تو ہمارا نام بھی یاد ہے بیگم سائیں۔'' لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ تم اتنی پیاری ہو کہ کوئی تمہیں بھول نہیں سکتا۔ بابا راگی میں باہر کی دنیا کی رہنے والی ہوں ہمارے ملکوں میں بڑی بڑی خوبصورت گڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ میں بچپن سے ایسی حسین گڑیوں کی شوقین ہوں اور اگر کبھی میں اپنی پسند کی کوئی گڑیا دیکھ لیتی ہوں تو اسے کبھی نہیں بھولتی اور میرا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح میں اس گڑیا کو حاصل کر لوں۔ بڑا پیار ہے مجھے خوبصورت گڑیوں سے۔''

''تم خود بھی ایک خوبصورت گڑیا سے کم نہیں ہو بیٹی، بڑی محبت آتی ہے تمہیں دیکھ کر۔''

''لیکن مجھ سے زیادہ خوبصورت گڑیا تم نے اپنے گھر میں چھپا رکھی ہے بابا راگی۔''

''گڑیا۔'' راگی بابا حیرت سے بولا۔

''تو اور کیا؟''

''میرے گھر میں کون سی گڑیا ہے۔''

''یہ جو ادھر کھڑی ہے۔''

''اللہ سائیں تمہیں عزت دے، خوش رکھے، تندرستی دے، ہاں یہ بڑی پیاری بچی ہے، ماں بچپن میں مر چکی ہے اس کی......''

''ایک بات بتاؤ بابا راگی، اتنی خوبصورت لڑکی کی حفاظت کے لیے تمہیں محنت نہیں کرنا ہوتی۔'' بابا راگی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں کرنا پڑتی ہے۔ اور دن رات میں خوف سے لرزتا رہتا ہوں۔"

"بابا سائیں۔ بلاوجہ کی پریشانی میں رہتا ہے۔ میں نے اس کو بول دیا کہ میں اتنی گاجر مولی نہیں ہوں کہ کوئی بھی مجھے چبا کر کھا جائے۔" بوڑھا بابا راگی ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"اللہ سائیں تجھے ہمیشہ محفوظ رکھے۔"

"آپ سے یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ اپنے کندھوں سے یہ بوجھ اتار کیوں نہیں دیتے۔"

"بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں بیگم سائیں، وہ تو گھر کا پھول ہوتی ہیں اور ماں باپ کوشش کرتے ہیں کہ یہ پھول کسی اچھے سے گلدستے میں سجا دیا جائے۔ اللہ سائیں کی طرف سے کسی مہربانی کا انتظار کر رہا ہوں، کہیں سے کوئی اچھا رشتہ آئے تو اسے اپنے آپ سے جدا کردوں۔"

"بابا راگی۔ میں اس کے لیے رشتہ تلاش کردوں۔"

"بیگم سائیں۔ پہلے تو میں اس پر حیران ہوں کہ میری تقدیر اتنی اچھی کیسے ہوگئی میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ غلام ہوں بیگم سائیں آپ کا...... آپ کے پیروں کی دھول ہوں۔ آپ نے اتنی بڑی مہربانی کی مجھ پر......"

"تمہیں یاد نہیں ہے بابا راگی۔ میں نے پہلے بھی تم سے یہ بات کہی تھی کہ میں تمہارے پاس آؤں گی ایک دن۔"

"ہاں بیگم سائیں۔ مگر میں نے اس دن یہی سمجھا تھا کہ بڑے لوگ جو بھی کہہ دیں، پر آپ تو سچ مچ زبان کی پکی اور قول کی دھنی نکلیں۔"

"میں اس کے لیے رشتہ تلاش کر کے تمہارے پاس آؤں گی۔ بابا راگی۔ بہت جلد۔ بہت ہی جلد۔"

"بیگم سائیں۔ اپنی خوش قسمتی کا انتظار کروں گا میں۔ آپ سر آنکھوں پر، جب آپ کا حکم ہو۔"

"اور سنو، اگر میرے آنے سے پہلے تمہارے پاس کوئی رشتہ آجائے تو اسے منظور نہ کرنا۔"

"بیگم سائیں کا حکم کون ٹال سکتا ہے۔ آپ جیسا حکم کردگی۔" راگی بابا نے کہا۔

"میں ذرا اس سے بات کرلوں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ پر بیگم سائیں ایک بات کہیں آپ سے۔ آپ کے لیے ہم

کیا تیار کریں۔"

"کچھ نہیں، پانی پیئوں گی۔ تمہارے گھر کا اور بس جاؤں گی۔ یہاں سے۔"

"بیگم سائیں۔ ہم ضد نہیں کرسکتے۔"

"تمہیں ضد کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے بابا راگی۔ پھر آؤں گی تمہارے پاس بہت جلد۔ اس بچی کے لیے رشتہ لے کر۔"

"آپ اس کے لیے جو رشتہ تلاش کریں گی بیگم سائیں وہ ہمیں دل و جان سے منظور ہوگا۔"

"آؤ شمیلہ...... آؤ۔" کیتھرائن نے کہا اور پھر وہ شمیلہ کو اپنے ساتھ لے کر جھونپڑی سے باہر نکل آئی اور تھوڑی دور تک سیدھی چلتی چلی گئی۔ تھوڑے فاصلے تک چلنے کے بعد اس نے شمیلہ کی طرف دیکھا شمیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"ہاں شمیلہ، اب ایک بات بتاؤ تم مجھے۔"

"جی بیگم سائیں۔"

"شادی کروں گی نا؟"

"نہیں۔"

"کیوں۔"

"وہ بیگم سائیں...... بابا اکیلا رہ جائے گا۔" شمیلہ نے کہا اور کیتھرائن ہنس پڑی پھر بولی۔

"اور اس کے علاوہ، یہ بتاؤ اور کون اکیلا رہ جائے گا، کوئی تمہارے دل میں ہے، اگر کوئی تمہارے دل میں ہے اور تم کسی سے محبت کرتی ہو تو یقین کرو میں اس سے تمہاری شادی کراؤں گی۔ دوست ہوں میں تمہاری۔"

"توبہ، توبہ۔ نہیں بیگم سائیں، اللہ پاک کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم ان چکروں میں پڑتے ہی نہیں ہیں۔"

"قسم کھائی ہے تم نے میرے سامنے۔"

"ایک بات کہیں، ہم بیگم سائیں، ہم جھوٹ نہیں بولتے ہمیں صرف بابا کی فکر ہے۔ حالانکہ بابا کہتا ہے کہ وہ میری شادی کرنے کے بعد حج پر چلا جائے گا، حج کے لیے اس نے پیسے جمع کیے ہیں الگ سے۔ مگر حج پر جانے کے بعد واپس تو آئے گا نا، حاجی لوگ حج کر کے واپس تو آجاتے ہیں۔" کیتھرائن نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

''بہت سے حاجی حج کر کے واپس نہیں آتے۔''

''یہ تو ہمیں نہیں معلوم۔''

''مجھے معلوم ہے۔''

''پھر بھی بابا اگر واپس آ گیا تو اکیلا نہیں رہ جائے گا وہ میں اس کے سارے کام کرتی ہوں، وہ میرے پاس سوتا ہے۔ ابھی میں اس کو اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتی۔''

''اس کا انتظار کر لیا جائے گا۔ میں تمہارے لیے جو رشتہ لاؤں گی نا شمیلہ وہ بہت اچھا رشتہ ہوگا کیا سمجھیں۔''

''بیگم سائیں! جیسا آپ حکم کرو ہم آپ کے حکم سے انکار تھوڑی کر سکتے ہیں۔''

''بس مجھے تم سے یہی معلوم کرنا تھا کہ تمہارے دل میں کوئی اور تو نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تو اپنے طور پر تمہارے لیے ایک اچھا قدم اٹھاؤں اور تم مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔''

''نہیں بیگم سائیں! ہم آپ سے سچ بولتے ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''گڈ گڈ...... گڈ گرل...... آؤ۔'' اور پھر تھوڑی دیر کے بعد شمیلہ اپنی جھونپڑی میں چلی گئی۔ کیتھرائن نے ان کے ہاں سے پانی پیا اور پھر مسکراتی ہوئی اپنے گھوڑے کی جانب بڑھ گئی۔ علی خیر شاہ بور ہو رہا تھا۔ دونوں گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑے تو علی خیر شاہ نے کہا۔

''بات میری سمجھ میں نہیں آئی کیتھی کہ یہاں تمہیں کیا ملا؟''

''ایک بات کہوں علی خیر شاہ، ان زمینوں میں اکثر بڑے بڑے خوبصورت پھول کھلتے ہیں۔ میں تو بس ایک لڑکی کو دیکھنے گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

کیتھرائن کے لیے یہ وقت گزار لینا زیادہ مشکل کام نہیں تھا اور پھر علی خیر شاہ تو اس کا آئیڈیل تھا۔ اس کے ذریعے وہ بڑے کام لینا چاہتی تھی۔ بہر حال علی گوٹھ میں اس نے بہت اچھا وقت گزارا اور جب غازی شاہ علی گوٹھ میں داخل ہوا۔ تو اس نے خود ہی غازی شاہ کو تلاش کر لیا۔ اور دونوں گھوڑے دوڑاتے ہوئے غازی شاہ کے پاس پہنچ گئے۔

''واہ بابا! میں تو سوچتا تھا کہ تمہیں تلاش کرنے میں مجھے کافی مشکل پیش آئے گی مگر تم تو ایسا لگتا ہے جیسے گھوڑوں کی پیٹھ پر ہی وقت گزارتے رہے ہو۔ کیتھرائن نے ہنستے ہوئے کہا۔

تمہاری بستی ہے سائیں! اور جیسا دیس ویسا بھیس تو ہوتا ہی ہے۔ ویسے اچھی آبادی ہے علی گوٹھ کی۔''

''ایک بات بولوں کیتھرائن! یہ بستی علی گوٹھ بھی انہی زمینوں میں آتی ہے۔ جو میرے نزدیک آئیڈیل زمینیں ہیں۔ اور اگر ان پر محنت کی جائے تو یہ جو تم ادھر ادھر تھوہر کی جھاڑیاں دیکھ رہی ہو نا۔ یہ گل و گلزار میں تبدیل ہو جائیں مکرم شاہ ایک محنتی آدمی ہے۔ لیکن ایک آدمی سب کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ جتنا کر چکا ہے اتنا بہت ہے اب ان ساری زمینوں کو میں دیکھوں گا۔''

''بڑے سائیں آئے نہیں حالانکہ کاغذات تیار ہو کر آ چکے ہوں گے۔''

''ابھی چلتے ہیں دیکھتے ہیں کہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔'' غازی شاہ نے کہا پھر بولا۔

''ادھر کیسا وقت گزرا۔''

''بہت اچھا سائیں! بستی کے لوگوں سے تو میرا کوئی واسطہ ہی نہیں رہا۔ میں اور علی خیر شاہ بس ادھر سے ادھر زندگی گزارتے رہے۔''

''ان لوگوں نے تمہاری خاطر مدارات نہیں کی۔'' غازی شاہ کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ ہم نے خود ہی ان کی خاطر مدارات قبول نہیں کی۔'' غازی شاہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔

''پھر ابھی کیا ارادہ ہے۔''

''واپس چلتے ہیں سائیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' پھر اس کے بعد تینوں واپس اپنے گوٹھ چل پڑے اور فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ بہر حال ایک عجیب و غریب سفر رہا تھا۔ اور ان لوگوں کو اس میں اچھا خاصا لطف آیا تھا۔ وقت گزرتا رہا اس دوران حامد حسین ایڈووکیٹ نے ان کی خواہش پر وہ کاغذات تیار کر کے بھیج دیئے۔ جو بڑی مہارت سے تیار کئے گئے تھے۔ اور ان کے تحت مکرم شاہ دست بردار ہو جاتا تھا ان زمینوں سے جو ماں کی موت کے بعد دونوں بھائیوں کی ملکیت تھیں۔ مکرم شاہ جذباتی آدمی تھا۔ بس یہ احساس اس کے دل میں تھا کہ بھائی کو یورپ بھیجنے کی غلطی صرف اس نے کی ہے اب یہ کون جانے کہ اس کے پیچھے بہت ہی نیک جذبے کارفرما تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ علی خیر محمد گوٹھ کا بہت ہی شان سے ابھرے اور اس کے لیے وہ اپنے خاندان اور خاص طور سے اپنے بھائی کو استعمال کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہاں ساری اسکیم الٹ گئی تھی۔ بہر طور تقدیر کے فیصلے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور مکرم شاہ نے اس فیصلے کو قبول کر لیا تھا۔ کاغذات کی تیاری مکمل ہو گئی۔ غازی شاہ مکرم شاہ کا انتظار کرتا رہا اور جب مکرم شاہ خود نہ

آیا تو غازی شاہ نے اپنے آدمی کو حویلی روانہ کیا اور یہ پیغام بھیجا کہ غازی شاہ مکرم شاہ کا انتظار کر رہا ہے۔ بہر حال مکرم شاہ اس کے ساتھ ہی حویلی پہنچ گیا تھا۔ کیتھرائن ان دونوں کو تنہا ہونے کا موقع مشکل ہی سے دیتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ غازی شاہ کے سر پر مسلط تھی۔ غازی شاہ نے سرد مہری سے بھائی کا استقبال کیا اور بدستور طنزیہ انداز میں بولا۔

''سائیں! میں تو سمجھا تھا کہ اب آپ ادھر نہیں آؤ گے۔'' مکرم شاہ نے زخمی نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔ اور پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''ہاں۔ تمہاری سمجھ اب تمہاری نہیں رہی ہے۔ غازی شاہ!''

''مطلب نہیں سمجھا بڑے سائیں۔''

''حالانکہ تم مطلب سمجھ چکے ہو اور اگر نہیں سمجھ سکے تو اب تم عمر کی اس منزل پر نہیں ہو کہ ہر بات تمہیں سمجھائی جائے۔ بہت سی باتیں خود تمہاری سمجھ میں آنی چاہیں۔''

''بابا! میں سیدھا سادا شریف آدمی ہوں۔ سیدھی سادی باتیں میری سمجھ میں آتی ہیں۔ اتنی گہری چالیں نہ میں سوچ سکتا ہوں نہ چل سکتا ہوں۔ بس آپ یوں سمجھ لو سادہ کتاب کی طرح ہوں میں۔''

''یہ بات میں دل سے مانتا ہوں غازی شاہ! اگر تم سادہ کتاب نہ ہوتے۔ اور تمہارے اوپر اپنی بھی کچھ تحریر درج ہوتی تو مجھے بڑی آسانی ہو جاتی۔ بات اتنی گہرائی سے تمہیں سمجھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ بلکہ بہت سی باتیں تم خود سمجھ جاتے۔''

''مثلاً۔'' یہ کہ علی خیر محمد گوٹھ انگریزوں کا مدفن رہا ہے۔ یہاں ان کی چالوں کو ناکام کرنے کا معقول انتظام رہا ہے اور انہوں نے علی خیر محمد گوٹھ کو ہمیشہ خوف کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ ایسی صورت میں اگر علی خیر محمد گوٹھ کا کوئی آدمی یورپ یعنی انگریزوں کے گھر پہنچ جائے۔ تو ظاہر ہے وہ تمام باتیں انہیں یاد آ جاتی ہیں۔ جو ہندوستان میں ان کے دورِ حکومت میں ان پر گزری ہیں۔ یہاں سے انہیں کتوں کی طرح مار بھگایا گیا۔ ظاہر ہے وہ یہ بات بھی کبھی نہیں بھولیں گے۔ لیکن ان کے ساتھ زیادتی کوئی نہیں ہوئی۔ کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کے نام سے ہندوستان میں داخل ہوئی اور اس کے بعد اس نے سازش اور چالاکی سے اپنا کام کر کے ہندوستان پر قبضہ حاصل کیا۔ یہ ایک بے ایمانی تھی اگر ہندوستان کے کچھ علاقوں میں ان کے خلاف کارروائی کی گئی۔ تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ زندہ علاقے تھے۔ جنہیں اپنی عزت اور ناموس کا خیال تھا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے تمہیں یہ سوچے سمجھے بغیر یورپ بھیج دیا کہ دشمن علی خیر محمد گوٹھ کا نام سن کر ضرور ہوشیار ہو جائے گا۔ اور اس کے دل میں انتقامی جذبے ابھر آئیں

گے۔ اور یہ انتقام کسی بھی شکل میں ظاہر ہو سکتا تھا اور ایسا ہی ہوا ہے۔''

''آپ شاید کیتھرائن پر طنز کر رہے ہیں بڑے سائیں! لیکن آپ یہ کبھی نہ بھولیں کہ میں نے کبھی اپنی بھابی سائیں پر کوئی جملہ نہیں کسا ہم دونوں کو ایک دوسرے عزت نفس کا خیال کرنا چاہیے۔''

''ہوں۔ ٹھیک کہتے ہو یہ بھی ٹھیک کہتے ہو اچھا خیر چھوڑو ان باتوں کو جب بھی کبھی غیر متعلق باتیں ہوتی ہیں کچھ تلخیاں ابھر آتی ہیں۔ تم بتاؤ۔ کیا چاہتے ہو مجھ سے۔'' یہ سوال آپ دوبارہ کرو گے سائیں۔''

''زمینوں کی بات ہے یا اور کوئی بات بھی ہے۔''

''نہیں سائیں بات وہی ہے مجھے بہت سی چیزوں سے محروم کر دیا گیا ہے۔ میں نے بھی زندگی گزارنا ہے۔ آپ نے بڑا اچھا ماحول پیدا کر لیا ہے۔ یہاں قرب و جوار کے علاقوں میں ہم سے نفرت کا خاص طریقے سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ آگے ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''زمینوں کے کاغذات تیار کرا لیے تم نے۔''

''ہاں کرا لیے ہیں۔''

''لاؤ میں دستخط کر دوں۔''

''کیتھرائن کاغذات لاؤ۔''

''کاغذات موجود ہیں سائیں۔'' کیتھرائن نے وہیں ملاقات کے کمرے میں ایک گوشے میں الماری سے کاغذات نکالے اور ان کے سامنے رکھ دیئے۔ مکرم شاہ کاغذات کو پڑھنے لگا تھا۔ بڑی مہارت اور چالاکی سے سارا کام کیا گیا تھا۔ ان کاغذات کی رو سے مکرم شاہ نے یہ اقرار کیا تھا اس نے اپنے حصے کی جائیداد و دولت اور زمین بے دریغ خرچ کی ہے۔ اور اب جو کچھ باقی بچا ہے اصولی طور پر وہ غازی شاہ کی ملکیت ہے۔ چنانچہ وہ باقی زمینوں سے دستبردار ہوتا ہے۔ صرف زمین کے وہ حصے جو باقی رہ جاتے ہیں اس کی اپنی ملکیت رہیں گے۔ اس کے ساتھ زمینوں کی جو نشاندہی کی گئی تھی۔ یہ وہ زمینیں تھیں جو صحیح معنوں میں کارآمد زمینیں کہلائی جا سکتی تھیں۔ باقی تو ریگستان اور بنجر علاقے تھے جو ان کی اپنی ملکیت تھے۔ مکرم شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور کہا۔

''تم اتنے ذہین نہیں ہو غازی شاہ کہ اتنی ذہانت سے یہ سب کچھ کرا سکو۔''

''ہاں بابا سائیں! آپ ٹھیک کہتے ہیں میں اگر اتنا ذہین ہوتا تو سیدھی سی بات ہے

کہ یورپ جانے کا فیصلہ ہی نہ کرتا۔ آپ کی بات سے انکار کر دیتا اور اس طرح مجھے اس گھ
سے نکال دیا جاتا۔ میری ماں مجھ سے نہ چھین لی جاتی۔ میرا گھر مجھ سے نہ چھین لیا جاتا۔ ذہین
میں نہیں ہوں۔ مگر ذہانت میرے ساتھ شامل ہوگئی ہے۔ آپ دستخط کر دو ہم ان باتوں سے
گریز کریں گے۔''

''ایک سوال کرنا چاہتا ہوں غازی شاہ! یہ سب کچھ تم نے بڑی ذہانت سے تیار کر
لیا۔ اب ذہانت تمہارے ساتھ کہاں سے شامل ہوئی ہے یہ پوچھنے کا حق مجھے حاصل نہیں ہے۔
لیکن ایک بات بتاؤ میرے بیٹے اور بیٹیوں کے لیے تم نے ان میں سے کیا چھوڑا ہے۔ با
سائیں! جہاں تک بیٹے کا تعلق ہے تو آپ بالکل پروا ہی نہ کرو۔ میں آپ کو کیا بتاؤں۔ ابھی
میں آپ کو کیا بتاؤں۔ بار بار ایک بات میری زبان پر آتی ہے۔ پھر کچھ پراسرار قوتیں مجھے
روک دیتی ہیں۔ خیر چھوڑ و ان باتوں کو جہاں تک علی خیر شاہ کا معاملہ ہے۔ آپ نے اپنی مہربانی
اسے میرے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس کی آپ بالکل پروا مت کرو اور جہاں تک آپ کی بیٹیوں
کا تعلق ہے سائیں۔ تو بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔ آپ انہیں رخصت کر دو گے۔ چاچا ہوں
میں ان کا۔ انہیں ایسے خالی ہاتھ تو نہیں جانے دوں گا۔ جب بھی تم بیٹیوں کا رشتہ تلاش کرا
گے۔ میں حاضر ہوں گا۔ اور پھر ویسے بھی سائیں! حویلی ہے اور بھی بہت کچھ ہے اب ایسا بھی
نہیں کہ تم بالکل قلاش ہو گئے ہو۔''

''ہاں ٹھیک کہتے ہو۔'' مکرم شاہ نے کہا پھر بولا۔

''ایک بات سنو۔ میں نہیں جانتا کہ میری زندگی کتنی ہے تمہاری زندگی کتنی ہے اور
بڑی بیگم سائیں کی زندگی کتنی ہے لیکن بڑی بیگم سائیں کی زندگی تک ان دستاویزات کو منظر عام
پر نہیں آنا چاہیے۔ یہ صرف تمہاری تسلی کے لیے ہیں۔ باقی جہاں تک دوسرے معاملات کا تعلق
ہے تم اپنا کام کرو۔ زمینوں پر جو دل چاہے کام کرو۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔''

''ایک بات کہوں سائیں آپ سے۔ آپ بے شک بڑی بیگم سائیں کو اس بارے
میں کچھ نہ بتاؤ۔ لیکن زمینوں پر میں مکمل حکمرانی چاہتا ہوں۔ جب ہم یورپ سے چلے تھے۔ تو
میں نے کیتھرائن سے کہا تھا کہ کراچی ایئرپورٹ پر اتنا بڑا مجمع ہمارے استقبال کے لیے ہوگا۔ تم
اسے دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔ تمہیں یہ محسوس ہوگا۔ جیسے کوئی کوئین اپنی مملکت میں پہنچی ہے اور
وہاں کے عوام اس کا استقبال کر رہے ہیں اور ایسا تھا۔ سائیں مکرم شاہ اگر تمہاری اجازت ہوتی
اور حالات ہموار ہوتے تو اتنا ہی بڑا مجمع ہمارے استقبال کے لیے موجود ہوتا اور اگر ایسا ہوتا۔ تو
میں اور کیتھرائن بڑے فخر کے ساتھ اپنی آبادی میں داخل ہوتے لیکن تم نے ہمارے ساتھ جو

سلوک کیا اس کے بعد ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی گنجائش نہیں رہی سائیں۔ عزت تو سب
کی ہوتی ہے۔ کیتھرائن کی نگاہوں میں جس قدر ذلیل ہوا۔ اس احساس کو میں کبھی اپنے دل
سے نہیں نکال سکوں گا۔ سمجھ رہے ہو نا سائیں۔''

''ہاں سمجھ رہا ہوں اور اب میں بھی کھل کر یہ بات کہنے سے دریغ نہیں کرتا کہ اس
آبادی میں ایک سانپ داخل ہو گیا ہے۔ شیطان ہماری جنت میں گھس آیا ہے۔ چنانچہ جو کچھ
بھی نہ ہو جائے کم ہے۔ چلتا ہوں۔ خیال رکھنا کوئی ایسا عمل نہ ہونے پائے جس سے مجھے
کھڑے ہو کر تمہارے خلاف کچھ کرنا پڑے۔''

''زمینیں دی ہیں سائیں! کوئی احسان نہیں کیا ہے مجھ پر۔ دھمکیاں نہ دو میں بھی
اپنا ایک مان ایک حق رکھتا ہوں۔''

''اس قدر بدتمیز ہو جائے گو تم میں نے یہ بات نہیں سوچی تھی اور اس کے بعد میرے
یہاں آنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔''

''سائیں میں بدتمیزی نہیں کر رہا۔ آپ میری عزت کرو میں آپ کی عزت کروں
گا۔ یہ دور ہی ایسا ہے۔ مکرم شاہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ کیتھرائن پر
تشویش نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''ہمیشہ جذباتی ہو جاتے ہو غازی شاہ! کیا کروں میں تمہارے لیے کس طرح
تمہیں سمجھاؤں۔''

''مکرم شاہ کو اس طرح اپنے خلاف نہیں کھڑا کرنا چاہیے تھا۔ اس وقت تک جب
تک اقتدار ہم اپنی مٹھی میں نہ لے لیتے تمہیں نرم لہجے میں بات کرنی چاہیے تھی اور اس کے علاوہ
ایک بات تم بھول رہے ہو۔ ہمیں ابھی علی خیر شاہ کی سخت ضرورت ہے وہ ہمارے ہاتھ میں
حالات کو ہمارے قبضے میں کرنے کے لیے ایک پرزے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس بات سے
ناراض ہو کر مکرم شاہ نے اسے واپس بلا لیا تو کیا کرو گے۔''

''غازی شاہ کی آنکھوں میں حزن کی سرخی لہرانے لگی اس نے کہا۔

''جو چیز اپنے ہاتھ سے چھنی جا رہی ہو اسے ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔ ملیامیٹ بھی کیا
جا سکتا ہے۔'' کیتھرائن کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ چند لمحات اس نے
خاموشی اختیار کی پھر موڈ بدل کر بولی۔

''چھوڑو ان باتوں کی زمینیں مل جانے کی خوشی میں کوئی جشن نہیں مناؤ گے۔ غازی
شاہ نے نگاہیں اٹھا کر کیتھرائن کو دیکھا اور کہا۔

''نہیں ابھی نہیں۔ ابھی کوئی جشن نہیں ہوگا۔ جشن اس دن ہوگا۔ اور اس پورے علاقے میں ہوگا۔ جب میں اس علاقے کا سب سے بڑا وڈیرہ بن جاؤں گا۔''

''ایسا تو ہو چکا ہے سائیں! ایسا ہو چکا ہے لیکن ٹھیک ہے میں بھی خوشیاں اسی وقت مناؤں گی۔ اچھا سائیں! اب آئندہ کے پروگرام طے کر لیتے ہیں۔ آگے ہمیں کیا کرنا ہے۔''

''یہ بھی تمہیں ہی بتانا ہوگا کیتھرائن۔''

''کام کرتے ہیں اور اس اانداز میں کرتے ہیں۔ بلکہ تم نے ایک بات کہی ہے میں اس پر غور کر رہی ہوں۔''

''کیا؟''

''تم نے کہا ہے کہ اگر سائیں مکرم شاہ ناراض ہو گئے تو علی خیر شاہ کو اپنے پاس بلالیں گے۔''

''ہاں۔ امکانات ہیں اس بات کے لیکن۔''

''نہیں نہیں۔ تم جس انداز میں سوچ رہے ہو۔ وہ تو ہونا ہی مشکل ہے۔ میں تو تم سے کہہ چکی ہوں پہلے ہی کہ علی خیر شاہ ہمارے ہاتھ میں ایک ایسا مہرہ ہے۔ جو کسی بھی وقت میرا مطلب ہے کسی بھی مشکل کے وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔''

''تو پھر۔''

''تو ایسا کرو۔ بیٹھ کر میرے ساتھ ان زمینوں اور ان علاقوں کا تجزیہ کرو۔ ہم ان پر ایک وزٹ کرتے ہیں۔ ان کا صحیح اندازہ میں جائزہ لیتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں کہ کون کون سی آبادیاں ہمارے اس حصے میں آتی ہیں۔ ان آبادیوں سے لوگوں کو یہاں بلاؤ۔ ان کا اجتماع کرو۔ اور انہیں اپنے طور پر ہدایات جاری کرو۔ میں یہ کام فوراً شروع کرنا دینا چاہتی ہوں۔ کیونکہ دشمن کو سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ غازی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بہرحال وہ تو کیتھرائن کے اشاروں پر ہی ناچ رہا تھا۔ کیتھرائن نے البتہ اطمینان سے بیٹھ کر ان علاقوں کے بارے میں تفصیلات اپنے ذہن میں جمع کیں۔ اور اس کے بعد اس نے غازی شاہ سے کہا کہ ان علاقوں کا دورہ کیا جائے۔ علی خیر کو تو وہ ہر مسئلے میں اپنے ساتھ ہی رکھا کرتے تھے۔ خاص طور سے قربان اور اس کے ساتھ اس کے گروہ کو طلب کر لیا گیا۔ تاکہ وزٹ میں وہ ان کے گن مینوں کا کام دیں۔ قربان بے حد خطرناک آدمی تھا اور اس کے ساتھ ایک پورا گروہ موجود تھا۔ کچھ عرصے قبل یہ گروہ ڈاکہ زنی کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ لیکن پھر یہ فیصلہ ملتوی کر دیا گیا۔ قربان اسی پائے کا آدمی تھا بہرحال چھ جیپیں ایک پجیرو دورے کے لیے چل پڑی اور

اس کے بعد ان تمام آبادیوں اور زمینوں کا ایک لمبا سفر کیا گیا۔ باقاعدہ پکنک کا سا ماحول پیدا کر لیا گیا تھا۔ سندھ کی اجاڑ اور ناہموار زمینیں ان کی نگاہوں کے سامنے تھیں۔

جگہ جگہ ڈیرے لگائے جاتے تھے اور مسلح افراد ان ڈیروں کے چاروں طرف گنیں لیے ہوئے پہرہ دیتے تھے آبادیوں والے بھی غازی شاہ کو دیکھ رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ ایک عورت کو جو سندھ کی روایات کے برخلاف مردوں کے شانہ بشانہ آگے بڑھتی تھی۔ سندھ کی ثقافت کو مجروح کر رہی تھی وہ لیکن اتنے سارے مسلح افراد کی موجودگی میں کچھ کہنا ممکن نہیں تھا البتہ یہ بات سب کو پتا چل چکی تھی کہ وہ غازی شاہ ہے۔ اس خاندان کا چشم و چراغ جس کی روایات ان علاقوں میں مثالی حیثیت رکھتی تھیں۔ زمینوں کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد کوئی بائیس دن کا سفر کر کے وہ واپس لوٹے یہ سفر علی خیر شاہ کو بہت دلچسپ اور دلکش لگا تھا اس دوران کیتھرائن کی تربیت جاری تھی۔ علی خیر شاہ کو وہ یہ سمجھاتی تھی۔

''تم اس علاقے کے سب سے بڑے آدمی ہو علی خیر شاہ! باقی سب تمہارے سامنے حقیر چوہے ہیں۔ جو تمہارے مزاج کے خلاف سر اٹھانے کوشش کرے اس کے سر کو اپنے قدموں میں ڈال لو۔ اگر ایسا کرو گے تو زندہ رہو گے فخر سے جی سکو گے اور اگر ایسا نہ کیا تو دوسرا کوئی بھی تمہارے سر کو اپنے قدموں میں ڈال سکتا ہے۔'' علی خیر شاہ ان تمام چیزوں کو اپنے ذہن میں اُتار رہا تھا۔ کیتھرائن اس سے کہتی تھی۔

''جو چیز پسند آئے چھین لو۔ دینے والا دینے سے انکار کرے تو اسے زندگی سے محروم کر دو۔ تاکہ تمہارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ ہر وہ چیز حاصل کرو۔ جس میں دلکشی ہو۔ انسانوں کو بھیڑ بکریوں سے زیادہ اہمیت نہ دو۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا۔ تو وہ تمہیں بھیڑ بکری سمجھیں گے۔'' علی خیر شاہ! کیتھرائن کی ایک ایک بات دل میں اتارتا جا رہا تھا۔ اس طرح یہ لوگ لمبا سفر کر کے واپس لوٹے۔ یہاں آنے کے بعد کیتھرائن نے قربان سے کہا۔

''قربان؟'' کیسا رہا ہمارا یہ سفر۔''

''بیگم سائیں! پر قربان۔ بہت اچھا رہا۔ میں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں کہ وہ زمینیں آپ نے حاصل کی ہیں۔ جو صحیح معنوں میں سونا اگلنے والی زمینیں ہیں۔''

''ہیرے اگلیں گی یہ زمینیں ہیرے قربان! اتنا کچھ دیں گی ہمیں کہ دیکھنا تم۔''

''بیگم سائیں! قربان کے لیے کوئی اور حکم۔''

''اب تو کام شروع ہوا ہے قربان! اب تم ہم سے دور نہیں رہو گے اور سنو یہ تو تم ضرور سوچتے ہو گے کہ جب یہ سونا اگلنے والی زمینیں سونے کے بجائے ہیرے اگلیں گی تو ان

ہیزوں میں تمہارا کیا حصہ ہوگا۔ میں تمہیں ایک بات کہوں۔بیس فیصد حصہ ہماری ہر آمدنی میں سے تمہارا لیکن تمہیں ہمارے اشارے پر ہر وہ کام کرنا ہوگا۔ جو ہمارے ذہن میں آئے۔''

''بیگم سائیں۔ پر ہزار قربان! بہت بڑا انعام دے دیا ہے آپ نے مجھے میں اور میرا گروہ پوری طرح اس کام کے لیے تیار ہے۔''

''ویری گڈ۔ تو تم یہ سمجھ لو کہ ہم تمیں کوئی بھی حکم دے سکتے ہیں۔''

''میں نے کہا نا بیگم سائیں! آپ فکر ہی مت کرو۔ کوئی بھی حکم آپ مجھے دو گی میں یہ نہیں سوچوں گا کہ حکم کیا ہے۔ بس اس کی تعمیل کروں گا۔''

''ہمیں تم جیسے ہی آدمی کی ضرورت تھی قربان۔'' غازی شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ ضرورت تم نے پوری کی ہے۔ ارے بابا! یہ میری تلاش ہے۔'' بہرحال اس کے بعد کیتھرائن کئی دن تک اپنے آئندہ منصوبے کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ آخر کار اس نے غازی شاہ سے کہا۔

''چھوٹے سائیں! قربان کو بلا لو ہمیں ان تمام بستیوں کے سربراہوں کی ضرورت ہے جن کا ہم نے دورہ کیا ہے اور جو ہماری زمینوں کی ملکیت مین آتی ہیں۔ ابھی تک ہم ان لوگوں سے نہیں ملے۔''

''ٹھیک ہے قربان کو پیغام دے کر بھیج دیا جاتا ہے۔ آپ دن کا تعین کرو۔''

''ہم ایک کام کرتے ہیں سائیں۔ ایک خیمہ گاہ بناتے ہیں پیچھے والے میدان میں۔ یہاں ان تمام لوگوں کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا جائے گا۔ ان کے آرام و آسائش کا اور اس کے بعد ہم انہیں ہدایات جاری کریں گے۔ زمینوں کا جائزہ لے کر آپ نے یہ اندازہ لگایا ہے۔ کہ ان زمینوں پر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''ہاں۔ ایک زرعی ماہر کی حیثیت سے میں یہ انداز لگا چکا ہوں۔''

''لیکن اس کے لیے ہمیں ہاریوں کی ضرورت ہوگی نا۔ ہمارے آدمی ہی وہاں کام کریں گے نا۔''

''ہاں بالکل۔''

''تو پھر جن جن بستیوں سے لوگوں کو طلب کیا جائے گا وہ یہ سارا کام سرانجام دیں گے۔''

تو اس کے لیے ایک کام کرتے ہیں۔''

''ہاں سائیں بولو میں بھی یہ چاہتی ہوں کہ آپ ہمیں یہاں کے ماحول کے مطابق مشورہ دیتے رہیں۔''

''جو لوگ ان چھوٹی چھوٹی بستیوں کے چھوٹے چھوٹے وڈیرے ہیں۔ اور جن کے ذریعے بستیوں پر حکمرانی ہوتی ہے ہم انہیں طلب نہیں کرتے ہیں اور معلومات کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی جو طاقت ور ہوں اور ڈنڈے کے بل پر وہاں کام کر سکتے ہوں۔ ہم ان وڈیروں کو معزول کر کے وہاں کی وڈیرہ شاہی ان لوگوں کو دے دیں گے۔ جو طاقت ور ہوں اور بدمعاشی میں بے مثال ہوں۔ وہی لوگ طاقت کے بل پر ہاریوں سے کام لے سکتے ہیں۔ اور اس کے بعد ہمارے خلاف سر اٹھانے کی ہمت کسی میں نہین رہے گی۔''

''دیکھو ہوا نہ اثر سائیں! ہوا نہ اثر۔'' کیتھرائن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیسا اثر۔''

''محبت کا۔'' غازی شاہ بھی مسکرا دیا اور بولا۔

''اثر تو ہونا ہی ہے بھلا اس سے بڑا اثر کس کا ہوگا۔ ہمیں۔''

''کیوں نہیں سائیں! کیوں نہیں۔ بہت اچھی تجویزیں سوچ رہے ہو اور ایک کام اور بھی کرنا ہے ہمیں وہ یہ ہے سائیں ایک طرف تو ان سربرآوردہ لوگوں کو بلایا جائے گا اور اس کے بعد ان لوگوں کو بھی دعوت دینی ہے جنہیں معزول کیا جائے گا۔ آپ سمجھ رہے ہو نا سائیں۔ ہم بات کریں گے ان سے ان میں سے بھی ہمیں اپنے وفادار نکالنے ہیں کیونکہ یہ بات تو آپ جانتے ہو۔ کہ جتنے تجربے کار پرانے لوگ ہوتے ہیں۔ نئے لوگ اتنے تجربے کار نہیں ہوں گے۔ جو لوگ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے انہیں یہ اجازت دیں گے کہ وہ ہمارے منتخب کردہ آدمیوں کے ساتھ مل کر کام کریں۔ اور ان کی مدد کریں۔''

''ہاں یہ بھی اچھی ترکیب ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے کن لوگوں کو مدعو کیا جائے۔ وہ جو ہمارے لیے کارآمد ہوں گے یا وہ جو پہلے سے وہاں سربراہی کر رہے ہیں بہرحال دونوں کے درمیان گفتگو کرنے کے بعد یہ طے ہوا کہ قربان کو بھی اس مہم میں شریک کر لیا جائے اور پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے۔ جو ان علاقوں کو سنبھال سکتے ہیں۔ قربان کو خصوصی طور پر طلب کیا گیا تو قربان پہنچ گیا۔ غازی شاہ نے۔

''قربان۔''

''سائیں پر قربان۔''

''تم جانتے ہو کہ ہم نے ایک نئی مہم کا آغاز کیا ہے اور اب اس سلسلے میں ہم بڑے

زبردست کارنامے سرانجام دے رہے ہیں۔''

''سائیں غازی شاہ ولایت کی تعلیم حاصل کر کے آئے ہو۔ یہاں ہم جاہلوں میں اتنی عقل کہاں ہے۔ کہ آپ کے دماغ کا مقابلہ کرسکیں۔ سائیں جو کچھ ہو رہا ہے ہم بھی دیکھ رہے ہیں اور اتنا جانتے ہیں کہ ان علاقوں کی تقدیر پلٹنے والی ہے۔''

''اچھا دیکھو۔ زمینوں کا دورہ ہم لوگوں نے کیا ہے۔ اور یہ اندازہ تم نے بھی لگایا ہے غازی شاہ کہ یہ زمینیں بڑی زرخیز ہیں لیکن ان پر کام کرنے کے لیے ہمیں سب کچھ اپنے طور پر ہی نہیں کرنا پڑے گا۔ بلکہ ان علاقوں اور گوٹھوں سے بھی مدد لینی ہوگی۔ سمجھ رہے ہو نا۔''

''جی سائیں۔''

''اور تم یہ بھی جانتے ہو۔ کہ جو لوگ مکرم شاہ کے وفادار ہیں۔ وہ خوشی کے ساتھ دینے پر تیار نہیں ہوں گے۔ سب سے پہلے تو مالیانے کی بات آ جاتی ہے۔ ہم ان لوگوں سے مالیانہ ہمیں دینے کے لیے بات کریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اصل میں مکرم شاہ تو شریف آدمی ہے اور وہ صحیح طور سے مالیانہ وصول بھی نہیں کر سکتے ہوں گے۔ لیکن ہم اس موقف کو سختی سے اختیار کریں گے اور اس کے لیے ہمیں ہر اس جگہ اپنے آدمی تبدیل کر کے بٹھانے ہوں گے۔ جہاں سے ہمیں مالیانے کی کمی کا خیال ہوگا۔ پھر وہی لوگ ان زمینوں کو کاشت کرنے میں ہماری مدد کریں گے۔ اور وہ لوگ نہیں ہوں گے جو پہلے سے وہاں وڈیرے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہر علاقے میں ہمیں اپنی مرضی کے وڈیرے کی ضرورت ہوگی او رقربان تم ہر بات جانتے ہو کہ اس وقت طاقت ہر چیز پر حکمران ہے۔ طاقت کی زبان سمجھی جاتی ہے۔ ہم کو ان سارے علاقوں سے ایسے طاقتور لوگوں کی ضرورت ہے جو ہمارے ہم آواز ہوں اور ہمارے لیے کام کریں۔''

''سائیں! پر قربان! بڑی اچھی بات سوچی ہے آپ نے ایسا ہی ہونا چاہیے۔ سائیں یہی چیز کارآمد ہوتی ہے۔ اور اس کو زیر عمل ہونا بھی چاہیے۔''

''ہوں تو پھر کیا کہتے ہو تم اس سلسلے میں۔''

''سائیں کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں ہمارے اپنے گرد دکے آدمی ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ ہیں جو ان علاقوں کے طاقتور ترین لوگ ہیں۔ سائیں میں نے جو گروہ تیار کیا ہے وہ ایسے ہی ہنسی مذاق والا گروہ نہیں ہے۔ بلکہ ان میں ایسے لوگ ہیں جو تقدیریں بدلنا جانتے ہیں۔''

''مجھے پتا ہے۔''

''تو پھر تم ان لوگوں کو جمع کرلو۔ ہم ان کے ساتھ ایک میٹنگ کرنا چاہتے ہیں۔''

''سائیں کتنا ٹائم دیں گے آپ۔''

''جتنی جلدی۔ دیکھو دنیا کا بہترین اصول ہے کہ جو کام انسان کرنا چاہے۔ اس میں دیر نہ کرے جلد بازی کو برا کہا گیا ہے مگر میں کہتی ہوں کہ جو کام جتنی جلدی ہوتا ہے۔ وہ اتنا ہی پائیدار ہوتا ہے۔ یہ میری منطق ہے۔'' کیتھرائن نے درمیان میں دخل دیا۔

''بیگم سائیں! آپ کا حکم چاہیے تین دن تو آپ دے دیجئے مجھے۔ ان لوگوں کو اکٹھا کرنے میں۔''

''ہاں میں دیتی ہوں تمہیں کیونکہ اس کے بعد ہمیں ان وڈیروں کو بلانا پڑے گا جو ان علاقوں پر قابض ہیں۔

''میں زیادہ سے زیادہ علاقوں کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرا مطلب ہے ان لوگوں کو تیار کرتا ہوں جو وہاں کے وڈیروں کے بعد وہاں کے نظام سنبھالیں گے۔

''گڈ۔ قربان میں سب سے اچھی بات یہ کہ ایک لمحے کے اندر وہ ہمارا مطلب سمجھ جاتا ہے۔''

''سائیں پر قربان۔'' قربان نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد اس نے اپنی کاروائی کا آغاز کر دیا۔ کچھ لوگ تو اس کے گروہ ہی میں شامل تھے جن کا تعلق ان بستیوں سے تھا جواب غازی شاہ کی تحویل میں آ گئیں تھیں کچھ لوگوں کو ان بستیوں سے حاصل کیا گیا۔ ایک سے ایک چھٹا ہوا بدمعاش ایک سے ایک اعلیٰ پائے کا غنڈہ ان تمام لوگوں کو آخر کار حویلی میں طلب کرلیا گیا۔ جن کا کام لوٹ مار کرنا اور مختلف طریقوں سے پیسہ کمانا ہوتا تھا۔ وہ عزت دار قرار دے کر بلائے گئے اور ان لوگوں کو ساری صورتحال سمجھائی گئی۔ غازی شاہ نے کہا۔

''دیکھو سائیں! تم لوگوں کو اپنے اپنے علاقوں کا نظام سنبھالنا ہے۔ تم وہاں ہمارے آدمی کی حیثیت سے رہو گے۔ کچھ جگہیں ایسی ہوں گی جہاں پرانے وڈیروں کو قائم رکھا جائے گا۔ لیکن تم ان کی بھی نگرانی کرو گے اور ادھر ہمارے آدمی کی حیثیت سے رہو گے تم کو ان وڈیروں کو راستے سے ہٹانا ہوگا اور تمہیں ان کی جگہ دے دی جائے گی۔ میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم غازی شاہ کے وفادار رہو گے یا نہیں۔''

''سائیں ہم آپ کے حکم پر جانیں قربان کر دیں گے۔'' سب نے بیک وقت کہا۔

''میں تمہاری زندگی کی نہیں تمہاری کارگردگی کی خواہش رکھتا ہوں۔ تمہیں عیش و

عشرت میں زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس کی تم پر دامت کرو۔"

"جی سائیں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"بھلا ہو۔" "تو پھر اپنے آپ کو تیار کرو۔ وقت پر تمہیں خبر کر دی جائے گی۔"

"سائیں پر قربان ہو جائیں گے ہم۔" وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ بڑی کامیاب میٹنگ رہی تھی۔ ان سب کا تعارف کرایا گیا تھا۔ اور کیتھرائن بے پناہ خوش نظر آ رہی تھی۔ علی خیر شاہ کو تو خیر ہر مسئلے میں شریک رکھا ہی جاتا تھا۔ ایک عجیب وغریب شخصیت کا مالک بن گیا تھا وہ اول تو اس کی جسمانی حیثیت ایسی تھی کہ کوئی اس کی صحیح عمر کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا۔ دوم اب اس کی عقل بھی اس انداز کی ہو گئی تھی کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس عمر کا بچہ اتنی گہری سوچ رکھتا ہے۔ مسلح رہتا تھا۔ کیتھرائن نے اس کو خون کا چھینٹا بھی لگا دیا تھا۔ ایک انسان کا خون کر چکا تھا وہ۔ اور اکثر یہ خواہش ظاہر کرتا تھا کہ اسے مزید انسانوں کا خون بہانے کا موقع ملے۔ کیتھرائن نے درپردہ اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی خواہش کو مزید پورا کرے گی۔ علی خیر شاہ نے کہا۔

"کیتھی ڈرالنگ میرا دل چاہتا ہے کہ میں انسانوں کے خون سے غسل کروں۔"

"خیر اب اتنے بھی جانور نہ بنو تھوڑے سے انسان رہو۔"

"اس میں جانور بننے کی کیا بات ہے۔ کیا جانور انسان کے خون سے نہاتے ہیں۔"

کیتھرائن ہنس کر خاموش ہو جاتی تھی۔ بہرحال اب اس کے بعد دوسرا مرحلہ تھا۔ چنانچہ قربان ہی کے ذریعے ان علاقوں کے وڈیروں کو سندیسہ بھیجا گیا۔ اور انہیں حکم دیا گیا کہ فلاں دن فلاں وقت گوٹھ پہنچ جائیں اور اس کے بعد ان کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ خیمہ گاہ لگوائی گئیں اس میں تمام انتظامات کیے گئے۔ اور آہستہ آہستہ وڈیرے وہاں پہنچنے لگے۔ یہ جانتے تھے کہ غازی شاہ مکرم شاہ کا بھائی ہے ان میں سے تقریباً سب ہی مکرم شاہ کے خیر خواہوں میں سے تھے اور کسی کو اس سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ بہرحال وہ سب پہنچ گئے اور ان کی خاطر مدارات کی جانے لگی۔ پھر ان سے ملاقات کا پہلا دن شروع ہوا۔ خیمہ گاہ میں کیتھرائن، خیر علی شاہ اور غازی شاہ کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ قربان کو نگرانی کی ہدایت کی گئی تھی اور اس سے کہا گیا تھا کہ آنے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ ایک پالیسی کے تحت ان کا خاص طریقے سے خیال رکھا جانا تھا۔ ان میں سے نوے فیصد لوگ ایسے تھے جن کی نگاہوں میں کیتھرائن کے لیے نفرت کے جذبات تھے۔ اٹھ فی صد ایسے تھے جو حالت سے سمجھوتا کرنا چاہتے تھے اور مصلحت پسند تھے اور دو فی صد ایسے تھے جو کھرے اور اپنی بات ہر ایک کے سامنے کہہ دینا چاہتے تھے۔ جبرو بھی انہیں میں سے ایک تھا۔ کھرا اور خاندانی

وڈیرا جس کے باپ دادا بھی انگریزوں کے خلاف رہے تھے غازی ہی کو بات کرنی تھی اور کیتھرائن نے اسے سمجھا دیا کہ اسے کیا بولنا ہے اور اس کس انداز میں بولنا ہے۔ چنانچہ غازی شاہ نے نرم اور مدہم لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں کو جس کام کے لیے بلایا گیا ہے اس کے بارے میں میں آپ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں۔"

"سائیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے ہمیں اپنے طور پر دعوت دی ہے یا سائیں مکرم شاہ کی طرف سے۔"

"اپنی طرف سے۔" غازی شاہ نے بھاری لہجے میں کہا۔

"مگر سائیں! آپ نے کس حیثیت سے ہمیں یہ دعوت دی ہے۔"

"جن علاقوں میں، جن گوٹھوں میں، جن بستیوں میں تم رہتے ہو۔ اب ان کا مالک میں ہوں۔ قانونی طور پر، سرکاری پور ان کی ملکیت مجھے مل گئی ہے۔ اب میں تم سب کا سرپرست ہوں ان علاقوں کا بڑا وڈیرہ ہوں۔"

"خود بخود سائیں! کہاں ہے وہ قانونی حیثیت۔" جبرو نے سوال کیا۔ اور غازی شاہ ٹیڑھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ علی خیر شاہ کی نظریں بھی اس کی جانب اٹھ گئیں تھیں۔ جبرو ایک تندرست وتوانا وڈیرہ تھا۔ اور ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے نہیں دیتے۔ غازی شاہ نے کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔"

"جبرو۔"

"جبرو۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ ان زمینوں کی ملکیت قانونی طور پر مجھے حاصل ہو گئی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کی ملکیت مجھے حاصل ہو گئی ہے۔ تم جیسے لوگوں کو جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔"

"آپ جو کہنا چاہتے ہو وہ کہو سائیں۔ بعد ہم اس کا جواب دیں گے۔"

"ہاں۔ تم نے خود ہی صحیح فیصلہ کر لیا۔ ورنہ فیصلہ میں کرتا۔" غازی شاہ نے کہا اور پھر بولا۔

"تو ان زمینوں کی ملکیت مکرم شاہ کی اجازت سے مجھے مل گئی ہے۔ وہ تحریری طور پر مجھے ان زمینوں کا مالک قرار دے چکے ہیں۔ میں یہ حساب کتاب تم لوگوں کو دینا پسند نہیں کرتا کہ جائیداد کس طرح تقسیم ہوئی۔ تمہیں صرف میرے احکامات پر عمل کرنا ہے۔ جن جن لوگوں کو

اس پر اعتراض ہو وہ ہاتھ اٹھا دے۔ ان زمینوں کی نگرانی تمہاری ذمے داری ہوگی۔ ہاریوں کو وہاں پہنچانا اور ان زمینوں کو میری مرضی کے مطابق بنانا تم لوگوں کا کام ہوگا۔ اس کے نتیجے میں زمینوں کی آمدنی کا دس پرسنٹ تمہیں دیا جائے گا۔ ہاریوں کے معاوضے ہم خود ادا کریں گے۔ سمجھ رہے ہونا۔ جن زمینوں سے زیادہ اناج، سبزی، اور زیادہ پھل حاصل ہوں گے۔ ان پر حساب کے لحاظ سے بونس دیا جائے گا۔ اور سالانہ انعامی میلہ منعقد ہوگا۔ جس میں تم لوگوں کو انعاموں اور اعزازات سے بھی نوازا جائے گا۔ کوئی بھی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔ کسی بھی طرح کی بغاوت کو طاقت کے ذریعے کچل دیا جائے گا۔ جو کچھ بھی بڑا مسئلہ ہوگا وہ میں حل کروں گا یہ ہیں ساری باتیں۔ غازی شاہ نے رک کر سامنے موجود لوگوں کا جائزہ لیا تو اسے اندازہ ہوگیا کہ صورت حال اس کے حق میں نہیں ہے اور کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آ سکتا ہے۔

❁......❁......❁

غازی شاہ نے گہری نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لیا پھر بولا ''جو لوگ میرے ہمنوا ہیں مجھ پر اعتماد کرتے ہیں' وہ ہاتھ اٹھا دیں اور جنہیں میری باتوں سے اختلاف ہے وہ ہاتھ نہ اٹھائیں۔'' ایک بھی ہاتھ اونچا نہیں ہوا' غازی شاہ کی آنکھوں میں آہستہ آہستہ خون اترنے لگا۔ جبرو نے ہی کھڑے ہو کر کہا۔

''آپ نے دیکھ لیا سائیں! ہم آپ کے نہیں مکرم سائیں کے وفادار ہیں' زمینیں اگر مکرم شاہ نے آپ کے حوالے کر بھی دی ہیں تو بھی اگر وہ ہمیں احکامات دیں گے تو ہم عمل کریں گے اور اس بات سے اس لئے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ آپ سے بڑے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے سائیں! کہ جو ہدایات جاری کی جائیں گی اس میں انگریز عورت کی باتوں کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ آپ ہماری زمینوں پر ایک بار انگریز عورت کے ساتھ سفر کرنے آئے ہیں' دوبارہ انگریز عورت کے ساتھ ان زمینوں پر سفر کرنے نہیں آئیں گے آپ۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو نہ آپ کی زندگی کی ضمانت دی جا سکتی ہے اور نہ انگریز عورت کی۔'' جبرو نے ابھی اتنے ہی الفاظ ادا کئے تھے کہ دو فائروں کی آواز سنائی دی' ایک فائر نے جبرو کے سینے میں سوراخ کر دیا تھا اور دوسرے نے اس کی پیشانی میں' کیتھرائن جو وہاں خود بھی موجود تھی بری طرح چونک پڑی۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا' قربان کو خاص طور سے ہدایت کر

دی گئی تھی کہ یہاں آنے والوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے لیکن یہ کس نے کیا اور دوسرے لمحے جبرو کو ہلاک کرنے والا نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ یہ علی خیر شاہ تھا جس کے ریوالور کی نال سے دھواں اٹھ رہا تھا اس نے جبرو کی باتوں سے مشتعل ہو کر اسے قتل کر دیا تھا۔ جبرو کا سینہ اور پیشانی خون اگل رہی تھی اور چاروں طرف سے وڈیرے کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر ان کی غضب ناک آوازیں ابھرنے لگیں۔

''کیا اس لئے بلایا تھا ہمیں غازی شاہ! کیا قتل عام کرنے کے لئے تم نے ہمیں بلایا تھا۔ چلو، ہم سب کو ختم کر دو۔ گولیاں چلاؤ ہم سب پر ہم جانتے ہیں کہ تم کس طرح کے انسان ہو، ماردو ہم سب کو ماردو۔'' غازی شاہ ایک لمحے کے لئے سکتے میں آ گیا تھا۔ کیتھرائن بھی خاموش تھی اس نے کچھ لمحوں کے بعد علی شاہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنی رہائش گاہ کی جانب چلی گئی۔ غازی شاہ بھی اس صورت حال کو سنبھال نہیں سکا تھا اس نے آخری الفاظ کہے۔

''جبرو کی موت کا مجھے افسوس ہے، بچے کی بات کا بھی اور تم جانتے ہو یہ بچہ سائیں مکرم شاہ کا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم، اب اس کے بعد تم لوگوں کو یہ آخری ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ کچھ میں نے کہا ہے، اس سے انحراف نہ کیا جائے۔ منحرف ہونے والے کو جو سزا دی جائے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''تم ظالم ہو، تم خونی ہو غازی شاہ! ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے، ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ تمہیں مزہ چکھا دیا جائے گا۔'' لوگ چیختے چلاتے رہے، غازی شاہ نے ایک نظر انہیں دیکھا اور اس کے بعد واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ وہ لوگ شور مچاتے رہے اور اس کے بعد انہوں نے مشترکہ طور پر تھوڑی ہی دیر کے اندر اندر خیموں کا یہ شہر چھوڑ دیا۔ غازی شاہ اندر آ گیا تھا، اندر پہنچا تو کیتھرائن، علی خیر شاہ کے ساتھ بیٹھی مسکرا رہی تھی اور علی خیر شاہ سے باتیں کر رہی تھی۔

''یہ تو غلط ہوا ہے کیتھی! یہ تو غلط ہوا ہے۔ ایسا تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''غازی شاہ! جو کچھ بھی ہوتا ہے ایک عمل ہوتا ہے سمجھے، جو ہونا تھا وہی ہوا ہے۔''

''علی خیر شاہ! جنگل کا شیر ہے اور شیر جو کرنا چاہتا ہے اس کے بارے میں سوچتا نہیں ہے اسے پسند نہیں آئی یہ بات کہ جبرو کسی کی آنکھوں میں یعنی میری یا تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرے، علی خیر شاہ نے اپنا کام کیا ہے۔''

''مگر اس کا نتیجہ اچھا تو نہیں ہوگا، بہر حال ملک کا ایک قانون ہے۔''

''اب یہ بتاؤ اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔''

''تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو، یہ تمہارے ہی ہاں کا محاورہ ہے۔'' کیتھرائن نے کہا اور غازی شاہ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

جبرو عمر رسیدہ آدمی تھا، اپنے علاقے کا پروقار وڈیرا، ایک تاریخ تھی اس کی، دو بیٹوں کا باپ تھا۔ دونوں بیٹے پرجوش نوجوان تھے، یہاں سے جبرو کی لاش گوٹھ پہنچی تو ایک ہنگامہ مچ گیا۔ ویسے تو یہ ہنگامہ ہر گوٹھ میں تھا۔ جو وڈیرے یہاں سے واپس گئے تھے، انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں جا کر ساری باتیں بتائیں تھیں اور سیانوں سے مشورہ کرنے بیٹھ گئے تھے لیکن جبرو کے دونوں بیٹے سخت مشتعل ہو گئے۔

''خون کا بدلہ خون ہوتا ہے ہم اپنے باپ کی موت کا انتقام لیں گے'' اس کے بیٹے نے کہا۔

''تم اپنے باپ کی لاش کو لے کر علی خیر محمد گوٹھ لے جاؤ اور مکرم شاہ کو بتاؤ۔''

''مکرم شاہ کیا کرے گا؟ اس کے بیٹے نے یہ کیا ہے وہ تو اپنے بیٹے کی طرف داری کرے گا۔''

''دیکھو، جہاں تک معاملے کا علم ہے وہ یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد سے اب تک علی خیر شاہ کی پرورش اس کے چچا اور چچی نے کی ہے، اور چچی جانتے ہو کون ہے۔ مکرم شاہ نے اس طرف سے آنکھیں بند رکھیں اور آخر کار وہ نقصان اٹھائے گا، لیکن بات مکرم شاہ کے علم میں نہیں ہوگی۔ تم لوگ جاؤ اور بھرپور احتجاج کرو۔'' پندرہ افراد کا ایک گروہ تیار ہوا اور جبرو کی لاش کو جیپ میں رکھ کر علی خیر محمد گوٹھ کی جانب چل پڑا جہاں مکرم شاہ ابھی تک ان حالات سے بے خبر اپنی ذمے داریاں پوری کر رہا تھا۔ خاصا دبلا ہوتا جا رہا تھا وہ، بہت سی فکریں دامن گیر ہو گئی تھیں۔ ماں کا خیال تھا، بیٹیوں کا خیال تھا ساری باتیں سوچتا تھا اور اپنے طور پر افسردگی کا شکار رہتا تھا۔ افریشم شوہر کی کیفیت کو سمجھتی تھی لیکن ایک وفادار عورت اپنے شوہر کی آواز سے اونچی نہیں کر سکتی تھی۔ پندرہ آدمیوں کا یہ بپھرا ہوا گروہ کسی کی لاش کو کندھوں پر اٹھائے مکرم شاہ کی حویلی پر پہنچا تو کہرام مچ گیا۔ جبرو کے بیٹے بری طرح شور مچا رہے تھے اور باقی لوگ ان کا ساتھ دے رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے۔

''انتقام، انتقام، ہمیں اس ظلم کا حساب چاہیے، کیا ملک کا کوئی قانون نہیں رہا۔ کیا یہاں بادشاہت شروع ہو گئی ہے، ہمیں جواب دو، ہمارے باپ کے خون کا حساب دو'' مکرم شاہ

حیران حیران سا باہر نکل آیا۔ اس نے گھوارے میں لیٹی ہوئی لاش کو دیکھا پھر حیرانی سے ان لوگوں کو، جرو کے ایک بیٹے نے آگے بڑھ کر کہا۔

''سائیں مکرم شاہ! آج سے پہلے ہم بڑی عزت کرتے تھے آپ کی، لیکن اب ہم آپ کے باغی ہیں، ہم خون کا بدلہ خون چاہتے ہیں، ہمارے باپ کو قتل کیا گیا ہے۔ ہم اس قتل کا حساب مانگنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔''

''کون ہو تم لوگ؟ اور یہ...... ارے یہ تو جرو ہے، جرو!...... کس نے قتل کیا اسے؟''
مکرم شاہ نے پھٹی پھٹی آواز میں پوچھا۔

''آپ کے بیٹے علی خیر شاہ نے'' جرو کے ایک بیٹے نے جواب دیا اور مکرم شاہ پر جیسے بجلی سی گری، ایک لمحے کے لئے اس کا سارا وجود گڑگڑاہٹ میں لپٹ گیا تھا اور اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ یہ ناقابل یقین بات تھی، ایسے الفاظ تھے جن پر غور کیا جائے تو سمجھ میں نہ آئیں۔

کافی دیر تک مکرم شاہ اسی کیفیت کا شکار رہا، آنے والے اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ ویسے بھی مکرم شاہ کے لئے ان کے دل میں کوئی برائی نہیں تھی، وہ جانتے تھے کہ مکرم شاہ نیک دل آدمی ہے لیکن غازی شاہ کے خلاف وہ کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ بہرحال کچھ دیر خاموشی طاری رہی اور پھر مکرم شاہ نے کہا۔

''ہاں، تم لوگ جو بات کہتے ہو میں اس لئے آنکھیں بند کر کے اس پر اعتبار کرتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان ہمیشہ اعتبار کا رشتہ رہا ہے، میں نے کبھی اپنی ذات کے لئے تمہیں تکلیف نہیں پہنچائی۔ لیکن اگر جرو کو میرے بیٹے نے قتل کیا ہے تو بہرحال یہ سوچ کر اس کے جرم کو نظرانداز نہیں کیا جائے گا کہ وہ میری اولاد ہے۔ میں اس کا کوئی دفاع نہیں کروں گا۔ وقت اور قانون اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ دے گا میں اس فیصلے کو قبول کروں گا۔ اب مجھے یہ بتاؤ، میرے دوستو...... میرے بزرگو...... بابا جرو قتل ہو چکا ہے اور بقول تمہارے اسے میرے بیٹے علی خیر شاہ نے قتل کیا ہے لیکن ذرا سی تفصیل تو مجھے بتا دو۔''

''مکرم شاہ بات اصل میں یہ ہے کہ دولت والے لوگ اپنے آس پاس پھیلے ہوئے لوگوں کو انسان نہیں جانور سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے لوگوں کی عزت کرتے ہیں، ان کی قدر کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں جیسے وہ عام انسانوں سے برتر ہوں۔ تم لوگوں نے غازی شاہ کو کھلی آزادی دے رکھی ہے۔ اپنی زمینیں بھی اس کے حوالے کر دی ہیں اور ان زمینوں کا مالک بننے کے بعد

وہ ان زمینوں پر بسنے والے لوگوں کی زندگی کا مالک تو نہیں بن رہا ہے۔ ہم لوگوں نے ہمیشہ تمہارے خاندان کے سامنے سر جھکائے رکھے ہیں۔ رعایا ہیں ہم تمہاری، کیا کرو گے اپنے ہزار دو ہزار آدمیوں کے ذریعے ہمارے دس بیس ہزار آدمی مروا دو گے۔ پولیس تو تمہاری اپنی ہوتی ہے اور دیکھو ایک بات ہم بھی تمہیں بتا دیں۔ مارے جائیں گے ہم لوگ لیکن تمہارے گھر اس طرح خالی کر دیں گے کہ پھر ان میں کبھی آبادی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد ہی ہم مر جائیں گے، تم اپنا قدم تو بعد میں ہی اٹھاؤ گے'' مکرم شاہ نے یہ الفاظ کہنے والے کو دیکھا یہ ایک بوڑھا آدمی تھا، اس نے دو قدم آگے بڑھ کر کہا۔

''بابا سائیں! ایسا کرو پہلے میرا گھر اجاڑ دو، میں اس بیٹے کا باپ ہوں نا، میری لاش جرو کی لاش کے برابر لٹا دو۔ وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ اپنے کسی آدمی کو کوئی اشارہ نہیں کروں گا کہ وہ میری حفاظت کرے یا میرا تحفظ کرے اور تمہیں نقصان پہنچائے۔ گھروں کو اجاڑنے کا اتنا ہی شوق ہے تمہیں تو پہلے اپنی خوشی پوری کر لو۔ مجھ سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''غلام بابا! سائیں مکرم شاہ سے ایسی بات مت کرو، سائیں مکرم شاہ! آپ میرے کو بولو، کیا کرو گے آپ اس سلسلے میں، جرو کو مار دیا گیا ہے۔ غازی شاہ ان زمینوں پر اپنی اجارہ داری قائم کر کے ہمارے رخ اپنے اشاروں کی جانب موڑنا چاہتا ہے اور انگریز عورت اس کی معاون ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو مکرم شاہ اور ہم بھی جانتے ہیں کہ غازی شاہ سائیں صرف انگریز عورت کے اشاروں پر کام کر رہا ہے اور انگریز، انگریز ابھی علی خیر گوٹھ کی طرف سے لگائے ہوئے زخموں کو نہیں بھول سکے ہوں گے۔ اپنے دور اقتدار میں انہیں اس علاقے سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔ سائیں! ہمارے پرکھوں نے کبھی ان لوگوں کی برتری کو قبول نہیں کیا اور ان کے ہوش و حواس درست کرتے رہے ہیں۔ سائیں وہ لوگ بھلا ہمارے دوست کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر آپ یہ بھی جانتے ہو سائیں! کہ انگریز قوم نے ہمیشہ بغل میں چھری ماری ہے۔ انگریز عورت اب بھی انگریز قوم کی نمائندہ ہے۔ مگر سائیں! ہم نہیں چاہتے کہ وہ کامیاب ہو یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے، جن زمینوں کو آپ نے غازی شاہ کے حوالے کر دیا ہے ان زمینوں پر ہم بہترین فصلیں اگا رہے ہیں۔ غازی شاہ کے کہنے سے ہم ان زمینوں کا انداز نہیں بدل سکتے۔ ایک جرو کو قتل کر دیا ہے، غازی شاہ کے اشارے پر تمہارے بیٹے علی خیر شاہ نے، غازی شاہ کتنے جرو مروائے گا؟ ہم مرتے رہیں گے مکرم سائیں! لیکن ایک بات آپ سمجھ لو کہ آپ کی

یہ بندر بانٹ ہمیں قبول نہیں ہے اور اب ہم انصاف آپ کے حوالے کر کے جا رہے ہیں۔ چالیس دن کے اندر اندر ہمیں نتیجہ چاہیے۔ جرو بابا کی موت کا کیا انصاف کر دگے تم' یہ ہم تمہارے اوپر چھوڑتے ہیں۔ آؤ بھائیو! سائیں مکرم شاہ کے خاندان کی ہم نے زندگی بھر عزت کی ہے' ہم اس عزت کو داغ دار نہیں بنانا چاہتے۔ لیکن فیصلہ چالیس دن کے اندر ہو جانا چاہیے اور اگر یہ فیصلہ ہمیں اطمینان نہ دلا سکا' سائیں مکرم شاہ تو ہم نے آپ کو بتا دیا ہے کہ بات اچھی نہیں ہوگی۔ چلو بھائیو!'' مجمع جرو کی میت اٹھا کو واپس چل پڑا۔ مکرم شاہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا' اس کے پورے بدن میں سر سراہٹیں ہو رہی تھیں۔ بہت سی باتیں اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں' یہ تو غلط ہو گیا۔ بیگم سائیں نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ ان لوگوں کی صحبت اچھی نہیں ہے' بچے کو اس طرح وہاں مت چھوڑو اور آج وہ تمام باتیں سچ ثابت ہو گئی تھیں۔ وہ دیر تک پتھرایا ہوا سا کھڑا رہا' نہ جانے کیا کیا خیال اس کے دل میں آ رہے تھے۔ پھر واپس پلٹا تو اس کے سارے وجود میں دہشت کی لہریں دوڑ گئیں۔ پیچھے شرجیلہ اسی کی طرح خاموش اور سرد کھڑی تھی' مکرم شاہ بزدل نہیں تھا لیکن اس وقت ماں کو دیکھ کر اس پر جو خوف سوار ہوا تھا وہ اس کی زندگی کا ایک انوکھا تجربہ تھا۔ اس نے پریشان نگاہوں سے شرجیلہ کو دیکھا۔ شرجیلہ کے چہرے پر سنگین تاثرات نظر آ رہے تھے' وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہی اور پھر واپس پلٹتے ہوئے بولی۔

''آؤ...... میں جانتی ہوں جب بچہ خوف سے زرد پڑ جاتا ہے تو ماں کی آغوش اس کے لئے سب سے بڑی پناہ گاہ ہوتی ہے۔ آؤ...... اس پناہ گاہ میں آ جاؤ'' وہ واپس مڑی اور آگے چل پڑی۔ مکرم شاہ کے قدم خود بخود اس کے ساتھ ساتھ اٹھ گئے تھے۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ خانم شرجیلہ کہیں آس پاس موجود ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے ساری باتیں سن لی ہیں۔ مکرم شاہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کیسے خانم شرجیلہ کے سامنے گردن اٹھائے۔ خانم شرجیلہ اسے ساتھ لئے ہوئے اپنی نشست گاہ میں پہنچ گئی۔

''بیٹھو......'' اس نے سرد لہجے میں کہا اور مکرم شاہ تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

''بات اصل میں یہ ہے کہ اگر تم صرف میرے مجرم ہوتے تو میں دونوں ہاتھ پھیلا کر تمہیں اپنے سینے سے لگا لیتی' لیکن افسوس علی خیر گوٹھ یا اس کے آس پاس کے آدمی نہ میری ملکیت ہیں نہ تمہاری' یہ وہ لوگ ہیں جو صدیوں سے ہمارے خاندان کی عزت کرتے چلے آئے ہیں اور اس طرح کہ ہم نے ان کی عزت کی ہے اور ان کی زندگیوں کی حفاظت کی ہے۔ ہم نے

ان کے مسائل میں ان کا ساتھ دیا ہے' ان کی مشکل میں ان کے سامنے سینہ تانے کھڑے رہے ہیں۔ بات اصل میں یہ نہیں ہے کہ تم وڈیروں کے خاندان سے ہو' اچھے اچھے وڈیرے کیا رئیس' نواب' جاگیردار کیا' بادشاہ اور شہنشاہ تک عوام سے نااتفاقی کر کے عذاب میں گرفتار ہو چکے ہیں' کوئی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ جرو کو اگر تمہارے بیٹے نے مار دیا ہے تو جرو کے بھی بیٹے ہوں گے۔ وہ تمہیں مار دیں گے مجھے مار دیں گے یہ حق حاصل ہے انہیں۔ اپنے گناہوں کو نظر انداز نہ کرو تم لوگ قلقاریاں مارتے ہوئے روتے بسورتے ہوئے پیدا ہوتے ہو۔ ماں باپ تمہارے وجود کی ہر جنبش کو جان کر تمہیں پروان چڑھاتے ہیں۔ تمہاری ہر مشکل کا خیال رکھتے ہیں۔ اس کے بعد تم طاقتور جوان بن جاتے ہو' اور سب سے پہلے جن لوگوں کو تم بے وقوف سمجھتے ہو وہ تمہارے ماں باپ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں بے وقوف سمجھنا سب سے آسان بات ہے تمہارے لئے' کیوں؟ جو سوال میں کر رہی ہوں۔ میرے ہر سوال کا جواب اسی ترتیب سے دو' یہ زمینوں کا کیا قصہ ہے؟ کون سی زمینیں غازی شاہ کی ملکیت بن چکی ہیں؟'' مکرم شاہ نے ایک مجرم کی طرح ماں کو دیکھا اور سر جھکا کر بولا۔

''وہ زمینیں بیگم سائیں! جنہیں غازی شاہ نے مجھ سے طلب کیا تھا۔''

''غازی شاہ تو خیر ایک کھلا مجرم ہے' ایک ڈاکو ہے لیکن تم اس سے بڑے ڈاکو ہو۔ اس سے بڑے مجرم ہو' میں نے کھل کر تمہیں ان زمینوں کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ نہ تمہاری ملکیت ہیں نہ غازی شاہ کی' وہ ملکیت میری ہیں اور ان کا فیصلہ مجھے ہی کرنا تھا۔ اگر میں حکومت کو درخواست دے دوں کہ مکرم شاہ نے میری زمینوں پر غاصبانہ قبضہ کر کے وہ زمینیں اپنے بھائی کے حوالے کر دی ہیں۔ غازی شاہ کا کچھ نہیں بگڑے گا تم مجرم کی حیثیت سے گرفتار ہو جاؤ گے۔ سزا تمہیں ہوگی' سمجھ رہے ہو نا تم' یقین کرو اس وقت غازی شاہ کے جرم کو میں بہت کم اور تمہارے جرم کو بہت زیادہ سمجھتی ہوں۔ تمہیں کیا حق حاصل تھا کہ تم وہ زمینیں اپنے بھائی کے حوالے کر دیتے میری اجازت کے بغیر' جواب چاہیے مجھے سچا اور صاف جواب۔''

''بیگم سائیں! بات بہت دور تک چلی جاتی ہے۔ آپ اگر سچے جواب چاہتی ہیں تو میں اس سچ کے لئے نہ تو کوئی قسم کھاؤں گا' نہ آپ کو کوئی ثبوت دینے کی کوشش کروں گا۔ جس وقت میں نے غازی شاہ کو ولایت بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت میرے دل میں ایسا ہی پیار تھا جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہو سکتا ہے۔ بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی سے ہو سکتا ہے۔ میں اور کیا جواب دوں آپ کو' میں چاہتا تھا کہ غازی شاہ زراعت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آئے اور

علی خیر شاہ گوٹھ ہی نہیں بلکہ آس پاس کے سارے سندھ کو ریتلی زمینوں سے پاک کر کے گلزار بنا دے۔ میں ان زمینوں کو حسین ترین بنانا چاہتا تھا اور یہ میری ایک سودے بازی تھی ان زمینوں کے ساتھ' یا ان زمینوں کے لئے اپنے بھائی کو بھیجتے ہوئے میرے دل میں صرف خلوص ہی خلوص تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری نیکی میرا گناہ بن جائے گی' ایسا ہی ہوا ہے۔ بیگم سائیں! ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ میری نیکی میرے گلے میں رسی کا پھندہ بن گئی ہے۔ غازی شاہ اس عورت کو لے کر واپس آیا۔ یہ آپ کے کئے جانے والے سارے سوالات کے جواب ہیں' بیگم سائیں وہ عورت انگریز تھی۔ ہمارے لئے نا قابل قبول' ہم زیادہ سے زیادہ اس کا مظاہرہ اسی طرح کر سکتے تھے کہ غازی شاہ کی آمد کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھیں۔ انگریز عورت کو کوئی حیثیت نہ دیں۔ سو ہم نے ایسا ہی کیا اور اس کے نتائج برے سے برے نکلتے چلے گئے۔ آپ سب لوگ اسے برا کہتے رہے۔ میں نے خود اپنی زبان سے اسے برا نہیں کہا' بہر حال وہ میرا بھائی ہے اور میرے دل میں اس کے لئے درد ہے۔ بیگم سائیں! اس نے زمینیں مانگیں' آپ نے منع کر دیا' اس نے مجھ سے بات کی میں نے اس سے کہا کہ میرے بھائی یہ زمینیں' میری اور تیری محبت کے درمیان رکاوٹ نہیں ہیں۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں ان پر قبضہ کر کے تجھے ان سے محروم کرنا چاہتا ہوں۔ ماں کی وصیت زمینوں کے سلسلے میں اپنی جگہ لیکن میں ان سے دستبردار ہوتا ہوں۔ بیگم سائیں! میں نے وہ زمینیں اس کے نام نہیں کی ہیں' بلکہ اپنی دستبرداری لکھ دی ہے۔'' شرجیلہ کے چہرے پر ایک رونق سی آ گئی، اس نے کہا۔

''اور تو نے وعدہ کیا ہے مجھ سے کہ سچ بولے گا میرے سامنے مکرم شاہ''

''ہاں''

''ٹھیک...... فرنگی عورت کو ایک اور شکست تو نے دستبرداری لکھ دی ہے نا مکرم شاہ! مگر زمینیں میری ملکیت ہیں میری مرضی کے بعد وہ غازی شاہ کی ملکیت نہیں بن سکتیں۔ اس کے بعد مکرم شاہ میں تجھ سے پوچھتی ہوں۔ میں نے تجھے جنم دیا تیری پرورش کی اپنی راتوں کی نیندیں حرام کیں۔ تجھے محبت دی پیار دیا' اپنا دودھ پلایا تجھے۔ تیری اولاد پر میرا کوئی حق نہیں تھا۔''

''میرے بدن کے روئیں روئیں پر آپ کا حق ہے بیگم سائیں۔''

''علی خیر شاہ کے بارے میں کہا تھا نا میں نے تجھ سے کہ اسے کیتھرائن کی صحبت میں نہ رہنے دو' انگریز عورت کوئی کھیل دکھا دے گی۔ دکھا دیا نا اس نے کھیل۔ پسند آیا تجھے کھیل!

آج تیرا بیٹا ایک قاتل کی حیثیت سے منظر عام پر ہے۔ تیرے سامنے ہے' بول کیا کرے گا' اس قاتل کا۔ سزائے موت دلوائے گا اسے؟ کیا ہم اس کی پرورش کر کے اس کی تربیت کرتے تو وہ قاتل بن سکتا تھا؟ کیا تو قاتل ہے؟ کیا غازی شاہ نے قتل عام کئے ہیں' ہم سے دور رکھ کر تو نے ان لوگوں کو زیادہ حیثیت دی اور دیکھ لے کیا نتیجہ نکلا۔ بات یہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ تیری لاعلمی میں ہو گیا میں نے تجھے لمحہ لمحہ یاد دلایا تھا کہ دیکھ انگریز عورت کوئی کھیل ضرور دکھائے گی۔''

''بیگم سائیں! غازی شاہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی' بیگم سائیں' میں جب غازی شاہ کے پاس یہ اطلاع دینے گیا کہ میرے ہاں بیٹا ہوا ہے تو وہ اور اس کی بیوی غریبوں میں مٹھائی بانٹ رہے تھے۔ میرے بیٹے کے نام پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں' تنہا اور اکیلے' ہم لوگ اپنی دنیا میں مست تھے اور وہ دونوں بے کسی اور بے چارگی کا نشان بنے ہوئے اپنی خوشیوں کا اظہار کر رہے تھے۔''

''چال تھی' وہ چال تھی۔ ارے چال تھی وہ' تو عورت کی ذہانت کو نہیں سمجھ سکتا۔ یا تو وہ بہت نیک اور فرشتہ صفت ہوتی ہے' یا پھر ایسی کہ شیطان بھی اس سے پناہ مانگے۔ یہ دو شکلیں ہیں اور وہ انگریز عورت' وہ تو اپنی تمام تر مہارت کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرح یہاں آئی ہے۔ چالیں تھیں' یہ سب چالیں تھیں۔ مکرم شاہ میں چالوں میں نہیں آئی۔ مگر میری بے بسی نے مجھے کچھ کرنے سے روک دیا کہ تیری اولاد تھیں۔''

میں آپ لو بتا چکا ہوں غازی شاہ کو بھی میں اپنی اولاد ہی کی طرح سمجھتا رہا ہوں اور اپنے بڑے بیٹے کی خوشیاں نہیں چھین سکا میں۔''

''پاگل...... پاگل...... پاگل' پاگل دیوانے' بول کیا کرے گا؟ اب کیا انصاف کرے گا؟'' وہ لوگ کہہ چکے ہیں کہ چالیس دن کے اندر انہیں انصاف چاہیے۔ کیا انصاف کرے گا تو؟''

''بیگم سائیں! قانون سے رجوع کروں گا اور یہ دیکھوں گا کہ قانون اس عمر کے قاتل کو کیا سزا دیتا ہے۔ تحقیقات کروں گا؟ سمجھیں آپ' تحقیقات کروں گا۔''

''تم آپ ٹیوں ٹیوں کرتے ہوئے پیدا ہوتے ہو لیکن جوان ہو کر بزرگوں کے تجربوں کو ٹھکرا دیتے ہو۔ فوراً ہی اپنے حقوق استعمال کرنے لگتے ہو۔ جلدی مت کرنا' اب بھی اگر دل چاہے تو مان لینا میری بات کہ جلدی مت کرنا' وہ بچہ ہے اور غازی شاہ اور کیتھرائن کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔''

پھر بھی ...... آپ مجھے کوئی صحیح مشورہ دیں۔ یہ بات تو طے ہے کہ اگر اس پر قتل کا الزام ثابت ہو جاتا ہے تو اسے قانون کے حوالے کرنا ہوگا۔ باقی فیصلے قانون ہی کرے گا۔"

"میری تقدیر...... میری تقدیر...... زندگی میں مجھے یہ سب کچھ بھی دیکھنا تھا۔ میں نے نہیں سوچا تھا، مکرم شاہ میں نے نہیں سوچا تھا۔" شرجیلہ رونے لگی، مکرم شاہ کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں اور ماحول بڑی دیر تک سوگوار رہا تھا۔

مکرم شاہ، جبرو کے گھر پہنچ گیا۔ اپنی پجارو میں وہ جبرو کے گھر پہنچا تھا اور اس کے ساتھ کوئی گن مین نہیں تھا۔ جبرو کی تدفین ہو چکی تھی لیکن کشیدگی بدستور قائم تھی۔ جبرو کے بیٹوں نے نہایت سرد مہری سے مکرم شاہ کا جائزہ لیا اور مکرم شاہ نے کہا۔

"میں بابا جبرو کی آخری رسومات میں شریک ہونے آیا ہوں۔ تم لوگ یہ مت سمجھنا کہ میں کوئی سودے بازی کرنے آیا ہوں تم سے، مجھے افسوس کے لئے آنا تھا۔ میں تمہارے دکھ میں شریک ہو باقی جہاں تک رہی بات علی خیر شاہ کی تو تم لوگ اس کے ذریعے متاثر ہوئے ہو۔ لیکن تم میرے اپنے ہو، میں تم سے ہی مشورہ کرنے آیا ہوں کہ اس کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"یہ سب ہتھکنڈے ہیں، بڑے سائیں! آپ ہمیں جذباتی کر کے ہمارے منہ سے یہ کہلوانا چاہتے ہو کہ ہم آپ کے بیٹے کو معاف کر دیں، سائیں! بات اصل میں یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے آپ کو انسان اور دوسروں کو جانور سمجھتے ہو۔ علی خیر شاہ کو ہمارے باپ کے قتل کے جرم میں سزا ہونی چاہیے، ہمیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہنا آپ سے۔" جبرو کے بیٹوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، میں اسے قانون کے حوالے کر دیا ہوں۔"

"قانون تو تمہارا اپنا ہے، جیسے چاہو گے قانون کی کل مروڑ دو گے، بہت برا کیا ہے تم نے اپنے بھائی کو اقتدار دے کر۔ اسی نے ہمیں بلایا تھا اور اپنی حکمرانی مسلط کرنے کی کوشش کی تھی سائیں! ایک بات سمجھ لو کہ یہ زمینیں ہماری نہیں ہیں تمہاری ہیں، پر ان پر ہمارا صدیوں کا خون پسینہ جذب ہے۔ ہمارا ان سے خون کا رشتہ ہے۔ خون کی ندیاں بہ جائیں گی، ہم ایک بار پھر یہ سوچ کر کھڑے ہو جائیں گے کہ ہم سائیں حاکم شاہ کے خاندان کے خلاف نہیں جنگ کر رہے بلکہ ایک بار پھر انگریز نے ہماری زمین پر حملہ کیا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم انگریز کے خلاف جنگ کریں۔"

"ٹھیک، مگر میں تم سے ایک درخواست کر سکتا ہوں، ابھی رکو ہو سکتا ہے کوئی درمیانہ حل صحیح انداز میں نکل آئے۔"

"چالیس دن سائیں! چالیس دن آج تو تیسرا دن ہے، ابھی سینتیس دن باقی ہیں آپ کے پاس، صحیح فیصلہ آپ کر لو۔

"ہاں ٹھیک ہے" مکرم شاہ کو شدید احساس ہوا تھا کہ وہاں اس کی بے عزتی ہوئی ہے، لیکن ایک انسان کی زندگی گئی تھی۔ بیٹے درحقیقت اگر باپ کی موت کا اتنا احساس بھی نہ کریں تو پھر تو بات غلط ہو جاتی ہے۔ وہاں سے وہ سیدھا غازی شاہ کی طرف چل پڑا تھا۔

غازی شاہ اور کیتھرائن نے اس کا استقبال کیا، غازی شاہ نے پر احترام لہجے میں کہا۔

"آیئے ...... بڑے سائیں! میں جانتا ہوں کہ آپ کس پریشانی کا شکار ہو کر یہاں آئے ہیں۔" مکرم شاہ گہری نگاہوں سے غازی شاہ کا جائزہ لینے لگا پھر بولا۔

"یہ تو سوال ہی نہیں بنتا کہ تم سے اس واردات کے بارے میں پوچھوں، واردات ہوئی ہے، جبرو کو قتل کیا گیا ہے، تمہارے ہاں، تمہاری زیر نگرانی۔"

"سائیں ہمیشہ جارحانہ بات کرتے ہو آپ، اپنی زیر نگرانی میں اگر جبرو کو قتل کرانا چاہتا تو اکیلا اسے قتل نہ کراتا سائیں! اس کے خاندان کو ختم کرا دیتا تاکہ اس کے کیس کے بارے میں کوئی پیروی کرنے والا نہ ہوتا۔"

"بار بار یہ کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، غازی شاہ سارا کیا دھرا صرف میرا ہی ہے تجھے میں نے ان لوگوں کو تحویل میں بھیجا تھا جو ذہنی طور پر شیطان تھے اور ظاہر ہے شیطان کی صحبت میں انسان شیطان ہی بن کر آتا ہے۔"

"ٹھیک ہے سائیں! آپ بڑے ہو میری بیوی کے خاندان کو گالیاں دے رہے ہو، میں برداشت کئے لیتا ہوں سائیں! مگر یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"کیا اچھا ہے کیا برا غازی شاہ! احساس ہوتا جا رہا ہے مجھے، یہ بتا تیری موجودگی میں ایسا کیسے ہوا؟ میرا بیٹا قاتل کیسے بن گیا؟"

"نہیں...... کام اتنا آسان نہیں ہے غازی شاہ! ٹھیک ہے میں نے اپنی محبتوں کا فرض پورا کیا ہے اور اپنے بیٹے کو اس فرض پر قربان کر دیا ہے، کہاں ہے وہ؟"

"وہ آزاد پنچھی ہے۔ آزاد فضاؤں میں پرواز کر رہا ہے، ہم لوگ اس پر کوئی پابندی

نہیں لگاتے۔ اپنی مرضی سے آتا ہے' اپنی مرضی سے جاتا ہے' آپ روک لو گے اسے سائیں! وہ نہیں آئے گا لیکن آج آپ نے بڑی تلخ باتیں کی ہیں ہم سے' ہم آپ سے اس کی توقع نہیں رکھتے تھے۔''

''غازی شاہ! بہت بڑا واقعہ ہوا ہے' اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''

''کچھ نہیں سائیں! وہ ڈیرہ ہے ان زمینوں کا مالک! اس علاقے کا حکمران' ہو جاتا ہے کبھی کبھی کوئی بے گناہ پودا بھی پیروں تلے آ جاتا ہے۔ بات اتنی سخت نہیں ہے جتنا اسے سمجھا جا رہا ہے۔ ٹھیک ہے جبرو مر گیا' میں نے ابھی خاموشی اختیار کی ہوئی ہے' کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ بستی والے سرکشی پر آمادہ ہیں اور سر ابھار رہے ہیں' جبرو کے بیٹوں کو اس کے باپ کی زندگی کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے اور اگر وہ یہ قیمت لینے پر راضی نہ ہوئے اور قانون کی طرف لپکے تو ان کے راستے روکے جا سکتے ہیں۔ انہیں گہرائیوں میں پہنچایا جا سکتا ہے جہاں سے وہ کبھی کسی کو نظر نہ آئیں۔''

''زندگی کی کوئی قیمت ہوتی ہے غازی شاہ۔''

''ہوتی ہے سائیں! ہوتی ہے' ہوتی ہے۔ اگر قیمت دینے والا موجود ہو تو''

''اور انسانوں کو گہرائیوں میں پہنچانا انسانوں ہی کی بس کی بات ہے۔''

''آپ بہت پرانی باتیں کر رہے ہو سائیں! اگر یہ واقعہ میری تحویل میں ہوا ہے تو آپ بے فکر ہو جاؤ' آپ نے جو اتھارٹی مجھے دی ہے' میں اس کے ہر پہلو کا ذمے دار ہوں۔ آپ بے فکر رہو۔''

''لیکن تمہیں معلوم ہے کہ وہ لوگ جبرو کی لاش لے کر میرے پاس پہنچے تھے۔''

''مجھے معاف کرنا بڑے سائیں! آپ کو اسی وقت فیصلہ کرنا چاہیے تھا۔ آپ نے یہ فیصلہ یہ کیا ہو گا کہ ان لوگوں کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے ہوں گے۔ ان لوگوں کو تسلیاں دی ہوں گی' یہ یقین دلایا ہو گا کہ آپ اپنے بیٹے کو سزا دیں گے۔''

''تو تمہارے خیال میں کیا میں ان پر فائرنگ کراتا۔''

''ہاں سائیں! اور کچھ نہ سہی کم از کم ہوائی فائرنگ کروا کر انہیں منتشر کر دیتے آپ' ہمیں ایسا کرنا پڑے گا۔ ورنہ یہ سرکش لوگ آج ایک بوڑھے کی موت پر گردن اٹھا رہے ہیں۔ کل یہ ہمارے گھروں پر قبضہ کرنے کے لئے شور مچائیں گے۔ سائیں! پرانی ریت رواج چھوڑ نئے دور کے ساتھی بنو۔''

''تو مجھے مشورہ دے رہا ہے۔''

''ہاں سائیں! اس لئے کہ میں آپ سے زیادہ پڑھا لکھا ہوں' آپ نے مجھے ولایت پاس کرائی ہے۔''

''ٹھیک ہے غازی شاہ! کہاں ہے وہ' اسے تلاش کر کے میرے پاس لے کر آؤ۔''

''میں نے کہا نا سائیں وہ آزاد فضاؤں کا پنچھی ہے' لیکن ٹھیک ہے جیسے ہی وہ آئے گا میں اسے لے کر آپ کے پاس آؤں گا۔ لیکن ایک بات آپ یہ سمجھ لو کہ کوئی برائی نہیں کرنی ہے اس کے ساتھ۔''

''میں نہیں کروں گا تو دوسرے کریں گے۔''

''میں موجود ہوں نا سائیں! وہ دوسروں کے لئے میں موجود ہوں۔'' غازی شاہ نے کہا' مکرم شاہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ غازی شاہ اب انسانوں میں نہیں رہا ہے۔ وہ بگڑ چکا ہے' بہرحال اس سے زیادہ اور کیا کہتا' مایوس' غمزدہ ہال سے واپس چل پڑا' فیصلہ کرنا تھا اسے۔

افریشم بڑے صبر و سکون کے ساتھ اس کا انتظار کر رہی تھی' مکرم شاہ اس کے پاس پہنچا تو افریشم نے کہا۔

''کہاں ہے وہ؟'' مکرم شاہ نے چونک کر بیوی کو دیکھا اور بولا۔

''نہیں معلوم''

''کیا ایسا ہونا چاہیے تھا سائیں! بڑے سائیں! کیا ایسا ہونا چاہیے تھا؟ ہم اس کے ماں باپ ہی نہ رہے۔ میں نے کبھی آپ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ آپ کا ہر لمحے ساتھ دیا ہے۔ لیکن وہ میرا بیٹا ہے' پہلی اولاد ہے میری' سائیں کسی مشکل میں پڑ گیا تو...... تو......'' مکرم شاہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

بچل کی زندگی بچانے کے لئے اسے شہر بھیج دیا گیا تھا۔ شرجیلہ بھی بے وقوف نہیں تھی حالات سے واقف تھی۔ کئی بار اس نے اپنے آپ کو کیتھرائن کے سلسلے میں نرم کرنا چاہا تھا۔ خاندانی روایات الگ لیکن دل نہیں مانتا تھا اور ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے کیتھرائن کبھی اپنی نہیں بن سکتی۔ وہ انگریز ہے اور نفرت کی بنیادوں پر یہاں تک آئی ہے سہارا بیٹے کو بنایا گیا ہے' یہ بھی جانتی تھی کہ مکرم شاہ درحقیقت غازی شاہ کو اپنی اولاد کی طرح چاہتا ہے' لیکن جو کر چکا ہے' نادانی میں کر چکا ہے اور اب اس کا صلہ بھگت رہا ہے۔ زمینوں کے سلسلے میں مکرم شاہ کے ایثار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مکرم شاہ نے اپنی محبت اور اپنے خلوص کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن

غازی شاہ نے انسانوں کے ساتھ جس سلوک کا آغاز کر دیا تھا اس سے آگے کے بارے میں پتا چل سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے سختی کے ساتھ اپنے معتمد مہران شاہ کو طلب کر لیا۔ مہران شاہ، علی خیر محمد گوٹھ میں نہیں رہتا تھا، وہ الگ ہی رہتا تھا۔ لیکن وہ شرجیلہ کے مفادات کے لئے کام کرتا تھا۔ اس نے سنگین نگاہوں سے شرجیلہ خانم کو دیکھا اور گردن جھکا کر بولا۔

"بیگم سائیں! غلام حاضر ہے حکم کیجئے۔"

"مہران شاہ! تم جانتے ہو کہ میں تمہیں بہت کم تکلیف دیتی ہوں۔ جب کسی بڑے مشکل میں پھنس جاتی ہوں تو تمہاری ضرورت پیش آتی ہے۔"

"بیگم سائیں کا یہ غلام ہر لالچ سے پاک ہے صرف عزت کرتا ہے آپ کی بیگم سائیں! آپ کے ذاتی معاملات میں اس وقت تک مداخلت نہیں کرتا جب تک آپ کا حکم نہ ہو۔ آپ حکم کریں، بیگم سائیں! کیا ذمے داری ہے میرے لئے۔"

"مہران شاہ! اس صورت حال سے واقف ہو یا نہیں۔"

"بیگم سائیں! اگر زبانی دعوے ہوتے ہیں تو انسان الٹے سیدھے جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہ تو میری ڈیوٹی ہے کہ میں علی خیر گوٹھ کے معاملات سے ہوشیار ہوں۔"

"مہران شاہ! ہم سخت مشکل میں ہیں، تمہیں جبرو کی موت کا پتا چل چکا ہوگا۔"

"ہاں بیگم سائیں! اور یہ بھی پتا چل چکا ہے کہ اسے سائیں علی خیر شاہ نے مارا ہے۔"

"ہاں...... کیتھرائن نے علی خیر شاہ کو یہی سب کچھ سکھایا ہے۔ ظاہر ہے اسے اپنے دست راست کی ضرورت تو تھی اور بات خود مکرم شاہ نے بگاڑی ہے، ارے بابا وہی جو کہتے ہیں نا۔ ماں سے زیادہ چاہے پھاپھا کٹنی کہلائے۔ میری اولاد ہے غازی شاہ مجھ سے زیادہ کون چاہ سکتا ہے اسے، مگر میں نے اسے سمجھ لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ مجھ سے دور ہے۔ مجھ سے بھی دور ہے اور میرے دل سے بھی دور ہو چکا ہے۔"

"بیگم سائیں! ماں کبھی اپنی اولاد کو دل سے دور نہیں کر سکتی، مجھے معاف کرنا آپ کی یہ بات میں نہیں مانتا۔" شرجیلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، دیر تک وہ کچھ نہ بول سکی۔ بولنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن آواز بھرا رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو مکرم شاہ نے ایک بے وقوفی کی ہے جس کے نتیجے میں حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔ کافی عرصے

پہلے غازی شاہ نے مجھ سے تقاضا کیا تھا کہ زمینوں میں سے اسے اس کا حصہ دے دیا جائے۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو مہران شاہ کہ بڑے سائیں یہ زمینیں میرے حوالے کر کے گئے تھے اور میں نے ان زمینوں کی ہمیشہ دیکھ بھال کی ہے۔"

"مجھ سے زیادہ یہ بات اور کون جانتا ہے، بیگم سائیں!"

"یہ میری مرضی پر ہے کہ میں زمینیں کسی کو دوں یا نہ دوں، سمجھ رہے ہو نا تم۔"

"جی بیگم سائیں! بالکل۔"

"غازی شاہ نے مکرم شاہ سے زمینوں کے بارے میں کوئی بات کی ہوگی۔ مکرم شاہ نے اس کو مطمئن کرنے کے لئے اپنی طرف سے دستبرداری دے دی ہے اور کہا ہے کہ غازی شاہ جس طرح چاہے ان زمینوں کو استعمال کر سکتا ہے، جبرو کا واقعہ اسی سلسلے میں پیش آیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے بیگم سائیں۔"

"معلوم ہے تمہیں؟"

"ہاں، میں نے کہا نا حالات سے باخبر رہنا میرا فرض ہے۔"

"مگر زمینیں مکرم شاہ کے کہنے سے غازی شاہ کی ملکیت تو نہیں بن سکتیں۔"

"یہ بھی میں جانتا ہوں بیگم سائیں!"

"غازی شاہ اس چالاک عورت کے ساتھ مل کر میرے سادہ لوح بیٹے کو بے وقوف بنانے میں کامیاب تو ہو گیا ہے لیکن میں اسے مکمل کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ ظفر شاہ یا حامد حسین اس سلسلے میں بے کار لوگ ہیں۔ میں اب ان سے مطمئن نہیں ہوں۔ بے شک وہ میرا قانونی مشیر ہے، لیکن میں چاہتی ہوں کہ اپنا مشیر بدل دوں۔ ان لوگوں پر اب مجھے اعتبار نہیں رہا ہے۔ تمہیں میں نے اسی لئے تکلیف دی ہے کہ کراچی جاؤ اور وہاں جا کر کسی بہت بڑے بیرسٹر یا وکیل سے رابطہ قائم کرو اور سارے معاملات اس کے سپرد کر کے زمینوں کی ذمے داری اسے منتقل کر دو۔"

"بیگم سائیں! اتفاق کی بات یہ ہے کہ کسی دوست کے ذریعے سے میری ملاقات سائیں عظیم اللہ شاہ سے ہوئی ہے۔ سائیں عظیم اللہ اس وقت بڑے مانے ہوئے بیرسٹر ہیں اور وہ ہمارے اپنے جاننے والے بھی ہیں۔ بڑے نیک اور ایمان دار آدمی ہیں۔ آپ حکم کرو تو میں انہیں بلا لوں۔"

"ہاں، جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔"

بیرسٹر عظیم اللہ' مہران شاہ کے ساتھ ہی علی خیر محمد گوٹھ آئے تھے اور بغیر کسی اطلاع کے آئے تھے۔ شرجیلہ نے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

''سائیں عظیم اللہ شاہ! ہم آپ سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت کا اظہار نہیں کریں گے۔ مشکل میں پڑے ہوئے ہیں' سائیں مہران شاہ نے آپ کو اس بارے میں بتا دیا ہوگا۔''

''ہاں...... بہن مجھے بتا دیا گیا ہے اور تقریباً کچھ تیاریاں کر کے میں آپ کے پاس پہنچا ہوں ایک بار پھر آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی فرمایئے''

''زمینوں کے وہ کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں جو آپ کو منتقل کئے گئے ہیں۔''

''ہاں' ہم نے مہران شاہ ہی کے ذریعے لاکر سے وہ کاغذات نکلوا لئے ہیں۔ مہران شاہ آپ نے وہ کاغذات سائیں عظیم اللہ کو نہیں دکھائے۔''

''آپ کی اجازت کے بغیر تو ممکن نہیں تھا بیگم سائیں۔''

''دکھاؤ'' عظیم اللہ شاہ نے کاغذات دیکھ کر کہا۔

''ان کاغذات کی رو سے آپ کے سوا کوئی ان زمینوں کا حق دار نہیں ہے' نہ آپ کا بڑا بیٹا مکرم شاہ نہ غازی شاہ' آپ جب تک قانونی طور پر عدالت میں پیش ہو کر کسی کے حق میں دستبرداری نہیں لکھیں گی۔ اس وقت تک ان میں سے کوئی بھی زمین پر دعوے داری نہیں کر سکتا۔'' شرجیلہ کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آئے، اس نے کہا۔

''یہ بات وہ بے وقوف لڑکے نہیں جانتے' سائیں عظیم اللہ شاہ! میں چاہتی ہوں کہ یہ کاغذات مستحکم کر لئے جائیں اور ان لوگوں کو نوٹس بھجوا دیا جائے کہ زمینوں کے سلسلے میں وہ کسی قسم کی اجارہ داری کا اظہار نہ کریں۔ ورنہ قانونی طور پر انہیں گرفت میں لیا جا سکتا ہے۔''

''آپ تو خود قانون کو اچھی طرح جانتی ہیں بیگم سائیں! آپ فکر بالکل نہ کریں۔ اس مشیر نامے پر دستخط کر دیں۔ اس کی رو سے آپ کے وکیلوں کو یہ ہدایت دے سکتا ہوں کہ وہ میری مرضی کے بغیر زمینوں کے سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ کیونکہ اب میں آپ کا قانونی مشیر ہوں۔ پہلے مشیر نامے منسوخ کئے جاتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک ہے''

ضروری کارروائیاں ہوئیں' مکرم شاہ یا غازی شاہ کو اس کا پتا نہیں چلنے دیا گیا تھا۔ ادھر مکرم شاہ سخت ہیجان کا شکار تھا۔ اس نے تین بار کوشش کی تھی لیکن ان دنوں نہ تو علی خیر شاہ

واپس آیا تھا اور نہ کہیں سے اس کا پتا چل سکا تھا' وہ وہیں حویلی ہی میں موجود تھا اور غازی شاہ نے اسے تہ خانے میں چھپایا ہوا تھا اور صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر کار مکرم شاہ نے مجبور ہو کر ایک پولیس آفیسر سے رابطہ قائم کیا۔ ساری صورت حال اسے بتائی گئی اور جرو شاہ کے بیٹوں نے باقاعدہ ایف آئی آر لکھوائی۔ پولیس آفیسر نے پریشان لہجے میں کہا۔

''سائیں! کیا حکم ہے' وہ تو آپ کا بیٹا ہے کیا کریں ہم اس کے لئے؟''

''یہ بتاؤ کیا کر سکتے ہو؟''

''سائیں دیکھو' ابھی وہ بالغ تو نہیں ہے' یہ ٹھیک ہے کہ قد کاٹھ میں اپنی عمر سے زیادہ نظر آتا ہے' لیکن عمر اس کی کچی ہے اور بات اس کی ذاتی نہیں ہے۔ یہ تو غازی شاہ پر ذمے داری آتی ہے کہ اگر اس نے ان لوگوں کو بلایا تھا یا ان سے ملتا تھا تو ان کی حفاظت کا بندوبست بھی کرتا، آپ جیسا حکم کرو۔''

''نہیں' قاتل میرا بیٹا ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کے ساتھ اس کے نابالغ ہونے کی شکل میں کوئی رعایت کر دی جائے' لیکن اسے سزا تو ملنی ہی چاہیے۔''

''سائیں! آپ جیسا حکم کرو' پھر میں اسے گرفتار کر لینا چاہتا ہوں۔''

''ہاں' آپ اسے گرفتار کر لو۔'' مکرم شاہ نے کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آواز بھرا گئی۔ بے حد پریشان تھا وہ' افریشم الگ غمزدہ تھی اور اس سے کہتی تھی کہ سائیں! میرا تو قصور نہیں ہے اس میں' میں نے تو سچائی کے ساتھ آپ کی اولاد کو جنم دیا تھا۔ آپ نے اسے کیا بنا دیا۔ آپ جانیں آپ کا کام لیکن میری اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے' چونکہ اس نے جو کچھ کیا ہے۔ اپنی عقل سے کام لے کر نہیں کیا۔ اسے جو سکھایا گیا ہے وہ کیا ہے۔ اس نے اور سے میں نے یہ سب کچھ نہیں سکھایا۔ افریشم بہت ہی وفادار اور نیک عورت تھی لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ماں تھی اور اب ماں شوہر سے اپنا حق مانگ رہی تھی لیکن مکرم شاہ کے پاس بیٹے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے' گردن جھکانے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ پولیس آفیسر یہاں سے تمام اجازت لینے کے بعد آخر کار غازی شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے غازی شاہ سے ملاقات کی اجازت چاہی اور غازی شاہ نے اپنی معلومات کے تحت پورے ہوش و حواس سے اس سے ملاقات کی۔

''ہاں' آفیسر! کہو کیسے آنا ہوا؟''

''سائیں! غازی شاہ! جرو نامی آدمی کے قتل کے سلسلے میں اس کے بیٹوں نے

رپورٹ لکھوائی ہے' ان لوگوں نے کہا ہے کہ جبرد کو علی خیر محمد شاہ نے قتل کیا ہے۔ ہمیں پتا چلا ہے کہ علی خیر محمد شاہ آپ کے پاس ہے' آپ اسے ہمارے حوالے کر دیجئے۔''

'' آفیسر ہوش دحواس قائم نہیں ہیں تمہارے' کس کا نام لے رہے ہو؟ جانتے ہو علی خیر محمد شاہ کون ہے' علی خیر محمد گوٹھ کا مالک' بہت بڑا وڈیرا' تم اس کا نام اس طرح لے رہے ہو۔''

'' سائیں! بالکل ٹھیک کہتے ہو آپ' لیکن قاتل کو قاتل نہیں تو اور کیا کہیں گے۔''

'' اس کی عمر جانتے ہو کتنی ہے۔''

'' ہاں سائیں! سنا ہے وہ نابالغ ہیں''

'' ایک نابالغ آدمی کو گرفتار کر سکتے ہو تم؟''

'' ہاں سائیں! اگر وہ قاتل ہے اور اس کے خلاف ایف آئی آر لکھوائی گئی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اسے گرفتار کریں۔''

'' اور اگر میں تم سے یہ بات کہوں کہ تم اسے گرفتار نہیں کر سکتے تو......؟''

'' تو بھی سائیں! ہمیں اپنا فرض پورا کرنا پڑے گا۔''

ٹھیک ہے' وہ یہاں موجود نہیں ہے' اگر تم حویلی کی تلاشی لینا چاہتے ہو تو وارنٹ دکھاؤ اور اسے گرفتار کر لو۔ تلاشی لے لو' ہم تمہیں منع نہیں کریں گے' وہ یہاں سے ہتھیار لے کر بھاگ گیا ہے کیونکہ اسے پتا ہے کہ پولیس اسے تلاش کرنے کی کوشش کرے گی۔'' آفیسر نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر بولا۔

'' سائیں! ہم تو حکم کے بندے ہیں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر رہے۔ جو ہدایات ملی ہیں اوپر سے اس پر عمل کر رہے ہیں۔ آپ ہمیں اپنے آپ سے الگ مت سمجھو' ہم خود بھی کوشش کریں گے کہ اس نابالغ لڑکے کو کوئی بڑا نقصان نہ پہنچے۔ بس اس سے معلومات کریں گے اور اسے چھوڑ دیں گے۔''

'' جو کچھ بھی ہے وہ یہاں موجود نہیں ہے اور تم وارنٹ کے بغیر حویلی کی تلاشی نہیں لے سکتے۔''

'' ٹھیک ہے سائیں! پر ہم حویلی کی ناکہ بندی کر لیں گے اور پولیس کی اور نفری بلوا لیں گے' یہ صرف اپنا فرض پورا کرنے کے لئے کرنا پڑ رہا ہے ورنہ ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔'' پولیس آفیسر وہاں سے واپس چل پڑا' اس نے اپنے محکمے کو صورت حال کی اطلاع وی اور اس کے بعد مزید پولیس فورس وہاں آ گئی اور حویلی کے گرد گھیرا

ڈال لیا گیا۔ غازی شاہ اس صورت حال سے پریشان ہو گیا تھا لیکن کیتھرائن موجود تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

'' واہ' شاہ جی واہ...... چھوٹے سائیں! آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار۔''

'' اب کیا ہو گا کیتھرائن؟''

'' کیوں' کیا آپ کے خیال میں حکومت پولیس والوں کو اس حویلی کی تلاشی کی اجازت دے دے گی۔''

'' دے بھی سکتی ہے''

'' تو دے وے' ہمارے تہ خانے کیا اتنے کمزور ہیں کہ پولیس والے سیدھے وہاں پہنچ جائیں گے۔''

'' وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہارا کیا خیال ہے کیا علی خیر شاہ ان تہ خانوں میں ہی زندگی گزار دے گا۔''

'' تو کیا پولیس زندگی بھر یہاں پڑی رہے گی۔''

'' ہاں ایسا تو نہیں ہے لیکن پھر بھی پریشانی کی بات تو ہے۔''

'' ارے چھوڑو سائیں اتنی سی بات پر پریشان ہو گئے' تو گزار لی زندگی' میرے پاس تو ابھی بہت بڑے بڑے کام ہیں۔ میں تو سوچ رہی ہوں کہ ایک مرحلہ مکمل ہو جائے اس کے بعد دوسرے مرحلے پر غور کریں گے۔''

'' تو پھر اب کیا کیا جائے''

'' کچھ نہیں' میرا خیال ہے اپنا علی خیر شاہ بڑا ہو گیا ہے اب' ایک بندہ اتنے آرام سے مار سکتا ہے' وہ تو اب اس کے لئے بہت سے بندوں کو مار دینا کون سا مشکل ہے۔''

'' تم کیا کرنا چاہتی ہو بابا! میری تو عقل نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔''

'' میں نے......'' بات غازی شاہ کی سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔

'' تم نے کہا ہے نا کہ میری عقل نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے' کب چھوڑا ہے تمہاری عقل نے تمہارا ساتھ۔''

'' بابا میں جو کچھ کہتا ہوں اسے سمجھو۔''

'' سمجھ رہی ہوں لیکن تمہاری عقل تو میں ہوں نا غازی شاہ! اور یہ وعدہ تم مجھ سے کر چکے ہو'' غازی شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ '' ہنسانے والی باتیں مت کرو' میں سچ مچ پریشان ہوں۔''

"میں نے کہا نا کہ تمہاری عقل میں ہوں چھوٹے سائیں! اچھا یہ بتاؤ فضل شاہ جس سے تم ملاقات کرنے کے لئے گئے تھے کیسا آدمی ہے؟"

"اس وقت فضل شاہ کیوں یاد آیا۔"

"ہمیں کچھ کام کرنے ہیں' قربان کو بلاؤ سائیں! قربان سے بات کرنی ہے۔"

"قربان آجائے گا مگر پولیس نے حویلی کے گرد گھیرا ڈالا ہوا ہے۔"

"آرام سے گھیرا توڑا جا سکتا ہے چھوٹے سائیں! بھلا یہ کون سا مشکل کام ہے' آپ قربان شاہ کو بلالو۔" قربان حویلی پہنچ گیا' تو غازی شاہ نے کہا۔

"قربان"

"سائیں یہ قربان" قربان نے جواب دیا۔

"چھوٹی بیگم سائیں! تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" کیتھرائن نے قربان شاہ سے کہا۔

"قربان تم ہمارے لئے اتنے کام کر چکے ہو کہ اب تمہارے بارے میں یہی سوچا جا سکتا ہے کہ تم مکمل طور پر ہمارے اپنے آدمی ہو' یہ بتاؤ ہم تمہارے لئے کیا کریں۔"

"بیگم سائیں! آپ کے راج میں قربان' راجاؤں کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔ اپنی مرضی کی من مانی کرتا ہے' سینہ تان کر جی رہا ہے۔ انسان کو زندگی میں اور کیا چاہیے ہوتا ہے بیگم سائیں! آزادی کی زندگی' کوئی غلطی ہو جائے تو ایسے سہارے جو ہر غلطی کو سنوار دیں۔ قربان ہمیشہ سے خادم ہے۔"

"دیکھو قربان! علی خیر شاہ کو میں اس علاقے کا خوف بنانا چاہتی ہوں۔ ایک ایسا خوفناک آدمی جو علی خیر شاہ کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دے ایسا کوئی بندہ ہے تمہاری نگاہ میں۔"

"بیگم سائیں! قربان سے آپ کوئی کام کہیں اور قربان وہ کام پورا نہ کر سکے' قربان کے تعلقات بہت لمبے ہیں میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ آپ چاہو تو میں کھدوانا کو آپ کے پاس بلا دوں" غازی شاہ نے چونک کر قربان کو دیکھا اور بولا۔

"کھدوانا سے تیرے تعلقات ہیں؟"

"سائیں یہ قربان' قربان نے اور زندگی میں کیا ہی کیا ہے۔"

"لیکن وہ تو بہت خطرناک ڈاکو ہے۔"

"سائیں ہے تو سہی پر آپ کا قربان بھی کسی سے کم نہیں ہے۔"

"میری بات تو سنو یہ کھدوانا ہے کون۔"

"خوش قسمتی سے ہماری کہ کھدوانا نے کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا۔ کچے کے علاقے میں اس کی مملکت قائم ہے' بے تاج بادشاہ ہے وہ وہاں کا۔ بڑے بڑے علاقوں میں ڈاکے ڈالتا ہے اور ہوشیار کر کے ڈاکے ڈالتا ہے بابا، بڑا خطرناک نام ہے اس کا۔"

"ڈاکو" کیتھرائن کی آنکھوں میں خوشی کی چمک لہرا گئی اور غازی شاہ اسے دیکھنے لگا، کیتھرائن نے کہا۔

"قربان! لوگ اپنی اولاد کو بڑی بڑی تعلیم دلواتے ہیں کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں اور ہم اپنے علی خیر شاہ کو کھدوانا بنانا چاہتے ہیں۔ کیا تم اسے کھدوانا کی تربیت میں دے سکتے ہو۔"

"بیگم سائیں! کوئی مشکل ہی نہیں' آپ حکم کرو کھدوانا ایسی تربیت کرے گا کہ مزہ آ جائے گا۔"

"ہوں تو غازی شاہ! بات طے ہو گئی آپ بالکل بے فکر ہو جاؤ' کیتھرائن جو سوچتی ہے وہ دنیا سے الگ کی بات ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے بابا! جیسا تم پسند کرو" غازی شاہ نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

عظیم اللہ نے سارے کام مکمل کر لئے تھے۔ پورے کاغذات تیار کرنے کے بعد اس نے حامد حسین کو نوٹس بھیجا۔ ظفر شاہ کو جو نوٹس بھیجا اس میں یہ تفصیل درج کی گئی تھی کہ بیگم سائیں شرجیلہ نے ان لوگوں سے اپنے معاملات ختم کر دیئے ہیں اور اب وہ ان کے قانونی مشیر نہیں ہوں گے۔ ان سے متعلق تمام تر کاغذات عظیم اللہ شاہ کو دے دیئے جائیں۔ اس پر شرجیلہ کے دستخط تھے' حامد حسین اور ظفر شاہ حیران رہ گئے۔ ظفر شاہ تو خیر بہت ہی افسردہ ہو گیا تھا' وہ بہت دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے کہا۔

"یہ تو غلط ہوا ہے' میرے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔" یہی کیفیت حامد حسین کی تھی' حامد حسین تو ہانپتا کانپتا سیدھا غازی شاہ کے پاس بھاگا تھا۔ بہر حال غازی شاہ اس وقت الگ ہی کیفیت میں تھا' تھوڑے فاصلے پر پولیس نے گھیرا ڈالا ہوا تھا' لیکن بہر حال کسی کو روک ٹوک نہیں تھی وہ بس اپنے طور پر کارروائی کر رہے تھے اور صرف علی خیر شاہ کو تلاش کر رہے تھے۔ حویلی کی تلاشی کے اجازت نامے انہیں حاصل نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے حویلی سے کافی فاصلہ

اختیار کر کے انہوں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ حامد حسین نے غازی شاہ کو اپنی آمد کی اطلاع پہنچائی۔ کیتھرائن تو غازی شاہ کا سایہ بنی رہتی تھی۔ مجال ہے کہ ایک لمحے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دے' حامد حسین نے کہا۔

''شاہ جی! میرا خیال ہے بڑی حویلی سے بڑی کارروائی ہوئی ہے۔''

''کیوں......کیا بات ہے کیا تم پولیس کو دیکھ کر یہ بات کہہ رہے ہوں۔''

''نہیں سائیں! یہ تو ایک الگ ہی بات ہے' میں زمینوں کے سلسلے میں آپ سے بات کرر ہا ہوں۔''

''ہاں بولو' کیا ہوا؟ کوئی اور نئی بات ہوگئی ہے' ایک چھوٹا سا مسئلہ سامنے آ گیا ہے اس کے بعد میں ان سارے حرام زادوں کو دیکھ لوں گا جو میری مخالفت کر رہے ہیں۔''

''سائیں! یہ نوٹس آیا ہے' عظیم اللہ شاہ صاحب کا' شاہ جی! بہت بڑے وکیل ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگ ان کے مقابلے میں بہت چھوٹے ہیں۔ بیگم سائیں نے ہم لوگوں سے اپنی تمام مشاورت چھین لی ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ساری جائیداد وغیرہ کے کاغذات عظیم اللہ شاہ کے حوالے کر دیں۔''

''کیا......'' غازی شاہ کے حلق سے نکلنے والی دہاڑ بے حد خوفناک تھی۔ کیتھرائن نے غازی شاہ کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ دیا' وہ غازی شاہ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''آپ ایک بات بتاؤ' حامد حسین صاحب! کیا قانونی طور پر ایسا کیا جا سکتا ہے۔''

''کیا جا سکتا نہیں ہے چھوٹی بیگم سائیں! بلکہ کیا جا چکا ہے۔ کاغذات ہمیں چند گھنٹوں کے اندر اندر عظیم اللہ شاہ کے حوالے کر دینے ہیں۔''

''ہوں'' کیتھرائن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر بولی۔ ''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اصل کاغذات ان کے حوالے نہیں کئے جائیں بلکہ ان کی نقل عظیم اللہ شاہ کو دے دی جائے۔''

''نہیں بیگم سائیں! یہ نہیں ہو سکتا۔''

''تو کیا یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ان جیسے ہی دوسرے کاغذات تیار کرا لئے جائیں اور اصلی کو نقلی ثابت کر دیا جائے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ جعل سازی کی جائے؟''

''جو کچھ بھی سمجھو''

''نہیں' بیگم سائیں! ہم آپ کے لئے ہزار مقدمے لڑنے کو تیار ہیں۔ آپ کے حکم

کے مطابق قانونی ثبوتوں کے ساتھ ہر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ پر ایسی جعل سازی نہیں کر سکتے جو ہمارے پیشے کو ہمیشہ کے لئے بدنام کر دے۔ نہیں' بیگم سائیں! ایسا نہیں ہو سکتا اور پھر جعلی کاغذات تیار کرنا اتنا آسان کام بھی نہیں ہوتا۔''

''سب کچھ ہو جاتا ہے' سب کچھ ہو جاتا ہے۔ کاش! یہ لوگ انگلینڈ میں ہوتے۔''

''بدقسمتی ہے بیگم صاحبہ! ہم لوگ انگلینڈ میں نہیں ہیں۔ غازی شاہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''پھر بتاؤ حامد حسین! تمہارا کیا کام ہے؟''

''ہمارا کام تو ختم ہو گیا ہے سائیں! ہم آپ کو اطلاع دینے کے پابند تھے' آپ کچھ کر سکتے ہو تو ضرور کر لو۔''

'جاؤ......پھر تمہارا آنا کس کام کا'' غازی شاہ نے کہا۔

''اچھا سائیں......اپنا فرض پورا کر لیا' اب چلتے ہیں۔''

حامد حسین نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ غازی شاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''گویا' بیگم سائیں نے ایک اور چرکا لگایا ہے' ہمیں' اب اس کے بعد بھی اہم انہیں ماں کہتے ہیں' ان کا احترام کرتے رہیں۔''

''ٹھنڈے رہو' غازی شاہ؟ ٹھنڈے رہو۔ ابھی ہمیں اپنے دشمنوں سے لڑنا ہے' ہم ایک لمحے میں انہیں نہیں مار سکتے۔ آہستہ آہستہ عقل کے ساتھ ان کے خلاف کام کرنا ہوگا۔''

''میں نہیں جانتا تھا کہ میری ماں اور میرا بھائی میرے بڑے دشمن بن جائیں گے' خاص طور سے ماں! تعجب ہے واقعی تعجب ہے۔ ماں نے وار پر وار کیے ہیں۔ میری بیوی کو بانجھ کر دیا۔ مجھ سے دنیا کی ہر خوشی چھین لی وہ کچھ بھی نہیں کرنے دے رہی مجھے۔ کیتھرائن مجھے بتاؤ ،میں کیا کروں۔''

''انتظار سائیں انتظار' ہم بھی پیچھے نہیں ہیں کسی سے' سائیں مکرم شاہ کا بیٹا قاتل بن چکا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے' کیا یہ حالات رنگ نہیں لائیں گے۔''

''کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ وہ کروں جو کسی نے بھی نہیں کیا ہوگا۔ قتل کر دوں بیگم سائیں کو رشتے تو ختم ہو ہی چکے ہیں پھر ایک دشمن کو کیوں زندہ رہنے دوں۔''

''تم نے یہ کیا کہا سائیں! کہ وہ کر دوں جو کسی نے تمہیں کیا ہوگا' ارے بابا! تم کسی کو تکلیف پہنچاؤ گے تو وہ بھی تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ تکلیف تو وہ پہنچاتا ہے جس سے محبت کا کوئی

رشتہ نہ ہو' پھر وہ دوست کیسا؟ وہ تو دشمن ہوتا ہے۔ پکا دشمن' مگر ابھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا ہے تمہیں۔ بابا دوستی کا رشتہ تو ہوتا ہی ہے۔ دشمنی کا بھی تو ایک رشتہ ہوتا ہے نا' دشمن سے تو رشتہ نبھانا چاہیے۔ ورنہ زندگی بے مزہ ہوتی ہے لڑو گے کم از کم زندہ رہنے کی خوشی ہوگی۔

'' لیکن کیتھرائن! تمہیں اندازہ نہیں ہے اگر بیگم سائیں نے ان لوگوں کو آزادی دے دی اور ہمیں کھلم کھلا اپنا دشمن قرار دے دیا تو پھر شاید ہمارا یہاں گزارہ نہ ہو' ہمیں نقصان اٹھانا پڑے گا۔''

''نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا' ساری باتیں اپنی جگہ' میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ بیگم سائیں ایسا نقصان تمہیں کبھی نہیں پہنچائیں گی۔ بہر حال وہ ماں ہیں اور ماں بڑی عجیب چیز ہوتی ہے۔ کاش! میں ایک ماں کا پورا تجربہ حاصل کر لیتی۔ کاش بیگم سائیں' مجھ سے اتنی بڑی چیز نہ چھین لیتیں۔'' کیتھرائن کی آواز بھرا گئی اور غازی شاہ کا خون غصے سے کھولنے لگا۔ کیتھرائن نے مسکراتی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور پھر بولی۔

'' سائیں! ایک بات کہوں آپ سے' آپ جو اس طرح غصے سے سرخ ہو جاتے ہو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کے دل پر کیا بیتی ہے۔ پر بدنصیبی نے ہمیں ہمارے اپنوں کی دشمنی دی ہے اور جب اپنے دشمن ہوتے ہیں تو انسان بڑا خطرے میں ہوتا ہے لیکن اس خطرے سے نمٹنے کا ایک ہی طریقہ ہوتا ہے اپنے آپ پر قابو پائے رکھنا۔ سائیں ٹھنڈے دل و دماغ سے ہر بات پر غور کرو۔''

'دمیری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کیتھرائن! میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا کبھی کبھی تو میرا دماغ بالکل معطل ہو جاتا ہے۔ اب تم دیکھو ہم ان زمینوں کے بارے میں کیا کیا پلاننگ کر چکے تھے۔ زمینیں ایک بار پھر ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہیں۔ بیگم سائیں! بہت چالاک عورت ہیں' وہ یقینی طور پر اب ان زمینوں کے بارے میں کوئی مضبوط قدم اٹھائیں گی' ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہاریوں میں اور زمینیں سنبھالنے والوں میں اور بستی والوں میں سے کوئی بھی ہمارے ساتھ نہیں ہے۔''

'' سب ہمارے ساتھ ہو جائیں گے ایک ایک شخص ہمارے ساتھ ہوگا اور اگر نہیں ہو گا تو اسی طرح اس دنیا سے چلا جائے گا جس طرح جبرو چلا گیا۔ سائیں! میرا نام کیتھرائن ہے' آپ کی ساری ذمے داریاں میں نے سنبھال رکھی ہیں۔ محال ہے کسی کی جو آپ سے آگے بڑھ کر بات کر جائے۔ سائیں! ایسا نہیں ہو سکتا' کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہی نہیں ہے۔''

کیتھرائن نے کہا اور غازی شاہ تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

'' بہر حال جو کچھ بھی ہے بیگم سائیں نے بہت سختی کی ہے بہت زیادتی کی ہے میرے ساتھ میں اس زیادتی کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔''

'' ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے کبھی کبھی ایسے لوگ دشمن بن جاتے ہیں' جن سے صرف دوستی کی توقع کی جاتی ہے اور اس وقت سائیں! واقعی بہت زیادہ دکھ ہوتا ہے۔''

'' مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہمیں کرنا کیا ہے؟ کیتھرائن!''

'' ابھی فی الحال تو کچھ نہیں کرنا' زمینوں کے مسئلے میں خاموشی اختیار کر لو' اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بندہ ہمارے ذریعے مارا گیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ابھی ہماری دشمنیاں بہت زیادہ بڑھ جائیں' ابھی تو ہمارے پاس بڑا اچھا موقع ہے بس میں تم سے ہی ڈرتی تھی۔''

'' مجھ سے!'' غازی شاہ نے حیرانی سے کہا۔'' ہاں سائیں! دیکھو رشتے تو رشتے ہی ہوتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو کتنا ہی تمہارے قریب سمجھوں۔ لیکن سائیں! یہ بات تو ہے کہ بیگم سائیں تمہاری والدہ ہیں۔ بڑے سائیں تمہارے بھائی ہیں۔ کسی وقت بھی ان کی محبت تمہارے دل میں آ سکتی ہے اور اس وقت میرا کیا ہوگا۔ یہ بات میں جانتی ہوں۔''

'' گویا ابھی تک تمہیں میرے اوپر اعتبار نہیں ہوا ہے'' غازی شاہ نے کہا۔

'' اعتبار نہ ہوتا سائیں تو میں اب تک مر چکی ہوتی۔

تمہارا اعتبار ہی تو مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا۔ میرے ذہن میں جو بات ہے وہ تمہیں بتائے دے رہی ہوں۔ آنے والا کل تو مکمل طور پر ہمارا ہے اور میں اس سلسلے میں جو بھی قدم اٹھاؤں گی سائیں! وہ تمہیں ماننا پڑے گا۔''

'' میں نے کبھی اس سے انکار کیا ہے۔''

'' بالکل نہیں' یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ تم نے کبھی میرے کسی مسئلے سے انکار نہیں کیا۔''

'' اچھا خیر چھوڑو' یہ بتاؤ آگے کا منصوبہ کیا ہے۔''

'' دیکھو سائیں! زمینوں کے سلسلے میں تو بالکل خاموشی اختیار کر لو کیونکہ قانون بہر حال قانون ہے اور پھر ویسے بھی ہم احتیاط سے یہ جنگ لڑ رہے ہیں۔ اگر ہم نے براہ راست کوشش شروع کر دی تو پھر صورت حال خراب ہو جائے گی۔ اب ہمارا سب سے پہلا کام

یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے۔قربان کے ذریعے اس ڈاکو سے رابطہ قائم کیا جائے۔''

''ہاں۔میں اس منصوبے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''دیکھو دو باتیں ہیں۔سچی بات یہ ہے کہ ہمیں ساری دشمنی کے باوجود علی خیر شاہ سے کوئی نفرت نہیں ہے۔وہ بچہ ہمارے زیر سایہ پروان چڑھا ہے۔ہم اس کے لیے ہر وہ کوشش کریں گے۔جو کی جاسکتی ہے۔تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ علی خیر شاہ کو کھدوانا کی شاگردی میں دے دو۔ایک شاندار ڈاکو بن کر وہ ہمارے سامنے آئے گا اور اس کے بعد ہمارے دشمنوں سے وہی نمٹ لے گا۔ان زمینوں کا مسئلہ تو ایسے حل ہوگا چٹکی بجاتے۔'' غازی شاہ نے گہری سانس لی اور گردن ہلاتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہے۔میرا خیال ہے قربان کے تعلقات کھدوانا سے ہیں۔بات اصل میں یہ ہے کہ یہ ایک ہی کشتی کے سوار ہوتے ہیں۔قربان ہمارے لیے کام کر رہا ہے۔ہوسکتا ہے کھدوانا اس کا کوئی رشتے دار ہو۔یہ لوگ کم از کم اس کا اظہار تو نہیں کر سکتے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔''

کھدوانا، قربان شاہ کے ساتھ آ گیا۔وہ انتہائی بھیانک چہرے والا بڑی مونچھوں والا آدمی تھا۔لمبے چوڑے بدن کا مالک آنکھوں سے سفاکی ٹپکتی تھی۔اس نے آ کر سب سے پہلے مسکرا کر کہا۔

''سائیں! ہم آپ کو جانتے ہیں۔آپ کے بڑے بھائی کو بھی جانتے ہیں۔کوئی نقصان نہیں پہنچایا انہیں آج تک اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔اپنے کام سے کام رکھنے والے ہیں۔ہم نے اگران کے علاقے میں کبھی ڈاکا بھی ڈالا تو انہوں نے بات پولیس کے اور ہمارے درمیان چھوڑ دی۔خود کوئی مداخلت نہیں کی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قربان ہمارا اپنا آدمی ہے۔اس نے بہت سی جگہوں کی مخبری کی ہے اور ہمیں اس سے بڑے فائدے ہوئے ہیں بلکہ ایک بار تو اس نے ہماری جان بھی بچائی تھی۔جس کا ہم احسان مانتے ہیں۔''

یہ بات طے ہے غازی شاہ! کہ جو شخص بہت برا نظر آتا ہے اس کے اندر بہت اچھا انسان چھپا ہوتا ہے۔اچھے تو خیر ہوتے ہی اچھے ہیں لیکن بروں کے اندر جو اچھائی چھپی ہوتی ہے اس کا اچھے اچھے مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' کیتھرائن نے اپنی منطق جھاڑنا شروع کر دی پھر بولی۔''بات اصل میں یہ ہے کہ کھدوانا کہ ہم مکرم شاہ کے بیٹے کو تمہاری شاگردی میں دینا

چاہتے ہیں۔سائیں مکرم شاہ نے اپنا بیٹا میری تحویل میں دے دیا تھا کیونکہ میں بے اولاد ہوں۔ہم نے اسے پروان چڑھایا۔لیکن زمانے کے مطابق ہم چاہتے ہیں کہ وہ ایک الگ ہی انسان بنے۔اس کے اندر کچھ ایسی خوبیاں ہوں جو عام لوگوں میں نہیں ہوتیں۔کھدوانا اس سلسلے میں ہم نے تم پر بھروسہ کیا ہے۔اگر تم ہمارے کام آنا چاہو تو۔''

''ہم آپ کو بتا چکے ہیں بیگم سائیں! کہ اس خاندان سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔اور پھر قربان ہمارا محسن ہے۔یہ اگر کہتا ہے کہ ایسا کر لیا جائے۔تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔آپ لوگ ہمارے سپورٹر رہیں گے اور اس سے اچھی بات کوئی نہیں ہے۔یہ بات ہم جانتے ہیں کہ آپ کے تعلقات بہت آگے ہیں۔بس معاوضہ ہم یہی چاہیں گے کہ اگر ہم کبھی کسی مشکل میں پھنس جائیں تو آپ ہماری بھرپور مدد کرو گے۔''

''یہ وعدہ میں کرتی ہوں۔'' کیتھرائن نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کہا۔اور کھدوانا ہنسنے لگا پھر بولا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔علی خیر گوٹھ اور آس پاس کے گوٹھوں میں عورت کی بات اس قدر سنی نہیں جاتی۔مگر آپ باہر سے آئے ہوئے مہمان ہو۔آپ جو کہتے ہو ٹھیک ہے۔ہم مان لیتے ہیں۔لڑکا کدھر ہے۔''

''یہیں ہے اور پولیس نے جو ناکہ لگایا ہوا ہے وہ اسی کی وجہ سے لگایا ہوا ہے۔سمجھ رہے ہو نا تم''

''لڑکے کی وجہ سے۔''

''ہاں''

''کیوں؟''

''اس نے ایک قتل کیا ہے۔''

''اچھا۔اس کا مطلب ہے ہونہار بچہ ہے۔''

''ہاں۔بہت ہونہار تم اسے ایک بہترین لڑکا پاؤ گے۔''

''تب تو پھر ہمیں اس کی بڑی ضرورت ہے۔کیونکہ ہمارے بعد ہمارا جانشین بھی ہوگا۔لیکن ایک بات ہم آپ کو بتا دیں بیگم صاحب! جب تک ہم چاہیں آپ اسے ہمارے پاس رہنے دیجئے۔اس سے جو کام آپ لینا چاہتی ہوں گی۔وہ ہم منع نہیں کریں گے بلکہ ہمارا پورا گروہ اس میں شریک ہوگا۔لیکن لڑکے کو کچھ عرصے تک ہماری ہی تحویل میں رہنے دیں۔''

ٹھیک ہے کھدوانا، ایسا ہی ہوگا۔"

"تو پھر بلائیے اسے، کہاں ہے" علی خیر شاہ کو کھدوانا کے سامنے پیش کیا گیا تو کھدوانا نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"جوہری کی ایک ہی نگاہ کافی ہوتی ہے' وہ ہیرے کی پہچان کر لیتا ہے۔ آپ بے فکر رہو آپ کے سارے معاملات حل ہوجائیں گے، اس کے ذریعے۔"

"ہاں یہی اندازہ ہے"

"تو پھر ٹھیک ہے' یہ ہمارے ساتھ جارہا ہے"

"مگر پولیس نے حویلی کے گرد گھیرا ڈالا ہوا ہے"

"اپنا اپنا کھیل ہوتا ہے بابا' اپنی اپنی رسمیں ہوتی ہیں' کم ازکم چار پولیس والوں کی قربانی کے بعد ہم اسے اپنی شاگردی میں لیں گے اور شکر ہے ان کی تلاش میں ہمیں کہیں جانا نہیں پڑے گا۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ چار پولیس والوں کا خون قربان کرنا پڑے گا۔ قربان کیا کہتے ہو" کھدوانا ہنسنے لگا اور قربان اس کی ہنسی میں شریک ہوگیا' پھر بولا۔

"تو کیا میں چار پولیس والے پکڑ کر لے آؤں"

"استاد میں ہوں یا تم؟" کھدوانا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم"

"بس تو پھر اسے میرے ساتھ رہنے دو' کیوں کیا تم ڈاکو بنو گے؟" کھدانا نے پوچھا اور علی خیر شاہ اسے دیکھنے لگا پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں"

"اوہ جیو میرے لال! اچھا بیگم سائیں! پھر مجھے اجازت دیں۔"

"لیکن کھدوانا احتیاط کے ساتھ"

"یہ لفظ دوبارہ مت کہنا بیگم صاحب!" کھدوانا نے کہا اور اس کے بعد وہ علی خیر شاہ کو لے کر چل پڑا' غازی شاہ' قربان اور کیتھرائن کافی سنسنی کا شکار نظر آرہے تھے' لیکن تھوڑے وقت کے بعد انہیں معلوم ہوگیا کہ علی خیر شاہ چار پولیس والوں کو قتل کر کے پولیس کا گھیرا توڑ کر نکل گیا ہے۔ کوئی مددگار بھی اس کے ساتھ تھا' جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا' پولیس

کا افسر اعلیٰ غازی شاہ ،رکیتھرائن کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کا موڈ کافی بگڑا ہوا نظر آرہا تھا۔

"تو آپ لوگوں نے آخرکار اسے نکال ہی دیا"

"دیکھو آفیسر! ابھی تک میں نے تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی' لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی افسری کا رعب مجھ پر جھاڑ سکتے ہو تو اس غلط فہمی کو دل سے باہر نکال دو تمہاری وردی اتروادوں گا میں"

"ہر تیسرا آدمی یہی کہتا ہے سائیں! مگر اللہ کا شکر ہے ہماری وردی اتنی کمزور نہیں ہوتی' میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے پہلی بار یہ کہہ چکے تھے کہ علی خیر شاہ یہاں نہیں ہے' یہاں سے نکل گیا ہے"

"ہاں تو پھر"

"مگر ہم نے اسے خود جاتے ہوئے دیکھا ہے اس نے ہمارے چار آدمی قتل کئے' میں نے اپنی آنکھوں سے اسے گولی چلاتے ہوئے دیکھا ہے۔" "شرم کرو آفیسر! شرم کرو' تم نے اپنی آنکھوں سے ایک لڑکے کو گولیاں چلا کر چار آدمیوں کو قتل کرتے دیکھا اور اس کے بعد ایک لڑکا تمہارے ہاتھ نہیں آسکا' یہ ہے تمہاری کارکردگی"

"دیکھو سائیں! آپ ہمیں غصہ مت دلاؤ' آپ ہماری کارکردگی پر تبصرہ مت کرو' وہ پوری پلاننگ سے یہاں سے نکلا ہے اس کے ساتھ اس کے مددگار بھی تھے"

"پہلے ایک مددگار تھا اب بہت سے ہوگئے"

"آپ ہمیں بتاؤ وہ کہاں تھا؟"

"اتنی بڑی بستی کے کسی بھی گھر میں ہوسکتا ہے' پوری بستی کو پکڑ کر لے جاؤ آفیسر"

"ٹھیک ہے' بہرحال پولیس کا آپ سے رابطہ رہے گا' سائیں غازی شاہ! چار بندے مارے ہیں آپ نے ہمارے"

"ایک منٹ آفیسر! ایک منٹ کیا تم یہ الزام مجھ پر لگانا چاہتے ہو"

"آپ کی سرپرستی میں ایسا ہوا ہے سائیں!"

"ٹھیک ہے' پھر جو تمہارا دل چاہ رہا ہے کرلو' کیا نام ہے تمہارا؟"

"منظر' منظر خان"

"منظر خان! تم نے جو بکواس یہاں پر کی ہے اس سے میری تمہاری ذاتی دشمنی ہوگئی ہے' خیال رکھنا اس چیز کا" پولیس آفیسر بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔ غازی شاہ نے

کیتھرائن کی طرف دیکھا تو کیتھرائن مسکرا رہی تھی' غازی شاہ نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

''تم ...... تم پتا نہیں کس مٹی کی بنی ہوئی ہو' بڑی سے بڑی بات پر مسکراتی ہی رہتی ہو۔''

''ہاں دماغ ٹھنڈہ رکھتی ہوں' دماغ ٹھنڈا رکھنے سے بہت سے کام بنتے ہیں سمجھے تم'' کیتھرائن نے ناز بھرے انداز میں کہا اور غازی شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

بہر حال کیتھرائن صحیح معنوں میں اپنی پوری قوم کی نمائندہ عورت تھی۔ سر جیمز الیگزینڈر نے اس پر بلاوجہ بھروسہ نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کہاں کہاں کے جوڑ توڑ کی ماہر تھی' چند روز خاموشی سے گزر گئے' پولیس ناکہ اٹھا کر چلی گئی تھی' مکرم شاہ کی طرف سے بھی خاموشی ہی تھی۔ کوئی نیا قدم نہیں اٹھایا گیا تھا' لیکن کیتھرائن جانتی تھی کہ ادھر بھی کھچڑی پک رہی ہوگی۔ مقابلہ آسان نہیں ہے' یقینی طور پر وہاں بھی شاندار ذہن کام کر رہے ہیں' سب سے بڑی بات بچل کی تھی۔ بچل ایسے غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ' اتفاق کی بات یہ کہ غازی شاہ ہی نے اس کے بارے میں کیتھرائن سے سوال کر دیا۔

''دیہ بابا بچل ایک دم غائب ہو گیا ہے''

''ہاں' بات اصل میں یہ ہے کہ چالاک صرف ہم ہی نہیں ہیں' دوسری طرف بھی ذہانت کام کر رہی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''ہمیں بچل کے بارے میں معلوم ہو گیا' ہم نے بچل کے ساتھ جو سلوک کیا اور جس طرح اسے اپنے درمیان شامل کر لیا۔ اس میں ہمارا مقصد یہی تھا کہ بچل پر ہم اس بات کا یقین بٹھا دیں کہ ہم اس کے بارے میں ذرا بھی مشکوک نہیں ہیں' میں دعوے سے کہتی ہوں غازی شاہ کہ بچل اس کے جو ہماری بات چیت ہوئی تھی۔ یقینی طور پر بڑی بیگم سائیں سے ملا اور بیگم سائیں فوراً سمجھ گئیں کہ بچل پر ہماری مہربانیوں کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی طرف سے مشکوک ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بچل کی زندگی بچانے کے لئے اسے غائب کر دیا۔'' غازی شاہ حیرت سے منہ پھاڑے یہ ساری باتیں سن رہا تھا' اس نے سر پیٹتے ہوئے کہا۔

''میرے خدا...... میرے خدا' کیسے اژدھوں سے واسطہ پڑا ہے میرا''

''میرے بارے میں بھی یہی کہہ رہے ہو سائیں''

''کیوں' تمہارے بارے میں کیوں''

''دو اژدھے ہی تو لڑ رہے ہیں''

''نہیں میں تو اس بات پر زندگی بھر شرمندہ رہوں گا' تمہارے سامنے کیتھرائن کہ کہہ کر کچھ لایا تھا اور ہو کچھ رہا ہے' میں نے تو تم سے یہی کہا تھا کہ تمہاری عزت د توقیر کی جائے گی' تم پر بخششیں لٹائی جائیں گی۔ دیکھ رہا ہوں کیسی محبتیں لٹائی جا رہی ہیں تم پر' میں تم سے بہت شرمندہ ہوں کیتھرائن واقعی میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔''

''اور یہ جملے کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کرو' اچھا ایک بات سنو ہم بہت سے دشمنوں میں گھر گئے ہیں' آگے کی جنگ لڑنے کے لئے ہمیں حفاظتی انتظامات کرنا ہوں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ جبرو ہماری وجہ سے مارا گیا ہے' بے شک اسے علی خیر شاہ نے قتل کیا لیکن ہماری وجہ سے نا' اگر زمینیں ہماری ہی ملکیت میں رہتیں تو پھر تو وہ لوگ دبے رہتے لیکن اب زمینیں بھی آزاد ہو گئی ہیں۔ مجھے تو خیر معلوم نہیں' لیکن میرا دعویٰ ہے کہ ہاریوں کو یہ بات بتا دی گئی ہوگی کہ زمینوں پر انہی کی اجارہ داری ہے۔ تم چاہو تو ایک چکر لگا کر یا کسی کو اس کام پر لگا کر دیکھ لو بات وہی ہوگی جو میں کہہ رہی ہوں۔ سمجھ رہے ہو نا تم' میرا مطلب یہ ہے کہ ادھر سے بھی ہمارے خلاف کوششیں ہو سکتی ہیں' کیونکہ ہمارے اپنے ہی ہمارے دشمن ہیں۔ اس کے علاوہ پولیس انسپکٹر بھی بہت زیادہ گرم ہو کر گیا ہے ہو سکتا ہے وہ اپنی کوئی چال چلے اور وہ چال ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو۔''

''کیتھرائن! جو کچھ تم کہنا چاہتی ہو کھل کر مجھ سے کہو۔''

''ہو سکتا ہے ایسا؟''

''ہاں سائیں ہو سکتا ہے''

''بڑا شرمندہ ہوں تم سے کیتھرائن! جو کام مجھے کرنے چاہیے تھے وہ تمہیں کرنے پڑ رہے ہیں۔ اپنی آبادی اپنے لوگوں کے درمیان تمہارا پورا تحفظ کرنا میری ذمے داری تھی' لیکن تم الٹا میرا تحفظ کر رہی ہو۔''

''کوئی بات نہیں سائیں! تمہارے قدموں کی خاک جو ہوں''

''تو پھر کیا ارادہ ہے؟''

''سائیں! احتیاط کے ساتھ تھوڑے ٹائم کے لئے کراچی چلو' میں اپنے سفارت خانے سے رابطہ قائم کر دوں گی' کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے' ہم وہاں پہنچ کر اتر جائیں گے اور پھر اپنی مرضی سے کسی ہوٹل میں قیام

کریں گے۔ گاڑی واپس بھیج دیں گے اور کہہ دیں گے جب موبائل پر رابطہ قائم کیا جائے تب گاڑی ہمیں لینے کے لئے آئے۔''

''قربان کو ساتھ لے لیا جائے''

''ہاں''

قربان کی حفاظت میں پجارو کے ذریعے یہ لوگ شہری آبادی میں پہنچے تھے اور پھر قربان کو وہاں سے واپس کر دیا گیا تھا۔ بالکل عام لوگوں کے انداز میں انہوں نے ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ تاکہ کسی کو پتا نہ چلنے پائے' ویسے یہاں ان کی اپنی کوٹھی بھی موجود تھی' لیکن اس طرف رخ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کیتھرائن نے دو دن تک ساحل سمندر کی سیر کی۔ خوب تفریحات کیں' ہوٹلوں میں کھانے کھائے اور پھر اس کے بعد انے بڑی چالاکی سے لندن رابطہ قائم کیا۔ سر جیمز الیگزینڈر سے بات چیت ہوئی اور اس نے مختصر صورت حال بتاتے ہوئے کہا۔

''آپ کا مشن میں نے بہ خوبی سنبھال رکھا ہے' اس کی مکمل رپورٹ میں آپ کو ارسال کرنے والی ہوں۔ اس وقت مجھے ضرورت ہے' وہ یہ ہے کہ سفارت خانے کے ذریعے آپ مقامی حکام سے یہ آسانی دلوائیں مجھے کہ میری کوٹھی کے پاس چوکی بنا دی جائے۔ میں ایک پولیس آفیسر کی شکایت بھی کرنا چاہتی ہوں۔''

''بیٹے! تم جس طرح عمل کر رہی ہو تمہارا کیا خیال ہے' ہمیں اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہیں۔ ہمارے اپنے بھی ذرائع ہیں جو ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ تم نے اس علاقے میں شدید انتشار پھیلا رکھا ہے' تم بے فکر رہو چند گھنٹوں کے اندر اندر سفیر سے رابطہ قائم کر کے میں بات کرتا ہوں۔ یہاں سے فوری طور پر ہماری ساری مشینری حرکت میں آ جائے گی۔ تم اپنی رہائش چھپائے رکھو' میں تم سے تین گھنٹے کے بعد رابطے کی درخواست کرتا ہوں۔''

تین گھنٹے کے بعد سر جیمز الیگزینڈر نے ایک ٹیلی فون نمبر دیا اور کہا۔

''اس پر رابطہ قائم کرلو' تمہاری ساری مشکلات کا حل تمہیں وہاں سے مل جائے گا۔''

کیتھرائن نے شکریہ کے ساتھ فون بند کر دیا اور پھر دیئے ہوئے فون نمبر پر رابطہ قائم کیا۔ تو وہاں مسٹر مائیکل ایمرسن سے رابطہ قائم ہوا۔ ''ہاں' میں آپ سے تمام تر تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آپ یہ بتائیے آپ سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟'' کیتھرائن نے غازی شاہ کے مشورے سے مائیکل ایمرسن کو اپنے ہوٹل کا پتا بتا دیا۔ مائیکل ایمرسن نے غازی شاہ اور کیتھرائن

سے ملاقات کر کے کہا۔

''آپ لوگوں نے اس ہوٹل کا انتخاب کیوں کیا۔ غازی شاہ صاحب۔''

''مسٹر ایمرسن' صرف حفاظت کے خیال سے۔''

''تو آپ بتائیے' آپ کیا چاہتے ہیں''

''ایک پولیس آفیسر ہے' اس کا نام منظر خان ہے۔ وہ ہمیں دھمکی دے کر آیا ہے کہ ہمارے خلاف کارروائیوں کا آغاز کرے گا۔ ایک چھوٹی سی کہانی ہے جس کی تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے۔ اس آفیسر کی ذرا درست انداز میں کھنچائی ہو جانی چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ علی خیر گوٹھ اور اس کے اطراف کے کچھ ہاری ہمارے خلاف ہو گئے ہیں۔ ہمیں ان کی طرف سے خطرہ ہے' چنانچہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک چوکی ہماری کوٹھی کے آس پاس قائم کر دی جائے۔ تاکہ ہمارا تحفظ ہو سکے' وہاں ہدایت کر دی جائے کہ ہماری سلامتی کا خاص طور سے خیال رکھا جائے۔''

''اور......؟'' مائیکل ایمرسن نے سوال کیا۔

''نہیں بس اتنا ہی کافی ہے''

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بھرپور کوشش کر کے یہ سارے کام کرا لوں گا۔ آپ لوگ پورے سکون اور اعتماد کے ساتھ اگر یہاں قیام کر رہے ہیں تو بتائیے کہ میں آپ کے لئے کوئی مناسب بندوبست کر دوں اور اگر واپس جانا چاہتے ہیں تو یقین مانئے اس کام میں دیر نہیں ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ ہمارا سفارت خانہ مقامی حکومت سے یہ آسانی طلب کر لے گا۔'' مائیکل ایمرسن نے پورا پورا اعتماد دلایا اور کیتھرائن مطمئن ہو گئی۔ اس کے بعد غازی شاہ نے موبائل فون پر قربان کو طلب کر لیا۔ تھوڑی سی شاپنگ وغیرہ کی گئی۔ قربان آیا تو یہ لوگ اس کی حفاظت میں علی خیر گوٹھ چل پڑے اور اپنی حویلی پہنچ گئے۔ مائیکل ایمرسن صاحب اقتدار تھا اور ویسے بھی یہاں ان لوگوں کی ضرورت سے زیادہ سنی جاتی تھی۔ اہل وطن چاہے کسی بھی مشکل کا شکار ہوں اور کسی بھی حیثیت کے مالک ہوں۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے خاصی مشکلات سے گزرتے تھے لیکن یہ ہماری میزبانی اور مہمان نوازی ہے خاص طور سے گوری چمڑی والوں کے لئے کہ ان کی ہر خواہش پر پولیس کی بھاری نفری حویلی پہنچ گئی اور وہاں ایک چوکی تعمیر کرنا شروع کر دی گئی۔ جس میں حویلی والوں کی طرف سے مکمل تعاون کیا جا رہا تھا اور پولیس والوں کو ہر طرح کی مدد دی جا رہی تھی۔ چوکی کی تعمیر آناً فاناً ہوئی۔ پولیس کی چار جیپیں' دو

چار موٹر سائیکلیں اور عملے کے بہت سے افراد وہاں فروکش ہو گئے۔ غازی شاہ کی طرف سے ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا اور چوکی کے انچارج نے نیازمندی سے کہا تھا۔

''سائیں! آپ کے غلام ہیں آپ ہی کا دیا کھاتے ہیں' آپ کو زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ اگر کبھی کوئی چیز ضروری ہوئی تو ہم آپ سے خود مانگ لیں گے' باقی آپ تکلیف نہ کریں۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے' جو تمہارا کام ہے وہ تم کرو' جو ہمارا فرض ہے وہ ہم پورا کریں گے'' غازی شاہ نے کہا۔

چوکی تعمیر ہونے کے بعد کیتھرائن بڑی آزادی محسوس کر رہی تھی' اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے ذہن میں کبھی کبھی خدشات ناچنے لگتے تھے۔ بالکل ہی اکیلی تھی یہاں ابھی تک کوئی ایسی طاقت نہیں حاصل ہو سکی تھی اسے جسے کے ذریعے وئی بڑا عمل وہ یہاں کر سکتی۔ غازی شاہ بے شک ہر طرح سے اس کے ساتھ تھا لیکن صرف غازی شاہ سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس کے بعد قربان کا مسئلہ تھا کہ یہ بات شدت سے ان کے ذہن پر سوار رہتی تھی کہ قربان بہرحال اسی خطے کا آدمی ہے۔ وہ غازی شاہ سے تو وفاداری کر سکتا ہے' لیکن خود کیتھرائن سے اس کی وفاداری مشکوک بھی ہو سکتی ہے۔ یہ تمام باتیں اس کے ذہن میں تھیں' بہت سے منصوبے کام کر رہے تھے۔ شرجیلہ بہت خطرناک عورت تھی اور اس کے کچھ اندازے کیتھرائن کو شرجیلہ کے کچھ اقدامات سے ہوئے تھے۔ مثلاً فوری طور پر پچل کو غائب کر دینا یا پھر زمینوں کو باقاعدہ سب کی تحویل سے واپس لے لینا۔ وہ شرجیلہ کو قتل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ بہرحال اس کے اپنے بہت سے مفادات شرجیلہ سے وابستہ تھے۔ عید آنے والی تھی' چنانچہ اس نے دہرے دہرے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا ایک منصوبہ جو بہت عرصے سے اس کے ذہن میں پروان چڑھ رہا تھا اس کی تکمیل بھی کرنی تھی۔ چنانچہ اس نے کچھ کپڑے زیورات وغیرہ تیار کئے۔ غازی شاہ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اس نے بس ایک دن اپنے اعتماد کے دو افراد کو لے کر چل پڑی۔ غازی شاہ سے اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک کام سے جا رہی ہے۔ غازی شاہ نے تعجب سے پوچھا تھا کہ ایسا کون سا کام ہے جو اس کے بغیر سرانجام پا سکتا ہے تو کیتھرائن نے کہا۔

''کیا مجھے تمہاری اسی مملکت میں گھومنے پھرنے کی آزادی نہیں ہے۔ غازی شاہ! یا پھر کوئی ایسا شک رکھتے ہو تم اپنے دل میں میرے لئے۔'' غازی شاہ نے دونوں کان پکڑ لئے

تھے۔

''نہیں بابا کیسی بات کرتی ہو' تم سے زیادہ اعتماد مجھے کسی اور پر نہیں ہے' جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں۔'' کیتھرائن مسکرا کر چل پڑی تھی' بہرحال اس کا اپنا سفر ناگی بابا کے جھونپڑے پر اختتام پذیر ہوا تھا۔ ناگی بابا دو تین بار محسوس کر چکا تھا کہ چھوٹی بیگم سائیں کی نظر عنایت اس پر خاص ہے۔ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی' لیکن اپنی بیٹی شمیلا سے وہ کئی بار یہ بات کہہ چکا تھا۔

''اللہ سائیں جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اپنے کسی بندے کے دل میں اس کے لئے محبت اور ہمدردی ڈال دیتا ہے۔ چھوٹی بیگم سائیں کا اور ہمارا کیا مقابلہ' ہمیں تو پتا بھی نہیں تھا جب وہ ہمیں پہلی بار ملی تھیں کہ وہ علی خیر گوٹھ کی بیگم سائیں ہیں۔ لیکن انہوں نے کتنی ہی بار ہمارے لئے تحفے بھجوائے ہیں۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ سکی ہے۔'' شمیلا الہڑ اور معصوم تھی وہ بے چاری ان باتوں کو کیا جانتی' باپ کی بات پر خاموشی کے سوا اور کیا کر سکتی تھی۔ عید کا شاندار جوڑا اور دوسرے لوازمات ناگی بابا کے پاس پہنچے تو ناگی بابا نے بڑی ممنونیت سے کہا۔

''چھوٹی بیگم سائیں! اللہ سائیں آپ کو رہتی دنیا تک قائم رکھے۔ آپ کو خوش رکھے بیگم سائیں! پر یہ غریب کا جھونپڑا ہے۔ آپ یہاں آتی ہو تو ہمیں شرمندگی ہوتی ہے' ہم تو آپ کے کسی بھی کام نہیں آ سکتے بیگم سائیں! آپ ہم پر کتنی مہربانی کرتی ہو۔''

''کوئی بھی انسان لالچ سے خالی نہیں ہوتا ناگی بابا! میرے دل میں ایک آرزو ہے اور یہی آرزو مجھے آپ سے قریب کرتی ہے۔ آپ کو میرا ایک کام کرنا ہے ناگی بابا اور بس آپ سمجھ لو میرے دل میں یہی لالچ ہے آپ سے۔''

''ہم لوگ تو بہت غریب ہیں بیگم سائیں! ہماری غربت ہمیں کسی کے لئے کچھ نہیں کرنے دے سکتی۔''

''آپ بہت دولت مند ہیں ناگی بابا! میں آج آپ سے دل کی بات کہہ دینا چاہتی ہوں۔''

''ہاں بیگم سائیں کہہ دو''

''بیٹی کی طرح ہوں آپ کی' کم نہیں ہوں' کسی طرح اتنی ہی عزت' اتنی ہی محبت کرتی ہوں آپ سے''

''اللہ سائیں آپ کو اس کا اجر دے گا بیگم سائیں' ورنہ غریب کو کون پوچھتا ہے۔''

''بابا سائیں' میں بے اولاد ہوں بانجھ ہوں' میرے ہاں کبھی اولاد نہیں ہوسکتی۔ غازی شاہ' علی خیر گوٹھ کے آدھے حصے دار ہیں۔ یہ بات تو آپ جانتے ہو بابا سائیں۔''

''ہاں کیوں نہیں' سائیں مکرم شاہ اور غازی شاہ دو ہی تو بیٹے ہیں۔''

''ہاں بابا سائیں! ہماری اتنی بڑی جائیداد بے کار ہے' بابا سائیں میں چاہتی ہوں کہ غازی شاہ کے ہاں اولاد پیدا ہو۔ اس جائیداد اور اس زمین کا وارث اور اس کے لئے میرے دل میں ایک خیال آیا ہے۔ بابا سائیں' شمیلا کو میں اپنی ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ شمیلا کے ہاں جو اولاد ہوگی وہ ہماری ہی اولاد کہلائے گی۔ بابا سائیں! میں غازی شاہ سے شمیلا کا نکاح کرنا چاہتی ہوں اور میں نے سوچا ہے کہ اب اس کام میں زیادہ وقت نہیں لگانا چاہیے۔ دیکھو بابا سائیں! بعض کام ایسے ہوتے ہیں جو بڑی خاموشی سے کئے جاتے ہیں۔ آپ کو شمیلا کی فکر تو ہوگی' بوڑھے آدمی ہیں آپ' شمیلا کا بہرحال کہیں نہ کہیں بیاہ کرنا ہوگا۔ اگر وہ غازی شاہ کی دلہن بن جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔'' ناگی بابا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ بہت دیر تک سکتے کی سی کیفیت میں رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''مگر بیگم سائیں!''

''نہیں ناگی بابا' مجھے اس بات کا احساس نہ دلاؤ کہ میں نے پہلے سے یہ بات کہہ کر شرمندگی اٹھائی ہے' اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اب بات میرے منہ سے نکل چکی ہے تو سمجھ لو کہ بات آگے بڑھ گئی ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن''

''کچھ نہیں' بالکل خاموشی اختیار کرو' صرف شمیلا کو اس بات کے لئے آمادہ کرلو' ایک بات کان کھول کر سن لینا' اگر بات تمہارے پاس سے کہیں نکل گئی تو بابا سائیں! بڑا نقصان ہوگا۔ تمہیں بھی اور ہمیں بھی۔'' کیتھرائن غور سے ناگی کی صورت دیکھ رہی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ ناگی اتنا زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ بات بہت بڑی ہے کہیں پہنچ گئی تو سارا منصوبہ چوپٹ ہو جائے گا۔ وہ شرجیلہ کو شکست دینا چاہتی تھی اور اس کے لئے بڑی رازداری اور بڑی خاموشی کی ضرورت تھی' اس نے کہا۔

''تو کیا کہتے ہو بابا سائیں''

''چھوٹی بیگم سائیں' میں شمیلا سے بات کرلوں تب ہی آپ کو کوئی جواب دے سکوں گا'' کیتھرائن نے دکھ بھری نگاہوں سے ناگی بابا کو دیکھا اور کہا۔

''ٹھیک ہے بابا سائیں! آپ شمیلا سے بات کرلو لیکن صرف شمیلا سے کسی اور کو اس بات میں شریک مت کرنا۔''

''میری بات تو سنو' بیگم سائیں! ہمارا بھی ایک کنبہ ہوتا ہے' خاندان ہوتا ہے اس کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہم آپ سے شرمندہ ہیں' آپ کو منع کرنے کی ہمت ہم نہیں کر سکتے لیکن دونوں باتیں ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اگر میری بیٹی نے یہ رشتہ نہ کرنا چاہا تو میں اسے مجبور نہیں کردں گا۔ دوسری بات یہ کہ اپنے کنبے والوں سے پوچھنا میرے لئے بڑا ضروری ہو جائے گا۔ بیگم سائیں یہ تو زمانے کی ریت ہے۔''

''ہاں ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے' واقعی یہ زمانے کی ریت ہے' ٹھیک ہے بابا سائیں میں چلتی ہوں۔ آپ سے جواب لینے آؤں گی۔'' باہر نکلنے کے بعد کیتھرائن نے کہا۔

''سنو......تم دونوں' تم میں سے ایک یہاں رکے مجھے قربان سے کچھ بات کرنی ہے' بلکہ تم دونوں یہیں رک جاؤ' میں موبائل پر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہوں، مل جائے تو اچھا ہے۔'' کیتھرائن وہاں سے دور چلی گئی۔ بڑا رسک لیا تھا اس نے ناگی بابا کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ شاید کیتھرائن کے کہنے سے وہ فوری طور پر یہ رشتہ قبول کرے اور اس کے لئے آمادہ ہو جائے گا لیکن وہ اداکاری کر رہا تھا اور کیتھرائن کسی بھی قیمت پر رسک نہیں لے سکتی تھی' اس نے قربان سے کہا۔

''قربان! چار چھ آدمیوں کو لے کر یہاں آ جاؤ پتا میں بتائے دیتی ہوں۔ خبردار! غازی شاہ کو بھی اس کا پتا نہیں چلنا چاہیے' بات غازی شاہ کے خلاف نہیں ہے۔ سمجھ رہے ہو نا' بعد میں تم چاہو تو غازی شاہ کو اس بارے میں بتا سکتے ہو۔''

''بیگم سائیں' ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ہمارا سائیں غازی شاہ! آپ پر جان دیتا ہے پھر آپ کے لئے جان دینا تو ہمارا فرض بن جاتا ہے نا، ہم آ جاتے ہیں آپ پتا بتا دو۔'' قربان شاہ کے وہاں پہنچنے کا انتظار کرنا پڑا تھا' کیتھرائن نے کہا۔

''سائیں قربان! یہاں اس جھونپڑے میں ناگی بابا اور اس کی بیٹی رہتی ہے' تم اس جھونپڑے کے اردگرد رہو۔ ناگی بابا کو یہاں سے کہیں جانے مت دینا اور نہ ہی کسی کو اس سے ملنے کے لئے آنے دینا۔ رات جب تاریک ہو جائے تو ان دونوں کو اٹھا کر گوٹھ لے آنا' خبردار! سائیں غازی شاہ کو ابھی اس کا پتا نہ چلے' ان دونوں کو بے ہوش کر کے لاؤ تو زیادہ اچھا ہے۔''

”جو حکم بیگم سائیں! پہنچ جائیں گے یہ دونوں“

”اب میں چلتی ہوں“ کیتھرائن نے کہا اور اس کے بعد اپنے دونوں آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں سے چل پڑی۔ قربان نے یہ محاذ سنبھال لیا تھا' ناگی بابا اور شمیلا کو رات کی تاریکی میں بے ہوش کر کے اغوا کر لیا گیا تھا۔ بڑی چالاکی سے قربان شاہ نے یہ کام سرانجام دیا تھا اور ان دونوں کو علی گوٹھ والے گھر میں پہنچا دیا تھا۔ جو باغ میں تھا اور وہاں ملازموں کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا تھا' مکرم شاہ یا بڑی حویلی کا کوئی بھی شخص ادھر کا رخ نہیں کرتا تھا۔ اصل میں ناگی بابا نے سارا کھیل خراب کر دیا تھا' جبکہ یہاں کے معاملات کے بارے میں اب تک تمام معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ معمولی سے معمولی آدمی دو دو تین تین شادیاں کر لیتا تھا اور یہ بات یہاں کوئی عیب نہیں سمجھی جاتی تھی۔ شمیلا بے شک خوبصورت تھی' لیکن غازی شاہ بھی وڈیرہ تھا اور ناگی بابا کچھ بھی نہیں تھا سوائے ایک خوبصورت بیٹی کا باپ ہونے کے ان دونوں کو جب اس شاندار گھر میں ہوش آیا تو وہ شدید حیرت سے نیم دیوانے سے ہو گئے اور اس وقت تک ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب تک کہ علی گوٹھ والی درختوں میں گھری ہوئی حویلی میں کیتھرائن نے ان سے ملاقات نہیں کی۔

”چھوٹی بیگم سائیں! ہم یہاں کیسے آ گئے؟“

”کیا بتایا جائے' آپ یہ بتائیے کہ آپ کی کسی سے کوئی دشمنی ہے“ کیتھرائن نے چالاکی سے سوال کیا۔

”بیگم سائیں! ہم غریب زمین پر ٹھہرے ہوئے لوگ' ہماری بھلا کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔“

”میں خود اس بات پر حیران ہوں' واقعی آپ کی کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے' لیکن وہ کون تھے جو اس لڑکی کو اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے“ کیتھرائن نے شمیلا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”کیا؟“

”ہاں' رات کی تاریکی میں منہ پر کپڑے کے ڈھاٹے باندھے ہوئے کچھ لوگ آپ کے جھونپڑے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے آپ کو بے ہوش کیا اور بے ہوش کر کے اٹھا کر لے جانے لگے لیکن میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ اب وہ آپ کی رہائش گاہ کی نگرانی کیا کریں اور یہ صرف اتفاق ہی تھا اور میری خوش قسمتی کہ میرے آدمی وہاں اس وقت

موجود تھے۔ بڑی زبردست جنگ کے بعد آپ لوگوں کو بے ہوشی کی حالت میں حاصل کیا گیا۔ وہ جگہ آپ کے لئے مخدوش ہو چکی تھی اس لئے ہم لوگ آپ کو یہاں لے آئے۔“ معصوم شمیلا جلدی سے بول پڑی۔

”میں سمجھ گئی! بابا! کہ وہ کون لوگ تھے۔؟“

”کون لوگ تھے“

”آپ پیراں کو جانتے ہیں' پیر بخش! مجھے اکثر پریشان کرتا رہتا تھا' کہتا تھا کہ تیرے باپ نے اگر تیرے ساتھ میری شادی نہ کی تو میں تجھے اٹھا کر لے جاؤں گا۔ تیرے باپ کو اندھے کنوئیں میں پھنکوا دوں گا اور تجھے اٹھا کر لے جاؤں گا۔“

”تو نے کبھی مجھ سے اس بارے میں بات کیوں نہیں کی' میں بڑے سائیں کے پاس جاتا ان سے پیراں کی شکایت کرتا۔“

”بس بابا ڈر لگتا تھا' ہمارا تو کوئی بھی نہیں ہے' اگر پیراں آپ کو نقصان پہنچا دیتا تو۔“

کیتھرائن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ معصوم لڑکی نے بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا تھا' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”ناگی! جوان بیٹیوں کو جس قدر جلد ان کے گھروں تک پہنچا دیا جائے' اچھا ہوتا ہے' ورنہ بری نگاہیں نہ جانے کہاں کہاں ان کا تعاقب کرتی ہیں۔ وہ تو شکر ہے کہ میرے آدمی موجود تھے ورنہ آپ اب تک مر چکے ہوتے اور یہ بے چاری پیراں کی خلوت میں ہوتی اور کون جانے وہ اوباش آدمی اس سے شادی کرتا بھی یا نہیں۔“

”میں تو اب بڑا پریشان ہو گیا ہوں“

”آپ کی پریشانی کا حل میں نے آپ کو پیش کر دیا ہے' پتا نہیں آپ کن سوچوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے مگر“

”آپ ایسا کرو' بیٹی کا نکاح غازی شاہ سے کر دو اور اس کے بعد آپ زیارتوں پر روانہ ہو جاؤ' میں اس کا بندوست کر دوں گی۔“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے“ ناگی بابا نے کہا۔

”تو پھر آپ تیار ہیں؟“

”ہاں دیکھ لو' جیسا مناسب سمجھو“

''تو پھر آپ آرام سے یہاں رہیں'' کیتھرائن نے پرمسرت انداز میں کہا' منصوبے کا ایک حصہ مکمل ہو گیا تھا۔ دوسرے مرحلے کے طور پر اس نے غازی شاہ سے اس رات بات کی۔

''چھوٹے سائیں! زندگی پر ایک جمود طاری نہیں ہو گیا' ایسا نہیں لگ رہا کہ اب ہمارے پاس کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔''

''کریں گے بھی کیا بابا' زیادہ سے زیادہ یہ کرو کہ چلو انگلینڈ چلتے ہیں۔''

''نہیں' میں انگلینڈ میں واپس جاؤں گی مگر اس وقت جب علی خیر محمد گوٹھ پر ہماری حکمرانی ہو گی اور میں وہاں جا کر یہ بتاؤں گی کہ اب علی خیر محمد گوٹھ انگریز دشمن علاقہ نہیں ہے۔ بلکہ وہاں کے لوگ انگریزوں کے جوتے چاٹنے پر آمادہ ہیں یہ میرا عہد ہے غازی شاہ بے شک میری اولاد علی خیر محمد گوٹھ میں اپنا مقام نہیں حاصل کر سکی۔ کیونکہ اسے پیدا ہونے سے پہلے قتل کر دیا گیا۔ لیکن کیتھرائن نے ہار نہیں مانی' میرے ہاں اولاد پیدا ہو گی غازی شاہ اور تم اس میں میرا ساتھ دو گے بولو۔ کیا تم کیتھرائن سے چھینا ہوا حق اسے واپس نہیں دلواؤ گے۔'' غازی شاہ پریشان نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

''مگر کیتھرائن! سارے ڈاکٹر تمہیں بانجھ قرار دے چکے ہیں۔''

''ہاں' یہ میری بدقسمتی ہے لیکن میرے خلاف سازش کرنے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ میں اگر بانجھ ہو ہی گئی تو میرا شوہر تو زندہ ہے۔'' غازی شاہ پریشان نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھنے لگا' تو کیتھرائن نے کہا۔

''میں تمہاری دوسری شادی کروا رہی ہوں غازی شاہ!''

''کیا بچوں کی سی بات کرتی ہو بابا! تمہارا کیا خیال ہے میرے دل میں تمہاری محبت میں کوئی کمی پیدا ہو سکتی ہے۔''

''ہرگز نہیں''

''تو پھر دوسری عورت میری زندگی میں کیسے داخل ہو سکتی ہے۔''

''مصلحتاً' ضرورتاً' مجبوراً کیتھرائن نے جواب دیا۔

''نہیں بابا نہیں' مذاق کی بات مت کرو' ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''ایسا ہو گا غازی شاہ! ایسا ہونا ہے میری بات سنو' تمہاری تمام تر محبتیں میرے لئے ہوں گی۔ ہم صرف ایک ایسی عورت کو حاصل کریں گے جس سے تمہارا نکاح کر دیا جائے۔ اس

عورت کے ہاں اولاد پیدا ہو گی لڑکا ہو یا لڑکی۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے' اس نکاح کی خبر کسی کو نہیں ہو گی وہ عورت بالکل خفیہ طور پر اس گھر میں رہے گی اور تمہارے لئے اولاد پیدا کرے گی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔ تھوڑے دن کے بعد ہم یہ مشہور کریں گے کہ میرے ہاں اولاد پیدا ہونے والی ہے۔ اس وقت جب اس دوسری عورت کے ہاں اولاد کے آثار نظر آئیں گے' سمجھ رہے ہو نا تم' پھر وہ ہمارے وارث کو جنم دے گی اور ہم باقاعدہ یہی اظہار کریں گے کہ اولاد میرے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ دیکھو برا مت ماننا' میں جانتی ہوں کہ جب یہ بات منظر عام پر آئے گی تو بیگم سائیں کے دل پر کیسا گھونسا لگے گا' مگر کیا تم یہاں مجھے حق بہ جانب نہیں سمجھتے۔ تم کہتے ہو کہ بیگم سائیں کو قتل کر دوں گا' نہیں بیگم سائیں! کو زندہ رہنے دو انہیں حیران ہونے دو' کہ ایسا کیسے ہو گیا۔ یہ میری زندگی کا اہم ترین مقصد ہے' غازی شاہ! تم انکار نہیں کرو گے۔''

''میری بات تو سنو بابا' تم عورت ہو اور دوسری عورت کو میری قربت میں برداشت کر سکو گی۔''

''ہاں' کیونکہ یہ میرا انتقام ہو گا یہ تمہاری نہیں میری ضرورت ہے۔''

''بابا دیکھو' باتیں کرنا تو بڑی بات ہوتی ہے ایسی باتیں تو کی جا سکتی ہیں۔ اصلیت بڑی گڑبڑ ہوتی ہے' اس میں تمہیں......''

''نہیں' میں...... مجھے معاف کرنا' تمہارے علاقے کی فرسودہ عورت نہیں ہوں' میں ضرورتوں کی تکمیل کرنا جانتی ہوں' بے فکر رہو میری طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہو گی۔''

''بابا! تم نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے' ساری باتیں مانتا چلا آیا ہوں تمہاری' کبھی تم سے گردن نہیں ہلائی' لیکن میری اپنی زندگی میں یہ سب سے بڑا طوفان ہو گا۔''

''اور میرے دل و دماغ میں جو طوفان برپا ہے اس کا تمہیں خیال نہیں ہے' غازی شاہ! جو حق مجھ سے چھینا گیا ہے کیا اس کے بعد مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا کہ میں تمہاری حویلی کو خاکستر کر دیتی۔ ایک ایک کو فنا کے گھاٹ اتار دیتی میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں دوسرا عمل کرنا چاہتی ہوں' تم میرا ساتھ دو' مجھے ساتھ دینا ہو گا تمہیں میرا۔''

''مجھے سوچنے کا موقع دو''

''غازی شاہ! کیتھرائن کی فرمائش پر تم سوچو گے'' کیتھرائن نے کہا اور غازی شاہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا' پھر بولا۔

"ٹھیک ہے بابا' جیسا تم مناسب سمجھو'"

"گڈ' یہ ہوئی نا بات تم نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ لڑکی کون ہوگی۔"

"دیکھو' بابا یہ میرا شوق نہیں ہے' نہ مجھے ان تمام باتوں سے کوئی دلچسپی ہے' وہ کوئی بھی ہو میری نہیں تمہاری ضرورت ہے۔"

"گڈ بوائے' خوشی ہوئی تمہاری اس بات سے اگر تم اپنی کوئی چوائس ظاہر کرتے تو مجھے یہ احساس ہوتا کہ تم عورت پرست ہو' اور کوئی حسین عورت چاہتے ہو' لیکن بے فکر رہو میں نے جو لڑکی منتخب کی ہے اسے دیکھ کر تم خوش ہو جاؤ گے۔"

"دیکھو اب دوبارہ تم ایسی بات مت کرنا" غازی شاہ نے کہا اور کیتھرائن ہنسنے لگی۔ یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا لیکن اور بھی بہت سی باتیں سوچی تھیں اس نے' اتنی خاموشی سے یہ سب کچھ کرنا تھا کہ چند لوگوں کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہ ہو اور اس کے لئے بوڑھے ناگی کو زندہ رکھنا غیر مناسب تھا۔ کیونکہ کسی اجنبی رازدار کو زندہ رکھ کر وہ ہمیشہ اس خوف کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی کہ وہ کسی سے کیتھرائن کی سازش کا تذکرہ کر دے۔ بات چھوٹے پیمانے کی نہیں تھی' بہت بڑے پیمانے کی تھی اور ایسے کام کرنے کے لئے کیتھرائن کی نگاہوں میں کسی کی زندگی کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس نے تیاریاں شروع کر دیں' حویلی میں ایک ایسے حصے کو خالی کر لیا گیا جو بالکل الگ تھلگ اور اندرونی تھا۔ تاکہ یہاں شمیلا کے لئے بندوبست کر دیا جائے اور اس کے بعد اس نے غازی شاہ اور شمیلا کی پہلی ملاقات کرائی اور ایک لگ تھلگ گوشے میں لے جا کر کہا۔

"شمیلا یہ غازی شاہ ہے' اس سے پہلے یہ صرف میری ملکیت تھے میرے شوہر تھے' لیکن اب میں تمہیں حصے دار بنا رہی ہوں۔ ان سے تمہارا نکاح ہوگا اور تم حویلی میں آ جاؤ گی' راج کرو گی تم' عیش و عشرت تمہارے قدموں تلے ہوں گے۔ کیا سمجھی' غازی شاہ ایک خوبصورت آدمی تھا۔ شمیلا نے اسے ایک نگاہ دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں اس کے چہرے کے تاثرات سے پتا چلتا تھا کہ غازی شاہ اسے پسند آیا ہے اور اس کا اندازہ ایک لمحے میں ہو جاتا تھا۔ بہر حال غازی شاہ بظاہر اس بات کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے کیتھرائن کے کہنے پر کر رہا ہے اور شاید یہ حقیقت بھی تھی۔ غازی شاہ فطرتاً ذرا بہتر آدمی تھا اور کم از کم اس معاملے میں اس کی نگاہوں کا مفہوم ایک ہی تھا۔ بہر حال کیتھرائن اب اسے مرحلے کو حل کر لینا چاہتی تھی۔ ناگی بابا کے بارے میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ شخص مسلسل خطرہ ہے۔ چنانچہ اس نے

ناگی بابا کے لئے بھی ایک مناسب فیصلہ کر لیا تھا' پھر انتہائی خاموشی کے ساتھ قاضی صاحب کو بلایا گیا اور علی گوٹھ کے اس باغ میں شمیلا کا نکاح اس کے باپ کی مرضی اور خواہش کے ساتھ غازی شاہ سے کر دیا گیا۔ حویلی کے اندرونی حصے میں اہتمام کر لیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں کیتھرائن نے شمیلا کو بھی پٹی پڑھا دی تھی اور کہا تھا کہ ابھی ایک طویل عرصے تک وہ اس بات کو دنیا کی نگاہوں میں نہیں لانا چاہتے۔ چنانچہ خاموشی ہی اختیار کی جائے۔ غرض یہ کہ غازی شاہ شمیلا کی خلوت میں پہنچ گیا۔ معصوم الھڑ دیہاتی دوشیزہ مکر و فریب سے پاک غازی شاہ کو بہت پسند آئی تھی۔ بہر حال کبھی کبھی کچھ کام مصلحتوں کے تحت ہوتے ہیں' لیکن ان کی اپنی اہمیت کا مذاق نہیں اڑایا جا سکتا۔ کیتھرائن نے خود ہی غازی شاہ کی زندگی کو اپنے ہاتھوں سے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ لیکن دوسرا حصہ بھی ایک بنیاد رکھتا تھا۔ شمیلا کے ساتھ گزرنے والے شب و روز غازی شاہ کے ذہن پر بھی اثر انداز ہوئے تھے۔ ادھر کیتھرائن اپنا کام کر رہی تھی' ناگی بابا کو راستے سے ہٹانا بے حد ضروری تھا۔ اس نے کئی بار مختلف طریقوں سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اب وہ یہاں سے جانا چاہتا ہے۔ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونے کی اطلاع دوسروں کو دینا ضروری تھی۔ شمیلا بھی اپنے باپ سے ملتی رہتی تھی اور بہت خوش نظر آئی تھی۔ غازی شاہ نے اسے یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ صرف ایک مصلحت ہے' بلکہ اس نے اسے اہمیت دی تھی' لیکن اس طرح کہ کیتھرائن کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ کیتھرائن انتہائی چالاک عورت تھی' لیکن بڑے سے بڑا چالاک بھی کبھی نہ کبھی مار کھا ہی جاتا ہے' اسے شاید دنیا میں سب سے زیادہ اعتماد غازی شاہ پر ہی تھا۔ وہ جانتی تھی کہ غازی شاہ موم کی ناک ہے' جس طرف چاہے گی موڑ دے گی اور ایسا اب تک ہوا تھا لیکن آنے والا وقت شاید کیتھرائن کے لئے کچھ نئی کہانیاں لے کر آ رہا تھا۔ کیتھرائن نے غازی شاہ کو بھی بتانا پسند نہیں کیا تھا اور ناگی بابا کے لئے ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ لیکن تقدیر جس کی زندگی چاہتی ہے اس کے لئے حفاظت کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر دیتی ہے۔ ناگی بابا سے کہا گیا کہ وہ زیارتوں کے لئے چلا جائے اس کا سارا انتظام ہو چکا ہے' ناگی بابا نے کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے ملنے کے بعد جائے گا۔ چنانچہ قربان کو ہدایت کر دی گئی کسی کام سے قربان کو غازی شاہ نے طلب کر لیا' قربان جو ناگی بابا کو لے کر جانے والا تھا واپس پلٹ آیا۔

"قربان!"

"سائیں پر قربان"

''مکرم شاہ بہت دن سے خاموش ہیں' لمبے عرصے سے ہماری ان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ کیا خیال ہے تمہیں ان کے بارے میں کچھ معلوم ہے''

''سائیں کوشش نہیں کی حکم کرو تو معلوم کر کے بتائیں۔ ویسے جہاں تک ہماری اپنی تھوڑی بہت معلومات کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ پولیس سے رابطے رہیں ہے سائیں مکرم شاہ کے اور انہوں نے پولیس کو فری ہینڈ دیا ہے کہ علی خیر شاہ کو تلاش کیا جائے اور یہ کوشش کی جا رہی ہیں۔''

''ہوں اس سلسلے میں مکمل معلومات چاہیں مجھے یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ علی خیر شاہ کا کیا حال ہے؟''

''سایں کھدوانا نے ایک بات آپ سے بھی کہی تھی اور مجھ سے بھی کہی تھی وہ یہ کہ لڑکے کو اس کی تحویل میں دے کر کچھ سالوں کے لئے بھول جایا جائے' وہ کیا ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ کھدوانا اسے مکمل بنانا چاہتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ بیچ میں اگر ٹانگ اڑا دی گئی تو کام ادھر کا ہوگا نہ ادھر کا۔''

کہتا تو وہ بالکل ٹھیک ہے چلو خیر' ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے' وہ خیر سے رہے تم کہیں جا رہے تھے۔''

''ہاں' سائیں! چھوٹی بیگم سائیں نے اسے بوڑھے کو مارنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اسے زیارتوں کے بہانے کہیں لے جایا جائے اور راستے میں کہیں گردن کاٹ کر زمین میں دبا دیا جائے۔ سائیں! اس کام پر نکلے تھے ہم بوڑھا ساتھ جانے پر تیار ہے اسے لے جا رہے تھے۔'' غازی شاہ ایک دم چونک پڑا اس کے کانوں میں کچھ الفاظ گونجنے لگے۔

''سائیں! اللہ نے آپ کو ہماری تقدیر کا مالک بنایا ہے' ہم آپ کے قدموں کی خاک ہیں اگر دنیا میں ہمارا کوئی ہے تو آپ اور ہمارے بابا ہیں۔ سائیں! ہمارے ساتھ دعا میں شریک ہوں اللہ سائیں! ہمارے بابا سائیں کو زندگی دے۔ ورنہ سائیں! ہم اپنے آپ کو آدھا زندہ محسوس کریں گے۔ سائیں! ہمارے بابا سائیں کا خیال رکھیے گا۔ اللہ کے بعد ہم نے آپ کو یہ ذمے داری سونپی ہے۔'' یہ الفاظ شمیلا کے تھے دکھ میں ڈوبے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے' بھیک مانگنے کے سے انداز میں غازی شاہ نے اس سے پوچھا تھا کہ اسے کیا چاہیے۔ تو اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ یہ بات غازی شاہ کے علم میں نہیں تھی کہ کیتھرائن اس بے ضرر بوڑھے کو مروا دینا چاہتی ہے۔ وجہ جانتا تھا کیتھرائن نہیں چاہتی تھی کہ بات منظر

عام پر آئے۔ کیتھرائن کے منصوبے سے غازی شاہ بھی اتفاق کرتا تھا اور اسے یقین تھا کہ کیتھرائن کا یہ منصوبہ واقعی بہت سی مشکلوں کا حل ثابت ہوگا۔ ابھی تک وہ کیتھرائن کے ذہن تک تو نہیں پہنچ پایا تھا' لیکن اتنا وہ جانتا تھا کہ شمیلا کے وجود سے پیدا ہونے والا دوسرا وجود کیتھرائن اپنا بنا کر ظاہر کرے گی اور شرجیلہ کو حیران کر دے گی۔ ابھی تک یہ بات صیغہ راز میں رکھی گئی تھی' لیکن جب بھی غازی شاہ کو اس کا خیال آتا اس کا خون کھول اٹھتا تھا۔ وہ ذہنی طور پر بری طرح مضمحل ہو جاتا تھا۔ بہرحال کیتھرائن کی یہ خواہش اپنی جگہ تھی' لیکن شمیلا بھی تو انسان تھی' کچھ نہ کچھ اس کے لئے کرنا ہی تھا' چنانچہ اس نے قربان سے کہا۔

''قربان ایک کام کرو' لیکن یہ صرف میرے اور تمہارے درمیان کی بات ہے' کیتھرائن کو بھی اس سلسلے میں معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ ناگی بابا کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ تم یوں کرو کیتھرائن کے کہنے کے مطابق اسے لے جاؤ اور کہیں ایسی جگہ محفوظ کر دو جہاں اسے کوئی خطرہ نہ رہے لیکن جہاں وہ کسی سے رابطہ بھی نہ کر پائے۔ میں تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کے بارے میں کوئی نئی ہدایت دوں گا' کیا تمہارے پاس ایسی کوئی جگہ موجود ہے۔''

''سائیں! آپ فکر ہی مت کرو' بس قربان کو آپ نے حکم دے دیا' باقی سارا کام قربان کا ہے۔''

''ٹھیک ہے جاؤ' راز داری کا خیال رکھا جائے اور یہ بھی خیال رکھا جائے کہ کیتھرائن اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہے۔'' قربان مسکرا دیا پھر بولا۔

''سائیں! نہ ہم چڑیا ہیں نہ ہمارے پر ہیں اس لئے آپ فکر مت کرو' غازی شاہ مسکرا کر خاموش ہو گیا لیکن یہ ساکن جھیل کی سطح پر پہلا پتھر تھا پہلی ایسی بات جسے غازی نے کیتھرائن سے چھپانا مناسب سمجھا تھا اور غالباً یہ کیتھرائن کی زندگی کی پہلی غلطی تھی۔ انسانی فطرت کا ٹھیک تجزیہ اس قدر تو ممکن نہیں ہے کہ دلوں کی گہرائیوں تک کا سفر طے کر لیا جائے۔ شمیلا کو غازی شاہ جیسے سادہ لوح انسان کی زندگی میں شامل کر کے کیتھرائن نے پہلی غلطی کی تھی اور کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی معافی کسی طور پر ممکن نہیں ہوتی۔ شاید کیتھرائن بھی ایسی غلطی کر بیٹھی تھی یا شاید نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قربان صرف غازی شاہ کا غلام تھا۔ ویسے بھی دنیا کی ہر اچھی بری بات سے واقف تھا۔ بڑے لوگوں کا مزاج جانتا تھا' بے شک اسے اس بات کا علم تھا کہ کیتھرائن کی وجہ سے علی خیر محمد گوٹھ کی تاریخ ہی بدل گئی ہے۔ لیکن بہر حال وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وڈیروں کے مزاج بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کون جانے کیتھرائن کی گڈی کب تک چڑھی ہوئی ہے' اس کے بعد کب وہ غازی شاہ کی نگاہوں سے اترے اور سارے کام خراب ہو جائیں' لیکن قربان معاملے کی نزاکتوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ جب تک گڈی چڑھی ہے کیتھرائن کے خلاف ایک لفظ بھی اس کی زندگی کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ ویسے اسے یہ بات بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ غازی شاہ واقعی موم کی ناک ہے اور ابھی کیتھرائن اس پر مکمل کنٹرول حاصل کئے ہوئے ہے۔ گہری نگاہوں سے وہ ان ساری باتوں کا جائزہ لے رہا تھا اور جب سے غازی شاہ کیتھرائن کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ قربان نے اس کے ساتھ کام شروع کیا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ غازی شاہ نے کوئی ایسی بات کہی تھی جو کیتھرائن کے حکم کے خلاف ہو۔ بہر حال یہ سلسلہ چل رہا تھا' وقت مقررہ پر وہ ناگی کو لے کر چل پڑا۔ ناگی بابا کے لئے تمام انتظامات کئے گئے تھے لیکن قربان اسے لے کر سیدھا نواب شاہ پہنچا تھا۔ یہاں اس کا اپنا ایک گھر موجود تھا اور اس گھر میں ذمے دار افراد بھی تھے۔ اس کے چھوٹے بھائی اور ماں' باپ چھوٹے بھائیوں کا ذریعہ معاش بھی کچھ وڈیروں کی ہی عنایت سے تھا اور وہ بھی وڈیروں کے گن مین تھے۔ قربان نے انہیں

سمجھا دیا کہ ناگی بابا کو یہاں ایک قیدی کی حیثیت سے رکھنا ہے' لیکن ایک ایسے قیدی کی حیثیت سے جو کسی کی امانت ہوتا ہے۔ کسی بھی طرح اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ ناگی بابا کو یہ بتایا گیا تھا کہ اس کے زیارتوں پر جانے کے انتظامات ہو رہے ہیں' قربان نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''بابا جی! تمہیں بیرون ملک جانے کے لئے پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس کے لئے لمبا وقت چاہیے ہوتا ہے۔''

''جب سے سائیں غازی شاہ اور بیگم صاحب نے مجھ سے کہا ہے کہ مجھے زیارتوں پر بھیج دیا جائے گا' میرے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے مجھ پر۔''

''ٹھیک ہے بابا صاحب! اتنے بڑے لوگوں نے آپ سے یہ بات کہی ہے تو غلط تو نہیں ہے نا' پر ہر کام کے لئے وقت چاہیے ہوتا ہے۔ کاغذات بننے میں چار' چھ آٹھ مہینے بھی لگ سکتے ہیں اب ہر آدمی تو زیارتوں پر نہیں نکل جاتا۔''

''ہاں بابا! یہ تو ٹھیک ہے۔''

''آپ یہاں آرام سے رہو اور سنو! ادھر ادھر جھانکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے آرام کا خیال رکھا جائے گا جس چیز کی ضرورت ہو آپ بتا دو۔'' سیدھا سادا ناگی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ قربان شاہ نے واپس جا کر غازی شاہ کو اطلاع دی کہ ناگی کو آرام سے رکھ دیا گیا ہے اور کوئی مشکل نہیں ہے۔ وہ آرام سے رہے گا۔ غازی شاہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ ادھر شمیلا باپ کے جانے سے افسردہ تھی' غازی شاہ' کیتھرائن ہی کی ہدایت پر شمیلا کے پاس چلا جاتا تھا اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھتا تھا کہ کوئی ایسی ویسی بات کیتھرائن کے کانوں تک نہ پہنچے۔ ادھر شمیلا کو بھی اب معصومیت کی حدود سے نکل آنا پڑا تھا۔ وقت خود تجربے دیتا ہے' شمیلا کو آہستہ آہستہ اپنی ذمے داریوں کا احساس ہوتا جا رہا تھا۔ کیتھرائن کے سامنے اس کا سر ہمیشہ جھکا رہتا تھا اور یہ صرف اس کی اپنی فطرت کی وجہ سے تھا' لیکن اس کے حق میں نہایت فائدہ مند' کیتھرائن اس سے باتیں کرتی رہتی تھی اور اس کا ذہنی جائزہ لیتی رہتی تھی۔ اسے پورا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ شمیلا کے اندر کسی قسم کی سازشیں کرنے کی کوئی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ وہ بڑے آرام سے اس کی غلامی کر سکتی ہے' شمیلا کے لئے اس کے دل میں جو کچھ تھا وہ ایک الگ بات تھی۔ بہر حال اس نے چالاکی سے قربان کو اپنے پاس بلایا اور قربان پہنچ گیا۔

''کہو قربان کام ہو گا؟''

لگانا کون سا مشکل کام تھا۔ بیگم سائیں! پھر بھی ہم نے احتیاط کے لئے اس کی لاش کو پہاڑی علاقے میں دفن کر دیا ہے اور اب اس کا نام ونشان خود ہمیں بھی نہیں مل سکتا۔''

''بہت کام کے آدمی ہو تم قربان' کچھ سوال کروں تم سے؟''

''بیگم سائیں! ہزار سوال کریں' قربان خادم ہے جواب دے گا''

''سائیں غازی شاہ! تمہیں تمہاری محنت کا کیا معاوضہ دیتے ہیں؟''

''بیگم سائیں! اتنا مل جاتا ہے کہ قربان بھی اپنے خاندان کے ساتھ عیش و آرام سے جی رہا ہے' کوئی مشکل نہیں ہے۔''

''پھر بھی یہ تمہاری جوانی کا دور ہے' جب تک انسان کے بدن میں طاقت رہتی ہے ہر شخص اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ یہ طاقت اصل میں یوں سمجھ لو کہ اس کائنات کی حکمراں ہے' تمہارے پاس قوت ہے تو سب تمہارے قدموں تلے ہیں اور قوت نہیں ہے تو انجام ناگی بابا جیسا ہوتا ہے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہتی ہو بیگم سائیں''

''اور سب سے بڑی طاقت دولت کی ہے' اگر دولت پاس ہے تو سمجھ لو سارے عیش و آرام پاس ہیں۔''

''ٹھیک کہتی ہیں بیگم سائیں!''

''سائیں غازی شاہ تمہیں جتنا دیتے ہیں اس سے چار گنا زیادہ میں بھی تمہیں دیا کروں گی سمجھے' کسی بھی وقت مجھے بتا دینا' یہ ساری چیزیں تمہیں خفیہ طور پر ملیں گی لیکن ایک بات کا وعدہ کرنا ہوگا تمہیں۔''

''جی بیگم سائیں حکم''

''غازی شاہ کی ہر بات میرے کانوں تک پہنچنی چاہیے' وہ تمہیں جو بھی حکم دیں' جو بھی مشورہ کریں' جو بھی تمہارے بارے میں سوچیں' وہ میرے کانوں تک پہنچنا چاہیے۔ ایک بات کا میں تم سے وعدہ کرتی ہوں۔ غازی شاہ میرا محبوب ہے' میں نے محبت کر کے اس سے شادی کی ہے' میں کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کروں گی جس سے غازی شاہ کو کوئی نقصان پہنچ سکے۔ لیکن دیکھو عورت بڑی کمزور ہستی ہوتی ہے اور پھر میں تو وہ عورت ہوں جو اپنا گھر بار چھوڑ کر غازی شاہ کے ساتھ یہاں آئی ہوں اور یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ اگر وہ کسی سازش کا شکار ہوا تو تمہیں اپنے بارے میں ضرور بتائے گا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ بس قربان یہ چار گنا معاوضہ جو میں تمہیں ادا کروں گی' سمجھ لو اسی کا ہے کہ غازی شاہ کی ساری سوچیں مجھ تک پہنچنی

چاہئیں۔ اب تم کھل کر کہو کہ کیا کہتے ہو اس بارے میں؟''

''بیگم سائیں! آپ جس قدر ذہین ہو' قربان تو آپ کے قدموں کی خاک تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ بالکل ٹھیک سوچتے ہو اور یہ بھی ٹھیک سوچتے ہو بیگم سائیں کہ دولت کی ہر انسان کو ضرورت ہے اور دولت بہت بڑی طاقت ہے۔ بیگم سائیں! اگر آپ مجھ سے چار گنا معاوضے کا وعدہ نہ بھی کرتیں اور صرف حکم دیتیں تو قربان کبھی گردن نہیں اٹھاتا۔''

''تم نے دل خوش کر دیا ہے قربان! جاؤ بے فکر ہو جاؤ۔ جب ہم یہاں علی خیر گوٹھ اور اس کے اطراف میں اپنا اقتدار قائم کریں گے تو اس علاقے کے بہت بڑے زمیندار تم بھی ہو گے' میں کیتھرائن' تم سے وعدہ کرتی ہوں۔''

''بیگم سائیں پر قربان یقیناً ایسا ہی ہوگا'' قربان کو واپسی کی اجازت دے دی گئی اور وہ وہاں سے چلا گیا' لیکن اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی الجھن کی چمک تھی۔ اپنی آرام گاہ میں ایک کمرے میں بیٹھ کر اس نے سوچا کہ قربان تمہاری عقل کیا کہتی ہے؟ عقل یہ کہتی ہے کہ کیتھرائن سے بڑی بڑی رقومات وصول کرو۔ اسے اطمینان دلانے کے لئے ہلکی پھلکی باتیں بھی کرو۔ کیونکہ بہرحال غازی شاہ نے ابھی تک ایسا کوئی لفظ نہیں کہا ہے جو کیتھرائن کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہو' لیکن غازی شاہ کے راز' راز میں ہی رکھو' بلکہ ایسے راز ایک ریکارڈ کی شکل میں اپنے پاس رکھو تا کہ انہیں انتہائی ضرورت کے وقت استعمال کیا جا سکے۔ ان وڈیروں کے مزاج بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ وفاداری کا اتنا اظہار کرو کہ وہ تمہیں اپنا دایاں بازو سمجھنے پر مجبور ہو جائیں' لیکن عقل یہی کہتی ہے کہ اپنا تحفظ کرو۔ بہرحال کیتھرائن کے لئے اس نے ایک خاص انداز کا فیصلہ کر لیا۔

دوسری طرف علی خیر شاہ گوٹھ کی پرانی حویلی میں زندگی مرجھا کر رہ گئی تھی' ایک طرف بے چاری افریشم غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ قدرت نے اسے بیٹیاں تو دو دی تھیں' بیٹا ایک ہی دیا تھا اور اس کے علاوہ اس کی زندگی میں اور کچھ نہیں تھا۔ اب جو کچھ بھی ہو رہا تھا' وہ افریشم کی توقع کے بالکل خلاف تھا' بیٹے نے ایک ایسا کام کر ڈالا تھا جس کی وجہ سے قرب و جوار کے علاقے میں طرح طرح کی افواہیں گردش کر رہی تھیں اور ادھر مکرم شاہ اپنے تمام تر جذبات کو سلا کر اپنا فرض پورا کر رہا تھا۔ اس نے اب پولیس کو فری ہینڈ دے دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر پولیس اسے ہلاک بھی کر دے گی تو مکرم شاہ اپنی پیشانی پر بل نہیں آنے دے گا۔ چھوٹی سی عمر میں علی خیر شاہ کے لئے باپ کا یہ حکم دنیا کے سب سے بڑے دکھ کی بات تھی۔ لیکن کیا کیا جاتا' صورت حال ایسی ہی ہوگئی تھی کہ اور کچھ کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ پولیس بڑی تن دہی سے علی خیر

شاہ کو تلاش کر رہی تھی اور شرجیلہ سکتے کے عالم میں تھی۔ کسی سے کیا کہتی' بیٹے کے غم کے تاثرات بھی اس کے چہرے پر منجمد دیکھتی تھی۔ اکثر رات کی تنہائیوں میں مکرم شاہ خاموش حویلی کے کسی ویران گوشے میں کھڑا آسمان کو تکتا نظر آتا تھا۔ ایک ماں ہی بیٹے کی اس کیفیت سے بہ خوبی واقف ہو سکتی ہے کہ اس پر کیا گزر رہی ہو گی لیکن کیا کر سکتی تھی۔ اس دن بھی پورا دن ہی مکرم شاہ مضمحل رہا تھا اور کئی بار شرجیلہ نے اسے دیکھا تھا۔ رات کو بھی جب وہ خاموش کھڑا ہوا آسمان پر جگمگاتے ستاروں کو دیکھ رہا تھا تو شرجیلہ اپنی جگہ سے اسے دیکھ رہی تھی پھر اچانک ہی اسے قدموں کی چاپ سنائی دی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ افریشم تھی' شرجیلہ سنبھل گئی' افریشم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیگم سائیں! آپ بھی نہیں سوتیں' نظر لگ گئی ہے ہماری حویلی کو' بڑے آرام کے دن گزر رہے تھے' اللہ نے جب اولاد دیں دیں اور حویلی کی رونق میں اضافہ ہوا تو یہ غم ہمیں لگ گیا۔ بیگم سائیں آپ بزرگ ہو' زمانے کا تجربہ ہے آپ کو آپ کچھ سوچو' ورنہ آپ دیکھ رہی ہو کہ سائیں مکرم شاہ کا کیا حال ہے' میں تو کہتی ہوں کہ کہیں وہ بیمار نہ پڑ جائیں۔ راتوں کو جاگتے رہتے ہیں۔ دن میں خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔''

''وہ نافرمان ہے' غازی شاہ تو خیر برا ہے ہی لیکن مکرم شاہ نے بھی میری عزت نہیں رکھی' دیکھو افریشم! تمہارا علی خیر شاہ سے ماں بیٹے کا رشتہ ہے' میں اگر علی خیر شاہ کے بارے میں اپنی زبان سے تم سے زیادہ محبت کا اظہار کروں گی تو خود اپنا مذاق اڑاؤں گی۔ اسی طرح سے میں اپنے ان دونوں بیٹوں کو چاہتی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے وہ بھائی ہے لیکن غازی شاہ جو بھی غلط قدم اٹھاتا ہے۔ مکرم شاہ اپنے جذبات کے دھارے میں بہہ کر اس کی تائید کر دیتا ہے اور نقصان اسے اکیلے نہیں ہوتا، ہم سب کو ہوتا ہے۔ زمینیں اس کی ملکیت نہیں ہیں' لیکن اس نے سرکشی اور نافرمانی کرتے ہوئے یہ زمینیں غازی شاہ کو دینے کی کوشش کی۔ اس سے بہت پہلے میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر غازی شاہ کی تربیت بہت اچھی ہوتی تو وہ کسی انگریز عورت کو لے کر وہاں سے واپس نہ لوٹتا اور یہ بات اس کے ذہن میں رہتی کہ ماں اور بھائی' جو باپ کی طرح سے اس کا سرپرست تھا اور جس نے اسے اس کے شاندار مستقبل کے لئے ملک سے باہر بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا یہ بات پسند نہیں کریں گے کہ وہ شادی شدہ ہو کر واپس لوٹے۔ کچھ ریت رواج ہوتے ہیں' ہمارے اور ہم سب پر فرض ہے کہ خاندان کی آن بان قائم رکھنے کے لئے ان ریت رواج کو نبھائیں۔ جب اس نے ان ریت رواج سے روگردانی کی' تو پھر تم اسے ایک اچھا انسان کیسے کہہ سکتی ہو اور پھر بری عورت اس کے ساتھ تھی۔ جس نے اسے اپنے قبضے میں کر

کے ماں باپ سے دور کر دیا۔ ایسے شخص کی قربت میں اگر اپنی اولاد کو دے دیا جائے تو نتیجہ کیا ہو سکتا ہے؟ وہ جو سامنے آیا اور میں نے اس بات سے اسے منع کیا لیکن میں تنہا پڑ گئی۔ مجھ اکیلی کی بات نہیں مانی گئی وہاں جذبات سے کھیلا گیا اور اب نتیجے میں وہ وہاں ویرانوں میں کھڑا ہوا ہے۔''

''ہاں بیگم سائیں! آپ ٹھیک کہتی ہو' میں آپ کی ہر بات سے اتفاق کرتی ہوں لیکن میں تو قصوروار نہیں ہوں۔ آپ میرے کردار کے بارے میں کیا کہتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دبی زبان سے اس بات کا اظہار کر سکتی تھی کہ سائیں! میرا بیٹا میری گود میں رہنے دو۔ نتیجہ آپ بھی جانتیں ہیں اور میں بھی جانتی ہوں۔''

''ہاں! یہ تم ٹھیک کہتی ہو'' ساس' بہو سخت پریشان تھیں' دونوں مائیں اپنے بیٹوں کے لئے ہیجانی کیفیت کا شکار تھیں لیکن مایوسی ان کا مقدر تھی' ایسا ہوتا ہے۔

ایک طرف کیتھرائن اپنے تمام منصوبوں میں کامیابی سے آگے بڑے رہی تھی تو دوسری طرف یہ لوگ مایوسیوں کی انتہا میں ڈوبی ہوئی تھیں لیکن اب ذرا سا ماحول بدل رہا تھا۔ حالات کی چادر تھوڑی سی پھٹ گئی تھی اور غازی شاہ کے انداز فکر میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ ادھر قربان اپنے کام میں مصروف تھا' غازی شاہ کو خیر اس نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور عقل یہ کہتی تھی کہ غازی شاہ کو کچھ نہ بتایا جائے لیکن قربان چھوٹے موٹے ایسے واقعات گھڑ لیا کرتا تھا جو کیتھرائن کو مطمئن کر سکیں اور بڑی ذہانت کے ساتھ یہ باتیں وہ کیتھرائن تک پہنچا دیا کرتا تھا۔ نتیجے میں اسے اچھی خاصی مراعات حاصل ہو چکی تھیں' یہ سارے سلسلے چل رہے تھے اور دونوں کے کام جاری تھے کہ ایک دن کیتھرائن نے شمیلا کو دیکھا جس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور وہ بری طرح ابکائیاں لے رہی تھی۔ کیتھرائن چونک پڑی' اس نے شمیلا کو سہارا دیا اور جب اس کی حالت بہتر ہوئی تو اس نے اس کے حالات پوچھے اور پھر اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ شدت خوشی سے دیوانی ہو گئی تھی' اس نے شمیلا کے عیش و آرام کے لئے انتہائی مناسب بندوبست کئے اور اس کے بعد یہ خوش خبری غازی شاہ کو سنانے کے لئے دوڑی لیکن غازی شاہ اس وقت اپنی آرام گاہ میں موجود نہیں تھا۔ کیتھرائن اپنے کمرے میں آ کر بے چینی سے اس کا انتظار کرنے لگی اور پھر اچانک ہی اس پر ایک عجیب سی کیفیت کا حملہ ہوا وہ سوچ میں ڈوب گئی اور ایک دم سے اس کے خیالات بھٹکنے لگے۔ غازی شاہ سے کسی دور میں اس نے واقعی بہت محبت کی تھی اور بڑی الفت کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اب ایک دم اس میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے یہ مقام نہیں مل سکا جو اس نے سوچا تھا اور اس لئے اسے غازی

شاہ کے اہل خاندان سے سخت نفرت تھی۔ شرجیلہ نے جو زخم اس کے دل پر لگا دیا تھا اس سے رہی سہی کسر پوری ہو گئی تھی اور اب اگر اپنے کسی مفاد کے لئے اسے ان تمام لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑے۔ تب بھی وہ اس سے دریغ نہیں کر سکتی تھی۔ بہر حال تھوڑی دیر تک وہ غم کا شکار رہی۔ اس کے بعد غازی شاہ آ گیا تب اس نے غازی شاہ کو یہ خوش خبری سنائی اور غازی شاہ بھی خوشی سے اچھل پڑا۔

''کیا واقعی کیتھرائن ایسا ہوا ہے''

''ہاں! کیا مجھے بے وقوف سمجھتے ہو''

''بالکل نہیں'' غازی شاہ بے خد خوش تھا ایک دم سے اس کے دل میں وہی تمام چاہتیں جاگ اٹھی تھیں۔ جو ایک شخص کو اپنی پہلی اولاد کے بارے میں سن کر پیدا ہو جاتی ہیں لیکن وہ فوراً ہی شمیلا کی جانب نہیں دوڑا تھا کیونکہ اس طرح شمیلا سے لگاؤ کا اظہار ہوتا تھا اور یہ اظہار کر کے وہ شمیلا کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو جذباتی ہونے سے روکا اور مسکراتی نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''چلو ٹھیک ہے' تم نے جو کوشش کی تھی اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آ گیا۔'' کیتھرائن کے چہرے پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری تھی' اس نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں مجھ سے جو حق چھینا گیا تھا مل جائے گا' میں نے اپنے دشمنوں کو ان کے منصوبوں میں فیل کر دیا ہے۔ پورا نظریہ کام کر رہا ہے میرا' چھوٹے ذہنوں کے یہ لوگ کیتھرائن سے مقابلہ کرنے چلے تھے۔ کاش یہ مجھے پوزیٹو رہنے دیتے لیکن انہوں نے اپنی حرکتوں سے مجھے نیگیٹو کر دیا۔ غازی شاہ' علی خیر محمد گوٹھ تیری جاگیر ہے' اس لئے میں تیری اس جاگیر کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ لیکن تو دیکھنا ان لوگوں کے ساتھ میں کیا سلوک کرتی ہوں۔ جو میرے دشمن ہیں اور جنہوں نے مجھے ہمیشہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔'' غازی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیتھرائن تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ ''اپنے آدمیوں سے کہو غازی شاہ! لڈوؤں کے ٹوکرے بنوا کر لائیں' زیادہ سے زیادہ مٹھائی تیار کرا لیں۔''

''ٹھیک ہے' مگر کیا یہ مٹھائی وقت سے پہلے نہیں ہو گی''

''وقت پر تو بہت کچھ ہو گا غازی شاہ! آج سے میرا نیا کام شروع ہو گا' تم نے دیکھا سچل کس طرح غائب ہو گیا۔ سچل کو یہاں بھیجا ہی اس لئے گیا تھا اور وہ بھی ایک ڈراما کر کے کہ سچل یہاں کے معاملات وہاں تک پہنچائے اور یہ سمجھا جائے کہ اب وہ ہمارا اپنا آدمی ہے' لیکن پھر وہی بات آ جاتی ہے ان لوگوں میں سے کسی نے کیتھرائن کی ذہنی قوتوں کا صحیح اندازہ نہیں لگایا'

اور بچوں کا کھیل کھیلتے رہے۔ اگر یہ بچوں کا کھیل نہ کھیلتے تو یقین کرو' نہ صرف علی خیر محمد گوٹھ بلکہ تمہاری ساری جاگیر سر سبز ہوتی اور ان زمینوں کی تقدیر بدل دی جاتی۔ لوگ جیسا کہ میں نے سنا ہے سندھ کے علاقے کو بنجر کہتے ہیں۔ پسماندہ کہتے ہیں' ہم اپنی ذہنی قوتوں سے اس علاقے کو مالا مال کر دیتے لیکن بدقسمتی تھی ان لوگوں کی کہ انہوں نے ہم سے بیر باندھا تو وہی بات ہے ببول اگاؤ گے تو کانٹوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ میں کچھ اور کہہ رہی تھی چھوٹے سائیں! مٹھائی تیار کراؤ' مجھے اب تھوڑی سی اداکاری کرنی پڑے گی۔ کون جان سکتا ہے کہ ہمارے ان ملازموں میں شرجیلہ بیگم کے کتنے وفادار موجود ہیں۔ اس لئے سارے کام ہوشیاری سے کرنے پڑیں گے۔''

''ٹھیک ہے'' غازی شاہ نے کہا اور اس کے بعد اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ مٹھائی تیار کرائیں۔ چوتھے دن مٹھائیوں کے بے شمار ٹوکرے منگوا کر غازی شاہ پرانی حویلی چل پڑا اور حویلی میں داخل ہو گیا' اس نے شرجیلہ بیگم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مٹھائی کے لاتعداد ٹوکروں کے ساتھ وہ شرجیلہ بیگم کے پاس پہنچ گیا اور جھک کر اسے سلام کیا۔

''بیگم سائیں! آپ کا یہ نافرمان بیٹا آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے' آپ اسے اپنے آپ سے کتنا ہی دور کر دو' لیکن خون کے رشتے تو جھٹلائے نہیں جا سکتے۔ میرے دل میں خوشی کا کوئی بھی جذبہ جاگا تو میں سیدھا آپ کی طرف دوڑا پڑا۔ میں اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ میری خوشیوں میں شریک ہونے والا سچے دل سے شریک ہونے والا آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ بیگم سائیں! اللہ تعالیٰ نے میرے گھر میں خوش خبری اتاری ہے۔ کیتھرائن حاملہ ہے' اس بات کا انکشاف ہونے کے بعد میرا فرض تھا کہ سب سے پہلے خوشی کی یہ خبر آپ کو سناؤں۔'' شرجیلہ بہت زیادہ چالاک اور ہوشیار تھی' یہ الفاظ بم کا دھماکا ثابت ہوئے تھے۔ اس کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی تھی اور بہ مشکل تمام اس نے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے غازی شاہ کو دیکھ رہی تھی اور غازی شاہ کے اندر پھر جنون اتر رہا تھا۔ ماں نے جو کچھ کیا تھا اس کے برعکس خبر سن کر اب حیران تھی کہ اس کا عمل ناکام کیسے ہو گیا؟ اس کے چہرے کا ہر نقش کیتھرائن کے الفاظ کی تصدیق کرتا تھا' غازی شاہ کی آنکھوں میں طنزیہ تاثرات پیدا ہو گئے اور وہ اپنے جملوں کو نہ روک سکا۔

''ہاں...... مائیں محبت کا مرکز ہوتی ہیں بیگم سائیں! لیکن اب پتا چلا کہ یہ صرف کتابوں کی باتیں ہیں' کبھی کبھی مائیں اپنے بچوں کے گھر اس طرح اجاڑتی ہیں کہ کوئی دشمن بھی اس طرح نہیں اجاڑ سکتا۔ لیکن بیگم سائیں! اللہ کی مرضی میں کسی کا دخل دینا ناممکن ہے' اللہ جو

کچھ کرنا چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور بڑے بڑے منصوبے فیل ہو جاتے ہیں۔ بیگم سائیں! دعا کریں کہ بیٹا پیدا ہو میرے ہاں' آپ کا پوتا ہوگا نا آپ کی گود میں کھیلے گا۔ چلتا ہوں بیگم سائیں! پوری حویلی میں مٹھائی بانٹ دیجئے۔ یہ مٹھائی زہریلی نہیں ہے'' یہ کہہ کر غازی شاہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ شرجیلہ کا وجود اب بھی تھرتھر کانپ رہا تھا۔ غازی شاہ کے الفاظ جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ان پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اب اتنی بے وقوف بھی نہیں تھی کہ غازی شاہ کی باتوں کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ اس کا مطلب ہے کہ غازی شاہ کو تمام تفصیل معلوم ہو چکی ہے' یہ برا ہوا یا اچھا ہوا' اس بارے میں وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ لیکن اپنے ہوش وحواس پر قابو پانا اب اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ وہ بہت دیر تک اس طرح خاموش بیٹھی رہی۔ مکرم شاہ اس وقت موجود نہیں تھا۔ افریشم البتہ موجود تھی۔ غازی شاہ کے آنے کی اطلاع اسے مل چکی تھی۔ باہر آئی تو اس نے مٹھائیوں کے یہ ٹوکرے دیکھے' حیرانی سے اسے دیکھتی ہوئی شرجیلہ کے پاس آ گئی اور حیرت سے بولی'' غازی شاہ آئے تھے۔''

شرجیلہ نے سونی سونی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر ایک دم سنبھل گئی' یہ اظہار بے حد خطرناک ہو سکتا تھا کہ غازی شاہ کی بات سے وہ پریشان یا خوفزدہ ہے اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں''

''خیر ہے یہ مٹھائی؟''

''کیتھرائن حاملہ ہے''

''اوہ...... یہ تو خوشی کی بات ہے'' افریشم نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں...... بات خوشی کی ہے تم ایسا کرو یہ مٹھائی تقسیم کرادو'' شرجیلہ نے کہا اور واپس مڑ گئی۔ اس وقت اس پر جو کچھ بیت رہی تھی اس کا دل ہی جانتا تھا وہ لوگ موجود نہیں تھے جن سے دل کی بات کہہ سکے۔ سچل اور وہ سب جن میں سکھاداں سرفہرست تھی' سکھاداں کی گمشدگی اب کسی شک کی محتاج نہیں رہی تھی وہ بے چاری اپنے خاندان کے ساتھ زمین کی گہرائیوں میں کہیں دفن ہو گی اور اب اس کے علاوہ غازی شاہ کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ ماں نے کیتھرائن کے ساتھ ایسا کوئی عمل کیا ہے۔ یہ تمام باتیں اب اسے اپنے دل ودماغ میں ہی گھونٹ کر رکھنی تھیں' بظاہر ایسا کوئی نہیں تھا جس سے وہ اب اس سلسلے میں معلومات حاصل کر سکے۔ مکرم شاہ گیا' افریشم کارکنوں کے ذریعے مٹھائی تقسیم کرا رہی تھی۔ مکرم شاہ نے حیرت سے یہ منظر دیکھا' بولا۔

''ارے...... یہ سب کچھ کیا ہے اور کس خوشی میں مٹھائی بانٹی جا رہی ہے بابا؟''

''کیتھرائن! امید سے ہے''

''ایں......'' مکرم شاہ نے کہا اور ایک دم خوش ہو گیا۔ ''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''

''میرے دل میں ایک بات ہے سائیں! اگر آپ مجھے اجازت دو۔''

''ہاں بولو''۔

''کیتھرائن کے پاس جا کر اسے مبارکباد دینا چاہتی ہوں' ہماری طرف سے بھی تو خوشی کا اظہار ہونا چاہیے'' مکرم شاہ کا چہرہ ایک دم مرجھا گیا' بیٹا یاد آ گیا تھا آہستہ سے بولا۔

''ٹھیک ہے' میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا' تیار ہو جانا'' افریشم نے مکرم شاہ کا چہرہ دیکھا' صورت حال کو سمجھ گئی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے' آہستہ سے بولی۔

''کبھی پتا نہیں چلے گا ہمارے علی خیر شاہ کا؟''

''اگر غازی شاہ بتانے پر تیار ہو جائے تو''

''میرا بھی یہی خیال ہے سائیں! غازی شاہ نے اسے روپوش کر دیا ہے' اس کے تحفظ کے خیال سے' بچہ ہے جو کر بیٹھا ہے......''

''وہ تو ٹھیک ہے بابا! مگر ایک بات سوچو اگر وہ اتنا خطرناک ہو چکا ہے' تو آگے کیا کرے گا''

''میں کیتھرائن سے بات کروں گی اس بارے میں''

''ٹھیک ہے' مگر ایک بات کا خطرہ ہے مجھے''

''ہاں''

''کیا بیگم سائیں! ہمیں وہاں جانے کی اجازت دیں گی'' افریشم نے گردن جھکا لی پھر آہستہ سے بولی۔

''اگر وہ اجازت نہ دیں تو آپ بیگم سائیں کو سمجھاؤ' بہت ہو گیا' بڑے نقصانات ہو گئے خاص طور سے ہمیں جو نقصان پہنچا ہے' وہ تو کوئی پورا کر ہی نہیں سکتا۔ ہمیں کچھ کرنے دیں' ہو سکتا ہے اس طرح ہمیں' ہمارا علی خیر مل جائے'' مکرم شاہ کو خود بھی یہ احساس تھا کہ افریشم ایک انتہائی صبر کرنے والی عورت ہے' آج تک اس نے تعاون کیا ہے۔ ہر اچھی بری بات پر سر جھکانے کے علاوہ کچھ نہیں کیا ہے۔ بیٹے کی جدائی کا اس پر جو اثر ہوگا وہ بھی مکرم شاہ جانتا تھا لیکن افریشم نے کبھی سرتابی نہیں کی تھی، اس نے آہستہ سے کہا۔

''تم تیاریاں کرو' بیگم سائیں کو میں تیار کر لوں گا'' مکرم شاہ شرجیلہ کے پاس پہنچا

ادھر شرجیلہ تنہائی میں ہی سہی اپنے ذہن میں کچھ راستے متعین کر چکی تھی، مکرم شاہ نے کہا۔

''بیگم سائیں! غازی شاہ مٹھائی لے کر آیا تھا''

''ہاں' افریشم نے وہ مٹھائی پوری حویلی میں بٹوا دی ہے''

''بیگم سائیں! میں اور افریشم مٹھائی لے کر اس کے گھر جانا چاہتے ہیں' خوشی کا اظہار ہمیں بھی تو کرنا چاہیے۔'' شرجیلہ نے نگاہیں اٹھا کر مکرم شاہ کو دیکھا' دیر تک دیکھتی رہی پھر بولی۔

''ٹھیک ہے جاؤ' مٹھائی لے جاؤ''

''بیگم سائیں! افریشم بھی جا رہی ہے''

''ہاں میں نے سن لیا ہے''

''آپ ناراض تو نہیں ہوں گی بیگم سائیں''

''نہیں وہ بھی میری ہی اولاد ہے'' یہ کہہ کر شرجیلہ رونے لگی' مکرم شاہ خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''ایک بات بولوں بیگم سائیں'' شرجیلہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے اسے دیکھا اور بولی۔

''ہاں کہو...... کیا بات ہے؟''

''بیگم سائیں! آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں' بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے''

شرجیلہ کی آنکھوں میں ایک دم جنون پیدا ہوا اور اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''نہیں...... دنیا میں میرا قیام بہت مختصر ہے اور اس کے بعد پتا نہیں مجھے کس کس کو جواب دہی کرنا ہوگی' جب میرا شوہر مجھ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے اپنی ممتا سے مجبور ہو کر علی خیر محمد گوٹھ کی ساری قربانیاں ضائع کر دیں اور ایک انگریز عورت کو قبول کر لیا تو بابا! میرے ساتھ جواب دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ جواب صرف مجھے دینا پڑے گا اور میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں ہوگا' سمجھے' جاؤ۔ تم چلے جاؤ' البتہ افریشم کو تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس بھیج دو'' مکرم شاہ نے گردن ہلا دی تھی۔ افریشم' بیگم سائیں کے پاس پہنچ گئی تو شرجیلہ نے اس سے کہا۔

''افریشم! پتا نہیں کیوں مجھے شک ہے کہ اس بات میں سچائی کم اور کسی قسم کا فریب زیادہ ہے''

''کس بات میں بیگم سائیں؟''

''یہی کہ کیتھرائن حاملہ ہے' بات وہی آ جاتی ہے افریشم! کہ یہ انگریز خون اس قدر گندہ ہے کہ اس سے ہر سازش' ہر چالاکی کی توقع کی جا سکتی ہے' اس لئے میں تصدیق چاہتی ہوں''

''میرے لئے آپ حکم کریں بیگم سائیں''

''سمجھ دار ہو تم' نادان نہیں ہو' ذرا اس کے انداز سے پتا لگانا کہ وہ سچ مچ اسی کیفیت میں ہے یا یہ بھی کوئی کہانی ہے''

''جو حکم بیگم سائیں'' لیکن یہ بے چاری معصوم عورتیں تھیں' کیتھرائن درحقیقت ایک عظیم شاطرہ تھی۔ یہ بات اس نے غازی شاہ سے بھی کہہ دی تھی' پوچھا تھا اس نے غازی شاہ سے کہ کیا کیفیت ہوئی' وہاں حویلی میں رہنے والوں کی تو غازی شاہ نے نہایت نفرت بھرے انداز میں کہا۔

''وہ لوگ گونگے ہو گئے تھے' پریشان ہو گئے تھے اور سکتے میں رہ گئے تھے' کیونکہ وہ جو کچھ کر چکے ہیں اس کے بعد اس چیز کی امید نہیں ہوگی۔''

''سائیں! ایک بات بتاؤ' کیا سائیں مکرم شاہ بھی اس سازش میں شریک ہیں؟''

''یہ بات تو تمہارے علم میں آ چکی ہے کہ مکرم شاہ اس میں شریک نہیں تھے' بلکہ یہ کام صرف بیگم سائیں کا تھا''

''ہاں' میرا بھی یہی خیال ہے' اچھا ہی ہے ورنہ مکرم شاہ کے لئے بھی میرے دل میں نفرت ہوتی اور کچھ نہ ہوتا۔''

''میں جانتا ہوں''

''خیر ٹھیک ہے' ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ بھی کم نہیں ہے اور ابھی جو کچھ کرنا ہے وہ اس سے بھی آگے کی بات ہوگی۔'' کیتھرائن نے کہا' اس کے بعد انہیں مکرم شاہ اور افریشم کے آنے کی اطلاع ملی اور وہ دونوں ان کے استقبال کے لئے تیار ہو گئے۔ مکرم شاہ اپنے ساتھ بہت کچھ لایا تھا' بے شمار تحفے تحائف' اس نے ان دونوں کو دیئے اور غازی شاہ کو مبارکباد دیتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ غازی شاہ کے اندر پھر ایک طوفان اٹھا تھا لیکن کیتھرائن کی نگاہیں اسے سمجھا رہی تھیں کہ ہوش و حواس سے کام لو۔ ابھی تو منزل بہت دور ہے۔ چنانچہ غازی شاہ نے بھی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بھائی کا شکریہ ادا کیا۔ افریشم اور مکرم شاہ نے رات کا کھانا یہیں کھایا تھا اور اس دوران کیتھرائن نے جو اداکاری کی تھی۔ اس پر غازی شاہ بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ دو دفعہ بیٹھے بیٹھے ہی کیتھرائن کی طبیعت بگڑی اور افریشم نے اسے اپنے

تجربے کے مطابق ہدایات دیں کہ اب ان حالات میں اسے کیا کرنا ہے۔ کیتھرائن نے شرما شرما کر افریشم کا شکریہ ادا کیا اور ہدایتوں کی پوٹلی باندھ لی ویسے یہ ہدایتیں اس کے لئے کارآمد بھی تھیں۔ کیونکہ اسے یہ سب کچھ شمیلا کے لئے کرنا تھا۔ شمیلا کی زندگی یا موت سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی' لیکن ایک خوبصورت بچے کے لئے وہ اپنے آپ کو تیار کر رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ لوگ یہاں رہے اور اس کے بعد مکرم شاہ نے غازی شاہ سے کہا۔

''غازی شاہ کچھ کہنا چاہتا ہوں تم سے''

''جی بڑے سائیں! حکم کیجئے''

''حکم نہیں ایک التجا ہے میری' اصل میں تم اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور وہ تم سے'' مکرم شاہ کی آواز بھرا گئی۔

''علی خیر کی بات کر رہے ہو سائیں''

''ہاں''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا اور میں اس سے اور یہ محبت ہی تھی کہ بستی کے لوگ' جو میری بے عزتی کرنا چاہتے تھے وہ اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکا اور اس نے پستول چلا دیا۔''

''ہاں' غازی شاہ! لیکن اس کے بعد وہ منظر عام پر نہیں آیا۔ بچہ ہی ہے اتنا چالاک نہیں ہے کہ آسانی سے اپنے آپ کو چھپا سکے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے اس کی مدد کی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے۔''

''نہیں سائیں! بالکل نہیں' اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دو کہ وہ کوئی بے وقوف بچہ ہے' اس کی عقل کی یہی دلیل کافی ہے کہ پولیس کے بڑے بڑے افسر اس کا سراغ نہیں لگا سکے۔ ایک چھوٹے سے بچے نے اپنے چھپنے کے لئے ایسی جگہ منتخب کر لی ہے جہاں پولیس بھی اسے تلاش نہیں کر سکی۔ اس لئے اسے بے وقوف سمجھنا چھوڑ دیجئے سائیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''میں یہ بات نہیں مانتا''

''آپ نہ مانو سائیں! اس سے کیا فرق پڑتا ہے'' تم سے جو درخواست میں کرنا چاہتا تھا وہ بھی نہیں سنی تم نے''

''معافی چاہتا ہوں بڑے سائیں! آپ حکم کرو''

''صرف مجھے اتنا بتا دو' وہ کہاں ہے؟ تم نے اگر اسے پولیس سے بچا کر چھپانے

کے لئے رکھا ہے تو مجھے صرف اس سے ملا دو'' ایک لمحے کے لئے غازی شاہ کا دل ڈول گیا تھا۔ مکرم شاہ نے جس عاجزی سے درخواست کی تھی اسے سن کر غازی شاہ کا دل چاہا تھا کہ فوراً ہی اسے علی خیر سے ملا دے لیکن غازی شاہ نے اپنے آپ کو جس طرح سنبھالا تھا یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بہرحال علی خود قاتل بن چکا تھا اور ایک منصوبے کے تحت غازی شاہ اور کیتھرائن نے اسے ایک خطرناک ڈاکو کے حوالے کیا تھا کہ وہ اسے تربیت دے' یہ بھی کیتھرائن کا ایک منصوبہ تھا اور غازی شاہ کو بہت سی باتوں سے شدید ولی صدمہ پہنچا تھا اس لئے وہ بھی پتھر کا بن کر رہ گیا تھا۔ اس نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ اسے علی خیر شاہ کے بارے میں تفصیل معلوم ہے' مکرم شاہ مایوس وہاں سے واپس لوٹا تھا۔ ادھر شرجیلہ بے چینی سے اپنی بہو کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

کیتھرائن نے جس طرح کی اداکاری کی تھی' اس نے افریشم کو یقین دلا دیا تھا کہ کیتھرائن کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ بالکل سچ ہے ظاہر ہے شرجیلہ کو وہ یہی بتا سکتی تھی۔ ادھر مکرم شاہ کے دل میں ایک بار پھر مایوسیوں کے اندھیرے چھا گئے تھے' اس نے یہ سوچا تھا کہ شاید غازی شاہ اسے علی خیر شاہ کے بارے میں بتا دے گا۔ لیکن غازی شاہ نے بالکل ہی لاتعلقی کا اظہار کیا تھا۔ شرجیلہ نے فوراً اپنی بہو کو بلا بھیجا اور افریشم نے اسے بتایا۔ ''بالکل ٹھیک ہے بیگم سائیں! وہ امید سے ہے اور آپ ایک بار پھر کسی پوتے یا پوتی کی دادی بن جائیں گی۔'' شرجیلہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے جنون کے آثار نمودار ہوئے پھر وہ خاموش ہو گئی اس کے دل میں جو کچھ تھا' ظاہر ہے وہ افریشم سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ البتہ اس نے یہ سوچا تھا کہ اگر زندگی رہی تو ہار نہیں مانوں گی۔ چاہے علی خیر گوٹھ میں ان کی دولت' جائیداد اور زمینوں کا وارث کوئی بھی ہو لیکن وہ کم از کم کیتھرائن کا بیٹا نہیں ہوگا۔ اس بات پر جب بھی غور کرتی بڑی بے بسی کے احساس کا شکار ہو جاتی کہ آخر کیتھرائن اس مشکل سے کیسے نکل گئی۔؟ اور اس نے ماں بننے کا حق کیسے حاصل کر لیا؟ بہرحال انسانوں کے مسائل اسی طرح کے ہوتے ہیں اور اسی سے کہانیاں بنتی ہیں۔

دوسری کہانی علی خیر شاہ کی تھی' وہ کھدوانا کے اڈے پر پہنچ گیا تھا۔ قربان کی کھدوانا سے بڑی دوستی تھی' ایک طرح سے وہ بچپن کے دوست تھے' بس راستے بدلے ہوئے تھے۔ کھدوانا ڈاکا زنی کرتا تھا اور اس نے بڑے پر پیچ اور مشکل راستوں پر اپنے اڈے بنا رکھے تھے اس پر حکومت نے پچیس لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا تھا لیکن یہ انعام بھی کھدوانا کی مقبولیت میں اضافے کا باعث تھا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کھدوانا نے خود ہی اس بات کی شہرت کروائی ہو۔

طاقت ور سے سب ہی تعاون کرتے ہی' وجہ کچھ بھی ہو لیکن طاقت کا اپنا ایک مقام ہے' کھدوانا کے اور پولیس کے معاملات چلتے رہتے تھے۔ کبھی پہاڑیوں میں گولیاں چلتیں اور کبھی رقص و سرور کی محفلیں جمتیں۔ جن میں وہ بھی شریک ہوتے جو کھدوانا کی تلاش میں ان علاقوں میں آئے ہوئے ہوتے' وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کھدوانا ان کے ساتھ محفل میں شریک ہے۔

لیکن وہاں صرف دوستی ہوتی تھی قربان نے علی خیر کو کھدوانا کے ساتھ شامل کر دیا تھا اور کھدوانا اسے بے پناہ پسند کرتا تھا۔ اپنی وحشی فطرت کی بنیاد پر وہ شیر کی طرح نڈر اور ہاتھی کی طرح طاقت ور تھا۔ دیکھنے والوں کی نگاہیں اس کے قد و قامت اور اس کی خوبصورتی پر جم کر رہ جاتی تھیں۔ اس کی بڑی بڑی روشن آنکھوں میں قہر و غضب کی بجلیاں کوندتی تھیں' بظاہر وہ پرسکون نظر آتا تھا لیکن اس کے وجود میں جو آتش فشاں دہکتا رہتا تھا اس کا اظہار کبھی کبھی اس کی صورت سے ہو جاتا تھا۔ درحقیقت وہ شیطان بنتا جا رہا تھا۔ کھدوانا کے اڈے پر اس کی دوستی دو افراد سے ہوئی تھی' ایک وزیرا تھا اور دوسرا جمالو' وزیر بخش اور جمالو بھی کم عمر نوجوان تھے اور علی خیر شاہ کی طرح وقت سے پہلے جوان ہو جانے والے۔ وہ علی خیر شاہ کی طرح تنومند اور وحشی تھے اور ان کی دوستی کی یہی وجہ تھی اکثر انہیں ساتھ ہی دیکھا جاتا تھا۔ علی خیر پوری طرح پڑھا دیا گیا تھا اور اسے بتا دیا گیا تھا کہ خود اس کا باپ اس سے بے پناہ نفرت کرتا ہے اور خاص طور سے اس قتل کے بعد جو اس نے کھلے عام کیا تھا۔ اب اسے باپ کی محبت حاصل نہیں رہی تھی۔ یہ بات بھی اسے بتا دی گئی تھی کہ آنے والے وقت میں وہ علی خیر محمد گوٹھ کا مالک ہوگا اور قرب و جوار کی ساری زمینیں اسی کی ہوں گی۔ بہر حال اسے اس قسم کی تربیت دی جا رہی تھی' کافی دن کے بعد ایک دن قربان کھدوانا سے ملنے کے لئے آیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔

''ہاں کھدوانا! وہ لڑکا کیسا ہے؟''

''اس کے بارے میں مجھے ساری تفصیلات معوم ہو چکی ہیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ غازی شاہ نے اپنے بڑے بھائی کے بیٹے کو آتش بنا دیا ہے' وہ شیر کی طرح بہادر اور آزاد ہے''

''وہ تین' چیزیں اسے سکھانی ہے کھدوانا''

''یار! میں ڈاکو ہوں' میں اسے جو کچھ سکھاؤں گا وہ ڈاکا زنی سے متعلق ہی ہوگا۔ اگر تمہیں اس کے لئے کوئی استاد چاہیے تو پھر میں اسے سلسلے میں بے کار آدمی ہوں''

''تم مجھے نہیں اسے یہ بات یقینی طور پر یاد دلائے رکھو کہ اس کا باپ اس کا دشمن ہے' لیکن یہ بھی یاد دلاتے رہو کہ وہ صرف مکرم شاہ کا بیٹا ہے اور ہر جگہ اسے مکرم شاہ کے نام ہی سے

روشناس ہونا ہے' دوسری بات یہ کہ اسے زندگی کی طاقتوں سے اس قدر متاثر کرا دو کہ پھر کبھی اس کی صحیح تربیت نہ ہو سکے۔ سمجھ رہے ہو نا تم اور باقی تو ساری باتیں ہو ہی جائیں گی۔ میرا مطلب ہے کہ وہ ڈاکے ڈالے گا' اپنے نام پر' مکرم شاہ کے نام پر''

''ستم اس کے استاد ہو گے'' قربان نے کہا اور کھدوانا ہنسنے لگا۔

''اچھی استادی ہے' مجھے تو کوئی فائدہ ہی نہیں''

''تمہیں تمہارا جانشین مل رہا ہے' اس سے بڑی بات اور کون سی ہو سکتی ہے''

''مگر یہ قصہ کیا ہے' مکم شاہ کا بیٹا! ڈاکو کیوں بن رہا ہے' ان کے پاس تو اتنی دولت ہے کہ وہ اگر چاہیں تو دس بستیاں آباد کر سکتے ہیں''

''بس بابا...... ان بڑے لوگوں کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں' یہ کیا کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں اس کے بارے میں معلوم کرنے کے پھیر میں پڑنا اپنے لئے مصیبت بلانا ہے۔''

''تو کیوں باہر گھومتا پھرتا ہے قربان! میرے بچپن کا دوست ہے' تو میرے گروہ میں تجھے میرے نائب کا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ جب دل چاہے' میرے پاس آ جا'' قربان ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

''سائیں بابا! ایک بات تیرے کو بولوں' ہر کام کا اپنا مزہ ہے تو ڈاکا زنی کر کے لطف لیتا ہے۔ دولت تو خیر آنی جانی چیز ہے ہی اور میں ان وڈیروں کے ساتھ زندگی کے عیش اٹھا رہا ہوں'' دونوں ہنسنے لگے پھر قربان نے کہا۔ ''تو میری بات سمجھ گئے نا تم وہ ابھی زندگی کا آغاز کر رہا ہے' عورت کی قربت' میں سمجھتا ہوں جوانی کا سب سے حسین تحفہ ہوتی ہے۔ تو اسے اس سے روشناس کرا دے لیکن اس طرح نہیں کہ وہ کسی عورت کے جال میں گرفتار ہو کر رہ جائے۔ اسے یہ بات سکھا کر کھلونے صرف کھیلنے کے لئے ہوتے ہیں اور اس کے بعد انہیں پھینک دینا اور توڑ دینا ہی ضروری ہوتا ہے۔ کسی کھلونے سے زیادہ عرصے تک نہیں کھیلا جا سکتا'' کھدوانا ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

''اور یہ باتیں تو مجھے سمجھا رہا ہے بے وقوف!'' دونوں دوست ہنستے رہے پھر قربان نے کہا۔

''ہے کہاں؟ مل لوں اس سے''

''ہاں' کیوں نہیں'' اور پھر قربان علی خیر شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

''خوب! سائیں علی خیر! آپ تو مجھ سے بھی بڑے ہو گئے ہو'' علی خیر شاہ ہنسنے لگا پھر

اس نے کہا۔

''نہیں تم سے چھوٹا ہوں میں قربان چاچا! کیا سمجھے' کہو کیسے ہیں سب لوگ' چچی سائیں کیسی ہے؟''

''سب لوگ ٹھیک ہیں تم یہاں خوش ہو تو ہو''

''ہاں...... بالکل ٹھیک ہوں اور ادھر میری ماں کا کیا حال ہے؟''

''سب لوگ ٹھیک ہیں بابا سائیں! اس دور میں کون کسی کے لئے پریشان ہوتا ہے' البتہ سائیں مکرم شاہ تمہاری تلاش میں زمینیں ناپ رہے ہیں''

''تعجب کی بات ہے' وہ میرا باپ ہے قربان چاچا! مگر کس قسم کا باپ' باپ تو بیٹوں کے عیب چھپا کر ان پر مہربانیاں کرتے ہیں' لیکن میں نے جب بھی کبھی ان کے بارے میں سوچا مجھے یوں لگا جیسے وہ میرا باپ ہی نہ ہو۔''

''اس وقت بستی کے تمام لوگ اور وہ بھی جن کے خاندان کا آدمی تم نے قتل کیا ہے تمہیں بھول چکے ہیں لیکن سائیں مکرم شاہ چپے چپے پر تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ تمہیں کسی اور سے نہیں سائیں مکرم شاہ سے بچنے کی کوشش کرنی ہے' کیونکہ اگر تم ان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔''

''نہیں وہ مجھے قتل نہیں کر سکیں گے سمجھے سائیں بابا! وہ مجھے قتل نہیں کر سکتے' البتہ میں یہ نہیں چاہتا کہ انہیں میرے ہاتھوں سے کوئی نقصان پہنچے۔ اس لئے میرا ان سے دور رہنا زیادہ اچھا ہے'' اس کے بعد قربان پوری طرح مطمئن ہو کر وہاں سے واپس گیا تھا۔ کیتھرائن قربان کو الگ سے رقومات کی ادائیگی کر رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے اپنے مطلب کی ہدایت جاری کر رہی تھی۔ قربان صرف اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ غازی شاہ کو ایسی کسی بات سے نقصان نہ پہنچے۔ ویسے چالاک آدمی تھا' یہ طے کر لیا تھا اس نے دل میں کہ بظاہر کیتھرائن کا زبردست نمک خوار بنا رہے گا' لیکن غازی شاہ سے بگاڑ کسی طور مناسب نہیں ہوگا۔ ادھر یہ سارا سلسلہ چل رہا تھا اور ادھر کھدوانا بھی اپنے دوست کی بات کا پورا پورا خیال رکھ رہا تھا۔ چنانچہ شہر سے ایک لڑکی کو بلوایا گیا۔ طریقہ کار ذرا مختلف رکھا گیا تھا' اس لڑکی کا نام نادرہ تھا اور یہ اس بازار سے تعلق رکھتی تھی' چنانچہ کھدوانا نے اس کی ماں سے گفتگو کی اور اسے ایک بھاری رقم دے کر کہا۔

''ایک نوجوان لڑکے کو صحیح راستے پر لانا ہے' سمجھ رہی ہو نا تم صحیح راستہ کون سا ہوتا ہے؟'' بوڑھی عورت مسکرا کر گردن ہلانے لگی پھر بولی۔

''کیوں نہ سمجھوں گی' زندگی بھر نہ جانے کتنے لوگوں کو صحیح راستے پر لا چکی ہوں''

''ہاں لڑکی کو سمجھا دینا ہم اسے اس انداز میں لے جائیں گے جیسے اغوا کر کے لائے ہوں اور اس کے بعد اسے نوجوان کے سپرد کر دیا جائے گا۔ تمہیں اتنے عرصے تک بھاری رقم ملتی رہے گی جب تک وہ ہمارے پاس رہے گی۔''

''بس یہی بات میں کہنا چاہتی تھی' واپس تو کر دیں گے نا آپ مجھے''

''قربان جاؤ بالکل نہیں'' نادرہ بے پناہ حسین تھی' اسے جس انداز میں وہاں لایا گیا وہ بھی دیکھنے کے قابل تھا' لیکن کھدوانا کو اس وقت مایوسی ہوئی جب نادرہ کو علی خیر شاہ کے سپرد کیا گیا۔

''کیا کرنا ہے بابا سائیں اس کا؟ گردن کاٹ دوں''

''اتنی خوبصورت گردن کاٹ سکتے ہو'' جواب میں علی خیر شاہ نے خنجر نکال لیا تھا۔

کھدوانا ہنسنے لگا پھر بولا۔

''نہیں' یہ حسین اور نازک پھول خون بہانے کے لئے نہیں ہوتے اس کی سرخی تو ہونٹوں میں سمیٹ لی جاتی ہے۔ سینے میں اتار لی جاتی ہے'' نادرہ چونکہ پہلے سے تربیت یافتہ تھی اور اسی مقصد کے لئے یہاں لائی گئی تھی' چنانچہ علی خیر کو ایک اور منزل تک پہنچایا گیا۔ شراب پینا اور دوسری لغوت میں حصہ لینا تو اس کی زندگی کا حصہ بن ہی گیا تھا۔ لیکن پہلی بار نادرہ نے اسے عورت سے آشنا کیا اور علی خیر شاہ اس غلاظت میں بھی ملوث ہو گیا۔

غازی شاہ بے شک اپنے بھائی کی بے توجہی سے دل برداشتہ ہوا تھا' لیکن کیتھرائن جیسی خوفناک عورت اگر اس پر قبضہ جمائے نہ بیٹھی ہوتی تو صورت حال میں کچھ تبدیلی واقع ہو جاتی۔ بہر حال یہ ساری باتیں چل رہی تھیں' پھر ایک دن کھدوانا نے اسے غیرت دلائی۔

''یہ خزانے جو تم ان غاروں میں دیکھ رہے ہو' صرف میرے نام سے منسوب ہیں' ساری کوششیں میں کرتا ہوں اس لئے کہ میں سردار ہوں۔ ان لوگوں کو ان کا حصہ دے دیتا ہوں جو میرے ساتھ ان خزانوں کے حصول کے لئے نکلتے ہیں' لیکن مجھے تعجب ہے کہ خیر محمد گوٹھ کا یہ شیر ابھی تک غرایا نہیں۔ جاؤ...... باہر کی دنیا دیکھو' آس پاس بہت سے گوٹھ پھیلے ہوئے ہیں' ان گوٹھوں میں خزانوں کے انبار ہیں۔ کیا سمجھے اور پھر قافلے بھی گزرتے رہتے ہیں' ہمیں دولت نہیں چاہیے' تمہارے لئے یہاں سب کچھ ہے لیکن یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم خاموش بیٹھے رہو'' کھدوانا کا مقصد پورا ہو گیا' علی خیر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بابا سائیں! آپ مجھے یہ بتاؤ'' آپ کی اجازت کے بغیر میں نے ابھی تک کچھ کیا

ہے۔

’’میں یہ نہیں چاہتا کہ تم لڑکیوں کی طرح یہاں بیٹھے رہو اور تمہیں کائی لگ جائے۔ مردوں کو اپنے نام کی شناخت کرانی چاہیے‘ تھوڑے فاصلے پر گل جام گوٹھ ہے اور گل جام والے سمجھتے ہیں کہ وہاں بہادروں کی کمی نہیں ہے۔ گل جام گوٹھ کا نام ایک ہی خاندان پر رکھا گیا ہے اور اس خاندان میں پیدا ہونے والا ہر لڑکا گل جام ہوتا ہے‘ وہ لوگ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بڑے لمبے چوڑے ہیں۔ یعنی بہادر ہیں‘ لیکن پھر بھی انہیں یہ علم ہونا چاہیے کہ کسی بھی وقت ان کا راستہ کاٹا جا سکتا ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے میں گروہ کے کچھ آدمیوں کو لے کر ادھر جاؤں گا اور ادھر وار کروں گا۔‘‘

’’نہیں‘ تم صرف اکیلے جاؤ یا زیادہ سے زیادہ اپنے دوستوں کو لے جاؤ‘ میں یہ نہیں کہتا کہ وہاں تم لوٹ مار کرو‘ لیکن تمہیں ان لوگوں کے پیٹ میں جا کر وہاں سے واپس نکل آنا ہے‘ لیکن اپنا احساس دلا کر‘‘ علی خیر شاہ پر جوش ہو گیا اور اس کے بعد اس نے تمام تیاریاں کیں اور پھر تین گھوڑے گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے گل جام کی جانب چل پڑے اور یہ لوگ پوری طرح مسلح تھے۔ انہوں نے خاص لباس پہنے ہوئے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تینوں نوعمر تھے شاندار تھے اور انہیں دیکھ کر کوئی بھی ان سے متاثر ہو سکتا تھا۔

ایک طویل درے کا سفر طے کرتے ہوئے انہیں پورا دن لگ گیا۔ شام ہوئی تو چٹانوں کے سائے طویل ہونے لگے‘ جس وقت یہ لوگ ڈیرے سے چلے تھے تو آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور امکان تھا کہ کسی وقت بھی بارش شروع ہو سکتی ہے‘ لیکن نوخیز جوانیاں موسم سے بے پروا تھیں۔ بھلا موسم کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ بہر حال تیزی سے فاصلے سے کرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ گل جام واقعی ایک خطرناک قبیلہ تھا اور آبادی کے لحاظ سے بھی اچھا خاصا تھا۔ موجودہ گل جام ایک تعلیم یافتہ آدمی تھا اور اس نے بھی غازی شاہ کی طرح باہر کے ملک میں تعلیم حاصل کی تھی جب وہ وطن واپس لوٹا اور اپنے علاقے کا سردار بنا تو اس نے یہاں کے سماجی ڈھانچے میں کافی تبدیلیاں پیدا کیں۔ ان رسومات کو ختم کیا جو جہالت کی پیداوار تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس نے اپنے علاقے میں کچھ اور تبدیلیاں بھی پیدا کیں نتیجے میں چھوٹے چھوٹے قہوہ خانے وجود میں آئے جن میں زندگی کی دلچسپیاں فراہم کر دی گئی تھیں اور اس طرح یہاں کی زندگی میں کچھ خوشگوار تبدیلیاں آ گئیں تھیں۔ یہاں داخل ہونے کے بعد تینوں دوستوں نے ہر طرف کی نگرانی شروع کر دی۔ پھر وہ سب ایک چھوٹے سے قہوہ خانے میں داخل ہو گئے جو بظاہر چھوٹا نظر آتا تھا لیکن اندر سے کافی وسیع اور کشادہ تھا۔ بے فکر لوگ

یہاں کافی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے اور خوش گپیاں کر رہے تھے‘ وہ تینوں بھی ایک میز کے گرد آ بیٹھے اور قہوہ پینے لگے۔ پھر انہوں نے محسوس کیا کہ وہاں کے لوگوں کی توجہ ان کی جانب ہو گئی ہے اور پھر ان میں سے ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھا۔ وہ خاصا دراز قامت تھا اور اچھی خاصی خطرناک صورت تھی۔ ان کے قریب آ کر وہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

’’بابا سائیں! آپ ہمارے علاقے میں آئے ہو‘ اپنے بارے میں معلومات فراہم کرو‘ ہمارا سائیں وڈیرہ گل جام ادھر آنے والے ہر اجنبی کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے‘‘

’’مگر ہم اپنے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہتے‘‘ علی خیر شاہ نے مدھم لہجے میں کہا۔

’’سائیں! ہم آپ سے یہ بات نہ پوچھتے لیکن ایک بار علی خیر گوڑھ میں ہم کسی کام سے گئے تھے‘ وہاں ہم نے آپ کو دیکھا تھا‘ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔‘‘

’’دیکھا تھا؟ پہچان لیا؟ جانتے ہو میرے بارے میں کچھ؟‘‘

’’ہاں سائیں! آپ یقیناً سائیں مکرم شاہ کے بیٹے ہو‘‘

’’تو پھر؟‘‘

’’سائیں! آپ کو ایک بات نہیں معلوم‘ بہت پرانی بات ہے‘ سائیں مکرم شاہ نے ایک مقدمے کا فیصلہ ہمارے خلاف کیا تھا اور اس وقت سے گل جام گوٹھ میں سائیں مکرم شاہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس لئے آپ یہاں سے چلے جاؤ اور خاص بات یہ ہے کہ اس مقدمے کے فیصلے سے جس آدمی کو نقصان پہنچا تھا‘ وہ سائیں کلیم شاہ تھا اور یہ قہوہ خانہ کلیم شاہ کا ہے۔‘‘

’’یہ شخص بے وقوفی کی باتیں نہیں کر رہا؟ اور کیا یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کا منہ توڑ دیا جائے؟‘‘ علی خیر شاہ نے اپنے دوست جمالو کی طرف دیکھ کر کہا‘ اور وہ تینوں اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے‘ وہ کھڑے ہوئے تو پیچھے سے اور بھی چند افراد آ گئے اور ان میں سے ایک نے علی خیر شاہ کی کلائی پر ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن علی خیر شاہ اس کے لئے تیار تھا وہ بھڑک اٹھا اس نے خوں خوار نگاہوں سے خود پر حملہ کرنے والے کو دیکھا اور دوسرے لمحے اس کا اٹھا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ چوٹ کھانے والا اچھلا اور پھر ایک جھٹکے سے پیچھے جا گرا۔ وہاں موجود لوگوں کے حلق سے حیرت آمیز آواز نکل گئی تھی جس شخص کے منہ پر ہاتھ پڑا تھا وہ اچھا خاصا لمبا چوڑا آدمی تھا اور کسی کو اس بات کی توقع نہیں تھی۔ ویسے بھی وہاں کا ایک معزز آدمی تھا۔ لوگ اپنی اپنی

میزوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ ہی اس شخص کے دوسرے ساتھیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن علی خیر شاہ ذرا مختلف قسم کا آدمی تھا اس نے پھرتی سے قدم پیچھے ہٹائے۔ اور اپنا ریوالور نکال لیا اور پھر سامنے والے شخص کے ماتھے کے عین درمیان سرخ رنگ کا ایک سوراخ نظر آیا اور وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اوندھے منہ زمین پر آ گرا۔ قہوہ خانے کے اندرونی حصے سے کلیم شاہ باہر نکل آیا تھا' اس نے جو ہال کے منظر پر نگاہ ڈالی تو اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ اس دوران وزیر بخش اور جمالو نے بھی اپنے اپنے ریوالور نکال لئے تھے اور انہوں نے کئی ہوائی فائر کئے تو کلیم شاہ دوڑتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

''ٹھہرو...... ٹھہرو...... سنو صبر کرو۔ کیا بدتمیزی شروع کر دی تم نے۔ کون ہو تم، مجھے نہیں جانتے۔'' ابھی کلیم شاہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ علی خیر شاہ کے ریوالور سے ایک اور فائر ہوا اور کلیم شاہ کے سینے میں سوراخ ہو گیا۔ علی خیر شاہ پھرتی سے پیچھے ہٹا اور مزید دو گولیاں اس نے کلیم شاہ کے سینے میں اتار دیں۔ اب ہر طرف بھگدڑ مچ گئی تھی اور لوگ ادھر ادھر منہ اٹھائے بھاگ رہے تھے۔ کلیم شاہ زمین پر تڑپ رہا تھا علی خیر شاہ نے کہا۔

''آؤ...... ان لوگوں کو ہمارے بارے میں معلوم ہو گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا یہ تعارف بہت مناسب ہے آؤ...... واپس چلتے ہیں۔'' باہر آ کر انہوں نے اپنے گھوڑے سنبھالے اور پھرتی سے گل جام گوٹھ کی سرحد کی جانب چل پڑے۔ کلیم شاہ نے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا تھا۔ گل جام گوٹھ کے ایک معزز شخص کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ اس کا باپ نعیم شاہ خاصی بڑی زمینوں کا مالک تھا اور گل جام کے بعد اس کی زمینیں یہاں سب سے زیادہ تصور کی جاتی تھیں۔ گل جام سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ باہر بھگدڑ مچی ہوئی تھی اور لوگ ایک دوسرے کو ان لوگوں کے بارے میں بتا رہے تھے۔ بہرحال کلیم شاہ کے باپ نعیم شاہ کو بہت دیر بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کا بیٹا مارا گیا ہے اور اسے مارنے والا علی خیر محمد گوٹھ کا نوجوان ہے۔ بری طرح خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا اور کلیم شاہ کی لاش زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ قہوہ خانے سے تقریباً تمام ہی لوگ بھاگ چکے تھے۔ صرف چند افراد اور ملازمین رہ گئے تھے۔ کلیم شاہ کی موت کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لوگ جانتے تھے کہ نعیم شاہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ ویسے بھی کلیم شاہ اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ حالانکہ کلیم شاہ کی عمر کافی ہو گئی تھی لیکن اب بھی وہ دلیر آدمی تھا اور بے شمار افراد اس کی غلامی میں زندگی گزار رہے تھے۔ نعیم شاہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ حیرانی سے کھڑے کا کھڑا رہ گیا اور اس نے اطلاع دینے والوں سے کہا۔

''تم میں سے کوئی اس قابل نہیں تھا کہ ان لوگوں کو پکڑ سکتا۔ تین آدمی تھے اور تم

لوگ اتنے سارے نکل گئے ہیں وہ نکل گئے ہیں؟'' نعیم شاہ کی مٹھیاں بھینچ رہی تھیں۔ بدن پر ہلکی ہلکی لرزش طاری تھی۔ اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ ''میرا بیٹا...... میرا بیٹا...... ! کیا تمہیں اس بات کا علم ہے؟ کہ میرے بیٹے کو قتل کرنے والے اس زمین پر زندگی نہیں گزار سکتے۔ کون ہے وہ آخر کون ہے؟'' ایک بھونچال تھا کہ جس نے گل جام گوٹھ کو ہلا ڈالا تھا۔ نعیم شاہ دوڑتا ہوا قہوہ خانے پہنچا اس نے اپنے بیٹے کی لاش دیکھی تھی۔

''نہیں چھوڑوں گا میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ ان کے بارے میں مجھے بتاؤ وہ کون تھے؟''

''سنا یہ گیا ہے کہ وہ علی خیر محمد گوٹھ کے مکرم شاہ کا بیٹا تھا۔''

''مکرم شاہ! ٹھیک، مکرم شاہ اور اس کا بیٹا، انتقام لیا جائے گا، اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ شدت سے بدلہ لیا جائے گا۔'' یہ ساری باتیں ہوتی رہیں۔ یہ بات کافی تھی کہ نعیم شاہ کو مکرم شاہ کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی تھی اور صورت حال ذرا مختلف نوعیت اختیار کر چکی تھی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی تدفین کے بعد نعیم شاہ نے اپنے مشیروں کو بلا لیا اور ان سے کہا۔

''میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس معاملے کو پولیس کے سپرد کیا جائے یا پھر اس جھگڑے کا فیصلہ خود کر لیا جائے۔''

''سائیں! پولیس کو آپ اطلاع دو گے افسران بالا آئیں گے اور طرح طرح کی حرکتیں کریں گے۔ ہم کلیم شاہ کا بدلہ لیں گے'' ایک مشیر نے سمجھایا۔

''سائیں! بات خود مکرم شاہ کی نہیں ہے۔ جو کچھ کیا ہے اس کے بیٹے نے کیا ہے اگر ہم صرف اس کے بیٹے تک بات رکھیں تو زیادہ مناسب ہوگا اور اس کے لیے ہمیں قانون کا سہارا لینا چاہیے۔''

''قانون میرے بیٹے کو واپس نہیں کرے گا۔''

''اور اگر ہم نے اپنے طور پر کوئی کوشش کی تو بھی کلیم شاہ واپس نہیں آئے گا۔ سائیں! آپ میری بات مانو کم از کم پولیس کو اس بارے میں اطلاع دے دو۔''

''ٹھیک ہے جاؤ۔ پولیس کو ادھر بلا کر لے آؤ۔''

جو آفیسر یہاں پہنچا یہ وہی تھا جو پہلے قتل کے سلسلے میں خیر علی شاہ کو تلاش کر رہا تھا۔ وہ گل جام گوٹھ پہنچ گیا اور غم میں ڈوبے وڈیرے نعیم شاہ نے اس سے ملاقات کی۔

''سائیں! آپ ان علاقوں میں کچھ نہیں کر رہے ہو اندھیر مچا ہوا ہے۔ لوگوں کی جان و مال خطرے میں ہے، عزت خطرے میں ہے۔ آپ نے جرم کرنے والوں کو آزاد چھوڑ

دیا ہے۔اس سے پہلے کہ ہم اپنی رائفلیں سنبھال کر اپنے دشمنوں کے خاتمے پر تل جائیں۔آپ کو اطلاع دینا ضروری سمجھا گیا ہے۔تاکہ آپ اپنا فرض پورا کرلو۔اگر آپ اپنا فرض پورا نہ کرسکے تو پھر ہم اپنا فرض پورا کریں گے۔''

''سائیں!پولیس آپ کی خادم ہے۔آپ کی خدمت کے لیے سرگرم عمل رہتی ہے۔کیابات ہے؟ آپ ناراض نہ ہوں ہمیں بتائیں۔کوئی تکلیف پہنچی ہے آپ کو۔''

''کیا خبریں ہیں تمہاری،کیا اطلاع رکھتے ہو تم ان علاقوں کے بارے میں،چوکیاں بنا رکھی ہیں تم نے،لوگوں سے پیسہ لے کر کھاتے ہو،کرتے پھرتے کچھ نہیں ہو۔میرا بیٹا قتل کر دیا گیا ہے۔اکلوتا بیٹا؟ میرا سینا انتقام کی آگ سے سلگ رہا ہے۔اس سے پہلے کہ میں علی خیر محمد گوٹھ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں۔میں نے اپنے مشیروں کے مشورے سے قانون کو اطلاع دینا مناسب سمجھا ہے۔سائیں!ایک بات آپ کو بول دوں۔پندرہ دن کے اندر اندر مجھے مکرم شاہ کا بیٹا علی خیر محمد چاہیے۔جس نے میرے بیٹے کو یہاں داخل ہو کر قتل کر دیا ہے۔میرے گھر میں آ کر اس نے میرے بیٹے کو مار ڈالا ہے۔سائیں!اگر پندرہ دن کے اندر آپ نے اسے گرفتار کر کے میرے سامنے پیش نہیں کر دیا تو آپ سمجھ لو اس کے بعد اس علاقے میں امن نہیں رہے گا۔ہم بھی چوڑیاں پہن کر نہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔''پولیس افسر تو علی خیر محمد کا نام سن کر ہی دنگ رہ گیا تھا۔اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

''کیا کیا سائیں!آپ نے،مکرم شاہ کا بیٹا علی خیر شاہ؟''

''ہاں۔اسے پہچان لیا گیا ہے،وہ دو بندوں کے ساتھ ادھر آیا تھا۔میرے بیٹے نے ایک قہوہ خانہ کھولا ہوا ہے۔اس میں داخل ہوا اور لوگوں سے جھگڑا کر کے میرے بیٹے کو قتل کر دیا اور ایک اور آدمی کو ہلاک کر دیا۔دو بندے مار کر وہ یہاں سے اپنے دوستوں کے ساتھ نکل گیا ہے۔''

میرے خدا......میرے خدا......ہم تو خود اس کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔اس نے علی گوٹھ میں ہی ایک بندہ مار ڈالا ہے۔اب وہ تہرے قتل کا مجرم بن چکا ہے۔لعنت ہے لعنت ہے۔کہیں نام ونشان نہیں مل رہا اس کا۔میں تھوڑی سی تحقیق کرنا چاہتا ہوں سائیں۔آپ بے فکر رہیں۔پندرہ دن کا وقت جو آپ نے مجھے دیا ہے۔اس میں بہت کچھ ہو جائے گا۔''پولیس آفیسر تحقیقات کے لیے نکل کھڑا ہوا لیکن اس کا سر بھی چکرا رہا تھا۔اتنے دن سے علی خیر کو تلاش کر رہا تھا۔نام ونشان نہیں ملا تھا۔اب کیا کرتا اور کیسے کرتا۔بات وہی تھی کہ بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے اور کیا نہ کرے۔اس نے سب سے پہلے گل جام گوٹھ میں

قہوہ خانے میں لوگوں کے پاس جا کر اس بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس بات کی مکمل تصدیق ہوگئی کہ قاتل علی خیر شاہ ہی ہے۔چنانچہ پولیس آفیسر نے ایک بار پھر گل جام گوٹھ کے نعیم شاہ سے رابطہ قائم کر کے اسے اطمینان دلایا کہ قاتل کو بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا اور اس کے بعد وہ وہاں سے چل پڑا۔

ان علاقوں میں تعیناتی بعض اوقات عذاب بن جاتی ہے۔یہی کیفیت اس پولیس آفیسر کی تھی۔وڈیروں کے علاقوں میں کسی طرح کوئی مداخلت بھی تو خطرناک ہوتی ہے۔بڑے بڑے المیے ہو چکے تھے۔ان کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔سب ایک جیسے بے شک نہیں ہوتے۔جیسے علی خیر گوٹھ کا مکرم شاہ جو بالکل اللہ میاں کی گائے تھا۔وڈیروں جیسی کوئی بات ہی نہیں تھی اس کے اندر' یہاں تک کہ وہ خود فیصلے نہیں کر پاتا تھا۔علی خیر محمد گوٹھ کے اندر کے معاملات اور اطراف کی کہانیاں اس کے پاس آتی تھیں۔جرگے بیٹھتے تھے اور فیصلے ہوا کرتے تھے۔لیکن اس میں بھی بزرگوں کو پیش پیش رکھا جاتا تھا اور وہی صحیح فیصلے کرتے تھے۔مکرم شاہ صرف ان فیصلوں کی توثیق کرتا تھا اور یہ بات سبھی جانتے تھے کہ وہ کتنا مرنج مرنجان آدمی ہے۔یہی وجہ تھی کہ کیتھرائن کو کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں اور یہ سب بے چارے اس کی چالاکیوں کے جال میں گرفتار تھے اور اس کے خلاف کوئی موثر اور بھرپور کارروائی نہیں ہو سکی تھی۔صحیح معنوں میں بات تو یہ تھی کہ اس کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔صرف ایک شرجیلہ تھی جو اپنے طور پر اس کی کاٹ کر رہی تھی اور بہرحال یہ ایک موثر مدافعت تھی۔غازی شاہ اور کیتھرائن زہر کے خلاف' کیتھرائن بھی کمال شخصیت تھی۔اگر چاہتی تو شرجیلہ کے خلاف اتنا مواد مہیا کر دیتی کہ خود غازی شاہ اپنی ماں کی زندگی کے درپے ہو جاتا' لیکن کئی بار اس نے خود غازی شاہ کو کوئی خطرناک عمل کرنے سے روکا تھا اور اس کی وجہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔وہ سوچتی تھی کہ وہ یہاں تنہا ہے اور بہرحال اگر اس نے ضرورت سے زیادہ خطرناک اقدامات کیے تو اس کے لئے مشکل پیش آ سکتی ہے۔ہر کام آہستہ آہستہ طریقے سے ہوتا ہو تو زیادہ بہتر ہے۔جسم کی مار مارنے کے بجائے عقل کی مار زیادہ موثر ہوتی ہے اور وہ اسی منصوبے پر عمل کر رہی تھی۔

پولیس آفیسر ایک بار پھر علی خیر محمد گوٹھ پہنچ گیا اور اس نے مکرم شاہ سے ملاقات کی' مکرم شاہ نے پولیس آفیسر کو اس خیال کے تحت اپنی قیام گاہ میں بلا لیا کہ ہو سکتا ہے علی خیر کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں لیکن پولیس آفیسر دوسری ہی کہانی لے کر آیا تھا اس نے کہا۔

''سائیں! حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں' ہم تو آپ کے خادم ہیں' لیکن اب ہمیں اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ اس علاقے سے ہماری بدلی ہو جائے گی۔ سائیں! ہمیں تو ڈیوٹی دینی ہے۔ یہاں دیں یا کہیں بھی دیں پر آپ کی نمک خواری سے واسطہ ختم ہو جائے گا۔''

''میں سب سے پہلا سوال تم سے یہ کرنا چاہتا ہوں۔ آفیسر! کہ کیا تمہیں علی خیر محمد کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکی ہیں۔ اگر ایسا ہوا ہے میرے دوست! تو مجھے بتاؤ میں بہر حال اس بدنصیب کا باپ ہوں۔ اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں'' مکرم شاہ ایک سیدھا اور سچا آدمی تھا۔ یہ بات دنیا بھی جانتی تھی اور خود پولیس آفیسر بھی' اسے ایک دم اندازہ ہو گیا کہ ان تمام واقعات کے بارے میں بے چارے مکرم شاہ کو کچھ معلوم نہیں ہے' اس نے افسردگی سے کہا۔

''سائیں! آپ کے لئے بری خبریں ہیں' ابھی تھوڑے دن پہلے علی خیر شاہ' گل جام گوٹھ پہنچا۔ گھوڑے پر تھا' اس کے ساتھ اسی جیسے لمبے چوڑے دو آدمی تھے۔ گل جام گوٹھ میں ایک جاگیردار ہے نعیم شاہ اس کا نام ہے۔ نعیم شاہ کا بیٹا کلیم شاہ ایک قہوہ خانہ چلاتا تھا' یہ تینوں اس قہوہ خانے میں پہنچے اور وہاں جا کر ہلا گلا کیا' تو کلیم شاہ نے علی خیر شاہ کو روکنے کی کوشش کی' نتیجے میں علی خیر شاہ نے وہاں دو بندے مار دیئے جن میں سے ایک نعیم شاہ کا بیٹا کلیم شاہ تھا۔ سائیں کلیم شاہ کے بارے میں پولیس کو یہ شبہات ہیں کہ اس نے بہت سے قتل کئے ہیں' لیکن سائیں ثبوت نہیں چھوڑتا وہ' بہت خطرناک آدمی ہے اس عمر میں بھی بڑے بڑے بندے ہیں اس کے ساتھ' ہم تحقیق کے لئے وہاں پہنچے تو وہاں کی فضا بہت خراب تھی۔ نعیم شاہ نے مجھے پندرہ دن کا وقت دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر پندرہ دن کے اندر اندر اس کے بیٹے کا قاتل گرفتار نہ ہوا تو پھر یہ معاملہ وہ پولیس کے ہاتھ سے نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ سیدھی سی بات ہے خون خرابا ہوگا اور سائیں! ہم آپ کے خادم' آپ کی خدمت کرتے ہیں آپ کے تعاون سے اگر خون خرابا ہوا تو سائیں! ہمارے لئے بھی جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ اب ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم آپ کے وفادار ہیں' سائیں وفاداری تو ہمیں قانون اور حکومت کی ہی کرنا پڑتی ہے' آپ ہمیں یہ بتایئے کہ علی خیر شاہ کی تلاش کے لئے ہم کیا کریں؟''

مکرم شاہ کے پورے بدن میں تھرتھری دوڑ رہی تھی' وہ حیران تھا کہ آخر علی خیر شاہ کن راستوں پر جا رہا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہ بات سامنے آ چکی تھی کہ علی خیر شاہ کا نام گل جام میں خاص طور سے لیا جا رہا تھا۔ بدنامی اپنی جگہ اور ہنگامہ آرائی اور دشمنی اپنی جگہ' وہ

نہیں چاہتا تھا کہ دشمنوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ گل جام گوٹھ کا نیا وڈیرہ گل جام! باہر کا پڑھا لکھا آدمی ہے۔ چالاک ہے' ذہین ہے اور خود گل جام گوٹھ کی کہانیاں مکرم شاہ سن چکا تھا۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا' پولیس آفیسر کی آواز ابھری۔

''اور سائیں! اب سب لوگ ایک ہی شبہ کرتے ہیں کہ آپ کو اپنے بیٹے کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے' آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ قتل کرنے کے بعد وہ کہاں چھپ گیا تھا اور آپ نے اس کی پشت پناہی کی ہے۔ سائیں یہ میرا ہی نہیں سب کا خیال ہے' اب آپ بتاؤ' میں دنیا کو کیا جواب دوں۔'' پولیس آفیسر کے الفاظ نے مکرم شاہ کو طیش دلا دیا' اس نے کہا۔

''کیا کہا تم نے بابا! کہ یہ تمہارا نہیں سب کا خیال ہے' گویا تمہارا بھی یہی خیال ہے؟''

سائیں! کیا کہا جائے ہر جگہ تلاش کیا ہے اسے نہ زمین کھا گئی نہ آسمان' پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے مضبوط پشت پناہی حاصل ہے۔ بڑا سہارا ملا ہوا ہے اسے اور وہ سہارا باپ کے علاوہ اور کس کا ہو سکتا ہے۔''

''تو ٹھیک ہے تلاش کر لو اسے' تمہیں حکومت کس بات کی تنخواہ دیتی ہے' تلاش کر لو اسے''

''سائیں! آپ بتاؤ' وہ کہاں ہے؟''

''یہ تمہارا کام ہے' تلاش کرو اور گرفتار کر لو اسے''

''ٹھیک ہے سائیں! ہم اسے تلاش کریں گے اور گرفتار بھی کر لیں گے' لیکن بات ٹھہرے قتل کی ہے' تین بندوں کے قاتل کو زندہ گرفتار کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسے مردہ بھی گرفتار کیا جا سکتا ہے' چلتے ہیں ہم'' پولیس آفیسر نے کہا اور اس کے جانے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ علی خیر گوٹھ میں خود مکرم شاہ کے زمانے میں اور اس سے پہلے کے زمانے میں بھی پولیس آتی جاتی رہتی تھی' یا اس کی پذیرائی ہوتی رہتی تھی' اس سے تعاون کیا جاتا تھا۔ کسی پولیس آفیسر کی اتنی جرات نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس قسم کی بات کرنے کے بعد اٹھتا' وہ باہر نکلا تو شرجیلہ اندر آ گئی۔ شرجیلہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا' وہ دیر تک خوں خوار نگاہوں سے مکرم شاہ کو دیکھتی رہی۔ پھر بھاری لہجے میں بولی۔

''اور جو کچھ وہ کہہ کر گیا ہے' میں نے سن لیا ہے مکرم شاہ! مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہو رہا ہے' اس کی اتنی مجال کہ وہ ہمارے گھر کے چراغ کو بجھانے کی بات کرے اور ہم خاموش رہیں۔''

''میں حکمراں تو نہیں ہوں' بیگم سائیں! کہ اسے یہاں سے نکال دوں اور اسے اس کی ذے داری پوری کرنے سے روکوں۔ میں بھی تو بابا بس ایک وڈیرہ ہوں' ایک رئیس ہوں۔ اس سے زیادہ ہماری اوقات کیا ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے تم کچھ نہیں کر سکتے نا' اب جو کچھ کروں گی میں کروں گی سمجھے۔''

''بیگم سائیں! آپ ضرور کرو' میں صرف ایک کام کر سکتا ہوں' ایک بیٹا کھو چکا ہوں میں اپنا' بیٹیوں کو لے کر اور اپنی بیوی کو لے کر علی خیر محمد گوٹھ سے نکل جاؤں اور کہیں دو دراز کسی علاقے میں بیٹھ جاؤں۔ کوئی نوکری کر لوں اور زندگی گزاروں' میں اس قابل نہیں ہوں کہ حاکم شاہ اور اپنے باپ کا نام نبھا سکوں۔ بابا میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے۔''

''اور یہ سب کیوں ہوا ہے؟ صرف اس منحوس عورت کے قدموں کی وجہ سے''

''تو بابا آپ پھر اس کو نکال دو' میں انہیں نہیں نکال سکتا' میں انہیں بھی نہیں نکال سکتا۔ یہ زمینیں ان کی ہیں اور اگر آپ نے اسے ان زمینوں سے بے دخل کر بھی دیا تو وہ اتنا بے مایہ نہیں ہے کہ آس پاس کے کسی گوٹھ میں زمینیں خرید کر رہنا نہ شروع کر دے۔ میرے بھائی کی مجھ سے دشمنی ہو جائے گی وہ تو مجھے اپنا دشمن سمجھتا ہے پر میرے دل میں اب بھی اس کے لئے محبت ہی محبت ہے۔''

''مکرم شاہ! جو باتیں تم کر رہے ہو نا یہ صرف اور صرف تمہاری بزدلی ہے اور کچھ نہیں' بہر حال اب جو کچھ کروں گی' میں کروں گی۔''

''میں نہیں جانتا کہ آنے والا وقت کیا فیصلے کرے گا' میں نہیں جانتا۔'' مکرم شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی تھی۔

افریشم شوہر کا دکھ جانتی تھی' معاملات سے کسی نہ کسی طرح متعلق رہتی ہی تھی' ساری تفصیلات اسے بھی معلوم ہو گئیں اور وہ غم و اندوہ میں ڈوب گئی۔ مکرم شاہ جب اس کے پاس پہنچا تو افریشم سر جھکائے بیٹھی تھی۔ مکرم شاہ کو چوٹ سی لگی' اس کی بیٹیاں سو رہی تھیں' افریشم کے قریب پہنچ کر اس نے کہا۔

''افریشم! کیا کہا جائے گا اسے' تقدیر کی بدقسمتی یا حالات کا ستم'' افریشم نے نگاہیں اٹھا کر غم زدہ انداز میں شوہر کو دیکھا اور بولی۔

''آپ بہت پریشان ہیں سائیں!''

''ہاں...... افریشم! اولاد کی محبت بھی دل میں ہے' لیکن اب جو صورت حال ہو گئی ہے' اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اولاد تو میرے ہاتھ سے گئی ہی' لیکن عزت بھی خطرے میں

پڑ گئی ہے۔ اس کا بچنا اب مشکل نظر آتا ہے۔ ایک طرف پولیس اس کی دشمن بن گئی ہے تو دوسری طرف نعیم شاہ' گل جام گوٹھ کا گل جام بہت پڑھا لکھا آدمی ہے اور اگر نعیم شاہ اس پائے کا زمیندار نہ ہوتا تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گل جام کے آدمی گاڑیوں میں بھر کر ہماری حویلی کا گھیراؤ کر لیتے۔ ہم بادشاہ تو ہیں نہیں کہ جو ہمارا دل چاہے کرتے رہیں۔ گل جام ہم پر حملہ کرتا اور نعیم شاہ کی دادرسی کرتا۔ یہ بھی کر سکتا ہے کہ وہ بیٹے کے بدلے میں باپ کو پکڑ کر لے جاتا' میں بھی خیر شاہ کے لئے زندگی قربان کرنے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ علی خیر شاہ میری قربانی سے بچ جائے گا وہ اتنا برا ہو چکا ہے اس نے اتنے فاصلے طے کر لئے ہیں۔ میرے خوابوں میں بھی یہ بات نہیں تھی' نہ جانے ایسا کیسے ہو گیا۔''

''سائیں! چھوٹا منہ بڑی بات ہے' مجھے یہ جملے نہیں کہنے چاہئیں۔ وہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے لیکن کیا کروں کہنا پڑتا ہے سائیں! کہنا پڑتا ہے۔ اب تو میں بھی بیگم سائیں کی اس بات سے اتفاق کرنے لگی ہوں کہ یہ سب کچھ ایک منصوبے کے تحت ہوا۔ ہم سے بدلہ لیا گیا اور اس بدلے کی زد میں ہمارا بیٹا آ گیا۔ سائیں! ہمارا بچہ مصیبت میں گرفتار ہو گیا' اس کی تربیت اتنی غلط کر دی گئی ہے کہ وہ اس کیفیت کا شکار ہو گیا۔''

''آہ...... میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک خواب ہو اور صبح کو جب میری آنکھ کھلے تو میں گہری گہری سانسیں لے کر کہوں کہ کیا ہی بھیانک خواب تھا' کیا دیکھا تھا میں نے۔''

''نہیں سائیں! یہ سب کچھ خواب نہیں ہے' ہم گردش میں ہیں۔ ہمارا بیٹا مشکل میں پڑا ہوا ہے' وہ پولیس والا یہ کہہ کر گیا ہے کہ وہ اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرے گا۔ سائیں! کیا ہم اپنے بیٹے سے محروم ہو جائیں گے' اگر ایسا ہوا ہے تو پھر ان لوگوں نے برا کیا ہے۔ غازی شاہ نے ہمارا بیٹا ہم سے چھین لیا۔'' افریشم زار و قطار رونے لگی۔ اب تک صبر کرتی آئی تھی وہ بھائیوں کے درمیان کبھی دیوار نہیں بنی تھی لیکن آج جگر گوشہ چھین رہا تھا تو رونا تو تھا۔ بہت دیر تک روتی رہی پھر دل کی بھڑاس نکلی تو افریشم نے کہا۔

''اگر کیتھرائن نے مجھ سے میری اولاد چھینی ہے تو اللہ سائیں سے میری دعا ہے کہ اس کی بھی گود ہری نہ ہونے پائے۔''

''نہ کہو' نہ کہو افریشم! یقین کرو غازی شاہ کو بھی میں نے اپنے سینے پر بٹھا کر پروان چڑھایا ہے۔ بڑا برا ہو گیا۔ ایک غلطی کبھی کبھی ساری زندگی پر محیط ہو جاتی ہے' مجھے اسے اکیلا دیار غیر میں نہیں بھیجنا چاہیے تھا اور وہ بھی انگریزوں کی مملکت میں جہاں صرف نفرتوں کے پودے پروان چڑھتے ہیں۔ خاص طور سے ایشیا کے خلاف اور سب سے زیادہ مسلمانوں کے

خلاف چونکہ انہی کے ہاتھوں انہیں زک پہنچی ہے۔ بہت برا ہوا ہے افریشم! بہت برا ہوا ہے۔''
تھوڑی دیر تک مکرم شاہ خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''تم آرام کرو میں چلتا ہوں''

''آج سے افریشم! میں راتوں کو اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر دور دور تک کی نگرانی کروں گا۔ خاص طور سے غازی شاہ کے علاقے کی' اب اس بات کا مجھے یقین ہو گیا ہے کہ غازی شاہ کا اس سے خفیہ رابطہ ہے۔ ضرور غازی شاہ اس کے بارے میں کچھ جانتا ہے' وہ مجھ سے چھپا رہا ہے یہ بات' مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔''

''ایک بات کہوں سائیں! برا تو نہیں مانیں گے۔'' افریشم نے لرزتی آواز میں کہا۔

''اپنا خیال رکھیے' اپنی زندگی بچایئے سائیں! کہیں غازی شاہ کی نفرت آپ سے زندگی نہ چھین لے۔'' مکرم شاہ نے خاموشی سے گردن ہلائی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا گھوڑا رات کی تاریکی میں ایک آوارہ روح کی مانند سنسان ویرانوں میں سبک روی سے سفر کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں دور دور تک رات کی تاریکیوں میں کسی ایسے سائے کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں جس پر علی خیر شاہ کا گمان ہو۔

وزیر بخش' جمالو اور علی خیر شاہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہاں سے دور نکل آئے تھے' ان کا رخ ڈیرے کی جانب ہی تھا لیکن کھدوانا اس وقت بہت برے حالات کا شکار تھا۔ پولیس اس خوف ناک ڈاکو کی تلاش میں بھٹکتی ہی رہتی تھی جس کے سر کی قیمت پچیس لاکھ تھی۔ پولیس کے مخبر جگہ جگہ پھیلے ہوا کرتے تھے اور ابھی تھوڑے دن پہلے پولیس کے افسران بالا کو کھدوانا کے خفیہ ٹھکانے کی اطلاع ملی تھی' چانچہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر کھدوانا کے گھیراؤ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ قرب و جوار کے گوٹھوں میں اور خاص طور سے کچے کے علاقے میں پولیس سادہ لباس میں آہستہ آہستہ جمع ہو رہی تھی۔ اس کے پاس بڑی احتیاط کے ساتھ ہتھیار پہنچائے جا رہے تھے۔ ایسے پرائیویٹ ٹرک حاصل کئے گئے تھے جو سبزیوں کو لانے لے جانے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ یہ ساری حکمت عملی پولیس کے افسران بالا نے طے کی تھی اور اتنی تعداد میں اس کے ڈیرے کے آس پاس کی بستیوں میں پولیس جمع کر دی گئی تھی کہ کھدوانا کے ساتھی اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھے۔ زبردست اسلحہ' دستی بم اور دوسری چیزیں حاصل کر لی گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی فوج کے دو ہیلی کاپٹروں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔ کھدوانا جیسے خطرناک ڈاکو سے نمٹنے کے لئے سارے انتظامات مکمل ہو گئے تھے اور یہ علی خیر شاہ اور اس کے دو ساتھیوں کی صرف خوش قسمتی تھی کہ اس وقت وہ ڈیرے پر موجود نہیں تھے۔ جب پولیس نے

چاروں طرف سے گھیراؤ کر کے ڈیرے پر حملہ کیا۔ کھدوانا اس وقت ڈیرے میں ہی موجود تھا' جب پولیس کی طرف سے پہلی گولی چلی تب ان لوگوں کو پتا چلا کہ پولیس نے گھیرا ڈالا ہے۔ کھدوانا کا پولیس سے کئی بار ٹکراؤ ہو چکا تھا لیکن انتہائی چھوٹے پیمانے پر' وہ اپنے مسلح ساتھیوں کو لے کر باہر نکلا' اس نے چاروں طرف مورچے جمانے کی کوشش کی لیکن اس کے تمام مورچے پولیس کی نگاہوں میں تھے۔ جب اس کے آدمی مورچوں پر بیٹھ گئے تو پولیس نے انہی مورچوں میں سے نکل کر ان پر حملہ کیا۔ کھدوانا کے آدمیوں کے فرشتوں کے بھی علم میں نہیں تھا کہ پولیس ان کے اتنے قریب موجود ہے۔ چنانچہ وہ مار کھا گئے اور اس کے بعد انہیں ہلاک کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوا۔ پولیس کے جوان ٹڈی دل لشکر طرح چاروں طرف سے آگے بڑھے اور کھدوانا کے ڈیرے میں داخل ہو گئے۔ دست بہ دست جنگ ہوئی' خود کھدوانا کے جسم کے بے شمار ٹکڑے فضا میں بکھر گئے۔ دستی بموں کے دھماکوں نے وہاں ایک بھی انسان کو زندہ نہیں چھوڑا۔ سوائے ان کے جو بھاگنے کی کوشش میں گرفتار ہوئے تھے۔ کھدوانا کا سال ہا سال کا جمع شدہ خزانہ پولیس کے ہاتھ آیا اور یہ مہم نہایت شاندار طریقے سے سرانجام پائی' دن کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تھی اور تا حد نظر لاشوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسے عالم میں ایک بلند جگہ جہاں اتفاقیہ طور پر یہ لوگ پہنچے تھے' وہاں سے انہوں نے ڈیرے کا جائزہ لیا اور ایک دم ہی جمالو کی خوفناک لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''رک جاؤ...... رک جاؤ' سائیں علی خیر شاہ! رک جاؤ...... حملہ ہو گیا۔ علی خیر شاہ جی! حملہ ہو گیا۔ ذرا ادھر دیکھو......'' علی خیر شاہ بھی اندھا نہیں تھا۔ پولیس کی زبردست کارروائی وہ بھی دیکھ رہا تھا۔ لاشیں اٹھانے کا کام ہو رہا تھا اور کسی بھی شخص کے زندہ بچ جانے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ ایسی پیمانے پر تباہی ہوئی تھی' علی خیر شاہ حیران نگاہوں سے ادھر دیکھتا رہا پھر اس نے پریشانی سے کہا۔

''پتا نہیں استاد کھدوانا کا کیا ہوا ہے۔''

''جو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں نا سائیں علی خیر شاہ! اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صرف کھدوانا ہی نہیں بلکہ اس وقت ہمارے ڈیرے کا کوئی بھی آدمی زندہ نہیں بچا ہے۔''

''بھاگو...... اگر پولیس کی نگاہ ہم پر پڑ گئی تو معاملہ بڑا خراب ہو جائے گا۔''

''یہ تو ہے...... یہاں سے بھاگو'' اور اس کے بعد انہوں نے یہیں سے اپنے گھوڑوں کا رخ تبدیل کر لیا لیکن اب ان کے ذہن میں کوئی نیا ٹھکانا نہیں تھا۔ کافی دور تک گھوڑے دوڑانے کے بعد جب انہیں تھکن کا احساس ہوا تو وہ ایک سپاٹ میدانی علاقے میں

رکے۔ یہاں درختوں کا نام ونشان نہیں تھا' البتہ اونچے اونچے ٹیلے موجود تھے اور بعض جگہ ان ٹیلوں میں ایسے کٹاؤ تھے جہاں تینوں دھوپ اور گرمی سے بچنے کے لئے آرام کر سکتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسی ہی جگہ انہوں نے گھوڑے روک دیئے۔ جمالو نے تجویز پیش کی کہ یہاں رک کر آرام کرلیا جائے اور بیٹھ کر یہ سوچا جائے کہ اب کیا کریں۔

''استاد کھدوانا کے بارے میں نہیں معلوم کہ ان کا کیا ہوا۔''

''بے وقوفی کی بات ہے' جتنی تعداد میں پولیس موجود تھی اور جس طرح وہ لوگ ڈیروں میں آجا رہے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی زندہ نہیں بچا۔''

''یہ تو ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم لوگ اس طرح آوارہ گردی کے لئے نکل آئے تھے ورنہ ہم بھی انہیں لاشوں میں شامل ہوتے۔''

''ہاں' لیکن اب ہمارے لئے کوئی سر چھپانے کا ٹھکانا نہیں رہا ہے۔''

''علی خیر گوٹھ چلتے ہیں' چچی سائیں! ہم لوگوں کے لئے سارا بندوبست کر دے گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب یہ راستے مخدوش ہیں اس طرح سے سیدھے نہیں جا سکتے کون جانے کب اور کہاں سے ہماری مخبری ہو جائے' وہ جگہ بھی خطرناک ہو جائے گی'' جمالو نے کہا۔

''میں بھی بہت دن سے اپنے گھر نہیں گیا ہوں' استاد کھدوانا کا حکم تھا کہ جب تک بندہ ان کے ساتھ ہے گھربار کو بھول جائے' پہلے اپنا کام کرے اور اس کے بعد گھر کے بارے میں سوچے۔''

''یہ تو اس وقت کی بات ہے' جب وہ زندہ تھے اب کس کا حکم مانو گے'' علی خیر شاہ نے کہا' پھر بولا ''وزیر بخش! تم تو علی خیر محمد گوٹھ میں ہی رہتے ہونا''

''ہاں' سائیں! آپ کو معلوم ہے میرے ماں باپ بھی ادھر موجود ہیں۔''

''تو پھر بتاؤ' کیا کریں؟ دوستیاں ختم کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلیں؟''

''نہیں سائیں! اب یہ دوستی تو زندگی کے ساتھ ہے' بلکہ زندگی پیچھے ہے دوستی آگے ہے''

''تو پھر یہ کرتے ہیں کہ تھوڑے دن آرام کرلیا جائے اور ویسے بھی اب چچی سائیں کا جو کچھ حکم ہوگا وہ تو نہیں جانتی نا کہ کھدوانا اس طرح سے مر چکا ہے۔''

''ہاں' یہ تو ہے''

''تو اپنے اپنے گھروں کو جاؤ اور آرام کرلو''

''ایسا ہی کرتے ہیں سائیں!'' جمالو نے کہا اور پھر وہ لوگ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے' نوجوانی کی عمر تھی۔ بے فکری کی زندگی تھی۔ حالانکہ وہ لوگ جو گھوڑوں پر سوار اس طرف آرہے تھے جب قریب پہنچے تو ان کے گھوڑے زور زور سے ہنہنانے لگے' لیکن ان میں سے کسی کی آنکھ نہیں کھلی' وہ بڑے آرام سے سوتے رہے۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے آنے والوں کو اس طرف متوجہ کر دیا' یہ نعیم شاہ اور اس کے ساتھی تھے جو علی خیر محمد گوٹھ سے مکرم شاہ سے ملاقات کر کے واپس آرہے تھے اور ان کے انداز میں بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ سن کر وہ اس طرف متوجہ ہوئے نعیم شاہ نے کہا۔

''یہ گھوڑے کہاں ہنہنا رہے ہیں'' اس کے ساتھی ادھر ادھر دیکھنے لگے' پھر انہیں وہ کٹاؤ نظر آگیا اور ان میں سے ایک نے کہا۔

''میرا خیال ہے اس طرف کٹاؤ میں کچھ گھوڑے موجود ہیں''

''آؤ دیکھیں......'' نعیم شاہ نے کہا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس جانب چل پڑا۔ وہ سامنے پہنچے تو انہیں گھوڑے نظر آگئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے تین آدمیوں کو سوتے ہوئے دیکھا تو نعیم شاہ نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے تو کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے' پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں''

''کہیں لاشیں تو نہیں ہیں سائیں! لگ رہا ہے لاشیں ہیں یہ''

''مگر کس کی؟'' ان کے گھوڑے آگے بڑھے ابھی وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ لوگ کون ہیں کہ اچانک ہی سونے والے جاگ گئے' سب سے پہلے وزیر بخش کی آنکھ کھلی تھی۔ ہتھیار ان کے پاس موجود تھے' جن حالات میں گزارا کر رہے تھے ان میں ان پر ہمیشہ خون ہی سوار رہتا تھا۔

وزیر بخش نے ایک زوردار آواز حلق سے نکالی اور اس کے ساتھ ہی اس کی رائفل نے دھائیں دھائیں کر کے گولیاں اگلنا شروع کر دیں۔ جمالو اور علی خیر شاہ بھی اٹھ گئے تھے' ادھر نعیم شاہ کے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی موجود تھا جو وزیر بخش کو پہچانتا تھا۔ اس وقت دوبارہ اسے دیکھ رہا تھا' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے کچھ اور بھی یاد آرہا تھا۔ گل جام گوٹھ میں اس نے اس نوجوان کو نہیں پہچانا تھا لیکن اس وقت اس نے اسے پہچان لیا تھا۔ کافی عرصے پہلے کی بات ہے کہ ایک بار وہ گھوڑا منڈی گیا تھا۔ گھوڑا منڈی میں اس نے اس نوجوان کو اپنے باپ کے ساتھ دیکھا تھا۔ ایک گھوڑے کے سلسلے میں بات ہو رہی تھی جسے وزیر بخش بھی خریدنا چاہتا تھا

لیکن اس نوجوان کا باپ اسے خرید لے گیا تھا اور اس کا تعلق علی خیر گوٹھ سے تھا' وہ گھوڑا اس شخص کو بہت پسند تھا اور اس کے اس طرح لے جانے پر اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ اس وقت اس نے وزیر بخش کو پہچان لیا لیکن بے کار' وزیر بخش کی رائفل سے نکلی گولی نے اس کی بغل کے مسلز کاٹ دیئے اور وہ ہائے کی آواز کے ساتھ اپنے زخم پر ہاتھ رکھ کر زمین پر اوندھا ہو گیا اور کچھ لمحوں کے بعد شدت تکلیف سے بے ہوش ہو گیا۔ اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا' بہر حال باقی لوگ' علی خیر شاہ اور ان لوگوں کی گولیوں کا شکار ہو گئے۔

یہ ایک انتہائی دردناک واقعہ تھا۔ نعیم شاہ اپنے بیٹے کی موت کا انصاف مانگنے کے لئے گیا تھا اور خود بھی موت کا شکار ہو گیا تھا لیکن دین محمد زندہ بچ گیا تھا جس کے سینے میں بغل کے پاس گولی تھی تو علی خیر شاہ اور اس کے ساتھی یہی سمجھے تھے کہ وہ بھی ہلاک ہو گیا لیکن وہ بچ گیا تھا اور پھر جب اسے ہوش آیا تو ان تینوں نوجوانوں کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ ان کے گھوڑے بھی غائب ہو گئے تھے اور اس کے پاس نعیم شاہ اور دوسرے لوگوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ دین محمد انتہائی خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے جسم سے کافی خون بہ چکا تھا لیکن وہ ایک باہمت آدمی تھا۔ آدھیڑ عمر تھا لیکن نوجوانی کی عمر میں پہلوانی کرتا تھا۔ آس پاس کے دوسرے لوگوں کو دیکھا' کسی میں زندگی کی رمق باقی نہیں تھی۔ خوف سے اس کا کلیجہ کانپنے لگا' لیکن وہ خود زندہ بچ گیا تھا اور زندگی انسان کو حد سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ بھٹکتی ہوئی نگاہیں' آخر کار ادھر ادھر بکھرے ہوئے گھوڑوں پر پڑ گئیں۔ مالکان مر چکے تھے لیکن گھوڑے وہیں موجود تھے۔ انہوں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی' دین محمد جانتا تھا کہ جس قدر نقاہت اسے ہو گئی ہے اس میں یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ان لاشوں کو اٹھا کر گھوڑوں پر ڈالے اور انہیں گل جام گوٹھ لے جائے لیکن وہ خود کسی نہ کسی طرح ایک گھوڑے کے قریب پہنچا' پھر گھوڑے کی پشت پر پہنچنے میں اسے جن وقتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں انتہائی خوف تھا کہ اگر اسے زندہ دیکھ لیا گیا اور وہ لوگ پھر سے نظر آ گئے تو یقینی طور پر وہ اسے زندگی سے محروم کر دیں گے۔ گھوڑے کی پشت پر اس نے تقریباً لیٹ کر گل جام گوٹھ کا سفر کیا اور بڑی مشکل سے اپنی بستی میں داخل ہوا' حالت کافی خراب تھی اور جو کچھ ہوا تھا وہ انتہائی سنسنی خیز تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر اپنے گھر چلا گیا اور بستر پر لیٹ گیا تو کون جانے زندگی بچ سکے گی یا نہیں۔ چنانچہ وہ سیدھا گل جام کی حویلی پہنچ گیا' گل جام کو صورت حال معلوم ہو چکی تھی' سب سے بڑا وڈیرہ تھا اور اس بات پر ناراض بھی تھا کہ نعیم شاہ اس کے پاس آنے کے بجائے خود ہی سارے معاملے نمٹاتا پھر رہا ہے۔ بہر حال نعیم شاہ بھی زمیندار تھا اور اس کا اپنا بھی ایک مقام تھا اس

لئے آج تک گل جام نے کبھی نعیم شاہ کو کسی بات پر ٹوکا نہیں تھا' لیکن جب اسے دین محمد کے زخمی ہو کر آنے کی اطلاع ملی۔ تو ایک ہمدرد انسان کی حیثیت سے اس نے دین محمد کو اپنے اوطاق کے سامنے طلب کر لیا۔ دین محمد کی کیفیت دیکھ کر وہ ایک دم سنبھل گیا۔

''ارے دینو! کیا ہو گیا رے تجھے' تو تو خون میں ڈوبا ہوا ہے' کیا نعیم شاہ نے تجھے ہی اپنے بیٹے کا قاتل سمجھ لیا۔''

''جام سائیں! میری زندگی تھوڑی دیر کی مہمان ہے' آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔''

''ارے بابا! کیا بتاؤ گے تم لوگ' ہمیں' تم تو خود ہی اپنے سارے معاملے نمٹاتے رہتے ہو ہماری ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ تم اور تمہارا نعیم شاہ' بیٹا مارا گیا ہمارے پاس آنے کے بجائے خود ہی معاملہ نمٹانے کے لئے چل پڑا۔ مرضی ہے اس کی بابا؟''

''نہیں بڑے سائیں! اب وہ اپنی مرضی چلانے کے لئے اس دنیا میں نہیں ہے' جن لوگوں نے کلیم شاہ کو مارا تھا انہوں نے اسے بھی مار دیا اور انہی کی گولی سے میں بھی زخمی ہوا ہوں سائیں! وہ مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے' اگر انہیں ذرا بھی احساس ہوتا کہ میرے اندر ابھی زندگی باقی ہے سائیں! تو مجھے اور بہت سی گولیاں مار دیتے۔ سائیں! میں آپ کو ان کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا وہ بستی علی خیر محمد گوٹھ کا ہی رہنے والا ہے۔ ساری تفصیل دین محمد نے گل جام کو بتائی اور گل جام اس بات پر افسوس کرنے لگا کہ نعیم شاہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ بہر حال یہ ایک دکھ بھری بات تھی اور گل جام کو بھی افسوس ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے بابا! تو جا اور اپنا علاج کرا' ہم دیکھیں گے اس مسئلے کو' اب اس طرح سے تو اپنے گوٹھ میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کرنے والے کو ہم نہیں چھوڑتے اور پھر نعیم شاہ ہمارا اپنا ہی آدمی تھا۔ ٹھیک ہے وہ غلطیاں کرتا تھا لیکن اب اس سے ہمارے سارے جھگڑے ختم ہو گئے۔ کیونکہ وہ اس دنیا میں ہی نہیں ہے۔''

غازی شاہ نے قربان کو اس سے پہلے کبھی اس طرح بوکھلائے ہوئے نہیں دیکھا تھا' علی گوٹھ کے باغ میں اس وقت غازی شاہ باغ کی سیر کر رہا تھا اور اتفاق کی بات تھی کہ اکیلا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کیتھرائن اس کے ساتھ موجود نہیں تھی' بلکہ کیتھرائن باغ میں دوسری سمت نکل گئی تھی اور غازی شاہ اس طرف نکل آیا تھا۔ قربان گھبرایا ہوا سا اس کے سامنے پہنچا تھا اور غازی شاہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''کیا بات ہے قربان! خیر سے تو ہو' کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''سائیں! بہت خاص بات''

''ارے ارے کیا ہے بولو''

''سائیں! کھدوانا پولیس کے ہاتھوں مارا گیا اس کے ڈیرے کے ایک ایک بندے کو پولیس نے بھون کر رکھ دیا۔'' غازی شاہ ایک دم سناٹے میں رہ گیا' کچھ دیر تک تو اس کی آواز ہی نہیں نکل سکی لیکن پھر اس نے بڑی مشکل سے پوچھا۔

''اور علی خیر شاہ!''

''نہیں سائیں! چھوٹے سائیں خیریت سے ہیں زندہ ہی اور گوٹھ مین پہنچ چکے ہیں''

''اوہ'' غازی شاہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا' پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آؤ......بیٹھو' کیتھرائن ابھی اس طرف گئی ہے' مجھے ساری تفصیل بتاؤ''

''سائیں! آپ کو خود بھی ادھر کے حالات سے باخبر رہنا چاہیے' کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ علی خیر شاہ نے گل جام گوٹھ میں داخل ہو کر گل جام کے ایک بڑے زمیندار کے بیٹے کلیم شاہ کو قتل کر دیا تھا؟''

''نہیں مجھے نہیں معلوم'' غازی شاہ نے کہا۔

''سائیں! نعیم شاہ' کلیم شاہ کا باپ ہے' وہ گل جام سے شکایت لے کر آیا تھا اور بڑی دھمکیاں دے کر گیا ہے' سائیں مکرم شاہ کو۔'' غازی شاہ کے وجود میں ایک لمحے کے لئے سرسراہٹ سی پیدا ہوئی' کوئی بھائی کو دھمکیاں دے کر گیا ہے۔ اس بات نے اسے تھوڑا سا متاثر کیا' لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنے جذبات کو سنبھال لیا' سامنے ہی کیتھرائن ٹہل رہی تھی' اس نے کہا۔

''آگے بولو''

''سائیں! آگے کیا بولوں' بس جو تفصیل آپ کو بتا چکا ہوں وہی ہے پر ذرا ہوشیار رہیں' بات آگے بھی بڑھ سکتی ہے''

''خیر دیکھیں گے علی خیر شاہ کو تو بچانا ہی ہے' مگر وہ ہے کہاں؟''

''سائیں! ابھی تھوڑا سا انتظار کر لیں باقی تفصیل آپ کو بعد میں بتاؤں گا''

''ٹھیک ہے خیال رکھنا پوری طرح سے''

''آپ فکر مت کرو سائیں!'' قربان نے کہا اور پھر وہاں سے واپس چلا گیا۔

علی خیر شاہ! علی خیر گوٹھ کی حدود میں داخل ہو چکا تھا' جمالو اپنی بستی چلا گیا تھا' وزیر

بخش اس کے ساتھ ہی آیا تھا' بستی میں داخل ہونے کے بعد وزیر بخش نے کہا۔

''سائیں علی خیر شاہ! میرے بارے میں کوئی یہ بات نہیں جانتا کہ میں کھدوانا کے ساتھ ڈاکوؤں کا کام کرتا ہوں' میرے گھر کے لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ میں کہیں نوکری چاکری کرتا ہوں۔ ابھی سائیں تھوڑے دن تک میں خاموشی سے ادھر وقت گزاروں گا'' آپ بھی اپنے آپ کو حفاظت سے رکھیے' دیکھتے ہیں آگے کی صورت حال کیا ہوتی ہے' اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔''

''ہوشیار رہنا وزیر بخش! اگر اتفاق سے کوئی تم تک پہنچ جائے تو یہ کہنے کی بات نہیں ہے کہ زبان نہیں کھولو گے'' وزیر بخش ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

''سائیں! ایک بات کہیں آپ سے کہ وزیر بخش کو کسی بھی وقت آزما لینا' جان کی بازی لگا کر دوستی کی حفاظت کرے گا' اگر ایسا ہو تو دوستوں میں ماننا' ورنہ سوچ لینا کہ بس کچھ دن کے لئے کوئی ملا تھا۔''

''مجھے تم پر اعتماد ہے' وزیر بخش'' علی خیر شاہ نے کہا اور اپنے گھوڑے کا رخ بدل دیا۔

رات کی تاریکی میں وہ دونوں علی خیر گوٹھ کے علاقے میں داخل ہوئے تھے۔

علی خیر جانتا تھا کہ کیتھرائن کے پاس اس کے لئے خفیہ ٹھکانا موجود ہے' اس خفیہ ٹھکانے میں کسی کا داخلہ ممکن نہیں تھا' وہ ایسے وقت میں پہنچے گا کیتھرائن کے پاس' جب سب آرام کی نیند سو رہے ہوں گے۔ ویسے بھی کیتھرائن کے گھر کی فضا بے حد پراسرار اور رازوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہاں کی باتیں مشکل ہی سے باہر نکل سکتی تھیں' اس لئے اسے پروا نہیں تھی لیکن وزیر بخش کے ستارے کچھ گردش میں تھے' کیونکہ کچھ عرصے سے مکرم شاہ نے گشت کرنا شروع کر دیا تھا اور خفیہ طریقے سے تاریک راستوں پر اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر حالات کی نگرانی کرتا تھا اور اتفاق سے اس وقت جب علی خیر بخش وزیر بخش سے جدا ہو چکا تھا اور وزیر بخش اپنے گھر کی طرف آ رہا تھا۔ دور سے تاریکی میں مکرم شاہ نے اس گھوڑے کو دیکھا جو ٹہلنے والے انداز میں علی خیر گوٹھ کی سرحد سے اندر داخل ہوا تھا اور خاموشی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

مکرم شاہ کے ذہن میں تجسس پیدا ہو گیا' رات کے اس وقت اس شاندار گھوڑے پر سوار ہو کر کون بستی میں داخل ہوا ہے۔ یہ خیال اس کے دل میں آ رہا تھا اور وہ ایک دم سنبھل گیا تھا۔ پھر اس نے انتہائی احتیاط کے ساتھ آنے والے کا تعاقب شروع کر دیا اور پوری ہوشیاری سے آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ گھڑ سوار ایک گلی میں مڑ کر ایک گھر کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ مکرم شاہ کا گھوڑا اتنے فاصلے پر تھا کہ مکرم شاہ اس شخص کی کارروائیوں کو دیکھ سکتا تھا۔

گھوڑے کو ایک ستون سے باندھنے کے بعد گھڑ سوار گھر کے دروازے پر پہنچا۔ دستک دی اور انتظار کرتا رہا پھر اندر داخل ہو گیا' مکرم شاہ کے ذہن میں تجسس کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کافی دیر تک کھڑا وہ اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ کوئی اور کارروائی ہو لیکن یوں لگتا تھا کہ گھڑ سوار اسی گھر کا کوئی فرد ہے اور اب وہ باہر نہیں آئے گا۔ مکرم شاہ نے اس گھر کو اچھی طرح ذہن نشین کیا اور پھر وہاں سے واپس چل پڑا۔ دوسرے دن صبح کو اس نے حمزہ کو اپنے پاس طلب کر لیا اور حمزہ سے کہا۔

''حمزہ! ایک گھر کی نشان دہی کر رہا ہوں تمہیں' مجھے بتاؤ' رات کو وہاں کون آیا ہے؟ اور کون رہتا ہے اس گھر میں؟''

''جو حکم سائیں!'' حمزہ نے گردن خم کر کے کہا' پھر گھنٹے کے بعد اس نے پوری تفصیل بتائی۔

''سائیں! اس گھر میں ریاض بخش رہتا ہے او. ریاض بخش ایک اچھا آدمی ہے' بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہے رات کو آنے والا اس کا بڑا بیٹا وزیر بخش ہے جو حیدر آباد میں کوئی نوکری کرتا ہے۔ یہی سنا ہے اس کے بارے میں کوئی اچھی نوکری کر رہا ہے وہ' رات کو وہی گھوڑے پر آیا ہے۔''

''اصل میں وہ بڑے ناوقت آیا تھا اور اس کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔''

''شریف بچہ ہے سائیں! ہو سکتا ہے گھوڑے کو اس لئے تیز نہ دوڑا رہا ہو کہ آس پاس کے لوگ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سے جاگ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے' بس ایسے ہی میرا دل چاہا تھا کہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں' کیونکہ رات کو میں نے اسے آبادی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا''

''جی سائیں!'' مکرم شاہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا' کبھی کبھی دل میں ایک ہوک سی اٹھتی تھی' ہو سکتا ہے رات کی تاریکیوں میں اس کا لخت جگر بھی سر راہ اسی طرح نظر آ جائے' دل تڑپ اٹھتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ میں اس سے کہوں گا کہ بیٹا! تو میرا سہارا ہے' اس طرح کیوں اپنے آپ کو مجھ سے دور کر لیا' ایسے خیالات جب بھی آتے تھے' آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔

کیتھرائن بے حد چالاک تھی' اسے غازی شاہ پر اعتماد تھا' قربان کو بھی اس نے اپنی دانست میں اپنی مٹھی میں لے لیا تھا اور قربان بھی اس کی وفاداری کا دم بھرنے لگا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ یہاں کیتھرائن سے اندازے کی تھوڑی سی غلطی ہو گئی تھی' قربان تمام تر

حالات میں غازی شاہ کا ہی وفادار تھا۔ کیتھران کے سلسلے میں اگر غازی شاہ کی نظر سیدھی تھی تو قربان علی موقع شناس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ صورت حال کیا ہے' بہر حال قربان تو چلا گیا' کیتھران واپس آئی اور مسکراتی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھنے لگی۔

''قربان کیسے آیا تھا؟'' غازی شاہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر پریشان لہجے میں بولا۔

''بری خبریں لے کر آیا تھا''

''خیر ہے چھوٹے سائیں! کیا بات ہے؟''

''کھدوانا پولیس کے ہاتھوں مارا گیا! اس کے تمام آدمیوں کو پولیس نے بھون کر رکھ دیا۔''

''اور علی خیر......؟'' کیتھرائن نے بے تابی سے پوچھا۔

''نہیں وہ بچ گیا' اس نے بہت خطرناک قدم اٹھایا ہے۔'' غازی شاہ کیتھرائن کو ساری تفصیل بتانے لگا۔ تو کیتھرائن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اس کا مطلب ہے کہ علی خیر شاہ! ہمارے مقصد کی تکمیل کے لئے تیار ہو گیا''

''کیا مطلب؟'' غازی شاہ نے پوچھا۔

کیتھرائن ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی اور کسی سوچ میں ڈوب گئی' پھر اس نے کہا۔ ''ہمیں اب اس کی بھرپور حفاظت کرنی ہے' جس انداز میں اس نے آغاز کیا ہے وہ واقعی قابل تحسین ہے' مگر مجھے افسوس ہے کہ کھدوانا پولیس کا شکار ہو گیا میں تو یہ چاہتی تھی کہ آنے والے وقت میں علی خیر شاہ اس کے گروہ کا سردار ہو' یعنی کھدوانا کی موت کے بعد علی شاہ کی صلاحیتوں کی وجہ سے مجھے اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ وہ کھدوانا کے دل میں اپنا مقام پیدا کرے گا اور کھدوانا خود اسے اپنا جانشین مقرر کرے گا' لیکن بہر حال وہ جو کچھ کر آیا ہے بڑی بات ہے۔''

''گل جام گوٹھ میں خاصی لے دے ہو رہی ہے۔ سائیں' مکرم شاہ کے پاس کلیم شاہ کا باپ نعیم شاہ آیا تھا' خاصے تلخ حالات ہو گئے ہیں۔''

''ویری گڈ...... یعنی کام بڑی خوش اسلوبی سے شروع ہو گیا ہے' ویسے تمہیں ایک بات کی داد دینی پڑے گی۔ غازی شاہ! کہ کیتھرائن جو سوچتی ہے بہت اونچا سوچتی ہے۔''

''ظاہر ہے' اس بات کا گواہ تو میں خود ہوں جو تمہاری اونچی سوچ کی وجہ ہی سے تمہاری غلامی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔''

''غلامی'' کیتھرائن نے تیکھی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا۔

''ہاں تو اور کیا' کیا میں تمہاری غلامی نہیں کرتا بابا! ایک بات تمہاری منہ سے نکلتی ہے' میں اس کی تکمیل کے لئے حاضر ہو جاتا ہوں۔ اب دیکھو نا! تم نے آہستہ آہستہ کر کے سب ہی کو شکست دے دی ہے' کیا تمہاری اس جنگ میں' میں تمہارا سپاہی نہیں ہوں۔'' کیتھرائن نے فوری پینترا بدلا اور مسکرا کر بولی۔

''کیوں نہیں' مگر سپاہی نہیں میرے حکمراں تو تم ہی ہو' غازی شاہ! یہ جنگ میں اپنے لئے نہیں' تمہارے لئے لڑ رہی ہوں۔ کیا سمجھے' مجھے اپنے لئے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں' جب تمہارا دل مجھ سے بھر جائے گا' لندن واپس چلی جاؤں گی اور تمہیں تنگ نہیں کروں گی۔''

''ایسی بات تم نے کیوں کہی کیتھی! کیا تم نے آج تک کبھی میرے اندر یا میری محبت میں کوئی کمی محسوس کی۔''

''یہی تو کہہ رہی ہوں کہ کمی نہیں محسوس کی اگر محسوس کرتی تو تمہیں ذرا بھی پریشان نہ کرتی اپنے لئے۔''

''جانتا ہوں' جانتا ہوں' اچھی طرح جانتا ہوں' ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے''

''ابھی کچھ نہیں' میں انتظار کر رہی ہوں کہ شمیلا اپنے کام سے فارغ ہو جائے' ویسے میں تمہیں بتاؤں غازی شاہ! کہ میں نے تمہاری اجازت کے بغیر بھی کچھ کام کئے ہیں۔''

''میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ کون سے کام کیونکہ تم جو کچھ بھی کرتی ہو میرے ہی لئے کرتی ہو اور اس میں اجازت کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں تو خود تمہیں ہر طرح کی اجازت دے چکا ہوں''

''تمہارا بہت بہت شکریہ' تمہارے اس اعتماد نے ہی مجھے حوصلہ بخشا ہے کہ میں اپنی مرضی سے کوئی بھی قدم اٹھالوں' میں تمہیں شمیلا کے باپ ناگی کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔'' ایک لمحے کے لئے غازی شاہ کا ماتھا ٹھنکا اس نے گہری نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھا۔ اس کے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال گزر رہا تھا کہ کیتھرائن کو کہیں حقیقت تو نہیں معلوم ہو گئی' وہ اسی لئے تو یہ گفتگو نہیں کر رہی لیکن بظاہر کیتھرائن کے چہرے سے ایسی کسی بات کا اظہار نہیں ہوتا تھا، اس نے کہا۔

''اصل میں ناگی ہمارے لئے خطرہ تھا' وہ روایتی قسم کا آدمی ہے جب میں نے پہلی بار اس سے تمہاری شادی کی بات چیت کی تو وہ کہنے لگا کہ پہلے وہ بستی کے لوگوں سے معلومات

حاصل کرے گا۔ ناگی اگر بستی کے لوگوں سے معلومات حاصل کرتا تو سارا کھیل ہی ختم ہو جاتا۔ نتیجے میں اسے اغوا کرانا پڑا اور اس طرح ہم نے اپنا یہ کام کیا۔ میں نے اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ناگی کو زیارتوں کا لالچ دیا جائے گا' یہ روایتی قسم کے بوڑھے اس طرح کی باتوں میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ چنانچہ ناگی کو زیارتوں کے بہانے میں نے یہاں سے بھیجا اور راستے میں اسے قتل کرا دیا۔''

''کیا......؟'' غازی شاہ نے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کیا۔

''ہاں سائیں! یہ بڑا ضروری تھا ورنہ ہم اپنے راز کو کبھی راز نہیں رکھ سکیں گے' میرے ذہن میں ایک مضبوط منصوبہ ہے اور جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا سائیں! کہ شمیلا ہمارے لئے صرف ایک مشین کی حیثیت رکھتی ہے' جب وہ بچہ پیدا کرے گی تو اسے بھی اس دنیا سے رخصت کر دیا جائے گا وہ تو بس ایک ٹیوب ہے جو خالی ہو جانے کے بعد ڈسٹ بن میں پھینک دی جاتی ہے۔ ہم اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا دیں گے اور ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں گے' پھر کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ یہ بچہ میرا نہیں کسی اور کا ہے۔ سائیں! کیا پہنچ سکیں گے یہ لوگ میرے ذہن تک' دماغ رکھتی ہوں۔ دماغ! ویسے سائیں تمہارے دل میں تو اس کے لئے کوئی محبت نہیں پیدا ہوئی؟ ہو جاتا ہے ایسا بھی۔''

''یہ وہ لمحات تھے جب غازی شاہ کو اپنا مستقبل بچانے کے لئے محنت کرنا تھی' کیتھرائن جیسی زیرک عورت کو دھوکا دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔''

''جب تم اس طرح کی باتیں کرتی ہو نا کیتھرائن! تو میرا دل دکھتا ہے جب ہم لوگ انگلینڈ سے واپس آئے تو میرے دل و دماغ میں یہی خیال تھا کہ وہ لوگ میرا نہیں بلکہ تمہارا استقبال کریں گے۔ تمہیں سر آنکھوں پر جگہ دیں گے چونکہ تم میری بیوی ہو اور جب انہوں نے تمہیں تمہارے شایان شان مقام نہ دیا تو میرے اختلافات شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ تم جانتی ہو' صرف یہ کہ میں تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ اولیت دیتا ہوں اور جب تم ایسی باتیں کرت یہو تو مجھے افسوس ہوتا ہے۔''

''نہیں میرے بھولے سائیں! ایسی بات نہیں ہے' میں نے تو لاڈ میں پوچھا ہے تم سے' عورت کی فطرت کو نہیں جانتے' وہ صرف اپنی تعریف سننا چاہتی ہے۔ میں بھی تو عورت ہی ہوں نا۔''

''مگر میں جھوٹی تعریف نہیں کرتا' تم ہو ہی تعریف کے لائق''

باغ سے واپسی ہوگئی اور غازی شاہ شدید پریشانیوں کا شکار ہوگیا لیکن پھر رات کی تاریکی میں علی خیر شاہ گھر واپس پہنچ گیا' اپنے گھوڑے کو اس نے کہیں چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت کیتھرائن سو رہی تھی اور غازی شاہ کیتھرائن سے ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں بے اطمینانی کا شکار ہوگیا تھا' چنانچہ جاگ رہا تھا اور اس کے ذہن میں سناٹے اترے ہوئے تھے' کیتھرائن نے شمیلا کے بارے میں جو الفاظ کہے تھے' وہ دل پر کچوکے لگا رہے تھے۔ ایسا تو کسی طرح ممکن نہیں ہے اور نہ ہی ممکن ہوسکتا ہے' کیونکہ وہ بھی انسان ہے' شمیلا اس کی خلوت میں رہی ہے' اس کے بدن کی راز دار ہے۔ اس طرح تو کسی کو موت کے گھاٹ نہیں اتر جانا چاہیے۔ کیتھرائن نے تو بے چارے بوڑھے ناگی بابا کو بھی زندگی سے دور کر دیا تھا' جبکہ وہ ایک بے قصور انسان تھا اور اسے کسی بھی طرح مجرم نہیں گردانا جاسکتا تھا' پھر وہ کیوں اس طرح زندگی سے محروم ہو۔

وہ باہر نکل آیا تھا' ذہن خاصی الجھن کا شکار تھا کہ اسے علی خیر نظر آیا جو رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر اندر داخل ہوا تھا' غازی شاہ نے اسے پہچان لیا اور علی خیر نے بھی غازی شاہ کو دیکھ لیا اور اس کے پاس پہنچ گیا۔

''چچا سائیں! میں آگیا''

''اندر آؤ' کسی نے تمہیں یہاں آتے ہوئے دیکھا تو نہیں''

''نہیں چچا سائیں! کسی نے نہیں دیکھا''

''آؤ میرے ساتھ آؤ'' یہ کہہ کر غازی شاہ' علی خیر شاہ کو تہہ خانے میں لے گیا۔ یہاں بہت سی تبدیلیاں کر لی گئی تھیں اور کیتھرائن ہی اس سلسلے میں کارروائی کرتی رہی تھی۔ غازی شاہ نے علی خیر شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کہاتم زخمی ہو؟''

''نہیں چچا سائیں! کیوں؟''

''میں ایسے ہی تم سے پوچھ رہا ہوں' تمہارے بارے میں مجھے اطلاعات مل چکی ہیں۔''

''ہاں! چچا سائیں! بے خبر تو تمہیں بھی نہیں رہنا چاہیے' بہرحال کیا اطلاعات مل چکی ہیں۔''

''یہ بتاؤ' تم نے گل جام گوٹھ میں کیا کیا ہے؟''

''دو بندے مار دیئے تھے ادھر' ایک وہاں کے زمیندار کا بیٹا تھا کلیم شاہ نام تھا اس کا' دوسرا کون تھا نہیں معلوم''

''کیوں مارے تھے؟''

''ہاتھ صاف کرنے کے لئے چچا سائیں! ابھی تو زندگی میں نہ جانے کتنے بندوں کو مارنا ہے' لیکن تم یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہو؟'' غازی شاہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے علی خیر شاہ کو دیکھا' جس بے پروائی سے علی خیر شاہ نے انسانی زندگیوں کو ختم کرنے کی بات کی تھی اس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ آنے والے وقت میں کیا ہونے والا ہے' لیکن کیتھرائن بھی تو یہی چاہتی تھی' علی خیر شاہ نے کہا۔

''اس کے بعد میں نے جڑ ہی ختم کر دی' تین بندے اور مارے چچا سائیں! ان میں سے ایک کلیم شاہ کا باپ نعیم شاہ تھا' باقی دو اور تھے''

''ہاں...... راستے میں مل گئے تھے اور ان کے دماغ پر یہ خبط سوار ہوگیا تھا کہ ہمیں گرفتار کرلیں۔ نتیجے میں ہم نے ان کی چھٹی کر دی اور ان کے ساتھیوں کو بھی مار دیا''

''ان کی لاشیں کیا ہوئیں؟''

''سائیں! کھدوانا استاد نے بتایا تھا کہ جنہیں قتل کرو ان کی لاشوں کو نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھو' ہم نہیں جانتے کہ ان لاشوں کا کیا ہوا لیکن ایک بات بڑے افسوس کی تمہیں بتاتی ہے وہ یہ کہ بے چارہ کھدوانا بھی پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔ سارے بندے بھون دیئے گئے اس کے' اگر اس وقت ہم بھی ڈیرے پر موجود ہوتے تو مارے جاتے' لگتا ہے پولیس نے بہت بڑا ریڈ کیا تھا۔'' علی خیر شاہ خالص ڈاکوؤں کی زبان بول رہا تھا' وہی بے پروائی' وہی نڈر پن اس کے چہرے پر تھا' غازی شاہ نے پوچھا۔

''تم اکیلے ہی آئے ہو؟''

''دو بندے اور تھے میرے ساتھ' ایک تو علی خیر گوٹھ کا ہی رہنے والا ہے' دوسرا ایک اور گوٹھ کا' وہ وہاں چلا گیا۔''

''چلو ٹھیک ہے' تم نے رات کی تاریکی میں یہاں آنے کا فیصلہ کر کے ایک اچھا قدم اٹھایا ہے اب تمہیں کچھ دن یہاں قید رہنا پڑے گا' کیونکہ بہت سے لوگ تاک میں ہیں۔''

''جیسا آپ کا حکم چچا سائیں! میں بھی آرام کرنا چاہتا ہوں'' کافی دیر تک غازی شاہ اس سے باتیں کرتا رہا اور اس کے بعد باہر نکل آیا' بہت سی سوچیں دامن گیر تھیں۔ دوسرے دن ناشتا خاموشی سے کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے کیتھرائن کو علی خیر شاہ کے بارے میں بتایا اور کیتھرائن بھی بے چین ہوگئی۔

''کیا واقعی! کہاں ہے وہ؟''

''تہہ خانے میں''

''آؤ......چلو میرے ساتھ چلو''

''نہیں' تم جاؤ میں رات کو بہت دیر تک اس سے بات کر چکا ہوں' مجھے ذرا باہر جانا ہے'' کیتھرائن نے اس کی بات پر کوئی غور نہیں کیا' علی خیر شاہ کی آمد نے اسے خاصا جذباتی کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ تہہ خانے کی جانب بڑھ گئی اور غازی شاہ حویلی سے باہر نکل آیا' اسے قربان کی تلاش تھی۔ بہر حال قربان سے زیادہ راز دار اور وفادار دوسرا کوئی آدمی نہیں تھا' چنانچہ وہ قربان کو تلاش کر کے اس کے پاس پہنچ گیا۔

''قربان!''

''سائیں پر قربان!''

''علی خیر شاہ آ گیا ہے' میں نے اسے محفوظ کر دیا ہے''

''جی سائیں! مجھے معلوم ہے'' قربان نے جواب دیا۔

''ٹھیک' اب میں تم سے ایک خاص بات کرنے جا رہا ہوں' مجھے اس سلسلے میں کوئی بہتر مشورہ دو' اس وقت میں ذہنی طور پر پریشان ہوں''

''حکم سائیں!'' قربان نے مستعدی سے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ کیتھرائن نے ناگی بابا کے قتل کی فرمائش کی تھی تم سے اور اتفاق کی بات ہے کہ تم نے مجھ سے تذکرہ کر دیا۔''

''نہیں سائیں! یہ اتفاق کی بات نہیں ہے' ہمارا اپنا بھی دماغ ہے' تھوڑا بہت تو سوچ سکتے ہیں' اس دماغ سے اور سائیں ضروری تھا کہ آپ کو اس بات کی خبر کو دی جائے' کیونکہ شمیلا بھی آپ کی بیوی ہے''

''ہاں...... میں کیتھرائن سے بہت محبت کرتا ہوں' وہ میری زندگی کی ساتھی ہے' لیکن اسی کے کہنے سے میں نے شمیلا سے شادی کی' وہ جو کچھ چاہتی ہے' قربان تمہارے علم میں ہے' تم واحد آدمی ہو جسے ہم دونوں کے سارے راز معلوم ہیں۔ قربان! ساری باتیں اپنی جگہ مگر میں اپنے بچے سے ناانصافی نہیں کر سکتا' بے شک کیتھرائن اسے اپنی اولاد بنا کر دنیا کے سامنے لائے گی' لیکن پھر بھی یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس کی ماں شمیلا ہے' شمیلا مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے' اب میں اتنا جانور تو نہیں ہوں کہ اس کی محبت کو ٹھکرا کر اسے ہلاک کر دوں۔ کیتھرائن یہی چاہتی ہے قربان! وہ کہتی ہے کہ جیسے ہی شمیلا بچے کی ماں بنے گی' اسے ہلاک کر دیا جائے گا اور بچہ اپنی تحویل میں لے لیا جائے گا' یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ قربان! میں ایسا نہیں چاہتا''

''آپ ٹھیک کہتے ہو سائیں! ساری باتیں اپنی جگہ مگر یہ بڑی غیر انسانی حرکت ہو گی۔''

''قربان! اس سلسلے میں' میں سخت پریشان ہوں۔ میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں''

قربان تھوڑی دیر تک خاموش رہا' سوچتا رہا پھر بولا۔

''سائیں! آسان ترکیب ہے''

''اتنی بڑی مشکل کو تم آسان کہہ رہے ہو قربان!''

''سائیں پر قربان! آپ نے قربان پر اتنا بڑا اعتماد کیا ہے' قربان! جو کچھ کہے گا وہ آپ کے مفاد میں ہو گا سائیں! میں آپ کو ایک بات بتاؤں' آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ نواب شاہ میں میرا گھر ہے' میں نے ناگی بابا کو نواب شاہ پہنچا دیا ہے۔ سائیں! آپ ایک کام کرو' کراچی بہت بڑا شہر ہے' وہاں کسی کا گم ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے' کراچی کے کسی علاقے میں ایک نیا مکان خرید دو' ناگی بابا کو اس مکان میں منتقل کر دو اور پھر جس وقت چھوٹی بیگم سائیں شمیلا کے ہاں ولادت ہونے والی ہو' تو چال چل کر انہیں ایمرجنسی میں کراچی لے جاؤ' جبکہ آپ کراچی میں پہلے ہی ان کا نام کسی ہسپتال میں رجسٹرڈ کرا دو۔ سائیں! آپ کو یہ کرنا ہو گا کہ کسی بھی طرح بیگم سائیں کو ادھر ہی روکو اور انہیں وہاں تک نہ جانے دو' پھر وہاں سے آپ ولادت کے دوران شمیلا بیگم سائیں کی موت کی اطلاع دو اور بچے کو لے آؤ۔ دونوں کام ہو جائیں گے سائیں! ناگی بابا کو بعد میں تھوڑے دن کے لئے زیارتوں پر بھیج دو' تا کہ انہیں بھی شبہ نہ رہے' بلکہ ولادت سے تھوڑے عرصے پہلے ہی بھیج دو اور ادھر سارا انتظام کر دو' ورنہ سائیں میں آپ کو ایک بات بتاؤں اگر کیتھرائن بیگم سائیں! یہ چاہتی ہیں کہ راز داری قائم رہنے کے لئے شمیلا بیگم سائیں کو اس دنیا میں نہ رکھا جائے۔ کیونکہ شمیلا بیگم سائیں بھی اپنے بچے سے دست بردار ہونے پر رضامند نہ ہوں گی۔''

''واقعی میں نے اس بڑی الجھن کے بارے میں نہیں سوچا تھا' یہ تو بہت خطرناک بات ہے' میں نے غور ہی نہیں کیا تھا اس پر' واقعی بچہ ہو جانے کے بعد جب اس بچے کو کیتھرائن کے حوالے کر دیا جائے گا تو شمیلا بھی مجھ سے یہی سوال کرے گی کہ اس کا بچہ کہاں گیا؟''

''سائیں! اس کے لئے مجھے معاف کرنا بڑی بات منہ سے نکال رہا ہوں' شمیلا بیگم سائیں کو آپ یہ اطلاع دو گے کہ بچہ مردہ پیدا ہوا تھا' اسے دفن کر دیا گیا۔'' غازی شاہ منہ کھول کر رہ گیا تھا' اس کے دل پر چوٹ سی لگی تھی لیکن صورت حال ہی ایسی تھی وہ الجھن میں پڑ گیا تھا لیکن قربان کی باتیں اسے سو فیصدی درست لگ رہی تھیں اس کے علاوہ اور کچھ کیا بھی نہیں جا

سکتا تھا۔ان باپ بیٹی کی زندگی بھی اسی طرح بچائی جا سکتی تھی۔

''واقعی یہ سب کچھ کرنا ہی پڑے گا'' اس نے قربان سے کہا ''قربان! بچے کی ولادت میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا' تم ایسا کرو کہ کراچی جا کر نا گی بابا کو زیارتوں پر بھیجنے کے انتظامات کر دو' اخراجات کی بالکل پرواہ نہ کرنا اس کے علاوہ کسی اچھی جگہ ایک مکان خرید لو' کچھ ملازم وغیرہ اس کی صفائی ستھرائی پر لگا دو۔یہ سارے کام تمہیں کرنے ہیں' میں تمہاری ہی ہدایت پر عمل کروں گا۔''

''جو حکم سائیں'' قربان نے گردن جھکا دی تھی۔

❁......❁......❁

مکرم شاہ اس معاملے میں اپنے آپ کو ایک بالکل ہی ناکام آدمی سمجھتا تھا اور کتنی ہی بار اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ علی خیر گوٹھ کی سرداری چھوڑ دے اور کسی اور کو اس جگہ مقرر کر دے۔غازی شاہ کے لئے دل بار بار چاہتا تھا کہ اپنی ذمے داریاں اس کے شانوں پر رکھ دے لیکن شرجیلہ اس سلسلے میں سب سے بڑی مخالف ثابت ہو سکتی تھی۔اسے مکرم شاہ سے شدید اختلاف تھا۔بلکہ ایک بار اس نے افریشم سے اپنے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا۔اس نے کہا تھا۔

''مکرم شاہ! اتنا شریف ہے کہ اس دور کے لیے اتنے شریف لوگ بالکل ناکام ثابت ہوتے ہیں۔یہ دور تو ایسا ہے افریشم کہ انسان کو ہر طرح کے حالات سے باخبر رہنا چاہیے۔ورنہ دشمن کبھی نہیں چھوڑتا۔مجھے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مکرم شاہ کو میں اس قابل نہیں سمجھتی کہ وہ علی محمد گوٹھ کے مسائل کو حل کر سکے۔سب سے بڑا مسئلہ تو خود غازی شاہ کا ہے۔اس لیے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ مکرم شاہ سے اختیارات لے کر غازی شاہ کو سونپ دیے جائیں۔میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔'' افریشم بے چاری بھلا اس سلسلے میں کیا سمجھا سکتی تھی۔بہر حال مکرم شاہ اپنے ہی مسئلے میں گرفتار ہو چکا تھا۔پچھلے دنوں جس طرح کے واقعات پیش آئے تھے۔شرجیلہ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب وہ خود اس سلسلے میں قدم اٹھائے گی۔اب یہ پتا نہیں کہ شرجیلہ اس سلسلے میں کیا قدم اٹھانا چاہتی تھی۔البتہ شرجیلہ کے اپنے احساسات اس سلسلے میں بہت شدید تھے۔اس کے ہاتھ میں اب کچھ بھی نہیں رہا تھا۔وہ چند افراد جو اس کے لیے کام کرتے تھے۔کیتھرائن کی سازش سے اس سے دور ہو گئے تھے۔سب سے بڑ دکھ اسے بچل کا تھا۔بچل کو اس نے زندگی بچانے کے لیے یہاں سے نکال دیا تھا اور اب بچل کا کوئی پتا نہیں تھا۔سکھا واں اور اس کے ساتھی' دوسرے چند کردار سارے کے سارے کیتھرائن کی بھینٹ چڑھ گئے تھے اور اب شرجیلہ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اپنا یہ کام پورا کر سکے۔پھر اس کے دل میں ایک خیال آیا۔گوٹھ سلامو اس کا میکہ تھا۔ماں باپ تو بے چارے کب کے مر چکے تھے لیکن

گوٹھ سلامو میں اور بہت سے عزیز و اقارب تھے۔ اکثر شرجیلہ کے چچا، تایازاد بھائی وغیرہ اس سے ملنے کے لیے آتے جاتے رہتے تھے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ برسوں سے وہ گوٹھ سلامو نہیں گئی تھی۔ اپنے ہی مسائل پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ ان دنوں وہ سنجیدگی سے گوٹھ سلامو جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی اور پھر اس نے مکرم شاہ کو بلا بھیجا۔

''مکرم شاہ! میں بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ کچھ دن کے لیے گوٹھ سلامو جانا چاہتی ہوں۔''

''بیگم سائیں! آپ حکم کرو۔ جب آپ حکم کرو میں انتظام کر دوں گا۔'' شرجیلہ نے نگاہیں اٹھا کر مکرم شاہ کو دیکھا اور بولی۔

''پر تم جتنی تیزی سے بوڑھے ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں اس کا احساس ہے۔'' مگر مکرم شاہ کے ہونٹوں پر ایک دکھ بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

''بیگم سائیں! عمر تو بڑھ رہی ہے نا۔''

''اتنی بھی نہیں بڑھ رہی مکرم شاہ! دیکھو بیٹا ایک بات کہوں تم سے۔ اولاد اور والدین کا عجیب رشتہ ہوتا ہے۔ بچپن ہوتا ہے تو ماں باپ ہر سمت دکھاتے ہیں ادھر دیکھو بیٹا! وہ دیکھو وہ سورج ہے۔ وہ چاند ہے۔ وہ درخت ہے۔ وہ پھل ہے۔ وہ اندھیرا ہے۔ وہ اجالا ہے اور بچے گردن ہلاتے جاتے ہیں۔ بڑے ہوتے ہیں تو سوچتے ہیں سب کچھ سمجھ لیا ہے انہوں نے۔ میں سمجھتی ہوں انہیں ایک بات اور سوچنی چاہیے۔ وہ یہ کہ ان کے ماں باپ ان سے عمر میں جتنے زیادہ آگے ہوتے ہیں۔ اتنا ہی ان کا تجربہ بھی ان سے آگے رہتا ہے۔ ان کے تجربے ختم نہیں ہو جاتے بیٹا! بڑھتے رہتے ہیں اور دنیا کا ہر مفکر اور محقق یہ بات کہہ چکا ہے کہ تجربہ صرف اور صرف عمر دیتی ہے۔ بے شک کچھ لوگوں کو زندگی کی ٹھوکریں زیادہ ہوشیار کر دیتی ہیں لیکن اس کے باوجود عمر کی برتری قائم رہتی ہے اور عمر جو تجربہ دیتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ میں تم سے صرف یہی کہنا چاہتی ہوں مکرم شاہ! کہ تم اگر اسی سال کے بھی ہو جاؤ اور میں زندہ رہوں۔ تو میرا تجربہ تم سے بیس سال آگے رہے گا اور اسے تم چیلنج کر ہی نہیں سکتے۔''

''میں جانتا ہوں بیگم سائیں۔''

''تو پھر تم نے یہ کیوں نہیں مانا کہ علی خیر محمد کو مکمل طور پر غازی شاہ کی تحویل میں نہیں دینا۔''

''بیگم سائیں! جس وقت میں غازی شاہ کو یہ اطلاع دینے گیا کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ تو وہ مٹھائیوں کا ٹوکرا رکھے میرے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی خوشی میں مٹھائیاں بانٹ

رہا تھا۔ بیگم سائیں! جب وہ پیدا ہوا تھا تو میرا دل بھی یہی چاہتا تھا۔ مجھے اپنی چاہت کا وہ منظر یاد آ گیا۔ میں کیسے منع کرتا اسے۔ آپ خود سوچو بھائی ہے وہ میرا اور بھی برا ہو جائے۔ میری اس سے محبت تو کم نہیں ہو سکتی بیگم سائیں!''

''میں مانتی ہوں۔ مگر اسے غازی شاہ کی تحویل میں دینے کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اسے کیتھرائن کی تحویل میں دے دیا اور ایسا ہی ہوا ہے۔ میرا بیٹا اتنا برا انسان نہیں ہے لیکن ہر گزرنے والا دن اسے برا بنا رہا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔ ہر گزرنے والا دن اسے برا بنا رہا ہے۔ کیونکہ وہ کیتھرائن کی صحبت میں ہے۔ ارے تم کیا سمجھتے ہو مکرم شاہ! کیتھرائن غازی شاہ کے پیار میں ڈوب کر نہیں آئی۔ وہ انگریز زادی ہے اور انگریز ہماری قوم سے ہمیشہ سے نفرت کرتے ہیں۔ بات صلاح الدین ایوبی کے دور کی ہی نہیں ہے۔ نہ جانے کب سے ان کے دلوں میں ہمارے لیے کینہ ہے۔ وہ سب کے دوست ہو سکتے ہیں ہمارے نہیں اور علی خیر محمد گوٹھ تو ویسے بھی انگریزوں کے لیے توپ کا دہانہ رہی ہے۔ وہ اس سے نفرت نہیں کریں گے تو کیا کریں گے اور یہ انگریز لڑکی یہ بھی جانتی ہوگی۔ اپنے ماں باپ کی تاریخ۔ یہ کبھی ہماری دوست نہیں ہو سکتی۔ مگر بیٹے! والدین بعض جگہ بالکل بے بس اور مجبور ہوتے ہیں۔ اپنی اولاد پر مکمل اختیار ہوتا ہے انہیں لیکن پھر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے شرمندہ ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ اختیار ان کے پاس نہیں رہتا۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ آہ کاش! میں علی خیر محمد کو کیتھرائن سے بچا سکتی اور دیکھ لو آج میرا تجربہ زیادہ طاقتور ہے۔''

مکرم شاہ کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ ماں جو کچھ کہہ رہی تھی وہ بالکل سچ تھا۔ پتا نہیں چل سکا کہ کس طرح علی خیر محمد طوطے کی طرح ہاتھ سے اڑ گیا اور اب باپ کی نگاہیں ہر طرف گردش کر رہی تھیں۔ مگر بیٹے کا کوئی پتا نہیں تھا۔ طرح طرح کے خوف اور وسوسے بھی دل میں تھے۔ علی خیر محمد اگر پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو اسے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ اگر ایک قاتل کی زندگی محفوظ بھی کر لی۔ تو گوٹھ والے کیا کہیں گے۔ گوٹھوں کے لوگ اس بے داغ خاندان پر کیسے کیسے انگلیاں اٹھائیں گے۔

شرجیلہ نے گوٹھ سلامو جانے کی تیاریاں کیں اور اس کے بعد شرجیلہ روانہ ہو گئی لیکن مکرم شاہ کے دل میں الجھنیں پروان چڑھتی رہیں۔ اپنے طور پر وہ کام کر رہا تھا۔ وہ رات نہ جانے کیوں اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ حمزہ نے وزیر بخش کے بارے میں تفصیل بتائی تھی لیکن وزیر بخش کا جو انداز تھا وہ مکرم شاہ کو کچھ بہتر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا بھی بہر حال کچھ نہ کچھ تجربہ تو تھا ہی۔ اس نے مزید کچھ افراد کو منتخب کیا اور انہوں نے تحقیقات شروع کر دیں کہ وزیر

بخش کہاں نوکری کرتا ہے۔کوئی دو ہفتے کی کوششوں کے بعد مکرم شاہ کو پتا چلا کہ وزیر بخش کہیں نوکری نہیں کرتا۔اس کی سرگرمیاں پراسرار ہیں۔تھوڑے ہی عرصے پہلے کی بات ہے کہ وزیر بخش کے باپ ریاض بخش کے ہاں دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے پکتی تھی۔لیکن اب ریاض بخش کا گھر ہر وقت جگمگاتا نظر آتا تھا۔اس میں کافی توسیع بھی ہو چکی تھی۔ریاض بخش نے قرب وجوار کی زمینیں بھی خرید لی تھیں اور اس پر احاطہ بنوالیا تھا۔یہ ساری ترقی اسے بیٹے کو نوکری کے باعث ملی تھی لیکن اب پتا چلا تھا کہ بیٹے کی کوئی نوکری ہی نہیں ہے۔تو پھر کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔کچھ نہ کچھ ہے۔آخر کار اس نے انتظامات کیے اور حمزہ سے کہا۔

''حمزہ! کام کرنا ہے ایک۔''

''جی سائیں حکم۔''

''اس لڑکے کو خفیہ طریقے سے گرفتار کر لینا ہے۔''

''کس لڑکے کو سائیں؟''

''وزیر بخش کی بات کر رہا ہوں۔''

''جی سائیں۔''

''اور اسے گرفتار کر کے کالی گڑھی لے جانا ہے۔کالی گڑھی کے تہہ خانے میں اسے بند کر دو اور بندے لگا دو۔حفاظت ضروری ہے۔''

''جو حکم سائیں۔'' حمزہ نے حیران لہجے میں کہا۔

کالی گڑھی کی حویلی بھی علی خیر محمد گوٹھ سے زیادہ دور نہیں تھی۔یہ ایک زرعی علاقہ تھا اور یہ کالی گڑھی کی حویلی بھی بہت عرصے پہلے خریدی گئی تھی۔غالباً اس لیے کہ اس سے قرب وجوار کی زمینوں کا جائزہ لیا جاتا رہے۔اس سلسلے میں یہ بہترین جگہ تھی۔ایسی ایک ہی جائیداد نہیں تھی۔علی خیر گوٹھ کے گرد و نواح میں بے شمار جائیدادیں بکھری پڑی تھیں اور کہیں کہیں اس میں سے کچھ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا۔بہر حال یہ ساری کارروائی مکرم شاہ کے حکم پر عمل میں آرہی تھی۔حمزہ بھی مکرم شاہ کے وفاداروں میں سے تھا۔حالانکہ ریاض بخش بہت شریف آدمی تھا اور وزیر بخش کے بارے میں بھی کوئی ایسی ویسی بات نہیں معلوم ہوئی تھی لیکن مکرم شاہ کا حکم بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔

حمزہ گردش کرنے لگا اور اس نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ بنا لیا کیونکہ وزیر بخش بھی بے وقوف تو نہیں تھا کہ آسانی سے اسے اپنے جال میں پھانسا جاسکتا۔پھر جب وزیر بخش اسے اپنے گھوڑے پر جاتا ہوا نظر آیا تو حمزہ بھی گھوڑا دوڑاتا ہوا وزیر بخش کے پاس پہنچ گیا۔

''ادا سائیں! کدھر۔'' حمزہ نے وزیر بخش کو مخاطب کہا اور وزیر بخش نے اسے سلام کر ڈالا۔

''وعلیکم السلام۔کہو وزیر بخش کاروبار کیسا چل رہا ہے تمہارا؟''

''بس بڑے سائیں! آپ لوگوں کی دعاؤں کا طفیل ہے۔گزر بسر ہو رہی ہے۔''

''کدھر نکل کھڑے ہوئے؟''

''بس ایسے ہی سائیں! چھٹی پر آیا ہوا ہوں۔اب کے لمبی چھٹی لی ہے۔اپنا گاؤں، اپنا علاقہ تو محبت والا ہوتا ہے۔گھومنے پھرنے نکل جاتا ہوں۔کئی دن سے گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔آج سوچا کہ ذرا تھوڑی سی سیر کروں۔''

''اپنے گوٹھ سے دور رہ کر اپنے گوٹھ سے جو محبت ہو جاتی ہے۔اس کا تجربہ تمہیں اچھی طرح ہو گا وزیر بخش۔''

''کیوں نہیں سائیں! کیوں نہیں۔'' یہ گفتگو کرتے ہوئے حمزہ نے اپنے گھوڑے کو آگے رکھا تھا۔وزیر بخش بھی اس کے ساتھ ہی آرہا تھا۔حمزہ نے کہا۔

''بہر حال علی خیر محمد گوٹھ میں جو اچھے بچے تصور کیے جاتے ہیں تم ان میں سے ایک ہو۔میرا خیال ہے سائیں ریاض بخش بڑے خوش نصیب انسان ہیں کہ انہیں تم جیسا بیٹا ملا ہے۔''

''محبت ہے سائیں آپ کی کہ آپ اس طرح سوچتے ہو۔'' وزیر بخش نے کہا۔

دونوں باتیں کرتے ہوئے کافی دور نکل آئے۔تو وزیر بخش چونک کر بولا۔''سائیں! آپ کسی کام سے جا رہے ہو۔''

''ہاں! ذرا کالی گڑھی والی حویلی تک جانا ہے۔آجاؤ، ابھی واپس آجاتے ہیں۔اگر تمہیں کوئی ضروری کام ہو تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''نہیں سائیں! میں نے آپ کو بولا نا کہ میں تو سیر کرنے کے لیے ہی نکلا تھا۔'' وزیر بخش نے کہا۔حمزہ دل ہی دل میں مطمئن ہو گیا۔کالی گڑھی میں جو حویلی تھی اس میں کئی افراد موجود تھے۔چار آدمیوں کو اس سلسلے میں ہدایت کر دی گئی تھی کہ جب بھی حمزہ، وزیر بخش کو لے کر وہاں آئے۔وہ لوگ حمزہ کے کہنے کے مطابق عمل کریں اور حمزہ اس وقت وزیر بخش کو پوری طرح شیشے میں اتارے ہوئے تھا۔چنانچہ وزیر بخش کسی شبے کے بغیر حمزہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔حمزہ نے کہا۔

''مالک کی رازداری بھی بڑی ذمے داری کی چیز ہوتی ہے۔کالی گڑھی کی حویلی میں

کچھ ایسا سامان رکھا ہوا ہے جس کے بارے میں پتا نہیں وہ کیا ہے۔ اب سائیں مکرم شاہ! مجھ پر بڑا اعتبار کرتے ہیں۔ کہنے لگے۔ تمہیں وہیں جا کر معلوم ہو جائے گا۔ وہ لینے کے لیے نکلا ہوں۔''

''ایسا کون سا سامان ہے سائیں۔ جس کے بارے میں آپ کو بتایا نہیں گیا اور جو پرانی حویلی میں رکھا ہوا ہے۔''

''یہ تو اب دیکھ کر ہی معلوم ہوگا۔''

''سائیں! اگر آپ میری موجودگی مناسب نہ سمجھو تو مجھے چھوڑ دو۔''

''نہیں نہیں۔ جب مجھے یہ پتا نہیں ہے کہ وہ سامان کیا ہے۔ تو راز داری کا کیا سوال ہے۔ ہاں سائیں مکرم شاہ! اگر مجھ سے کچھ کہتے تو بات دوسری تھی۔'' وزیر بخش خاموش ہو گیا۔ آخر کار وہ کالی گڑھی کی حویلی پہنچ گئے۔ گھوڑے باہر تھان پر باندھے گئے۔ حویلی میں موجود چاروں ملازموں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا گویا حمزہ شکار گھیر لایا تھا۔ حمزہ آگے بڑھا اس نے وزیر بخش کو وہیں رکنے کے لیے کہا اور چاروں ملازموں کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے ملازموں سے کہا۔

''ہاں۔ میں اسے لے کر تہہ خانے میں جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے کہا ہے کہ مجھے کچھ سامان اٹھانا ہے۔ تم لوگ پیچھے پیچھے آ جاؤ اور ہوشیاری کے ساتھ۔ ویسے مجھے پتا ہے کہ اس کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے سائیں! آپ بالکل بے فکر رہو۔'' پھر حمزہ نے ہاتھ کے اشارے سے وزیر بخش کو قریب بلایا اور بولا۔

''آ جاؤ۔ وزیر بخش! اب یہاں تک آئے ہو تو تم سے کیا پردہ ہے۔ سنا ہے کوئی وزنی چیز ہے۔'' وزیر بخش اب بھی کسی شبے کا شکار نہیں ہوا تھا۔ وہ پرانی حویلی میں آگے بڑھتا رہا پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اسے پرانی حویلی کہا جاتا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جتنی مضبوط ہے۔ ابھی تو سینکڑوں سال تک اتنی ہی مضبوط رہے گی۔ پرانی تعمیر کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ویسے ایک بات ہے یہ حویلی جس طرح کی بنی ہوئی ہے۔ اسے تو ڈاکوؤں کا گڑھ ہونا چاہیے۔ ڈاکو یہاں بڑے آرام سے رہ سکتے تھے۔''

''ڈاکوؤں کی یہاں گنجائش نہیں ہے وزیر بخش! کیونکہ سائیں مکرم شاہ کے ہاتھ اتنے بھی چھوٹے بھی نہیں ہیں۔''

''میں نے تو ایک مثال دی تھی۔'' وزیر بخش ہنسنے لگا۔ پھر جب حمزہ وزیر بخش کو لے کر تہہ خانے میں اترا۔ تو وزیر بخش نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

''بڑی خطرناک جگہ ہے یہ تو سائیں!'' تہہ خانے میں پہنچنے کے بعد وزیر بخش نے چاروں طرف دیکھا اور بولا۔ ''اوے ہوئے' ہوئے' ہوئے۔ یہ تو لگتا ہے جیسے کوئی اذیت گاہ ہے۔ سائیں مکرم شاہ تو اس طرح کے وڈیرے نہیں ہیں۔ جیسے نظر آتے ہیں لیکن یہ اذیت گاہ یہاں کیوں ہے۔ کیا اسے استعمال بھی کیا جاتا ہے۔''

''اب تک تو نہیں کیا جاتا تھا لیکن اب شاید استعمال کیا جائے۔'' حمزہ کا لہجہ بدل گیا۔ وزیر بخش چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''وہ سامان کدھر ہے؟''

''ابھی جو لوگ آ رہے ہیں وہ ہماری رہنمائی کریں گے۔''

''میں سمجھا نہیں سائیں۔'' وزیر بخش نے کہا کہ اور اسی وقت اس نے چاروں ملازموں کو دیکھا۔ وہ قریب آ گئے تھے۔ پھر اچانک ہی وہ وزیر بخش پر حملہ آور ہو گئے۔ انہوں نے اس طرح اچانک وزیر بخش پر حملہ کیا تھا کہ وزیر بخش اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکا۔ وہ اپنے ساتھ لوہے کی ایسی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں بھی لائے تھے۔ جو انسان کو ایک لمحے کے اندر مفلوج کر دیتی ہیں۔ وزیر بخش تو شدید حیران رہ گیا تھا۔ لیکن جب تک وہ کچھ کرتا اس اس کے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھ لوہے کی گرفت میں آ گئے تھے۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے حمزہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''سائیں حمزہ! یہ سب کیا ہے۔؟''

''بابا سائیں! یہ حمزہ کی مجبوری ہے میرے کو معاف کرنا۔ میں تو غلام ہوں سائیں مکرم شاہ کے حکم سے تمہیں یہاں لایا ہوں۔ سائیں مکرم شاہ جانیں اور تم۔'' وزیر بخش کو موٹی زنجیر کے ذریعے ایک دیوار سے منسلک کر دیا گیا۔ پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ حمزہ نے ان لوگوں کو حکم دیا جو یہاں موجود تھے۔

''جس وقت تک سائیں مکرم شاہ وزیر بخش سے ملاقات نہ کر لیں۔ تم اس کے ہاتھ پاؤں نہیں کھولو گے۔ لیکن خبردار! اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کھانا' پینا' چائے جو کچھ بھی یہ مانگے اسے دیا جائے۔ آرام کرنے کے لئے یہ جگہ ٹھیک ہے۔ اپنے ہاتھ سے کھلاؤ پلاؤ گے تم اور وزیر بخش میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے بابا۔ پر وڈیرے کا حکم۔ جیسا وہ بولتے ہیں ہمیں ویسا ہی کرنا پڑتا ہے۔''

"مکرم شاہ نے اچھا نہیں کیا ہے۔ زندہ رہا تو نقصان پہنچاؤں گا اسے۔"

"سائیں! یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ آؤ......" حمزہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور اس کے بعد تہہ خانے سے باہر نکل گیا۔

......☆......☆......☆......

ہر انسان کا اپنا ایک ماضی ہوتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ جو پیچھے رہ جاتا ہے وہ بہت دلکش ہوتا ہے۔

"شرجیلہ! اپنے میکے سے دور ہو چکی تھی اور یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اتنا عرصہ ہو گیا تھا کہ اب میکے کے بہت سے نقوش ذہن سے نکل گئے تھے اور جب وہ یہاں آئی تھی تو پرانی یادیں اس طرح تازہ ہوتی تھیں کہ دل میں ہوک سی اٹھتی تھیں۔ آئی اسی غرض سے تھی کہ یہاں سے اپنے لیے کچھ ایسے سمجھدار ہمدرد تلاش کر لے۔ جو کیتھرائن کے خلاف محاذ میں اس کا ساتھ دے سکیں۔ لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ بڑی گہرائی کے ساتھ ہر چیز کو دیکھنا تھا۔ رشتے دار اسے دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئے تھے۔ ویسے بھی وہ ان کے لیے کافی تحفے تحائف لائی تھی اور تحفے بہرحال اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس نے یہ تحفے تقسیم کر دیے تھے اور گہری نگاہوں سے یہ جائزہ لے رہی تھی کہ کون کون اس کے کام کا بندہ ہو سکتا ہے لیکن ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے دل میں بچپن سے لے کر جوانی تک کی یادیں اور ان کے بعد اس وقت تک کی کہانیاں کروٹیں بدل رہی تھیں۔ جب تک وہ یہاں رہتی تھی۔ ان میں بہت سے نام تھے۔ بہت سی جگہیں تھیں۔ خاص طور پر وہ مکان جہاں اس کی جوانی کے بہت سے دن نقش تھے۔ اس مکان میں درخت ہی درخت تھے اور ان درختوں میں جھولے پڑے رہا کرتے تھے۔ خاص طور سے اسے اپنی ایک سکھی سمو یاد تھی۔ سمو اس کی بہت ہی گہری دوست تھی۔ اس مکان کے برابر ہی اس سمو کا مکان تھا۔ اس کی شادی ہو چکی تھی لیکن پتا چلا تھا کہ وہ بے اولاد ہے۔ اب تو بہت ہی عرصے سے سمو کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے سمو کے بارے میں معلومات کیں تو پتا چلا کہ وہ اسی گھر میں رہتی ہے اپنے شوہر کے ساتھ۔ شرجیلہ کا دل بے اختیار ہو گیا اور وہ تیاریاں کرنے کے بعد سمو کے گھر جا پہنچی۔ سمو کی صحت بہت اچھی تھی وہ خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی۔ اس کا شوہر پولیس میں ملازمت کرتا تھا کسی زمانے میں۔ بعد میں پتا نہیں اس کا کیا ہوا؟ شرجیلہ جب سمو کے گھر کے دروازے پر پہنچی۔ اس نے دروازہ بجایا۔ تو چودہ پندرہ سال کے ایک بہت ہی خوبصورت اور تندرست و توانا لڑکے نے دروازہ کھولا اور سوالیہ نگاہوں سے شرجیلہ کو دیکھا۔

"سمو گھر میں ہے؟"

"ہاں۔ اماں! دیکھو کون آیا ہے۔" لڑکے نے کہا اور شرجیلہ خوش ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ سمو کا بیٹا ہے۔ ایک لمحے میں دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ سمو شرجیلہ سے اس طرح لپٹی کہ دور ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ شرجیلہ بہت خوش تھی اسے دیکھ کر۔ پھر اس نے کہا۔

"وہ تمہارا بیٹا ہے سمو۔" سمو نے لڑکے کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر مختلف رنگ آئے۔ شرجیلہ کی نگاہیں تیز تھیں اس نے ان رنگوں کو محسوس کیا لیکن کچھ کہا نہیں۔ سمو کے ساتھ وہ بہت دیر تک بیٹھی رہی۔ دونوں ایک دوسرے سے حال چال پوچھ رہی تھیں۔ پھر اس کے بعد سمو کا شوہر دین بخش آ گیا۔ دین بخش بہت ہی اچھا انسان تھا۔ پہلے بھی شرجیلہ کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ پولیس میں حوالدار کے عہدے پر کام کرنے والا دین بخش بڑا ذمے دار، دلیر اور بہادر آدمی ہے اور اس نے بہت سے کارنامے سرانجام دے کر پولیس ڈیپارٹمنٹ سے تحفے حاصل کیے ہیں۔ دین بخش نے بھی شرجیلہ کو پہچان لیا تھا اور ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے جھکتے ہوئے کہا تھا۔

"بیگم سائیں! اللہ سائیں آپ کو خوش رکھے۔ میں نے تو آپ کو ایک نظر میں پہچان لیا بہت بڑی آدمی ہیں آپ۔ میں بڑی اس لیے نہیں کہہ رہا کہ آپ علی خیر محمد گوٹھ کی سب سے بڑی بیگم سائیں ہیں۔ بلکہ میں آپ کے دل کی بڑائی کی بات کر رہا ہوں۔ بڑے دل والی ہیں آپ۔"

"محبت ہے بھائی دین بخش تمہاری۔ کہو کیسی گزر رہی ہے؟"

"اللہ سائیں کا لاکھ لاکھ احسان ہے۔ عزت کی زندگی دے رکھی ہے اس نے۔"

"مگر تمہارا بیٹا ہوا۔ ہمیں تو تم نے اطلاع ہی نہیں دی۔" شرجیلہ نے کہا اور دین بخش کے چہرے پر بھی ویسے ہی تاثرات نظر آئے۔ جیسے سمو کے چہرے پر نظر آئے تھے۔ شرجیلہ کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

"بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ وہ بچہ سمو کو اماں کہتا ہے۔ ویسے بڑا پیارا بچہ ہے۔ اگر تمہارا ہے تو میری طرف سے مبارکباد قبول کرو اور اگر تمہارا نہیں ہے تو......"

"بیگم سائیں! اصل میں آپ کے اس سوال کے پیچھے ایک بہت لمبی کہانی چھپی ہوئی ہے۔ آپ سے ہم جھوٹ نہیں بول سکتے۔ جبکہ ساری بستی سے جھوٹ بول رکھا ہے۔"

"ارے ایسی کیا بات ہے۔" بعد میں دین بخش نے بڑی تفصیل کے ساتھ یہ کہانی

سنائی تھی اوشر جیلہ حیران رہ گئی تھی۔ دین بخش نے کہا۔

''یہ بات تو آپ جانتی ہو بیگم سائیں کہ اس دور میں اچھا کرو تو نقصان ہوتا ہے اور برا کرو تو...... میں پولیس ڈیپارٹمنٹ کے لیے کوئی نیا بندہ نہیں ہوں۔ میرے ابا سائیں بھی پولیس ہی کی نوکری کرتے تھے اور اللہ کے فضل سے پوری نوکری میں ان کا ریکارڈ بہت ہی اچھا رہا۔ انہی کی وجہ سے مجھے بھی پولیس کے محکمے میں نوکری ملی تھی۔ بیگم سائیں! تقدیر ہر شخص کے ساتھ ہوتی ہے اور ملنا اتنا ہی جتنا تقدیر میں ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جتنی میری تعلیم تھی۔ اتنی ہی میری ترقی بھی ہوئی۔ حوالدار کے عہدے تک پہنچ گیا۔ پر اللہ کے فضل سے جو کام بھی کیا۔ اس میں اللہ نے سرخرو کیا۔ بڑے بڑے کام میرے سپرد کیے جاتے تھے۔ جن میں ڈاکوؤں کی گرفتاری بھی شامل ہوتی تھی۔ کئی بار مجھے بڑے بڑے ڈاکوؤں کو گرفتار کرنے کے لیے انعام بھی ملا۔ اعلیٰ حکام یہ نہیں جانتے تھے کہ ڈاکوؤں کو ختم کرنے کے لیے سپاہی کو کس طرح جان کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ ان کی طرف سے تو بس حکم آ جاتا تھا کہ دین بخش فلاں ڈاکو بڑی سرکشی کر رہا ہے۔ بڑا سر ابھار رہا ہے' جاؤ اسے دیکھو۔ اسے پکڑو اسے گرفتار کرو۔ اب بڑے افسر یہ تو نہیں جانتے بیگم سائیں! کہ ڈاکوؤں کے گروہ کا کس طرح خاتمہ ہوا۔ کون ڈاکو مرا اور کیسے مرا؟ کس کس کو گرفتار کیا گیا۔ بیگم سائیں اللہ سائیں کے کرم سے میری چلائی ہوئی گولیوں سے کئی ڈاکو ختم ہوئے اور کئی ڈاکوؤں کو میں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر گرفتار کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ کام میرا ہوتا تھا اور نام میرے بڑے افسروں کا ہوتا تھا اور ایسا تو ہوتا ہی ہے کہ چھوٹے لوگ کام کرتے ہیں اور بڑے لوگوں کا نام ہوتا ہے مگر ایک بار اعلیٰ حکام نے مجھ پر نگاہ ڈال ہی لی۔ کیونکہ میں نے ایک بہت بڑے افسر کی سربراہی میں ایک بہت بڑے ڈاکو کو گرفتار کیا تھا۔ بلکہ اس کا کھوج بھی میں نے ہی لگایا تھا۔ تب میرے سپرد ایک کام کیا گیا۔ ہو سکتا ہے آپ نے غلام جبرو کا نام سنا ہو۔ زلزلہ تھا زلزلہ۔ ان علاقوں میں انسان کی شکل میں بھیڑیا۔ درندہ بلکہ جو کچھ بھی اسے کہو وہ کم ہے۔ بیگم سائیں اس وقت مجھے خاص طور پر ایک پارٹی بنا کر اس کا افسر بنا دیا گیا۔ سارے لوگ مٹھائی کے ڈبے لے کر آ گئے کہ دین بخش تیری تو لاٹری نکل آئی۔ پر میں جانتا تھا کہ یہ باتیں وہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ جنہیں ڈاکوؤں کی گرفتاری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بیگم سائیں! میں نے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ بہت بڑا کام ہے۔ مجھے اس سے سرخرو کرنا۔ پھر پولیس کے ایک مخبر نے اطلاع دی کہ غلام جبرو اپنے گوٹھ میں آنے والا ہے۔ جہاں اس کا خاندان بیوی اور بچہ رہتا ہے۔ اصل میں غلام جبرو نے ان دنوں جو اندھیر مچا رکھا تھا' وہ بڑا خطرناک تھا۔ قتل و غارت گری' لوٹ مار تمام گوٹھ ہل کر رہ گئے تھے۔ کوئی ایک

سال سے اس نے اپنے گوٹھ کی طرف رخ نہیں کیا تھا۔ ایک سال پہلے رات کے اندھیرے میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گوٹھ میں داخل ہوا تھا۔ اس وقت بھی پولیس کو اس کے آنے کی مخبری ہو گئی تھی۔ پولیس نے اس کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کی۔ گوٹھ کا محاصرہ کر لیا گیا مگر وہ بڑا خطرناک آدمی تھا۔ بیگم سائیں! گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے خوب گولیاں چلائی گئیں۔ ایک ڈاکو اور تین پولیس والے اپنی جان سے گئے۔ تین دن تک مقابلہ جاری رہا۔ پر نہ تو کوئی ڈاکو گرفتار ہوا اور نہ غلام جبرو اور پھر تیسری رات غلام جبرو گوٹھ سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد صبح کو پولیس نے گوٹھ میں داخل ہو کر کئی بے گناہ کسانوں' ہاریوں اور غلام جبرو کے کئی آدمیوں کو حراست میں لے لیا۔ ایک ہفتے تک ان پر تشدد ہوتا رہا۔ پھر وڈیرے نے بیچ میں ٹانگ اڑائی اور اس کی سفارش پر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ ویسے خفیہ اطلاع یہ تھی کہ غلام جبرو نے وڈیرے کے پاس اطلاع بھجوائی تھی کہ زیر حراست لوگوں کو رہا کرانے کے لیے وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے ورنہ پھر تیار ہو جائے۔ میرے خاندان والے تو پولیس کی تحویل میں تکلیف اٹھا رہے ہیں لیکن اس کے خاندان والے بھی زمین پر نہیں رہ سکیں گے۔ بس یہی دھمکی کام کر گئی تھی بیگم سائیں! ورنہ وڈیرے کو اتنا ٹائم کہاں کہ وہ کم حیثیت لوگوں کے لیے تھانے تک بھاگ بھاگ کر جائے اور اپنی سفارش پر کسی کو رہائی دلائے اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے بیگم سائیں...... کہ غلام جبرو بھی گوٹھ سلاموہی کا رہنے والا تھا۔ شاید آپ کو بھی یہ بات اچھی طرح معلوم ہو کہ اس کا باپ اور دادا بڑے نیک اور شریف لوگ تھے۔ خود غلام جبرو بھی بڑا ہی شریف آدمی تھا۔ پر بیگم سائیں شاید آپ کو بھی یہ بات معلوم ہو کہ کس نے اسے ڈاکو بننے کیا تھا۔ جبرو کے رائفل کی گولیاں نہ جانے کتنے لوگوں کو اپنی جان سے محروم کر چکی ہیں۔ لیکن اگر آپ کو نہیں معلوم تو میں آپ کو بتاؤں کہ اس نے پہلی گولی کس پر چلائی تھی۔ وہ بھی ایک جاگیردار تھا اور اس نام شیر زمان تھا۔ شیر زمان تو ان علاقوں کا رہنے والا بھی نہیں تھا۔ کہیں اور سے آ کر ادھر آباد ہو گیا تھا۔ وہ زیادہ بڑا وڈیرہ بھی نہیں تھا لیکن تھا بڑا ظالم' لالچی اور فریبی۔ ہماری زمین کے رہنے والوں نے اس کے ساتھ بھی نیکی اور اچھائی کا سلوک ہی کیا تھا۔ پر یہ بات مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے کہ شیر زمان نے دھوکے سے نہ صرف غلام جبرو کی زمین ہتھیا لی تھی بلکہ اس کے پندرہ سال کے بھائی اور بوڑھے باپ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ حالانکہ پولیس یہ بات جانتی تھی کہ شیر زمان نے غلام جبرو کے باپ اور بھائی کو قتل کیا ہے لیکن بس کبھی کبھی تو پولیس کا کردار بھی اتنا خراب ہو جاتا ہے کہ اس کے نتیجے میں بڑے برے حالات جنم لیتے ہیں۔ پولیس نے مال کھا لیا اور قتل کی ذمے داری نامعلوم فرد پر ڈال کر اس دہرے قتل کی فائل

بند کر دی اور شیر زمان کو صاف بچا لیا گیا۔ اس کے باوجود غلام جبرو شرافت ہی کے جامے میں رہا۔ اس نے یہ ظلم برداشت کر لیا تھا اور میں نے تو یہ سنا تھا کہ اس وقت اس کی ماں نے اس کے پاؤں پکڑ لیے تھے اور کہا تھا کہ اب اس کا وہی ایک سہارا رہ گیا ہے۔ جوان بہن کی دیکھ بھال کون کرے گا اگر وہ شیر زمان کو قتل کر کے جیل چلا گیا تو یا شیر زمان کے ہاتھوں اسے کوئی نقصان پہنچ گیا۔ مگر شیر زمان نے اسی پر بس نہ کیا۔ بلکہ اس کے ہاتھ غلام جبرو کی جوان بہن کی طرف بڑھ گئے اور یہ بات غلام جبرو کے لیے ناقابل برداشت رہی۔ پھر اس ناقابل برداشت بات ہی نے اسے شیر زمان کو قتل کرنے اور گوٹھ سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد بیگم سائیں! وہی ہوا جو سندھ کی سرزمین پر بہت عرصے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ مجھے معافی دینا بیگم سائیں! سارے لوگ برے نہیں ہوتے آپ یہ مت سمجھنا کہ میں آپ کو بھی انہی میں شمار کر رہا ہوں۔ پر یہ وڈیرے ہی ڈاکو بناتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں مرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ غلام جبرو کے سلسلے میں بھی جو کچھ کیا گیا۔ اس نے کچھ ہی مہینے کے اندر اندر جبرو کے چرچے سندھ میں پھیلا دیے۔ اب وہ پکا ڈاکو بن چکا تھا۔ بے جگر تو پہلے ہی تھا۔ بڑے بڑے ڈاکے ڈالنے لگا۔ انسانی زندگی اب اس کی نگاہوں میں کچھ بھی نہیں رہی تھی۔ بیگم سائیں! جس تیزی سے وہ شہرت حاصل کر رہا تھا اس تیزی سے پولیس اس کی گرفتاری کے لیے چھاپے مار رہی تھی۔ اس سے مقابلہ کر رہی تھی اور جانے کیوں اسے ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اچانک ہی غلام جبرو کہیں گم ہو گیا۔ کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ بیمار ہو گیا۔ مر گیا لیکن پھر پولیس کے ایک مخبر نے اطلاع دی کہ جبرو گوٹھ آنے والا ہے۔ پولیس کے اعلیٰ افسران سوچ رہے تھے کہ ممکن ہے یہ اطلاع غلط ہو۔ لیکن بہرحال اس اطلاع کو وہ نظر انداز نہیں کر سکے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر اپنے مزاج کے مطابق غلام جبرو کو گھیرنے کا منصوبہ بنایا اور اس خفیہ پارٹی میں حصہ لینے والی پولیس پارٹی کی رہنمائی میرے سپرد کی گئی۔ میری بیوی بہت پریشان تھی۔ سمو نے کتنی ہی بار مجھ سے کہا کہ دین بخش نوکری تو بے شک نوکری ہوتی ہے۔ لیکن جس بندے کے لیے تجھے مخصوص کیا گیا ہے۔ تو اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ اپنی جان بچا کر کام کرنا اور بیگم سائیں جب میں مہم پر جانے کی تیاری کر رہا تھا تو آپ یقین کرو نہ جانے کیوں میرا دل بھی لرز رہا تھا۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا۔

''دین بخش تیرے بعد میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں رہے گا اگر تجھے کچھ ہو گیا تو میں برباد ہو جاؤں گی۔''

''تو فکر مت کر سمو۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''اس سے قبل بھی تو میں نے کتنی خطرناک کارروائیوں میں حصہ لیا ہے اور اللہ سائیں کا احسان ہے کہ میرے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی۔''

''نہ جانے کیوں اس بار میرا دل ڈر رہا ہے دین بخش تو بھی جانتا ہے اور میں بھی جانتی ہوں کہ غلام جبرو بہت خطرناک ہو چکا ہے۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ اس بار تم نہ جاؤ۔ پتا نہیں کیوں میرا دل ڈرتا ہے۔ ایسا کرو کسی بیماری کا بہانا کر کے جانے سے انکار کر دو۔ اللہ نے تو مجھے اولاد بھی نہیں دی ہے کہ اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہو جائے تو اس کے بعد میں کس کے سہارے زندگی گزاروں۔ بالکل اکیلی ہوں دین محمد میں'' میری بیوی رونے لگی۔ بیگم سائیں شادی کو اتنے دن ہو گئے تھے۔ اللہ نے تقدیر میں اولاد لکھی ہی نہیں اور میں نے کون سی کوشش نہیں کی۔ کراچی کی ایک لیڈی ڈاکٹر نے یہ کہہ کر میری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا کہ یہ کبھی صاحب اولاد نہیں ہو گی۔ بیگم سائیں! اولاد تو زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ آپ کی یہ سمو بری طرح بجھ گئی تھی اور اس کے بعد یہ بہت ڈرنے لگی تھی۔ حالانکہ اس نے کبھی مجھ پر اپنے دکھ کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ مگر میں اس کے دل کی بات جانتا تھا۔ جب کبھی میں کسی خطرناک مہم پر جانے کا فیصلہ کرتا تھا۔ یہ مجھے اس میں حصہ لینے سے روکا کرتی تھی۔ اس بار بھی اس نے اپنی ساری تمام کوششیں کیں لیکن اسے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ پہلی بار میں کسی پارٹی کا لیڈر بنا تھا اور پارٹی بھی وہ جو ایک خطرناک ڈاکو کے گروہ کو تباہ کرنے جا رہی تھی۔ بہرحال بیگم سائیں! وہ رات بڑی سنسان تھی جس رات ہم نے غلام جبرو کو گھیرے میں لیا۔ ہم نے پورے گوٹھ کو اچھی طرح گھیرے میں لے لیا تو ہمیں اپنے مخبر سے یہ سن کر افسوس ہوا کہ غلام جبرو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمارے پہنچنے سے آدھا گھنٹہ قبل گوٹھ میں داخل ہو چکا ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ جیسے ہی وہ گوٹھ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا ویسے ہی ہم اس پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن اس کے گوٹھ میں داخل ہونے کے بعد اس پر ٹوٹ پڑنا بہت مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے غلام جبرو اور اس کے ساتھیوں کی گوٹھ سے باہر نکالنے کی تدبیروں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ غلام جبرو پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ خود اس نے اپنے باپ اور بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ بیگم سائیں! مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ بہرحال یہ بات طے تھی کہ انسان جب انسانیت کی چادر اتار دیتا ہے تو پھر وہ درندہ بن جاتا ہے۔ میں جانتا تھا کہ میری کوئی اولاد نہیں ہے لیکن اگر میرا لڑکا بھی جوان ہونے کے بعد ڈاکو بن جاتا تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہی ہوتا۔ کیا یہ ضروری ہے بیگم سائیں! کہ وہ ڈاکو ہی بن جاتا۔ نہیں وہ شریف آدمی بھی بن سکتا تھا۔ بیگم سائیں! بڑا دکھ ہوتا ہے مجھے۔ آپ کو کیا بتاؤں میں اکثر یہ سوچا کرتا تھا کہ اللہ سائیں! مجھے ایک بیٹا ہی دے دے۔ کوئی ایسی

ویسی بات تو نہیں تھی میں بھی تو اپنے باپ کی تنہا اولاد تھا۔ کم از کم میری نسل تو چلتی رہتی۔ بیگم سائیں! اگر میں بے اولاد ہی مر جاؤں تو میرا خاندان ختم ہو جاتا۔ بہر حال ہم غلام جبرو کو گوٹھ سے نکالنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ بہت غور کرنے کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ ہوائی فائر کرتے ہوئے گھیرا تنگ کیا جائے۔ فائرنگ کی آواز سے نہ صرف ڈاکو چوکنے ہو جائیں گے۔ بلکہ فرار کی کوشش بھی کریں گے کیونکہ گوٹھ سے نکلنے والے تین راستوں پر ہم نے مورچے بنائے ہوئے تھے۔ اس لیے ہمیں امید تھی کہ جیسے ہی وہ بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ ہم انہیں آسانی سے پکڑ لیں گے اور اگر یہ کسی طور ممکن نہ ہوا تو ڈاکوؤں کے سینے میں گولیاں اتارنے سے ہمیں کون روک سکتا تھا۔ ہم فائرنگ کرتے ہوئے رفتہ رفتہ اپنے حصار کو تنگ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک تو ہماری فائرنگ کا کوئی جواب نہیں ملا لیکن اس کے ساتھ ہی مغربی سمت سے ایک ساتھ کئی فائر ہوئے۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ یہ فائر آسمان کی سمت سے کیے گئے ہیں۔ فوری طور پر ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایسا کیوں ہوا۔ اصولاً تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ غلام جبرو اور اس کے ساتھی گوٹھ سے نکاسی کے تینوں راستوں پر فائرنگ کرتے ہوئے بڑھتے اور ہمارا گھیرا توڑ کر نکل کر بھاگنے کی کوشش کرتے۔ تھوڑے وقفے کے بعد انہوں نے اپنا رخ آسمان کی طرف کر کے ایک بار پھر باڑھ ماری۔

"یہ آسمان کی طرف فائر کیوں کر رہے ہیں؟" ایک سپاہی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں فوری طور پر اس کا جواب دے ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لیے میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

"آواز مت نکالو۔" سپاہی ہوشیار تھا۔ میں اور میرے ساتھی اس راستے پر تھے جو گوٹھ سے باہر چھوٹی موٹی پہاڑیوں اور جنگل کی طرف نکلتا تھا۔ اس راستے ڈاکوؤں کے بھاگ نکلنے کا زیادہ امکان تھا۔ ابھی ہم چند قدم آگے بڑھے تھے کہ ایک باڑھ اور ماری گئی۔ اس بار میں نے محسوس کیا کہ فائر کچھ کم تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ فائر کرنے والے چند ڈاکو کسی اور سمت کھسک لیے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق پہلے دس ڈاکو فائر کر رہے تھے اور اس بار سات آٹھ ڈاکوؤں نے باڑ ماری تھی۔ ہم لوگ وقفے وقفے سے فائرنگ کر رہے تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق جب مشرقی سمت کے لوگ فائر کرتے تو مغربی سمت کے لوگ پیش قدمی کرتے اور جب مغربی سمت کے سپاہی فائر کرتے تو مشرقی سمت کے سپاہی پیش قدمی کرتے۔ میں اور میرے ساتھ کے سپاہی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ میں نے طے شدہ پروگرام کے خلاف سوچا کہ جنوبی راستے سے چند سپاہیوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح گوٹھ میں داخل ہو

جاؤں اور موقع دیکھ کر کسی گھر میں گھس جاؤں۔ میرے گوٹھ میں داخل ہونے والے راستے کے درمیان اب چند قدموں کا فاصلہ ہی تھا کہ رات کے سناٹے میں قدموں کی دبی دبی آوازوں نے میرے کان کھڑے کر دیے۔ میرے اندازے کے مطابق آٹھ نو آدمی دبے قدموں سے بھاگتے ہوئے اسی سمت آ رہے تھے۔ لمحہ لمحہ ان آہٹوں کی آواز تیز ہونے لگی۔ میں نے اپنی رائفل ان کے سمت کر لی۔ میرے ساتھ موجود سپاہیوں نے بھی یہی کیا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ گوٹھ کے بے گناہ لوگ ہوں۔" ایک تیز سرگوشی نے مجھے چونکا دیا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ جب تک میں فائر نہ کروں تم لوگ بھی فائر مت کرنا۔" میں نے بھی سرگوشی کی۔ "سب سے کہہ دو۔ میرا یہ حکم۔" چند ہی لمحوں کے بعد بائیں سمت کا آخری سپاہی دائیں سمت کے آخری سپاہی تک پہنچ گیا۔ جب قدموں کی آوازیں آ گئیں اور میری آنکھیں رات کے اندھیرے کے باوجود انسانوں کے ہیولے کو دیکھنے کے قابل ہو گئیں۔ تو میں نے قدرے تیز آواز میں پوچھا۔

"کون ہو تم لوگ؟"

"تمہارے باپ۔" کئی آدمیوں نے ایک ساتھ کہا۔ اس سے پہلے کہ ہم لوگ رائفلوں کی گولیوں سے انہیں بھون دیتے' وہ لوگ بجلی کی سی تیزی سے ہمارے قریب پہنچے اور ہمارے سنبھلنے سے قبل ہی اپنی رائفلوں کے بٹوں سے ہم پر حملہ کر دیا۔ وہ بٹیں ہمارے کندھوں اور چہروں پر رسید کرتے ہوئے سامنے پھیلی ہوئی چھوٹی سی پہاڑی کی اوٹ میں چلے گئے۔ ایک بٹ میرے کندھے پر بھی لگا تھا لیکن مجھے اپنی قوت برداشت پر ناز ہے بیگم سائیں۔ میں سب سے پہلے سنبھل گیا اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جو ہیولے ہماری طرف بڑھ رہے تھے وہ انتہائی تیزی سے پھر گھروں کی طرف جا رہے ہیں۔ میرا یہ سوچنا فطری تھا کہ یہ کون ہیں۔ جو ہمیں کندے مارتے ہوئے پہاڑی کی اوٹ میں جا چھپے تھے۔ اس سوال کے ساتھ ہی سوال کا جواب بھی میرے ذہن میں ابھر آیا۔

"دھوکا" میرے خیال میں چند ڈاکو ہوائی فائرنگ کے دوران ہمارے قریب ہو گئے تھے اور وہ لوگ ہوشیاری سے ہمارے قریب آئے تھے کہ ہم ان کی جھلک نہیں دیکھ سکے۔ پھر انہوں نے منصوبے کے مطابق ہماری پوری توجہ دوسری طرف کر دی ہمارے قریب آتے ہوئے ہیولے۔ صرف ہماری توجہ اپنی جانب کرنا چاہتے تھے اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ہم لوگ پوری طرح ان ہیولوں کی طرف متوجہ تھے کہ ہمارے قریب آتے ہوئے ڈاکو

ہمیں رائفلوں کے کندے رسید کرتے ہوئے۔ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔'' میرے قریب گرے ہوئے ایک سپاہی نے کہا۔ وہ خالی ہاتھ تھا شاید اس کی رائفل گر گئی تھی۔

''خود کو سنبھالو۔'' میں سرگوشی کی۔ ''اب ہمیں دو طرف توجہ دینا ہے۔ پہاڑی کی طرف اور گوٹھ کی طرف۔''

''میرا تو خیال ہے کہ اب گوٹھ میں کوئی نہیں بچا۔'' میرے دائیں طرف والے سپاہی نے خیال ظاہر کیا۔ ''سارے ڈاکو پہاڑی کے پیچھے چلے گئے۔''

''نہیں۔ تمہارا خیال غلط ہے۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''لیکن سائیں؟''

''میرے خیال میں ڈاکوؤں نے خود کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا ہے۔ اب ہمیں دو طرف حملہ کرنے اور دونوں طرف کے حملوں سے بچنے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔''

''ہماری تعداد اتنی نہیں ہے کہ ہم ایک ساتھ دونوں طرف حملہ کر سکیں۔'' میرے قریب موجود ایک سپاہی نے کہا۔

''تعداد اتنی کم بھی نہیں ہے۔'' میرے جواب دینے سے قبل کسی اور سپاہی نے کہا۔ ''لیکن ہم پورے گوٹھ کے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔''

''ہاں۔ یہ بات تو ہے۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''لیکن فکر کی بات نہیں چالاک دشمن کو چالاکی سے ہی زیر کیا جائے گا۔'' تھوڑی دیر کے بعد ہی میرے حکم کے عین مطابق فوراً گھیرا تنگ کیا گیا تاکہ ہمارے درمیان فاصلہ کم ہوجائے۔ پھر میں نے چوتھائی نفری کو پہاڑی کی طرف لگایا اور باقی سپاہیوں کا رخ گوٹھ کی طرف کر دیا اب حالات کا تقاضہ تھا کہ کچھ سپاہیوں کو گوٹھ میں داخل کرا دیا جائے۔ میں نے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ فائرنگ کرتے ہوئے گوٹھ میں گھس جائیں۔ یہ کام تھا تو بہت مشکل اور جان لیوا۔ لیکن یہ کئے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔

''سر آپ کا حکم تو ٹھیک ہے لیکن......'' ایک سپاہی نے دبے دبے لہجے میں کہا۔ ''بجائے چند سپاہیوں کے ہم سب گوٹھ میں داخل ہوجائیں تو کیا حرج ہے۔ بس انہیں چھوڑ دیں جو پہاڑی کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اگر گوٹھ والوں نے بھی مارے خوف کے ڈاکوؤں کا ساتھ دیا تو چند سپاہیوں کا پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اس سے آگے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' چونکہ آگے کہنا مصلحت کے خلاف تھا۔ میں یہ چند سپاہی بہ طور چارہ گوٹھ میں داخل کر رہا تھا۔ جیسے ہی یہ ڈاکو

ان پر پل پڑتے۔ میں ان پر پہلے سے حملہ کر دیتا پھر گوٹھ میں موجود ڈاکوؤں کو گرفتار کرنا یا انہیں زندگی کی قید سے آزاد کر دینا زیادہ مشکل نہ رہتا۔ میرے سپاہی بھی اس معرکے میں کام آتے لیکن اس سے بچنا ناممکن تھا۔''

میرے سپاہی گوٹھ میں داخل ہونے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ پہاڑی کی طرف سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ ابھی میں اس فائرنگ کے جواب میں فائرنگ کھولنے ہی والا تھا کہ گوٹھ کی طرف سے بھی ایک ساتھ کئی فائر ہوئے اور تین چار تیز چیخیں بھی سنائی دیں۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چیخیں میرے ان سپاہیوں کی تھیں جو بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے مجھے یا کسی اور کو بتائے بغیر ہی گوٹھ میں داخل ہوگئے تھے۔ ان تینوں کی لاشیں ہمیں بہت بری حالت میں ملی تھیں۔ ڈاکوؤں کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ اور مرنے والے کی چیخوں نے ہمیں مشتعل کر دیا۔ تھوڑی دیر تک تو ہم لوگ بھی گولیاں ضائع کرتے رہے پھر جیسے ہی، ہمیں اس بات کا احساس ہوا، ہم نے فائرنگ بند کر دی۔ گوٹھ اور پہاڑی کی طرف سے بھی وقفے وقفے سے فائر ہو رہے تھے۔ یہ صورت حال صبح تک جاری رہی۔ ہمارا خیال تھا کہ دن کے اجالے میں ہم ڈاکوؤں پر آسانی سے چھا جائیں گے لیکن ہمارا یہ خیال غلط نکلا۔ صبح ہونے سے قبل ہی گوٹھ کی طرف سے فائرنگ بند ہوگئی اور پہاڑی کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ میں شدت آگئی۔ جب میں نے محسوس کیا کہ پہاڑی کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ میں اچانک اضافہ ہوگیا ہے تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ پہلے پانچ چھ فائر ایک ساتھ ہوئے تھے لیکن صبح ہونے سے قبل ہی بارہ چودہ فائر ایک ساتھ ہوگئے تھے۔

''ابھی ہمیں دوسرے راستوں کا تو ٹھیک طرح علم نہیں ہے سر۔ ممکن ہے کسی دوسرے راستے سے نگرانی کرنے والوں کو ڈاکوؤں نے دھوکا دیا ہو۔ جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا وہ دوسرے سپاہیوں کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوسکتا ہے۔''

''ہاں اس بات کے امکانات ہیں۔'' میں نے سرگوشی میں اعتراف کیا۔

''تو پھر کس طرح چیک کریں سر؟''

''نہیں اس میں وقت ضائع ہوگا۔ تھوڑی دیر اور دیکھیں گے اگر گوٹھ کی طرف سے کوئی فائر نہیں ہوتا تو پھر پہاڑی سلسلے کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔'' میں بہت دیر تک غور کرتا رہا۔ کوئی ایسی ترکیب اس وقت سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر میں نے پہاڑی سلسلے اور گوٹھ کی طرف وقفے وقفے سے فائرنگ کا حکم دیا۔ تین بار ہم نے پہاڑی کی طرف اور تین بار گوٹھ کی طرف باڑھ ماری لیکن دوسری طرف سے فائرنگ ہوتی تو ممکن ہے ہمارا جوش قائم رہتا۔''

''سپاہی نے کہا۔''اب تو اجالا پھیل چکا ہے سر۔ میرا خیال ہے ہم میں سے کوئی سپاہی محفوظ مقام پر نہیں ہے۔'' اجالا پھیلنے کا خیال غیر محفوظ سپاہیوں کو بھی یقیناً ہوگا اور وہ یقینی طور پر محفوظ مقام تلاش کرلیں گے۔ تقریباً چھ بجے آدھے سپاہی میں نے گوٹھ میں داخل کر دیے اور آدھے سپاہی میری رہنمائی میں پہاڑی سلسلے کی طرف چل پڑے۔ میرا خیال تھا کہ ڈاکو ابھی اس پہاڑی میں کہیں نہ کہیں موجود ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دو بہ دو مقابلے کی نوعیت آجائے۔ بہر حال میں اس کے لیے بھی تیار تھا۔ اس چھوٹے سے پہاڑی سلسلے کو ہم نے آدھے ہی گھنٹے میں چھان مارا۔ ڈاکو تو ڈاکو ہمیں یہاں خرگوش کا بچہ بھی نہیں ملا۔ ڈاکو کہیں چھپے ہوئے بھی ہوتے تب بھی وہ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ہم پر فائر کرتے اور ہم ان پر ٹوٹ پڑتے لیکن ہم پر کسی طرف سے بھی فائر نہیں ہوا۔ ایک گھنٹے کے بعد ہم لوگ بھی گوٹھ میں داخل ہو گئے۔ مجھے ڈاکوؤں کے اس طرح غائب ہو جانے کا تعجب بھی تھا اور افسوس بھی' ساری محنت پر پانی پھر گیا تھا اب سوائے کف افسوس ملنے کے اور کیا کیا جاسکتا تھا۔

''بہر حال اس کے بعد ہم گوٹھ میں داخل ہو گئے۔ ہم سے پہلے ہمارے کچھ اور سپاہی ساتھی بھی پہنچ گئے تھے۔ ان کی زبانی ہمیں معلوم ہوا کہ گوٹھ والے ہماری آمد سے ناخوش نہیں ہیں اور انہوں نے ناشتے پانی کا بندوبست کیا ہے ہمارا یہ مشن ناکام ہو گیا تھا۔ واپسی سے قبل گوٹھ میں چند لمحے ستانا ضروری تھا۔ ہم لوگوں کے بیٹھنے اٹھنے کا انتظام گوٹھ والوں نے بڑی سی جگہ کیا ہوا تھا۔ ناشتے کے بعد میں نے سپاہیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا تاکہ ایک حصہ آرام کرے تو دوسرا حصہ کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار رہے۔ مجھے گوٹھ والوں پر اعتماد نہیں تھا میرے تجربے کے مطابق عموماً گوٹھوں میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت ڈاکوؤں کی ہمدرد' ہمنوا اور مددگار رہوتی ہے اور جو ڈاکوؤں سے دل سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ بھی ان کے خوف سے ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ عجیب اتفاق تھا کہ اس گوٹھ میں بھی کوئی معزز آدمی نہیں تھا۔ معزز آدمیوں کی خواتین کو بلا کر تو میں کوئی بات نہیں کرسکتا تھا۔ معزز لوگوں کے ملازمین سے ہی بات کرنی پڑی۔ ان لوگوں کو گوٹھ میں ڈاکوؤں کی آمد کی خبر اس وقت ہوئی تھی جب فائرنگ شروع ہوئی۔ اس کے بعد تو گوٹھ کے ہر فرد نے گھر کے دروازے بند کرلئے تھے رات بھر گوٹھ کا ہر فرد گھر میں بند رہا تھا۔ لیکن میرے خیال میں یہ بات درست نہیں تھی۔ گوٹھ کے کچھ لوگوں نے ضرور ڈاکوؤں کا ساتھ دیا تھا۔ ورنہ وہ کون لوگ تھے جو ہماری طرف بھاگتے ہوئے آئے اور ڈاکوؤں کے فرار ہونے کے بعد بھاگتے ہوئے لوٹ گئے تھے۔ میں اگر چاہتا تو تھوڑی دیر میں ان لوگوں کے نام معلوم کرلیتا اور انہیں اس قابل بھی نہیں

چھوڑتا کہ وہ دوبارہ ڈاکوؤں کا ساتھ دے سکیں۔ لیکن اس کے لیے مجھے ان لوگوں پر تشدد کرنا پڑتا اور یہ وقت تشدد کرنے کے لیے کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ مجھے ابھی صحیح اندازہ ہی نہیں ہوا تھا کہ ڈاکو پہاڑی سلسلے کے کس طرف غائب ہوئے ہیں یا ابھی تک گوٹھ میں ہی چھپے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا تو بڑی آسانی سے غلام جبرو کے گھر کی تلاشی لے سکتا تھا لیکن میں نے اسے بھی مصلحتاً نظر انداز کر دیا۔ صرف دروازے سے ہی غلام جبرو کی عزیز ایک بوڑھی خاتون سے بات کی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ غلام جبرو تو کئی سالوں سے گھر نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی لیکن میں نے اس خاتون پر یہی ظاہر کیا کہ مجھے اس کے جھوٹ پر یقین آگیا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد میں بھی تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گیا۔ رات بھر کی تھکن اور نیند نے مجھے نڈھال کر رکھا تھا۔ چارپائی پر لیٹتے ہی میری آنکھیں بند ہوئیں اور پھر میں بے خبر سو گیا۔ جب میری آنکھ کھلی یا مجھے جگایا گیا تو اس وقت چھ بج رہے تھے۔ میں نے جاگتے ہی واپسی کی تیاری کا حکم دیا۔ گوٹھ سے نکلتے نکلتے ہی شام کے ساڑھے سات بج گئے تھے میرا خیال تھا کہ ہم رات کے گیارہ بجے تک اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ ابھی ہم نکلنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ میری چھٹی حس بیدار ہوگئی اور میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ بیگم سائیں! میں نے ایسے دو آدمیوں کو غلام جبرو کے گھر کی طرف جاتے دیکھ لیا تھا جن کے چہروں پر شرافت کا کوئی رنگ نہیں تھا۔ اس مسئلے پر میں خود ہی غور کر رہا تھا کہ انہیں کس طرح چیک کیا جائے کہ میں نے مزید تین آدمیوں کو اس طرف جاتے دیکھ لیا۔ میں نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا۔ وہ ان کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ شاید انہیں بھی خطرے کا احساس ہو گیا۔ انہوں اپنی رفتار تیز کر دی۔ حتیٰ کہ وہ بھاگنے لگے۔ میں نے دو سپاہی اور ان کے پیچھے دوڑائے۔ لیکن وہ غلام جبرو کے گھر کے قریب ہی کہیں غائب ہو گئے۔ بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ غلام جبرو ہی کے گھر میں گھس گئے تھے۔ میں کچھ سپاہیوں کو ساتھ لے کر غلام جبرو کے گھر کی طرف چل پڑا اور اس کے دروازے پر دستک دی۔ میرا خیال تھا کہ وہی بوڑھی عورت باہر آئے گی لیکن اس بار اس کے بجائے ایک مرد باہر آیا۔ ابھی میں اس سے سوال کرنے ہی والا تھا کہ بالکل غیر متوقع طور پر اس کا ہاتھ میرے گریبان تک پہنچا اور میں ایک ہی جھٹکے میں دروازے کے اندر تھا۔ دروازے کے پاس کھڑے دو آدمیوں نے نہ صرف رائفل کے کندے میری ٹانگوں پر رسید کیے۔ بلکہ دروازہ بند کر کے کنڈی بھی چڑھا دی۔ میرے ساتھ آئے ہوئے سپاہی ظاہر ہے اس صورت حال کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ مارے حیرت کے فوری طور پر کچھ کرنے کے قابل نہیں رہے اور پھر جتنی دیر میں کسی قابل ہوئے اتنی دیر میں کام ہو چکا تھا۔

جب دو آدمی مجھے کھینچتے ہوئے مجھے گھر کے اندر لے گئے تو میں نے دیکھا کہ یہاں سات آٹھ آدمی پہلے سے موجود تھے۔ ان میں غلام جبرو بھی تھا۔ اس نے میری طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کہ چھت پر جا کر اعلان کر دو کہ اگر کسی نے بھی مکان میں گھسنے کی کوشش کی تو ہم ان کے پارٹی لیڈر کو جان سے مار دیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی چھت پر جا کر تیز آواز میں بار بار اعلان کرنے لگا۔ میں نے تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ تب میں نے اس سے کہا۔

''تم اس طرح نہیں بچ سکو گے جبرو۔''

''میں اپنے بچنے یا نہ بچنے کے سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا؟'' غلام جبرو نے بارعب آواز میں کہا۔ ''تم لوگ اپنا کام کرو اور میں اپنا کام کروں گا۔'' اس سے تھوڑی دیر تک ہی گفتگو کرنے کے بعد مجھے پتا چل گیا کہ اس نے اپنے آدمیوں کو خود ہی اس جگہ کے قریب سے گزارا تھا تا کہ میں متوجہ ہو کر اس طرف آؤں اور وہ مجھے اغوا کر کے اپنا کام کرے۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس تھا۔ اگر میں اس کی چال کو سمجھ جاتا تو اس طرح اس کے جال میں نہ پھنستا۔ لیکن اب صورت حال بالکل مختلف ہو گئی تھی۔ میرا ذہن یہاں سے نکلنے کی تدبیروں پر غور کرنے لگا۔ لیکن یہ اندازہ ہو گیا کہ یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے اور مجھے یقین تھا کہ میرے سپاہیوں نے اس مکان کو گھیر لیا ہوگا۔ لیکن وہ ایک طرح سے بے دست و پا تھے۔ اگر وہ بے سوچے سمجھے کوئی قدم اٹھاتے تو پھر میرا نکلنا ممکن نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جبرو اور اس کے چند ساتھی دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ مجھے انہوں بند کر دیا تھا۔ جس مکان میں' میں اس وقت بند تھا وہ کئی مکانوں کے درمیان واقع تھا۔ اگر میرے سپاہی دائیں بائیں مکانوں کی چھتوں پر مورچے بنا لیتے تو مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ میری سوچ کے مطابق میرے سپاہیوں نے ایسا ہی کیا تھا اور آس پاس کی چھتوں پر قبضہ جما لیا تھا۔ وہ موقع کی تاک میں تھے کہ جیسے ہی وہ باہر نکلیں' انہیں بھون دیا جائے میں بے بس تھا لیکن ناامید نہیں تھا۔ دشمنوں کی کوئی نہ کوئی بھول یا کمزوری مجھے باہر نکلنے کا موقع فراہم کر سکتی تھی اور میں اس وقت کسی موقع کے انتظار میں تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ غلام جبرو بہت ہی چالاک اور ذہین ہے۔ پھر بھی مجھے یقین تھا کہ میں یہاں سے ضرور نکل جاؤں گا۔ رات کے نو بجے تک دونوں خاموشی طاری رہی۔ رات نو بجے دو واقعات ایک ساتھ ہوئے۔ غلام جبرو نے تین ڈاکوؤں کو گھر سے باہر جانے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کمرے سے کسی کو لانے کا اشارہ کیا۔ پھر جس شخص کو وہ کمرے سے لے کر آئے اسے دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ پولیس کا

ایک مخبر تھا۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر چوٹ ناچ رہی تھی۔ اس نے میری طرف پھر غلام جبرو کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس پر تشدد بھی کیا گیا تھا۔ پھر ڈاکو نے مخبر کو دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا۔ جبرو نے جن کو باہر نکلنے کا حکم دیا تھا وہ تینوں بیرونی دروازے پر کھڑے جبرو کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کمرے میں اس وقت میں غلام جبرو اور ایک ڈاکو اور مخبر کھڑے ہوئے تھے۔ بیرونی دروازے میں کھڑے تین ڈاکو کمرے سے باہر بیرونی دروازے پر تھے۔ لیکن ان کے اور ہمارے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اگر کوئی کوشش کی جاتی تو وہ ایک ہی جست میں کمرے تک پہنچ سکتے تھے۔ اس کے باوجود میرا ذہن اس وقت کچھ کرنے کے مسئلے پر تیزی سے غور کر رہا تھا۔ اگر میں کسی طرح رائفل بردار ڈاکو سے رائفل چھین لوں تو کام ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ جبرو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی رائفل اس کے قریب ہی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے رائفل بردار ڈاکو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ہوں۔'' اشارے کے ساتھ ہی ڈاکو نے مخبر کی طرف رائفل تان دی۔ اب میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ کچھ ہی دیر بعد رائفل کی گولی پولیس کے مخبر کے آر پار ہو جائے گی اور پھر فائر کی آواز کے ساتھ ہی بیرونی دروازے کے پاس کھڑے تینوں ڈاکو دروازے کے باہر ہو جائیں گے۔ چھتوں پر بیٹھے ہوئے سپاہیوں کی نگاہیں یک لخت فائر کی جانب اٹھیں گی اور اسی لمحے ڈاکو نہ صرف باہر نکلیں گے۔ بلکہ کسی مکان کی آڑ میں بھی ہو جائیں گے۔ میرے خیال میں یہی وقت تھا۔ میرے کچھ کر گزرنے کا۔ اگر میں کچھ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو اس سے نہ صرف اس مخبر کی جان بچ جائے گی۔ بلکہ میرے باہر نکلنے کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔ ناکامی کی صورت میں موت یقینی تھی اور مرنا ویسے بھی برحق ہے۔ میں نے یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہی سوچا تھا۔ بیگم سائیں! اور اس سے قبل کہ رائفل بردار ڈاکو مخبر کے سینے میں گولی مار دیتا' میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ اور پھر میرے بھاری بر کم وجود کے ساتھ رائفل بردار ڈاکو فرش پر تھا۔ میرا جسم بھاری ضرور ہے۔ لیکن بیگم سائیں! ایسے موقعوں پر اس میں جیسے بجلیاں بھر جاتی ہیں۔ اس وقت بھی یہی ہوا میں نے بجلی کی سی تیزی سے اس کی رائفل پر قبضہ کیا اور فرش سے اٹھتے ہوئے رائفل کا کندہ اس کے منہ پر رسید بھی کر دیا۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کی۔ وہ یہ ضرور سوچ رہا ہوگا کہ اس نے مجھے کھلا رکھ کر غلطی کی۔ لیکن اب تو تیر کمان سے نکل ہی چکا تھا پھر اس سے قبل کہ بیرونی دروازے پر کھڑے ڈاکوؤں کو گولیاں دوسری دنیا کی سیر کروائیں۔ میں نے اپنی جگہ سے پھر چھلانگ لگائی۔ اب میں مخبر کے برابر کھڑا

ہوا تھا اور میری رائفل کا رخ غلام جبرو کی طرف تھا۔ وہ ڈاکو بھی کھڑا ہو گیا تھا جس کے ہاتھ سے میں نے رائفل چھینی تھی۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ یوں تو میری تمام تر توجہ غلام جبرو کی طرف تھی لیکن میں اس ڈاکو کی بھی نگرانی کر رہا تھا۔ ڈاکو ہوتے بہت دلیر ہیں۔ اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب اس زخمی ڈاکو نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں فائر نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے چھلانگ لگائی تو میں نے غیر ارادی طور پر فائر کر دیا۔ پھر اس فائر نے ساری بازی کو الٹ دیا۔ بیرونی دروازے پر کھڑے ڈاکوؤں نے وہی کیا جو وہ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ میرے حساب سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ دوسرے کمرے میں آنے کی کوشش کرتے۔ پھر دور ہی سے مجھے نشانہ بناتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ بیرونی دروازے سے ہٹے ہی نہیں تھے۔ جیسے ہی میں نے فائر کیا' وہ دروازے سے باہر تھے۔ میرے سپاہیوں نے فائر کی آواز کے ساتھ ہی خود بھی فائرنگ شروع کر دی۔ ان کا یہ خیال تھا مجھے ڈاکوؤں نے مار دیا ہے اب جو کچھ بھی کرنا تھا ہمیں ہی کرنا تھا۔ پہلی باڑ کے ساتھ ہی اچانک غلام جبرو ہوشیار ہو گیا۔ اس نے قہقہہ لگایا۔ وہ اب بھی اس طرح کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی خود اعتمادی بے مثال تھی۔ میں نے رائفل چھین لی۔ اس کے آدمی کو گولی کا نشانہ بنا لیا لیکن وہ اس طرح بیٹھا ہوا قہقہے لگا رہا تھا جیسے کسی سرکس کے مسخرے کی کسی دلچسپ حرکت پر ہنس رہا ہو۔

'' رائفل تمہارے ہاتھ میں ہے لیکن تم اب بھی اس مکان سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ '' یہ مکان تمہارے لیے قبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر میری بات پر یقین نہ آئے تو کوشش کر کے دیکھ لو۔'' میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میرے سپاہیوں میں تھوڑی سی عقل بھی ہوگی تو چند ایک اس مکان میں گھسنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ میں نے سوچا تھا۔ مخبر بھی دیوار ہی سے لگا کھڑا تھا۔ جیسے سکتے کے عالم میں ہو۔ میں نے ایک نگاہ اس کی طرف ڈالی اور پھر اس سے کہا۔

'' تم رائفل اٹھا لو۔'' اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور بات فوراً میری سمجھ میں آ گئی۔ اس کے ہاتھ تو پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں خود ہی آگے بڑھ کر غلام جبرو کے قریب رکھی رائفل اٹھا لوں۔ اس کی رائفل اٹھانا اس لیے ضروری تھا کہ وہ کسی بھی وقت موقع دیکھ کر رائفل اٹھا سکتا تھا۔

'' کرسی سے کھڑے ہو جاؤ۔'' میں نے اس کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔

'' اور اگر کرسی سے نہ اٹھوں تو؟'' اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں میر طرف

دیکھتے ہوئے پوچھا۔

'' تو پھر جو کچھ بھی ہوگا اس کی ذمے داری تم پر ہوگی۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ میں اسے مارنا نہیں چاہتا تھا اور میرے خیال میں یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ میں اسے زندہ ہی گرفتار کرنے کی کوشش کروں گا۔ مخبر کے ہاتھ کھولنا میرے لیے سخت مشکل تھا۔ ایک ایک لمحہ میرے لیے بھاری ہو رہا تھا۔ میرے ساتھی مختلف مکانات کی چھتوں سے مسلسل فائرنگ کر رہے تھے۔ ان کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ ہی اس بات کی علامت تھی کہ ان میں سے کوئی بھی چھت سے نیچے آنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی صورت میں میرے پاس زیادہ وقت بھی نہیں تھا کہ اسے ضائع کیا جائے۔ میں آہستہ آہستہ غلام جبرو کی طرف بڑھنے لگا۔ مجھے یہ خطرہ بھی تھا کہ کوئی اور بھی اس کمرے میں آ سکتا ہے۔ ابھی تک کسی نے اس کمرے کا رخ بھی نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ اب اس مکان میں جبرو کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ پھر بھی کسی کی آمد کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں اپنی دانست میں تو ہوشیاری سے جبرو کی طرف بڑھ رہا تھا اور جبرو بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل کام تھا۔ میں اس اعتماد کے ساتھ کہ میں بہر صورت اس کی رائفل اٹھا لوں گا۔ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک ہی اس کی آواز ابھری۔

'' بس...... یہ تمہاری حد ہے اس سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرنا۔'' اس کے لہجے میں انتہائی حقارت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ایک لمحے کے لیے میرے اعصاب کشیدہ ہوئے تھے۔ لیکن پھر میں نے بالکل بندر کی طرح رائفل کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہ میری نیت بھانپ چکا تھا۔ اس لیے اس نے مجھ سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائفل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس سے پہلے کہ میں رائفل کی طرف پہنچتا اس نے رائفل اٹھا لی۔ لیکن میں نے اسے فائر کرنے کا موقع نہیں دیا۔ رائفل کی نالی اس کے ہاتھ میں تھی۔ میں اس کے اتنے قریب تھا کہ اگر وہ رائفل سیدھی کر کے مجھ پر فائر کرنے کی کوشش کرتا تو اتنی دیر میں۔ میں اس کا کام تمام کر سکتا تھا۔ اس نے بجائے رائفل سیدھی کر کے فائر کرنے کے' بڑی پھرتی سے رائفل کا بٹ میری ٹانگوں پر مارا۔ یہ سب کچھ چونکہ پلک جھپکتے میں ہو گیا تھا۔ اس لیے میں اپنے بچاؤ کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکا۔ رائفل کا کندہ پنڈلیوں کی سامنے والی ہڈی پر پڑا تھا اس لیے شدید کرب کی لہر میرے دماغ تک پہنچ گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں اس کرب سے نجات حاصل کر سکتا۔ جبرو نہ صرف کمرے سے باہر تھا بلکہ اس نے دروازہ بند کر کے کمرے کی

کنڈی بھی لگا دی تھی۔ کمرے کا وہ دروازہ جو بیرونی دروازے کی طرف کھلتا تھا اسے جبرو نے بند کر دیا تھا۔ لیکن دوسرے دو کمروں کی طرف نکلنے والا دروازہ کھلا ہی ہوا تھا۔ جب درد کی شدت کم ہوئی تو میں نے اس دروازے کی طرف دیکھا۔

''اس طرف بیڈ روم ہے۔'' مجھے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے مخبر نے کہا۔ ''اور دائیں طرف صحن بھی ہے اس طرف سے بھی ایک دروازہ بیرونی دروازے کی طرف کھلتا ہے۔'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اس طرف جانے سے پہلے میں نے مخبر کے ہاتھ کھولنا ضروری سمجھا تھا۔ پھر ہم دونوں ہی اس طرف چل پڑے۔ ایک خواب گاہ کا دروازہ بند تھا۔ جب کہ دوسری خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کھلے دروازے سے میں نے جھانک کر دیکھا۔ اندر کوئی نہیں تھا تو میں نے جلدی سے مخبر سے کہا۔

''تم اسے چیک کرو۔'' میں نے دوسری خواب گاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر اسے احتیاط سے دیکھنے کے لیے کہہ کر ابھی کسی اور طرف متوجہ ہی ہوا تھا کہ اچانک ہی مخبر کے منہ سے آواز نکلی۔

''ارے......'' اس کا منہ حیرت سے کھل گیا میں تیزی سے اس کی طرف گھوم گیا۔ پھر بجائے اس سے کچھ پوچھنے کے میں نے اندر جھانک کر دیکھا اور میرے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آئے۔ میں نے تعجب بھرے انداز میں دیکھا۔ تقریباً تین سال کا ایک بہت ہی خوبصورت بچہ بیڈ پر سو رہا تھا۔ ہمارے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھر آئے۔ بچے کا سرخ چہرہ نظر آ رہا تھا اور باقی جسم چادر کے اندر تھا۔ اس لیے میں فوری طور پر یہ نہیں جان سکا کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ ادھر مخبر دروازے میں ہی کھڑا رہا۔ لیکن میں کمرے میں داخل ہو گیا۔ سرسری انداز میں۔ میں کمرے کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ایک بار پھر مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ پھوٹ پڑے۔ کمرے کا پکا فرش کھود کر شاید مٹی باہر نکالی گئی تھی اور اس مٹی کو برابر کر دیا گیا تھا۔ فرش تقریباً پانچ فٹ لمبا اور ڈھائی فٹ چوڑا کھودا گیا تھا۔ جیسے کسی کی قبر کے لیے کھودا گیا ہو۔ جب میں نے اس جگہ بیٹھ کر جائزہ لیا۔ تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہاں کسی کو دفنایا گیا ہے۔ یہ ممکن تھا کہ میرے سپاہیوں کی فائرنگ سے کوئی ڈاکو مر گیا ہو اور اسے یہیں دفنا دیا گیا ہو۔ بہرحال میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اس قبر کو کھدوا کر اپنے خیال کی تصدیق کر دوں۔

''میرا خیال ہے کہ یہ بچہ غلام جبرو کا ہے۔'' مخبر نے دروازے ہی سے کہا۔

''ممکن ہے۔'' میں تھوڑا سا آگے بڑھا۔ اور پھر میں نے مخبر سے کہا۔

''تم یہیں ٹھہرو۔ میں صحن اور بیرونی دروازے کی طرف کھلنے والے دروازے کو

دیکھتا ہوں۔ ممکن ہے وہ کھلا ہوا ہو۔ میں نے صحن کی طرف بڑھتے ہوئے کہا دروازہ کھلا ہونے کا امکان تو نہیں ہے لیکن پھر بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' یہ دروازہ بھی باہر سے بند تھا۔ اس گھر کے دروازے پرانے اور مضبوط لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ مکان کی چھت پر چڑھنے کی کوشش کی گئی۔ جب میں دروازہ چیک کر کے واپس آیا تو مخبر نے کہا۔

''ہاں۔ چھت پر پہنچ کر سپاہیوں کو اپنی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے۔'' پھر دوسرے کمرے میں جا کر میں نے اپنی رائفل اٹھائی اور پھر ہم دونوں صحن میں نکل آئے۔ تاکہ یہاں سے چھت پر چڑھنے کی کوشش کریں۔ ابھی ہم اوپر چڑھنے کی جگہ تلاش ہی کر رہے تھے کہ میں نے پٹرول کی بو محسوس کی۔ مخبر نے بھی پٹرول کی بو سونگھ لی تھی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور بغیر کچھ کہے ہم دونوں کمروں کی طرف بڑھ گئے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد پورا مکان شعلوں میں گھر گیا۔ اس کے ساتھ گولیاں چلنے کی آوازیں کان پھاڑنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے لیے تو میں بالکل ہی حواس باختہ ہو گیا۔ لیکن میری یہ کیفیت زیادہ دیر نہیں رہی۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اب یہاں سے بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور مخبر کی طرف دیکھا تو اس نے بھی یہی الفاظ کہے۔ تب میں نے کہا۔

''ہمت سے کام لو۔ تم ایسا کرو بچے کو اٹھا لو۔ ہم بیرونی دروازے کی طرف کھلنے والے دروازے کے قریب چلتے ہیں۔ دروازہ لکڑی کا ہے اور اس سے پہلے کہ آگ کمروں تک پہنچے اور وہ جل جائے ہمیں اس دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔'' مخبر جلدی سے بچے کو لے آیا۔ وہ رو رہا تھا اور پھر حیرت سے ہماری طرف اور دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بچے کو خاموش کرانے کا اس وقت کوئی موقع نہیں تھا۔ ہم صرف آگ کی تپش سے بچنے کے لیے دروازے کے زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ گولیوں کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں اور اس آگ نے پورے گوٹھ کو روشن کر دیا۔ اس روشنی میں ڈاکوؤں کو گولی کا نشانہ بنانا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ گولیوں کی مسلسل آوازیں اس بات کی علامت تھیں کہ باہر ڈاکوؤں اور میرے سپاہیوں کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ اگر فائرنگ ایک طرف ہوتی تو دوسری طرف بند ہو جاتی۔ آگ کی تپش ہر لمحے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ ناقابل برداشت ہو سکتی تھی۔ بچے نے مارے وحشت کے مخبر کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔ پھر گولیوں کی آوازیں اچانک رک گئیں اور پھر مکان کے باہر سے ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں شور میں تبدیل ہو گئیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گوٹھ کے تمام لوگ جلتے ہوئے مکان کی طرف دوڑ آئے ہوں۔ یہ ٹھیک بھی تھا کہ سارا گوٹھ آگ بجھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ آگ اور دھوئیں سے

ہمارا دم گھٹ رہا تھا۔ ادھر بچہ شاید بے ہوش ہو گیا۔ جب ہمارے اور موت کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا تو زندگی نے ہمیں پھر سے گلے لگا لیا۔ ہمارے سامنے کے دروازے پر پانی ڈالا جا رہا تھا بلکہ ضربیں لگا کر اسے توڑنے کی کوشش بھی کی جا رہی تھی۔ ہم لوگ دروازے سے اتنے فاصلے پر کھڑے تھے کہ اگر وہ ٹوٹ کر گرتا بھی تو ہم لوگ اس کی لپیٹ میں نہیں آ سکتے تھے۔ گوٹھ کے لوگوں نے اور میرے سپاہیوں نے ہمیں آخر کار بچا لیا۔ لیکن غلام جبرو کا مکان اب آگ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ باہر آنے کے بعد جب میرے حواس درست ہوئے تو میں نے لوگوں کی آوازیں سنیں۔

تفصیلات یہ تھیں کہ میرے آدمیوں نے پانچ ڈاکوؤں کو جہنم رسید کر دیا تھا۔ جب کہ چار شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ایک سپاہی فرض کی ادائیگی میں جاں بحق ہوا اور دو زخمی ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے تو میں نے لاشوں اور زخمیوں کو سنبھالا اور انہیں روانہ کرنے کا بندوبست کیا۔ مرنے والے ڈاکوؤں میں غلام جبرو کی لاش نہیں تھی۔ وہ مجھے زخمیوں میں بھی نظر نہیں آیا۔ جب میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو سپاہیوں نے بتایا کہ وہ آخری وقت تک مقابلے پر ڈٹا رہا۔ بے شک وہ شدید زخمی ہو گیا تھا۔ سپاہیوں کے کہنے کے مطابق وہ مجھے زخمی ڈاکوؤں کے قریب ہی ڈال کر آگ بجھانے میں لگ گئے تھے لیکن میں نے جب زخمیوں کو دیکھا تو جبرو زخمیوں میں نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ فرار ہو گیا تھا یا پھر ڈاکو اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ اتنا وقت نہیں ہوا تھا کہ وہ کہیں دور چلا جاتا۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر سپاہیوں کو اس کی تلاش پر لگا دیا۔ صبح ہونے تک میرے سپاہی اس تلاش کرتے رہے گوٹھ کی طرف اور اس کے آس پاس کا علاقہ چھان ڈالا گیا۔ لیکن وہ ایسا غائب ہوا تھا جیسے اسے زمین نگل گئی ہو صبح میں نے اور میرے سپاہیوں نے گوٹھ کے کئی گھروں کی تلاش لی۔ ہر مشکوک گھر کو دیکھ ڈالا لیکن اس کا پتہ نہیں چلا۔ سارا دن چھان بین اور لوگوں کے بیانات لیتے گزر گیا۔ شام کے وقت جب میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ کوچ کی تیاری کر رہا تھا۔ ایک کسان نے اطلاع دی کہ اس نے غلام جبرو کی لاش دیکھی تھی۔ اس نے جو جگہ بتائی تھی۔ وہ گوٹھ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ شمال کی جانب کھیتوں کے پاس ایک گڑھے میں اس کی لاش پڑی ہوئی تھی وہ شاید کل رات ہی مر گیا تھا۔ گڑھا بہت گہرا تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے اس کی لاش اوپر نکالی چونکہ گرمی کا موسم تھا لیکن اس کی لاش بھاری ہو گئی تھی اور اس کے بعض حصے پھول گئے تھے۔ یہی نہیں بدبو کے بھبکے بھی اٹھ رہے تھے۔ اس کے جسم میں جگہ جگہ تین گولیاں لگی تھیں۔ بائیں طرف پیٹ اور کندھے پر۔ اس کے باوجود بھی وہ یہاں تک آ گیا تھا۔ یہ تعجب کی بات تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ آیا نہیں تھا بلکہ

اسے لایا گیا تھا۔ کون لایا تھا۔ یہ سوال غور طلب تھا۔ جبرو کو یہاں تک لانے والوں نے نہ جانے کیوں اس کے ساتھ یہ زیادتی کی تھی کہ اس کا چہرہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ کسی نے اس کے چہرے کو بری طرح کچل دیا تھا۔ ممکن ہے گڑھے میں گرنے سے اس کا چہرہ بگڑ گیا ہو۔ بہر حال ہم اس کی لاش لے کر گوٹھ تک آئے اور اس کے کئی شناساؤں سے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ جبرو ہے یا نہیں۔ سب نے اسے جبرو کی حیثیت سے شناخت کر لیا تھا۔ میرا خود بھی یہی خیال تھا کہ وہ جبرو ہی ہے۔ کیونکہ میں بھی اس کا صورت آشنا تھا۔ گزشتہ رات میں نے بھی اس کے ساتھ کئی گھنٹے گزارے تھے۔ غلام جبرو کی لاش مل جانے کے بعد مجھے سکون ملا۔ بہر حال میرے لئے یہ اعزاز کم نہیں تھا کہ میں نے ایک خطرناک ڈاکو اور اس کے گروہ کو ایک جان لیوا مقابلے کے بعد ختم کر دیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ کچھ ڈاکو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن وہ بغیر سرغنہ کے بالکل بچھوے کی طرح تھے۔ انہیں کسی بھی وقت گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ ان کی گرفتاری کے سلسلے میں گزشتہ کئی روز سے مختلف مقامات پر چھاپے مارے جا رہے تھے۔ فرار ہونے والوں کی شناخت تو اس معرکے کے چار روز بعد ہو ہی گئی تھی۔ شناخت کے بعد کسی بھی ڈاکو کا زیادہ دن روپوش رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ ہم انہیں بلوں سے نکالنے میں کامیاب ہو ہی جاتے تھے۔ بہر حال غلام جبرو کی لاش کی دریافت کے بعد ہم نے تیسری رات کو تقریباً گیارہ بجے کوچ کیا اور واپس پہنچ گئے۔ مختلف کارروائیوں میں رات گزر گئی۔ دوسرے دن شام کے وقت میں چند سپاہیوں کے ساتھ پھر گوٹھ گیا تا کہ غلام جبرو کی بیوی کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں اور اگر وہ چاہے تو اس کے شوہر کی لاش اس کے حوالے کر دی جائے۔ لیکن گوٹھ والوں کو اس کی بیوی کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنی ماں اور تین سالہ بچے کے ساتھ اس مکان میں رہتی تھی۔ اور جس رات جبرو گوٹھ میں داخل ہوا۔ اس کی بیوی بچہ اور ساس گھر میں ہی موجود تھے۔ پتا نہیں وہ کہاں گئے۔ ان کے بارے میں انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ گوٹھ سے واپس آنے کے بعد ہم نے اپنے طور پر غلام جبرو کی لاش کی تدفین کر دی۔ گوٹھ کے لوگوں سے کہا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو غلام جبرو کے بچے کو اپنی تحویل میں لے لیں۔ لیکن گوٹھ کے کسی فرد نے اس پر آمادگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس لیے بیگم سائیں! میں اسے اپنے گھر لے آیا۔ اور یہ وہی بچہ ہے جسے آپ نے دیکھا۔

''شرجیلہ حیران رہ گئی تھی۔ ''یہ وہ بچہ ہے۔''

''ہاں بیگم سائیں! یہ وہی بچہ ہے لیکن میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ کافی دن گزر گئے اور پھر ایک دن مجھے ڈاک سے ایک لفافہ ملا۔ میں نے حیرت سے اس لفافے کو دیکھا۔

اس میں ایک خط رکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ خط کھول کر پڑھا اور بیگم سائیں آپ یقین کرو۔ اس وقت میرا دم خشک ہو گیا تھا۔ لکھا تھا۔

''بھائی دین بخش! میں شدید زخمی تھا اب بہتر ہوں۔ جس رات تم نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی اس رات میں اپنی بیمار بیوی کو دیکھنے کے لیے گوٹھ آیا تھا۔ میرے گوٹھ پہنچتے ہی میری بیوی اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ لیکن میں تمہاری وجہ سے اس قابل بھی نہیں تھا کہ اس کا سوگ منا سکوں۔ میں اور میرے ساتھی تمہیں اس سے دور بھی رکھنے کی کوشش کرتے رہے اور اس کو دفنانے کے جتن بھی کرتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ اس موقع کی تلاش بھی کی کہ ہم کسی طرح فرار ہو سکیں۔ لیکن انسان بعض اوقات سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے اور جو کچھ ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ یہی ہوا۔ جب میں تمہیں بند کر کے باہر آیا تو میرے ایک بے وقوف ساتھی نے مکان میں آگ لگا دی۔ روشنی میں ہمارا فرار ہونا مشکل ہو گیا اور پھر ہمارے کئی ساتھی مارے گئے۔ میں شدید زخمی ہو گیا۔ جس وقت تمہیں باہر نکالا گیا اس وقت بھی میں گوٹھ والوں کے ہجوم میں ہی موجود تھا۔ میں کسی طرح اپنے بچے کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ میں نہیں کر سکا اور آخر کار مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ میں نے ایک لاش کی شکل بگاڑ کر اسے اپنی صورت دے دی۔ اور یہ ظاہر کیا کہ میں مر چکا ہوں۔

''لیکن وہ لاش میری نہیں تھی۔ بہر حال اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میرے بچے کی تم بہت اچھی طرح پرورش کر رہے ہو۔ کوشش کرنا کہ یہ ایک شریف انسان بن سکے۔ مجھے تو حالات نے ڈاکو بنا دیا لیکن میں اپنے بیٹے کو ڈاکو نہیں بنتے دیکھنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم بے اولاد ہو اور میرے بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھ کر پرورش کرو گے۔ میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں کہ تمہاری موت میرے لئے زیادہ مشکل نہیں تھی۔ لیکن بس میں نے تمہیں جس وجہ سے زندہ چھوڑ دیا ہے۔ وہ تمہاری سمجھ میں آ گئی ہو گی۔''

''بیگم سائیں یہ ہے اس بچے کی کہانی۔ میری بستی کے لوگ اس کے بارے میں نہیں جانتے کہ یہ کس کا بچہ ہے میں آپ کو بتائے بغیر نہیں رہ سکتا تھا چونکہ آپ سے میرا کچھ اور ہی رشتہ ہے۔'' دین بخش خاموش ہو گیا۔ لیکن شرجیلہ کے ذہن میں سناٹے دوڑ رہے تھے۔ کیا ہی عجیب کہانی تھی۔ پھر اس نے دین محمد سے کہا۔

''اسے کبھی نہ بتانا دین بخش! کہ یہ ایک ڈاکو کا بیٹا ہے۔''

''کبھی نہیں بتاؤں گا بیگم سائیں۔'' دین بخش نے جواب دیا۔ اچانک ہی شرجیلہ کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے دوڑ گیا۔ اس نے کہا۔

''ایک بات بتاؤ دین بخش! پولیس سے ریٹائرڈ ہو چکے ہو تم؟''

''جی بیگم سائیں!''

''یہ گھر تو تمہارا اپنا ہے۔ یہاں تمہارا خاندان بھی رہتا ہے۔''

''نہیں بیگم سائیں۔ آپ کو پتا ہے کہ سمو کے ماں باپ بھی مر چکے ہیں۔ میرا بھی کوئی نہیں ہے۔ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں یہ بات؟''

''دین بخش! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میرے ساتھ علی خیر گوٹھ چلو اور میرے پاس میری حویلی میں رہو تو کیا تم پسند کرو گے یہ بات۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تم پولیس سے ریٹائرڈ ہو چکے ہو۔ کوئی اور کام کر رہے ہو تم؟''

''نہیں۔ بیگم سائیں! کوئی خاص کام نہیں مگر آپ......''

''ہاں۔ مجھے ایک ایسے ذہین اور سمجھدار آدمی کی ضرورت ہے دین بخش! جو میرا بالکل ہی ذاتی آدمی ہو اور میرے کام آ سکے۔ سمو میری دوست ہے اور اس کے علاوہ تمہارا خاندان بہت چھوٹا سا ہے۔ مجھے اس بات کا جواب دو۔ کیا تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے۔''

''بیگم سائیں! یہ تو بالکل اتفاقیہ بات ہے کہ آپ نے یہ تجویز دے دی۔ ویسے آپ کو سچ بتائیں ہمارے حالات بھی زیادہ اچھے نہیں ہیں۔ سمو تو کتنی ہی بار مجھ سے کہہ چکی ہے کہ گوٹھ چھوڑ دو۔ کہیں اور چلتے ہیں' کوئی نوکری کرو۔ ہمارا بیٹا ابھی چھوٹا ہے۔''

''دل مراد۔ دل مراد ہے اس کا نام بیگم سائیں۔''

''میں تم سے یہی کہہ رہی تھی کہ اگر تم علی خیر محمد گوٹھ چلنا چاہو تو مجھ سے بات کرو۔''

تیسرے دن دین بخش نے اپنی آمادگی کا اظہار کیا تو شرجیلہ نے کہا۔

''دین بخش! میں کچھ مشکل حالات میں گھری ہوئی ہوں۔ تمہیں اپنے بارے میں تفصیل بتاتی ہوں۔'' اور اس کے بعد شرجیلہ نے دین بخش کو اپنی آپ بیتی سنانی شروع کر دی۔ ساری تفصیل بتانے کے بعد اس نے کہا۔

''دین بخش! تم چونکہ ایک تجربے کار اور پولیس سے نکلے ہوئے آدمی ہو۔ ہر الٹے سیدھے کو سمجھتے ہو۔ بظاہر میرے ساتھ تم میری دوست سمو اور اس کے شوہر کی حیثیت سے رہو گے۔ تمہاری ہر طرح کی ذمے داریاں میں پوری کروں گی۔ یہی نہیں بلکہ در پردہ تمہیں ایک اچھا معاوضہ بھی دوں گی۔ بس تمہیں میری ہدایت پر چلنا ہو گا ان لوگوں پر نگاہ رکھنا ہو گی جن کے خلاف میں کام کرنا چاہتی ہوں۔''

"ٹھیک ہے بیگم سائیں! ہمیں منظور ہے۔" دین بخش نے جواب دیا۔

☆......☆......☆......

مکرم شاہ فطرتاً نیک انسان تھا۔ باپ دادا کی تاریخ بھی یہی تھی۔ علی خیر محمد گوٹھ کے رہنے والے کبھی بھی ان مظالم کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ جو وڈیروں کے نام سے منسوب کیے جاتے تھے۔ بات وہی ہوتی ہے۔ ہر طرح کے انسان ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ سب ایک جیسے ہی ہوں۔ مختلف طبیعتیں، مختلف خیالات لیکن شرافت اور بے وقوفی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مکرم شاہ کی پوری تاریخ نیکیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے کبھی کسی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ باپ دادا کی روایت پر قائم رہتے ہوئے۔ اس نے علی خیر محمد گوٹھ کے رہنے والوں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا تھا۔ لیکن اب اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بے وقوف تھا۔ بہت سے خیالات اس کے دل میں آنے لگے تھے اور اب ذرا سوچنے کا انداز بدل گیا تھا۔ وہ بیٹے کو اپنی محبت کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ ایک بار غلطی ہو گئی تھی۔ وہ غازی شاہ کو بیٹے کا درجہ ہی دیتا تھا۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا۔ اس نے تو اپنے ماحول اور اپنی روایات سے بغاوت کر کے غازی شاہ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ بھجوا دیا تھا۔ لیکن یہاں اس کا تجربہ مار کھا گیا تھا۔ یورپ کی سرزمین گناہوں کی سرزمین ہے اور مکرم شاہ نے یہ نہیں سوچا تھا کہ نوجوان غازی شاہ کچے ذہن کا مالک ہے۔ گناہوں کی اس زمین پر وہ بھٹک جائے گا۔ اور ایسا ہو گیا تھا۔ جس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا تھا جہاں تک بات کیتھرائن کی تھی تو مکرم شاہ نے آج تک اپنی ماں سے اتفاق نہیں کیا تھا اور یہ محسوس کرتا رہا تھا کہ بیگم سائیں کا رویہ کیتھرائن کے ساتھ کافی سخت ہے۔ صرف انگریز نسل کی باشندہ ہونے کی حیثیت سے کیتھرائن کے ساتھ ہونے والا سلوک جائز نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی ماں کا احترام آسمان کی طرح تھا۔ وہ اس سلسلے میں شرجیلہ سے کوئی بڑا احتجاج نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اپنے طور پر اپنی محبت میں ڈوب کر اس نے غازی شاہ کو ہر طرح کی آسانیاں دینے کی کوشش کی تھی۔ حالانکہ غازی شاہ کے کچھ عمل اس کے لیے بڑے تکلیف دہ تھے۔ لیکن بہرحال اس نے انہیں برداشت کیا تھا۔ اور اب وہ اپنے بیٹے کے لیے مضطرب تھا۔ انسان کے سوچنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں اور کب اور کیسے اسے اپنے مزاج کو بدلنا پڑتا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

وزیر بخش کے سلسلے میں اسے جو شبہ ہوا تھا وہ اس کی تصدیق کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے اس نے زندگی میں پہلی بار ایک ایسا عمل کیا تھا جو خفیہ تھا اور اس کے مزاج کے خلاف بھی تھا۔ وہ پرانی حویلی کے تہہ خانے میں حمزہ کے ساتھ ہی پہنچا تھا۔ یہاں موجود لوگ وزیر بخش کے ساتھ

ابھی تک کوئی سخت سلوک نہیں کر رہے تھے لیکن انہیں پتا تھا کہ وزیر بخش مکرم سائیں کا قیدی ہے۔ اور انہیں اس کا پورا پورا خیال رکھنا ہے۔ وہ بھی اس وقت مکرم شاہ کے ساتھ ہی تہہ خانے میں پہنچے تھے۔ مکرم شاہ نے انہیں ایک طرف روک دیا تھا۔ ادھر وزیر بخش بری طرح بپھرا ہوا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کیوں گرفتار کیا گیا ہے، ویسے بھی وہ مختلف فطرت کا انسان تھا اس لیے اس کے اندر کافی وحشت پائی جاتی تھی۔ آخر کار مکرم شاہ اس کے سامنے پہنچ گیا تو وزیر بخش نے نہایت بدتمیزی سے کہا۔

"سائیں! آخر ہو نا وڈیرے، ظلم کرنے پر اتر آئے۔ آپ لوگ یہ نہیں سوچتے ہو کہ آپ ہی کے مظالم انسان کو ڈاکو بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ سندھ کی تاریخ ہے کہ جب بھی کوئی ڈاکو منظر عام پر آیا تو اس کا ماضی دیکھ کر یہی پتا چلا کہ وہ کسی نہ کسی وڈیرے کا ستایا ہوا ہے۔"

"بہت بول رہے ہو وزیر بخش۔ حالانکہ تم ایک اچھے انسان کے بیٹے ہو۔ تمہارے ماں باپ اور تمہارے خاندان کو میں بہت عرصے سے جانتا ہوں۔ ان میں کوئی برا آدمی پیدا نہیں ہوا۔"

"مگر تم نے پیدا کر دیا۔ سائیں مکرم شاہ۔" وزیر بخش نے کہا۔

"گویا تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ تم برے آدمی ہو۔"

"سائیں! بات اصل میں یہ ہے کہ جس طرح تم نے مجھے دھوکے سے یہاں بلا کر قید کرایا ہے۔ اس کے بعد اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تمہاری عزت کریں گے۔ تو تمہاری غلطی ہے۔ ہماری توہین ہے۔"

"ہوں۔ تم نے یہ نہیں سوچا وزیر بخش کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔"

"ہم نے ابھی کچھ بھی نہیں سوچا سائیں مکرم شاہ! اور آپ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ہمیں ایسا سوچنے پر مجبور مت کرو۔ آپ کو دکھ ہی دکھ ہوگا۔"

"بہت زیادہ چرب زبانی تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ تم نے یہ بھی نہیں سوچا۔"

"نفع نقصان کے سوچنے کا وقت بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ سائیں مکرم شاہ! آپ یہ بتائیں ہمیں یہاں کیوں لائے ہو آپ؟"

"وزیر بخش میں تم سے تمہارے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا۔؟"

"تم کیا کرتے ہو؟"

"آپ کو معلوم نہیں سائیں۔"

''جو کچھ تم نے مجھے بتایا ہے وہ تو مجھے معلوم ہے۔''

''باقی تم معلوم کرلو سائیں۔ ہم سے مت پوچھو۔ ہم کچھ نہیں بتائیں گے۔'' حمزہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اور میں دیکھ رہا ہوں وزیر بخش کہ تو ضرورت سے زیادہ بدتمیزی کر رہا ہے۔ اپنی اوقات میں آ جا۔ ورنہ کوڑے مار مار کے کھال گرا دوں گا۔''

''جانے دو سائیں۔ جانے دو۔ کتنے آدمی ہو تم اس وقت چھ' چار کتے' ایک تم کتے اور مکرم شاہ کو میں ابھی کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ سوائے ایک بات کے کہ وہ اپنی عزت کرائیں مجھ سے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اکھڑ جاؤں۔ اس کے بعد میں سائیں کی عزت بھی نہیں کروں گا۔'' حمزہ بے قابو ہو گیا اور اس نے ایک دیوار سے ہنٹر اتارا۔ مکرم شاہ نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ ہنٹر شڑاک سے وزیر بخش کے بدن پر پڑا۔ لیکن مکرم شاہ نے یہ محسوس کیا کہ وزیر بخش نے اس ضرب کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ مکرم شاہ نے ہاتھ اٹھا کر حمزہ کو روکا اور کہا۔

''نہیں حمزہ۔ ابھی غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ بہت زیادہ برا سلوک نہیں کرنا چاہتا۔ تھوڑا انتظار کرو۔''

''اکیلے ہمارے ساتھ یہ برا سلوک نہیں کر سکو گے سائیں مکرم شاہ۔ اس کے بعد تمہیں جس جس کے ساتھ برا سلوک کرنا پڑے گا اس کا نام سن کر تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''ارے چھوڑو۔ چھوڑو کوئی مطلب نہیں ہے۔ ہمیں چھوڑ دو۔ جانے دو ہمیں اور اپنی جان بچاؤ۔''

''تم کیا کرتے ہو وزیر شاہ۔''

''بولا نا' تمہارے کو بابا سائیں! نوکری کرتے ہیں شہر میں۔''

''نہیں۔ یہ بات میں معلوم کر چکا ہوں کہ تم نوکری نہیں کرتے۔''

''تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم کر سکے تم؟''

''وہ تم خود بتاؤ گے۔''

''کیسے؟ کیا چمڑے کے اس ہنٹر کے ذریعے۔''

''اس کے بعد میں جو کچھ کروں گا اس کے ذمے وار تم خود ہو گے وزیر بخش! جان بھی لے سکتا ہوں میں تمہاری۔''

''ہاں۔ پانچ آدمیوں کی موجودگی میں' سائیں مکرم شاہ یہ کام اکیلے بھی کر سکتے ہو کیا۔'' مکرم شاہ بے اختیار مسکرا پڑا پھر اس نے کہا۔

''نہیں۔ میں فلمی آدمی نہیں ہوں کہ تمہارا چیلنج قبول کر کے سب سے کہوں کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں نے زندگی کا بہت بڑا حصہ بے عقلی میں گزارا ہے لیکن جو لوگ مجھے بے عقل سمجھتے ہیں وہ بے وقوفی کرتے ہیں۔ میں بے عقل نہیں ہوں۔ نرم دل ہوں۔ لیکن جو لوگ مجھے سختی پر مجبور کر دیتے ہیں انہیں زندگی کے سب سے بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔''

''تو ٹھیک ہے ہمیں بھی نقصان پہنچاؤ۔''

''جیسا تم پسند کرو۔'' مکرم شاہ نے کہا کہ اور اس کے بعد حمزہ کو بھی حیرت ہوئی۔ چونکہ وہ مکرم شاہ کو بہت عرصے سے جانتا تھا۔ اس نے کبھی مکرم کو درندہ بنتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت مکرم شاہ نے جو عمل کیا وہ واقعی بہت خوفناک تھا۔ آگ دہکائی گئی تھی۔ مکرم شاہ کے حکم سے اور اس کے بعد اس نے بڑے اطمینان سے آگ کی یہ انگیٹھی وزیر بخش کے پیروں کے نیچے رکھ دی تھی۔ وزیر بخش کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے تو حیرت کے نقوش پھیل گئے۔ پھر اس کی خوفناک چیخیں فضا میں گونجنے لگیں۔ ایک لمحے کے اندر اندر اس کے حواس درست ہو گئے تھے۔ پیر بری طرح جل گئے۔ کھال سے خون ٹپکنے لگا۔ تو اس نے دہشت بھری آواز میں کہا۔

''ہٹاؤ اسے. ہٹاو۔ ہٹاؤ اسے۔ تمہارا بیڑا غرق۔ ہٹاؤ۔ بتاتا ہوں سب کچھ بتاتا ہوں۔ سب کچھ بتا دوں گا۔'' مکرم شاہ نے حمزہ کو اشارہ کیا اور حمزہ نے اپنے آدمیوں کی مدد سے انگیٹھی ہٹوا دی۔

''ہاں وزیر بخش! اب یہ بتاؤ کہ تم کیا کرتے ہو۔''

''اب کچھ نہیں کرتا سائیں مکرم شاہ! اپنے دل پر بھی زخم سہنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میرے پیروں کو ہی زخمی کر سکتے تھے نا تم۔ اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تم نے مجھ سے۔''

''پوچھوں گا وہ بھی پوچھوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم کیا کرتے ہو؟''

''اب کچھ نہیں کرتا۔ لیکن تھوڑے دن پہلے ڈاکو کھدوانا کے ساتھ تھا۔'' مکرم شاہ کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ لرز کر رہ گیا لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

''ہوں۔ ڈاکے ڈالتے تھے۔''

''ہاں۔ مجبوری تھی۔ میرے ماں باپ غربت میں زندگی گزار رہے تھے۔ دو وقت

کی روٹی نہیں تھی ہمارے پاس۔ڈاکے نہ ڈالتا تو کیا کرتا۔''

''چلو ٹھیک۔مگر سنا ہے کھدوانا تو پولیس مقابلے میں مارا گیا۔''

''ابھی تھوڑے ہی دن کی بات تو ہے۔''

''ہوں اور......''

''میرے پیروں کا علاج کر دو سائیں! مر جاؤں گا میں'تمہیں سب کچھ بتانے سے پہلے۔''

''نہیں ابھی کچھ نہیں ہو سکتا پہلے ایک ایک تفصیل بتاؤ مجھے۔''

''سائیں! کیا بتاؤں۔میں آپ کو۔آپ کا بیٹا بھی تو پورا ڈاکو بن چکا ہے۔بلکہ ڈاکوؤں کا سردار بن چکا ہے۔جاؤ۔اس کو بھی لاؤ اور اسے بھی آگ میں جلا دو۔'' مکرم شاہ نے آنکھیں بند کر لیں۔حمزہ کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''تھوڑی دیر تک یہ کیفیت طاری رہی۔فضا میں وزیر بخش کے الفاظ کی گونج تھی۔ مکرم شاہ نے آنکھیں بند کیے کیے کہا۔

''اور بتاؤ وزیر بخش اور بتاؤ۔''

''وہ کھدوانا کا داہنا بازو بن چکا تھا۔کھدوانا اس پر بہت اعتبار کرتا تھا۔ہم لوگ وارداتیں کرتے پھر رہے تھے۔نعیم شاہ کے بیٹے حکیم شاہ کو بھی علی خیر شاہ نے ہی قتل کیا اور اس کے بعد نعیم شاہ ادھر آپ کے پاس آ گیا۔جب وہ یہاں سے واپس پلٹا تو راستے میں وہ ہمیں مل گیا اور ہم نے اسے بھی ختم کر دیا۔ہم لوگ سیر و تفریح کے لیے نکلے تھے۔ہمارے پیچھے پولیس نے کھدوانا پر ریڈ کیا اور کھدوانا مارا گیا اس کے بعد ہمارا ایک ساتھی جمالو اپنے گوٹھ چلا گیا۔میں اور علی خیر شاہ ادھر اپنے گوٹھ آ گئے۔''

''علی خیر شاہ بھی؟''

''ہاں سائیں علی خیر شاہ بھی اور آپ صرف ہم پر ظلم کر سکتے ہو۔اپنے بیٹے کو بھی سنبھالو سائیں!''

''مگر ایک بات بتاؤ وزیر بخش! یہ علی خیر شاہ کب سے کھدوانا کے ساتھ تھا؟''

''سائیں! زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔آپ کی طرف سے ہی گیا تھا وہ۔''

''اسے وہاں تک کس نے پہنچایا اور کیسے پہنچایا؟''

''آپ کو نہیں معلوم ہے سائیں۔قربان سائیں اسے لے کر گیا تھا۔قربان سائیں کھدوانا کا دوست ہے اور اسی نے علی خیر شاہ کو وہاں پہنچایا تھا۔'' مکرم شاہ نے خشک ہونٹوں پر

زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''قربان کون ہے۔؟''

''سائیں جمال شاہ کا بیٹا۔جمال شاہ کا بیٹا قربان اور سائیں وہ......وہ غازی شاہ کا ساتھی ہے۔غازی شاہ کا نمک کھاتا ہے وہ۔'' مکرم شاہ پر قیامت ٹوٹ رہی تھی۔وہ لرز رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور وزیر بخش سے بولا۔

''اور بتاؤ وزیر بخش اور بتاؤ۔''

''اور کیا بتائیں سائیں! جو بتایا ہے وہ کافی ہے اب ہمارے پیروں کا علاج کر دو۔''

''ہاں۔مجھے تمہارے پیروں کا علاج کرنا پڑے گا۔'' مکرم شاہ نے کہا کہ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے حمزہ کے لباس سے پستول نکال لیا۔حمزہ حیران تھا۔مکرم شاہ کی طبیعت اور فطرت کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا تھا۔اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ مکرم شاہ ایسا کوئی عمل کر سکتا ہے۔لیکن اس نے بڑے اطمینان سے ریوالور سیدھا کیا اور اس کے بعد وزیر بخش کے سینے میں گولیاں اتار دیں۔وزیر بخش کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔حمزہ بھی سکتے کے عالم میں رہ گیا۔پھر کچھ لمحوں کے بعد مکرم شاہ نے سرد لہجے میں کہا۔

''اس کی لاش ٹھکانے لگوا دو۔'' حمزہ چونک پڑا تھا۔باقی چاروں آدمی کانپ رہے تھے۔مکرم شاہ آہستہ قدموں سے واپس چل پڑا۔اب اس کے چہرے کی کیفیت بالکل بدل گئی تھی۔

......☆......☆......☆......

غازی شاہ کو سوچنے کا موقع کم ہی ملا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ اس نے بہت ہی پرتعیش زندگی گزاری تھی۔یورپ جانے سے پہلے علی خیر محمد گوٹھ میں شہزادوں جیسی زندگی بسر کی تھی۔ مکرم شاہ نے ساری ذمے داریاں سنبھالی ہوئی تھیں۔اور کسی بھی لمحے اسے الجھنوں کا شکار نہیں ہونے دیا تھا۔اگر کیتھرائن اسے منفی انداز فکر نہ دیتی تو غازی شاہ یقیناً بھائی کے پاؤں دھو دھو کر پیتا۔یورپ میں بھی اسے کبھی ایک دن کسی طرح تکلیف نہیں ہوئی تھی۔اگر کبھی بیٹھ کر سنجیدگی سے بھائی کے اسی رویے پر غور کر لیتا تو بہت سے خیالات دل میں جاگ اٹھتے۔مکرم شاہ نے اس کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھا تھا کہ دیکھنے والے رشک کرتے تھے اور درحقیقت اسے پاکستان کا شہزادہ سمجھتے تھے۔اور یہی وجہ تھی کہ کیتھرائن جیسی چالاک عورت اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔یہ تمام صورت حال کبھی غازی شاہ کے ذہن میں نہیں

آئی تھی اور اگر کبھی اس کا دل اس طرف مائل بھی ہوتا تو کیتھرائن اسے آگے سوچنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔لیکن وہی بات کہ چالاک سے چالاک انسان کبھی ایسی غلطی ضرور کرتا ہے جہاں سے اس کے زوال کا آغاز ہو جاتا ہے۔اب یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیتھرائن کے زوال کا وقت قریب آ گیا ہے۔لیکن غازی شاہ کی زندگی میں شمیلا کو شامل کر کے کیتھرائن نے کم از کم اپنے تابوت میں پہلی کیل ضرور ٹھونک دی تھی۔کیتھرائن سے انحراف کا پہلا عمل ناگی بابا کی زندگی تھا۔ اس کے بعد جب سے کیتھرائن نے اپنے دل کی بات غازی شاہ کو بتائی تھی۔غازی شاہ کے دل میں شمیلا کے لیے ایک تڑپ پیدا ہوگئی تھی۔بہرحال شمیلا بھی اس کی قربتوں کی امین تھی۔بے شک کیتھرائن نے شمیلا کو اس کی زندگی میں شامل کیا تھا۔لیکن غور کیا جاتا تو اس میں کیتھرائن کا کوئی نیک جذبہ شامل نہیں تھا۔بلکہ ایک طرح سے شرجیلہ سے انتقام اس کی زندگی کا مقصد بنا ہوا تھا اور اسی کے لیے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا۔

اس دن غازی شاہ پریشان بیٹھا ہوا اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ اگر کیتھرائن کو اس بات کا علم ہو گیا کہ شمیلا زندہ ہے۔یا کیتھرائن نے اپنے کسی اور عمل سے شمیلا کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو کیا وہ اس بچے سے انصاف کر سکے گا۔جو شمیلا کے بطن سے پیدا ہوگا۔اس سوچ نے غازی شاہ کو پریشان کر رکھا تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ آنے والے وقت میں کیا ہوگا اور صورتحال کس طرح بنے گی۔بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ کیتھرائن ہمیشہ غازی شاہ پر نگاہ رکھتی تھی۔اتنے عرصے تک اس نے اپنے شیطانی پنجے پھیلا کر غازی شاہ کو پوری طرح اپنے جال میں جکڑ لیا تھا اور اسے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ شکار اب اس کے چنگل سے نہیں نکل سکتا۔وہ کسی خاص مقصد کے تحت یا کسی خاص نظریے کے تحت اپنا یہ عمل نہیں کر رہی تھی۔بلکہ بس اقتدار کا ایک تصور تھا اس کے دل میں۔وہ اس پر عمل کر رہی تھی اگر اتفاق سے یہاں علی خیر محمد گوٹھ میں اس کی اسی انداز میں پذیرائی ہوتی جس کی وہ توقع رکھتی تھی۔تب بھی اسے وہی کرنا تھا جو وہ کر رہی تھی۔کیونکہ بھیجنے والوں نے اسے یہی تمام نظریات دے کر بھیجا تھا اور کیتھرائن کی یہ ڈیوٹی لگائی تھی کہ علی خیر محمد گوٹھ سے جہاں انگریزوں کو شدید جانی و مالی نقصانات اٹھانے پڑے تھے۔اپنا سکون قائم نہ رکھ سکے اور اسے شدید نقصان پہنچایا جائے۔کیتھرائن کو اسی مشن پر یہاں بھیجا گیا تھا۔وہ اپنا کام پورا کر رہی تھی۔اس نے یہاں کے رہنے والوں کو دلی ہیجان کا شکار کر دیا تھا خود اس کا محبوب جس کے بارے میں وہ کہتی تھی کہ وہ اسے بہت زیادہ چاہتی ہے۔ان حالات سے بہت پریشان تھا اور شدید اذیت کا شکار نظر آتا تھا۔اس وقت بھی وہ ایک الگ تھلگ گوشے میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ ہر لمحہ کیتھرائن

کی صحبت میں رہنا بہت سے ضروری معاملات سے دور کر دیتا ہے۔اسے کوئی ایسا ذریعہ نکالنا چاہیے۔جس سے کیتھرائن سے ذرا الگ ہٹ کر کام کرنے کا موقع ملے۔یہ خیال اس کے دل میں صرف شمیلا کی زندگی کے خیال سے پیدا ہوا تھا۔بہت دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔پھر نجانے کیا خیال آیا کہ وہ شمیلا کے پاس پہنچ گیا۔کیتھرائن کے بارے میں اسے علم ہو گیا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہے۔شمیلا اسے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی تو غازی شاہ نے کہا۔

’’نہیں بیٹھو بابا بیٹھو۔تم اس طرح تیزی سے مت کھڑی ہوا کرو۔چکر کھا کر گر نہ پڑو کہیں۔‘‘

’’سائیں! آپ کی خدمت آپ کا احترام تو میری زندگی ہے۔‘‘

’’بیٹھو بیٹھو۔کیسی طبیعت ہے؟‘‘

’’ٹھیک ہوں سائیں۔‘‘

’’شمیلا تمہیں اتنے دن ہو گئے ہمارے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے۔تم نے کبھی ہم سے اپنے لیے کچھ نہیں مانگا۔بابا ہمیں اس کا افسوس ہے۔تم بیوی ہو ہماری۔ہم تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ہماری خواہش ہے کہ تم ہم سے کچھ مانگو۔‘‘شمیلا کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے۔غازی شاہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے ان الفاظ نے شمیلا پر کیا اثر کیا ہے۔وہ خوش ہے یا غمزدہ۔جب وہ کافی دیر تک خاموش رہی تو غازی شاہ نے کہا۔

’’بولو بابا بولو۔تم نے جواب نہیں دیا۔‘‘

’’سائیں آپ کے قدموں میں مجھے دنیا کی ہر خوشی حاصل ہے۔میری ضرورتیں تو آپ نے اس طرح پوری کر دی ہیں کہ میں نے زندگی میں کبھی اتنے عیش نہیں دیکھے۔بس کچھ وہم دل کو پریشان کرتے ہیں۔مگر پھر سوچتی ہوں کہ آپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے۔میرے بارے میں وہی ٹھیک ہو سکتا ہے۔میری سوچ غلط ہو سکتی ہے۔‘‘

’’کون سے فیصلے کی بات کرتی ہو؟‘‘

’’سائیں! میں بہت زیادہ نہیں جانتی کہ دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے کیا کیا طریقے ہوتے ہیں۔پر سائیں! ایک بات جانتی ہوں۔رشتے بنتے ہیں، محبتیں ملتی ہیں۔مجھے پتا ہے کہ میری ساس بھی ہیں۔جیٹھ اور جیٹھانی بھی ہیں۔مگر میں ادھر بالکل الگ تھلگ رہتی ہوں۔کسی سے نہیں ملایا گیا مجھے۔معافی چاہتی ہوں سائیں! یہ بات ذرا میرے دل کو پریشان کرتی ہے۔‘‘غازی شاہ نے افسوس بھری نگاہوں سے شمیلا کو دیکھا اور کہا۔

''ہاں شمیلا! ہم بھی یہ بات جانتے ہیں۔ ہم تمہیں بتائیں بابا! کہ یہاں ہمارے لیے بہت اچھی فضا نہیں ہے۔ ہم تمہیں اور بھی تفصیلات بتائیں گے۔ سوچتے ہیں ابھی نہ بتائیں۔''

''سائیں! آپ بے شک نہ بتائیں۔ لیکن آپ کے یہ الفاظ مجھے اور پریشان کریں گے۔ میں آپ کو صرف ایک بات بولتی ہوں۔ سائیں! میری ذات سے کبھی آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ آپ مجھے حکم کرو گے کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو۔ سائیں میں اس حکم کو اپنا ایمان بنا لوں گی۔ کبھی کوئی بات منہ سے اس وقت تک نہیں نکالوں گی جب تک آپ کی اجازت نہ ہو۔'' غازی شاہ ایک دم پریشان سا ہو گیا۔ شمیلا کو مطمئن کرنا بھی ضروری تھا۔ کہنے لگا۔

''بات اصل میں یہ ہے کہ میں باہر کے ملکوں میں زندگی گزارتا رہا ہوں اور یہاں میرا بھائی مکرم شاہ عیش وعشرت کی زندگی جیتا رہا ہے۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ سازشیں ضرور ہوتی ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں اس وجہ سے پریشان رہتا ہوں۔ تم ابھی کافی عرصے تک اسی طرح رہو گی چونکہ یہ بات تمہیں معلوم ہے کہ کیتھرائن بھی میری بیوی ہے۔ اس کی بہت بڑی بڑی مخالفتیں ہیں۔ اس نے تم سے میری شادی میری خوشی کے لیے کرائی ہے۔ شمیلا تمہیں یہ کام زندگی بھر کرنا پڑے گا۔ میں تمہیں کراچی پہنچانے والا ہوں۔ کراچی میں تمہیں زندگی گزارنا ہو گی۔ کیا سمجھیں۔''

''سائیں کے حکم پر ہزار بار قربان ہونے کو تیار ہوں۔ آپ نے مجھ سے پوچھا۔ اور میں نے آپ کو بتا دیا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہو سائیں! کہ اس طرح میری زندگی بہتر رہے گی تو ٹھیک ہے۔ اللہ مالک ہے۔'' غازی شاہ وہاں سے بھی اٹھ گیا۔ ذہنی پریشانی عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔ پھر باہر نکلا تھا کہ قربان نظر آیا۔ وہ غازی شاہ کو سلام کر کے اس کے قریب آ گیا تھا۔

''سائیں! آپ کے حکم کے مطابق ناگی کو زیارت پر بھیج دیا گیا ہے۔ کم از کم دو تین مہینے اس کی واپسی میں لگ جائیں گے۔''

ٹھیک ۔ یہ تم نے اچھا کیا اور ادھر کراچی میں گھر کا کیا ہوا؟''

''سائیں ہو گیا وہ بھی ایڈوانس دے دیا ہے۔ ایڈوانس کے بعد قیمت کی ادائیگی کرنی ہے۔ پچاس لاکھ روپے کا ملا ہے وہ گھر۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں چیک لکھے دیتا ہوں۔ کراچی کے بینک میں جمع کروا دو اور پھر اس کا پے منٹ کر دو۔''

''ٹھیک ہے سائیں۔ علی خیر شاہ کا کیا حال ہے۔؟''

''اچھا یاد دلایا تم نے آؤ۔ اس سے مل لیتے ہیں۔'' غازی شاہ نے کہا اور اس کے بعد وہ دونوں تہہ خانے کی جانب چل پڑے۔ غای شاہ تہہ خانے میں پہنچا تو علی خیر شاہ کا موڈ بہت زیادہ بگڑا ہوا تھا۔''

''چچا سائیں! یہ کیا آپ نے تو مجھے قید کر دیا ہے۔ وجہ بتائیے۔'' غازی شاہ مسکرا دیا پھر اس نے کہا۔

''قیدی ایسے ہوتے ہیں۔ شہزادوں کی طرح رہتے ہو بابا اور کہتے قیدی ہوا اپنے آپ کو۔''

''نہیں۔ میں ایک آزاد انسان ہوں۔ آپ میرے کو آزادی دو۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس وقت صورتحال ذرا مختلف ہے۔ علی خیر شاہ! تم ضد نہ کرو۔ میں ابھی تمہیں باہر نہیں بھیج سکتا۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں۔'' علی خیر شاہ نے غصیلی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور بولا۔

''چچا سائیں! آپ ابھی مجھے بچہ سمجھتے ہو۔ حالانکہ خدانا اگر زندہ ہوتا تو اس وقت میں بڑے بڑے ڈاکے ڈال رہا ہوتا۔ ایسی بات مت کرو جو مجھ سے برداشت نہ ہو۔''

''تم بہت زیادہ سرکش ہوتے جا رہے ہو علی خیر شاہ! ایسا مت کرو بس میری ہدایت پر عمل کرو۔''

''ایک بات چچا سائیں! اگر دو دن کے اندر اندر مجھے آزادی نہیں دے دی گئی تو پھر میں اپنا عمل خود اپنے ہاتھوں کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔'' غازی شاہ کو ایک لمحے کے لیے جنون سا طاری ہوا۔ اس نے غور سے علی خیر محمد کو دیکھا اور اس کے بعد اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ دو دن کی بات تو ہے۔ تم چاہتے کیا ہو؟''

''نکلنا چاہتا ہوں یہاں سے۔''

''کہاں جاؤ گے؟''

''آزاد فضاؤں میں اپنے دوستوں کے ساتھ۔ آپ اس کی فکر مت کرو کہ میں کہاں رہوں گا۔ کیا کروں گا۔ ایک بات آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ نہ تو پولیس مجھ پر ہاتھ ڈال سکتی ہے اور نہ کوئی میرا دشمن مجھ پر قابو پا سکتا ہے۔'' علی خیر شاہ نے کہا۔ غازی شاہ اس دیکھتا رہا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ دو دن کے اندر اندر میں اس کا فیصلہ کر لوں گا۔'' جب وہ دونوں باہر

نکلے تو غازی شاہ کی پیشانی کی لکیریں کچھ اور گہری ہو گئی تھیں۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''جوانی اتنی ہی سرکش ہوتی ہے' اندازہ ہو رہا ہے۔'' پھر قربان چلا گیا تو غازی شاہ کیتھرائن کے پاس چلا آیا۔ کیتھرائن نے معمول کے مطابق مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا۔ پھر وہ بولی۔

''کیا بات ہے؟ تمہاری پیشانی کی لکیریں بتاتی ہیں کہ تم کچھ الجھے ہوئے ہو۔''

''کچھ نہیں۔ بہت زیادہ الجھا ہوا ہوں۔''

''وجہ؟''

''بس بہت سی وجوہات ہیں۔ ابھی علی خیر محمد کے پاس گیا تھا۔''

''ہاں پھر۔''

''وہ بہت سرکش لڑکا ہے۔ کیتھرائن! پہلے مجھے ایک بات بتاؤ آج۔''

''ہاں پوچھو۔''

''علی خیر محمد کے مستقبل کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔'' کیتھرائن نے گہری نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ کیا یہ سوال تمہارا اپنا ہے؟'' غازی شاہ کیتھرائن کی بات سمجھ نہیں سکا تھا۔ وہ کیتھرائن کی صورت دیکھنے لگا اور بات پھر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آئی تو اس نے کہا۔

''سیدھا سیدھا مطلب ہے غازی شاہ! یہ سوال تمہارے ذہن میں خود پیدا ہوا ہے یا کہیں سے تمہارے ذہن تک پہنچایا گیا ہے۔''

''میرے ذہن تک۔ میرے ذہن تک سوالات کون پہنچا سکتا ہے بابا۔''

''نہیں ایسے ہی۔ اس لیے پوچھ رہی تھی یہ بات کہ پہلے تم نے کبھی ایسا سوال مجھ سے نہیں کیا۔''

''کیا یہ سوال کر کے میں نے غلطی کی ہے۔'' غازی شاہ کیتھرائن کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''بالکل نہیں۔ اپنوں سے ہر طرح کے سوالات کیے جاتے ہیں۔ میرا یہ مقصد بالکل نہیں ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟ علی خیر شاہ کا مستقبل کیا ہونا چاہیے۔'' کیتھرائن کے انداز میں آہستہ آہستہ تلخی آ گئی۔ تو غازی شاہ نے کہا۔

''اس میں بگڑنے کی تو کوئی بات نہیں ہے بابا! بہر حال سوچنا تو پڑتا ہے نا۔ کیا

کریں گے ہم اس کا۔؟''

''کیا کرنا چاہیے ہمیں اس کا؟''

''تمہارے دل میں اس کے لیے کیا مقام ہے؟''

''نفرت۔ نفرت اور صرف نفرت۔''

''کیا.....؟'' غازی شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں۔ وہ مکرم شاہ کا بیٹا ہے۔ خانم شرجیلہ کا پوتا ہے اور شرجیلہ مجھے معاف کرنا' وہ ہیں جنہوں نے میری نسلوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے چھوٹے سائیں۔ عشق پیدا ہو گیا ہے ان کے لیے میرے دل میں۔ محبت کروں گی میں ان سے' اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ مجھے۔ ایک ماں سے ماں بننے کا حق چھین لیا جائے۔ ایک عورت سے اس کا وقار چھین لیا جائے۔ تو وہ چھیننے والے کی دوست ہو سکتی ہے۔ کھل کر کہہ رہی ہوں تم سے نفرت ہے مجھے علی خیر شاہ سے۔ شدید نفرت ہے مجھے۔ وہ میری محبت کے سائے میں نہیں نفرت کے سائے میں پل رہا ہے۔ میں اسے اتنا برا انسان بنا دینا چاہتی ہوں۔ کہ تمہارے گوٹھ والے اس کا نام سن کر کانوں کو ہاتھ لگائیں اور کہیں کہ یہ مکرم شاہ کا بیٹا ہے' شرجیلہ کا پوتا ہے اور پھر یہ برائی ایک دن تمہارے گوٹھ کی کسی چٹان پر خون کی شکل میں بکھر جائے۔ یہ میری نفرت کا اظہار ہو گا۔ تم سوال کر رہے ہو مجھ سے کہ میں نے اس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے۔'' غازی شاہ کے دل پر گھونسا سا لگا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیتھرائن سب کے لیے موت کا عذاب بن کر آئی ہے۔ ایک طرف وہ اس بے چارے مظلوم انسان جس کا نام ناگی تھا' کی دشمن بنی تھی۔ اگر قربان اس کا اپنا آدمی نہ ہوتا تو ناگی بے بس' مظلوم اور کمزور بوڑھا آسانی سے ہلاک ہو جاتا۔ اگر اس کے دل میں شمیلا کی ہمدردی نہ جاگتی تو شمیلا ایک بچے کو جنم دے کر اپنی حسرتوں اور آرزوؤں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو جاتی' نہیں یہ تو غلط ہے۔ لیکن کیتھرائن کے سامنے وہ اپنے اختلاف کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

''دیکھو بابا میری بات سنو۔''

''سنو۔ آج تک یہ ہوتا آیا ہے غازی شاہ کہ میں نے جو کچھ کہا تم نے اسے مان لیا۔ اب یہ مثال مت قائم کرو۔ لیکن۔ کیوں۔ اگر مگر جیسے الفاظ تمہارے منہ سے ادا ہوں۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' غازی شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ محبت کا تقاضا یہی ہے کہ میں خاموش ہو جاؤں۔''

''نہیں۔ بلکہ مجھ سے اتفاق کرو۔ میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکو غازی شاہ!

جہاں تمہیں ایک بے کس ماممتا تڑپتی نظر آئے گی۔ایک ایسی مامتا جو بے بسی کا شکار ہو چکی ہے''

''جانتا ہوں بابا۔جانتا ہوں۔'' غازی شاہ نے فوراً ہی پینترا بدلا۔کیتھرائن کہنے لگی۔

''تم ایسا کرو۔کچھ عرصے کے۔لیے گھوم پھر آؤ۔مجھے پریشان نظر آرہے ہو ان دنوں کراچی کا ایک چکر لگا آؤ۔میرے لیے کچھ شاپنگ بھی کر لینا۔'' سوچ کر بتاؤں گا۔

''پھر وہی بات جب میں کہہ رہی ہوں تو سوچنے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔جیسی تمہاری مرضی۔چلا جاتا ہوں۔اصل میں علی خیر شاہ بڑی ضد کر رہا ہے ساری تفصیلات تمہیں معلوم ہیں۔کھدانا مر چکا ہے۔اور جہاں تک علی خیر شاہ کی بات ہے پولیس اس کی تلاش میں ہے اور یقینی طور پر سائیں مکرم شاہ بھی اپنی اولاد کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ایسے حالات میں اسے باہر کیسے جانے دوں۔وہ بہت ضد کر رہا ہے۔اس نے دو دن کا وقت مانگا ہے مجھ سے۔''

''کراچی کب جاؤ گے؟'' کیتھرائن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میری بات کا جواب تو نہیں ہے یہ۔''

''تمہاری بات کا جواب یہی ہے۔جاؤ گھوم پھر آؤ میں اس کی ٹریٹر ہوں۔اسے سنبھال لوں گی۔'' غازی شاہ کیتھرائن کو دیکھتا رہا پھر مسکرا پڑا۔'' کراچی خود بھی جانا چاہتا تھا۔بہت سے کام کرنے تھے۔لیکن بڑی چالاکی کے ساتھ بعد میں اس نے قربان کو طلب کیا اور بولا۔

''قربان! تم ایسا کرو کراچی چلے جاؤ اور وہاں میرا انتظار کرو۔میں آرہا ہوں ادھر۔آکر باقی تیاریاں بھی مکمل کر دیں گے۔کیتھرائن کو یہ نہیں پتا چلنا چاہیے کہ تم میرے ساتھ گئے ہو۔''

''جو حکم سائیں!'' قربان نے کہا اور وہ پھر اپنے طور پر یہ منصوبہ بنانے لگا کہ کیتھرائن جو اسے اپنا آدمی سمجھنے لگی ہے۔اسے کس طرح یہ یقین دلائے کہ اس کی مصروفیات الگ ہیں۔

''ادھر کیتھرائن غازی شاہ کے جانے کے بعد کافی دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی تھی۔پھر اسے غازی شاہ کے الفاظ یاد آئے کہ علی خیر محمد شاہ ضد کر رہا ہے۔اس نے تھوڑی دیر تک کچھ سوچا اور اس کے بعد وہ ان تہہ خانوں کی جانب چل پڑی جہاں علی خیر محمد شاہ کو قید رکھا گیا تھا۔تھوڑی دیر کے بعد وہ علی خیر محمد شاہ کے سامنے تھی۔

''چچی سائیں! کیسی ہو آپ؟ کھدوانا کی موت کے بعد میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ چچا سائں سے آگے کے لیے مشورے کروں۔مگر آپ لوگوں نے تو مجھے یہاں قید کر کے رکھ دیا

بابا۔میں قیدی نہیں ایک آزاد پنچھی ہوں۔اگر مجھے فوراً آزادی نہ دے دی گئی۔تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

''اپنی کیتھرائن سے بھی یہ لہجہ اختیار کرو گے۔'' کیتھرائن نے لگاوٹ سے کہا۔

''تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''

''میں جو ہوں تمہارے لیے میری جان! آؤ ذرا ادھر آؤ۔'' کیتھرائن نے پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔پہلے تم میرے لیے کوئی بندوبست کرو۔میں ادھر سے نکلنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ۔تم نے تنہائی میں کبھی اپنی زندگی کے بارے میں تو سوچا ہوگا۔کس طرح کی زندگی گزارنا چاہتے ہو۔''

''آزاد پرندوں جیسی زندگی۔جو فضاؤں میں اڑتے پھرتے ہیں اور میں تمہیں ایک بات کا یقین دلا دوں کہ میرے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔میرا اصول ہے کہ اپنی زندگی بچانے کے لیے جتنوں کو مار سکتے ہو مار دو۔''

''ٹھیک ہے۔میں تمہیں ایک آزاد پنچھی کی زندگی دلاؤں گی۔تمہارے چچا سائیں کراچی جا رہے ہیں۔اس کے بعد تم تیار رہنا۔ہم ایک خاص جگہ چلیں گے۔'' کیتھرائن کی آنکھوں میں عجیب نئے اور انوکھے منصوبے جاگ رہے تھے۔

حصہ دوم
گرداب
ایم۔اے۔راحت
ساگر پبلشرز

عرض ناشر

ہمارے ادارے سے ایم اے راحت صاحب کے دو نئے ناول پیش خدمت ہیں۔
ایم، اے راحت کا نام ناول کے کسی بھی قاری کے لئے اجنبی نہیں ہے آپ کا شمار بلاشبہ ہمارے ملک کے ان لکھنے والوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ڈائجسٹوں کے ابتدائی زمانے سے لکھنا شروع کیا اور آغاز ہی میں جن کی تحریروں نے قارئین کے بڑے حلقے کو اپنا اسیر بنالیا۔

ایم۔اے راحت کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے آج پاکستان کے مقبول ترین ڈائجسٹوں کا آغاز کیا تھا۔ان رسالوں کی مقبولیت میں ایم۔اے راحت کی تحریروں نے اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ یوں تو انہیں ہر طرح کی کہانی لکھنے پر کمال حاصل ہے لیکن خصوصاً جاسوسی، تحیر، ایڈونچر اور پراسرار کہانیاں لکھنے میں انہیں جو کمال حاصل ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

ایم۔اے راحت نے سینکڑوں کہانیاں لکھی ہیں ان کی ہر کہانی نے عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ان کا کمال یہ ہے کہ معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر لکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دن بدن ان کے پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اپنے ملک کے پس منظر میں لکھی گئی ایم۔اے راحت کی کہانیوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک وقوم سے محبت کرتے ہیں اور اپنی کہانیوں کے ذریعے قارئین میں وطن

دوستی کا جذبہ بھی اجاگر کرتے ہیں۔

ساگر پبلشرز کی طرف سے ان کا ناول ''گرداب'' دو حصوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جبکہ دوسرا ناول ''صندل کا تابوت'' ہے۔ یہ دونوں ناول مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں لیکن ان میں قارئین کی دلچسپی کا بے پناہ عنصر موجود ہے۔ امید ہے آپ کو یہ ناول پسند آئیں گے اور آپ مدتوں ان کہانیوں کو بھلا نہیں سکیں گے۔

ساگر پبلشرز کی طرف سے جلد ہی ایم۔اے راحت کے اور ناول بھی پیش کئے جائیں گے۔

ساگر پبلشرز

اب وقت آ گیا تھا کہ غازی شاہ بہت سی باتوں پر غور کرے۔ کیتھرائن نے اس پر اپنے اتنے جال پھینک رکھے تھے کہ غازی شاہ کیتھرائن کے بارے میں ذرا بھی غلط نہیں سوچ سکتا تھا۔ لیکن انسان بہرحال انسان ہوتا ہے کبھی کبھی کچھ جذبے اس کے اندر سے ابھرتے ہیں اور اسے صحیح راستوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شرحیلہ اور مکرم شاہ قدیم روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کیتھرائن سے نفرت کرتے ہیں' یہ سوچ کر کہ وہ ایک انگریز عورت ہے۔

اتفاق کی بات یہ کہ اس وقت جب انگریز ہندوستان پر قابض تھے تو علی خیر محمد گوٹھ سندھ کے ایسے جانباز علاقوں میں سے تھا۔ جنہوں نے ہزاروں مظالم اٹھانے کے باوجود کبھی انگریزوں کی برتری قبول نہیں کی تھی اور خاص طور سے یہ نفرت سینہ بہ سینہ نسلوں میں منتقل ہوئی تھی اور عام طور سے یہاں کے لوگ انگریزوں سے خاص طور سے نفرت کرتے تھے ان کی چالاکی اور مکاری سے متنفر تھے۔ البتہ غازی شاہ نے انگلینڈ میں کافی وقت گزارا تھا۔ ایک کچے اور نا تجربے کار ذہن آنکھوں اور دماغ سے اس نے انگریزوں کو دیکھا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ وہ وقت گزر گیا۔ سیاست میں ایسے عروج زوال آتے ہی رہتے ہیں۔ ملکوں پر اقتدار قائم ہوتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں۔ رات گئی بات گئی۔ اسے چونکہ برے وقت سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس لئے وہ نہیں جانتا تھا کہ اپنے دور اقتدار میں انگریزوں نے کیا کیا' کیا تھا اور نفرتوں کے یہ

ستون اتنے کھوکھلے نہیں تھے کہ آسانی سے مسمار ہو جائیں۔ یہاں تک کہ کیتھرائن نے اس پر اپنی اداؤں کا جال ڈال دیا اور غازی شاہ سوچے سمجھے بغیر اسے اپنی زندگی میں شامل کر کے یہاں تک لے آیا۔ یہاں جو سلوک کیتھرائن کی وجہ سے ہوا۔ اس نے غازی شاہ کو بھی اپنے گھر اور اپنے خاندان سے بددل کر دیا۔ بس یہ کہانی تھی جو چل رہی تھی لیکن کیتھرائن کی کچھ باتوں سے غازی شاہ تھوڑا سا بددل ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کیتھرائن تو ایک غیر عورت تھی۔ لیکن غازی شاہ کے جسم میں وہی خون دوڑا کرتا تھا۔ چنانچہ جب کیتھرائن نے علی خیر شاہ کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تو غازی شاہ کو ایک دم دکھ ہوا۔ مکرم شاہ نے تو ایسی کوئی بات کی بھی نہیں تھی۔ جس سے غازی شاہ کو کوئی تکلیف ہوئی ہوتی۔ اس کے گھر کے چراغ کو اس بے دردی سے بجھانا کوئی اچھی بات تو نہیں ہوگی۔

ادھر شمیلا کا معاملہ تھا۔ ایسی معصوم' ایسی سادہ لوح اور محبت کرنے والی عورت ایک دوسری عورت کی غلط خواہش کی بھینٹ چڑھ جائے۔ کیتھرائن کے ساتھ شرجیلہ نے برا کیا تھا اس میں شمیلا کا تو کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ پھر شمیلا کو زندگی سے کیوں محروم کیا جائے۔ کیا کیتھرائن درحقیقت علی خیر محمد گوٹھ اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کے لئے ایک ویمپائر ہے۔ خون آشام ہے۔ جس کا قصور اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ تب تو نظرانداز کیا جا سکتا ہے لیکن کسی بے قصور کو جیسے ناگی بابا یا اس کے بعد شمیلا اور علی خیر شاہ' وہ معصوم سا کھلونا جوان لوگوں کی آغوش میں جوان ہوا۔ انسانوں کو تو در و دیوار اور جانوروں تک سے محبت ہو جاتی ہے۔ وہ تو انسان کا بچہ تھا اور پھر خاص طور سے غازی شاہ کا خون۔ کیا غازی شاہ کا خون اس طرح سڑکوں پر بہہ جائے گا۔ کیتھرائن نے کتنے نفرت بھرے لہجے میں اس کی موت کی کہانی غازی شاہ کو سنائی تھی۔

نہیں۔ اب کچھ سوچنا پڑے گا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ فی الحال تو شمیلا کا معاملہ تھا۔ کیتھرائن اسے کراچی جانے کے لئے کہہ رہی تھی۔ اسے بھی جانا تھا۔ تمام انتظامات کرنے تھے چنانچہ کیتھرائن سے اجازت لے کر وہ چل پڑا اور سفر طے کرتے ہوئے آخر کار کراچی پہنچ گیا جہاں قربان بہت سے کام کر چکا تھا۔ قربان نے کراچی میں اس کا استقبال کیا اور بولا۔

''سائیں پر قربان۔ آپ نے جو حکم دیا تھا میں نے اس کی تعمیل کر ڈالی ہے''۔

''کیا کیا ہے قربان''!

''سائیں ایک گھر خرید لیا ہے۔ آپ کے شایان شان ہے۔ آپ اسے دیکھ لو''۔

''واہ...... یہ تو اچھی بات ہے''۔ قربان ایک خاصے خوبصورت علاقے میں بل پارک

''ہاں ہاں...... ٹھیک کہتے ہو ہم جانتے ہیں کہ تم ہمارے مزاج شناس ہو۔ اس میں عمدہ قسم کا فرنیچر لگوا دو اور بالکل ٹھیک کرا دو اسے۔ نوکر وغیرہ بھی یہاں رکھ لو تاکہ جب شمیلا یہاں آئے تو اسے کوئی دقت نہ ہو۔ ویسے قربان! بہت سی الجھنیں ہیں میرے دماغ میں''۔

''سائیں! پر قربان' میں کوئی مدبر تو نہیں ہوں لیکن کوشش کروں گا کہ سائیں کی الجھنوں کے حل تلاش کروں۔ آپ مجھے بتاؤ سائیں کیا بات ہے''۔ قربان نے وفاپرست لہجے میں کہا۔ غازی شاہ سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے کہا۔

''قربان! کیتھرائن کے مزاج کو تم جانتے ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا مزاج اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے یہاں اس کے بلکہ میرے ساتھ بھی جو سلوک ہوا ہے۔ اس کے بارے میں تمہیں معلوم ہے۔ اگر یہ لوگ کیتھرائن کو اپنا سمجھ کر گلے لگاتے تو آج صورت حال بالکل مختلف ہوتی۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ سب نے اس کے ساتھ نفرت کا برتاؤ کیا''۔ غازی شاہ نے جان بوجھ کر قربان سے ماں کے ظلم کی داستان بیان نہیں کی۔ اپنا راز غیروں کو دینا بہرحال اچھی بات نہیں ہوتی۔ قربان خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ غازی شاہ نے کہا۔

''اور اس کے بعد کیتھرائن کے دل میں نفرت کے طوفان امنڈنے لگے اور وہ اس مزاج کی بن گئی۔ ناگی بابا کو اس نے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا وہ اسے بھی نہیں چھوڑنا چاہتی' یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔ شمیلا کی بات کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ اس نے جو ایک ایسی بات کہی ہے۔ اس نے میرا دل دہلا دیا ہے۔ قربان! سائیں مکرم شاہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ میں اس وقت تک ان سے نفرت نہیں کرتا تھا۔ جب تک انہوں نے میرے ساتھ برا سلوک نہیں کیا تھا۔ نفرت شاید میں اب بھی نہیں کرتا ان سے چونکہ میرے ساتھ زیادہ سختی کرنے والی بیگم سائیں ہیں۔ سائیں مکرم شاہ نہیں ہیں اور علی خیر محمد شاہ مکرم شاہ کا بیٹا ہے۔ کیتھرائن اس سے محبت نہیں کرتی بلکہ اسے بھی اس نے انتقام کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے اور وقت آنے پر وہ اسے ہلاک کر دے گی۔ یہ اس کا منصوبہ ہے''۔

''سائیں پر قربان! قربان تو صرف ایک بات جانتا ہے کہ جو سائیں غازی شاہ کہے وہ کرو۔ سائیں غازی شاہ کی بات پر عقل سے دھیان نہ دو۔ پر سائیں یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ معاف کرنا چھوٹی بیگم سائیں کئی انسانوں کو موت کے گھاٹ اتروا چکی ہیں۔ باقی آپ بہتر جانتے ہو''۔

''ہاں میں جانتا ہوں۔ لیکن نہ تو علی خیر محمد شاہ قتل ہوگا نہ شمیلا' نہ ناگی بابا۔ کیا سمجھے البتہ میں یہ سوچتا ہوں کہ ہم نے جو منصوبہ بنایا ہے شمیلا کے بارے میں' اس کی تکمیل کیسے ہو''۔

"ہاں سائیں! یہ سوچنے کی بات ہے"۔

"یہی میں سوچ رہا ہوں کہ اگر شمیلا کو ہم لوگ ولادت کے وقت کراچی لے کر آئے تو جتنا شوق کیتھرائن کو ہے اس کے تحت وہ خود بھی اس کے ساتھ آئے گی اور ہمارا منصوبہ خراب ہو جائے گا۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیتھرائن کو آنے سے کیسے روکا جائے"۔ قربان سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"سائیں! ایک ترکیب میرے ذہن میں ہے۔ ہمیں یہاں کسی پرائیویٹ ہسپتال سے رجوع کرنا چاہئے۔ پرائیویٹ ہسپتال کی گائینی کی ڈاکٹر ہمارے ہاتھ لگنی چاہئے۔ ہم اس سے بات کر کے اپنا منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں"۔ قربان بہت دیر تک غازی شاہ کو اس بارے میں اپنی تجاویز سے آگاہ کرتا رہا تھا۔ غازی شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی انگلینڈ میں تو میں رہ کر آیا ہوں۔ پر تیرا دماغ بھی اس سے کہیں آگے سوچتا ہے۔ بڑی بات ہے قربان بڑی بات ہے۔ تو نے تو سارا مسئلہ حل کر دیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کی ڈاکٹر کو کہاں تلاش کیا جائے"۔

"سائیں! کوئی مشکل کام نہیں ہے اور پھر ہم کوئی گناہ نہیں کر رہے۔ بلکہ ایک انسان کی زندگی بچانے کا مسئلہ ہے۔ ہم خوشی سے اپنے کام کا آغاز کئے دیتے ہیں"۔

قربان نے دو تین دن کی محنت کے بعد ایک پرائیویٹ ہسپتال کی ڈاکٹر فوزیہ کو تلاش کر لیا۔ فوزیہ سے گفتگو کرتے ہوئے غازی شاہ نے کہا۔

"بی بی! آپ کو آپ کا منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا۔ ہم کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں بس کچھ ایسے گھریلو معاملات ہیں جن کی وجہ سے ہمیں کسی کو دھوکہ دینا پڑ رہا ہے۔ آپ یہ سوچ لو کہ اس میں نقصان کی کوئی بات نہیں ہے۔ کوئی جرم نہیں بنتا ہے۔ بلکہ ایک طرح سے آپ یوں سمجھ لو کہ ایک نیکی کا کام ہے یہ"۔

"دیکھئے جناب! میں نے آپ کا کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان صاحب نے مجھے جو کہا ہے، میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یہ مجھے ایک لاکھ روپے دیں گے۔ میں آپ کی خواہش کے مطابق تمام کام کر دوں گی۔ ہسپتال کے اخراجات جو کچھ بھی ہوں گے وہ آپ کو الگ دینا ہوں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ ایک لاکھ روپے آپ کو صرف ابتدائی اور ہسپتال کے اخراجات کے لئے مل جائیں اس کے علاوہ مزید ایک لاکھ روپے میں آپ کو دوں گا اور آپ اپنے ساتھ کچھ نرسوں وغیرہ کو بھی ملانا چاہیں گی تو بیس بیس ہزار روپے انہیں دوں گا۔ یہ ایک لاکھ روپے آپ

ایڈوانس رکھ لیں۔ باقی بعد میں مل جائیں گے"۔

"تو پھر ٹھیک ہے آپ کا کام بہ خوشی کرنے کے لئے تیار ہوں"۔

"تفصیل تو آپ کو بتا دی گئی ہے"۔

"ہاں بالکل"۔

"بس آپ کی بہت مہربانی ڈاکٹر فوزیہ"! ڈاکٹر فوزیہ نے انہیں پرمسرت انداز میں رخصت کیا تھا۔ ایک لاکھ روپے کی نوٹوں کی گڈی بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ چنانچہ اس طرح سے غازی شاہ نے اپنا کام یہاں مکمل کیا۔ قربان واقعی ایک ذہین آدمی تھا۔ بہترین منصوبہ تیار کیا تھا اس نے۔

غازی شاہ شہر چلا گیا تھا۔ کیتھرائن نے اپنے دل کی بات اس سے کہہ دی تھی لیکن ابھی تک اسے غازی شاہ کی نیت اور اس کی فطرت پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ غازی شاہ اب تک وہی کرتا رہا تھا جو کیتھرائن اس سے کہتی تھی۔ چنانچہ اب اسے علی خیر شاہ کے سلسلے میں دوسرا کام کرنا تھا۔ اس نے علی خیر شاہ سے کہا۔

"علی خیر شاہ! تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ اصل میں ان اطراف میں پولیس تمہاری تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم برقع اوڑھ کر چلو"۔

"کیا مطلب ہے۔ آپ کا۔ چچی بیگم! میں عورت بن کر چلوں گا آپ کے ساتھ"۔

"دیکھو...... کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہاری مردانگی تمہیں اس کی اجازت نہیں دیتی"۔

"آپ خود سوچو ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے"۔

"میں کہہ رہی ہوں اس لئے سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے"۔

"ٹھیک ہے مجھے کیا۔ آپ ہنسنا نہیں مجھ پر ورنہ مجھے غصہ آ جائے گا"۔ علی خیر شاہ نے خود ہنستے ہوئے کہا۔

کیتھرائن بے وقوف عورت نہیں تھی۔ علی خیر شاہ کے ساتھ اس نے دو اور عورتوں کو بٹھایا جو اس کی ملازمائیں تھیں اور اسے ان پر اعتماد تھا۔ اس طرح تین برقع پوش عورتیں چوتھی کیتھرائن، پانچواں ڈرائیور اور یہ لوگ جیپ میں بیٹھ کر جمالی گوٹھ چل پڑے تھے۔ کیتھرائن نے اپنے ذہن میں جو منصوبہ بنایا تھا۔ وہ اس پر عمل کرنے کے لئے چل پڑے تھے۔ راستے میں اس نے پولیس کو مستعد دیکھا۔ انہیں بھی دیکھا گیا اور کیتھرائن نے نفرت بھری نگاہوں سے پولیس کو

دیکھا اور بولی۔

''کیا بات ہے تم لوگوں کی ہمت اتنی بڑھ گئی کہ تم سائیں غازی شاہ کی جیپ کو نہیں پہچانتے''۔

''نہیں چھوٹی بیگم سائیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔ اصل میں بیگم سائیں! ابھی ان علاقوں میں عورتیں اتنی بے باکی سے باہر نہیں نکلتیں۔ گوٹھوں کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اب آپ دیکھو نا آپ کے ساتھ دوسری عورتیں پردے میں ہیں''۔ ایک پولیس والا ذرا بے باک فطرت کا دمی تھا۔ چنانچہ بول پڑا۔ کیتھرائن نے اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھے آدمی ہو تم۔ کیا نام ہے تمہارا''۔

''نام نہیں بتائیں گے آپ کو بیگم سائیں! جانتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیں سزا ملے گی۔ نام تو پاگل لوگ بتاتے ہیں۔ ہمیں کوئی سزا تھوڑی برداشت کرنی ہے''۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے''۔ سپاہی چلے گئے اور جیپ آگے بڑھ گئی۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد آخر کار جیپ جمالی گوٹھ میں داخل ہوگئی۔ کیتھرائن نے ڈرائیور کو حکم دیا تھا کہ وہ فضل شاہ کی حویلی پر چل کر گاڑی روکے۔ فضل شاہ کی حویلی پر کیتھرائن نے اپنا پیغام فضل شاہ کو بھجوایا اور کہا کہ غازی شاہ کی بیوی کیتھرائن اس سے ملاقات کرنے کے لئے آئی ہے۔ فضل شاہ نے کیتھرائن کو اندر بلا لیا تھا۔ کیتھرائن نے علی خیر محمد کو اپنے ساتھ لیا۔ برقع اتروا دیا گیا تھا۔ فضل شاہ نے دونوں کا خیر مقدم کیا اور بولا۔

''سائیں غازی شاہ کدھر ہے بھابی بیگم۔ کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں آئے''۔

''نہیں۔ فضل شاہ! اس وقت میں آپ کے پاس اپنے ایک ذاتی کام سے آئی ہوں''۔

''یہ سائیں مکرم شاہ کا بیٹا علی خیر محمد ہے نا''۔

''ہاں وہی ہے''۔

''آپ کا اس طرح میرے پاس آنا مجھے حیران کن لگتا ہے''۔

''حیران ہونے میں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ سائیں فضل شاہ! لیکن اگر ناگوار گزرا ہے تو براہ کرم مجھے بتا دو''۔

''کیسی بات کرتی ہیں بھابی سائیں! آپ کا آنا اور کسی کو ناگوار گزرے گا۔ وہ کوئی پاگل ہی ہو سکتا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ حسین چیزوں کی اپنی اپروچ ہوتی ہے۔ وہ کسی

کے حوالے سے بے شک آتے ہیں لیکن بعد میں خود اپنا حوالہ بن جاتے ہیں''۔ فضل شاہ کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس کے لئے ایسی باتیں ناخوش گوار بھی نہیں تھیں۔ کیتھرائن نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولی۔

''باتیں بہت اچھی کر لیتے ہو فضل شاہ! غازی شاہ نے ہمیشہ مجھ سے تمہاری تعریفیں کیں اور بتایا کہ تم کتنے اچھے دوست ہو اس کے۔ پر یہ نہیں بتایا کہ تم اتنی اچھی باتیں بھی کر لیتے ہو۔ بہر حال تمہارا شکریہ انسانی فطرت کی ایک کمزوری ہے کہ اپنی تعریف سن کر وہ بہت سی باتیں بھول جاتا ہے۔ لیکن میں نے وہ بات یاد رکھی ہے جس کے لئے میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے سائیں فضل شاہ! کہ چھوٹے سائیں کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ انگلینڈ میں تعلیم حاصل کی ہے انہوں نے اور وہ ضرورت سے زیادہ مہذب بن گئے ہیں۔ کوئی ایسا کام کر ہی نہیں سکتے جو غیر مہذب ہو لیکن میں سمجھتی ہوں فضل شاہ کہ ایسے لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ انہیں اپنا مقام کبھی نہیں ملتا۔ مگر یہ میری ذمے داری ہے کہ میں ان کی حفاظت کا بندوبست کروں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ سائیں مکرم شاہ اپنے آپ کو بڑا نیک اور شریف آدمی کہتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے جبکہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ وہ آنے والے وقت میں علی خیر میں گوٹھ کے لئے کوئی طاقتور آدمی نہیں ہے۔ میں نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کیا اور مکرم شاہ کے بیٹے کو ایسے راستوں پر ڈالا ہے جو دلیری اور جانبازی کے راستے ہوتے ہیں۔ میں نے اسے ڈاکو کھدوانا کے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ تاکہ وہ انسانی زندگیوں سے بہت زیادہ متاثر نہ ہو۔ لیکن افسوس ڈاکو کھدوانا پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔ ادھر سائیں مکرم شاہ اپنے بیٹے کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ علی خیر شاہ نے کچھ بندے مار دیئے ہیں''۔

''ارے واہ...... اتنے بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں اور ہمارے علم میں کچھ بھی نہیں ہے''، فضل شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں بتا رہی ہوں نا آپ کو فضل شاہ! علی خیر شاہ ایک بہت دلیر آدمی ہے''۔

''ہاں۔ لگ تو رہا ہے۔ چہرے سے''، فضل شاہ نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''غازی شاہ تو سیدھے سادھے آدمی ہیں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا اور آپ سے ملنے کے بعد سائیں فضل شاہ! بہر حال میں یہ دعویٰ کرتی ہوں کہ مجھ میں انسان کو پہچاننے کی صلاحیت موجود ہے میں نے دیکھا کہ ان علاقوں میں بھی ایک دلیر آدمی موجود ہے اور اس کا نام فضل شاہ' بس آپ یہ سمجھ لو سائیں فضل شاہ! اپنے طور پر ہمت کر کے میں اسے یہاں تک

لے آئی''۔

''میں سمجھا نہیں بھابی سائیں! آپ حکم کرو''۔

''سائیں! فضل شاہ! آپ کے بارے میں مجھے بہت کچھ معلوم ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اسے اپنی شاگردی میں لے لیں۔ وہ کام سکھائیں اسے جو اسے جینے کا راستہ دکھائے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ''۔

''ہاں بھائی سائیں! میں سمجھ رہا ہوں''۔

''تو پھر کیا کہتے ہیں''۔

''کیا غازی شاہ کو اس بارے میں علم ہوگا''۔

''ہاں۔ میں بتا دوں گی۔ مگر غازی شاہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں پتہ چلنا چاہئے اسی لئے میں اسے چھپا کر آپ کے پاس لائی ہوں۔ ویسے آپ کو بتا دوں کہ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے نتیجے میں پولیس اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ دوسری طرف مکرم شاہ بھی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ بات میں آپ کو کیوں بتا رہی ہوں''۔

''سب کچھ سمجھ گیا ہوں بھابی سائیں''!

''آپ نے جواب نہیں دیا''۔

''بس۔ آپ نے کہہ دیا کافی ہے۔ لیکن بھابی سائیں! ہم چاہیں گے کہ آپ ہمیں اپنی میزبانی کا موقع دیتی رہا کریں۔ سائیں غازی شاہ کہاں ہیں''؟

''شہر گئے ہیں''۔

''تو آپ ایک آدھ دن ہمارے ہاں قیام کریں''۔

''نہیں فضل شاہ! آنا جانا تو لگا ہی رہے گا۔ میں واپس جانا چاہتی ہوں تا کہ قرب وجوار پر نگاہ رکھوں''۔

''اس وعدے کے ساتھ کہ آنا جانا لگا رہے گا' ہم مجبوراً آپ کو اجازت دے رہے ہیں۔ ورنہ اپنے گوٹھ میں آنے والے کسی بھی شخص کی اچھی طرح خاطر مدارات کئے بغیر ہم اسے نہیں جانے دیتے''۔

''ٹھیک ہے۔ میں دوبارہ آؤں گی''۔ کیتھرائن نے علی خیر محمد کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر بولی۔''کیا کہتے ہو علی خیر شاہ! خوشی سے یہاں رہو گے''۔

''یہ تو بعد میں ہی فیصلہ ہوگا چچی سائیں! کہ سائیں فضل شاہ مجھے کیا سکھاتے رہیں''۔

''ڈاکا زنی قتل و غارت گری۔ اسمگلنگ کیا کہتے ہو اب''۔

کیتھرائن نے کہا اور علی خیر شاہ نے مسکرا کر فضل شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تب تو مجھے ایک ایسے استاد کی سخت ضرورت ہے' میں خوشی سے یہاں رہوں گا''۔

کیتھرائن نے تھوڑی دیر تک فضل شاہ سے خوب باتیں کیں اور اس کے بعد واپسی کے لئے قدم اٹھادیئے۔

فضل شاہ بہت ہی عجیب و غریب قسم کا آدمی تھا۔ کافی دولت مند تھا اور دو نمبر کے کام کیا کرتا تھا۔ فطرتاً عیاش طبع بھی تھا۔ اس انگریز عورت کو دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ گیا تھا۔ دوستی دوستی تو حماقت کی باتیں ہوتی ہیں ضرورت کہیں سے بھی پوری ہو جائے بس کافی ہوتا ہے۔ لیکن جتنے بڑے آدمی کی بیوی تھی یہ وہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری تھا۔ ہر کام آسانی سے نہیں ہو جاتا کیتھرائن کے کچھ کام کر دے' اس کے بعد ہی کیتھرائن پر جال ڈالا جا سکتا تھا۔ ویسے بھی اپنے معاملات وہ خود ہی دیکھتا تھا اور کسی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ البتہ علی خیر محمد شاہ کو دیکھ کر بھی اسے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ علی خیر محمد شاہ کی عمر اس کے چہرے سے جھلکتی تھی لیکن جسمانی ساخت دیکھ کر چکرا جاتے تھے۔ وہ ایک گبھرو جوان بن چکا تھا۔ بس چہرے پر ایک حسین شگفتگی نظر آتی تھی وہ احساس دلاتی تھی کہ عمر زیادہ نہیں ہے۔ آواز میں بھی مکمل مردانگی آ گئی تھی اور اگر کوئی اس کا چہرہ دیکھے بغیر اس کی آواز سنتا تو صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ کہ کس عمر کا آدمی بول رہا ہے۔ بہر حال کیتھرائن چلی گئی۔ فضل شاہ نے علی خیر سے انٹرویو لینا شروع کر دیا۔

''مکرم شاہ کے بیٹے ہو نا تم''؟

''ہاں۔ چاچا سائیں! میں انہی کا بیٹا ہوں''۔

''مگر تم نے پرورش تو انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں پائی ہے''۔

''چھوڑیں سائیں! بابا...... پرورش مرورش کیا ہوتی ہے۔ میرے کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ انسان کا سب سے بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت پوری کرے۔ جہاں سے بھی ممکن ہو سکے بس ضرورت پوری ہونی چاہئے اور جو اس کی ضرورت پوری کرے وہی اس کے لئے سب سے بڑا رشتے دار ہوتا ہے''۔

''واہ...... یہ باتیں تمہیں کس نے سکھائیں''۔

''وقت نے سائیں اور کس نے''۔

''ارے ارے' تم پر اتنی سی عمر میں کون سا وقت پڑ گیا ہے''۔

''میں آپ کو ایک بات بولوں سائیں! اگر چھوٹی عمر میں دقت کو پہچان لیا جائے۔ تو پھر تکلیف نہیں ہوتی زیادہ۔ کام آسانی سے چل جاتا ہے۔''

''بھئی...... تم تو بہت سمجھدار لڑکے ہو۔''

''سائیں آپ کو ایک بات بولوں برا نہ مانیں''۔

''ہاں ہاں ضرور بولو'' فضل شاہ دلچسپی سے بولا۔

''میرے کو لڑکا وڑکا کہہ کر اپنا مذاق خود نہ اڑاؤ۔ جو بات ابھی مجھ سے کرو گے میں اس کا ایسا جواب دوں گا آپ کو کہ آپ کا یہ احساس ختم ہو جائے گا کہ میں بچہ ہوں۔ دیکھو سائیں! یہ بات میں اس لئے آپ کو بولتا ہوں کہ آپ تو مجھے بچہ سمجھ کر میرے بڑے بننے کی کوشش کرو گے۔ مگر مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ میری بات سمجھ گئے ہونا سائیں! میں آپ کے پاس اس لئے رکا ہوں کہ آپ مجھے میرے پسند کے کام دو گے۔ اگر بچے اور بڑے کا فرق ہوتا سائیں! تو میں کبھی ادھر نہیں آتا''۔

''سمجھ رہا ہوں' سمجھ رہا ہوں تم واقعی بڑی آگے کی چیز ہو یار! چلو ٹھیک ہے ہمارے درمیان دوستی۔ اب یہ بتاؤ تمہارے اپنے باپ سے کیسے تعلقات ہیں''؟

''سائیں فضل شاہ! میں آپ کو بتاؤں۔ میں چچی سائیں اور چچا سائیں کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ انہوں نے مجھے دنیا دکھائی ہے اور بتایا ہے کہ دنیا میں کیسے گزارا کیا جا سکتا ہے۔ ان کے لئے میں نے کئی بندے مار ڈالے ہیں اور ویسے بھی آپ کو بتاؤں کہ میں کھدوانا کے ساتھ کئی ڈاکوں میں بھی حصہ لے چکا ہوں۔ کھدوانا پولیس کے ہاتھوں مارا گیا ورنہ میرے کو وہ یہی بولتا تھا کہ تو میرا گدی نشین ہوگا اور میری جگہ تو ہی سنبھالے گا۔ سائیں! میں ایسے ہی کام کر کے خوش رہ سکتا ہوں۔ تو میں آپ کو یہ بول رہا تھا کہ مکرم شاہ خود میری تلاش میں بھٹک رہے ہیں اور اگر میں ان کے ہاتھ آ جاؤں تو پولیس تو بعد میں مجھے مقدمہ چلا کر سزا دے گی۔ سائیں مکرم شاہ نے اپنی حویلی کے سامنے والے حصے میں میرے لئے ایک پھانسی گھر بنایا ہوا ہے اور وہ مجھے پھانسی دے کر بہت خوش ہوں گے''۔

''وجہ''۔

''بس سائیں! اپنے اپنے نظریات ہیں انہوں نے اپنے گلے میں شرافت کا ڈھول ڈال رکھا ہے۔ مگر میں بولتا ہوں کہ یہ سب ڈھونگ ہے جب بھی کسی کو اپنی ضرورت پوری کرنا ہوتی ہے وہ ڈھونگ سے کام لیتا ہے مکرم شاہ کا بھی کوئی مسئلہ ہوگا''۔

''تم نے اب تک کیا کیا ہے''؟

''دنیا کا پڑھا ہے سائیں! اور کچھ نہیں کیا''۔

''کتنا پڑھ لیا ہے''؟

''تھوڑا سا...... آپ یہ سمجھ لو کہ ایک موٹی کتاب کا پہلا ورق''۔ فضل شاہ اس لڑکے کی باتیں سن سن کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ محض جسمانی طور پر مکمل نہ تھا بلکہ عقلی طور پر بھی مکمل ہی تھا اور بڑی بھرپور باتیں کرتا تھا۔ فضل شاہ کو خود بھی سنبھلنا پڑا تھا۔

بہرحال وہ یہاں رہنے لگا۔ فضل شاہ نے اس کے لئے بہت عمدہ انتظام کر دیا تھا۔ وہ اس لڑکے سے بہت سے کام لینا چاہتا تھا جس کے بارے میں اس نے اپنے مشیر خاص امیر شاہ سے کہا۔

''سائیں امیر شاہ! فضل شاہ کبھی کچی گولیاں نہیں کھیلتا۔ تم پوچھ رہے ہو کہ میں اس لڑکے پر اتنی توجہ کیوں دے رہا ہوں۔ تم نے غور کیا ہے اس پر''؟

''سمجھا نہیں سائیں''!

''ایک بالکل ہی نیا کھیل شروع کر رہا ہوں۔ اصل میں میرے کچھ حریف ہیں۔ کچھ دشمن ہیں میرے مجھے ان سے کام لینا ہے اور اس کے لئے یہ لڑکا میرے لئے ایک زبردست مہرہ ثابت ہوگا۔ سائیں امیر شاہ! تم دیکھنا اور داد دینا فضل شاہ کے دماغ کو کہ اس نے کیا عمدہ ترکیب سوچی ہے''۔

''مگر سائیں! فضل شاہ ایک بات میرے کو بتاؤ۔ یہ غازی شاہ کی بیوی' میرا مطلب ہے وہ انگریز عورت کیا چکر چلا رہی ہے۔ وہ اس لڑکے کو تمہارے پاس کیوں چھوڑ گئی ہے۔ میرا مطلب ہے تم پر ہی کیوں بھروسہ کیا ہے اس نے''؟ فضل شاہ مسکرانے لگا پھر بولا۔

''کیا اتنا کافی نہیں ہے اس کے بارے میں کچھ کہنے کے لئے کہ وہ انگریز ہے۔ آپ کو پتا ہے سائیں امیر شاہ کہ زیادہ وقت نہیں گزرا کچھ ہی عرصے پہلے انگریز پانی کے جہاز ایسٹ انڈیا کمپنی کا نام لے کر ہندوستان میں آئے تھے اور انہوں نے مغل بادشاہوں کو آسانی سے جال میں پھانس لیا تھا اور اس کے بعد ہندوستان پر قبضہ جما لیا تھا۔ کہنا یہ ہے کہ یہ قوم ہے ہی اتنی چالاک اور کیتھرائن اسی قوم کی ایک فرد ہے۔ میرے کو سب کچھ معلوم ہے کہ وہ یہاں اقتدار نہیں حاصل کر سکی تو بلی کا کردار ادا کر رہی ہے۔ یعنی بلی کھاتی نہیں تو پھینک دیتی ہے بابا اور کیتھرائن ایک بلی ہی ہے۔ اس نے اپنے دشمنوں کا گھر بگاڑنے کے لئے زبردست کارروائیاں شروع کر رکھی ہیں۔ سائیں مکرم شاہ ایک شریف آدمی ہے۔ غازی شاہ بھی برا آدمی نہیں تھے۔ میں تو اس کو بہت عرصے سے جانتا ہوں۔ کیتھرائن نے ان لوگوں پر اپنے جال

ڈال ڈال کر مشکل میں پھانسنے کا کام شروع کر رکھا ہے۔ ابھی اس نے مکرم شاہ کے بیٹے کو دیکھو
کیا سے کیا بنا دیا۔ جبکہ اس لڑکے کا باپ بڑا شریف آدمی ہے۔ تم بھی اچھی طرح جانتے ہوں
سائیں امیر شاہ! تو یہ بات ہے کہ اب کیتھرائن ادھر اپنا جال ڈال رہی ہے۔ وہ خود ہی میرے
پاس چل کر آئی ہے تو میں کیا کروں؟ اس نے اس لڑکے کو میری شاگردی میں دیا ہے کہ اسے
ڈاکو بنا دوں۔ قاتل بنا دوں‘ اسمگلر بنا دوں۔ بابا! میں نے کوئی انسٹیٹیوٹ تو نہیں کھول رکھا
ہے۔ پر میں نے یہ سوچ لیا ہے کہ مجھے اس لڑکے سے کیا کام لینے ہیں۔ جو کوئی بھی اسے دیکھے گا
دیوانہ ہو جائے گا اور میں‘‘۔ فضل شاہ ایک خطرناک ہنسی ہنسنے لگا۔ امیر شاہ نے کہا۔

’’خیر سائیں فضل شاہ! آپ کے دماغ کا تو میں ہمیشہ سے قائل ہوں۔ جو بھی سوچتے ہو اتنی بڑی بات سوچتے ہو کہ دوسرا اس تک پہنچ ہی نہ سکے‘‘۔

’’مہربانی ہے بابا! مہربانی ہے۔ ابھی چلو تھوڑی سی تیاریاں کرو۔ بچے کو دنیا دکھائیں‘‘۔

’’ٹھیک ہے سائیں! کدھر جانے کا ارادہ ہے‘‘۔

’’کراچی بابا کراچی۔ کراچی میں اپنے بھی کئی ٹھکانے ہیں اور کراچی سے خوبصورت ٹھکانا اور کوئی نہیں ہے‘‘۔ فضل شاہ نے تیاریاں کیں اور اس کے بعد اس نے علی خیر محمد سے کہا۔

’’بابا سائیں! اب تم بچے تو ہو نہیں دوست بن چکے ہو میرے۔ اب ایسا بتاؤ کہ کراچی کتنی بار گئے تم‘‘۔

’’کہاں گیا۔ نہیں گیا کراچی۔ تعریفیں بڑی سنی ہیں‘‘۔

’’ہاں۔ یورپ ہے پورا یورپ۔ چلو تمہارے کو کراچی دکھائیں‘‘۔

’’میں تو اب آپ کا شاگرد ہوں سائیں۔ آپ کی آنکھوں سے دنیا دیکھوں گا اور جب اسے پہچان لوں گا۔ تو پھر آپ کو بولوں گا کہ سائیں فضل شاہ! میرے کو بتاؤ آپ کو دنیا سے کیا کام ہے‘‘۔ فضل شاہ ہنسنے لگا تھا۔

پھر امیر شاہ کے ساتھ وہ کراچی کے لئے چل پڑا۔ کراچی میں بھی اس کا اپنا گھر تھا۔ بڑے لوگ تھے‘ مختلف ٹھکانے ہوا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے۔ کراچی کے گلشن اقبال میں شہید عزیز بھٹی پارک کے سامنے ایک حسین بنگلہ فضل شاہ کا تھا۔ جہاں چوکیدار بھی ہوتا تھا۔ گھر کی صفائی ستھرائی کرنے والے ملازم بھی اور فضل شاہ کے معاملات میں اس کی معاونت کرنے والے بھی۔ فضل شاہ اپنی پجیرو میں وہاں پہنچا تھا اور پھر اس نے سب سے علی خیر محمد کا تعارف

کروا دیا تھا۔ اس نے امیر شاہ سے کہا۔

’’سائیں امیر شاہ! ابھی خیال احمد سے بولو کہ عمدہ قسم کے سوٹوں کے کپڑے وغیرہ لے کر آ جائے۔ علی خیر شاہ کو کپڑوں کی ضرورت ہے‘‘۔

’’ٹھیک ہے سائیں‘‘!

درزی آیا‘ ناپ کے لئے اور فضل شاہ نے اس سے کہا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر کپڑے چاہئیں‘‘۔ دولت کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بیس گھنٹے کے اندر اندر لباس کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ جن کو ملازموں نے علی خیر شاہ کے کمرے میں وارڈروب میں سجا دیئے۔ علی خیر محمد شاہ یہاں آ کر بھی بہت خوش تھا۔ گو ابھی تک اسے کراچی کی فضاؤں سے شناسائی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جتنا راستہ طے کر کے سپر ہائی وے سے گلشن اقبال تک پہنچا تھا‘ اس سے اسے کراچی کی حیثیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ادھر فضل شاہ یہاں آنے کے بعد اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔ جب علی خیر محمد کے لباس وغیرہ تیار ہو گئے تو فضل شاہ نے علی خیر سے کہا۔

’’ہاں بھئی! اب تم کراچی آ گئے ہو ہم لوگ ادھر کافی دن قیام کریں گے۔ پہلے میں تمہیں کراچی دکھا دوں۔ اس کے بعد کراچی کا دل دکھاؤں گا‘‘۔

’’اچھا اس کا دل کوئی خاص چیز ہے‘‘۔

’’ہاں بہت ہی خاص‘‘۔ فضل شاہ نے کہا پھر وہ اپنی پجیرو میں نکلا اور کراچی کے مختلف حصے علی خیر محمد کو دکھانے لگا۔ امیر شاہ نے سرگوشی میں کہا۔

’’آپ بتا چکے ہو سائیں! کہ علی خیر محمد شاہ سائیں نے کچھ خون بھی کئے ہیں یہاں‘‘۔ ’’اور پولیس اس کی تلاش میں ہوگی۔

’’ہاں ضرور ہوگی‘‘۔

’’سائیں۔ کوئی خطرہ تو نہیں پیش آ جائے گا۔ پولیس والوں کی نظریں بھی بہت تیز ہو گئی ہیں۔ آپ کے ساتھ اگر علی خیر محمد شاہ کو دیکھ لیا گیا تو کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے‘‘۔ فضل شاہ ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

’’تمہارا کیا خیال ہے کہ پولیس کو فضل شاہ کی تلاش نہیں ہے۔ سائیں امیر شاہ! کیا پولیس کے پورے ڈیپارٹمنٹ میں ہمارے نام کی مہریں نہیں لگی ہوئی ہیں۔ ہم بھی تو گھوم رہے ہیں ان سڑکوں پر۔ سائیں امیر شاہ! ایسی باتیں کر کے تم ہماری بے عزتی کر دیتے ہو‘‘۔

’’نہیں سائیں نہیں‘‘۔ امیر شاہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ’’ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ تو سائیں! خیر خواہی ہے بس‘‘۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے بابا سب ٹھیک ہے"۔ کراچی کے ساحل' اس کے حسین اور پررونق بازاروں کی تمام چیزیں علی خیر شاہ کو بہت بھائی تھیں اور اس کے بعد فضل شاہ اسے لے کر ایک مخصوص جگہ چل پڑا۔ علی خیر شاہ کو ابھی تک اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ ہر طرف سے طبلے سارنگی اور ہارمونیم کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ علی خیر شاہ نے کہا۔

"بابا سائیں! یہ جگہ میرے کو بالکل نئی لگتی ہے۔ ادھر تو ایسا لگتا ہے جیسے ہر طرف ایک ہی کام ہو رہا ہو"۔

"ہاں۔ میں نے تمہیں کراچی کا دل دکھانے کا وعدہ کیا تھا نا۔ یہی وہ جگہ ہے"۔

فضل شاہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گیا۔ بڑا صاف ستھرا اور خوش گوار ماحول تھا۔ یہ فضل شاہ کی ایک مخصوص جگہ تھی اور یہاں اس کی شناسا طوائفیں رہا کرتی تھیں۔ ابھی رقص و موسیقی کی محفل کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ فضل شاہ نے آرام سے وقت کا تعین کیا تھا۔ وہ اوپر پہنچا تو اس کی شناسا طوائف نے اسے دیکھ کر بڑی حیرانی اور خوشی کا مظاہرہ کیا۔

"آہا...... سائیں فضل دوپہر کو یہاں منڈیر پر کوا چیخ رہا تھا۔ بس اسے کہتے ہیں دل کا معاملہ۔ صندل کہنے لگی کہ اماں دیکھ لینا آج سائیں فضل شاہ ضرور آئیں گے۔ اس کی بات بڑی ہو گئی میں نے اس سے کہا تھا کہ کہاں جمالی گوٹھ اور کہاں کراچی۔ تمہارا دماغ خراب ہے صندل! اب وہ میرا مذاق اڑائے گی پر اس کے دل کی بات سچ ہے"۔

"ٹھیک ہے امینہ بائی! آپ لوگ بڑی محبت کرتے ہو بابا! میرے سے۔ میرے کو معلوم ہے۔ یہ دیکھو میں آپ کے لئے کچھ لایا ہوں۔ فضل شاہ نے جیب سے سونے کا ایک خوبصورت ہار نکال کر امینہ بائی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ امینہ بائی کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب ان چیزوں کی ضرورت ہمیں کہاں رہی ہے فضل شاہ! یہ تو تمہاری صندل ہی کا حصہ ہے"۔

"ہاں۔ صندل کے لئے ہماری دوسری جیب موجود ہے"۔

"اچھا اچھا...... ذرا ہمیں بھی تو دکھایئے کیا آیا ہے اس کے لئے"۔

"جو کچھ بھی آیا ہے ہم اسی کو دکھائیں گے"۔ اچانک ہی امینہ بائی کی نظر امیر شاہ اور اس کے ساتھ کھڑے ہوئے علی خیر شاہ پر پڑی تو امینہ بائی نے بڑی خوشی سے کہا۔

"ارے امیر شاہ جی آپ بھی آئے ہیں چھپ کر کیوں کھڑے ہو بھئی اور اپنے پیچھے یہ چودھویں کا چاند کیوں چھپا رکھا ہے۔ چاند کو نکلنے دو امیر شاہ"! امینہ بائی چند قدم آگے بڑھی

اور علی خیر شاہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ نظر نہ لگے۔ چاند کا ٹکڑا ہی ہے۔ کون ہے یہ فضل شاہ جی"؟

"بس امینہ بائی بھتیجا ہے میرا' میرے ساتھ ہی کراچی آیا ہے"۔

"اللہ محفلوں کو لوٹ لے گا یہ تو چھوٹا سا ہی ہے۔ اچھا کیا آپ اسے یہاں لے آئے"۔

"ہاں امینہ بائی! میں نے سوچا کہ آپ جیسے استادوں کی نگاہوں میں لے آؤں اسے وہ جو کہتے ہیں نا کسی کی نگاہ کسی کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے"۔

"یہ تو ہے"۔

"اب یہ آپ کے پاس آ کر رہے گا اسے سکھانا ہے۔ دنیا دکھانی ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ وہ ہماری صندل کہاں ہے"؟

"آ گئی ہوں"۔ پیچھے سے ایک نرم' مدھر اور خوبصورت آواز سنائی دی اور ایک شعلہ جوالہ اندر آ گئی۔ اس نے جھک جھک کر خوشی سے سلام کئے تھے۔ پھر اس کی نگاہیں بھی علی خیر شاہ پر آ رکیں اور وہ اسے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ فضل شاہ نے اس سے کہا۔

"نہیں' نہیں صندل! ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ ہے کہ جب ہم تمہارے سامنے ہوں گے تو تم کسی کو اتنی گہری نگاہوں سے نہیں دیکھو گی۔ ہمارے اور ہمارے بھتیجے کے درمیان رقابت مت پیدا کرو"۔ فضل شاہ نے کہا اور ہنس پڑا۔ صندل مسکرا کر بولی۔

"بھتیجا کہا ہے آپ نے تو ہمارے اور ان کے درمیان بھی ایک رشتہ قائم ہو گیا۔ سچ مچ آپ کے بھتیجے ہیں"؟

"ہاں ہاں کیوں نہیں"۔

"اچھے ہیں۔ کھڑے کیوں ہیں بیٹھئے"۔

"ہم تو خود تمہاری تلاش میں آ رہے تھے"۔

"ہم سے انتظار نہ ہوا ہم آ گئے"۔ صندل نے کہا اور پھر بولی۔ "آیئے...... اماں آپ انہیں بٹھائیں۔ ابھی آتے ہیں ہم دونوں"۔ صندل نے بڑی اپنائیت سے کہا اور فضل شاہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل گئی۔ امینہ بائی نے علی خیر محمد کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آیئے"۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں' آیئے سائیں''۔امیر شاہ نے کہا اور علی خیر شاہ بے تکلفی سے امیر شاہ کے ساتھ آگے بڑھا اور وہاں بچھی ہوئی چاندنی پر بیٹھ گیا۔

''سائیں امیر شاہ! ایک سوال کرنا ہے آپ سے''۔

''ہاں ہاں سائیں! آپ پوچھو''۔

''یہ لوگ کیا سائیں فضل شاہ کے رشتے دار ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ شریکے والے''۔امیر شاہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔امینہ بائی بھی مسکرانے لگی اور وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ امیر شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں سائیں! یہ تو سائیں فضل شاہ کے خاص رشتے دار ہیں۔کیا سمجھے''۔

''اور سائیں فضل شاہ کے رشتے سے آپ بھی تو ہمارے رشتے دار ہوئے''۔امینہ بائی نے کہا اور پھر بولی۔''ویسے سائیں فضل شاہ کے ساتھ آپ اس سے پہلے کہاں کہاں گئے ہیں''؟

''اول تو میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی بابا امیر شاہ! جب دو نئے لوگ آپس میں ملتے ہیں تو چلو ایک دوسرے کے بارے میں پوچھ لیتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہوتی لیکن کیا کرتے ہیں؟ کیا کرتے رہیں؟ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ ایسی باتیں پوچھنے کا مطلب تو ایسا ہوتا ہے جیسے آپ کسی کو اپنی بڑائی بتانا چاہتے ہوں۔آپ خود مجھے بتایئے کہ آپ سائیں فضل شاہ کی کون ہیں''؟ علی خیر شاہ کے اس سوال پر امینہ بائی بوکھلا سی گئی پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

''اس کا جواب سائیں فضل شاہ ہی آپ کو دے سکتے ہیں''۔

''ٹھیک ہے آپ کی مرضی ہے''۔کچھ لوگ وہاں آئے تو امینہ بائی کو وہاں سے اٹھنا پڑا ویسے ایک لمحے کے اندر اندر اسے اس سرکش لڑکے کی سرکشی کا احساس ہو گیا تھا اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ٹیڑھی کھیر ہے لیکن بہرحال امینہ بائی کو اس کی کیا فکر ہوتی۔

ادھر صندل فضل شاہ سے کہہ رہی تھی۔

''سائیں فضل شاہ! بہت دن کے بعد آپ کا ادھر آنا ہوا''۔

''بس بابا زندگی میں بہت سے کام ہوتے ہیں۔انسان کو سارے کاموں کے بعد اپنے لئے وقت نکالنا پڑتا ہے''۔

''ہم آپ کا کام تو نہیں۔ ہمارے لئے اتنی اتنی دیر کے بعد وقت نکلتا ہے''۔صندل نے ناز بھرے انداز میں کہا۔

''بس بابا آپ دیکھو نا کہ آسمان سے برسنے والی دھوپ جب جھلسا کر ختم کر دیتی ہے۔تبھی تو جنت کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔تا کہ جنت اور دوزخ کا فرق صاف محسوس ہو''۔ فضل شاہ نے کہا اور صندل ہنسنے لگی۔

''باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے سائیں فضل شاہ''!

''غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں بابا''۔

''اب کتنے دن کے لئے آئے ہیں یہاں''۔

''کچھ نہیں کہہ سکتا کام سے آنا پڑتا ہے۔ پھر گوٹھ کے کام دیکھنا ہوتے ہیں۔ بہرحال ابھی ہوں ادھر''۔

''مجھے ایک بات پر حیرت ہے۔آپ اپنے بھتیجے کو کیوں ساتھ لے آئے ہیں''۔

''بابا تم لوگ بڑی نکتہ چینی کر رہے ہو اس پر۔اصل میں دنیا دکھانا چاہتا ہوں میں اسے۔میں چلا بھی جاؤں گا تو وہ آتا رہے گا۔خیال رکھنا کوئی اس پر ہاتھ نہ صاف کر دے''۔

''نہیں سائیں! ہم بہت برے لوگ ہوتے ہیں۔ ہمارے رشتے نہیں ہوتے اسی لئے ہم رشتوں کا احترام کرتے ہیں۔کیونکہ رشتے کے پسند نہیں ہوتے۔ ہماری تو تقدیر میں رشتے نہیں ہوا کرتے''۔

''میں تمہارا رشتے دار ہوں بابا۔ایسی باتیں کر کے دل کیوں دکھاتی ہو''۔کافی دیر تک صندل اور فضل شاہ باتیں کرتے رہے۔ پھر باہر کافی مہمان آ گئے۔تو فضل شاہ بھی آ کر وہیں بیٹھ گیا۔صندل اور اس کے ساتھ دو تین اور لڑکیاں تیار ہو کر ہال کمرے میں آ ئیں۔ سازندوں نے اپنے اپنے ساز سجا لئے اور اس کے بعد رقص و موسیقی کی محفل شروع ہو گئی۔فضل شاہ چور نگاہوں سے علی خیر شاہ کو دیکھ رہا تھا۔اسے ایک لمحے کے اندر اندازہ ہو گیا تھا کہ علی خیر شاہ حیرت سے دنیا کی اس حسین بازی گری کو دیکھ رہا ہے۔رقص جاری رہا۔لڑکیوں کی توجہ خاص طور سے علی خیر شاہ کی جانب رہی۔ وہ اس کے سامنے آ آ کر بیٹھتیں اور گیت پورا کرتیں۔ علی خیر شاہ کی آنکھوں میں پسندیدگی کے آثار تھے۔فضل شاہ نے اس کے سامنے نوٹوں کے انبار لگا دیئے تھے اور علی خیر شاہ بڑی فراغ دلی سے یہ نوٹ لٹا رہا تھا۔آخر کار محفل کا وقت ختم ہوا تو فضل شاہ نے علی خیر شاہ کے کان میں کہا۔

''ہاں۔بھتیجے! اب یہ بتاؤ ان میں سے کوئی لڑکی پسند آئی ہے۔اس کو چھوڑ دینا۔وہ صندل ہے اور میری اس سے محبت چلتی ہے''۔

''سائیں! فضل شاہ! ایک بہت بڑی بات میں آپ کو بتاؤں جو چیز حد سے زیادہ

پسند آئے اسی سے گریز کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ انسان کی کمزوری بن جاتی ہے۔ مجھے تمہاری یہ محفل بہت پسند آئی ہے۔ مگر بس کھیل تو کھیل ہی ہوتا ہے بابا! کھیل میں دل لگانے سے کیا فائدہ''؟ فضل شاہ نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

''تمہارے سے پھر بات کروں گا۔ جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسے جا رہے ہو۔ سائیں امیر شاہ اسے لے کر گھر چلے جاؤ۔ میں صبح کو آؤں گا''۔ امیر شاہ نے گردن خم کی اور علی خیر شاہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ فضل شاہ حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ امیر شاہ' علی خیر محمد کو لے کر گلشن اقبال والی کوٹھی میں واپس پہنچ گیا۔ راستے میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ گھر پہنچ کر اس نے کہا۔

''بابا! ایک بات مجھے بالکل سچ بتاؤ۔ آپ کو یہ محفل کیسی لگی''؟

''جب فرصت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہاں آ کر لطف اٹھایا جا سکتا ہے''۔ علی خیر شاہ نے جواب دیا اور امیر شاہ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اس نے سوچا کہ فضل شاہ نے اسے بچہ سمجھ تو لیا ہے لیکن اندازہ ہو رہا ہے۔ جیسے یہ بچہ خود فضل شاہ کو پڑھا کر رکھ دے گا۔

غازی شاہ واپس گوٹھ پہنچ گیا۔ کیتھرائن کے شب و روز معمول کے مطابق گزر رہے تھے۔ اس نے اپنی عادت کے مطابق غازی شاہ کا خیر مقدم کیا۔ غازی شاہ اس کے لئے بے شمار تحفے تحائف لایا تھا۔ کیتھرائن کو جب اس نے یہ تمام چیزیں پیش کیں تو کیتھرائن نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''یقین کرو چھوٹے شاہ جی! یہ چیزیں دیکھ کر مجھے خوشی کس لئے ہوتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ میرے پاس موجود زیورات کے ذخیروں میں کچھ اور زیورات کا اضافہ ہوا۔ میرے پاس موجود پرفیوم کے انبار میں کچھ اور پرفیوم کی شیشیاں شامل ہو گئیں۔ میرے پاس موجود کپڑوں میں کچھ اور کپڑے شامل ہو گئے نہیں۔ خوشی مجھے اس بات سے ہوتی ہے کہ میرا سائیں! اب بھی مجھے اتنا ہی چاہتا ہے۔ جتنا پہلے چاہتا تھا۔ میرا اتنا ہی خیال رکھتا ہے جتنا پہلے رکھتا تھا سائیں! ایک محبت کرنے والی عورت کو اس سے زیادہ اور کسی چیز سے رغبت نہیں ہوتی''۔ غازی شاہ مسکرانے لگا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ دہری کیفیت کا شکار ہو جاتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے کیتھرائن سے محبت تھی لیکن اب ذرا کیتھرائن کی کچھ باتیں اس کے ذہن میں چبھنے لگی تھیں جس کی وجہ سے تھوڑا سا فاصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ پھر دوسرے موضوعات پر باتیں ہونے لگیں۔ غازی شاہ نے علی خیر شاہ کے بارے میں پوچھا تو کیتھرائن نے کہا۔

''میں نے جس مشن کا آغاز کیا ہے۔ اس کے سلسلے میں ایک پوری پلاننگ ہے

میرے پاس۔ علی خیر شاہ اب یہاں اس حویلی میں نہیں ہے''۔

''کیا......''؟ غازی شاہ اچھل پڑا۔

''ہاں سائیں! میں نے بہت غور کرنے کے بعد اس کے لئے ایک منصوبہ بنایا تھا۔ کھدوانا کے حوالے سے اس لئے کیا گیا تھا کہ کھدوانا کے بعد ان علاقوں میں علی خیر شاہ کا نام گونجے گا۔ لوگ اس کے نام کی دہشت سے کانپیں گے۔ وہ سندھ کا زلزلہ کہلائے گا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ سائیں مکرم شاہ! اور بیگم سائیں نے میرے ساتھ جو کیا ہے۔ اس کی آگ میرے دل میں اس وقت تک سلگتی رہے گی۔ جب تک آخری سانس بھی میرے سینے میں ہے۔ سائیں! کم از کم ان لوگوں کو یہ تو پتہ چلے گا کہ برائی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ڈاکو کھدوانا مر گیا۔ میں نے غور کرنے کے بعد دوسرا فیصلہ کیا ایک اور جرائم پیشہ شخص بھی تو ہمارے علاقے میں موجود ہے۔ جس نے آپ کو جرم کی زندگی میں داخل ہونے کی پیشکش کی تھی۔ سائیں فضل شاہ کو آپ بھول گئے''۔

''کیا......''؟ غازی شاہ اچھل پڑا۔

''ہاں۔ میں نے علی خیر محمد کو سائیں فضل شاہ کے پاس پہنچا دیا ہے اور سائیں سے کہہ دیا ہے کہ اس کی تربیت اپنے انداز میں کریں' میں اسے ایک بڑا جرائم پیشہ بنانا چاہتی ہوں''۔ غازی شاہ کو ایک بار پھر دھچکہ لگا تھا۔ کیتھرائن کے سارے فیصلے اپنی جگہ' لیکن اتنے اہم فیصلے اس نے غازی شاہ کی مرضی کے خلاف کر لئے۔ یہ بات ذرا غازی شاہ کے دل کو چبھی تھی۔ کیتھرائن نے فوراً ہی کہا۔

''کیوں سائیں! آپ کو میرے اس عمل سے اتفاق نہیں ہے کیا''؟

''خیر ظاہر ہے جو کچھ تم کر چکی ہو کیتھرائن اس پر تو میں کوئی تبصرہ نہیں کرتا لیکن فضل شاہ تو ایک غلط آدمی ہے۔ وہ ڈاکو نہیں ہے' اسمگلر ہے' دیکھو بابا! میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ ہم لوگ اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارا خاندان نیک نام خاندان ہے۔ کسی ایک بندے نے کوئی غلطی کی ہے تو وہ اس کی ذاتی خرابی ہے۔ ٹھیک ہے میں اس بات کو مانتا ہوں کہ خاص طور سے بیگم سائیں نے تمہارے لئے ایک برا قدم اٹھایا اور تم سے تمہارا ماں بننے کا حق چھین لیا۔ پر بیگم سائیں نے جو کچھ کیا اس کی سزا اکرم شاہ کو نہیں ملنی چاہئے تھی۔ ہم نے اس سے اس کا بیٹا چھین لیا یہی ہمارا بہت سخت قدم تھا۔ اس کے بعد ہم نے جو کچھ کیا وہ اتنا اچھا نہیں ہے''۔

''کیوں اچھا نہیں ہے غازی شاہ! تم تو انگلینڈ سے مجھے یہ کہہ کر لائے تھے کہ جب

تم کراچی ایئرپورٹ پر اترو گے تو ایک جلوس ہمارا استقبال کرے گا۔ سائیں غازی شاہ! میری آنکھیں اس جلوس کو دیکھنے کے لئے بے چین تھیں۔ میں اپنے گھر سے یہی کہہ کر آئی تھی کہ دیکھو میرا سائیں! مجھے کتنی عزت دلا رہا ہے۔ کتنے بڑے آدمی سے شادی کی ہے میں نے۔ سائیں اس کے بعد میرے ساتھ جو کچھ ہوا' کیا تم اس سے واقف نہیں ہو۔ کیا سائیں مکرم شاہ نے تمہارے لئے فائٹ کی۔ سائیں مکرم شاہ اگر چاہتے تو بیگم سائیں سے کہہ سکتے تھے کہ ماں ایسا مت کرو۔ وہ میرا بھائی ہے اور اب جب سارے حالات میرے علم میں آ چکے ہیں۔ تو میں پورے دعوے سے کہتی ہوں کہ سائیں مکرم شاہ نے بزروق بیگم سائیں کے کندھے پر ہی رکھ کر چلائی ہے۔ وہ بہت چالاک آدمی ہیں اور جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ اس میں ان کی پوری پلاننگ شامل ہوتی ہے۔ بیگم سائیں کی اپنی پہنچ ہی کیا ہے۔ گھر میں رہنے والی ایک عورت ہیں وہ۔ ان کے مددگار تو سائیں مکرم شاہ ہی ہوں گے''۔

''ایسی بات نہیں ہے کیتھرائن! ایسی بات نہیں ہے۔ تم نے میری پوری بات نہیں سنی کہ میں کہنا کیا چاہتا ہوں۔ چلو ٹھیک ہے' میں مان لیتا ہوں کہ تمہارا اختلاف سائیں مکرم شاہ سے بھی ہے۔ مگر بابا میں دوسری بات کر رہا ہوں۔ سائیں فضل شاہ جو ہے نا وہ ایک ملک دشمن آدمی ہے۔ کھدوانا صرف ایک ڈاکو تھا اگر وہ علی خیر محمد کو ڈاکو بنا دیتا تو علی خیر محمد سندھ کے گوٹھوں اور چھوٹے چھوٹے شہروں میں وارداتیں کرتا۔ نتیجہ جو بھی ہوتا اس کا مگر بابا اس سے پورے ملک کو نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر علی خیر محمد سمگلر بن گیا تو پورے ملک کو نقصان پہنچے گا۔ ہم اپنی دشمنی میں اپنے ملک کے دشمن بن جائیں گے اور یہ اچھی بات نہیں ہے کیتھرائن''۔

''سائیں! مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ میرے اس قدم کی مخالف کرو گے۔ ورنہ میں ایسا نہ کرتی میں تو یہ سوچتی تھی کہ میری اور آپ کی سوچ میں کہیں کسی جگہ بھی کوئی فرق نہیں ہے سائیں' مجھے افسوس ہوا۔ لیکن آپ میرے سے پوچھتے ہو تو میں تو یہی کہوں گی کہ میں نے ٹھیک کیا ہے''۔ غازی شاہ خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

''لیکن فضل شاہ کو یہ کس نے بتایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ ایسا کیسے کیا''؟

''میں خود اسے لے کر گئی تھی''۔

''کدھر جمالی گوٹھ''؟

''ہاں سائیں''۔

''تم خود فضل شاہ کے پاس گئی تھیں اکیلی''۔

''نہیں میرے ساتھ دو عورتیں تھیں علی خیر شاہ تھا''۔

''پھر تم نے کیا کہا اس سے''؟

''بس جو میں نے تمہیں بتایا وہی کہا اس سے''۔

''وہ خوشی سے تیار ہو گیا''؟

''ہاں بابا! وہ تمہارا دوست ہے۔ تمہاری وجہ سے وہ میری عزت کرتا ہے''۔ کیتھرائن نے کہا۔ غازی شاہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا لیکن یہ بات اس کے دل کو لگی تھی۔ فضل شاہ کے بارے میں اس سے زیادہ بھلا کون جان سکتا تھا۔ زمانے بھر کا عیاش اور اوباش فطرت تھا۔ اس سے کسی بہتری کی توقع تو رکھی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ بات آج کی نہیں تھی' بچپن سے اس کی فضل شاہ سے دوستی تھی اور وہ فضل شاہ کی گندی فطرت کو اچھی طرح سے سمجھتا تھا۔ کسی کو اچھی نگاہ سے دیکھنے کا تو فضل شاہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی صورت میں کیتھرائن تنہا وہاں گئی تھی۔ ٹھیک ہے کیتھرائن ایک خود اعتماد عورت ہے لیکن اتنی زیادہ خود اعتمادی بھی اچھی نہیں ہے۔ کیا کر لیتی وہ فضل شاہ کی کسی برائی کے جواب میں۔ لیکن اب اس نے جو قدم اٹھانا تھا' وہ اٹھا چکی تھی اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی تھی۔ البتہ اسی رات کیتھرائن نے کہا۔

''سائیں پہلی بار آپ نے مجھ سے کسی مسئلے پر اختلاف کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے میں ایسا کرتی ہوں جا کر علی خیر شاہ کو وہاں سے واپس لے آتی ہوں''۔

''نہیں کیتھرائن! بات یہ نہیں ہے چلو ٹھیک ہے۔ ویسے تمہیں وہاں نہیں جانا چاہئے تھا۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے''۔

''میں پوری طرح ہوشیار ہو کر گئی تھی سائیں! یہ سوچ کر ایک برے آدمی کے پاس جا رہی ہوں۔ تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ میں موم کی بنی ہوئی نہیں ہوں کہ آسانی سے کسی کے سامنے جھک جاؤں۔ ساری زندگی تم بھی میرے بارے میں تجربے کرتے رہے ہو''۔ غازی شاہ نے صبر کر لیا تھا۔ نجانے کیوں اس کے دل میں ایک خلش سی جاگ اٹھی تھی۔ جسے وہ مٹا نہیں پا رہا تھا اور شاید صحیح طریقے سے سمجھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ پھر ایک دن شمیلا کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی۔ ولادت کے دن بالکل قریب آ گئے تھے اور اب اس کے بارے میں کافی گہرائیوں سے سوچتا تھا۔ غازی شاہ کو اطلاع ملی۔ اس وقت بھی وہ کیتھرائن کے پاس ہی موجود تھا۔ غازی شاہ کئی دن سے اس سلسلے پر سوچ رہا تھا کہ اب اسے شمیلا کو یہاں سے لے جانے کے سلسلے میں کیا ترکیب کرنی چاہئے۔ لیکن وقت کا انتظار زیادہ مناسب ہوا۔ اس نے شمیلا کو دیکھا۔ کیتھرائن نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کا رنگ پیلا پڑ رہا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اسے کراچی لے جانا چاہئے۔

ویسے تم نے اس کے لئے کوئی نہ کوئی بندوبست تو کیا ہوگا۔ میں تم سے پوچھنا بھول گئی''۔

''ہاں ایک پرائیویٹ کلینک ہے۔ گائنی کلینک ہے اور بہت اچھا ہے۔ میں نے وہاں اس کے بارے میں بات کرلی ہے''۔

''میرے خیال میں ہم اس کا چیک اپ کروا دیتے ہیں اسے لے چلو''۔

''ٹھیک ہے میں قربان کو بلاتا ہوں ہم لوگ اسے لے کر چلتے ہیں''۔

قربان آ گیا تیاریاں ہوئیں اور اس کے بعد غازی شاہ' کیتھرائن اور قربان کی سرکردگی میں شمیلا کو لے کر کراچی چل پڑے۔ شمیلا ایک معصوم صفت لڑکی تھی۔ غازی شاہ کے دل میں اس کے لئے جو جذبے پیدا ہوئے تھے۔ وہ اس کی معصومیت کو دیکھتے ہوئے ہی پیدا ہوئے تھے۔ انسان کی فطرت میں عمر کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

غازی شاہ گزرے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر سمجھدار ہوتا جا رہا تھا۔ برا' برا اور اچھا' اچھا لگنے لگا تھا۔ جبکہ پہلے اس کی تمام سوچیں صرف کیتھرائن سے منسلک ہوگئی تھیں لیکن اس سے پہلے وہ کیتھرائن کے لئے اس قدر جذباتی نہیں تھا۔ یہ کیفیت تو اس وقت پیدا ہوئی تھی جب وطن واپسی کے بعد اس نے کیتھرائن کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو محسوس کیا تھا۔ بہرحال یہ سارا سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ شمیلا کے لئے کیتھرائن نے جو منصوبہ بندیاں کی تھیں۔ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے غازی شاہ کو وہ بالکل گوارا نہیں تھیں۔ یہاں تک کہ غازی شاہ نے تو ناگی بابا کو بھی زندگی سے محروم نہیں ہونے دیا تھا' یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ اپنے مفادات کے لئے انسانوں کو قربان کیا جائے۔

وہ کراچی میں داخل ہوگئے اور پھر شمیلا کو ڈاکٹر فوزیہ کے کلینک تک پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹر فوزیہ اس وقت موجود نہیں تھی۔ لیکن وہاں کا شاف غازی شاہ سے واقف تھا۔ ڈاکٹر فوزیہ نے کچھ اور ڈاکٹروں سے اس کا تعارف کروا دیا تھا۔ ایک بہت ہی خوبصورت کمرے میں شمیلا کو پہنچا دیا گیا۔ کیتھرائن ہسپتال کے مختلف حصوں میں گھوم پھر کر اس کا جائزہ لینے لگی یہاں تک کہ ڈاکٹر فوزیہ آ گئی۔ غازی شاہ اس وقت باہر ہی موجود رہا۔ ڈاکٹر فوزیہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی غازی شاہ کے پاس آ گئی اور اس نے مسکرا کر کیتھرائن سے کہا۔

''ہلو میڈم کیتھرائن! دیکھ لیں میں نے آپ کو ایک لمحے کے اندر پہچان لیا۔ آپ جانتی ہیں آپ کو میں نے کہاں دیکھا تھا''۔ کیتھرائن چونک کر ڈاکٹر فوزیہ کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

''آپ...... نے مجھے کہاں دیکھا تھا''۔

''سائیں! غازی شاہ کی آنکھوں میں' جب یہ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے

مجھے بتایا تھا کہ ایک خاتون کے ہاں ولادت ہونے والی ہے اور وہ انہیں یہاں لے کر آئیں گے۔ پھر انہوں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ان کی دوسری وائف ہیں۔ ان کی اصل وائف میڈم کیتھرائن ہیں۔ تو ان کی آنکھوں میں چھلکتی ہوئی محبت میں آپ کے چہرے کے نقوش ابھر آئے تھے''۔

''آپ ڈاکٹر ہیں یا شاعرہ'' کیتھرائن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں ڈاکٹر بھی ہوں شاعرہ بھی ہوں اور انسان بھی ہوں۔ انسانی نفسیات کو' انسانی کیفیات کو ایک انسان کی حیثیت سے پہچان لیا کرتی ہوں''۔

''چلیے تو اب اپنے مریض کو دیکھیے''۔ کیتھرائن نے ہنستے ہوئے کہا۔ بہرحال اسے ان باتوں سے خوشی تو ہوئی تھی۔

ڈاکٹر فوزیہ ایک تجربے کار اور سمجھدار عورت تھی اور پھر غازی شاہ اور قربان شاہ نے ساری تفصیل اسے بتا دی تھی۔ سوائے ان چند باتوں کے جو قانونی گرفت رکھتی تھیں۔ فوزیہ شمیلا کے پاس پہنچ گئی اور اس نے شمیلا کا معائنہ کرنا شروع کر دیا۔ آنکھوں کے پپوٹے کھول کر دیکھے' زبان' نبض' ناخن اور پھر اس نے غازی شاہ سے کہا۔

''اس کا مکمل چیک اپ فوری طور پر کرنا ہے۔ میں انتظام کئے دیتی ہوں' آپ اجازت دیتے ہیں''۔

''ہاں خیریت''۔ غازی شاہ نے کہا۔

''بالکل ٹھیک ہیں۔ بالکل ٹھیک ہیں۔ ہم ضروری کارروائی کرنے کے لئے ان کا چیک اپ کریں گے۔ آپ آئیے میرے ساتھ پلیز...... میں آپ کو تفصیل بتائے دیتی ہوں''۔

ڈاکٹر فوزیہ نے نرسوں کو کچھ ہدایات لکھ کر دیں اور شمیلا کو کچھ انجکشن لگانے کے لئے کہے۔ پھر وہ کیتھرائن اور غازی شاہ کو لے کر اپنے آفس میں آ گئی۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ کیتھرائن کو سامنے بٹھانے کے بعد وہ اپنی کرسی پر بیٹھی اور اس نے کہا۔

''دیکھیے غازی شاہ صاحب! میں ان ڈاکٹروں میں سے نہیں ہوں جو روایتی قسم کی اداکاری کر کے کسی مریض کو دیکھ کر اپنے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا کرتے ہیں۔ تا کہ ان کے لواحقین کو پریشانی ہو۔ میں سیدھی سادی ڈاکٹر ہوں اور جو کچھ مریض کی کیفیت ہوتی ہے اسے صحیح الفاظ میں بیان کر دیتی ہوں۔ آپ مجھے صرف ایک بات بتائیے۔ ان خاتون کو کوئی ذہنی پریشانی لاحق رہی ہے''؟

''شمیلا کو''......

"جی انہی کی بات کر رہی ہوں"۔

"میرے خیال میں نہیں"۔ غازی شاہ نے کیتھرائن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کوئی ذہنی پریشانی نہیں رہی ہم نے اسے بڑے پرسکون ماحول میں رکھا ہے۔ اسے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کی گئی ہیں۔ آپ کیوں یہ بات کہہ رہی ہیں ڈاکٹر"۔

"وہ شدید ٹینشن کا شکار ہے اور اس چیز نے اس کے اندرونی سسٹم پر بھی اثر ڈالا ہے۔ میں اپنے تمام تر تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتی ہوں کہ وہ انتہائی سنگین نوعیت کے حالات کا شکار ہے۔ اگر ہم نے اسے مکمل طبی امداد فراہم نہ کی۔ تو نہ صرف اس کی بلکہ بچے کی بھی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو یہ رپورٹ لکھ کر دیئے دیتی ہوں۔ آپ جس جدید ترین ہسپتال میں جا کر اس کا چیک اپ کرا سکتے ہیں۔ کرا لیں۔ اگر میری بات کی تصدیق ہو جائے تو پھر اسے یہیں لے آیئے۔ چونکہ اس کا صحیح ٹریٹ منٹ میں ہی کر سکتی ہوں"۔

"آپ دیکھ لیجئے ڈاکٹر! ہم آپ پر مکمل اعتماد کرنے کے بعد ہی اسے یہاں تک لائے ہیں"۔

"ڈاکٹر! کیا واقعی نوعیت اتنی ہی سنگین ہے"۔ کیتھرائن نے کہا۔

"ہاں...... واقعی ایسی ہی بات ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ آپ اسے یہاں رکھیں ہم آپ سے ہر طرح کا تعاون کریں گے"۔

"آپ لوگ مجھے کتنا وقت دے سکتے ہیں میرا مطلب ہے کب تک یہاں موجود ہیں"۔

"ڈاکٹر ہم یہاں ہی ہیں آپ اسے آرام سے رکھیے"۔

"میں اس کے کچھ ٹیسٹ کر رہی ہوں' ٹیسٹ کی رپورٹیں مجھے وصول ہو جائیں۔ تو میں آپ سے اس بارے میں گفتگو کروں گی اور بتاؤں گی کہ آگے ہمیں کیا کرنا ہے"۔

"یہ ٹیسٹ اور رپورٹیں کب تک"؟

"آج ہی رات کو یا زیادہ سے زیادہ کل' بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ کل دن کو بارہ بجے کا پروگرام رکھیے گا۔ بارہ بجے تک میں یہ رپورٹیں کسی نہ کسی طرح حاصل کر لوں گی"۔

"ٹھیک ہے۔ آپ اس کو نگہداشت میں رکھیے گا۔"

"اس کی تو آپ بالکل ہی فکر نہ کریں۔ میں دو نرسوں کی خصوصی ڈیوٹی اس پر لگا دیتی ہوں۔ آپ پلیز مجھے اپنا موبائل نمبر دے دیں"۔

"ہاں ہاں بالکل...... یہ دو نمبر ہیں۔ ایک میرا ہے اور ایک میرے اسسٹنٹ کا

ہے۔ آپ ان دونوں نمبروں پر کسی بھی لمحے رابطہ قائم کر سکتی ہیں"۔ غازی شاہ نے اپنا اور قربان کا ٹیلی فون نمبر ڈاکٹر کو دے دیا۔ ڈاکٹر فوزیہ بڑی عمدگی سے اپنا کردار ادا کر رہی تھی۔ اس نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیتھرائن کو تشویش کا شکار کر دیا تھا۔ کیتھرائن باہر نکل آئی اور غازی شاہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"اسے کیا ٹینشن ہو سکتی ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا"۔

"کیا کہہ سکتا ہوں بابا! لیکن میں اپنے بچے کے لئے پریشان ہو گیا ہوں"۔

"میں خود پریشان ہو گئی ہوں بہت زیادہ۔ ہمارا سارا منصوبہ چوپٹ ہو جائے گا۔ ہم تو کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ...... یہ تو بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب جو حالات ہیں ان کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا"۔ کیتھرائن نے کہا اور غازی شاہ منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔ باہر قربان موجود تھا۔ غازی شاہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"میں قربان کے پاس موجود ہوں تم یہاں رکو گی یا چلا جائے یہاں سے"۔

"قربان کو ہوٹل میں کمرہ لینے کے لئے کہہ دو۔ ہمیں کم از کم کل تک تو یہاں رکنا ہی ہوگا"۔

"ہاں۔ کیوں نہیں رکنا تو ہمیں پڑے گا میں قربان سے کہتا ہوں"۔ غازی شاہ قربان کی جانب چل پڑا اور قربان نے اس کا خیر مقدم کیا اور پھر بولا۔

"جی سائیں! سب خیر ہے نا"۔

"ہاں قربان! سب خیر ہے ڈاکٹر فوزیہ تو بڑے کام کی عورت نکلی۔ بڑی خوبصورتی سے اپنا فرض پورا کر رہی ہے۔ تم ایسا کرو۔ پی سی ہوٹل میں جا کر کمرے لے لو ہمارے اور اپنے لئے ایک دو دن رک کر یہاں سے چلنا ہوگا"۔

"ٹھیک ہے سائیں! میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں"۔ غازی شاہ ادھر قربان سے بات کر رہا تھا اور ادھر کیتھرائن ڈاکٹر فوزیہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس نے گہری نگاہوں سے ڈاکٹر فوزیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے ایک بہت اچھی خاتون معلوم ہوتی ہیں ڈاکٹر دل کی بات آپ سے کہنا چاہتی ہوں"۔

"جی جی...... کہیں"۔

"دیکھیے...... میں بانجھ ہوں۔ میرے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی۔ اس کے پس پردہ میں ایک بہت لمبی کہانی ہے۔ لیکن اولاد میری زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ معافی

چاہتی ہوں آپ سے ڈاکٹر فوزیہ! میں بالکل یہ بات نہیں کہتی کہ اس عورت کو ذرہ برابر کوئی نقصان پہنچ جائے لیکن جب آپ ولادت کے وقت کوئی خطرہ محسوس کریں اور یہ تعین کرنا چاہیں کہ ماں اور بچے میں سے کس کو زندہ رہنا چاہئے۔ تو بچے کی زندگی کا فیصلہ کریں۔ بچہ ہر قیمت پر زندہ سلامت پیدا ہونا چاہئے اور معاف کیجئے گا کہ بے تکلفی سے یہ بات کہہ رہی ہوں۔ آپ کو آپ کی اس کاوش کا معاوضہ پیش کیا جائے گا''۔

''آپ فکر نہ کریں۔ ہم کوشش تو یہی کریں گے کہ زچہ اور بچہ دونوں زندہ بچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ہمارا فرض ہے۔ لیکن میں آپ کی بات کا خیال رکھوں گی اور آپ بھی اپنی بات کا خیال رکھیے گا''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور کیتھرائن نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''میں اپنی بات کی تکمیل آپ کو ایڈوانس دے کر بھی کر سکتی ہوں''۔

''تب تو آپ بڑا نیک کام کریں گی''۔

''کل ہماری ملاقات ہوگی۔ میں آپ کو ایک لاکھ روپے پیش کر دوں گی''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے دل ہی میں سوچا کہ بعض بچے دنیا میں آنے سے پہلے ہی دوسروں کی خوش قسمتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہ بچہ تو واقعی بڑا بھاگوان ہے ہر شخص کے لئے شاید اپنی ماں کے لئے بھی۔ بہرحال اسے بڑی ہوشیاری سے کام کرنا تھا۔ ٹیسٹ وغیرہ بالکل ٹھیک نکلے۔ ظاہر ہے شمیلا ایک تندرست جوان لڑکی تھی لیکن رپورٹیں بدلوالینا فوزیہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

یہ لوگ کافی دیر تک ہسپتال میں رہے تھے اور اس کے بعد جب قربان کا فون آ گیا اور اس نے ہوٹل میں کمرہ نمبر وغیرہ بتا دیئے تو یہ اجازت لے کر وہاں سے چل پڑے خود کیتھرائن نے غازی شاہ سے کہا۔

''جاؤ...... اسے جا کر تسلیاں دو۔ خبردار! نہ تو تمہارے چہرے پر تشویش ہونی چاہئے اور نہ تمہارے انداز میں۔ اس کا مطمئن ہونا ہی ہمارے مقصد کی تکمیل کرنا ہے''۔ وہ اپنے طور پر بڑا ایثار کر رہی تھی۔

غازی شاہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں شمیلا موجود تھی۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور شمیلا کے پاس پہنچ گیا۔

''کوئی گھبراہٹ تو نہیں ہے تمہیں شمیلا''!

''نہیں سائیں! آپ کے قدموں میں ہوں مجھے بھلا کیوں گھبراہٹ ہو سکتی ہے''۔ شمیلا نے کہا۔

''شمیلا! ایک بات میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں اتنی خوشی نہیں حاصل ہوتی ہو گی۔ جتنی ہونی چاہئے۔ ویسے میں نہیں جانتا کہ کیتھرائن کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے''۔

''بہت اچھا ہے سائیں! اللہ آپ دونوں کو خوش رکھے۔ میں تو خود سائیں! کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ پتہ نہیں میں کیوں آپ کے بیچ میں آ گئی۔ پر سائیں! میرا قصور نہیں ہے آپ اچھی طرح جانتے ہو۔ مجھے تو بس یہ افسوس ہے کہ کاش! ایسا نہ ہوتا''۔

''کیوں شمیلا تم مجھ سے خوش نہیں ہو''۔ غازی شاہ نے شمیلا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں سائیں! ایسی بات نہیں ہے۔ بہت خوش ہوں آپ سے لیکن دو محبت کرنے والوں کے بیچ میں آنا مجھے اچھا نہیں لگا''۔

''بات اصل میں یہ ہے شمیلا! کہ انسان کبھی کبھی حالات سے مجبور ہو جاتا ہے لیکن یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ میں اس وقت کی بات نہیں کرتا شمیلا جب میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔ یا تم میری بیوی نہیں بنی تھیں۔ میں اب کی بات کرتا ہوں۔ اب تو تم میری اپنی زندگی کا ایک حصہ اور کچھ وقت کے بعد میرے بچے کی ماں بننے والی ہو۔ میں تم سے الگ بھلا کیسے رہ سکتا ہوں۔ بلکہ میں نے تو یہ فیصلہ کیا ہے شمیلا! کہ اب تمہیں کراچی میں ہی رکھا جائے۔ یہیں نا گی بابا بھی آ جائیں گے۔ میں تمہارے لئے ایک خوبصورت گھر خریدوں گا اور تمہیں وہاں دنیا کی ہر آسائش حاصل ہوگی''۔

''میں یہ نہیں کہوں گی سائیں! کہ میرے اس گھر میں آپ بھی میرے ساتھ رہیں۔ اللہ سائیں! آپ دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔ میں ہر حال میں خوش ہوں''۔ غازی شاہ شمیلا کے ان الفاظ سے بہت متاثر ہوا تھا۔ باہر نکلتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ کبھی کبھی بعض لوگوں کے ساتھ کس قدر ناانصافی ہو جاتی ہے لیکن بہرحال شمیلا اور نا گی بابا کو میں اپنی زندگی میں کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ اس نے دل میں سوچا تھا اور اس کے بعد وہ وہاں سے چل پڑے تھے۔ رپورٹوں کی تفصیل بتاتے ہوئے ڈاکٹر فوزیہ نے کہا۔

''میرا اندیشہ بالکل درست نکلا غازی شاہ صاحب! وہ سخت خطرے میں ہے۔ مجھے اس پر شدید محنت کرنا ہوگی''۔

''میں نے آپ پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے ڈاکٹر فوزیہ! آپ مجھے ہر لمحے صورت حال سے آگاہ رکھیں گی''۔

''ہاں...... کیوں نہیں''۔ غازی شاہ کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چل سکا تھا کہ کیتھرائن

نے ہزار ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی کتنی خاموشی سے ڈاکٹر فوزیہ کو تھما دی تھی اور اس کے بعد وہ باہر نکل آئے تھے۔ پھر غازی شاہ کیتھرائن کو لے کر واپس گوٹھ علی خیر محمد چل پڑا تھا۔ کیتھرائن کے چہرے پر شدید تشویش کے آثار تھے۔ اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

''خبر اچھی نہیں ہے چھوٹے سائیں! میں تو پریشان ہوگئی ہوں''۔ غازی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر کیتھرائن کو دیکھا اور بولا۔

''کیوں؟ کیتھرائن کیوں پریشان ہوگئی ہو''۔

''آپ کمال کرتے ہو۔ آپ کو پتہ ہے کہ شمیلا کی زندگی ہمارے مقصد کی تکمیل کرتی ہے''۔

''میں نہیں سمجھا''۔

''اس میں نہ سمجھنے والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ جب تک اس کے ہاں ولادت نہیں ہو جاتی۔ اسے تندرست رہنا چاہئے۔ ولادت کے بعد''۔ کیتھرائن قربان کی موجودگی کو محسوس کر کے خاموش ہوگئی۔ غازی شاہ بھی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس وقت تک خاموش رہی جب تک کہ وہ لوگ گوٹھ نہ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد کیتھرائن نے کہا۔

''غازی شاہ! تم اس عورت فوزیہ سے مطمئن ہو''۔

''بڑی اعلا پائے کی گائنی ڈاکٹر ہے۔ چھتیس لوگوں نے اس کے بارے میں تعریفیں کیں تھیں اور مجھے بتایا تھا۔ تب میں نے اس کا انتخاب کیا تھا۔ ورنہ میرا دماغ خراب نہیں تھا کہ وہاں چلا جاتا''۔

''نہیں نہیں۔ یہ تو خیر ٹھیک ہے۔ پھر اب یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے۔ میں تو بڑی الجھن کا شکار ہوگئی ہوں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو میں خود وہاں جا کر رہنا شروع کر دوں''۔

''نہیں۔ اب اس قدر بھی اپنے آپ کو ہلکان مت کرو کیتھرائن! حالات اور وقت پر بھروسہ کرو۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا اور پھر تم یہاں کا محاذ خالی چھوڑ دو گی۔ تمہیں اندازہ ہے کہ یہاں بھی ہمارے خلاف سازشوں کے جال بچھے ہوئے ہیں اور تم ہی ہو جو پوری طرح قرب و جوار پر نگاہ رکھتی ہو''۔ کیتھرائن سوچ میں ڈوب گئی تھی پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے سائیں! لیکن آپ کو تکلیف کرنا ہوگی۔ آپ کو ہر تیسرے روز ادھر جانا ہوگا''۔

''کتنی ذمے داریاں بڑھاؤ گی مجھ پر کیتھرائن! ٹھیک ہے جو کہو گی وہی کروں گا''۔ غازی شاہ نے سوکھا منہ بنا کر کہا حالانکہ یہ بات اس کے لئے بڑی دل خوش کن تھی کہ کیتھرائن

نے خود ہی اس سے یہ فرمائش کر دی تھی۔ غازی شاہ اس کی وجہ بھی جانتا تھا۔ کیتھرائن نے اپنی زندگی کا سب سے انوکھا کھیل کھیلا تھا اور وہ اس بچے کو اپنا بچہ بنا کر دنیا کے سامنے لانا چاہتی تھی۔ حالانکہ یہ بھی ایک رسک تھا۔ اس جدید دور میں بچے کی جنس کے بارے میں معلوم ہو جانا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن یہاں بھی کیتھرائن نے اپنے آپ کو عالم تصور میں رکھا تھا اس نے کہا تھا۔

''سائیں! اپنی تقدیر کو بھی تو آزمانا ہے مجھے بات چھوٹی موٹی تو نہیں ہے۔ دیکھنا ہے کہ میری تقدیر میرے لئے کیا فیصلہ کرتی ہے''۔ غازی شاہ نے دل میں سوچا کہ کیتھرائن تم نے دوسروں کی تقدیر تو اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ یہاں تک کہ تم زندگی اور موت کا کھیل بھی کھیل رہی ہو۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے اور اب اپنے حالات کی بنیاد پر تم تقدیر کے فیصلے کی منتظر ہو۔ تقدیر تو سب کی ہوتی ہے۔ جو اس کے بارے میں فیصلے کرتی ہے۔

تیسرے دن غازی شاہ قربان کو ساتھ لے کر کراچی چل پڑا۔ کیتھرائن کو اس نے یہیں چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ وہ راستے میں قربان سے بولا۔

''قربان! بڑی سنگین صورت حال چل رہی ہے کیتھرائن اصل میں اس قدر چالاک ہے کہ اسے دھوکہ دینا بھی ایک نہایت ہی مشکل کام ہے۔ کم از کم میں تو اسے اپنے بس کی بات نہیں سمجھتا''۔

''سائیں پر قربان! آپ ہوشیار ہو یہ بہت ضروری ہے سائیں! بیگم سائیں کی زندگی بہت زیادہ خطرے میں ہے ہمیں اس کا خیال رکھنا ہوگا''۔

شمیلا نے محبت بھری نظروں سے غازی شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو بہت تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے۔ میری وجہ سے مجھے آپ واپس گوٹھ کیوں نہیں لے چلتے۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں کوئی تکلیف نہیں ہے مجھے''۔

''میں جانتا ہوں لیکن یہاں تمہاری جتنی اچھی دیکھ بھال ہو جائے گی تم نہیں سوچ سکتیں''۔ شمیلا خاموش ہوگئی۔ غازی شاہ اسے پر محبت نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''دیکھو شمیلا ہم زندگی میں تقدیر کے فیصلوں کے قائل ہیں۔ تقدیر جو بھی فیصلہ کرتی ہے وہی ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ ہم سوچتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ ہے۔ سمجھ رہی ہو نا تم''۔

''ہاں۔ میں سمجھ رہی ہوں''۔ شمیلا نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

''میں تمہیں صرف ایک بات بتانا چاہتا ہوں شمیلا۔ وہ یہ کہ جس حال میں بھی رہو خوش رہو۔ زندگی بہت قیمتی چیز ہوتی ہے۔ ہر انسان تنہا آتا ہے اور تنہا جاتا ہے۔ ہم بہت سے

رشتوں کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں لیکن یہ صرف زندگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ موت کے بعد کوئی رشتہ قائم نہیں رہتا''۔

''سائیں! ایک بات کہوں' آپ کی بات کو جھٹلانا تو میرے لئے کسی طور ممکن ہی نہیں۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ بہت سے رشتے شاید موت کے بعد بھی قائم رہتے ہیں۔ میرا تجربہ تو نہیں ہے سائیں۔ لیکن اپنے اندر جھانکتی ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ اب نجانے کب تک میرا اور آپ کا یہ رشتہ قائم رہے شاید اس وقت تک جب تک میرے دل میں آپ کی محبت باقی رہے اور اس وقت تک جب تک اس کائنات کا یوم حساب نہیں آ جاتا۔ میری زندگی تو خیر جتنی بھی ہے مگر میں یوم حساب کی بات کر رہی ہوں''۔ شمیلا کے چہرے پر جو سچائیاں جھلک رہی تھیں۔ وہ غازی شاہ کے دل پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں۔ اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''اور شمیلا جو کچھ بھی ہوگا۔ سمجھ لو میری ایک ایسی مجبوری ہوگا جو میں ٹال نہیں سکتا''۔

''میں سمجھی نہیں سائیں''!

''اللہ کی مرضی جو بھی ہوگی۔ میں بچے کے بارے میں کہہ رہا ہوں''۔ شمیلا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

ہسپتال کے بیرونی حصے میں آ کر غازی شاہ نے قربان شاہ سے کہا۔

''قربان! مجھے زندگی کی بہت سی مشکلیں سامنے نظر آ رہی ہیں''۔

''حوصلہ رکھو سائیں! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ بہت گھبرا رہے ہو اور کافی الجھے ہوئے ہو سائیں! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ ذرا تھوڑا سا اپنے آپ کو لو''۔

''ہاں۔ بات ایسی نہیں ہے۔ قربان! میں کیا بتاؤں ان دنوں میں کن پریشانیوں سے گزر رہا ہوں۔ دیکھو قربان میں یہ نہیں کہتا کہ کیتھرائن کی محبت میرے دل میں کم ہوگئی ہے۔ میں نے اسے بہت چاہا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ میں نے اس کے لئے بہت کچھ کھویا بھی ہے۔ ماں کی محبت' بھائی کی محبت' بیگم سائیں کا پیار' مجھے یاد ہے۔ آج جب ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہوں تو دل میں ایک دکھ سا ہونے لگتا ہے۔ بیگم سائیں تو صبح کو اٹھ کر میری صورت دیکھتی تھیں اور جب میں سو جاتا تھا تو رات کو بھی میری صورت دیکھ کر ہی سوتی تھیں۔ میں نے کتنی ہی بار دیکھا بلکہ ایک دفعہ میں نے ان کی آواز بھی سنی تھی۔ یہ الفاظ کہہ رہی تھیں وہ کہ اللہ سائیں! میرے غازی شاہ کو زندہ سلامت رکھے اس کی صورت دیکھ کر جاگتی ہوں' اس کی صورت دیکھ کر سوتی ہوں۔ اس کے سوا مجھے زندگی میں اور کچھ عزیز نہیں ہے اور یہ بات بھی جانتا ہوں میں

قربان شاہ کہ بیگم سائیں! مکرم شاہ سے زیادہ مجھے چاہتی تھیں اور جب میں انگلینڈ میں تھا تب بھی بیگم سائیں کے خطوط میرے پاس آتے رہتے تھے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں قربان شاہ! جب میں واپس آیا تو تم یقین کرو میرے دل میں یہی خواہش تھی کہ جو کچھ میں نے سر جیمز الیگزینڈر سے کہا ہے۔ یہاں وہی ہو مجھے یقین بھی تھا کہ کراچی ایئرپورٹ پر میرے استقبال کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہوں گی۔ بس یہیں سے ان لوگوں کی محبتیں مجھے خودغرضی محسوس ہونے لگیں۔ کوئی بھی تو نہیں آیا تھا مجھے ایئرپورٹ پر لینے کے لئے کتنی توہین ہوئی تھی میری کیتھرائن کے سامنے۔ کیتھرائن کی آنکھوں کا وہ طنز میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ چاروں طرف دیکھ رہی تھی اور مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو ہمارے استقبال کو آئے ہیں۔ قربان شاہ وہیں سے میرا دل بگڑ گیا تھا۔ مگر اس کے بعد آج تک جو کچھ ہوتا رہا ہے۔ پتہ نہیں وہ ٹھیک ہے یا غلط۔ بیگم سائیں کی صورت دیکھے ہوئے مہینوں گزر جاتے ہیں۔ میں انہیں دیکھتا تک نہیں اور نہ ہی ان کے دل میں میرے لئے یہ جذبہ ابھرتا ہے کہ وہ میری صورت دیکھیں وہ ماں جو صبح کو میری صورت دیکھ کر اٹھتی تھی اور رات کو میری صورت دیکھ کر سوتی تھی اب مہینوں میری صورت نہیں دیکھتی کیا اس کی وجہ صرف کیتھرائن ہے''۔

''سائیں اور کیا ہو سکتا ہے آپ کے خیال میں''۔

''مکرم شاہ''۔

''دیکھو سائیں! میں کسی کی سائیڈ نہیں لیتا۔ پر آپ ایک بات بتاؤ سائیں مکرم شاہ کے چہرے پر کبھی آپ کو مکاری نظر آئی؟ یا آپ یہ سمجھتے ہو کہ وہ آپ سے الگ ہیں۔ انہوں نے زمینیں آپ کے نام کر دیں۔ اپنی طرف سے دست برداری کر دی جو آپ کے پاس موجود ہے سائیں! معاف کرنا۔ بیگم سائیں! جب اس دنیا سے چلی جائیں گی تو کیا دست برداری کے وہ کاغذات آپ کے کام نہیں آئیں گے''۔ قربان شاہ کے ان الفاظ پر غازی شاہ چونک پڑا وہ قربان شاہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ارے ہاں...... یہ بات تو ہے۔ بعد میں وہ تحریریں ہمارے کام تو آ سکتی ہیں جو سائیں مکرم شاہ نے لکھ کر ہمیں دی ہیں''۔

''کہاں ہیں سائیں! وہ تحریریں''۔

''کیتھرائن...... کیتھرائن کے پاس''۔

''کیوں ل کر رکھا ہے بیگم سائیں نے انہیں جبکہ بیگم سائیں! میرا مطلب ہے بڑی بیگم سائیں! ان کاغذات کو مسترد کر چکی ہیں۔ کیونکہ زمینیں ان کے پاس ہیں لیکن جب وہ

اس دنیا میں نہیں رہیں گی۔ دست برداری کی وہ تحریریں آپ ہی کے کام آئیں گی''۔

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پتہ نہیں کیتھرائن نے انہیں ل کرر کھا ہے یا نہیں''۔

''رکھا ہوگا سائیں! سمجھ داری سے معلوم کرو گے تو پتہ بھی چل جائے گا کہ چھوٹی بیگم سائیں نے وہ تحریریں اپنے پاس محفوظ کر کے رکھی ہوئی ہیں''۔

''مطلب''؟

''مطلب یہ ہے سائیں! برا مت ماننا کہ چھوٹی بیگم سائیں! بہت سمجھ دار ہیں۔ وہ ہر چیز پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ سائیں! ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ مغلوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور مغلوں کی کمزوری پر نگاہیں رکھی تھیں اس نے دیکھو سائیں! میں آپ کو چھوٹی بیگم سائیں کے خلاف بھڑکا نہیں رہا مجھے کیا ملے گا۔ لیکن اگر آپ سچ پوچھو تو علی خیر محمد گوٹھ والے کسی انسان سے نفرت نہیں کرتے ہیں۔ وہ تو صرف انگریز سے نفرت کرتے ہیں۔ چونکہ انہیں مغلوں کا حشر یاد ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی بے بسی یاد ہے انہیں۔ سائیں! ہمارے ہاں تاریخ پر بہت نگاہ رکھی جاتی ہے۔ سائیں بہادر شاہ ظفر جس طرح رنگون میں موت کا شکار ہوئے۔ کسی کو یاد ہو یا نہ یاد ہو لیکن علی خیر محمد گوٹھ والے اسے اچھی طرح یاد رکھے ہوئے ہیں۔ وہ کسی انگریز سے کبھی پیار نہیں کر سکتے اور میں سمجھتا ہوں سائیں کہ بیگم سائیں اور سائیں مکرم شاہ کی نفرت کی وجہ بھی وہی روایتیں ہیں اور کچھ نہیں ہے''۔

غازی شاہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ کیتھرائن اس کی بیوی تھی۔ آج تک اس نے اس سے محبت کا اظہار کیا تھا لیکن شمیلا کے مسئلے میں کیتھرائن مار کھا گئی تھی۔ سچ مچ مار کھا گئی تھی انسان تو انسان ہوتا ہے۔ غازی شاہ نے کہا۔ ''اور اب شمیلا کا معاملہ ہے۔ علی خیر محمد کا معاملہ ہے۔ اسے مار دینا چاہتی ہے۔ علی خیر محمد کو بھی مار دینا چاہتی ہے۔ علی خیر محمد گیا تو سائیں مکرم شاہ بھی مارے جائیں گے اور بیگم سائیں بھی۔ میرے سارے رشتے ختم ہو جائیں گے۔ ایسا ہونا نہیں چاہئے''۔

''ہاں سائیں! بالکل نہیں ہونا چاہئے۔ میں ضرورت سے زیادہ بول گیا ہوں سائیں! اس کے لئے بڑی معافی چاہتا ہوں۔ قربان سائیں پر قربان' ہزار بار قربان پر سائیں نے اگر اپنے دل کی بات مجھ سے کہی تو میں نے اپنے دماغ کی بات سائیں سے کہہ دیں''۔

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کریں کیا''۔

''سائیں! کیا کوئی اور پریشانی پیدا ہوگئی ہے''۔

''نہیں۔ ذرا سا غور کرو۔ بہت سی الجھنیں سامنے آ جاتی ہیں۔ کیا یہ الجھنیں کم ہیں۔

میں تمہیں بتاؤں۔ تمہیں معلوم ہے کہ کیتھرائن کے ہاں اولاد نہیں پیدا ہو سکتی۔ کیتھرائن اس بات کی خواہش مند ہے کہ شمیلا کے ہاں جو اولاد پیدا ہو۔ کیتھرائن اس بچے کی ماں کہلائے۔ شمیلا کو اس لئے قتل کر دیا جائے کہ کبھی یہ بات منظر عام پر نہ آ سکے''۔

''آپ میرے کو معاف کرو سائیں! ایک سوال میں آپ سے پوچھوں''۔

''ہاں پوچھو''۔

''بچہ تو آپ کا ہوگا سائیں۔ پکی بات ہے۔ اگر وہ شمیلا بیگم سائیں کی اولاد کہلاتا تو کوئی حرج تو نہیں تھا۔ باپ تو آپ ہی ہوتے اس کے۔ پر کیتھرائن بیگم سائیں! اسے اپنی اولاد ظاہر کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں۔ صرف یہی نا کہ بیگم سائیں کو ذلیل کیا جائے کہ یہ انگریز عورت کا بچہ ہے جس سے وہ نفرت کرتے ہیں۔ سائیں! بات صرف اتنی ہے کہ ایک عورت' دوسری عورت کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ کیتھرائن بیگم سائیں بڑی بیگم سائیں کو نیچا دکھانا چاہتی ہیں''۔ ایک گھونسا سا لگا تھا غازی شاہ کے دل پر اس نے تڑپتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں۔ بڑی بیگم سائیں کچھ بھی ہیں میری ماں ہیں''۔

''ہاں سائیں! وہ آپ کی ماں ہیں۔ لیکن وقت کیتھرائن کو آپ کے سامنے لے آیا ہے اور کیتھرائن بیگم سائیں' شرجیلہ بیگم سائیں کو نیچا دکھانا چاہتی ہیں''۔

''چلو یہ بھی مان لیتا ہوں میں مگر اب یہ بتاؤ کہ جب شمیلا کے ہاں ولادت ہوگی تو کیتھرائن کو تو اطلاع دینا ہی ہوگی تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا کیتھرائن ہم لوگوں کو یہاں چھوڑ دے گی وہ خود بھی یہاں آئے گی۔ خود بھی یہیں آئے گی وہ''۔

''ہاں سائیں! ظاہر ہے وہ اسی طرح کا اظہار کریں گی کہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہوئی ہے''۔

''سائیں! آپ واقعی صحیح الجھے ہوئے ہو۔ اس الجھن کا کوئی نہ کوئی حل تو ہونا چاہئے۔ ویسے سائیں آپ کو ایک مشورہ دوں''۔

''ہاں ہاں بولو''۔

''وہ اصل میں یہ ڈاکٹر فوزیہ جو ہے۔ دولت کی لالچی معلوم ہوتی ہے۔ یہی ہماری مشکل کا حل بن سکتی ہے''۔ غازی شاہ پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

''وہ کیسے''؟

''سائیں! آپ اسی سے بات کرو اور کھل کر بات کرو۔ ساری تفصیل اسے بتا دو۔ ہم اس سے کوئی جرم نہیں کروا رہے۔ بس ایک جان بچانے کی بات کرتے ہیں اس سے۔ آپ

اگر مجھے اجازت دو تو میں ڈاکٹر فوزیہ سے بات کروں''۔ غازی شاہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میرا خیال ہے ہمیں ڈاکٹر فوزیہ سے بات کرنی چاہئے''۔

''اور اس کے لئے سائیں! ہم یہاں ہسپتال میں اس سے بات نہیں کریں گے۔ بلکہ اس کے گھر چلیں گے''۔

''تمہیں اس کا گھر معلوم ہے''۔

''سائیں معلوم کرنا کون سا مشکل کام ہوگا''۔

''بس تو تم تیاریاں کرو''۔

''قربان نے ڈاکٹر فوزیہ کا گھر معلوم کر لیا۔ ڈاکٹر فوزیہ ہسپتال کے معاملات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنی گھریلو زندگی گزارتی تھی۔ کچھ مہمانوں کی آمد کا سن کر اس نے مہمانوں کو اپنے ڈرائنگ روم میں بلوالیا۔ پھر غازی شاہ اور قربان کو دیکھ کر اس کے چہرے پر پرتپاک مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ اندازہ تو اسے ہو چکا تھا کہ یہ مالدار آسامیاں ہیں اور ان سے بہت کچھ گھسیٹا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کا خیر مقدم کیا اور بولی۔

''کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے آپ لوگ کسی پریشانی کا شکار تو نہیں ہیں۔ ورنہ میں تیاریاں کروں''۔

''نہیں ڈاکٹر جی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم تو آپ سے بات کرنے آئے ہیں۔ بڑی ضروری بات چیت ہے''۔

''ہاں ہاں۔ بیٹھیے۔ آپ آرام سے ٹھہریے میں آپ کے لئے ملازم سے کچھ کافی وغیرہ لانے کے لئے کہہ دیتی ہوں''۔

''بڑی مہربانی ڈاکٹر سائیں! قربان نے کہا۔ ڈاکٹر فوزیہ اپنے ملازم کو ہدایات دینے کے بعد دوبارہ آکر ان کے سامنے بیٹھ گئی اور بولی۔

''جی فرمائیے''۔

''ڈاکٹر سائیں! تھوڑی بہت تفصیلات تو آپ کو بتا دی ہیں۔ لیکن ہم نے محسوس کیا ہے کہ وہ تفصیلات کافی نہیں ہیں۔ جب ہم نے آپ کو اپنا ساتھی بنایا ہے تو ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو کسی بھی بات سے بے خبر نہیں رکھا جائے گا''۔

''نئی اور بات ہے تو آپ مجھے ضرور بتائیے''۔

''ہاں۔ آپ یہ بولو آپ کو جلدی تو نہیں ہے۔ ہم آپ کا بہت زیادہ وقت نہیں لیں

گے''۔

''نہیں نہیں ٹھیک ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کہیں' کیا بات ہے''۔

''ڈاکٹر سائیں! آپ کو یہ بات تو معلوم ہے کہ ہمارے سندھ کے گوٹھوں میں کچھ ایسے گھریلو معاملے بھی چلتے رہتے ہیں۔ جن کا تعلق ہماری ذاتی زندگی سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اس میں کچھ ناگوار معاملات بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ ہم بھی ایسی ہی ایک الجھن کا شکار ہیں''۔

''اس کا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا غازی شاہ صاحب! آپ نے جو کچھ مجھے بتایا تھا اس کے حوالے سے''۔

''جی ڈاکٹر سائیں! بات اصل میں یہ ہے کہ ہمارے چھوٹے سائیں کی دو شادیاں ہوئی ہیں۔ ایک شادی وہ انگلینڈ سے کر کے لائے تھے۔ آپ نے بڑی بیگم سائیں کو بھی دیکھ لیا ہے۔ بڑی بیگم سائیں چونکہ عیسائی ہیں اور انہوں نے اپنا مذہب بھی چینج نہیں کیا۔ اس لئے ڈاکٹر سائیں ہمارے شاہ جی کی والدہ محترمہ نے بڑی بیگم سائیں کو دل سے قبول نہیں کیا۔ اس کے علاوہ بانجھ ہیں' بے اولاد ہیں۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور انہوں نے صرف اولاد کے لئے اپنی مرضی سے خفیہ طریقے سے ہمارے چھوٹے شاہ جی کی شادی شمیلا بیگم سائیں سے کی ہے تاکہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہو جائے۔ بیگم سائیں بہت سخت گیر طبیعت کی مالک ہیں۔ انہوں نے اس شادی کو دنیا کی نگاہوں سے چھپا کر رکھا ہے اور وہ نہیں چاہتیں کہ کسی کو یہ پتہ چلے کہ شاہ جی کی دوسری شادی ہوئی ہے وہ یہ سوچے ہوئے ہیں کہ شمیلا بیگم سائیں کے ہاں جب اولاد پیدا ہو جائے۔ تو شمیلا بیگم سائیں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے''۔

''کیا......''؟ ڈاکٹر فوزیہ چونک پڑی۔

''ہاں ڈاکٹر سائیں۔ آپ کو ہم نے راز دار بنایا ہے اور اس امید کے ساتھ کہ آپ ہمارا راز راز رکھیں گی۔ اصل میں ڈاکٹر سائیں آپ کی مدد کے بغیر ہمارا کام ہونا مشکل تھا اور جب ہم کسی کو مدد کے لئے منتخب کر لیتے ہیں اور ڈاکٹر سائیں پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں اس پر اور اگر ہمارے بھروسے کو ٹھیس پہنچتی ہے تو پھر ہم جانور بننے میں دیر نہیں لگاتے۔ سمجھدار بندے کو ایک بات کافی ہوتی ہے۔ آپ ہماری مدد کرو ہم آپ کی مدد کریں گے''۔

''تت......تو کیا......تو کیا آپ مجھ سے کوئی خون کروانا چاہتے ہیں''۔

''نہیں...... بلکہ ہم آپ کی مدد سے ایک انسانی زندگی بچانا چاہتے ہیں''۔ اس بار غازی شاہ نے زبان کھولی تھی۔

"براہ کرم ذرا مجھے تفصیل سے بتایئے"۔ ڈاکٹر فوزیہ کے بدن میں کپکپاہٹ دوڑ گئی تھی۔

"آپ بالکل یہ بات نہ سوچیں کہ ہم آپ کے ذریعے کسی کی جان لینا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہم آپ کے ذریعے کسی کی جان بچانا چاہتے ہیں۔ قربان آگے بولو"۔

"جی سائیں!" قربان نے کہا اور پھر بولا۔ "آپ کے پاس جو مشورے والی بات ہے۔ وہ یہ ہے کہ چھوٹی بیگم سائیں یعنی شمیلا کے ہاں جب اولاد پیدا ہو تو ہمیں دو کام کرنے ہیں۔ پہلا کام تو یہ ہے کہ شمیلا بیگم سائیں کو زندہ سلامت رکھنا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے ڈاکٹر سائیں کہ ولادت کے وقت میں بیگم میرا مطلب ہے بڑی بیگم سائیں یعنی کیتھرائن یہاں موجود ہوں۔ انہیں یہ بتانا ہے کہ ولادت کے دوران شمیلا بیگم سائیں کا انتقال ہو گیا ہے۔ بچہ خیریت سے ہے۔ بچہ ہمیں ہر قیمت پر بڑی بیگم سائیں کی گود میں دینا ہے اور شمیلا بیگم سائیں کو یہ بتانا ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوا ہے۔ یہ دوسری بات ہے آپ سمجھی رہی ہونا...... یہ ہے ہمارا کام۔ آپ کو اس سلسلے میں ہماری رازداری قبول کرنا ہوگی اور جہاں تک اس مسئلے میں آپ کے مفاد کا معاملہ ہے تو سائیں غازی شاہ نے آپ کے لئے پانچ لاکھ روپے رکھے ہوئے ہیں۔ پانچ لاکھ روپے آپ کو اسی وقت وے دیے جائیں گے جب آپ کیتھرائن بیگم سائیں کو یہ یقین دلادیں گی کہ شمیلا بیگم سائیں کا انتقال ہو گیا ہے اور بچہ ان کے حوالے کر دیں گی"۔

"مگر میری ایک بات تو سنئے آپ۔ بعد میں کیا کریں گے آپ"؟

"وہ ہمارا کام ہے۔ آپ اس کے لئے بالکل فکرمند نہ ہوں۔ شمیلا بیگم سائیں کو ہم یہاں سے لے جائیں گے"۔

"اور اس سلسلے میں کوئی گڑبڑ ہوگئی تو"؟

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی آپ کو صرف اپنا کام کرنا ہے"۔

"ٹھیک"۔ ڈاکٹر فوزیہ سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔ "تو پھر آپ میری بات سنئے۔ میں ولادت کے دوران شمیلا کو ایک ایسا انجکشن لگادوں گی۔ جو اسے کم از کم چار گھنٹے کے لئے بے ہوش کر دے گا۔ وہ بالکل مردہ سی حالت میں ہوگی۔ ہمیں تو صرف تھوڑی دیر کے لئے یہ کام کرنا ہے لیکن چار گھنٹے بہت کافی ہوتے ہیں"۔

"بالکل ٹھیک سائیں لیکن آپ ایک بات بتاؤ۔ اس انجکشن سے شمیلا کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچے گا"۔ غازی شاہ نے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ یہ میری ذمے داری ہے۔ آپ لوگ مطمئن رہیں"۔ ڈاکٹر

فوزیہ کی آنکھوں میں پانچ لاکھ کے نوٹ ناچ رہے تھے۔ بہرحال ہر انسان اس طرح کی آمدنی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس سے گریز کرتے ہیں اور پھر ڈاکٹر فوزیہ نے غور کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی برا کام بھی نہیں ہے۔ بات کسی انسان کی زندگی لینے کی نہیں بلکہ زندگی دینے کی ہے۔ اگر وہ اس کام کے لئے تیار نہیں ہوگی تو یہ لوگ کہیں اور سے رجوع کریں گے اور بلاوجہ ان کی مخالفت بھی مول لینا پڑے گی بہرحال اس نے اپنے طور پر ایک منصوبہ پیش کر دیا اور پھر کافی دیر تک اس منصوبے پر گفتگو ہوتی رہی اور آخر میں یہ طے پا گیا کہ یہی طریقہ کار مناسب ہے۔

"میرا ضمیر مجھے ملامت نہیں کرتا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ بچہ ایک ماں کی آغوش سے نکل کر ایک دوسری ماں کی آغوش میں پہنچ جائے گا۔ لیکن میں اس بات سے مطمئن ہوں کہ اس کا باپ تو اس کے ساتھ ہوگا"۔

"اس کی ماں بھی اس کے ساتھ ہی ہوگی۔ یہ کام کچھ عرصے کے لئے ہو رہا ہے۔ پھر دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ ہوسکتا ہے ہم بچے کو اس کی دوسری ماں سے حاصل کر کے شمیلا کی آغوش میں ہی پہنچادیں لیکن یہ بعد کی بات ہے"۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے شاہ صاحب! میرے اور آپ کے درمیان یہ بات چیت طے ہو گئی ہے"۔ ڈاکٹر فوزیہ نے کہا اور غازی شاہ مطمئن انداز میں اٹھ گیا۔ اس نے ایک لاکھ روپے کی اور گڈی فوزیہ کو دی اور کہا۔

"چار لاکھ نہیں بلکہ پورے پانچ لاکھ آپ کو اس وقت ملیں گے جب ہمارا یہ کام تسلی بخش طور پر سرانجام پا جائے گا"۔

"آپ مطمئن رہیں"۔ ڈاکٹر فوزیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیتھرائن کو بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ جوں جوں شمیلا کے ہاں ولادت کے دن قریب آتے جا رہے تھے۔ کیتھرائن ایک عجیب سی سنسنی محسوس کر رہی تھی۔ کبھی کبھی ایک بچے کی حسرت اس کے دل میں پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اپنی آغوش میں کسی ننھے سے وجود کو محسوس کرتی تھی۔ یہ اس کی دلی آرزو تھی ممکن ہے کہ بچے کی اس قدر شدید خواہش اس کے دل میں کبھی پیدا نہ ہوتی اگر شرجیلہ اس کے ساتھ وہ سلوک نہ کرتی۔ انسانی فطرت ہے کہ اگر وہ کسی چیز سے محروم ہو جائے تو اس کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ یہی کیفیت کیتھرائن کی تھی اور وہ اس احساس کی شدت میں مبتلا تھی۔

وہ اس وقت بھی ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھی۔ جس جگہ اس کا قیام تھا وہاں اس

نے بڑی احتیاطی تدابیر اختیار کی ہوئی تھیں کوئی غیر متعلق شخصیت اس تک نہیں آتی تھی۔ اگر کبھی اسے اس طرح کا شبہ ہو جاتا کہ کوئی اجنبی وجود وہاں آ رہا ہے تو وہ اس سے ملنے سے انکار کر دیا کرتی تھی۔

شرجیلہ کو یقینی طور پر کوئی ذریعہ نہیں مل رہا تھا۔ جس سے وہ کیتھرائن کے لئے کچھ عمل کر سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے میکے جا کر دو افراد کو اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ یعنی دین بخش اور دل مراد دونوں اب حویلی میں آ کر رہنے لگے تھے۔ لیکن شرجیلہ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان سے کس طرح کام لیا جائے۔ دین بخش کو ابھی تک اس نے بہت سی نگاہوں سے محفوظ رکھا تھا اور یہی چاہا تھا کہ دین بخش کسی طرح کیتھرائن کے محل میں داخل ہو جائے۔ وہ ایک مکمل اعتماد کا آدمی تھا۔ مگر ابھی تک کوئی ایسا ذریعہ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ جو دین بخش کو وہاں تک پہنچا دے۔ بہت سے منصوبے بنتے اور بگڑتے رہتے تھے لیکن کوئی ایسا موثر منصوبہ ذہن میں نہیں آیا تھا۔ شرجیلہ نے دین بخش کو بتایا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

''میں بڑی کشمکش کا شکار ہوں دین بخش! مختصر تفصیل تمہیں بتا چکی ہوں۔ ایک سفید چمڑی والی عورت علی خیر محمد گوٹھ میں وہ تباہی پھیلائے ہوئے ہے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ دین بخش میرے سارے اعتماد کے لوگ اس نے ختم کر دیئے ہیں اور میں اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر پائی۔ یہ میری بدترین شکست ہے۔ دو بیٹوں کی ماں ہونے کے باوجود میں کچھ بھی نہیں کر سکی۔ میرا پوتا گم کر دیا ہے انہوں نے۔ دین بخش کچھ سوچو کچھ کرو''۔

''آپ میرے کو حکم کرو بیگم سائیں! اگر آپ کہو تو میں اس عورت کو قتل کر دوں''۔

''یہ حل نہیں ہے دین بخش! یہ حل نہیں ہے۔ خیر! میں خود ہی کچھ سوچوں گی۔ خود ہی کچھ کروں گی''۔

نہ تو مکرم شاہ شرجیلہ کوئی بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا تھا۔ مکرم شاہ کو اب واقعی بہت سے احساسات ہو رہے تھے۔ لیکن وہ فطرتاً صلح جو انسان تھا اور اس کے علاوہ بھائی اس کے دل میں بیٹے کی طرح زندہ تھا۔ اپنے بھائی کو وہ کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا۔ ورنہ صاحب اقتدار جو دل چاہتا کر لیتا۔

یوں یہ سارے معاملات چل رہے تھے اور ادھر کیتھرائن اپنے طور پر یہ سوچ رہی تھی کہ وقت اس کے ہاتھ میں ہے۔ بے شک خانم شرجیلہ نے کچھ وقت کے لئے اسے مفلوج کر دیا تھا۔ لیکن اب پھر صورت حال اس کے قابو میں آتی جا رہی ہے اور وہ بہت جلد اپنے لئے ایک ایسا مقام حاصل کر لے گی۔ جو ناقابل تسخیر ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے معاملات

تھے۔ اسے بھی بس یہی افسوس تھا کہ کوئی ایسی شخصیت اس کے پاس نہیں ہے۔ جو بڑی حویلی کے معاملات معلوم کر کے اس تک پہنچائے۔ وہ شرجیلہ کی ہر کارروائی سے باخبر رہنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کے پاس اس کے انتظامات نہیں تھے۔ البتہ کیتھرائن یہ بات جانتی تھی کہ اگر شمیلا کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا تو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ علی خیر محمد گوٹھ اور اس کی آس پاس کی زمینوں کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ وہ ظاہر ہے۔ غازی شاہ کے بیٹے کی تحویل میں ہوں گی کیونکہ اس وقت تک علی خیر شاہ یا تو مر چکا ہوگا۔ یا پھر اس قدر بگڑ گیا ہوگا کہ علی خیر محمد گوٹھ والے اسے خود بھی اپنا سردار تسلیم نہیں کریں گے۔ علی خیر محمد شاہ کا خیال آیا تو اس نے سوچا کہ غازی شاہ کی غیر موجودگی سے کیوں نہ پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ وہ تیاریاں کرنے کے بعد جمالی گوٹھ چل پڑی۔

فضل شاہ سے اب اس کے خاصے تعلقات اور روابط ہو گئے تھے۔ تین چار بار اس نے موبائل فون پر فضل شاہ سے رابطہ قائم کیا تھا اور اس بار بھی اس نے فضل شاہ کو اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ فضل شاہ نے جمالی گوٹھ کے بیرونی حصے میں اس کا استقبال کیا چونکہ کیتھرائن نے اس سے یہ بات کہہ دی تھی کہ وہ اپنی آمد کی خبر کی تشہیر نہیں کرنا چاہتی۔ فضل شاہ اسے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی حویلی میں لے آیا اور حویلی کے خفیہ دروازے سے اندر داخل ہو کر اسے اپنے کمرہ خاص میں لے آیا۔

''آپ یقین کرو بیگم سائیں! کبھی کبھی تو غازی شاہ کی تقدیر پر رشک آتا ہے''۔

''کیوں''؟ کیتھرائن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''آپ جب بھی میرے سامنے آتی ہو تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہے''۔ کیتھرائن ہنس پڑی پھر بولی۔

''اتنی پرانی تشبیہ ہے کہ اب تو سن کر بھی ہنسی آتی ہے اور پھر خاص طور پر اگر تم چاند کے بارے میں کچھ کہو تو اس میں پڑے ہوئے غار، گڑھے اور اس کی بدنما سرزمین ذہن میں آ جاتی ہے''۔ فضل شاہ بھی ہنسنے لگا پھر بولا۔

''میں بھول گیا تھا سائیں کیتھرائن! کہ میرے سامنے کوئی مشرق کی بے وقوف عورت نہیں بلکہ یورپ کے جدید ترین ملک کی ایک پڑھی لکھی خاتون ہے''۔

''خیر ہم تشبیہات میں بہت سے غلط محاورے استعمال کرتے ہیں۔ چھوڑیں ان باتوں کو فضل شاہ صاحب! آپ بھی پریکٹیکل آدمی ہیں اور میں بھی پریکٹیکل ہوں۔ آپ سے میں نے تعاون کی درخواست کی ہے اور آپ مجھ سے تعاون کر رہے ہیں۔ ہم دو اچھے دوستوں

کی طرح ایک دوسرے کے معاملات میں شریک ہو جائیں اگر کبھی زندگی میں مجھ سے آپ کو کوئی کام پڑا تو آپ یقین کریں میں آپ کی مدد کرنے سے گریز نہیں کروں گی''۔

''سائیں کیتھرائن! میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کی شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ میں آپ کو دیکھتا ہوں تو اپنے اندر ایک عجیب سی ہلچل پاتا ہوں''۔

کیتھرائن پھر ہنس پڑی اور بولی۔

''آپ بہت کچھ ہیں فضل شاہ صاحب! بڑا نام ہے۔ آپ کا۔ بڑے کام کر رہے ہیں آپ' لیکن ہر انسان کے اندر ایک اصلی وجود بھی ہوا کرتا ہے۔ اگر میں آپ کے سامنے بے باکی سے کچھ باتیں کروں تو آپ برا تو نہیں مانیں گے''۔

''نہیں کیتھرائن بیگم آپ کہو''۔

''دیکھیں اب میں ایک معمولی سی عورت رہ گئی ہوں۔ اگر آپ جھوٹے اور گندے برتن میں کھانے کے شوقین ہیں تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کی اس خواہش کی تکمیل کروں گی۔ لیکن میں خود آپ کو بتاؤں کہ ایک اچھے دوست کی تکمیل کروں گی۔ لیکن میں خود آپ کو بتاؤں کہ ایک اچھے دوست کی حیثیت سے آپ میرے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ میرے وجود کو بے شک پامال کر دیا گیا ہے لیکن میرا دل' دماغ' میری خواہشات' میری آرزوئیں' میری اپنی ملکیت ہیں اور ان میں ایک اچھے دوست کی ضرورت چھپی ہوئی ہے۔ آپ میرے بدن کے حصول کے بجائے اگر میری روح میرے جذبات' میری محبت' میری دوستی کو قبول کریں تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔ ورنہ فرمایئے کیا خدمت کر سکتی ہوں میں آپ کی۔ ہاں! ایک بات ضرور کہہ دوں۔ مجھے یوں لگے گا جیسے مجھے نہ آپ کی دوستی حاصل ہے نہ محبت بلکہ آپ کے اس حسن سلوک کا ایک معاوضہ ادا کیا ہے۔ میں نے ایک ناخوشگوار معاوضہ' فضل شاہ صاحب زندگی ان چند لمحوں کے لئے وقف نہیں کرنی چاہئے۔ جو ہم بدن کی لذتوں کے لمحات سمجھتے ہیں۔ بدن کی لذتوں سے ہٹ کر ایک لگاوٹ کی لذت ہے۔ روح کی لگاوٹ کی۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر میں بڑے اعتماد سے یہ بات کہہ سکوں کہ فضل شاہ میرے بہت اچھے دوست ہیں۔ میں نے اپنے وجود کی ہر خوشی ان سے منسوب کر دی ہے اور اگر آپ نے اپنا معاوضہ مجھ سے وصول کر لیا تو آپ یقین کریں کہ آپ میرے لئے ایک عام انسان ایک معمولی انسان رہیں گے''۔

فضل شاہ کیتھرائن کی یہ باتیں سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ اتنے واضح الفاظ میں ایسی پیشکش شاید کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ غور کرتا رہا بات بالکل سچ تھی۔ کیتھرائن ہی نہیں اس سے کہیں زیادہ حسین عورتیں کوڑیوں کے مول مل سکتی تھیں۔ لیکن ایک بڑے آدمی کی بڑی

بیوی اگر اس کی دوست بن جائے تو بہت سے موقعوں پر اس سے اپنے مفادات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ مسکرا دیا اور بولا۔

''آپ نے ایک عجیب بات کہی ہے کیتھرائن! حقیقت یہ ہے کہ میرے دل میں کئی بار آپ کے حصول کی خواہش ابھری اور میں سچ بتاؤں آپ کو۔ علی خیر شاہ کے سلسلے میں آپ کی پیشکش میں نے صرف اس لئے قبول کر لی تھی کہ علی خیر شاہ کے بدلے مجھے آپ کی قربت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن آپ بالکل سچ کہتی کہ ہیں ایک دوست کی ضرورت باقی ضرورتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے' ٹھیک ہے۔ ہم آج سے گہرے دوست ہیں''۔ کیتھرائن آگے بڑھی اور اس نے فضل شاہ کا ہاتھ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

''شکریہ فضل شاہ شکریہ...... حقیقت یہ ہے کہ مجھے ایک ایسے ہی دوست کی ضرورت تھی۔ میں آپ کو بتاؤں۔ بلکہ آپ مجھے موقع دیں کہ میں آپ کو تھوڑی سی تفصیل بتا ہی دوں''۔

''آپ کو مکمل موقع حاصل ہے۔ اب آپ میری دوست ہیں اور آپ کو ہر طرح سے میری خدمات حاصل ہیں''۔ فضل شاہ نے خلوص دل سے کہا۔

''سائیں فضل شاہ! یورپ میں میرا پورا خاندان آباد ہے۔ میرے دادا سر جیمز الیگزینڈر ایک بڑی اہم شخصیت ہیں اور ایک طویل عرصہ غیر منقسم ہندوستان میں گزار چکے ہیں۔ ہم اکثر یہاں کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ غازی شاہ لندن میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ میری اس سے ملاقات ہوگئی اور ایک عورت کی حیثیت سے میں اس سے متاثر ہوگئی۔ غازی شاہ نے بھی مجھے قبول کر لیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میرے خاندان والے اس شادی کے مخالف تھے لیکن میں نے سختی سے کہا کہ میں اپنی پسند کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔ اسی طرح خاندان سے میری تھوڑی سی نااتفاقی ہوگئی۔ لیکن میں نے غازی شاہ سے شادی کر لی۔ غازی شاہ نے مجھے بتایا کہ جب وہ پاکستان واپس آئے گا تو اس کی اتنی پذیرائی ہوگی کہ میں حیران رہ جاؤں گی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ایک شہزادے کے مانند ہے اور اس کے گوٹھ کے لوگ اسے بڑی محبت دیتے ہیں۔ میرے دل میں بھی ایک خوشیوں کا طوفان تھا۔ میں غازی شاہ کے ساتھ یہاں آ گئی۔ غازی شاہ نے مجھ سے کہا تھا کہ اس کا استقبال بڑے اچھے انداز میں ہوگا لیکن گھر کا ایک ملازم' ایک گاڑی لئے اس کا منتظر تھا۔ غازی شاہ خود بھی حیران رہ گیا۔ ہم لوگ بہر حال گوٹھ آ گئے۔ پتہ یہ چلا کہ وہ لوگ ایک سفید چمڑی والی عورت کو ناپسند کرتے ہیں۔ انہیں انگلینڈ کی کوئی عورت قبول نہیں ہے اور اس کے بعد میرے ساتھ زیادتیاں شروع ہوگئیں۔ غازی شاہ خود یہ بات محسوس کر رہا تھا کہ اس کی بیوی کے ساتھ

بڑی ناانصافی ہو رہی ہے۔ بہرحال یہ سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد فضل شاہ، جو سلوک میرے ساتھ کیا گیا تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ میرے دوست، میرے ساتھی، اب بھلا تم سے زیادہ کون ہے میرے لئے فضل شاہ! شرجیلہ بیگم نے مجھے ایک انتہائی زہریلی دوا کھانے کے لئے دی، ایک ملازمہ کے ذریعے اس دوا نے مجھے بانجھ کر دیا اور ان کا یہی مقصد تھا''۔

''کیا''؟ فضل شاہ حیرت سے بولا۔

''ہاں...... انہوں نے مجھے سانپ کی زبان کھانے میں پکا کر دے دی۔ میں جڑی بوٹیوں یا اس ٹائپ کی چیزوں کے بارے میں نہیں جانتی۔ میری بری حالت ہوگئی۔ سانپ کی زہریلی زبان کھا کر میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہوگئی اور اس کے بعد میں اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہی۔ مجھے بانجھ کر دیا گیا۔ ساری کہانی میرے علم میں آ گئی۔ بتاؤ میں کیا کرتی''۔

''کیا غازی شاہ بھی یہ بات جانتا ہے''؟

''ہاں''۔

''تو اس کا ردعمل کیا ہوا''؟

''جتنا میں غمزدہ ہوئی اتنا ہی وہ''۔

''ماں سے سوال نہیں کیا اس نے''؟

''نہیں''۔

''کیوں''؟

''میں نے منع کر دیا تھا''۔

''کیوں''؟

''بات اصل میں یہ ہے فضل شاہ! کہ انسان تو میں بھی ہوں نا۔ ایک عورت سے اگر اس کے ماں بننے کا حق چھین لیا جائے تو بتاؤ اس کے پاس کیا رہ جاتا ہے۔ مجھے بھی اس نے قلاش کر دیا۔ ایک عورت نے عورت کو ماں بننے سے روک دیا۔ میری آرزوؤں کو اپنے جنون کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ صرف رنگ و نسل کی بنیاد پر اور میرے ساتھ روز اول سے ایسی ہی زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ مجھے کوئی مقام نہیں دیا گیا۔ مجھ سے میری حیثیت چھین لی گئی۔ میرا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ غازی شاہ اگر مجھے بتا دیتا کہ یہاں علی خیر محمد گوٹھ میں میرے ساتھ یہ سلوک ہوگا تو دو ہی باتیں تھیں یا تو میں غازی شاہ سے شادی ہی نہ کرتی۔ یا اگر شادی کر بھی لیتی تو پھر انگلینڈ میں ہی رہتی۔ یہاں میں بے بس اور بے سہارا ہوگئی تھی، میرا کوئی نہیں تھا۔ تم ذرا سی

معلومات حاصل کر کے دیکھ لو، چاروں طرف میرے مخالفوں کی تعداد اتنی بڑھا دی گئی ہے کہ اگر کوئی میرا دوست بھی ہو تو کبھی اس دوستی کا اظہار نہ کرے۔ مجھے بتاؤ فضل شاہ! میرا کیا قصور تھا اور کیا ایسا کرنے والا تمہارے خیال میں میرے لئے میرا سب سے بڑا دشمن نہیں ہو سکتا''۔

''بالکل ہو سکتا ہے''۔ فضل شاہ نے کہا۔

''بس۔ اگر یہ بات منظر عام پر لے آتی تو شرجیلہ ہوشیار ہو جاتی۔ مجھ پر نگاہیں رکھی جاتیں میرے ہر عمل پر غور کیا جاتا۔ میں نے یہ ظاہر کیا کہ جیسے مجھے پتہ ہی نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ میں نے یہی ظاہر کیا جیسے میں قدرتی طور پر بانجھ ہوں۔ فضل شاہ، یہ ہے میری کہانی۔ اس کے بعد میں جو بھی انتقامی کارروائی نہ کرتی وہ کم تھی۔ مجھے ماں بننے سے اس لئے روکا گیا کہ کہیں میرے ہاں اولاد پیدا ہو کر علی خیر محمد گوٹھ میں جائیداد کی حصے دار نہ بن جائے۔ جائیداد کی مکمل ذمے داری مکرم شاہ کے پاس ہے اور مکرم شاہ کا بیٹا ہی مکرم شاہ کے بعد اس جائیداد کا وارث ہوگا اور میں، میں ایک لاوارث ہستی کی طرح جب تک زندہ ہوں یہاں پڑی رہوں گی۔ لیکن مجھے یہ منظور نہیں تھا۔ میں نے چالاکی کے ساتھ مکرم شاہ کے بیٹے کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق پروان چڑھایا۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے سندھ کا بدنام ترین ڈاکو بنا دوں گی۔ وہ ڈاکا زنی کرتا پھرے گا اور آخر کار ایک دن کسی پولیس کی گولی کا نشانہ بن جائے گا۔ فضل شاہ صاحب اس کے لئے میں مسلسل کارروائی کر رہی ہوں۔ مکرم شاہ کا بیٹا اس سے جدا ہو گیا ہے۔ مکرم شاہ اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ وہ اس چھوٹی سی عمر میں ہی مجرم بن چکا ہے اور اب پولیس بھی اس کی تاک میں ہے۔ اگر وہ پولیس کے ہاتھ آ گیا تو میرا تو یہ خیال ہے کہ مکرم شاہ بھی اسے نہیں بچا سکے گا''۔

''یہاں آپ کا خیال غلط ہے کیتھرائن''۔

''کیوں''؟

''کیونکہ ہم لوگ اپنے کسی بھی آدمی کو آسانی سے بچا سکتے ہیں۔ یہ کام ہمارے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے''۔

''ٹھیک ہے مگر میں نے تو وہ خانہ ہی خالی نہیں چھوڑا۔ میں نے اسے کھدوانا کی تحویل میں دے دیا تھا اور کھدوانا اسے اپنے راستے پر لگا رہا تھا کہ وہ بے چارہ خود موت کا شکار ہو گیا۔ فضل شاہ صاحب اب یہ ذمے داری میں نے آپ کو سونپی ہے۔ بڑے غور و فکر کے بعد میں نے اس سلسلے میں آپ کا انتخاب کیا ہے۔ آپ کو پوری بات بتا دی ہے۔ اپنی مظلومیت کی داستان بھی سنا دی ہے۔ آپ دیکھ لیجئے آپ میرے دوست بن گئے ہیں۔ بس میں یہ سمجھتی ہوں

کہ ان علاقوں میں میرا کوئی بھی اپنا نہیں تھا لیکن آپ یقین کریں آپ نے آج میری دوستی کی دعوت قبول کر کے اور میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ کر مجھے ایک نئی زندگی دے دی ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں نے اپنے دشمنوں کے مقابلے پر ایک انتہائی طاقتور دوست کھڑا کر دیا ہے۔ فضل شاہ صاحب' یہ نہ سوچیں کہ میں آپ کو اپنے الفاظ کے جال کی گرفت میں لے کر جذباتی باتیں کر رہی ہوں۔ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ یہ میرے اندر کی سچائی ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ آپ یقیناً میری مدد کریں گے۔ بتایئے کیا آپ ایسا کریں گے''؟ فضل شاہ مسکرا دیا پھر بولا۔

''اپنے آپ کو بالکل تنہا مت سمجھنا کیتھرائن! تمہارا کام صرف اتنا ہی ہے تاکہ شرجیلہ بیگم نے تم سے تمہارا بہت بڑا حق چھینا ہے۔ تم علی خیر محمد شاہ کو ان بستیوں کا مالک نہ بننے دو۔ یہی بات ہے نا''۔

''بالکل یہی بات ہے''۔

''تو پھر سنو...... کیتھرائن! اگر ایسی بات ہے تو ہم میں سے کون ہے جو اپنی پسند کی چیزیں حاصل کرنے کا خواہش مند نہیں ہوتا۔ علی خیر محمد گوٹھ اور اس کے آس پاس کی ساری زمینیں سونا اگلتی ہیں۔ بہت حسین علاقہ ہے یہ۔ اگر یہاں دشمنی کا آغاز ہو ہی گیا ہے تو پھر کیوں نہ ہم بھی لالچ کی نگاہوں سے ان زمینوں کی طرف دیکھیں۔ غازی شاہ کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ بس ہم ان تمام کارروائیوں سے علی خیر محمد گوٹھ کے سرمائے کو حاصل کریں گے۔ خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ علی خیر شاہ کے بارے میں' میں آپ کو بتا دوں۔ میں نے اسے شہر پہنچا دیا ہے۔ آپ اسے ڈاکو تو نہ بنائیں' کوئی حیثیت نہیں ہوتی ڈاکو کی۔ میں اسے ایک اتنا بڑا ڈاکو بنا رہا ہوں کہ آپ سنیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔ وہ جس طرح کے کام کرے گا وہ بالکل الگ ہی ہوں گے اور میں نے اس کے لئے اس کی تربیت کا انتظام کر دیا ہے۔ اسے کراچی پہنچا دیا ہے میں نے''۔

''صرف ایک بات جاننا چاہتی ہوں فضل شاہ! وہ ان علاقوں میں واپسی تو نہیں آئے گا''۔

''نہیں آئے گا۔ یہ میری ذمے داری ہے۔ ہاں اگر کبھی تمہارا دل اسے دیکھنے کو چاہے تو بتا دینا''۔

''بس بس ٹھیک ہے۔ یہی تو چاہتی ہوں میں کہ وہ لوگ بھی اپنے وارث سے محروم رہیں۔ کیا سمجھے''۔

''سمجھ رہا ہوں' اور بے فکر رہو۔ یہ میرا کام ہوگا کہ میں اس پر عمل کروں''۔ فضل شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد کیتھرائن مطمئن نظر آنے لگی۔ پھر اس نے فضل شاہ سے واپسی کی اجازت مانگ لی تھی۔

ڈاکٹر فوزیہ سے بات چیت کرنے کے بعد غازی شاہ کو بھی بڑا اطمینان ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر فوزیہ کو اس نے کسی جرم کی جانب مائل نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو ایک اچھا عمل تھا۔ لیکن اس وقت اسے جو جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی' وہ غازی شاہ کی فطرت سے بالکل مختلف بات تھی۔

لندن میں بھی اس نے کیتھرائن کا شکار ہو کر کوئی الجھن مول نہیں لی تھی۔ بلکہ کیتھرائن سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس کے اہل خاندان اس شادی پر رضامند ہو جائیں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ انہیں شریفانہ واپسی اختیار کرنا ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ کیتھرائن اس مشرقی شہزادے کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہتی تھی اور اہل یورپ تو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں خاص طور سے وہ درمیانے درجے کے خاندان جن کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور وہ اس طرح سے اپنی اولادوں کو باہر کی دنیا میں پھیلا دیتے ہیں تاکہ ان کے جال میں آ کر صاحب حیثیت لوگ ان کی اپنی حیثیت بھی بنا دیں اور ایسا ہی ہوا تھا۔

اب کیتھرائن یہاں آ کر خود جس جال میں پھنسی تھی وہ ایک الگ بات تھی۔ ابھی تک اسے غازی شاہ پر کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ ہر انسان زندگی میں لاتعداد غلطیاں کرتا ہے۔ کیتھرائن نے اپنے منصوبے کے مطابق کامیابی حاصل نہ کر کے جو نقصانات اٹھائے تھے' وہ نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچتے تھے اور اب اس نے انتقام کا شکار ہو کر جو عمل شروع کیا تھا اس کے نتائج بھی ابھی مستقبل کے پردوں میں چھپے ہوئے تھے لیکن اس دوران وہ اپنے آپ کو بہت کامیاب سمجھ رہی تھی جبکہ شمیلا کے لئے غازی شاہ کے دل میں جگہ پیدا کر کے اس نے اپنی قیام گاہ کھوکھلی کر لی اور غازی شاہ پہلی بار اس سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اور بڑی محنت کر رہا تھا اس سلسلے میں۔

کراچی سے علی خیر محمد گوٹھ اور علی خیر محمد گوٹھ سے کراچی آنا جانا اس کا مشغلہ بن گیا تھا۔ ادھر کیتھرائن فضل شاہ سے بات کر کے بہت مطمئن ہو گئی تھی اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ اسے خود بھی کراچی منتقل ہو جانا چاہئے۔ اسے ہر لمحے یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں شرجیلہ اپنے طور پر اس کے سلسلے میں کوئی تحقیقات نہ کر ڈالے۔ شرجیلہ کے بارے میں اسے یہ بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ذہین عورت ہے اور کوئی نہ کوئی ترکیب نکال لے گی۔ عورت کو عورت زیادہ سمجھتی ہے۔

شرجیلہ نے جس طرح اس کے خلاف ایک عمل کیا تھا۔اس نے کیتھرائن کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا تھا۔اس نے بے شک اپنے گرد حفاظتی خول قائم کر لیا تھا۔لیکن اس کے باوجود نجانے کیوں وہ شرجیلہ سے خوفزدہ رہتی تھی۔اس نے موقع ملتے ہی غازی شاہ سے اس کا تذکرہ کر دیا اور بولی۔

''غازی شاہ! میرا خیال ہے کہ شمیلا کے ہاں ولادت میں اب بہت زیادہ وقت نہیں رہ گیا ہے۔ہمیں اپنے کام کو مکمل طریقے سے پورا کرنے کے لئے ابھی سے تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں''۔

''کیسی تیاریاں''؟

''ظاہر ہے میرے بارے میں جب تم یہ ظاہر کرو گے کہ میں ماں بننے والی ہوں تو مجھے شہر تو لے جانا ہی پڑے گا تمہیں''۔

''ظاہر ہے ہمیں اپنا کام پورا کرنے کے لئے شہر جانا ہوگا''۔

''تو پھر عین وقت پر یہ مناسب نہیں رہے گا۔ہم لوگ پہلے سے وہاں چلتے ہیں''۔

''ٹھیک ہے تیاریاں کر لو مگر یہاں تو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی''؟

''میں انتظام کر کے جاؤں گی ظاہر ہے اس محاذ کو میں تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ہوسکتا ہے کچھ لوگ ہمارے پیچھے جائیں۔لیکن بس یہی ہماری عقل کی بات ہوگی کہ کسی کو ہمارے پروگرام کا پتہ نہیں چلنا چاہئے۔یہ بتاؤ قربان کے علاوہ اس ہسپتال کے بارے میں کسی کو معلوم ہے جہاں شمیلا موجود ہے''۔

''نہیں اور کسی کو نہیں معلوم''۔

''یہ اچھی بات ہے۔ہم لوگ بھی ہوٹلوں میں قیام کریں گے۔اس طرح ہم شمیلا کے قریب بھی رہیں گے اور باقی ڈرامے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔ہمیں یہاں کون سا کسی کو اطلاع دینی ہے۔بس مجھے اس بات کا خوف رہتا ہے کہ بیگم سائیں کسی کو ہم پر مقرر نہ کر دیں۔جو یہاں کے حالات وہاں جا کر بتا دے۔میں سب سے زیادہ افرشیم کی طرف سے خوفزدہ رہتی ہوں۔وہ بظاہر تو اچھی عورت ہے لیکن اگر بیگم سائیں نے اسے پڑھا لکھا کر بھیجا تو وہ ایک ایسی شخصیت ہے جسے ہم خود سے دور بھی نہیں رکھ سکتے''۔

''تم تیاریاں کر لو' ہم کراچی چلتے ہیں''۔

کیتھرائن نے بہت جلد تیاریاں مکمل کر لیں اور غازی شاہ اسے لے کر کراچی آ گیا۔کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں اس نے کمرہ حاصل کیا۔کیتھرائن خوش اور مطمئن تھی۔حالانکہ غازی شاہ اتنا اچھا اداکار نہیں تھا لیکن اس سلسلے میں اداکاری نہیں بلکہ ایک ضرورت نے

اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ کیتھرائن کے سامنے اپنا کردار بہ خوبی نبھائے۔

یہاں آئے دوسرا دن ہو چکا تھا اور غازی شاہ کیتھرائن کے ساتھ تھا۔البتہ اس نے قربان کو خفیہ طریقے سے کراچی بلا کر اسی مکان میں ٹھہرا دیا تھا جو اس نے شمیلا کے لئے منتخب کر دیا تھا اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ شمیلا کا خیال رکھے۔ادھر ڈاکٹر فوزیہ چونکہ ان کی مٹھی میں تھی اس لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔دونوں محاذ کامیابی سے چل رہے تھے۔ایک طرف کیتھرائن اپنی جگہ مضبوط تھی تو دوسری طرف غازی شاہ نے بھی شمیلا کے لئے ایک مضبوط حصار قائم کر لیا تھا۔سوائے اس کے کہ شمیلا کو اپنے بچے سے محروم ہونا ہوگا۔لیکن اتنا تو اسے کرنا ہی پڑتا۔ویسے بھی اس کا مقصد بس یہی تھا۔یہ الگ بات ہے کہ غازی شاہ کو اس کی موت نامنظور تھی۔دو دن تک جب غازی شاہ نے شمیلا کی طرف جانے کا نام بھی نہ لیا تو کیتھرائن کو ایک طرح سے خوشی ہوئی۔تیسرے دن اس نے خود ہی کہا۔

''تم بے حد عجیب انسان ہو چھوٹے سائیں''۔

''کیوں خیریت کیا ہوا''؟

''میں تو خیر ذہنی طور پر مصروف تھی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی مگر تم بھی شمیلا کی طرف نہیں گئے''۔

''ہاں شمیلا تمہاری طلب ہے میری نہیں''۔

''سو تو میں جانتی ہوں میرے بھولے سائیں! مگر ہمیں اپنا کام پورا ہونے تک تو اس کی دیکھ بھال کرنا ہی ہوگی۔چلو تیار ہو جاؤ چلتے ہیں''۔

غازی شاہ' کیتھرائن کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچ گیا۔جہاں شمیلا مطمئن تھی۔کیتھرائن اس کے پاس گئی اور اس نے شمیلا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک تو ہو نا شمیلا''؟

''ہاں! چھوٹی بیگم سائیں! آپ کی محبتیں ہیں۔ٹھیک ہوں میں''۔

''ماں بننے والی ہو' کیا خیال آتا ہے تمہارے دل میں''۔کیتھرائن نے کہا اور شمیلا شرما گئی۔

''پتہ نہیں بیگم سائیں! سوچتی ہوں تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔بس یہ خیال دل میں ہوتا ہے کہ دیکھو آنے والا وقت کیسا ہوگا''۔

''اچھا ہی ہوگا۔اچھا ہی ہوگا۔یہ دنیا بہت بری جگہ ہے۔بڑی مشکلیں ہیں یہاں جینے میں لیکن بہرحال جینا پڑتا ہے انسان کو' تم اپنے آپ کو لے رکھنا بس تھوڑا وقت جا رہا

ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

کیتھرائن وہاں سے اٹھی اور ڈاکٹر فوزیہ کے کمرے میں گئی۔ غازی شاہ بھی ساتھ تھا۔

''ہاں ڈاکٹر فوزیہ اب بتاؤ''۔

''کیا بتاؤں......سب ٹھیک ہے''۔

''نہیں جو ٹیسٹ وغیرہ تم نے کروائے تھے اور اس کے بعد جو ٹریٹ منٹ شروع کیا تھا اس سے کچھ فرق پڑا''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے اپنے چہرے کو متغیر بناتے ہوئے کہا۔

''کوئی نمایاں فرق نہیں ہے''۔

''بچے کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے''؟ کیتھرائن نے فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔

''ٹھیک''۔

کافی دیر تک کیتھرائن' ڈاکٹر فوزیہ کے پاس رکی اور اس کے بعد غازی شاہ کے ساتھ ہوٹل واپس آ گئی۔ اس کے بعد سیر وساحت' خریداری' بچے کے لئے لاتعداد اشیا خریدی گئی تھیں اور کیتھرائن اسی موضوع میں کھوئی رہتی تھی۔

کیتھرائن نے اپنی مضبوطی کے لئے بہت کچھ کر لیا ہے۔ فضل شاہ کوئی اچھا آدمی نہیں تھا لیکن بہرحال وہ کیتھرائن کا بھرپور طریقے سے ساتھ دینے پر تیار ہو گیا تھا۔ کیتھرائن سیر وسیاحت میں مصروف تھی۔ غازی شاہ کا قربان سے بھی رابطہ تھا۔ قربان کے بارے میں اس نے کیتھرائن کو نہیں بتایا تھا کہ وہ یہاں موجود ہے۔ وہ زیادہ تر ہسپتال کے آس پاس رہا کرتا تھا۔ پھر ایک رات جب کیتھرائن واش روم میں تھی' غازی شاہ کو اپنے موبائل پر فون موصول ہوا۔ فون قربان کا تھا۔ اس نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

''سائیں مبارک ہو آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے''۔

غازی شاہ کا پورا بدن جھنجا گیا۔ ساری کائنات ایک الٹ پلٹ ہو گئی۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو گئیں۔ موبائل کا ہاتھ میں پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ وہ جھولنے لگا تھا۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

بیٹا پیدا ہوا ہے بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس کے سارے وجود سے یہ آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ نامعلوم نقوش کا ایک چہرہ اس کے سارے ذہن پر مسلط ہو گیا تھا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بیٹے کی پیدائش کی خبر سنی تھی' اس کے بعد کوئی جھوٹ ذہن میں نہیں آ سکتا تھا اور اگر کیتھرائن باتھ روم سے نکل آتی تو اسے بہت سے جواب دینے پڑیں گے۔ نہ جانے کس طرح کی کوئی نئی الجھن کیسے پیدا ہو جائے۔ کچھ سننے کچھ سوچنے سمجھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

اسی طرح وہ کمرے سے باہر نکل آیا اور برق رفتاری سے نیچے دوڑتا ہوا باہر تک آ گیا۔ البتہ کار کی چابی لینا نہیں بھولا تھا۔ نیچے آ کر اس نے کار اسٹارٹ کی اور آندھی طوفان کی طرح اسے دوڑاتا ہوا ہسپتال کی جانب چل پڑا۔ دل ودماغ میں خوشیاں گھر کئے ہوئے تھیں۔ اس وقت اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اولاد کی خوشی بھی کیا چیز ہوتی ہے اور خاص طور سے پہلی اولاد کی۔ جب زندگی ایک نئے اور انوکھے تجربے سے دوچار ہوتی ہے۔ غازی شاہ کو کبھی ایسی کوئی طلب نہیں کر رہی تھی۔ لیکن حالات نے جس طرح کروٹیں بدلی تھیں اور وقت نے جس طرح نئی نئی کہانیاں تخلیق کی تھیں۔ اس کے بعد ان کہانیوں میں یہ حسین اضافہ اسے بہت عجیب لگ رہا تھا اور خاص طور سے اس اولاد کے ساتھ تو بہت سی نئی کہانیاں وابستہ ہو گئی تھیں۔

کیتھرائن کچھ بھی تھی لیکن شمیلا نے اسے بیٹے کا باپ بنایا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شمیلا کو اس جرم کی سزا میں زندگی سے محروم کر دیا جائے۔ ناممکن۔ کیتھرائن چاہے کچھ بھی کہے۔ شمیلا کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے پائے گی۔ اس کے ساتھ یہ ناانصافی کیا کم ہے کہ اس کی اولاد کو دوسرے کے نام سے منسوب کر دیا جائے۔ لیکن اس بات کو برداشت کیا جا سکتا

ہے۔ شمیلا زندہ سلامت رہے۔ اس کی آغوش میں بھی ایک نہ ایک دن کوئی نیا پھول کھل جائے گا۔ اگر کیتھرائن اس طرح خوش ہوتی ہے۔ تو اسے اسی طرح خوش رہنے دیا جائے۔ اصل میں اگر بیگم سائیں اس کے ساتھ یہ زیادتی نہ کرتیں تو ہوسکتا ہے کہ کیتھرائن اتنی خوں خوار نہ ہوتی۔

ان ساری سوچوں نے راستے کم کر دیئے اور وہ ہسپتال پہنچ گیا۔ قربان باہر ہی موجود تھا۔ ڈاکٹر فوزیہ بھی قربان سے باتیں کر رہی تھی۔ دونوں اس کی جانب متوجہ ہو گئے اور قربان آگے بڑھ کر پرمسرت لہجے میں بولا۔

''بیٹا مبارک ہو''۔

''شکریہ قربان۔ ڈاکٹر آپ کے چہرے پر تشویش کے آثار ہیں''۔

''نہیں بالکل نہیں۔ بچہ بھی ٹھیک ہے اور اس کی ماں بھی۔ میں قربان سے یہ مشورہ کر رہی تھی کہ اب ہمارا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے''۔ غازی شاہ ایک دم سنبھل گیا پھر بولا۔

''آپ یہ بتاؤ ڈاکٹر سائیں! بچہ کدھر ہے''۔

''ابھی شمیلا لیبر روم میں موجود ہے۔ بچے کو میں نے وہاں سے ہٹا دیا ہے۔ وہ نرسوں کے پاس ہے''۔

''بچہ ٹھیک ہے نا''؟

''ہاں۔ دونوں ٹھیک ہیں''۔

''آپ نے میرے کو کہا تھا ڈاکٹر سائیں! کہ شمیلا کو آپ ایک ایسا انجکشن دے دیں گی کہ تین چار گھنٹے تک وہ ہوش میں نہیں آئے گی اور ایسا لگے گا جیسے''......

''ہاں میں نے یہ کہا تھا لیکن ابھی تھوڑی دیر تک وہ انجکشن نہیں دیا جاسکتا۔ وہ قدرتی طور پر بے ہوش ہے۔ اصل میں کچھ ایسی الجھنیں تھیں کہ ہمیں اسے بے ہوش کرنا پڑا۔ لیکن تھوڑی دیر میں وہ ہوش میں آجائے گی اور ہم اس کے بعد اسے وہ انجکشن دے سکتے ہیں۔ اب آپ یہ بتائیے ہمیں کتنا ٹائم دے سکتے ہیں آپ''۔

''زیادہ نہیں ڈاکٹر سائیں! آپ کو ساری تفصیل معلوم ہے۔ آپ''......

''ہاں میں جانتی ہوں۔ کیتھرائن کہاں ہیں''؟

''ابھی میں اسے ہوٹل ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ کوئی اطلاع نہیں دی میں نے اسے''۔

''ٹھیک ہے' ہم انتظار کر رہے ہیں۔ بہت سے معاملات سے نمٹنا ہے آپ کو۔ مثلاً یہ کہ شمیلا کو یہ بتانا ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوا ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ' ہمیں اداکاری کرنی ہوگی لیکن اس کے لئے ہمارے پاس چار گھنٹے موجود ہیں۔ آپ اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کرلیں

اس کے علاوہ یہ بھی خیال رکھنا پڑے گا کہ فوری طور پر شمیلا کو یہ ذہنی جھٹکا نہیں ملنا چاہئے۔ کچھ بھی ہے بہرحال وہ اس وقت تو کمزور ہے''۔

''جی ڈاکٹر سائیں! میں آپ کی مشکل کو جانتا ہوں''۔

''ٹھیک ہے آپ مجھے تھوڑا وقت دیں ذرا جا کر دیکھ لوں''۔ ڈاکٹر فوزیہ اندر چلی گئی تو قربان نے کہا۔

''سائیں پریشان ہیں آپ''؟

''قربان۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس قدر افسوس ناک ہے کہ میرے پاس شرمندگی کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ جاتا''۔

''جانتا ہوں سائیں! لیکن آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ بھی قابل تحسین ہے سائیں! انسان تو ہم بھی ہیں۔ بہت سے ایسے کام کئے ہیں اس دنیا میں جو بے شک اچھے نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود سائیں! دل اپنی جگہ ہوتا ہے اور کبھی تو اس کے اندر ایمان داری بھی پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے بڑا اچھا قدم اٹھایا ہے۔ اب یہ تھوڑی سی تکلیف اور دور ہو جائے تو اس کے بعد کوئی بات نہیں رہ جاتی''۔

''ہاں۔ شمیلا میری بیوی ہے قربان! کچھ بھی ہے' وہ میرے بچے کی ماں ہے۔ حالانکہ میں نے خود اسے اپنی زندگی میں شامل نہیں کیا۔ یہ شوق بھی کیتھرائن کا ہی تھا لیکن بہرحال میری اس سے قربت ہے اور میں بھی انسان ہوں۔ اس نے میری اولاد کو جنم دیا ہے' مجھے باپ بنایا ہے۔ اسے اس کا انعام ملے گا قربان' سزا نہیں''۔

''آپ ٹھیک کہتے ہو سائیں! میرا مطلب ہے بیگم سائیں کو سزا نہیں ملنی چاہئے''۔

''ٹھیک ہے۔ آؤ ذرا دیکھیں' میں بچے کو دیکھنا چاہتا ہوں''۔

شمیلا کو لیبر روم سے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔ غازی شاہ نے اس ننھے سے حسین وجود کو دیکھا۔ سارے نقش غازی شاہ ہی کے تھے۔ ایک لمحے میں اس کی صورت دیکھ کر کوئی بھی یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ غازی شاہ کا بیٹا ہی ہے۔ غازی شاہ مسرت سے اسے دیکھتا رہا اور اس کے اندر نہ جانے کیسے کیسے پھول کھلتے رہے۔ اس نے ڈاکٹر فوزیہ کی طرف دیکھا اور ایک لاکھ کے نوٹوں کی گڈی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''یہ آپ کی مٹھائی کے پیسے ہیں ڈاکٹر فوزیہ''۔ فوزیہ ہنس پڑی اور بولی۔

''اگر ان پیسوں کی مٹھائی منگوا لی میں نے شاہ جی! تو میرا خیال ہے میرا پورا خاندان یہ مٹھائی کھا کھا کر مر جائے گا''۔

''ایسی بات بالکل نہ بولو ڈاکٹر سائیں! آپ نے اپنے فرض کی ادائیگی کے علاوہ بھی بہت کچھ کیا ہے۔آپ کا وہ انعام اپنی جگہ ہے''۔

''ٹھیک ہے شاہ جی' ڈاکٹر فوزیہ آپ کی ہر خوشی کے لئے کام کرے گی اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو کام آپ نے مجھ سے لیا ہے وہ میرے ضمیر کے خلاف نہیں ہے۔ خدانا خواستہ اگر کسی کو نقصان پہنچانے کی بات ہوتی تو معافی چاہتی ہوں شاہ جی! شاید آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لیتی لیکن یہ کسی کی زندگی بچانے کا سوال تھا۔ میں یہ انعام پا کر بہت خوش ہوں''۔

''اب آپ اس بچے کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیجئے''۔

''سارے انتظام کر لئے ہیں میں نے۔ اوپری منزل پر ایک کمرہ میں نے اس کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور دو نرسیں اس کی دیکھ بھال کریں گی۔ آپ اس کی طرف سے بالکل بے فکر رہیں بچہ تندرست و توانا ہے''۔

''تو پھر اب کیا کرنا ہے''۔

''بس اور کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ آپ دیکھ لیں جس وقت میں انجکشن لگا دوں گی۔ اس وقت آپ اگر چاہیں تو کیتھرائن کو بلا لیں۔ اچھا اب تھوڑا وقت دیجئے مجھے''۔ ڈاکٹر فوزیہ اپنی نگرانی میں اس بچے کو دوسرے کمرے میں لے گئی۔ غازی شاہ' قربان کے پاس آ گیا تھا اس نے کہا۔

''جس وقت تم نے مجھے اطلاع دی کیتھرائن واش روم میں تھی۔ میں اس سے کوئی جھوٹی سچی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں سیدھا نیچے اترا اور گاڑی لے کر ادھر چلا آیا''۔

''سائیں پر قربان! سائیں کے لباس سے یہ اندازہ ہوتا ہے''۔

''وہ سوچے گی تو ضرور کہ میں کہاں گیاں اور یہ بھی سوچے گی کہ اس طرح میں اسے بتائے بغیر کیسے آ گیا''۔

''تھوڑا سا انتظار کر لیں سائیں! یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے''۔

''یار! کوئی حل بتاؤ کیا جواب دوں گا میں اسے''۔

''سیدھا سیدھا جواب ہے''۔ قربان نے کہا۔

''کیا......''؟ غازی شاہ اس کی صورت دیکھنے لگا۔

''سائیں آپ بولو۔ میرے منہ میں خاکپ ڈاکٹر فوزیہ نے آپ کو شمیلا بیگم سائیں کی موت کی اطلاع دی تھی اور آپ بدحواس ہو کر بھاگے تھے۔ ایسی حالت میں انسان کہاں

سوچتا ہے سائیں' آپ کو بچے کی بھی فکر تھی''۔

''اوہ......قربان! تم اگر میرے ساتھ نہ ہوتے تو سچی بات یہ ہے کہ مجھے اپنے مستقبل کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا۔ کیا ہی آسان ترکیب ہے''۔

''وہ تو ٹھیک ہے سائیں لیکن آپ کو اداکاری بڑی زبردست کرنا ہوگی''۔

''کروں گا یار کروں گا۔ کیا کیا جائے۔ دونوں کے سامنے اداکاری کرنی ہے ادھر کیتھرائن کے سامنے شمیلا کی موت کی اداکاری اور ادھر شمیلا کے سامنے' خدا نہ کرے' خدا نہ کرے''۔ غازی شاہ خاموش ہو گیا۔ قربان مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے مسکرانے لگا پھر بولا۔

''سائیں! کرنا پڑتا ہے ایسا بھی کرنا پڑتا ہے''۔

''ایک نگاہ شمیلا کو دیکھ آؤں''۔

''نہیں سائیں! اگر ان کی نگاہ آپ پر پڑ گئی تو وہ فوراً ہی بچے کے بارے میں سوال کر لیں گی۔ آپ اپنے آپ کو قابو میں رکھو اور اس وقت کے لئے خود کو تیار کرو۔ شمیلا بیگم سائیں! تو ایک معصوم عورت ہے۔ ان کو آپ جیسا بھی سمجھاؤ گے وہ سمجھ جائیں گی اور مان جائیں گی۔ پر کیتھرائن بیگم سائیں کو سنبھالنا ذرا مشکل کام ہوگا۔ آپ کو صحیح طریقے سے کام کرنا ہوگا''۔ ڈاکٹر فوزیہ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی اور بولی۔

''تو آپ کی اجازت ہے غازی شاہ صاحب! میں شمیلا کو وہ انجکشن لگا دوں''۔

''اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ شمیلا کو کوئی نقصان تو نہیں ہوگا''؟

''میں نے کہا نا آپ اطمینان رکھیے۔ کیتھرائن کوئی ڈاکٹر تو ہے نہیں۔ بس ایک خاتون ہے وہ شمیلا بیگم کی نبض رک جائے گی۔ سانس رک جائے گی لیکن ان کے دل کی دھڑکنیں بحال رہیں گی۔ یہ ایک مخصوص طریقہ کار ہے اور جو انجکشن انہیں دیا جانے والا ہے۔ یہ اسی کے اثرات ہوتے ہیں''۔

''ٹھیک ہے آپ انہیں انجکشن لگا دو۔ کتنی دیر میں بے ہوش ہو جائیں گی''۔

''بس ایک منٹ میں''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے کہا اور ایک بار پھر واپس چلی گئی۔ غازی شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔ پھر اس نے اپنا موبائل سنبھالا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر کال موصول ہوئی۔ یہ کال ہوٹل سے ہی کی گئی تھی۔ غازی شاہ کے ذہن میں سناٹے اتر آئے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور پھر موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔ پھر اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''ہیلو''۔

''غازی شاہ''! یہ کیتھرائن کی آواز تھی۔ غازی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو کیتھرائن کی آواز پھر سنائی دی۔ ''میں کیتھرائن بول رہی ہوں کیا فون تمہارے پاس ہے''۔

''ہاں''۔غازی شاہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کہاں سے بول رہے ہو کہاں ہو تم۔غازی شاہ کیا بات ہے''؟

''کیتھی! ہسپتال آجاؤ''۔

''کیا''؟ کیتھرائن نے چونک کر کہا۔

''کیتھی! ہسپتال آجاؤ''۔ غازی شاہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔قربان نے ایک انگوٹھا اٹھا کر آنکھ دبائی۔ جیسے غازی شاہ کو اس کی اداکاری کی داد دے رہا ہو۔ غازی شاہ کی آنکھیں جھک گئیں۔اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہسپتال آجاؤ کیتھرائن''!

''تم ہسپتال میں ہو''؟

''ہاں''۔

''مجھے بتائے بغیر چلے گئے''۔

''کیتھرائن تم ہسپتال آجاؤ۔میری بات نہیں سنی تم نے۔ نیچے آؤ ٹیکسی کرو اور ہسپتال آجاؤ''۔

''بات کیا ہے مجھے بتاؤ گے نہیں''۔

''یہاں آجاؤ گی تب بتاؤں گا''۔

''پلیز مجھے بتاؤ تو سہی کیا بات ہے''؟

''کیتھرائن کیا تم مجھے پریشان کرنا پسند کرو گی۔یہ ٹیلیفون ہے میں نہیں جانتا تھا کہ تم میری کسی بات پر اس طرح کے سوالات کرو گی مجھ سے۔تم ڈاکٹر فوزیہ کے ہسپتال آجاؤ''۔ غازی شاہ نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا اور موبائل بند کر دیا۔قربان تیزی سے آگے بڑھا اور غازی شاہ کے گھٹنے چھوتا ہوا بولا۔

''ہزار بار قربان! سائیں آپ یقین کرو اس وقت تو میرے دل میں ایک خیال آرہا ہے''۔

''کیا......''؟ غازی شاہ نے اسے دیکھا۔

''سائیں! ہمیں ایک فلم بنانی چاہئے اور آپ کو میں اس فلم کا ہیرو بناؤں گا''۔

''یار۔بکواس مت کرو تم نہیں جانتے کہ میں کتنا پریشان ہوں''۔

''علی خیر محمد گوٹھ کو وارث دیا ہے آپ نے اور آپ کہتے ہو کہ آپ پریشان ہو۔

سائیں! یہ چھوٹے موٹے چکر تو ختم ہو ہی جاتے ہیں۔نسلیں آگے بڑھانا آپ جیسے بڑے لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔اللہ سائیں نے آپ کو اس کا موقع دیا ہے''۔

''دیکھو یار! آرہی ہے کیتھرائن اب ہمیں اس کے بارے میں سوچنا ہے''۔

''سائیں! بس ایسی ہی اداکاری قائم رکھو۔ادھر آجاؤ یہ جگہ ٹھیک ہے''۔

ڈاکٹر فوزیہ تھوڑی دیر بعد ان کے پاس پہنچی۔اس نے غازی شاہ کو باہر بیٹھے ہوئے دیکھا تو جلدی سے بولی۔

''یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں اندر آئیے''۔

''ڈاکٹر سائیں! میں ایکٹنگ کر رہا ہوں۔یہ میرا استاد جو ہے نا یہ مجھے اداکاری کی پریکٹس کروا رہا ہے''۔غازی شاہ نے قربان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اچھا اچھا۔کیا میڈم کیتھرائن آرہی ہیں''؟

''ہاں بس پہنچنے ہی والی ہے''۔

''ارے باپ رے باپ۔ پھر تو میں بھی اپنی ڈیوٹی پر جاؤں''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے جلدی سے کہا اور ہنستی ہوئی اندر چلی گئی۔

''واہ سائیں واہ۔کیا اچھی کامیڈی ہو رہی ہے''۔قربان نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک ٹیکسی ہسپتال کے گیٹ کے سامنے آکر رکی اور کیتھرائن اس سے اتر کر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔اس نے نظر اٹھا کر غازی شاہ کو دیکھا۔ غازی شاہ ہسپتال کی عام بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑا ہوا تھا اور قربان اس کے قریب کھڑا ہوا تھا۔کیتھرائن کا دل دھک سے رہ گیا۔تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی غازی شاہ کے پاس پہنچی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''غازی شاہ! کیا بات ہے''۔غازی شاہ نے افسردہ نگاہیں اٹھا کر کیتھرائن کو دیکھا اور کیتھرائن جلدی سے بولی۔

''کیا ہوا بتاؤ گے نہیں''۔

''مبارک ہو کیتھرائن! تم ایک بیٹے کی ماں بن گئیں''۔

''کیا......''؟ کیتھرائن کا منہ خوشی سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ہاں۔تم ایک بیٹے کی ماں بن گئیں کیتھرائن''!

''وہ ٹھیک تو ہے نا۔کہاں ہے وہ''؟

''ڈاکٹر فوزیہ بتا سکیں گی آپ کو''۔

"تو تم اس قدر پریشان کیوں ہو"؟

"بیگم سائیں! شمیلا بیگم سائیں"۔ قربان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور کیتھرائن نے چونک کر غازی شاہ کو دیکھا پھر قربان کو پھر بولی۔

"قربان! ادھوری بات سن کر کس قدر غصہ آتا ہے۔ کیا تمہیں اس کا اندازہ ہے"۔

"بیگم سائیں! شمیلا بیگم سائیں زندہ نہیں رہ سکیں"۔

کیتھرائن ایک لمحے کے لئے سناٹے میں رہ گئی تھیں۔ پھر اس نے کہا۔

"اوہ! تم جاؤ ذرا قربان مجھے غازی شاہ سے بات کرنی ہے"۔

قربان گردن جھکا کر آگے بڑھ گیا تو کیتھرائن نے آگے بڑھ کر غازی شاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں جانتی ہوں انسان کا انسان سے ایک رشتہ ہوتا ہے اور پھر وہ تمہاری خلوتوں میں تمہارے ساتھ رہ چکی ہے۔ میں فطرت سے بغاوت نہیں کرسکتی یقیناً تمہارے دل میں اس کے لئے دکھ بھی ہوگا لیکن غازی شاہ تم یہ سوچو کہ جو کام مجھے یا تمہیں کرنا تھا۔ وہ قدرت نے خود ہی سرانجام دے دیا۔ یہ ہمارے دونوں کے حق میں اچھا ہوا ہے۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ تم تو خیر شمیلا کو کوئی نقصان پہنچا ہی نہیں سکتے تھے لیکن مجھے بھی اسے ہلاک کرتے ہوئے دکھ ضرور ہوتا۔ کیونکہ وہ معصوم سی لڑکی تھی کبھی سرکشی نہیں کی اس نے۔ یہ میرے خیال میں' تو بہتر ہی ہوا ہے کہ ہمیں یہ ناگوار فرض سرانجام نہیں دینا پڑا۔ اپنے آپ کو سنبھالو بچے کو دیکھا ہے تم نے"؟

"ہاں ڈاکٹر فوزیہ نے مجھے اسے دکھایا تھا"۔

"چلو آؤ...... بچہ دیکھیں۔ میں ذرا ڈاکٹر فوزیہ سے بات کرلوں تم یہیں رکو"۔

"ٹھیک ہے"۔ غازی شاہ نے گردن ہلائی۔ کافی دور سے ایک ستون کی آڑ سے قربان غازی شاہ کو دیکھ رہا تھا۔ جب کیتھرائن اندر چلی گئی تو قربان' غازی شاہ کے پاس پہنچا۔

"سائیں! اب تو قلم ضرور بنے گی"۔

"تیری قلم کی ایسی کی تیسی' بک بک مت کر مجھے جو کچھ کرنا پڑ رہا ہے' میں نے زندگی میں کبھی نہیں کیا قربان"۔

"سائیں پر قربان"۔ قربان مسکرا کر بولا۔ ادھر کیتھرائن' ڈاکٹر فوزیہ کو تلاش کرتی ہوئی اس کے پاس پہنچی تھی۔ ڈاکٹر فوزیہ اسے ساتھ لئے ہوئے دوسرے کمرے میں آ گئی۔

"کام خود بہ خود نہیں ہوا ہے میڈم! میں نے خاص طور سے اس کا خیال رکھا تھا"۔

"ڈاکٹر فوزیہ! میں نے تم سے ایک لاکھ روپے کا وعدہ کیا تھا"۔

"کیا تو تھا"۔

"تم نے جو کام کیا ہے وہ ایک لاکھ روپے کا نہیں یہ اور رکھو"۔ کیتھرائن نے ہزار ہزار کی دو دو گڈیاں نکال کر ڈاکٹر فوزیہ کے حوالے کر دیں اور ڈاکٹر فوزیہ حیرت سے جھوم اٹھی۔

"بہت بہت شکریہ"۔

"گویا اس کا مطلب ہے کہ تم نے"۔

"ہاں۔ یہ ایک ناخوشگوار کام تھا لیکن آپ کی مشکل بھی میرے علم میں تھی۔ کچھ تھوڑا سا مسئلہ بے شک تھا لیکن میں نے اس کا ٹریٹمنٹ نہیں کیا۔ اگر میں اس کا ٹریٹمنٹ کرتی تو شاید وہ صورت حال نہ ہوتی۔ بس یہ جرم میں نے ضرور کیا ہے"۔

"بچہ تو بالکل ٹھیک ہے"؟

"ہاں۔ بالکل ٹھیک ہے"۔

"کہاں"؟

"آیئے"۔ ڈاکٹر فوزیہ نے کہا اور کیتھرائن کو لئے ہوئے اس جگہ پہنچ گئی۔ جہاں بچہ پنگوڑے میں پڑا ہوا تھا۔ کیتھرائن نے جھک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں فرط مسرت سے بند ہوگئیں۔ یہ اس کی آرزوؤں کا پھل تھا۔ پتہ نہیں بچے سے اس کی محبت اتنی ہی شدید تھی۔ یا وہ بچے کی خواہش مند تھی۔ ہوسکتا ہے ایسا بالکل نہ ہوتا۔ اگر شرجیلہ اس کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتی۔ قدرتی طور پر اگر اس کے ہاں اولاد نہ ہوتی تو شاید وہ اس بارے میں سوچنا بھی پسند نہ کرتی مگر اب صورت حال مختلف ہوگئی تھی۔ وہ گہری گہری سانسیں لیتی رہی پھر اس نے آنکھیں کھول کر بچے کو دیکھا۔ ہو بہو غازی شاہ کی کاپی تھا۔

"میں اسے اٹھالوں"؟

"ہاں ہاں۔ شوق سے۔ بچہ تندرست ہے"۔ ڈاکٹر فوزیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیتھرائن نے بچے کو گود میں لے لیا۔ وہ اسے دیکھتی رہی پھر اس کی غرائی ہوئی سی آواز نکلی۔

"ماں ہوں میں تیری سمجھا۔ ماں کے علاوہ کچھ نہ سمجھنا مجھے' حالانکہ تو بھی اسی علاقے کی تخلیق ہے لیکن میں یہ بات بھول جاؤں گی"۔ تیری حد تک میں یہ بات بھول جاؤں گی۔ اس نے بچے کو واپس پنگوڑے میں لٹا دیا پھر بولی۔

"اسے کب تک میرے حوالے کر دو گی"؟

"اگر دو تین دن یہاں رہے تو بڑی اچھی بات ہے"۔

"وہ کہاں ہے"؟ کیتھرائن نے سوال کیا۔

''دوسرے کمرے میں''۔

''غازی شاہ اسے دیکھ چکا ہے؟''

''نہیں۔اسے بتادیا گیا ہے لیکن وہ لاش تک گیا نہیں ہے''۔

''آؤ''......کیتھرائن نے کہا اور ڈاکٹر فوزیہ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ڈاکٹر فوزیہ اسے لے کر اس کمرے میں پہنچی۔ جہاں شمیلا لاش کی شکل میں موجود تھی۔سیدھی' ساکت اور جامد لیٹی ہوئی۔اس کا حسین چہرہ کچھ اور حسین ہو گیا تھا۔آنکھیں بند تھیں۔سانس رکی ہوئی تھی۔کیتھرائن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ڈاکٹر فوزیہ دو قدم پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔کیتھرائن نے پلٹ کر اسے دیکھا۔پھر اس کی سرگوشی ابھری۔

''تمہاری دشمن نہیں تھی میں لیکن تمہارے ہی وطن کی ایک عورت نے مجھے تمہارے ساتھ بھی دشمنی کرنے پر مجبور کر دیا۔اس نے مجھے عورت کے حق سے محروم کیا تھا۔اس کی وجہ سے تم زندگی سے محروم ہو گئیں۔میں اسے ہر قیمت پر شکست دینا چاہتی تھی۔میں نے اسے شکست دے دی ہے۔اب وہ خون کے آنسو روئے گی۔میں دیکھتی ہوں وہ مجھ سے کیسے منحرف ہو گی۔یہ تو جنگ ہے اور جنگ میں آس پاس کی چیزوں کا بھی کافی نقصان ہوتا ہے۔مجھے معاف کر دینا شمیلا یہ ضروری تھا۔تم نے مجھے فتح سے ہمکنار کیا ہے۔میں تمہیں کبھی بھول نہیں سکوں گی''۔

ڈاکٹر فوزیہ اس کی بڑبڑاہٹ سن رہی تھی۔لیکن اس کے الفاظ ڈاکٹر فوزیہ کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔البتہ ڈاکٹر فوزیہ کے دل میں نفرت کی ایک لہر سی اٹھ رہی تھی۔یہ انگریز عورت ایک مرد پر قبضہ جمانے کے لئے کس طرح کی سازشیں کر رہی تھی۔لیکن مسئلہ وہی آ جاتا تھا۔جب وہ دشمن آپس میں بہادری کے ساتھ جنگ کرتے ہیں تو کوئی تردد نہیں ہوتا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ غداری ہمیشہ مکروہ حیثیت سے سامنے آتی ہے۔اصل مسئلہ کیتھرائن کا نہیں' غازی شاہ کا تھا۔نفرت کیتھرائن سے نہیں اس مرد سے ہونی چاہئے۔جو ایک اور عورت کو دوسری عورت پر ترجیح دے رہا ہے اور بہ حالت مجبوری اقدامات کرتا پھر رہا ہے۔کہانی کافی حد تک ڈاکٹر فوزیہ کے علم میں آ چکی تھی۔کوئی مجبوری نہیں تھی' غازی شاہ کی صرف محبت کا رشتہ تھا اور اگر ایسی ہی محبت کی بات تھی تو وہ کیتھرائن کی بات قبول نہ کرتا۔اگر ڈاکٹر فوزیہ ان لوگوں کے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہوتی تو کہیں اور بے چاری شمیلا کی جان جا سکتی تھی۔کیتھرائن کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''آؤ ڈاکٹر''؟ اور اس کے بعد دونوں باہر نکل آئیں۔کیتھرائن نے کہا۔

''میں بچے کو تین دن کے بعد تم سے لے لوں گی''۔

''مناسب ہو گا''۔

''آپ یہیں ہیں اس دوران''۔

''ہاں۔کوئی بھی بات ہو میرے موبائل کا نمبر لے لو۔براہ راست مجھے مخاطب کرنا''۔

''او کے میڈم۔بہت بہت شکریہ آپ کا''۔کیتھرائن باہر نکل آئی۔اس نے اپنے چہرے پر سنگین تاثرات پیدا کر لئے تھے۔قربان پھر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔غازی شاہ ایک بینچ پر اداس بیٹھا ہوا تھا۔کیتھرائن اس کے قریب پہنچ گئی۔اس نے کہا۔

''غازی شاہ''!غازی شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''اداس کیوں ہو۔بچے کی خوشی نہیں ہے تمہیں''؟

''بہت خوشی ہے۔کیتھرائن بہت خوشی ہے''۔

''ہوٹل آؤ گے تو تم سے باقی باتیں ہوں گی۔اب یہ بتاؤ کرنا کیا ہے''؟

''ڈاکٹر سے تمہاری کیا بات ہوئی''؟

''ڈاکٹر بے چاری خود بہت غمزدہ ہے۔کہتی ہے کہ کوشش کے باوجود وہ شمیلا کو نہ بچا سکی۔ویسے غازی شاہ ایک بات بتاؤ۔کیا قدرت اپنے کام صحیح طور پر سرانجام نہیں دے دیتی۔ہم قاتل ہونے سے بچ گئے ہیں۔دوسری صورت میں شمیلا کو ہلاک کرنا ہمارے لئے زیادہ دکھ کی بات ہوتی۔قدرتی طور پر ہی وہ دنیا چھوڑ گئی''۔

''تم نے اسے دیکھا''؟

''ہاں۔میں اس کی لاش دیکھ کر آئی ہوں''۔

''ٹھیک ہے بابا!اب یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے''۔

''بچہ ہمیں کب ملے گا''؟

''میرے کو نہیں معلوم۔ڈاکٹر فوزیہ سے پوچھ کر بتانا پڑے گا''۔

''میں پوچھ چکی ہوں اس سے''۔

''کیا بولتی ہے''؟

''کہتی ہے اگر بچہ دو تین دن تک اس کے پاس رہے تو زیادہ اچھا ہے''۔

''تو ٹھیک ہے'رہنے دو''۔

''میں ایسا کرتی ہوں۔یہ میں نے ابھی سوچا ہے''۔

''کیا؟ بولو''......

''کام پورا کرنے سے فوراً ہی ایک نیا ڈرامہ میرے ذہن میں آیا ہے۔ ابھی میں ہوٹل چلی جاتی ہوں۔ کیا سمجھے۔ ہوٹل جا کر میں تو ادھر رہتی ہوں۔ تم شمیلا کے کفن دفن کا انتظام کرواور خاموشی سے اس کی تدفین کر دو۔ کیا سمجھے''۔

''ہاں پھر''؟......

''ڈاکٹر فوزیہ سے بات کرو۔ میں اس کے بعد اسی ہسپتال میں آ جاتی ہوں اور یہاں بستر پر لیٹ جاتی ہوں۔ تم ادھر جا کر اطلاع دو کہ میں بچے کی ماں بنی ہوں۔ دیکھو...... ان میں سے کوئی آتا ہے یا نہیں''۔

''اوہ......تو پھر......''

''کھیل پورا ہونا چاہئے۔ اب ہم ایک مرحلے سے گزر چکے ہیں غازی شاہ! تو پھر ذرا کھیل کر کیوں نہ دلچسپ بنایا جائے''۔

''ہوں۔ ٹھیک ہے ڈاکٹر فوزیہ سے بات کرنا ہوگی''۔

''مناسب......ایسا کرو سب سے پہلے باقی باتیں بھول کر تم شمیلا کے کفن دفن کا انتظام کرو اور کچھ نہیں تو ہم لوگ اس کی آخری آرام گاہ تو پرسکون دے دیں۔ سوری ویری سوری۔ میں سمجھتی ہوں اصولی طور پر تمہارے دل میں بھی اس کے لئے دکھ ہونا چاہئے کیونکہ یہ انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ اوکے۔ میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔ تمہیں یہاں گاڑی کی ضرورت ہوگی''۔

''چلو میں تمہیں ٹیکسی میں بٹھا دیتا ہوں''۔ غازی شاہ نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد کیتھرائن ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل چلی گئی۔ غازی شاہ قربان کے پاس آ گیا اور گہری گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

''مجھے کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہیں تھا قربان کہ مجھے ایسے حالات سے گزرنا ہو گا۔ ویسے قربان یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ کتنا فریب سے کام لینا پڑ رہا ہے ہمیں۔ میں نے کبھی فریب کی زندگی نہیں گزاری۔ بڑا پریشان ہو گیا ہوں میں۔ حالانکہ مجھے بیٹے کا باپ بننے کی خوشی ہے۔ لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ اس کی ماں' اس کی ماں نہیں کہلائے گی۔ اس کا مجھے بڑا دکھ ہے''۔

''سائیں! اگر میرے دل کی بات پوچھو تو شمیلا بیگم سائیں کی زندگی ہی بچ گئی' یہ بہت بڑی بات ہے اگر ہم اتنا الٹ پھیر نہیں کرتے تو آپ یقین کرو سائیں کہ شمیلا بیگم سائیں

کی زندگی بچنا ہی مشکل ہو جاتی۔ کیتھرائن بیگم سائیں اسے کسی نہ کسی طریقے سے ہلاک کروا دیتی''۔

''یار! ساری باتیں اپنی جگہ ہیں سب کچھ غلط۔ اب اور بھی بہت سے کھیل کھیلنے پڑیں گے۔ بابا میری تو زندگی ہی مکروفریب بن کر رہ گئی ہے''۔ ایک لمحے کے لئے غازی شاہ کے الفاظ میں بےزاری نظر آئی تھی اور قربان غور سے اس کی شکل دیکھتا رہ گیا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد غازی شاہ نے گردن اٹھا کر کہا۔

''چلو......اس بے چاری کا کام پہلے کر دیں۔ اس کے بعد اور دوسری باتیں سوچیں گے۔ اس کی زندگی کو خطرہ بہ دستور موجود ہے''۔ اور پھر غازی شاہ' ڈاکٹر فوزیہ کے پاس پہنچ گیا۔

''آپ بھی کیا سوچتی ہوگی ڈاکٹر صاحبہ! کہ کیسے فریبی لوگوں سے واسطہ پڑ گیا ہے آپ کا۔ پر بابا کیا بتائیں۔ کبھی کبھی انسان خود اپنے جال میں اس طرح پھنس جاتا ہے کہ اس سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ آپ نے جس طرح ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے ڈاکٹر صاحبہ۔ اس کے لئے ہم آپ کے دل سے شکر گزار ہیں۔ مگر لگتا ہے ابھی آپ کو کچھ دن اور پریشان ہونا پڑے گا''۔

''نہیں شاہ جی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ مجھے ہر کام کا معاوضہ بھی تو دے رہے ہیں۔ میں انسان بن کر ہی بات کروں گی اور ایک بار پھر آپ سے یہ کہوں گی کہ آپ کیسے ہی جال میں گرفتار ہیں لیکن انسانیت آپ کے دل سے دور نہیں ہوئی۔ اب تھوڑی باتیں میرے علم میں آتی جا رہی ہیں۔ گو اب بھی ساری باتیں میرے علم میں نہیں ہیں لیکن پھر بھی مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ صورت حال کیا ہے۔ سائیں آپ کے اس معاملے سے میں پوری طرح ہمدردی رکھتی ہوں' آپ نے بہر طور ناانصافی نہیں کی۔ ایک انسانی زندگی بچائی ہے آپ نے۔ باقی اس طرح کے چھوٹے موٹے کھیل تو ہوتے ہی رہتے ہیں اور آپ کو بھی وقت کا انتظار کرنا ہو گا۔ میں معافی چاہتی ہوں سائیں لیکن بات وہی ہے۔ ہم اور آپ ہزاروں فیصلے کرتے رہتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں ہمارے مفادات مشترک ہوتے ہیں لیکن وقت ہمیں اس کی چھوٹ دیتا رہتا ہے اور جب وقت اپنی لگام کھینچتا ہے سائیں! تو پھر ہمارے اور آپ کے کرنے کے لئے کچھ نہیں رہ جاتا۔ پھر سارا کھیل وقت کے ہاتھ میں ہوتا ہے''۔

''آپ ٹھیک کہتی ہو ڈاکٹر سائیں! بالکل ٹھیک کہتی ہوں آپ۔ واقعی جب صورت حال ہمارے اپنے ہاتھوں سے نکل جائے۔ تو ہمیں وقت کے فیصلوں کا انتظار ہی کرنا چاہئے۔

اچھا ڈاکٹر صاحب جو نئی پریشانی آپ کو لاحق ہوگی وہ یہ ہوگی کہ ابھی کیتھرائن تھوڑے ٹائم کے بعد یہاں آجائے گی اور اس طرح آپ کو اسے اپنے ہسپتال میں داخل کرنا ہوگا جیسے وہ نئی نئی ماں بنی ہے۔ کچھ لوگ ہمارے گوٹھ سے آئیں گے' وہ اسے دیکھیں گے اور اس کے بعد آپ اس کی چھٹی کریں گی''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے حیرانی سے آنکھیں مٹکا کر اسے دیکھا اور بولی۔

''یہ نئی کہانی ہے''۔

''بابا اسی کی ڈالی ہوئی ہے۔ ہماری نہیں ہے۔ اچھا اب آپ ایک بات بتاؤ۔ کیا آپ کے لئے یہ کام مشکل تو نہیں ہوگا''۔

''کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔ غازی شاہ صاحب! اور جب میں آپ سے مکمل تعاون کا وعدہ کر چکی ہوں تو پھر باقی کیا مشکل رہ جاتی ہے''؟

''بابا سچی بات یہ ہے کہ اگر آپ کا تعاون نہیں ہوتا تو ہم بے چاری شمیلا کی زندگی بچانے میں ناکام ہی رہتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم بہت بزدل آدمی ہیں''۔ غازی شاہ نے کہا پھر بولا۔

''اب آپ میرے کو ایک بات بولو۔ شمیلا کو میں ادھر سے لے جاؤں''؟

''ہاں بالکل۔ آپ کے پاس اس کی رہائش کا انتظام تو ہے نا''؟

''ہاں ہے۔ آپ اس کی بالکل پروا نہ کرو''۔

''نہیں میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ ایک دو بار میں آکر اس کا معائنہ کرلوں گی جہاں آپ اسے ٹھہرائیں گے۔ کیا آپ اسے کسی ہوٹل وغیرہ میں ٹھہرائیں گے''۔

''نہیں۔ میں نے اس کے لئے ایک گھر لے لیا ہے''۔

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا شاہ جی! واقعی یہ آپ نے بہت ہی اچھا کیا ہے' ٹھیک ہے۔ آپ اسے بڑی خوشی کے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ وہ بالکل نارمل ہے۔ ہاں' ایک کام آپ ضرور کریں اس کے لئے ایک نرس مقرر کر دیں۔ میں ایسی کوئی نرس آپ کو دے سکتی ہوں''۔

''آپ کی بڑی بڑی مہربانی ڈاکٹر صاحب''۔ جمیلہ نامی نرس کو ڈاکٹر فوزیہ نے بلایا اور اس سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''جمیلہ تمہیں ہماری ایک مریضہ کی دیکھ بھال کرنا ہوگی۔ تمہیں اس کے ساتھ' اس کے گھر پر رہنا ہوگا۔ اصل میں جمیلہ کا انتخاب میں نے اس لئے کیا ہے غازی شاہ صاحب! کہ یہ میرے ہسپتال میں رہتی ہے۔ اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ ایک بوڑھی ماں ہے جو اپنے بیٹے کے ساتھ پنجاب کے ایک گاؤں میں رہتی ہے۔ یہ اسے باقاعدہ خرچہ بھیجتی ہے۔ باقی رہتی

یہیں میرے ساتھ ہے اس لئے اسے آپ کے ساتھ رہنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی اور انتہائی تجربے کار اور بہت اچھی عورت ہے''۔

''آپ بے فکر رہو' آپ کو بہت سا انعام بھی دوں گا۔ جمیلہ بیگم''۔

''میں آپ کی خادم ہوں جناب''۔ نرس جمیلہ نے کہا۔

''تو پھر ہم اسے دیکھ لیں''۔

''آپ دیکھ لیں۔ میں نے جیسا کہ آپ کو بتایا تھا کہ ابھی تین چار گھنٹے تک وہ بے ہوش رہے گی۔ اس کے بعد ہوش میں آجائے گی''۔

''ٹھیک ہے۔ ہم اس کو ساتھ لے جائیں گے اور سنیئے اگر کیتھرائن آپ سے رابطہ قائم کرے تو آپ اسے یہی بتائیں کہ ہم لوگ شمیلا کی لاش کو کسی ایسے ادارے میں لے گئے ہیں جو کفن دفن کا انتظام کرتا ہے۔ وہیں ہم اس کے لئے آخری رسومات کا انتظام کریں گے''۔

ڈاکٹر فوزیہ نے تعاون کے طور پر گردن ہلائی تھی اور اس کے بعد ایک ایمبولینس مہیا کر دی گئی تھی۔ جس میں غازی شاہ' شمیلا کے ساتھ بیٹھ گیا۔ قربان' غازی شاہ کی کار لے کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا۔ نرس جمیلہ بھی ساتھ ہی تھی۔ غازی شاہ' شمیلا کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جو ایک اسٹریچر پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کے دل میں ہمدردی اور محبت کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ زیادتی ہے اس بے چاری کے ساتھ زیادتی ہے۔ ابھی تو اسے ایک بڑے صدمے سے دوچار ہونا پڑے گا لیکن یہ صدمہ برداشت کر لینا اس کے حق میں بہتر ہی ہوگا کیونکہ اس طرح زندگی بچ جانے کے امکانات ہوئے ہیں ورنہ کیتھرائن کوئی نہ کوئی سازش اس کے خلاف کر ہی ڈالتی۔

آخر کار وہ اس مکان میں پہنچ گئے۔ جو شمیلا کے لئے پہلے سے تیار کر دیا گیا تھا۔ یہاں ہر آسائش ہر آسانی موجود تھی۔ نرس جمیلہ کے تعاون سے وہ لوگ اسے لے کر بیڈروم میں پہنچ گئے اور شمیلا کو ایک بیڈ پر منتقل کر دیا گیا۔ جمیلہ اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگئی۔ ڈاکٹر فوزیہ نے جمیلہ کو مکمل ہدایات اور ضروری اشیا جن کا تعلق ہسپتال سے تھا' مہیا کر دی تھیں۔ جمیلہ نے کہا۔

''شاہ جی! آپ لوگ باہر چلے جائیں۔ میں ان کا لباس وغیرہ ٹھیک کئے دیتی ہوں۔ ہوش میں آنے میں ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔ آپ لوگ اس وقت تک آرام سے رہیں''۔

غازی شاہ قربان کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ ایک نشست پر بیٹھ کر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''کیا دہری زندگی ہوگئی ہے قربان! اور میں نہیں جانتا کہ یہ دہری زندگی مجھے کب

تک گزارنا ہوگی''۔ قربان نے کوئی جواب نہیں دیا تو غازی شاہ نے کہا۔ ''بہرحال اب یہ سارے کام تو ہمیں کرنا ہی ہوں گے۔ ادھر میں کیتھرائن کے ایک اور فیصلے سے سخت پریشان ہوں''۔

''فضل شاہ والی بات''۔ قربان ہر چیز سے واقف تھا۔

''ہاں۔ فضل شاہ کو میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ وہ کسی قیمت پر ایک اچھا آدمی نہیں بن سکتا۔ کیتھرائن بے شک بے حد پر اعتماد ہے۔ لیکن یہ محاذ بھی میرے لئے بہت عجیب ہو گیا ہے۔ پتا نہیں فضل شاہ! بے چارے علی خیر محمد کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ علی خیر محمد ایک الگ مسئلہ بنا ہوا ہے میرے لئے۔ اچھا اب تم ایک کام کرو۔ تم ہسپتال واپس چلے جاؤ۔ ذرا صورت حال کا جائزہ لیتے رہو۔ میں یہاں موجود ہوں۔ کیتھرائن اگر ڈاکٹر فوزیہ سے بات کرے تو ڈاکٹر فوزیہ کو چاہئے کہ تمہیں اس بارے میں بتا دے۔ گر کوئی فوری مسئلہ درپیش ہو جو تم اپنی ذہانت کے مطابق حل کر سکو تو کر لینا اور اگر میری ضرورت ہو تو مجھ سے رابطہ رکھنا۔ دو تین گھنٹے میں یہیں گزاروں گا اور سنو۔ اس دو تین گھنٹے میں' تم کیتھرائن سے کسی طور پر براہ راست مخاطب نہ ہونا کیونکہ اسے علم نہیں ہے کہ تم ان معاملات میں میرے ساتھ موجود ہو''۔

''ٹھیک ہے سائیں۔ ایسا ہی کروں گا''۔ قربان نے جواب دیا پھر بولا۔ ''میں ٹیکسی سے چلا جاتا ہوں۔ گاڑی آپ کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں ویسے ایک اور گاڑی کا بندوبست بھی کر لوں گا میں''۔

''ہاں رینٹ اے کار سے کوئی کار لے لو''۔

''ٹھیک ہے سائیں''!

قربان وہاں سے چلا گیا۔ تو غازی شاہ کچھ سوچ میں ڈوب گیا کوئی بیس منٹ کے بعد جمیلہ باہر آئی اور بولی۔

''سائیں! اگر آپ چاہو تو کمرے میں آ جاؤ۔ مجھے کچن وغیرہ دکھا دو۔ آپ کے لئے کوئی چیز تیار کر دوں''۔

''ملازم موجود ہیں یہاں جمیلہ! ابھی تھوڑی دیر کے بعد پہنچ جائیں گے۔ اصل میں ابھی تک یہاں کوئی نہیں تھا۔ اس لئے ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب ضرورت ہوگی' انہیں بلا لیا جائے گا۔ تین آدمی ہیں۔ ایک عورت اور ایک مرد۔ کچن اور یہاں اندر کے کام کریں گے۔ چوکیدار باہر موجود ہے۔ کیا سمجھیں۔ مالی وغیرہ بھی آ جائے گا''۔

''ٹھیک ہے شاہ جی! جیسا آپ کا حکم ہو''۔ غازی شاہ واپس اس کمرے میں پہنچ گیا

جہاں شمیلا اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ غازی شاہ! اپنے آپ کو تیار کر رہا تھا کہ شمیلا کو کس طرح اس بچے کے بارے میں اطلاع دے جو اس کی آغوش میں نہیں ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

وقت گزرتا رہا غازی شاہ کے دل میں شمیلا کے لئے محبت کے جذبات امنڈتے رہے۔ کیتھرائن بے شک اس کی زندگی کا حصہ تھی اور وہ اس سے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن شمیلا کو کوئی نقصان پہنچانا بھی اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اب بات بالکل بدل گئی تھی۔ بہت سی سوچیں تنہائی میں ذہن پر اثر کرتی تھیں۔ یہ بھی کیتھرائن کی ایک خوفناک بھول تھی۔ آخر عورت تھی نا۔ جب تک وہ غازی شاہ کے سر پر بیٹھی رہی۔ اس نے غازی شاہ کو ادھر ادھر نہ بھٹکنے دیا۔ لیکن پھر ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو کر اس نے غازی شاہ کو آزاد چھوڑا تو بہت سی سوچیں غازی شاہ کے ذہن تک پہنچ گئیں اور جوں جوں یہ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ غازی شاہ صورت حال سے واقفیت حاصل کرتا جا رہا تھا اور کم از کم اس حد تک بات ضرور ہو گئی تھی کہ اب وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ یہ سب کچھ تو مناسب نہیں ہے۔ کیتھرائن کو اتنا با اختیار نہیں ہونا چاہئے۔ جتنا وہ ہو چکی ہے۔

پھر شمیلا ہوش میں آئی اور غازی شاہ کو ایک دم سنبھلنا پڑا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر شمیلا کے پاس بیٹھ گیا۔ شمیلا کچھ دیر تک حیران نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس کی نگاہ غازی شاہ پر پڑی تو اس نے جلدی سے سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن غازی شاہ نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''نہیں بابا لیٹی رہو۔ لیٹی رہو''۔

''سائیں آپ کے سامنے''۔

''لیٹی رہو میں ہی کہہ رہا ہوں تم سے''۔ دفعتاً شمیلا کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں تو غازی شاہ تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

''اپنے بچے کو دیکھ رہی ہو''۔

''سائیں وہ''......

''ہاں شمیلا! میں ہوں نا بچے کا باپ ہوں۔ تمہارا شوہر ہوں۔ شمیلا وہ بہت کمزور ہے۔ اتنا کمزور کہ اس کی سانس بھی ٹھیک سے نہیں آ جا رہی۔ پتہ نہیں ایسے کیسے ہو گیا۔ ڈاکٹر سائیں! تو مطمئن تھی لیکن بچے کی پیدائش میں کوئی گڑبڑ رہ گئی ہے۔ وہ جو بچے پیدا ہوتے ہیں پریمیچور لیکن نامکمل بھی نہ کہو تم انہیں۔ چونکہ وقت پر تو وہ پیدا ہوا ہے۔ لیکن شمیلا وہ نامکمل ہے۔ وہ

انتا کمزور ہے کہ اسے ہاتھوں تک میں نہیں اٹھایا جا سکتا۔ نرسوں نے اسے روئی میں لپیٹ کر رکھا ہوا ہے اور اس کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ اسے ڈاکٹر فوزیہ کے ہسپتال سے ایک اور ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ جہاں بچوں کی نگہداشت ہوتی ہے۔ شمیلا شاید ہماری تقدیر میں ابھی یہ بچہ نہیں تھا۔ مگر کوئی بات نہیں ہے' ہو سکتا ہے تقدیر ہم پر مہربان ہو جائے اور وہ بچ جائے لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو سکا تو تمہیں غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ سائیں! ہمیں دوسری اولاد دے گا''۔

شمیلا پھٹی پھٹی نگاہوں سے غازی شاہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور وہ عجیب غم زدہ لہجے میں یہ الفاظ ادا کر رہا تھا۔ شمیلا کی آنکھوں کے کناروں سے آنسوؤں کی دھاریں بہہ پڑیں تو غازی شاہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

''نہیں بابا ایسا نہیں کرتے۔ میں نے بڑی مشکل سے سب کچھ برداشت کیا ہے۔ کیا تم میری مدد نہیں کرو گی' شمیلا بابا میں مشکل میں پڑ گیا ہوں۔ بہت بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں میں۔ میرے لئے دعا نہیں مانگو گی۔ تم تم کیا سمجھتی ہو مجھے بچے کی خوشی نہیں تھی۔ میں اس کا انتظار نہیں کر رہا تھا لیکن جو اللہ سائیں کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ ابھی میں تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی سہارا نہیں دے سکتا۔ کیا سمجھیں۔ بابا میں نے کچھ فیصلے کئے ہیں۔ ان فیصلوں میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا۔ میں تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا شمیلا''! شمیلا نے اپنا ہاتھ غازی شاہ کی آغوش میں رکھ دیا اور بولی۔

''یہ کیا ہو گیا شاہ جی! یہ کیا ہو گیا چھوٹے سائیں''!

''کچھ نہیں ہوا صرف وہ ہوا' ہے جو اللہ سائیں کی مرضی تھی۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہے شمیلا اگر تم نے میرا ساتھ نہیں دیا تو میں ٹوٹ جاؤں گا۔ شمیلا تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا بابا''! غازی شاہ کی آواز بھرا گئی اور شمیلا ایک دم سنبھل گئی۔

اس نے غازی شاہ کو ہمیشہ ایک شیر کے روپ میں دیکھا تھا۔ آئیڈیل تھا وہ اس کا۔ اس کی زندگی کا پہلا اور آخری مرد تھا۔ وہ اس بات سے قطع نظر کہ غازی شاہ کی زندگی میں کیتھرائن کا بہت بڑا دخل تھا۔ غازی شاہ کو اپنا سب کچھ سمجھتی تھی۔ اس کائنات میں اسے اپنے باپ کے بعد جس شخص پر اعتماد اور بھروسہ تھا' وہ غازی شاہ تھا۔ جتنی بھی توجہ اسے غازی شاہ کی مل گئی تھی۔ وہ اسی پر قناعت کئے ہوئے تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ کائنات صرف اسی ایک وجود میں سمٹی ہوئی ہے۔ اس وجود کو وہ اپنی نگاہ سے دیکھتی تو ایک عجیب وغریب کیفیت اس پر طاری ہو

جاتی۔ اس کی بھرائی ہوئی آواز اسے بہت عجیب لگی تھی۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی اور اس نے غازی شاہ کا سر اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں سائیں نہیں۔ اس کائنات میں مجھے تمہارے سوا اور کچھ نہیں چاہئے ٹھیک ہے سائیں' اللہ سائیں کی یہی مرضی تھی تو جیسا اس کا حکم' بچہ بچ گیا تو ہم اسے خوشی سے پالیں گے اور اگر اللہ سائیں کی مرضی نہیں ہے۔ تو ٹھیک ہے تم تو ہو نا میرے''۔

''ہاں شمیلا میں ہوں تیرا۔ بابا تجھے کوئی تکلیف نہیں دوں گا زندگی میں۔ کوئی تکلیف نہیں دوں گا''۔

''کیتھرائن سائیں کو معلوم ہے اس بارے میں''؟

''کسی کو کچھ نہیں معلوم سب سے ہٹا دیا ہے میں نے تجھے۔ تجھے وہاں دکھ ملتے تھے نا شمیلا! تجھے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ کیتھرائن تجھ پر حکمرانی کرتی ہے۔ بتا مجھے جواب دے''۔

شمیلا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس وقت اس نے غازی شاہ کا سر جس انداز میں اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ اس میں اسے کائنات کا سب سے بڑا سکون مل رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا بچہ اس کے سینے سے لگا ہوا ہو۔ غازی شاہ اس کا شوہر تھا۔ شوہر بیوی کے درمیان جو تعلقات ہوتے ہیں۔ وہ اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان تھے لیکن کسی کی نگرانی میں' کسی کی پابندی میں اس طرح بے اختیار اس نے غازی شاہ کے سر کو کبھی اپنے سینے سے نہیں لگایا تھا۔ اس وقت اسے جو سکون حاصل ہو رہا تھا' وہ اس کے لئے کائنات کی سب سے قیمتی چیز تھی۔

غازی شاہ بھی اس کے سلسلے میں اس وقت خاصا جذباتی تھا۔ اپنے بیٹے کی آمد سے وہ بے حد خوش تھا لیکن اسے شمیلا کو دھوکہ دینا پڑ رہا تھا۔ جو اس تخلیق کا باعث تھی۔

کافی دیر تک وہ شمیلا سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے معصوم شمیلا کو کافی حد تک مطمئن کر دیا اور ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار کر لیا کہ بیٹے کی موت کی خبر سن سکے۔ حالانکہ یہ خبر دینا خود غازی شاہ کے لئے ایک مشکل مرحلہ تھا لیکن بہرحال قربان یہ کام بھی کر سکتا تھا۔ یوں غازی شاہ بہت دیر تک اسے تسلیاں دیتا رہا لیکن اس کا کام ایک محاذ پر ختم نہیں ہو جاتا تھا۔ ابھی وہ خطرناک عورت تھی۔ جسے غازی شاہ نے پہلے بھی دھوکہ نہیں دیا تھا۔ لیکن اب وہ غازی شاہ کو اس مرحلے پر لے آئی تھی۔ جہاں غازی شاہ اس کے خلاف صف آرا تھا۔

شمیلا کو جمیلہ کے بارے میں مکمل معلومات اور اس گھر کے بارے میں تفصیلات دینے کے بعد غازی شاہ نے اس سے اجازت طلب کی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کی کا

وہاں سے واپس چل پڑی۔

ڈاکٹر فوزیہ کی تو پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں تھا۔ ایک طرف غازی شاہ اسے انعامات سے نواز رہا تھا تو دوسری طرف کیتھرائن نے بھی اسے اچھی خاصی رقم دی تھی۔ بات کچھ ایسی تھی جو جرم کی حد میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ اتنے بڑے انعام کے لئے تو انسان پھسل بھی سکتا ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ اس طرح کی انسان بے شک نہیں تھی لیکن دونوں طرف کا تجزیہ کر کے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان لوگوں کا معاملہ بالکل مختلف قسم کا ہے اور اس سے خود اس کی شخصیت پر کوئی ضرب نہیں پڑ رہا۔ بہرحال غازی شاہ نے تو اس سے اپنے مطلب کا اظہار کر ہی دیا تھا اور کچھ ہی دیر کے بعد کیتھرائن کا فون اسے موصول ہوا۔ ڈاکٹر فوزیہ نے فون اٹینڈ کیا تو کیتھرائن نے کہا۔

''ہیلو ڈاکٹر فوزیہ! میں کیتھرائن بول رہی ہوں''۔

''جی میڈم فرمائیے''۔

''ڈاکٹر فوزیہ! کچھ زیادہ ہی تکلیف دے رہے ہیں ہم میاں بیوی تمہیں''۔

''نہیں میڈم! میں آپ کے لئے کام کر کے خوشی محسوس کر رہی ہوں اور پھر معاف کیجیے آپ نے بھی تو مجھے اچھا خاصہ نوازا ہے۔ فرمائیے کوئی اور خدمت میرے لئے''؟

''ہاں۔ اصل میں ڈاکٹر فوزیہ میں آپ سے مل کر آپ کو تفصیل بتا سکتی ہوں۔ فون پر اتنی لمبی تفصیل ذرا مشکل ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ غازی شاہ کہاں ہے''؟

''وہ لوگ شمیلا کی لاش کو لے گئے ہیں غالباً تدفین کے انتظامات کر رہے ہیں''۔

''واپسی کے لئے تو کچھ نہیں کہہ گئے غازی شاہ''۔

''نہیں کچھ نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ واپس ہی نہ آئیں۔ کیونکہ یہاں کا معاملہ تو اب ختم ہی ہو چکا ہے۔ صرف بچے کی بات ہے تو دو تین دن میں آپ بچہ بھی لے جائیے۔ وہ بالکل خیریت سے ہے''۔

''ہاں۔ آپ کی اجازت کے بغیر میں نہیں چاہتی کہ بچے کو لے جانے کا رسک لوں البتہ...... اچھا خیر میں آپ کے پاس آ رہی ہوں' آپ کی کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے''۔

''نہیں نہیں آپ آ جائیے''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے کہا اور کوئی آدھے گھنٹے کے بعد کیتھرائن وہاں دوبارہ پہنچ گئی۔ ڈاکٹر فوزیہ نے اس کا استقبال کیا تھا اور اسے ایک الگ کمرے میں لے گئی تھی۔ کیتھرائن نے کہا۔

''کیا ہم اس کمرے میں نہیں چل سکتے جہاں آپ نے بچے کو رکھا ہے''۔

''آئیے آئیے''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کمرے میں پہنچ گئی۔ کیتھرائن نے ایک بار پھر محبت بھری نگاہوں سے سوتے ہوئے بچے کو دیکھا جس کے چہرے ہی سے اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا۔ دونوں بیٹھ گئیں۔ کیتھرائن نے کہا۔

''ڈاکٹر دروازہ بند کر دیجیے اور اپنی مصروفیات کے سلسلے میں اطلاع دے دیجیے کہ ابھی کوئی آپ کو ڈسٹرب نہ کرے۔ کم از کم تھوڑی دیر کے لئے''۔

''ایک منٹ میں ابھی آتی ہوں''۔ ڈاکٹر فوزیہ تھوڑی دیر کے لئے باہر گئی پھر واپس آ کر بیٹھ گئی۔

''اب آپ مطمئن رہیں ہمارے آپ کے درمیان کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔ بلکہ میں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر غازی شاہ صاحب کا بھی فون آئے یا وہ خود آئیں تو انہیں استقبالیہ پر ہی بٹھایا جائے''۔

''تھینک یو ڈاکٹر فوزیہ! آپ میرے ساتھ جو تعاون کر رہی ہیں میں اس کے لئے بہت شکر گزار ہوں۔ اصل میں ڈاکٹر فوزیہ بڑی عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہوئی ہوں میں۔ آپ سوچتی تو ہوں گی کہ میں ایک جرائم پیشہ عورت ہوں۔ جو آپ کی مدد سے کسی کے بچے پر اپنا قبضہ جمانا چاہتی ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے ڈاکٹر فوزیہ! میرے ساتھ بھی جو کچھ ہوا ہے اگر آپ سنیں گی تو شاید آپ کو بھی دکھ ہو۔ میں انگلینڈ میں رہتی تھی۔ ایک اچھی فیملی سے میرا تعلق ہے۔ میرے ماں باپ اور دوسرے عزیز و اقارب وہیں پر موجود ہیں۔ غازی شاہ وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ میری ان کی شناسائی ہو گئی اور پھر شناسائی محبت میں تبدیل ہو گئی۔ میرے والدین کسی قیمت پر اس بات پر آمادہ نہیں تھے کہ مجھے پاکستان بھیج دیں۔ غازی شاہ سے میری شادی کر دیں لیکن میں نے انہیں مجبور کیا۔ ادھر غازی شاہ نے مجھے بتایا کہ شادی کر کے جب وہ اپنے وطن واپس پہنچیں گے تو یہاں ان کی بہترین پذیرائی ہو گی۔ مجھے پوری محبت کے ساتھ قبول کر لیا جائے گا۔ لیکن ڈاکٹر فوزیہ جب ہم یہاں پہنچے تو ہمیں شدید نفرتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ غازی شاہ کے بھائی مکرم شاہ' ان کی ماں شرجیلہ۔ سارے کے سارے ہمارے بدترین مخالف ہو گئے۔ ان میں سے کوئی ہمیں قبول کرنے کو تیار نہیں تھا اور آج تک یہی کیفیت ہے۔ غازی شاہ بے شک میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے ہر طرح مجھے سہارا دیا لیکن وہ اپنی ماں اور اپنے بھائی وغیرہ کو انصاف پر آمادہ نہیں کر سکے۔ وہ یہ نہ کر سکے کہ مجھے میرا صحیح مقام دلا سکتے۔ بہرحال میں نے ان سے شکوہ نہیں کیا لیکن اس وقت میری قوت برداشت جواب دے گئی ج جب بیگم

شرجیلہ سائیں نے میرے لئے ایک ایسا خوفناک گڑھا تیار کیا۔ جس میں گر کر کوئی بھی عورت‘ عورت نہیں رہتی۔ انہوں نے جڑی بوٹیوں کے ماہر ایک حکیم سے رابطہ قائم کر کے مجھے کھانے میں سانپ کی زبان کھلا دی‘‘۔

’’کیا‘‘؟...... ڈاکٹر فوزیہ اچھل پڑی۔

’’ہاں۔ زہریلے سانپ کی زہریلی زبان جس نے مجھے زندگی سے دور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تقدیر اچھی تھی کہ میں بچ گئی لیکن جو مقصد تھا ان کا‘ وہ پورا ہو گیا‘‘۔

’’کیا مقصد تھا‘‘؟ ڈاکٹر فوزیہ نے سوال کیا۔

’’وہ مجھے اولاد پیدا کرنے کی قوت سے محروم کرنا چاہتی تھی جو میں ہو گئی‘‘۔

’’اوہ مائی گاڈ‘‘۔ ڈاکٹر فوزیہ نے شدید حیرت سے کہا۔ ’’گویا یہ سانپ کی زبان کے اثرات تھے۔ وہ تو بہت زہریلی ہوتی ہے‘‘۔

’’ہاں‘ اس کے نتیجے میں اگر میں مر بھی جاتی تو ظاہر ہے ان لوگوں کے لئے کوئی افسوس کی بات نہیں تھی۔ ڈاکٹر فوزیہ آپ مجھے ایک بات بتایئے۔ جو لوگ اس طرح میری زندگی کو بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ کیا میں فرشتہ ہوں کہ ان کی بہتری کے لئے سوچتی رہوں گی اور ان کے خلاف بھی کوئی عمل نہیں کروں گی‘‘۔ ڈاکٹر فوزیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ محتاط رہنا چاہتی تھی۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد کیتھرائن نے کہا۔

’’میں ٹھیک ہو گئی‘ زندہ رہی لیکن بانجھ ہو گئی میں‘ میں نے اپنے شوہر کو بھی اس بارے میں بتایا لیکن ظاہر ہے ہم کیا کر سکتے تھے۔ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا لیکن میرے سینے میں انتقام کی آگ روشن رہی۔ تم غور کرو ڈاکٹر فوزیہ! کتنا خوفناک سلوک کیا گیا تھا میرے ساتھ۔ مجھے زہر دے کر ختم کر دیا جاتا تو یہ اس سے کہیں آسان بات تھی۔ انہوں نے مجھے ہزاروں بار قتل کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ لمحہ لمحہ مرنے کے لئے چھوڑ دیا انہوں نے مجھے ڈاکٹر فوزیہ اس کے بعد میں نے خفیہ طریقے سے غازی شاہ کی شادی کرائی۔ تاکہ اس کے ہاں اولاد پیدا ہو اور میں شرجیلہ بیگم کو یہ بتا سکوں کہ ان کا منصوبہ فیل ہو گیا ہے۔ آخر عورت ہوں نا میرے سینے میں بھی انتقام کے جذبے پل رہے ہیں۔ میرا خیال ہے اس کے بعد ساری کہانی آپ کی سمجھ میں آ جائے گی۔ جو کچھ میں نے کیا ہے اس کا پس منظر یہ تھا‘‘۔

ڈاکٹر فوزیہ کو پسینہ آ گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کیتھرائن کا موقف بھی ایک طرح سے ٹھیک ہی تھا لیکن اس سلسلے میں جو بے گناہ عورت ماری جا رہی تھی‘ وہ شمیلا تھی۔ اس کے دل کا ٹکڑا اس سے چھین لیا گیا تھا۔ جبکہ اس بے چاری کا کوئی قصور نہیں تھا۔ البتہ ڈاکٹر فوزیہ

نے جذباتی ہونے کی کوشش نہیں کی جو کچھ اس کے اپنے ذہن میں تھا وہ ایک الگ بات تھی۔ اس نے پر افسوس لہجے میں کہا۔

’’کیسی ہوتی ہے یہ دنیا‘ کس طرح انسان‘ انسان کا دشمن بن جاتا ہے۔ واقعی آپ کے ساتھ سخت زیادتی ہوئی ہے۔ ڈیئر کیتھرائن! آئی ایم سوری۔ آئی ایم سوری‘‘۔

کیتھرائن کی آنکھوں میں شرارے ناچنے لگے۔ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

’’نہیں۔ مجھے کسی افسوس کی ضرورت نہیں ہے ڈاکٹر فوزیہ! جو لوگ ہمدردیاں سمیٹتے ہیں وہ دنیا میں کچھ نہیں کر پاتے۔ مجھے خود سارا حساب کتاب چکانا ہے خود...... اب اس سلسلے میں ڈاکٹر فوزیہ کچھ لوگوں کو اپنا ساتھی بنانا تو ضروری ہے نا۔ میں نے آپ کو بھی اپنا ساتھی بنا لیا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ آپ میری رازدار رہیں گی۔ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گی‘‘۔

’’آپ مجھے جو بھی خدمت دیں گی۔ وہ میں پوری کروں گی‘‘۔

’’تو ڈاکٹر فوزیہ! اس وقت میں آپ کے پاس ایسے ہی اہم کام سے آئی ہوں‘‘۔

’’ہاں ہاں فرمایئے‘‘۔

’’دیکھیے ڈاکٹر اخراجات کی تو کوئی پروا نہیں ہے۔ آپ مزید مجھ سے جو کچھ طلب کریں گی۔ میں آپ کو پیش کر دوں گی۔ مجھے آپ کے ہسپتال میں زچہ کی حیثیت سے رہنا ہے۔ ایک ایسی عورت کی حیثیت سے جس نے اولاد کو جنم دیا ہو۔ اصل میں ان لوگوں کے دل پر چوکے لگانا ہی میری زندگی کا اصل موقف ہے۔ بیگم سائیں۔ کو اطلاع بھجواؤں گی کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ خود ہی اپنی نگاہوں میں ذلیل ہو جائیں گی۔ پھر اس کے بعد ان پر جو بیتے گی وہ میرے لئے بڑے سکون کی بات ہو گی۔ یہاں سے بچے کو لے کر جاؤں گی اور اس طرح اس کی پرورش کروں گی کہ اس سے پہلے بھی کسی بچے کی پرورش نہ ہوئی ہو گی۔ یہ میرے انتقام کا ایک حصہ ہے‘‘۔ کیتھرائن نے چالاکی سے وہ باتیں بتائی تھیں جن کے بتانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ بہت بڑی بڑی باتیں وہ چھپا گئی تھی۔ جن میں علی خیر شاہ کا تذکرہ بھی تھا اور بہت سی دوسری باتیں بھی۔ ڈاکٹر فوزیہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

’’کیا غازی شاہ صاحب! اس سلسلے میں مجھ سے رجوع کریں گے‘‘؟

’’کریں گے یہ کام انہی کے کہنے پر ہو گا۔ میں نے غازی شاہ کو ہر طرح سے اپنے اعتماد میں لیا ہوا ہے اور غازی شاہ صرف وہ کرتے ہیں جو میں کہتی ہوں‘‘۔

’’ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں اس بات کی بھی تصدیق کر دوں گی کہ میرے ہسپتال میں آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے‘‘۔

''اور آپ کا سٹاف''۔

''بس' سٹاف کو وہ کرنا ہوتا ہے جو میں ان سے کہوں گی کیونکہ تھوڑا سا انعام اچھے اچھوں کا منہ بند کردیتا ہے''۔

''وہ میں آپ کے لئے لائی ہوں''۔ کیتھرائن نے کہا اور نوٹوں کی ایک اور گڈی ڈاکٹر فوزیہ کے بیگ میں منتقل ہوگئی۔

کیتھرائن' ڈاکٹر فوزیہ کے ہسپتال میں منتقل ہوگئی۔ شاندار کمرہ اسے دے دیا گیا۔ اسی کمرے میں بچے کا پنگوڑا ابھی پہنچا دیا گیا۔ ابھی تک بچے کا کوئی نام تجویز نہیں ہوا تھا۔ ادھر غازی شاہ شمیلا کو پوری طرح مطمئن کر کے واپس آ گیا تھا۔ دو تین بار شمیلا سے وہ وہاں جا کر ملاقات کر چکا تھا اور ہر ملاقات اس کے دل پر ایک تاثر چھوڑتی تھی۔ شمیلا اس کی ہر بات پر گردن خم کر دیا کرتی تھی اور وہ اس سے بہت متاثر ہوتا جارہا تھا لیکن کیتھرائن کا جادو اتنا کمزور نہیں تھا کہ وہ اس پر ہلکا پڑ سکے۔ کیتھرائن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بس چھوٹے سائیں! اب آپ گوٹھ چلے جاؤ اور وہاں جا کر سائیں مکرم شاہ کو اور باقی لوگوں کو خبر کردو''۔

''کیتھرائن! حویلی تو میں بالکل نہیں جاؤں گا بس سائیں مکرم شاہ کو یہ پیغام پہنچا دوں گا''۔

''لانا ہے انہیں یہاں لانا ہے۔ ہسپتال لانا ہے۔ میں تو کہتی ہوں بڑی بیگم صاحب کے پاس بھی پہنچ جاؤ۔ بیگم سائیں کو بتاؤ کہ تم بیٹے کے باپ بن گئے ہو۔ آہ کاش! میں اپنی آنکھوں سے انہیں ان کی ناکامیوں پر تلملاتے ہوئے دیکھوں۔ کتنی خوشی ہوگی مجھے' تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ چھوٹے سائیں''!

''مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو۔ ہاں! اگر وہ خود آئیں تو میں انہیں منع نہیں کروں گا''۔ غازی شاہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے سائیں ٹھیک ہے مجبور تو میں تمہیں کسی بھی سلسلے میں نہیں کرسکوں گی۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں''۔

''دیکھو برا ماننے کی بات نہیں ہے۔ میں اپنے ظرف کو اتنا زیادہ قابو میں نہیں کر سکوں گا کیتھرائن''!

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ لیکن پھر بھی تم جا کر خبر تو کرو اور ایک بات کا خیال رکھنا جو کرنا ہے اتنی ہوشیاری سے کرنا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ تم سوچ بھی نہیں

سکتے کہ بڑی بیگم سائیں کتنی سمجھ دار ہیں۔ ہر بات کو اچھی طرح سمجھتی ہیں وہ۔ جس کام میں اسے ناکامی ہوتی ہے اس کی پوری تفتیش کریں گی وہ۔ سمجھ رہے ہو نا''۔

''ہاں۔ سمجھ رہا ہوں''۔

''تو پھر جاؤ''۔

غازی شاہ قربان کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ راستے میں اس نے قربان سے بھی مشورہ کیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''قربان! کیا خیال ہے تمہارا۔ سائیں مکرم شاہ کو کس طرح اطلاع دی جائے''۔

''بس سیدھی سیدھی ان تک خبر پہنچائیے خبر سائیں! اور پھر انتظار کریئے۔ دونوں کام ہو سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس خبر پر وہ کوئی توجہ ہی نہ دیں۔ کیونکہ خود بھی زخموں سے چور پھر رہے ہیں''۔

''زخموں سے چور''۔

''تو اور کیا سائیں! آپ اب خود باپ بن چکے ہو دیکھو اور سوچو کہ بیٹے کی جدائی کیا حیثیت رکھ سکتی ہے۔ سائیں مکرم کے لئے اور اس کے بعد ان کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے۔ سائیں! یہ تو کھلی کھلی بات ہے''۔ غازی شاہ سوچ میں ڈوب گیا۔ بہت دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''ویسے ایک بات بتاؤ۔ قربان! یہ زیادتی نہیں ہے سائیں مکرم شاہ کے ساتھ۔ کام کسی اور نے کیا ہے۔ نقصان کسی اور کو پہنچ رہا ہے''۔

''سائیں! کیا بات ہے بڑی نرمی پیدا ہوتی جارہی ہے آپ کے دل میں۔ دیکھو میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ جو کچھ کر چکے ہو اگر اس کے لئے اپنا رویہ نرم کرلیا تو خطرے میں پڑ جاؤ گے۔ اس بات کو دماغ میں رکھنا۔ میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ حکم کرو گے تو جلتی ہوئی آگ میں کود جاؤں گا۔ لیکن جو بات سمجھ میں آتی ہے' آپ کو بتانا بہت ضروری ہے''۔

''میں سمجھ رہا ہوں۔ چلو ٹھیک ہے۔ وقت نے جو کچھ لکھ دیا ہے تقدیر میں وہ تو ہونا ہی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ ویسے کیتھرائن کے اس قدم سے میں بالکل اتفاق نہیں کرتا کہ اس نے آخر کار فضل کے حوالے کر دیا علی خیر محمد کو۔ ارے فضل شاہ کوئی اچھا آدمی ہے! مجھ سے زیادہ جانتی ہے وہ فضل شاہ کے بارے میں''۔

''سائیں! یہ بھی آپ کے سوچنے کی بات ہے۔ میں اس پر زبان کھولنے کی ہمت نہیں رکھتا''۔ قربان نے جواب دیا اور غازی شاہ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

بہت سی سوچوں کے درمیان وہ لوگ گوٹھ علی خیر محمد پہنچے تھے۔ یہاں ابھی کسی کو اس بارے میں کانوں کان خبر نہیں تھی اور ہو بھی نہیں سکتی تھی حالات جس انداز میں آگے بڑھے تھے اور جس طرح یہ سب کچھ ہو رہا تھا' اس میں ظاہر ہے جب تک کوئی کسی خبر کو منظر عام پر خود نہ لائے۔ دوسروں کو پتہ چلنا مشکل تھا۔ بہرحال علی خیر گوٹھ میں ایک بار ایک نئی کہانی کا آغاز ہونے جا رہا تھا۔ غازی شاہ اپنی حویلی پہنچ گیا اور پھر اس نے ایک ترکیب کے تحت پوری حویلی میں موجود ملازموں میں مٹھائیوں کے ٹوکرے تقسیم کئے۔ لاکھوں روپے اس نے ان کے درمیان بانٹ دیئے اور اس طرح یہ خبر پھیلائی گئی کہ غازی شاہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔

ظاہر ہے اب یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ یہ خبر کسی طرح بڑی حویلی نہ پہنچتی۔ بڑی حویلی میں یہ خبر پہنچی۔ تو مکرم شاہ اس وقت موجود نہیں تھا۔ شرجیلہ ایک ملازمہ سے باتیں کر رہی تھی کہ دوسری ملازمہ' شرجیلہ کے پاس پہنچ گئی۔

''مبارک ہو بیگم سائیں! اللہ نے آپ کو ایک اور پوتا دیا ہے''۔ اس نے کہا اور شرجیلہ حیرت سے اچھل پڑی۔

''کیا...... کیا بکواس کر رہی ہو تو''۔

''جی بڑی بیگم سائیں! مبارک باد دینے آئی ہوں آپ کو۔ اللہ سائیں نے آپ کو ایک اور پوتا دیا ہے''۔

''صاف صاف کہہ' کیا کہنا چاہتی ہے''؟

''آپ تک اطلاع نہیں پہنچی بڑی بیگم سائیں! سائیں غازی شاہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ ان کی بیوی کراچی کے ہسپتال میں ہے۔ وہاں سے خبر آئی ہے۔ پوری حویلی میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ مٹھائیاں تقسیم کی گئی ہیں بڑے بڑے انعامات دیئے جا رہے ہیں۔ چھوٹے شاہ جی! خود واپس آئے ہیں اور انہوں نے آ کر یہ کام کیا ہے''۔

شرجیلہ کے دل پر گھونسا لگا تھا۔ اب تک خبریں تو سن رہی تھی وہ لیکن اسے یقین نہیں تھا۔ افریشم ایک سیدھی سادھی عورت تھی۔ افریشم کو اس نے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ چھوٹی حویلی جائے۔ اپنی آنکھوں سے کیتھرائن کو دیکھے اور افریشم نے جو رپورٹ دی تھی وہ یہی تھی کہ کیتھرائن سچ کہتی ہے۔ اب اپنے منہ سے تو شرجیلہ ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتی تھی کہ اس نے تو کیتھرائن کا معقول بندوبست کیا تھا لیکن یہ کیا ہوا۔ البتہ وہ دل مسوس کر رہ گئی تھی اور اب یہ نئی خبر ملی تھی۔ جس حادثے کو روکنے کے لئے اس نے یہ سارا عمل کیا تھا۔ وہ آخر کار ظہور پذیر ہو گیا تھا اور یہ ایک بری خبر تھی شرجیلہ کے لئے۔

وہ ملازمہ جو شرجیلہ کے پاس موجود تھی۔ شرجیلہ کی صورت دیکھنے لگی۔ شرجیلہ کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اس وقت سب سے بڑی مشکل اس کے لئے یہ تھی کہ اس کا کوئی راز دار موجود نہیں تھا۔ کوئی ایسی صورت حال نہیں تھی جو اس کے لئے کارآمد ثابت ہو سکے۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔ ملازمہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''بڑی بیگم سائیں! میرے لئے کیا حکم ہے''؟

''جاؤ میں آرام کروں گی''۔ دونوں ملازمائیں باہر نکلیں۔ ایک نے دوسری سے کہا۔

''عجیب سی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے غازی شاہ کی بیوی کو بڑی حویلی میں نہیں کھا گیا اس لئے کہ وہ سفید چمڑی والی ہے لیکن غازی شاہ تو بیگم سائیں کا اپنا بیٹا ہے۔ پوتے کی خبر سن کر بڑی بیگم سائیں کے چہرے پر خوشی کے کوئی تاثرات پیدا نہیں ہوئے''۔

ملازموں کی سوچیں اسی طرح کی ہوتی ہیں۔ خود شرجیلہ پر جو کچھ بیت رہی تھی۔ وہ بالکل الگ تھی اور پھر اسے دین بخش یاد آیا۔ دین بخش اور اس کا بیٹا شیر زمان بڑے عیش و آرام کے ساتھ حویلی میں پل رہے تھے۔ دین بخش ایک وفادار آدمی تھا۔ لیکن ابھی تک اس سے کوئی کام نہیں لیا گیا تھا اور اس کی وجہ کیتھرائن ہی تھی۔ جو حد سے زیادہ چالاک تھی اور ہر مسئلے میں شرجیلہ کو احتیاط کرنی پڑتی تھی۔ بہرحال اس وقت دین بخش کو ہی اس نے بلایا تھا اور دین بخش اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

''حکم سائیں! کوئی خدمت ہے ہمارے لئے۔ ہم تو سچی بات یہ ہے کہ بے کار کی روٹیاں توڑ رہے ہیں۔ کوئی کام دھندہ تو ہے نہیں اپنا''۔

''نہیں دین بخش! اس طرح سے نہ سوچو' بے کار کی روٹیاں تو کوئی بھی نہیں توڑ رہا ہے۔ تم سے کوئی کام ہو گا۔ تو ظاہر ہے میں تم سے کام لوں گی اس وقت میرے لئے یہی سہارا بہت ہے کہ میرے میکے کا کوئی شخص میرے پاس موجود ہے۔ میں آج تمہیں کچھ ایسی تفصیلات بتانا چاہتی ہوں جو ذرا اچھی نہیں ہے۔ لیکن مجھے بھی دل کا بوجھ تو ہلکا کرنا ہے۔ یہ بتاؤ راز کو راز رکھ سکو گے''۔ دین بخش نے گردن جھکا لی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

''بیگم سائیں نے یہ سوال کیوں کیا۔ مجھے بس اس کا افسوس ہے''۔

''نہیں دین بخش جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ دنیا بہت اچھی جگہ نہیں ہے۔ اپنے مطلب کے لئے ہر شخص ایک دوسرے کو بے وقوف بنا لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے میں بھی ایسا ہی کر رہی ہوں۔ تم مجھے سوچ سمجھ کر جواب دو''۔

’’بیگم سائیں! آپ سے کیا کہیں سرکاری نوکر تھے اس وقت بھی بڑی وفاداری سے اپنے کام پورے کئے۔ وفاداری ہمارے ضمیر میں رچی ہوئی ہے۔ آپ حکم دو گی تو آپ کو کوئی مایوسی نہیں ہو گی‘‘۔

’’بہت بڑا بوجھ ہے میرے سینے پر: دین بخش۔ بہت بڑا بوجھ ہے اور تو کچھ کر نہیں سکتی‘ دل کا یہ بوجھ ہی تمہارے سامنے ہلکا کئے لیتی ہوں۔ جاؤ دروازہ بند کر دو میں تمہیں کچھ تفصیل بتانا چاہتی ہوں‘‘۔ دین بخش نے دروازہ بند کر دیا۔ شرجیلہ کے چہرے پر سوچ کے گہرے نقش تھے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

’’دین بخش! بڑی عجیب صورت حال ہے۔ اصل میں مکرم شاہ جس قدر نیک نوجوان ہے تمہیں اس کا اندازہ ہے۔ اس کی نیکیاں سادگی کی آخری حد کو چھو رہی ہیں۔ طبیعت میں چھل فریب ہے ہی نہیں۔ اپنے چھوٹے بھائی سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ چھوٹے بھائی کو ولایت میں تعلیم دلا کر علی خیر محمد گوٹھ میں واپس بلائے گا اور اس کے بعد علی خیر محمد گوٹھ کو پاکستان کا ایک ایسا علاقہ بنا دے گا کہ بیرون ملک سے سیاح آ آ کر اسے دیکھا کریں گے۔ یہ اس کی آرزو تھی۔ اس نے اسی آرزو کے تحت غازی شاہ کو لندن بھیجا تھا لیکن غازی شاہ جب لندن سے واپس آیا تو اپنے ساتھ ایک انگریز عورت کو لیکر آیا۔ جس نے غازی شاہ کی معصومیت سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس کی بیوی بن کر آ گئی تھی۔ دین بخش علی خیر محمد گوٹھ کی تاریخ تمہارے علم میں بھی ہو گی۔ سندھ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ علی خیر محمد گوٹھ کا علاقہ وہ علاقہ رہا ہے۔ جہاں سے انگریزوں کے خلاف ہمیشہ مداخلت ہوئی ہے اور انگریز نے اپنے دور حکومت میں اس علاقے کو ہمیشہ تشویش کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ اس نے اس علاقے میں جنگیں بھی کی ہیں لیکن بہت سے ایسے کردار‘ بہت سے ایسے نام تاریخ ہندو پاک میں درج ہے۔ جنہوں نے مختلف علاقوں سے انگریز کے منہ پر ہمیشہ تھوکا ہے اور انگریز اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ان علاقوں میں اپنی مملکت صحیح انداز میں قائم نہیں کر سکا ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ بھی ایسا ہی ایک علاقہ ہے۔ یہاں پیدا ہونے والا ہر بچہ انگریز کی پالیسی سے صرف نفرت کرتا رہتا ہے۔ یہ نفرت اس زمین میں رچی ہوئی ہے۔ اس میں دفن ہے جب اس زمین کا ایک بیٹا ایک انگریز عورت کو بیوی بنا کر لے آیا تو بھلا اسے کیسے قبول کر سکتے تھے۔ کیتھرائن یہاں آ گئی‘ ہم مجبور ہو گئے۔ اپنی ہی اولاد کے ہاتھوں لیکن ہمارے دلوں نے اسے قبول نہیں کیا اور ویسے بھی یہ ایک بہت بڑا سچ ہے کہ انگریز کبھی ہمارا وفادار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک ناممکن سی بات ہے۔ دین بخش یہ بدقسمتی ہم پر مسلط ہو گئی۔ ہماری ہی اولاد نے ہمارے سینے میں چھری مار دی اور انگریز عورت اپنی کارروائیوں میں

مصروف ہے۔ اب میں تمہارے سامنے یہ اعتراف کر رہی ہوں۔ جو میں نے صرف چند ہی لوگوں کے سامنے کیا ہے اور وہ لوگ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ علی خیر محمد گوٹھ میں انگریز عورت کے بطن سے کوئی بچہ جنم لے اور وہ اس گوٹھ کی ملکیت کا مالک بنے مکرم شاہ کا بیٹا علی خیر شاہ ہماری اس تمام دولت اور جائیداد کا وارث تھا لیکن کیتھرائن نے اور خود غازی شاہ نے بھائی کی محبت سے فائدہ اٹھا کر اسے نہ جانے کیا سے کیا بنا دیا اور آخر کار ان لوگوں نے اسے غائب کر دیا ہے‘ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بہر حال میں نے انتقامی جذبوں سے مجبور ہو کر کیتھرائن کو ایک ایسی چیز کھلا دی جس سے وہ بانجھ ہو گئی۔ اتنی مکمل چیز تھی وہ کہ میں حیران ہوں کہ اس کے اثرات کیتھرائن پر صحیح طور پر مرتب کیوں نہیں ہوئے۔ لیکن اب بھی مجھے شبہ ہے دین بخش اب بھی مجھے شبہ ہے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ ابھی مجھے تازہ ترین اطلاع ملی ہے کہ کیتھرائن کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ دین بخش! ممکن نہیں ہے ممکن نہیں ہے۔ تم چاہے میرے اس عمل کو برا کہو یا اچھا لیکن جس طرح مجھ سے میرا بیٹا چھین گیا ہے اور جس طرح اس انگریز عورت نے مکرم شاہ کے بیٹے کو گم کر دیا ہے۔ اس نے میرے دل میں انتقام کی آگ اور بڑھا دی ہے جب تک زندہ ہوں اور خبیث عورت سے ہار نہیں مانوں گی۔ مگر میرا کوئی ساتھی نہیں ہے کوئی رازدار نہیں ہے۔ میرا دین بخش! کیا تم میرا ساتھ دو گے‘‘؟

’’بیگم سائیں! میری بوٹی بوٹی کاٹ دو‘ خدا کی قسم گردن نہیں اٹھاؤں گا۔ مجھے بتاؤ کہ میں آپ کی کیا مدد کروں۔ بیگم سائیں! آپ جو حکم دو گی میں اس کی تعمیل کروں گا۔ آپ مجھے حکم دو‘‘۔

’’دین بخش! میں سمجھ نہیں پا رہی کہ یہ سب کیسے ہو گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے یہ معلوم کر کے بتائے کہ کیتھرائن نے کیا کیا ہے۔ ایسا کیسے ہو گیا ہے۔ کیا تم اس سلسلے میں کوئی کارروائی کر سکتے ہو‘‘۔

’’بیگم سائیں! ہمیں ایک منصوبہ بنانا پڑے گا‘‘۔

’’ہزار منصوبے بنائے جا سکتے ہیں دین بخش! لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔ سچل میرا وفادار تھا۔ سکھاواں میری دوست تھی۔ اس بات کے مجھے مکمل ثبوت مل چکے ہیں کہ ان لوگوں کو کیتھرائن نے قتل کروا دیا ہے۔ ان کی لاشیں تک غائب کر دیں۔ وہ انگریز عورت ہے اور دین بخش تم کوئی بے وقوف آدمی نہیں ہو۔ پولیس میں ملازمت کر چکے ہو۔ یقیناً تم نے انگریزوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سنا ہو گا۔ حد سے زیادہ چالاک ہوتے ہیں وہ اور

کیتھرائن ان کی نمائندہ ہے۔ بہت چالاک ہے وہ دین بخش! تم شاید اس بات پر یقین نہ کرد کہ میں بڑی بددل ہوکر اپنے میکے گئی تھی۔ اسی خیال کے تحت کہ شاید مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے۔ جو میرے معاملات میں میری مدد کر سکے''۔

''بیگم سائیں! دین بخش کی زندگی حاضر ہے مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہوں۔ یہاں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے''۔

''روٹیوں کی بات مت کرو دین بخش! یہاں صرف جذبوں کی بات اہمیت رکھتی ہے۔ مجھے وہ جذبہ چاہئے جو میرے لئے ہو۔ میرے لئے دین بخش' میرے لئے مجھے بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ غازی شاہ خود میرے پاس نہیں آیا۔ مجھے اطلاع تک دینا گوارہ نہیں کیا اس نے' یہ بری بات ہے' بہت بری بات ہے لیکن میرے اس کے رابطے اس بری طرح ٹوٹے ہوئے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ بھی کیتھرائن ہی ہے''۔

''بیگم سائیں! ہماری عقل میں جو بات آتی ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم آپ سے کہہ دیں۔ اچھی ہو تو مان لینا۔ بری ہو تو نہ ماننا''۔

''دین بخش میں نے اسی لئے تمہیں اس وقت اپنے پاس بلایا ہے کہ میرا دماغ ماؤف ہوگیا ہے اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ ایسا کیسے ہوگیا''۔

''بیگم سائیں۔ ہم کچھ اور کہنا چاہتے ہیں''۔

''کہو''......

''بیگم سائیں! جب سے کیتھرائن بی بی یہاں آئی ہیں۔ آپ نے انہیں منہ نہیں لگایا نا''۔

''بالکل نہیں۔ مجھے اس کے وجود سے نفرت ہے۔ بیٹا چھینا اس نے مجھ سے میرا' پوتا چھینا' میرے دست چھین لئے اور کیا کرے گی وہ۔ کیا اب بھی میں اس سے محبت کا اظہار کروں''۔

''ایک بات بتایئے بیگم سائیں! آپ نے اس دوران کسی طرح یہ بات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کیتھرائن بیگم سائیں کے ہاں اولاد سچ مچ پیدا ہوئی ہے یا ڈرامہ کھیلا ہے انہوں نے''۔

''شبہ ہوا تھا مجھے اس بات کا۔ وہ بہت چالاک عورت ہے۔ ساری ملازماؤں کو اس نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ بابا سچل کے بارے میں بھی وہ جان گئی اور بابا سچل کہیں دور ہی چلا گیا۔ میں نے ہی اس سے کہہ دیا تھا کہ اپنی جان بچائے۔ ورنہ وہ اسے بھی زندہ نہ چھوڑتی۔

ایک بار افرشیم کو اس کے پاس بھیجا تھا۔ اس کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے مگر افرشیم ایک سادہ سی عورت ہے۔ وہ چھل فریب نہیں جانتی۔ بے وقوف بن کر آگئی۔ کہنے لگی کہ جو کچھ سنا ہے وہ سچ ہی ہے' اس پر میں بالکل بھروسہ نہیں کر سکتی''۔

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! اب آپ ایک بات بتاؤ۔ کیتھرائن بیگم سائیں ابھی تک اپنی عقل اور چالاکی ہی سے ہی جیتی ہوئی ہے نا۔ مجھے معاف کرنا بیگم سائیں! آپ نے اپنی جذباتی باتوں سے اور جذباتی کیفیت سے اپنے آپ کو محدود کرلیا۔ اگر آپ اس کی سازشوں سے واقف ہونا چاہتی تھیں تو آپ کو اپنے اندر تھوڑی سی لچک پیدا کرنی چاہئے تھی۔ آپ کو خود ان کے درمیان داخل ہونا چاہئے تھا۔ بہرحال آپ سائیں مکرم شاہ اور سائیں غازی شاہ کی ماں ہیں۔ وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ کیونکہ بہرحال آپ کے بیٹے اتنا سفید خون بھی نہ رکھتے ہوں گے۔ بیگم سائیں! ذرا سی لچک پیدا کرکے آپ کیتھرائن کی باتوں سے واقف ہوسکتی تھیں اور پھر اپنے بچوں کو ان سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔ آپ نے ان سے اتنی دور علیحدگی اختیار کرکے اپنے آپ کو اپنی ہی ذات میں قید کرلیا۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہے بیگم سائیں! یہ عقل کی بات تو نہیں تھی۔ دشمن کو دشمن کی گود میں بیٹھ کر آسانی سے مارا جاسکتا ہے۔ اب بھی اس کا موقع ہے۔ آپ تھوڑی سی لچک پیدا کرلیں اپنے اندر اور اب تو اس کی گنجائش بھی نکل آئی ہے۔ پوتے کی پیدائش پر آپ بے اختیار ہو جائیں اور تھوڑی سی جذباتی کیفیت کا مظاہرہ کر دیں۔ کیتھرائن سے نہیں! چونکہ آپ کہتی ہیں کہ وہ بہت چالاک ہے۔ آپ اپنے بیٹے کی محبت کا ہی اظہار کریں۔ چاہے غازی شاہ سے آپ کتنی ہی ناراض ہیں لیکن بیگم سائیں! آپ کو اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے''۔

شرجیلہ کے ذہن میں ایک چھنا کا سا ہوا تھا۔ دین بخش کا مشورہ تو واقعی بڑا کمال کا تھا۔ ایسا ہوسکتا ہے۔ ایسا بالکل ہوسکتا ہے۔ اس نے سوچا لیکن اپنا بھرم بھی قائم رکھنا تھا' خوشی سے دیوانی ہوکر غازی شاہ تک تو نہیں جاسکتی تھی۔ بہرحال اس نے دین بخش سے کہا۔

''ہاں دین بخش تمہاری بات میری سمجھ میں آتی ہے۔ واقعی یہ ایک اچھی ترکیب ہے لیکن اس کے کچھ مضر پہلو بھی ہیں''۔

''وہ کیا بیگم سائیں''؟ دین بخش نے سوال کیا۔

''علی خیر گوٹھ کے لوگ بلکہ آس پاس کی بستیوں کے لوگ بھی یہ بات جانتے ہیں کہ میں نے کیتھرائن کو قبول نہیں کیا۔ لوگ بے شک ہمارے منہ پر آکر ہم سے کچھ نہیں کہتے لیکن حویلی کی باتیں باہر ضرور جاتی ہیں۔ ان پر گفتگو بھی ہوتی ہے اور جہاں تک میری معلومات کا

تعلق ہے۔ باہر کے لوگوں نے بھی کیتھرائن کو قبول نہیں کیا ہے۔ ایسے کچھ واقعات ہو چکے ہیں۔ میں اگر کیتھرائن کے سلسلے میں لچک اختیار کروں گی۔ تو یہ باتیں بھی باہر جائیں گی اور''......

''بیچ میں مداخلت کرنے کی معافی چاہتا ہوں بیگم سائیں! آپ ایک بات سوچو کہ دنیا کو کہاں تک برداشت کیا جاسکتا ہے۔ آپ کا ذاتی مسئلہ بھی تو ہے۔ دنیا کی پروا کرتی رہو گی تو اپنے اس مسئلے کو کبھی حل نہیں کر پائیں گی بیگم سائیں! سب کی بات چھوڑ دیں۔ آپ صرف وہ کریں جو وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے''۔ شرجیلہ نے ایک گہری سانس لے لی تھی اور کہا تھا۔

''شکریہ دین بخش! تم کام کے آدمی ہو۔ تم سے میں رابطہ رکھوں گی۔ یوں سمجھ لو کہ اب تم نے میرے سپاہی کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور تم نے میرے لئے کام کرنا ہے۔ تمہارا بیٹا کیسا جارہا ہے''؟

''بالکل ٹھیک ہے۔ بیگم سائیں! اگر آپ اسے بھی کوئی حکم دو گی تو وہ آپ سے انکار نہیں کرے گا''۔

''ضرورت پیش آئے گی اس کی بھی مجھے' ضرورت پیش آئے گی''۔ شرجیلہ نے کہا اور اس کی آنکھوں میں علی خیر شاہ کی تصویر گھوم گئی۔ کیا سے کیا بنا دیا کیتھرائن نے اسے۔ کیا سے کیا بنا دیا۔

مکرم شاہ کو بھی بچے کی پیدائش کی خبر مل گئی۔ بہرحال بہت سی حقیقتیں اسے معلوم نہیں تھیں۔ خوشی سے دیوانہ ہوگیا۔ اسے یاد آگیا کہ جب علی خیر محمد شاہ پیدا ہوا تھا تو غازی شاہ نے کیسی خوشیاں منائی تھیں ان کا جواب دینا بھی ضروری تھا۔ حالانکہ اب دل میں صرف ایک زخم رہ گیا تھا۔ علی خیر شاہ کے بارے میں اسے بھی تھوڑا تھوڑا اندازہ تو ہو جاتا جا رہا تھا کہ وہ غازی شاہ اور کیتھرائن کی صحبت میں ہی بگڑا ہے۔

لیکن وہ سادہ لوح آدمی تھا۔ دوڑا دوڑا حویلی پہنچ گیا۔ غازی شاہ اس وقت برآمدے میں بیٹھا ہوا کچھ ملازموں سے باتیں کر رہا تھا۔ مکرم شاہ کو دیکھ کر ایک دم سے اس کے دل میں کچھ جذبات امنڈ آئے جلدی سے کھڑا ہوگیا۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔ بیٹا اسی کا پیدا ہوا تھا اور سامنے بڑا بھائی موجود تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بھڑکانے والی کیتھرائن اس وقت ساتھ نہیں تھی۔ چنانچہ کچھ جذباتی سا ہو کر آگے بڑھا۔ مکرم شاہ کو اس کی پذیرائی بڑی عجیب

محسوس ہوئی پھر دونوں بھائی جذباتی ہوگئے اور ایک دوسرے کے سینے سے لپٹ گئے۔ غازی شاہ اس وقت بالکل مخلص تھا۔ مکرم شاہ بہت دیر تک اس سے لپٹا رہا۔ پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے اس قابل نہیں سمجھا غازی شاہ کہ مجھے اطلاع پہنچاتے''۔

غازی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر بھائی کو دیکھا۔ ایک عجیب سے احساس کا شکار ہوگیا وہ۔ تھوڑی دیر تک مکرم شاہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''ہاں بڑے سائیں! غلطی ہوئی ہے مجھ سے۔ پھر آپ جانتے ہو یہ غلطی کیوں ہوئی ہے''۔

''غازی شاہ! میرا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ بڑی بیگم سائیں! زندہ ہیں اور ہم ان کی ہر خوشی کے پابند ہیں''۔

''بڑی بیگم سائیں! کاش وہ اس طرح مجھے نہ چھوڑ دیتیں۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔ جو لوگ میری ہر خوشی میں شریک رہے ہیں۔ میری ہر بات کو۔ پورا کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح کیتھرائن کے سلسلے میں بھی تم لوگ کچھ بھی نہیں کہو گے۔ میں نے کیتھرائن سے کچھ باتیں کی تھیں۔ میں نے کہا تھا کہ جب ہم کراچی پہنچیں گے تو ایئرپورٹ پر پورا جلوس ہمیں لینے کے لئے موجود ہوگا۔ ہماری اس گاڑی پر پھول نچھاور کئے جائیں گے۔ جس میں بیٹھ کر ہم وہاں سے چلیں گے۔ گوٹھ میں ہمارے استقبال کے لئے بڑی تیاریاں کی جائیں گی' جھنڈیاں لگائی جائیں گی' روشنی کی جائے گی۔ بس یہ ساری باتیں میں نے کہی تھیں اس سے اور ہم نے جو کچھ دیکھا تو سائیں! میں تو شرمندہ ہوا اور کیتھرائن احساس کمتری کا شکار ہوگئی۔ سائیں! بری طرح بگاڑ دیا آپ لوگوں نے ہمیں۔ اب آپ اس کے بعد بتایئے جو سلوک ہمارے ساتھ آج تک کیا گیا ہے۔ اب تو ایک عرصہ گزر گیا۔ سائیں اس کے بعد بھلا اس کی کیا گنجائش تھی کہ ہم خوش خبری لے کر آپ کے پاس آتے۔ بہرحال غازی شاہ بالکل ہی بے وقوف نہیں تھا اس قدر جذباتی ہونے کے باوجود اس نے اپنا راز مکرم شاہ کو نہیں بتایا تھا۔ کیونکہ اس کے کھل جانے سے جو مضر اثرات پیدا ہو سکتے تھے۔ ان کا تھوڑا بہت اندازہ اسے خود بھی تھا۔ پتہ نہیں کیا فساد کھڑا ہو۔ حالات کس کے خلاف جائیں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ مکرم شاہ نے کہا۔

''بات صرف اتنی سی ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان میں جو کچھ کیا۔ اس کا تھوڑا سا علم تجھے بھی ہوگا۔ علی خیر گوٹھ کے آس پاس تک کے لوگ آج بھی انگریزوں سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ ہمارے ضمیر میں نفرت کی یہ بنیاد ہے۔ ایسی حالت میں ایک انگریز عورت کو ہم اپنی عزت' اپنی آبرو کیسے بنا سکتے تھے غازی شاہ''!

''تو میری غلطی کو معاف کر دیا جاتا۔کوئی حل نکالا جاتا ان باتوں کا''۔

''چھوڑو اس وقت یہ ساری باتیں اچھی نہیں ہیں۔ میں تجھے دلی مبارک دیتا ہوں''۔

''شکریہ۔میں شرمندہ ہوں کہ میں نے وہ نہیں کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔یعنی یہ کہ بیٹے کی پیدائش کی اطلاع آپ کو دینی چاہئے تھی مجھے۔
معافی چاہتا ہوں اس بارے میں''

''چھوڑو کوئی بات نہیں ہے۔اب یہ بتاؤ ہمیں آگے کیا کرنا ہے''؟

''آگے''؟

''ہاں۔کیا تو ماں کو یہ اطلاع نہیں دے گا''۔غازی شاہ سوچ میں ڈوب گیا۔پھر اس نے آہستہ سے کہا۔''میری ہمت نہیں پڑتی سائیں مکرم شاہ''۔

''بیٹا ہے تو۔ماں کب تک روٹھی رہے گی''۔

''وہ روٹھی ہوئی ہے مجھے معاف نہیں کرے گی' کیتھرائن کو بھی کبھی معاف نہیں کرے گی وہ۔کیتھرائن کے بیٹے کو کیسے قبول کر سکتی ہے''۔

''کرے گی غازی شاہ! کرے گی وہ۔ہم تو اپنا بیٹا کھو چکے ہیں۔کوئی تو پوتا ہوگا اس کا۔کرے گی وہ ایک پوتے کی جدائی کے بعد دوسرے پوتے سے کیسے نفرت کر سکتی ہے''۔

غازی شاہ کے دل پر ایک گھونسا سا پڑا تھا۔مکرم شاہ کے لہجے میں کتنی بے بسی تھی' کتنی بے کسی تھی۔جبکہ وہ جانتا تھا کہ علی خیر محمد شاہ کہاں ہے۔کیا ہوا ہے اس کے ساتھ۔مکرم شاہ کی آنکھوں کی کوریں آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں۔اس نے کہا۔''اتنی چھوٹی سی عمر میں قاتل بن گیا ہے۔وہ پتہ نہیں کہاں بھاگا بھاگا پھر رہا ہوگا۔پولیس اگر اسے گرفتار کر لیتی تو ہمیں اطلاع ضرور دیتی۔اس کا مطلب ہے کہ ابھی تک پولیس کے ہاتھ نہیں لگا۔مارا جائے گا کسی دن۔گولی مار دے گی پولیس اسے' جوان بھی نہیں ہو پائے گا وہ ٹھیک طریقے سے۔خون ہو جائے گا بے چارے کا۔بس کچھ ہماری تقدیر کچھ اس کی تقدیر''۔

غازی شاہ کے سینے میں جذبات کا طوفان امنڈ رہا تھا۔لیکن عقل سے کام لینا تھا۔کیتھرائن نے جو کچھ کیا تھا۔پتہ نہیں اس کا پس منظر کیا ہوگا۔یا اس کا مستقبل کیا ہوگا۔جذباتی ہو کر اگر علی خیر محمد کے بارے میں بتا دے۔تو کہیں خود علی خیر محمد کے لئے خطرہ نہ پیدا ہو جائے۔ابھی تو فضل شاہ اسے چھپائے ہوئے ہے۔خود مکرم شاہ نے اس کی تلاش کے سلسلے میں جو کچھ کیا تھا غازی شاہ کو اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی تھی۔بہر حال اس نے صبر سے کام لیا

اور مکرم شاہ کو بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔مکرم شاہ نے کہا۔

''ایک کام کرتے ہیں غازی شاہ''!

''بولو بڑے سائیں حکم کرو''۔

''میں ماں سے بات کرتا ہوں اگر تو اجازت دے تو''۔

''کیا بات کرو گے''؟

''اس کے جذبات بیدار کرنے کی کوشش کروں گا۔اب اسے ان سارے حالات کو قبول کر لینا چاہئے۔بڑی الجھن کا شکار ہوں میں بات صرف ماں کی نہیں ہے۔علی خیر محمد گوٹھ میں کیتھرائن کے خلاف جو نفرت موجود ہے وہ صرف کیتھرائن سے نہیں بلکہ اس کی پوری نسل سے ہے۔اس نفرت کو نکالنا بڑا مشکل کام ہے میرے لئے لیکن بہر حال کوشش کرتے ہیں۔اگر تو میرا ساتھ دے''۔

''ٹھیک ہے بابا سائیں! آپ اگر یہ بات مناسب سمجھتے ہو تو جیسا آپ کا حکم۔میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا''۔

''ٹھیک ہے تو مجھے وقت دے اور یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تیرے بیٹے کے لئے خوشیاں نہیں منائیں۔میں علی خیر محمد گوٹھ میں ہلچل مچا دوں گا۔ذرا یہ چھوٹے چھوٹے معاملات طے ہو جائیں''۔

''ٹھیک ہے سائیں! آپ کوشش کرو۔آپ جیسا حکم دو گے میں ویسا کروں گا''۔

مکرم شاہ تو چلا گیا۔لیکن غازی شاہ پر بہت برا وقت آ پڑا تھا۔ان دنوں وہ عجیب وغریب کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔کیتھرائن کو بڑی چاہت سے لایا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ کیتھرائن آج بھی اس کے دل ودماغ پر حکومت کرتی تھی۔کچھ اسی طرح کا انسان تھا وہ۔اس نے کیتھرائن سے محبت کی تھی۔پاگل نہیں ہوا تھا وہ اس کے لئے اگر یورپ میں ہی اس کی مخالفت ہوتی اور کیتھرائن اس کی بیوی نہ بنتی تو غازی شاہ نہ تو اسے اٹھا کر لاتا اور نہ اس کے لئے خودکشی کرتا۔بلکہ رفتہ رفتہ وہ اسے بھول جاتا لیکن کیتھرائن اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی اور گزرنے والا ہر لمحہ کیتھرائن کو اس کے دل کی گہرائیوں میں اتار رہا تھا۔پھر جب اس نے کیتھرائن کے ساتھ زیادتی محسوس کی۔تو اس کے دل میں کیتھرائن کے لئے اور محبت پیدا ہو گئی۔یہ بھی کیتھرائن ہی کا شوق تھا۔جو اس نے شمیلا سے شادی کرنا قبول کر لیا تھا۔ورنہ خود اس کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔اب یہ الگ بات ہے کہ شمیلا بھی اس کی خلوتوں کی رازدار بنی تھی اور آخر کار اس کے بیٹے کی ماں۔یہ ایک انوکھا تجربہ تھا اس کی زندگی کا۔

انسان بچپن کی حدود سے گزرتا ہے۔ جوانی کی حد میں داخل ہوتا ہے۔ بچپن کے کھیل مختلف ہوتے ہیں سادہ سادہ، معصوم معصوم دوسروں پر انحصار کرنے والے جوانی خوداعتمادی دیتی ہے اور پھر اس میں کوئی شریک ہو جاتا ہے۔ وہ شرکت بلاشبہ بڑی حسین لگتی ہے۔ اگر انسان برائیوں سے دور ہو تو اور پھر یہ شرکت اس قدر مستحکم ہو جاتی ہے کہ زندگی بڑی آسانی سے بڑھاپے کی طرف بڑھ جاتی ہے۔ بڑھاپے کا ایک الگ مفہوم ہوتا ہے۔ یہ ساری باتیں ہوتی ہیں اور یہ سب کچھ انسانی فطرت کا ایک حصہ ہی ہے۔ فطرت سے الگ کوئی بات نہیں ہے۔ محبتیں ہر شخص کے لئے یکساں ہوتی ہیں۔ ہر رشتے کا ایک مدار ہوتا ہے اور انسان اسی مدار پر گھومتا رہتا ہے۔ اس میں کچھ غیر حقیقی چیزیں پیدا ہو جائیں تو ان سے بڑے عجیب وغریب واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بہرحال مکرم شاہ کا خود دل زخمی تھا۔ اب تو اس کے پاس کہنے کے لئے بھی کچھ نہیں تھا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ اس بات پر مکمل یقین رکھتا تھا کہ کیتھرائن کی صحبت نے علی خیر محمد کو اس حد تک پہنچا دیا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی تو اس کے دل میں یہ خیال بھی آتا تھا کہ ممکن ہے یہ کیتھرائن کا انتقامی جذبہ بھی ہو۔ لیکن اس قدر شریف النفس تھا کہ اس بات کو ذہن میں پروان نہیں چڑھایا تھا اور انتقام کے راستے پر نہیں آیا تھا۔ تصدیق بھی نہیں تھی صرف ایک خیال کو اس قدر اہمیت نہیں دی جا سکتی تھی کہ دشمنی کی بنیاد بن جائے اور جہاں تک کیتھرائن کا تعلق تھا۔ تو علی خیر محمد گوٹھ کے ہر فرد کی طرح وہ بھی انگریز قوم کی برائیوں سے نفرت کرتا تھا۔ اب کیتھرائن اس قدر مستحکم رشتہ لے کر یہاں پہنچی تھی کہ فوری طور پر کوئی سخت قدم اٹھایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ہاں یہ ضروری تھا کہ اسے ان علاقوں میں کوئی سازش نہ کرنے دی جائے۔

مکرم شاہ کے لئے ایک بڑا چیلنج آ گیا تھا۔ افریشم سے مشورہ کیا۔ افریشم نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

''کچھ پتہ چلا کیتھرائن کہاں ہے مطلب یہ کہ ولادت کہاں ہوئی ہے''؟

''ارے دیکھو میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ ساری باتیں کر کے آ گیا۔ اس سے یہ نہیں پوچھا لیکن میرا اندازہ ہے کہ کراچی ہی کے کسی ہسپتال میں اس کے ہاں ولادت ہوئی ہو گی۔ حیرت کی بات ہے، اصل میں ذہنی طور پر بھٹک گیا تھا۔ وہاں جا کر''۔

''کہاں جا کر''؟

''غازی شاہ کو مبارکباد دینے گیا تھا''۔

''اوہ......اور یہ نہیں پوچھا کہ بچہ کہاں ہے''۔

''نہیں پوچھا۔ یہی تو بتا رہا ہوں۔ ویسے افریشم مجھے تم سے ایک بہت اہم مشورہ کرنا ہے''۔

''کیجیے بڑے سائیں کیسا مشورہ''؟

''افریشم! غازی شاہ بھی ہمارے لئے اولاد کے مانند ہے۔ قدرت نے ہم سے ہمارا بیٹا چھین لیا۔ اللہ سائیں بہتر جانتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ پتہ نہیں کس کے حق میں بہتر ہے۔ ہماری تقدیر میں اگر کچھ ہوگا تو وہ کسی نہ کسی حالت میں ہمیں مل جائے گا حالانکہ اب تو بڑی مشکل گھڑی آ گئی ہے ہم پر اگر وہ ہمیں نظر آ جائے گا تو اصولی طور پر ہمیں اس کو پولیس کے حوالے کرنا ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں اس کے لئے ہم اپنا تن من دھن لگا دیں اور اس کی زندگی بچانے کی کوشش کریں۔ پر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا ملنا بہتر ہوگا یا نہ ملنا۔ خیر! میں نہ جانے کہاں سے کہاں بھٹک گیا۔ میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ بڑی بیگم سائیں کو اس سلسلے میں کیسے آمادہ کیا جائے کہ وہ غازی شاہ کو بلا لیں اور اس کے ساتھ اختلافات ختم کر دیں''۔

افریشم کے اندر اس وقت ایک عورت ابھر آئی۔ بہت اچھی، بہت شریف، بہت نیک عورت تھی وہ لیکن بیٹا کھوئے ہوئے تھی۔ دل میں ناسور پڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ کیتھرائن اور غازی شاہ نے علی خیر محمد کو اس قدر بگاڑا ہے کہ آج وہ ان کی آنکھوں سے دور ہو گیا اور کون جانے کیتھرائن اس بارے میں بھی جانتی ہو۔ اپنی تمام تر نیک فطرت کے باوجود اس وقت اس کے دل میں ایک سخت جذبہ ابھر آیا۔ وہ کہنے لگی۔

''ہاں۔ یوں ضرور کرو بڑے سائیں! آپ ان لوگوں کے راستے ہموار کر دو۔ جنہوں نے ہمیں ہمارے بیٹے سے جدا کر دیا ہے۔ کچھ بھی نہیں کہا ہے میں نے آج تک آپ سے، بڑے سائیں! ہمیشہ گردن جھکا کر آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتی رہی ہوں۔ لیکن انسان تو ہوں نا۔ میرے کو جواب دو بڑے سائیں میرا علی خیر شاہ کہاں ہے۔ بتاؤ تم مرد ہو میں تو حویلی کے ایک کونے میں پڑی ہوئی ایک عورت ہوں۔ نہ کوئی آواز ہے میری۔ نہ کوئی عمل ہے۔ تم ہی پر بھروسہ کرتی رہی ہوں میں سائیں! میرا بیٹا تو مجھے دے دو وہ تو میرے دل کا ایک ٹکڑا ہے''۔

مکرم شاہ لرز کر رہ گیا تھا۔ افریشم نے کبھی اس کے سامنے نگاہ اٹھا کر بات نہیں کی تھی۔ لیکن آج جو کچھ کہہ رہی تھی وہ، وہ ایک انسان ہی کا عمل تھا۔ کوئی غیر انسانی بات نہیں تھی۔ اس کی گردن خم ہو گئی۔ چند لمحوں تک وہ اسی طرح کھڑا رہا اور اس کے بعد غمزدہ لہجے میں بولا۔

''کیا ایسا ہو سکتا ہے افریشم! کہ تم مجھے کوئی سزا دے لو''۔ افریشم چونک پڑی۔

''کیسی سزا سائیں، کیسی سزا''؟

''وہ گناہ جو میں نے کیا ہے۔ میں اپنے بیٹے کی حفاظت نہیں کر سکا افریشم! میں مانتا ہوں کہ زیادہ تر غلطیاں میری ہی ہیں لیکن افریشم میں کیا کروں۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ برائیاں تو ایک لمحے میں پھیل جاتی ہیں۔ میں بھی اگر غازی شاہ کے خلاف سخت قدم اٹھاؤں۔ ان سے باز پرس کروں، ان سے پوچھوں کہ بتاؤ علی خیر محمد کہاں ہے۔ تو جواب تو وہ بھی نہیں دے سکیں گے۔ ہاں ایک باقاعدہ دشمنی کا آغاز ہو جائے گا۔ افریشم تم اب تک جو کچھ کرتی رہی ہو اس کا بڑا مقام ہے میرے دل میں اور جو کچھ تم نے اب بھی کہا ہے اس کا بھی بڑا مقام ہے۔ میں بے بس ہوں افریشم! سچی بات بتاؤں تم اپنی نیکیوں کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ ہوسکتا ہے اللہ سائیں ہمیں ہماری نیکیوں کا بدلہ ہی دے دے اور ہمارا علی خیر محمد شاہ ہمیں واپس مل جائے''۔

افریشم کی گردن جھک گئی۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

''معافی چاہتی ہوں سائیں! غلطی ہو گئی۔ بہت بری بات نکل گئی۔ میرے منہ سے۔ سخت معافی چاہتی ہوں''۔

''میں تم سے یہ کہہ رہا تھا اب یہ بتاؤ بڑی بیگم سائیں کے سلسلے میں کیا کرنا چاہئے''۔

''آپ ان سے بات کرو سائیں۔ ان سے ضرور بات کر آپ''۔

''میری ہمت نہیں پڑتی۔ بہت سے معاملات میں بہت سخت ہو گئی ہیں خاص طور سے غازی شاہ کے سلسلے میں''۔

''آپ بات تو کرو، باقی معاملات اللہ پر چھوڑ دو''۔ افریشم نے کہا۔

مکرم شاہ گردن جھکا کر ماں کی طرف چل پڑا۔ اس نے جان بوجھ کر افریشم کو ساتھ نہیں لیا تھا۔ اس وقت ماں بیٹے کے درمیان براہ راست گفتگو ہی مناسب تھی۔ شرجیلہ نے مکرم شاہ کو دیکھا اور بولی۔

''آؤ...... یقیناً تم نے بھی وہ خبر سن لی ہو گی''۔

''ہاں بیگم سائیں! آپ سے اس کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں''۔

''کہو۔ کیا بات کرنے آئے ہو مجھ سے''؟

''بیگم سائیں! آپ غازی شاہ کے بیٹے کو دیکھنے نہیں چلیں گی''۔

''نہیں۔ کیسی باتیں کرتے ہو مکرم شاہ! ٹھیک ہے۔ ہوسکتا ہے تم لوگوں کی نگاہوں میں، میں اسی قدر گر گئی ہوں کہ تم مجھے اس جگہ جانے کے لئے کہہ رہے ہو جہاں سے مجھے شدید

نفرت ہے۔ لیکن بیٹے تمہاری نگاہوں سے گر کر بھی اپنا مقام نہیں کھو سکتی۔ نہ ہی کوئی مجھ سے میرا مقام چھین سکتا ہے۔ کیا کرو گے تم زیادہ سے زیادہ علی خیر محمد گوٹھ سے نکال دو گے۔ مجھے یہاں کے تمام معاملات سے بے دخل کر دو گے۔ لیکن تم کیا سمجھتے ہو میرے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے''۔

''نہیں، نہیں بیگم سائیں! اللہ سائیں جانتا ہے ایسی کوئی بات مر کر بھی ہمارے ذہن میں نہیں آسکتی۔ نہ ہی آپ کا مقام ختم ہوا ہے ہمارے دل میں بیگم سائیں! بات یہ ہے کہ آپ مانو یا نہ مانو غازی شاہ نے بہت برا عمل کیا کہ ہم لوگوں سے پوچھے بغیر اس انگریز عورت سے شادی کر لی۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا بیگم سائیں! پر دیکھو تھوڑا سا قصور میرا بھی ہے۔ میں نے اس ناتجربے کار آدمی کو اکیلا انگلینڈ بھیج دیا تھا۔ بیگم سائیں مجھے چاہئے تھا کہ کم از کم دو آدمی میں اس پر مسلط کرتا۔ جو مجھے اس کے ایک ایک پل کی خبر دیتے رہتے یہ بڑا ضروری تھا۔ پھر نہ جانے کیوں میں نے بھی ناسمجھی سے کام لیا اور اسے اکیلا ہی وہاں بھیج دیا۔ یہ سوچے بغیر کہ یورپ کی فضائیں کیسی ہوتی ہیں بیگم سائیں! غلطی تو میری بھی ہے اس میں۔ کاش میں اس بات پر غور کر لیتا۔ پر بیگم سائیں جو ہونا تھا وہ تو اب ہو چکا ہے جہاں تک کیتھرائن کی بات ہے۔ تو بیگم سائیں۔ ان حالات میں ہم نے اسے بالکل بے لگام چھوڑ دیا ہے۔ یہ تو اور نقصان کی بات ہے آپ دیکھو نا۔ اب تو اتنا عرصہ ہو گیا۔ نہ کیتھرائن یہاں سے واپس گئی نہ ہم نے اسے کوئی نقصان پہنچایا۔ وہ تو وہی رہی ہے نا بیگم سائیں! اس کا اپنا ایک مقام تو بن چکا ہے۔ آپ یہ بتاؤ کہ ہم اسے کیا نقصان پہنچا رہے ہیں سوائے اس کے کہ ہم خود نقصان اٹھا رہے ہیں۔ ہمارا بھائی ہم سے جدا ہو گیا ہے۔ تمہارا بیٹا بیگم سائیں۔ تمہارا بیٹا تم سے جدا ہو گیا ہے۔ یہ تو کیتھرائن کی کامیابی ہے کہ اس نے ہمارے گھر میں پھوٹ ڈلوا دی ہے۔ بیگم سائیں! آپ کو مشورہ دینے کا کوئی حق تو نہیں رکھتا۔ پر ایک بات ضرور کہہ سکتا ہوں کہ غازی شاہ کی معصومیت نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے۔ تھوڑے سے قصوروار ہم لوگ بھی ہیں۔ ہمیں اس کی نگرانی کرنی چاہئے تھی اور اب بھی ہم اس کی نگرانی نہیں کر رہے ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے کیتھرائن کے ہاتھوں میں کھیلتا رہتا ہے۔ بیگم سائیں! اسے اپنے آپ سے دور کرنا مناسب نہیں ہے۔ آپ اگر میری بات مانو تو اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دو اور اس کے بعد اس کے بیٹے کو دیکھو''۔

شرجیلہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ وہ ماحول بن رہا تھا جس کی وہ خواہش مند تھی اور جس کے لئے دین بخش نے اسے مشورہ دیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''تم کیا چاہتے ہو مکرم شاہ''؟

''بیگم سائیں! آپ پہلے غازی شاہ کو معاف کر دو''۔
''نہیں غازی شاہ کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کیتھرائن کا تسلط قبول کر لیا جائے''۔
''پھر بھی بیگم سائیں! آپ تھوڑا سا موقع دو اسے''۔
''کیتھرائن کے لئے آپ بعد میں جو بھی فیصلہ کرو۔ اب تو وہ ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہے''۔
''دیکھو وہ اگر بچے کی ماں بن بھی چکی ہے۔ تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ بچہ علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرا ہوگا''۔
''تو پھر بیگم''...... مکرم شاہ نے نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔
''پھھ...... پھھ...... پھر...... کیا مطلب''۔ شرجیلہ بوکھلا گئی۔ اسے ایک دم علی خیر محمد شاہ یاد آ گیا تھا۔ مکرم شاہ کے چہرے پر بھی ہی تاثر جھلک رہا تھا۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولا۔
''اور تو کوئی نہیں ہے بیگم سائیں! جو اس علاقے کا وڈیرا بن سکے اور کون ہے ایسا''۔
''تم...... تم علی خیر محمد کو بھول چکے ہو''۔
''بیگم سائیں! آپ مجھے بھول سکتی ہیں''۔ مکرم شاہ نے سوال کیا اور شرجیلہ کی گردن جھک گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔
''نہیں''۔
''تو پھر میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔ لیکن بیگم سائیں! اب تو وہ ایک لاش ہے ایک زندہ لاش، اگر زندہ بھی ہے اور ہمیں مل بھی جائے تو اس سے زندگی چھین لی جائے گی۔ کیا کریں گے اب ہم اسے تلاش کر کے''۔
''ایسا نہ کہو مکرم شاہ...... ایسا نہ کہو''۔
''بیگم سائیں...... میں نے تو یہ سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ سائیں جس طرح سے بھی مناسب سمجھیں گے، کریں گے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ غازی شاہ کے سلسلے میں آپ کچھ سوچو وہ بھی تو ہمارا بیٹا ہے وہ ہم سے دور ہو گیا ہے مگر ہم اس سے دور نہیں ہوئے''۔
''جاؤ...... اسے بلا لاؤ''۔ شرجیلہ نے بھاری لہجے میں کہا اور مکرم شاہ خوشی سے اچھل

پڑا۔
''آپ کی اجازت ہے بیگم سائیں''!
''وہ آ جائے گا''؟
''سر کے بل آئے گا۔ آپ اس کی تو پرواہی مت کرو''۔ مکرم شاہ نے کہا اور پھر مزید کوئی بات کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔
اسے اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں اور کوئی بات درمیان میں نہ ہو جائے۔ اسے ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔
ادھر غازی شاہ ایک دم سے الجھن میں پڑ گیا تھا۔ مکرم شاہ سے اس نے کچھ وعدے تو کر لئے تھے لیکن اچانک ہی اسے یاد آ گیا تھا کہ کیتھرائن بڑی بیگم سائیں کے کس قدر خلاف ہے اس بار تو اس سے مشورہ بھی نہیں ہو سکا۔ اگر وہ بڑی بیگم سائیں کے پاس چلا گیا تو کیتھرائن کا کیا ردعمل ہوگا۔ اب تک کیتھرائن ہی کی وجہ سے تو وہ سارے کام کرتا تھا اور جہاں تک شرجیلہ بیگم کا تعلق تھا تو انہوں نے کیتھرائن کے ساتھ جو خوفناک عمل کیا تھا۔ وہ واقعی ایسا ہی تھا کہ کیتھرائن کو زندگی بچانا مشکل ہو گیا تھا۔ ان دو عورتوں کے درمیان یہ شدید اختلاف بڑا سنگین تھا اور غازی شاہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں شرجیلہ بیگم اس سے ملاقات کے لئے تیار ہو ہی گئیں تو کیا ہوگا۔ کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا اس کے لئے مکرم شاہ اس کے پاس پہنچ گیا۔
غازی شاہ کو اس کی آمد کھٹکی تھی۔ مکرم شاہ کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ شاید بیگم سائیں اس سے ملاقات کے لئے تیار ہو گئی ہیں اور یہی ہوا' مکرم شاہ نے کہا۔
''چلو غازی شاہ تیار ہو جاؤ''۔
''کک...... کہاں''؟ غازی شاہ نے سوال کیا۔
''بیگم سائیں کے پاس۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں''۔
''سائیں! وہ بات ہوئی ہے ان سے''؟
''ہاں اور جتنی مشکل سے میں نے انہیں تیار کیا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے''۔
''جی سائیں''!
''اب کیا جی جی لگا رکھی ہے۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا مزاج بدل جائے''۔
''سائیں! یہ سا سب ہوگا''؟ غازی شاہ نے دبی زبان سے کہا اور مکرم شاہ چونک پڑا۔

''کیا مطلب...... کیا تمہارا اپنی ماں سے ملنا کسی طرح غیر مناسب بھی ہو سکتا ہے۔ دیکھو غازی شاہ اپنے فیصلوں میں اب تم آزاد ہو۔ میں نے تمہارے بارے میں جو فیصلہ کیا تھا وہ بہر حال غلط ثابت ہوا۔ یعنی تمہیں انگلینڈ بھیجنا۔ اب باقی ساری باتیں پیچھے ڈال دو۔ دیر نہ کرو۔ مناسب اور غیر مناسب کی بات کیوں کرتے ہو۔ ماں ہے وہ تمہاری''۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن بابا سائیں! کچھ اور بھی معاملات ایسے ہیں''۔

''اس وقت کوئی معاملہ نہیں ہے یہ بتاؤ کہ تم چلنا پسند کرو گے یا نہیں۔ تم نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ تم ان سے ملو گے تو میں نے ان سے بات کی۔ ورنہ اب تو بہت وقت گزر چکا ہے''۔

''مجھے چلنے میں انکار نہیں ہے سائیں مکرم! لیکن''۔

''لیکن کا لفظ دنیا کا سب سے برا لفظ ہے۔ اس کی آڑ میں نہ جانے کیا کیا چھپ جاتا ہے۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم یہ خبر سن کر خوش ہو جاؤ گے کہ شرجیلہ بیگم تم سے ملنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر تمہاری حیل و حجت بتاتی ہے کہ تم بھی دل سے ان سے مفاہمت کے لئے تیار نہیں ہو''۔

''ایسی بات نہیں ہے سائیں''۔

''دیکھو غازی شاہ! اب میں تم سے ایک بات کھل کر کہہ رہا ہوں۔ بڑا بھائی ہوں تمہارا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ان علاقوں کا وڈیرہ بھی۔ بڑی ذمے داریاں سنبھالنی پڑی ہیں مجھے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں بے وقوف ہوں۔ میں ایک نرم دل انسان ہوں۔ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا لیکن اگر میں سر اٹھا کر کھڑا ہو جاؤں گا۔ تو پھر ان علاقوں میں وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں۔ سمجھ رہے ہو نا۔ میں نے تم سب لوگوں کو مکمل حیثیت دی ہے۔ کیا کیتھرائن اور کیا تم یقین کرو۔ غازی شاہ۔ اگر میں نہ چاہتا تو تم کیتھرائن کو لے کر علی خیر محمد گوٹھ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ میں نے تمہیں تمہاری پسند کے مطابق زمینوں سے دست برداری کے کاغذات لکھ کر دے دیئے۔ کیا تم اسے میری کمزوری سمجھتے ہو؟ کیا سمجھتے ہو تم مجھے بتاؤ''۔

''نہیں بڑے سائیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ میرے لئے بڑے محترم ہو۔ میں اب بھی اسی دن کی طرح آپ کی عزت کرتا ہوں۔ جس دن میں علی خیر محمد گوٹھ سے انگلینڈ روانہ ہوا تھا۔ سائیں! آپ کا احترام مجھے اپنی زندگی کی طرح عزیز ہے۔ پر بات اصل میں کیا ہے۔ کیا بتاؤں میں آپ کو۔ کیا بتاؤں سائیں! بس بتا نہیں سکتا''۔

غازی شاہ ایسے موقعوں پر اپنی زبان کو بڑی مشکل سے روک لیتا تھا۔ دل میں

سینکڑوں شکوے تھے لیکن کس طرح سے کہتا۔ سارا کھیل بگڑ جاتا۔ اس طرح سے کیتھرائن سے ایک طرح سے بالکل ہی قطع تعلق ہو جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ کیتھرائن کس طرح کی عورت ہے۔ اسے بھی سنبھالنا ایک مشکل کام ہو سکتا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''میں تیار ہوتا ہوں اللہ مالک ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا''۔

غازی شاہ تیار ہو گیا۔ دل میں بڑے خوف کا احساس تھا لیکن پچھلے کچھ عرصے سے کیتھرائن کی کچھ باتوں نے اسے کیتھرائن سے منحرف کر دیا تھا۔ کم از کم اس نے تین چار معاملات میں کیتھرائن کی مرضی کے خلاف بھی کام کیا تھا۔ جیسے شمیلا کی زندگی، جیسے ناگی بابا کی زندگی۔ جیسے وہ جھوٹ ہے اس نے ڈاکٹر فوزیہ کی مدد سے استعمال کیا تھا۔

وہ تیار ہوا اور مکرم شاہ کے ساتھ چل پڑا۔ بہت عرصے کے بعد بیگم سائیں کی خدمت میں حاضری دے رہا تھا اور بہر حال اسی کی اولاد تھا۔ راستہ طے کرتے ہوئے اس کے دل میں بھی بہت سے جذبات جاگ اٹھے۔

شرجیلہ بیگم کے سامنے پہنچ گیا۔ بدن پر کپکپی سوار تھی۔ ماں کا چہرہ دیکھ کر بچپن کی بہت سی یادیں تازہ ہو گئیں۔ آگے بڑھا اور ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ شرجیلہ کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کی نمی آ گئی تھی۔ اس کے ہونٹ کپکپا کر رہے تھے۔ مکرم شاہ پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر یہ خاموشی طاری رہی اس کے بعد غازی شاہ آگے بڑھا اور ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ شرجیلہ نے ابھی تک اپنی طرف سے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ غازی شاہ نے کہا۔

''میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھو گی بیگم سائیں''۔

''سیدھے ہو جاؤ۔ مبارک باد دیتی ہوں بیٹے کی پیدائش کی۔ مبارک باد دیتی ہوں۔ کاش! تمہاری شادی میری مرضی سے ہوئی ہوتی کاش! وہ عورت علی خیر محمد گوٹھ کی کوئی فرد ہوتی یا اور نہ سہی میرے پاکستان کی کوئی فرد ہوتی تو اس وقت میں اپنی خوشیوں کی آخری حد بھی تم پر نچھاور کر دیتی۔ لیکن ایک بات اب بھی کان کھول کر سن لو۔ انگریز کبھی علی خیر محمد گوٹھ کے دوست نہیں ہو سکتے۔ چاہے ان کی دس نسلیں گزر جائیں۔ علی خیر محمد گوٹھ میں انہیں ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ ان کی آرزوؤں کا قبرستان رہا ہے۔ وہ اس کے کبھی ہمدرد نہیں ہو سکتے۔ چاہے ان کی پوری فوج ہو یا ان کی نسل کی ایک عورت۔ غازی شاہ تم نے میرے ارمانوں کا خون کیا ہے۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی ماں اور اپنے بھائی کی گردن دبا دی ہے۔ ہم کیسے کیسے اپنے اندر مرتے رہے ہیں تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔ ارے ہم تو اپنی تاریخ کو زندہ رکھنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں دیتے رہے ہیں۔ تم نے ہمیں ہی قربان کر ڈالا۔

صرف ایک عورت کی محبت کے جال میں گرفتار ہو کر۔ بہر حال سن لو غازی شاہ تم میری اولاد ہو۔ میرے دل کے دروازے تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھل جائیں گے اور کھلے ہوئے ہیں' یہ تو ایک زنگ لگ گئی ہے ان دروازوں کے قبضوں میں ورنہ ماں اور بیٹے میں کبھی دشمنی نہیں ہو سکتی۔ لیکن جہاں تک کیتھرائن کا تعلق ہے۔ تو میں تم سے یہ بات کھلے دل سے کہتی ہوں کہ وہ انگریز ہے۔ اس سے کسی بہتری کی توقع مت رکھنا۔ کسی بھی وقت وہ علی خیر محمد کو آگ لگا سکتی ہے فنا کر سکتی ہے اسے''۔ غازی شاہ خاموشی سے یہ سب سنتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو کیا قابل معافی ہو گی بیگم سائیں''۔

بڑا عجیب سوال کر دیا تھا۔ شرجیلہ سے جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

''کیسی ہے وہ''؟

''ٹھیک ہے''۔

''بچہ کیسا ہے''؟

''وہ بھی ٹھیک ہے بیگم سائیں''۔

''کیا نام رکھا ہے غازی شاہ تم نے اس کا''؟

''ابھی کوئی نام نہیں رکھا''۔

''کیوں......''؟

''یہ میرا کام نہیں ہے''۔

''پھر''......

''یہ آپ کا کام ہے۔ بیگم سائیں''۔

''میرا''؟

''ہاں''۔

''کیا تم نے مجھے یہ مقام دیا ہے''؟

''میں نے نہیں اللہ سائیں نے آپ کو یہ مقام دیا ہے''۔

''ہوں اور کیتھرائن سے شادی کے فیصلے کا حق صرف تم کو حاصل تھا''۔

''غلطی ہو گئی مگر اب آپ میری وہ غلطی معاف کر دو''۔

''کیا چاہتے ہو مجھ سے''؟

''آپ ہمارے سر پر پھر اپنی شفقت کا۔ محبت کا۔ ماتا کا ہاتھ رکھ دو''۔

''کیتھرائن کے سر پر بھی''؟

''ہاں''۔

''تمہیں بھی کچھ شرطیں قبول کرنا ہوں گی''۔

''وہ کیا''؟ غازی شاہ نے سوال کیا اور شرجیلہ بیگم نے نگاہیں اٹھا کر مکرم شاہ کو دیکھا کچھ لمحے دیکھتی رہی' اس کے بعد آہستہ سے بولی۔

''وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی''۔

''ٹھیک ہے''۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں خود اس کے پاس چل کر جاؤں گی۔ جب تم اسے شہر سے واپس آؤ تو سیدھے میرے پاس لانا۔ بچے سمیت' بچے کا نام میں خود رکھوں گی۔ افریشم کو شہر بھیج رہی ہوں۔ اسے لے کر جاؤ اور خبردار جو میں نے کہا ہے۔ اس پر کوئی نکتہ چینی نہ ہو۔ بعد کے فیصلے میں خود کروں گی''۔ مکرم شاہ جلدی سے آگے بڑھ کر بولا۔

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! آپ کا جو حکم ہے اس کی تعمیل ہو گی''۔ غازی شاہ نے بھائی کی بات کو نہیں کاٹا تھا۔ شرجیلہ نے غازی شاہ کو دیکھا اور پھر بے اختیار ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ نہ جانے کتنے برس کی آگ پگھلنا شروع ہو گئی تھی۔ ماں بیٹے کا ملاپ تھا۔ مکرم شاہ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس کے ہونٹوں سے ایک لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

''پتہ نہیں علی خیر شاہ کہاں ہوگا...... پتہ نہیں...... پتہ...... پتہ نہیں''۔

غیر اختیاری طور پر مکرم شاہ کی آواز تیز ہو گئی تھی۔ غازی شاہ اور شرجیلہ نے بھی اس کے الفاظ سن لئے۔

''پتہ نہیں علی خیر شاہ کہاں ہوگا۔ پتہ نہیں...... پتہ نہیں''...... دونوں چونک کر سیدھے ہو گئے۔ شرجیلہ کے دل پر برچھی سی لگی' غازی شاہ کے سینے پر بھی گھونسا لگا تھا۔ شرجیلہ نے دکھ سے مکرم شاہ کو دیکھا پھر ایک ہاتھ سے اس نے غازی شاہ کو سنبھالا اور دوسرا ہاتھ مکرم شاہ کی طرف پھیلا دیا تا کہ مکرم شاہ کو بھی سینے سے لگا لے۔

پھر اس نے آواز دی۔ ''مکرم شاہ''۔

لیکن مکرم شاہ لرزتے قدموں سے باہر نکل گیا۔

''مکرم شاہ''۔ شرجیلہ نے پھر آواز دی۔

''بڑے سائیں''۔ غازی شاہ نے پکارا۔ لیکن اتنی دیر میں مکرم شاہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ دونوں کے دل پر ایک بوجھ آ پڑا۔

''بابا سائیں کو کیا ہوا ہے''؟ غازی شاہ بولا۔

''تو نہیں جانتا''...... شرجیلہ نے کہا۔

''میں''؟ غازی شاہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''ہاں تو''......

''بابا میں کیا جانوں...... آپ میرے کو بتاؤ۔ میرے ساتھ مستقل ایسا ہی ہوا ہے۔ جرم بتایا نہیں جاتا' سزا دے دی جاتی ہے''۔

شرجیلہ نے گہری نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا۔ پھر بولی۔ ''باپ بن گیا ہے تو۔ کچھ دن رک جا۔ ساری بات تیری سمجھ میں آ جائے گی۔ ان کے دل میں زخم تم لوگوں نے لگایا ہے۔ تم نے علی خیر شاہ کو قاتل اور مجرم بنایا ہے۔ خود سوچو غازی شاہ۔ اولاد کا زخم کتنا گہرا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے سے محروم ہو گیا ہے''۔

غازی شاہ کے ذہن میں جھکڑ چلنے لگے۔ اسے شرجیلہ کا عمل یاد آ گیا تھا۔ شرجیلہ اس کے احساس سے بے نیاز اپنی دھن میں کہنے لگی۔

''میں جانتی ہوں غازی شاہ۔ میں سب کچھ جانتی ہوں''۔

''سب کچھ جانتی ہوں بیگم سائیں''۔ غازی شاہ اپنے لہجے کو نہ سنبھال سکا۔

''ہاں...... سب کچھ جانتی ہوں''۔

''تھوڑا بہت میرے کو بھی بتا دو بابا''۔

''تو بھی جانتا ہے غازی شاہ''۔

''نہیں جانتا...... میں کچھ نہیں جانتا''۔ غازی شاہ غرایا۔

''تم لوگوں نے انتقام لیا ہے۔ تم نے...... کیتھرائن نے''۔

''آپ ایسا سمجھتی ہو بیگم سائیں''۔

''تمہارا کیا خیال ہے۔ بے وقوف ہوں میں''۔

''نہیں بابا نہیں۔ آپ بہت سمجھ دار ہو...... آپ وہ کرنا جانتے ہو جو دوسرے نہیں جانتے۔ میرے کو تو کچھ نہیں معلوم تھا۔ سائیں مکرم شاہ نے کہا کہ غازی شاہ باہر جا کر زراعت کی تعلیم حاصل کرو۔ میں نے گردن جھکا دی۔ ایسا ہی کیا میں نے' دیکھ لو بیگم سائیں جو زمینیں میرے پاس ہیں میں نے انہیں گلزار بنا دیا ہے۔ مگر آپ نے میری کھیتی اجاڑ دی''۔

''کیا''؟ شرجیلہ چونک پڑی۔

''چھوڑ دو بیگم سائیں۔ سلگتی لکڑیوں سے راکھ مت جھاڑو۔ پھر سے بھڑک اٹھیں گی''۔

شرجیلہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ غازی شاہ جو کچھ کہہ رہا تھا' سمجھ میں آ رہا تھا۔ لیکن وضاحت طلب کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ دل تو بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے آگے خطرات ہی خطرات تھے۔

کافی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر غازی شاہ بولا۔

''میں سائیں مکرم شاہ کو دیکھوں''۔

''ہوں''۔ شرجیلہ نے کہا۔

''میرے لئے کیا حکم ہے''؟

''افریشم جا رہی ہے۔ کیتھرائن کو جب چھٹی ملے اسے میرے پاس لاؤ''۔

''ٹھیک ہے بیگم سائیں''۔

''ایسا کر سکو گے''؟

''کوشش کروں گا بیگم سائیں! پوری پوری کوشش کروں گا''۔

''واہ غازی شاہ واہ۔ ارے ہمارے ہاں علی خیر محمد گوٹھ میں بیوی شوہر کی اطاعت گزار ہوتی ہے۔ شوہر کو اگر اس سے کوئی کام لینا ہوتا ہے تو وہ اسے صرف حکم دیتا ہے اور بیوی حکم کی تعمیل کرتی ہے۔ تم اسے اپنی ماں کے پاس لانے کے لئے کہتے ہو کہ کوشش کرو گے۔ ٹھیک ہے' ٹھیک ہے کوشش کرو' کوشش کرو''۔

''بیگم سائیں! میں آپ کے سامنے زبان نہیں لڑانا چاہتا بابا! آپ کا خادم ہوں۔ آپ کے قدموں کی خاک ہوں۔ اور آپ جو بات کہتے ہو۔ اس کا جواب دینا تو میرے لئے ضروری ہے نا۔ آپ کوئی مجھے ایک بات بتا دو۔ میں نے آپ لوگوں سے کہا تھا کہ میں ولایت جا کر پڑھنا چاہتا ہوں۔ میں نے تو صرف آپ کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ آپ نے جو کہا میں نے وہی کیا۔ بابا ولایت میں کوئی میری سرپرستی کرنے والا تو نہیں تھا۔ مجھے اونچ نیچ سمجھانے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ کیتھرائن اور میرے درمیان دوستی ہوئی اور پھر میری گستاخ زبان آپ کے سامنے کھل رہی ہے۔ میں آپ کو بولوں اس کے بعد میں نے کیتھرائن سے شادی کر لی۔ الگ ماحول کی لڑکی تھی۔ میں نے یہ نہیں سوچا تھا۔ میں نے تو یہی سمجھا تھا کہ میں آپ لوگوں کے لئے ایک سفید کھلونا لا رہا ہوں اور بس' مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری یہ کوشش مجھے اتنا ذلیل کر دے گی۔ بابا اس کے بعد تو آپ لوگوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ ابھی میں آپ کو بولتا ہوں بیگم سائیں! خادم ہوں آپ کا' قدموں کی دھول ہوں' میں کیا اور میری اوقات کیا۔ مگر بیگم سائیں! آپ خود سوچو میں' میں اس سے زیادہ آپ کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا''۔

شرجیلہ نے رخ تبدیل کر لیا غازی شاہ کھلے الفاظ میں اسے اس کے جرم کی داستان سنا رہا تھا۔ لیکن شرجیلہ اس اپنے جرم کو جرم نہیں تسلیم کرتی تھی۔ اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ اس سے پوچھے کہ اگر میں نے وہ کام کر دیا تھا تو تو مجھے کون سے بیٹے کی اطلاع دے رہا ہے لیکن اس قدر جلد بازی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ کچھ لمحے دونوں طرف مکمل خاموشی طاری رہی اس کے بعد شرجیلہ نے کہا۔

''دیکھو...... مکرم شاہ کو میں دیکھتی ہوں کہیں وہ جذباتی ہو کر کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھا بیٹھے''۔

''میں دیکھتا ہوں بیگم سائیں''! غازی شاہ نے کہا اور اس کے بعد وہاں سے باہر نکل آیا۔ لیکن شرجیلہ گم صم بیٹھی' سوچ میں ڈوبی نہ جانے کیسے کیسے لمحات سے گزرتی رہی۔ علی

خیر محمد گوٹھ اپنی داستانوں کا امین۔ غازی شاہ نے بے شک نادانی کی لیکن سزا بھی تو نادانیوں کی ہی ملتی ہے اور نادانیوں کی سزا بڑی طویل ہوتی ہے۔ بہت دیر تک وہ دل ہی دل میں جھلستی رہی۔ اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر نکل آئی۔ دین بخش قریب ہی رہتا تھا۔ وہ سامنے ہی رہتا تھا۔ شرجیلہ نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور دین بخش گردن جھکائے اس کے پاس پہنچ گیا۔

''ابھی غازی شاہ باہر گیا ہے دین بخش! کہاں گیا ہے وہ''؟

''بیگم سائیں میں نے ابھی ابھی چھوٹے سائیں کو باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ کیا پتہ کر آؤں''؟ شرجیلہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

''آؤ...... میرے ساتھ آؤ''۔ دین بخش کو ساتھ لے کر وہ حویلی کے عقبی حصے کے کھلے باغ میں پہنچ گئی۔ یہاں اسے کسی سے اپنی باتیں سننے کا خطرہ نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم کب سے باہر ہو''۔

''تھوڑی دیر سے بیگم سائیں''!

''تم نے مکرم شاہ کو دیکھا''۔

''ہاں۔ بیگم سائیں آپ کے کمرے سے باہر نکلے تھے اور پھر اس کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلے گئے''۔

''اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ غازی شاہ کو نہیں ملا ہوگا۔ اچھا سنو۔ جاؤ ذرا' جا کر غازی شاہ کو دیکھو۔ وہ بھی اپنی گاڑی میں ہی آیا تھا۔ ہے یا کہیں چلا گیا''۔

''جی بیگم سائیں''۔

''میں یہیں موجود ہوں۔ مجھے آ کر اطلاع دو''۔

''جو حکم''۔ دین بخش تیزی سے وہاں پلٹ گیا اور شرجیلہ گہری سوچ میں ڈوبی بیٹھی رہی۔ غازی شاہ کو ظاہر ہے حقیقت تو معلوم ہوگی۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ بات ذرا سمجھ میں نہیں آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دین بخش واپس آ گیا۔

''چھوٹے سائیں بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے'' اس نے آ کر اطلاع دی۔

''ہوں۔ دین بخش! تم میرے میکے کے آدمی ہو۔ بڑا اعتماد کر لیا ہے میں نے تم پر بہرحال بار بار یہ بات کہتے ہوئے مجھے خود بھی افسوس ہوتا ہے کہ میں تم سے وفاداری کی توقع کرتی ہوں''۔

''کاش! بیگم سائیں! اپنی وفاداری کے ثبوت آسانی سے پیش کر دیئے جاتے''۔

دین بخش نے کہا۔

''نہیں دین بخش! تم ٹھیک کہتے ہو مجھے تم پر اعتماد ہے''۔

''شکریہ بیگم سائیں''۔

''غازی شاہ مجھ سے ملنے آیا تھا''۔

''ہاں بیگم سائیں! میں نے دیکھا''۔

''کتنا پیارا ہو گیا ہے وہ۔ بہت دیر کے بعد میں نے اس کے چہرے پر بھرپور نگاہیں ڈالی ہیں۔ میرا چھوٹا بیٹا ہے دین بخش! بہت چاہتی ہوں میں اسے۔ اتنے فاصلے کیسے ہو جاتے ہیں دین بخش''۔

''اللہ سائیں بہتر کرے گا بیگم سائیں''!

''دین بخش ساری کہانی تو تمہیں معلوم ہے۔ ابھی اس نے مجھ سے کچھ باتیں کیں۔ جن سے مجھے احساس ہوا کہ اسے ساری تفصیل معلوم ہے۔ میں بھی جانتی ہوں' سکھاواں اور دوسرے لوگ جو غائب ہو چکے ہیں بلکہ یہ کہنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہے کہ مارے جا چکے ہیں۔ ظاہر ہے بلاوجہ ہی نہیں مار دیئے ہوں گے۔ راز کھل گیا لیکن غازی شاہ اور کیتھرائن نے اسے اپنے سینے میں دبا لیا''۔

''بیگم سائیں! چھوٹے سائیں تو سفید عورت کے شکنجے میں ہیں۔ وہ اان کا اسٹیئرنگ جدھر چاہیں موڑ دیتی ہے۔ ہو جاتا ہے بیگم سائیں! ایسا ہو جاتا ہے کیا ابھی چھوٹے سائیں نے آپ کے سامنے شکایت کی''؟

''نہیں۔ لیکن اس کے الفاظ' اس کے چہرے کے تاثرات یہی بتاتے تھے کہ وہ مجھ سے شکایت کرنا چاہتا ہے مگر ایک بات کہوں دین بخش! اس کے الفاظ تو واقعی دکھ بھرے تھے۔ کہتا تھا آپ لوگوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ جب ہم نے اس کا سب کچھ چھین لیا۔ تو پھر وہ بیٹے کا باپ کیسے بن گیا''؟

''بیگم سائیں! ایک بات ہو سکتی ہے''۔

''کیا''!

''کوئی ایسا علاج جس نے کیتھرائن کو پھر سے ماں بننے کے قابل کر دیا ہو''۔

''کچھ نہیں کہہ سکتی یہ سائنس کا زمانہ ہے ہو سکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔ بس دین بخش! دل میں ایک تردد سا ہے' ایک بات میں تمہیں بتا دوں۔ غازی شاہ چاہے کتنا ہی کچھ کرے لیکن کیتھرائن کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرا نہیں بن سکتا۔ یہ میرا عزم ہے

اور میں خدا سے ہمیشہ یہی دعا کرتی ہوں کہ مجھے اس وقت تک کی زندگی ضرور دے۔ جب میں علی خیر محمد گوٹھ کے لئے وڈیرے کا انتخاب کر سکوں۔ آہ...... میرے مکرم شاہ کا بیٹا! علی خیر شاہ نہ جانے کہاں ہے؟ کون سے بادلوں کی اوٹ میں ہے وہ۔ اسے ملنا چاہئے۔ میں اس کے لئے زندگی کی بازی لگا دوں گی۔ کچھ بھی کروں گی' میں اسے قانون سے بچاؤں گی''۔ دین بخش نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ دیر تک شرجیلہ غم کی کیفیت میں ڈوبی بیٹھی رہی پھر اس نے کہا۔

''افریشیم کو شہر بھیج رہی ہوں۔ شرط لگائی ہے میں نے کہ کیتھرائن کو لے کر وہ میرے پاس آئے اور اس کے بعد میں دیکھوں گی لیکن میں تمہیں کھل کر یہ بات بتا رہی ہوں دین بخش! دل کی بات' دل میں رکھ کر میں بوجھ کا شکار نہیں رہنا چاہتی۔ تمہارے مشورے پر عمل کیا ہے میں نے۔ اپنے بیٹے کو تو میں نے خیر فریب نہیں دیا۔ میرے دل کی آواز تھی' تڑپتا تھا یہ دل کم بخت اسے دیکھنے کے لئے۔ بڑے عرصے کے بعد دل کی پیاس بجھی ہے لیکن اگر کیتھرائن یہ سوچے کہ اس نے مجھے شکست دے دی اور اپنے بچے کو وڈیرا بنا دیا۔ تو یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ ویسے بھی مکرم شاہ کا بیٹا' علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرا بنے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے''۔

''جی بیگم سائیں! میں آپ سے پھر وہی الفاظ دوبارہ کہوں گا۔ جو پہلے کہہ چکا ہوں۔ بات اصل میں وہی ہے۔ فریب کے جواب میں فریب' کامیاب فریب' آپ کا واسطہ ایک انگریز عورت سے ہے اور وہ ایک چالاک عورت ہے۔ آپ بھی جانتی ہیں اور دنیا جانتی ہے۔ آپ نے بڑا ٹھیک قدم اٹھایا ہے۔ ابھی دیکھئے اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلے گا''۔

''ہاں۔ دیکھو''۔ شرجیلہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خلا میں گھورنے لگی۔

غازی شاہ ماں کے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ اس کے انداز میں بوجھل پن تھا۔ بیگم سائیں سے جو باتیں ہوئی تھیں۔ وہ نہ جانے کیوں اسے کچھ عجیب سی لگ رہی تھیں۔ وہ اپنی اندرونی کشمکش میں مبتلا تھا لیکن بہرحال مکرم شاہ کو تلاش کرنا ضروری تھا' وہ اسے تلاش کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ چند لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مکرم شاہ اپنی گاڑی میں کہیں چلا گیا ہے۔ غازی شاہ ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ ماں کے پاس واپس جانا کچھ مناسب نہ لگا۔ گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑا لیکن شدید بوجھ کا شکار تھا۔ اپنی رہائش گاہ پہنچا اور اندر جا کر بستر پر گر پڑا۔ شرجیلہ اس کی ماں تھی۔ وہ ماں کو دیکھ کر دل میں خوش ہوا تھا۔ لیکن پھر وہ کشمکش جو اس کے دل و دماغ میں برپا تھیں۔ اس پر غالب آتی چلی گئی۔ بیگم سائیں نے اچھا تو نہیں کیا۔ یہ جو کیتھرائن کے اور ان کے درمیان کھیل چل رہا ہے۔ میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں تھا اور کیتھرائن! سچی بات تو یہ ہے کہ قصور تو اس کا بھی نہیں تھا۔ میں اگر اس سے شادی کی درخواست نہ کرتا تو وہ زبردستی

میرے ساتھ' میرے وطن نہیں چلی آتی۔ ایسا کہیں بھی نہیں ہوتا۔ یہاں اسے عزت نہیں ملی کوئی مقام نہیں ملا۔ جو وعدہ میں نے اس سے کیا تھا وہ پورا نہیں ہو سکا اور پھر سونے پر سہاگہ یہ بیگم سائیں نے اسے ماں بننے سے محروم کر دیا اور اس سے اس کا فطری حق چھین لیا۔ کیتھرائن بھری ہوئی ناگن نہ بن جاتی تو کیا کرتی لیکن اس کے بعد سائیں مکرم شاہ کے ساتھ برا ہوا۔ کیتھرائن نے ان سے ان کا بیٹا چھین لیا۔ بڑی گہرائیوں میں سفر کر رہا تھا۔ غازی شاہ سوچ رہا تھا کہ کس نے کیا کیا۔ کیتھرائن پر غور کرتا تو اسے یہ احساس ہوتا کہ جھگڑا اس کا شرجیلہ سے تھا لیکن بہت سے لوگوں کو اس نے زندگی سے محروم کر دیا۔ خیر وہ لوگ جو بیگم سائیں کے دست راست تھے اور جنہوں نے کیتھرائن کے خلاف بھرپور طریقے سے بیگم سائیں کا ساتھ دیا وہ تو اسی قابل تھے کہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن اصل مسئلہ مکرم شاہ' علی خیر شاہ وغیرہ کا تھا اور اب تو کیتھرائن نے اتنا خطرناک قدم اٹھا ڈالا تھا کہ غازی شاہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ فضل شاہ جیسا آدمی تو بڑا خطرناک تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی جو کچھ ہوا تھا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ ایک ڈاکو کی تحویل میں علی خیر شاہ کو دے کر ان لوگوں نے اسے درندہ بنا دیا تھا مگر اس سے پہلے بھی علی خیر شاہ کیتھرائن کی نگرانی میں بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اب کیا کرنا چاہئے۔ حالات بڑے عجیب ہو گئے تھے۔ کیتھرائن نے خود ہی شمیلا کو اس کی زندگی میں شامل کیا تھا اور اب شمیلا اس کی زندگی کا ایک حصہ بن بھی چکی تھی۔ انسان تو تھا۔ شمیلا بیوی کی حیثیت سے اس کی زندگی میں آئی تھی۔ ایک مخلص' وفادار اور ہر طرح سے اس کی ساتھی' بے چارے ناگی کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ شمیلا کو زندگی سے محروم کرنے کی بھرپور تیاریاں کر لی گئیں۔ لیکن یہ مناسب تو نہیں تھا۔ کم از کم بے گناہوں کو تو نہیں مرنا چاہئے تھا۔ میں نے جو کچھ کیا اس کے لئے کیتھرائن نے ہی مجھے مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میں اس سے گریز نہ کرتا۔ وہ اپنی پالیسیوں کی بات کرتی ہے۔ مانتا ہوں کہ اس کے ساتھ یہاں زیادتی ہوئی تھی۔ بیگم سائیں نے بہت زیادتی کی تھی اس کے ساتھ لیکن یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ کم از کم اس زیادتی میں مکرم شاہ کا ہاتھ نہیں تھا۔ مگر مکرم شاہ نے تو وہ سب کچھ کیا تھا جو وہ کر سکتے تھے۔ زمینوں کے کاغذات تیار کر کے اسے دے دیئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیتھرائن غلط ہے یا یہ لوگ۔ لیکن بہرحال ماں' ماں ہوتی ہے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ ٹھیک ہی کیا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ میں بیگم سائیں سے وعدہ کر آیا ہوں۔ کہ کیتھرائن کو لے کر ان کے پاس آؤں گا۔ افریشم' کیتھرائن کے پاس جانے والی ہے۔ کم از کم کیتھرائن کو اس سلسلے میں معلومات حاصل ہونی چاہئے۔ بہرحال اکیلا ذہن کوئی آخری فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ قربان بے چارہ اس

کے ہر مسئلے کا ساتھی تھا۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ قربان نے اس کی ہر مشکل حل کر دی تھی۔ قربان سے ایک تفصیلی مشورہ چاہتا تھا وہ اور اس کے لئے کراچی جانا ضروری تھا۔ قربان سارے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے اس وقت وہیں موجود تھا۔ چنانچہ غازی شاہ کراچی چل پڑا اور پھر وہ قربان سے ملا۔ اس نے قربان کو الگ ہوٹل میں بلا لیا تھا۔

''قربان''! اس نے متفکر لہجے میں کہا۔

''سائیں پر قربان! کوئی مشکل لگ رہی ہے''۔

''ہاں یار! کبھی کبھی تو میں یہ سوچتا ہوں قربان! کہ کیا انسان یہ ساری مشکلیں خود نہیں خریدتا۔ پتہ نہیں ایسی الجھن انسان خود کیوں پال لیتا ہے''۔

''سائیں! بات سنو زندگی اسی کا نام ہے۔ اگر مشکلیں نہ ہوں تو آسانیوں کا پتہ کیسے چلے''۔

''میرے ساتھ تو کچھ زیادہ ہی مشکلیں پیش آ گئی ہیں قربان! اب دیکھو نہ میرے فرشتوں کو بھی یہ بات نہیں معلوم تھی کہ کیتھرائن سے شادی کر کے میں اس طرح اپنوں سے دور ہو جاؤں گا۔ اتنے فاصلے ہو جائیں گے میرے اور میرے اہل خاندان کے درمیان۔ یار قربان! تم مجھے ایک بات بتاؤ۔ لوگ محبت کرتے ہیں اس کے لئے ترستے اور تڑپتے ہیں۔ تب کہیں جا کر انہیں ان کا مطلوب نظر ملتا ہے۔ محبت تو ایک فطری جذبہ ہے نا۔ اگر مجھے کیتھرائن سے محبت ہو گئی تو یہ کوئی ایسی بات تو نہیں تھی۔ صرف رنگ و نسل کی وجہ سے کسی کی محبت سے یہ دشمنی اختیار کر لینا۔ کیا تمہارے خیال میں کوئی اچھی بات ہے''۔

''سائیں! ایک بات کہوں۔ آپ میرے لئے بڑے احترام والے ہو اور آپ جانتے ہو کہ آپ کے کتوں کی حیثیت رکھتا ہوں میں۔ وفاداری میں بھی ان سے کم نہیں ہوں۔ میری وفاداری مشکوک نہیں ہے سائیں! پر میرے کو ایک بات بتاؤ جب آپ کسی الجھن میں ہوتے ہو اور مجھ سے مشورہ کرتے ہو۔ تو وہ مشورہ مجھے مصلحت کے تحت دینا چاہئے یا سچائی کے ساتھ''۔

''تجھے اجازت دیتا ہوں قربان! بات کتنی ہی تلخ' کتنی ہی بری کیوں نہ ہو لیکن میری مشکل میں سچائی کے ساتھ میرا ساتھ دینا''۔

''سائیں پہ ہزار بار قربان! دیکھو انسان صرف اپنی ذات میں قید نہیں رہ سکتا۔ اس کے وجود کے مختلف حصے ہوتے ہیں۔ بابا سائیں! ان تمام حصوں پر' وقت کا حالات کا' معاشرے کا' رشتوں کا حق ہوتا ہے اور جب کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ظاہر ہے مشکلات تو پیدا

ہوتی ہیں۔ ماحول کیا ہوتا ہے۔اس پر نگاہ رکھنے والا عقل مند کہلاتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ بیگم سائیں سے آپ کو عشق ہو گیا۔ پر سائیں! علی خیر محمد گوٹھ کی کچھ روایات تھیں۔ انگریزوں نے اس علاقے پر بڑے مظالم کئے اور اس علاقے کی سرکشی نے انگریزوں کو ہمیشہ جوتے چاٹنے پر مجبور کیا۔ سائیں! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کشمکش صدیوں چلے گی۔ یہاں کے لوگ ان روایتوں کو کبھی نہیں بھول پائیں گے۔ جن کا تعلق انگریزوں سے تھا۔ سائیں! یہ مخالفت تو ہونی تھی۔ یہ کیسے رکتی' آپ ذرا سا اس طرف بھی سوچ لیتے تو اچھی بات تھی لیکن میں یہ بات بھی کہتا ہوں سائیں! کہ ناتجربہ کاری بہر حال انسان کو بہت سے ایسے راستوں کی طرف لے جاتی ہے جو سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔ سائیں! ان لوگوں کی مخالفت بھی اپنی جگہ ٹھیک ہی ہے۔ یہ تو ایک ورثہ ہے اور ورثے اتنی جلدی ختم نہیں ہوتے''۔

''خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ ایک طرف کیتھرائن ان لوگوں سے نفرت کرتی ہے اور اپنی حق تلفی اور خاص طور سے بڑی بیگم سائیں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ اس کو نہیں بھول سکتی۔ تو دوسری طرف بیگم سائیں بھی اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی ہیں۔ انہوں نے کیتھرائن کو اپنے پاس آنے کی اجات دے دی ہے۔ ممکن ہے حالات میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہوں''۔

''سمجھا نہیں سائیں''! قربان نے چونک کر کہا اور غازی شاہ نے قربان کو ماں سے ہونے والی ساری گفتگو بتا دی۔ قربان سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''سائیں! بہت بڑا فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور تھوڑا بہت نقصان بھی''۔

''فائدہ بتاؤ''۔

''فائدہ یہ ہے سائیں! کہ بیگم سائیں کے اور چھوٹی بیگم سائیں کے درمیان مفاہمت کے راستے پیدا ہو جائیں اور اچھی صورت نظر آنے لگے۔ آپ کو بھی آسانی ہو جائے گی اور کوئی نہ کوئی حل بھی نکل آئے گا۔ نقصان بس یہ ہے کہ کہیں دونوں عورتوں کا عورت پن سامنے نہ آئے۔ اس طرح کچھ اور مشکلات بھی پیدا ہو سکتی ہیں''۔

''مثلاً''...... غازی شاہ نے سوال کیا۔

''سائیں! مثلاً یہ ہے کہ عارضی طور پر تو دونوں ایک دوسرے کو گلے لگا لیں۔ مگر آگے چل کر یہ ہو کہ بڑی بیگم سائیں! کیتھرائن سائیں کی باتوں کی مخالفت کریں اور کیتھرائن سائیں آپ سے کہیں''۔

''خیر دیکھو ایک بات تو ہے۔ بڑی بیگم سائیں نے شدت پسندی کی انتہا کر دی۔ انہوں نے کیتھرائن کو بانجھ کر دیا۔ یہ بہت بڑا ظلم کیا انہوں نے کیتھرائن پر۔ دوسری بات یہ ہے

کہ کیتھرائن نے جوش انتقام میں جو کچھ کیا وہ اس سے بھی زیادہ سنگین نوعیت کا حامل ہے۔ بہت سے لوگ مروا دیئے''۔

''سائیں! آپ کو ایک بات بتائیں۔ آپ نے ہمیں سچ بولنے کی اجازت دی ہے''۔ قربان نے کہا۔ تھوڑا سا قومی جذبہ تمام تر برائیوں کے باوجود اس کے دل میں بھی ابھر آیا تھا۔ غازی شاہ نے کہا۔

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں قربان کہ دل میں جو بھی آتا ہے صاف صاف اور سچ کہو''۔

''سائیں! آپ مجھے ایک بات کہو' آپ نے شمیلا بیگم سائیں کی زندگی بچائی۔ اس کے باپ کی زندگی بچائی۔ کیا آپ کو اس سے محبت ہے''۔

''ہاں۔ قربان! میں انسان ہوں اور انسان کتے بلیوں کو بھی پالتا ہے تو اس سے انسیت تو ہو ہی جاتی ہے۔ تم میرے دوست ہو۔ تمہارے سامنے کوئی بات کہتے ہوئے مجھے کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی۔ شمیلا بہت خوبصورت ہے لیکن مجھے اس کی خوبصورتی نے بالکل متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ تو صرف کیتھرائن کی ضد تھی کہ میں اس سے شادی کر لوں تو بابا میں نے اس سے شادی کر لی۔ جبکہ کیتھرائن! آج بھی میرے دل میں اتنی ہی جگہ رکھتی ہے جتنی پہلے رکھتی تھی۔ تو بات اصل میں یہ ہے کہ شمیلا میری بیوی بنی اور میرے اور اس کے درمیان ذہنی اور جسمانی قربتیں شروع ہوئیں اور رفتہ رفتہ وفا شعاری اس کی محبت' خود سپردگی اور جاں نثاری نے مجھے اس کی طرف مائل کیا۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں قربان! کہ کیتھرائن میرے دل کا تاج ہے لیکن شمیلا کو بھی میں اپنی زندگی سے خارج نہیں کر سکتا۔ مجھے کیتھرائن نے دو حصوں میں تقسیم کیا لیکن اب میں تقسیم ہو چکا ہوں یہی وجہ ہے کہ شمیلا کے لئے میں اپنے دل میں ایسی کوئی بات نہیں پاتا کہ مجھے اس سے ہمدردی ہی نہ ہو۔ بڑا ظلم کیا ہے میں نے اس پر ابھی تک میں تمہیں سچ بتاؤں قربان! میں صحیح طور پر اس کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے کسی انسان سے اس کا دل' اس کا جگر چھین لیا ہو۔ بات تو سچ ہے قربان! بات تو سچ ہے''۔

''سائیں! میں یہی کہنے والا تھا کہ شمیلا بیگم سائیں صرف ایک پتھر کی حیثیت نہیں رکھتیں آپ کے لئے بلکہ آپ کے دل میں ان کا بھی ایک مقام پیدا ہو چکا ہے''۔

''بالکل ہے میں اس سے انکار نہیں کروں گا''۔

''اب بات آجاتی ہے بڑی بیگم سائیں اور کیتھرائن بیگم سائیں کی۔ دیکھو سائیں کیتھرائن بیگم سائیں کی مخالفت اس لئے ہوئی کہ ان کا تعلق انگریزوں سے تھا اور انگریزوں کی

دشمنی علی خیر محمد گوٹھ سے' یہ ایک اجتماعی دشمنی ہے۔ بڑی بیگم سائیں کو ذاتی کوئی دشمنی نہیں ہے۔ بس وہ چیز جو فطرت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ وہ نفرت جو ماضی کا ورثہ ہے۔ بڑی بیگم سائیں کے دل میں بھی ہے اور پھر چھوٹے سائیں! ہماری اپنی روایات بھی ہوتی ہیں۔ شادیاں ہمارے ہاں بزرگ ہی کیا کرتے ہیں۔ بے شک اپنی پسند ہوتی ہے لیکن وہ بھی بزرگوں کو بتا دی جاتی ہے۔ یہ ایک دھچکا تھا ان لوگوں کے لئے سائیں! اگر آپ پہلے سے یہ پوچھ لیتے کہ ایسے ایسے آپ کو ایک لڑکی سے محبت ہوگئی ہے اور وہ انگریز ہے۔ تو یہ لوگ آپ کو مشورہ دیتے۔ بات چیت ہوتی دونوں کے درمیان اور فیصلہ بہر حال بہتر ہی ہوتا۔ پر سائیں آپ نے اچانک ان لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ ان کی اپنی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ اس بات سے انسان ہونے کے ناطے برائی تو پیدا ہونی چاہئے تھی ان کے دلوں میں' سو ہوگئی۔ سائیں! میں اصل بات جو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بڑی بیگم سائیں نے تو صرف کیتھرائن بیگم سائیں کو بانجھ کر دیا۔ اس وقت تک یہ کچھ نہیں پتہ تھا کہ آپ کے ہاں کوئی بیٹا یا بیٹی پیدا ہوگی۔ گویا کسی کی جان نہیں لی گئی۔ ہاں! ایک عمل کیا گیا لیکن کیتھرائن بیگم سائیں نے کتنے لوگوں کی جان لے لی۔ سکھاواں' اس کا بیٹا' حکیم صاحب اور کئی دوسرے بندے کیتھرائن بیگم سائیں نے انتقام کے طور پر مکرم شاہ کو بھی نہیں چھوڑا اور ایک بات آپ بھی جانتے ہو اور میں بھی کہ مکرم شاہ سائیں صرف بڑی بیگم کی وجہ سے مجبور ہوئے۔ ورنہ وہ آپ کے دل میں پیار کا سا جذبہ رکھتے ہیں۔ باپ کا بے پناہ جذبہ لیکن علی خیر محمد کو قاتل کیتھرائن بیگم سائیں نے بنایا اور اب اسے اس منزل پر پہنچا دیا گیا ہے۔ جہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں ہے سائیں!...... سائیں! آپ یہ دیکھو...... کہ زیادہ سخت رویہ کیتھرائن بیگم سائیں کا ہے''۔ قربان نے رک کر غازی شاہ کی صورت دیکھی۔ جاننا چاہتا تھا کہ اس کی باتوں کا غازی شاہ پر کیا رد عمل ہو رہا ہے لیکن غازی شاہ غور و فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

''سب کچھ ہے قربان! لیکن یقین کرو کیتھرائن آج بھی میرے دل میں اتنی ہی گہرائیوں میں گھر رکھتی ہے۔ جتنی گہرائیوں میں روز اول۔ میں آج تک اس سے سوچے سمجھے بغیر تعاون کرتا رہا۔ زیادتی تو ہوئی ہے اس کے ساتھ''۔

''ایک بات بتاؤ گے چھوٹے سائیں''۔ قربان نے کہا۔

''ہاں بولو''۔

''کیا آپ نے بیگم سائیں کو یہ بات بتا دی کہ آپ کو ان کے کئے ہوئے کا علم ہے''؟

''بتائی تو نہیں ہے لیکن دوران گفتگو میرے انداز میں تلخی آ گئی تھی اور کچھ ایسے جملے کہہ دیئے تھے میں نے کہ اگر بیگم سائیں سمجھدار ہیں تو سمجھ گئیں ہوں گی''۔

''کوئی رد عمل ظاہر کیا انہوں نے''؟

''نہیں''

''تو اب سائیں''؟

''میں یہ پوچھ رہا ہوں قربان! کہ کیتھرائن کو میں نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا اور نہ ہی اس سے مشورہ کیا ہے۔ تم مجھے بتاؤ۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے اگر اسے بڑی بیگم سائیں سے ملانا ہے۔ تو پہلے تو اسے بتانا ہوگا''۔

''سائیں! آپ تھوڑی سی ہمت سے کام لو۔ ذرا سی رویے میں تبدیلی پیدا کرو۔ پہلے تو یہ جائزہ لو کہ کیتھرائن بیگم سائیں! اس بچے کو کیا مقام دیتی ہیں۔ کہیں وہ بھی کوئی انتقامی عمل تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے سائیں تو آپ کو ایک بڑا فیصلہ کرنا پڑے گا اور وہ بڑا فیصلہ یہ ہوگا کہ کیتھرائن بیگم سائیں کو ان کی آئندہ کارروائیوں سے روک دیں''۔ غازی شاہ کے ذہن پر ایک چوٹ سی لگی تھی۔ اس نے اپنے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''ٹھیک کہتے ہو قربان! میں کیتھرائن سے صاف صاف الفاظ میں یہ بات کہوں گا کہ آگے اسے کیا کرنا ہے''۔

''بس ذرا سا خیال رکھنا سائیں! اگر آپ نے عقل کا دامن ہاتھ سے چھوڑا تو نقصان ہی نقصان اٹھاؤ گے۔ یہ بات آپ کا دوست آپ کا جاں نثار آپ سے کہہ رہا ہے''۔

''ٹھیک ہے قربان! کیا حال ہے کیتھرائن کا''؟

''بہت خوش ہیں سائیں! ہسپتال میں آرام سے وقت گزار رہی ہیں اور ایک بات آپ سے کہوں بڑی ذہین ہیں کیتھرائن بیگم سائیں! انہوں نے اپنے آپ کو بالکل ایک ایسی عورت بنا لیا ہے۔ جس کے ہاں حال میں ولادت ہوئی ہو''۔ غازی شاہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔

فضل شاہ معمولی آدمی نہیں تھا۔ ایک مکمل جرائم پیشہ شخص جس کی زندگی مختلف جرائم سے منسلک تھی۔ سمگلر' ڈاکو' قاتل اور بھی بہت سے ایسے کام کرتا رہتا تھا وہ جو خطرناک تھے۔ کیتھرائن نے بڑی ذہانت سے کام لے کر اسے اپنی مدد پر آمادہ کر لیا تھا لیکن یہ کیتھرائن کی خام خیالی تھی کیونکہ فضل شاہ نے علی خیر محمد شاہ کی صورت میں اپنے بہت سے مفادات کی تکمیل بھی

دیکھی تھی۔ وہ ایک زبردست منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ جہاں بہت سے کام وہاں یہ کام بھی اگر ہو جائے تو بے حد زبردست رہے گا اور امیر شاہ کو اس نے اپنے منصوبے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''اب وقت آ گیا ہے امیر شاہ کہ ہم اپنے اس خرچ کو وصول کر سکیں۔ جو ہم نے علی خیر محمد پر کیا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے بلا وجہ ہی اس لڑکے کو اپنی تحویل میں نہیں لیا۔ کیتھرائن غازی شاہ یا دوسرے کچھ لوگ مجھے ایسے کسی عمل پر مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ جو میری اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو۔ جب کیتھرائن اس لڑکے کو مجھ سے متعارف کروا رہی تھی۔ تو اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اور اس خیال نے مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اس لڑکے کو فوراً اپنی تحویل میں لے لوں اور میں چاہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ سوچا تھا اب اس کی تکمیل شروع ہو جائے''۔

''سائیں ایک بات تو ہم بھی جانتے ہیں۔ وہ یہ کہ سائیں کبھی کوئی کچا سودا نہیں کرتے وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا پورا پورا یقین ہے''۔

''بالکل میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اب میں اپنے کام کو صحیح انداز میں مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ تم سے تو میں ہر بات میں مشورہ لیتا ہوں۔ یہ بتاؤ جو کچھ میں نے سوچا ہے۔ وہ ٹھیک ہے یا نہیں''؟

''آپ حکم کرو سائیں''!

''دیکھو ہمارے بہت سے کاروباری حریف ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ہماری آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔ اگر ہم ان پر اپنا داؤ آزما دیں تو کیسا رہے گا''؟

''جی سائیں! ابھی سمجھا نہیں ہوں۔ آپ میرے کو تھوڑی تفصیل بتاؤ''۔

''چھوڑو سب لوگوں کی باتیں۔ صرف ایک نام لیتا ہوں تمہارے سامنے یہ بتاؤ اس کے بارے میں کیا جانتے ہو''۔ فضل شاہ نے کہا۔

''حکم سائیں...... حکم''۔

''مرزا طارق بیگ۔ کیا کہتے ہو اس کے بارے میں''؟

''سائیں! بڑا آدمی ہے اور ہم اس کے بارے میں کوئی برا لفظ استعمال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب تک آپ حکم نہیں دو گے اور آپ نے کبھی ہمیں ایسا حکم نہیں دیا کہ مرزا طارق بیگ کو نقصان پہنچائیں''۔

''ایک بات بتاؤ۔ مرزا طارق بیگ کے ذریعے ہمیں کیا نقصان پہنچا ہے''؟

''سائیں۔ دو بڑے نقصان تو میرے علم میں ہیں۔ ایک ہانگ کانگ میں جو ڈرگز کا بڑا ذخیرہ خرید لیا تھا اس نے اور سائیں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا۔ بعد میں اس نے اس ذخیرے کو مارکیٹ میں پھیلا دیا اور سستی قیمت پر پھیلا دیا۔ سائیں کو ڈیڑھ کروڑ روپے کا نقصان پہنچا تھا''۔

''ٹھیک بالکل۔ اب تم مجھے ایک بات کا جواب دو۔ دشمن کو کبھی بھولنا چاہئے''۔

''سائیں میں بھی آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس کے بعد آپ نے مرزا طارق بیگ سے اپنے تعلقات اور گہرے کر لئے''۔

''ہاں۔ بالکل گہرے کر لئے اس کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کو للکار کر مارنا بے وقوفوں کا کھیل ہے۔ وہ جو فلمی قسم کے بے وقوف ہوتے ہیں نا۔ وہ دشمن کے سامنے سینہ تان کر کہتے ہیں کہ اے...... آ جا مقابلے پر فلمی باتیں اور ہوتی ہیں امیر شاہ! حقیقت میں اگر کسی کو نقصان پہنچانا ہے۔ تو اس کی گود میں جا بیٹھو۔ کم از کم اس کے بارے میں ساری حقیقتیں تو معلوم ہو جائیں گی''۔

''یہ سائیں آپ ٹھیک کہتے ہو''۔

''میں نے مختلف طریقوں سے سوچا تھا۔ مرزا طارق بیگ کے بارے میں کوئی ایسی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کیونکہ وہ بھی شیطان کا چیلا ہے''۔

''جی سائیں! ظاہر ہے۔ بہت بڑا اسمگلر ہے وہ بڑی لانچیں چلتی ہیں اس کی''۔

''اور ایک ہی بیٹی ہے اس کی کیا سمجھے''۔

''جی سائیں''! امیر شاہ حیرت سے بولا۔

''نہیں امیر شاہ غلط سوچ رہے ہو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم سے کہوں گا کہ مرزا طارق بیگ کی بیٹی کو اغوا کر لو اور اس سے اپنا کچھ کام لو تو کیا کر سکیں گے ہم اس کا۔ گروپ بھی معمولی نہیں ہے۔ رہی بات للکار کر مارنے والی۔ نہیں ایسا نہیں البتہ ایک کوشش کی جا سکتی ہے اور اب تم میرا مطلب اچھی طرح سمجھ جاؤ گے۔ وہ کوشش یہ ہے کہ علی خیر محمد کو مرزا طارق بیگ کے راستے پر لگایا جائے۔ اس کی بیٹی کے پیچھے علی خیر محمد لگے۔ اس لڑکے کے حسن کی مقناطیسی کشش کو شاید تم نے کبھی محسوس نہ کیا ہو لیکن میں نے دیکھا ہے اور میں جانتا ہوں۔ بڑا پرکشش نوجوان ہے۔ وہ چھوٹی سی عمر ہے اس کی اور ادھر مرزا طارق بیگ کی بیٹی بھی زیادہ عمر کی نہیں ہے اگر یہ کوشش کامیاب ہو جائے اور علی خیر محمد' مرزا طارق بیگ کی نگاہوں میں جم جائے۔ تو پھر جو مزہ آئے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ لمبی پلاننگ ہے میری' بڑی لمبی پلاننگ ہے''۔

"جی......سائیں! بہت گہرا داؤ ہے یہ تو"۔

"ہاں۔ بہت گہرا داؤ ہے اور لمبا کھیل بھی ہے"۔

"لیکن پھر ایک بات بتائیے سائیں"! امیر شاہ بھی معمولی آدمی نہیں تھا۔ فضل شاہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ امیر شاہ کہنے لگا۔

"سائیں! فرض کرو۔ آپ اپنے معاملے کو آگے بڑھاتے ہو تو علی خیر محمد کس حیثیت سے سامنے آئے گا۔ مرزا طارق بیگ کو اگر کسی داماد کی تلاش ہوئی بھی تو وہ یہی سوچے گا کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔ سائیں آپ میرے سے زیادہ ایسے لوگوں کو جانتے ہو"۔

"بہت اچھا سوال کیا ہے تم نے امیر شاہ! اور مجھے تم سے اسی سوال کی امید بھی تھی۔ کوٹھی نمبر ایک سے گیارہ کرکٹ کی وکٹ۔ ڈیفنس کی سب سے شاندار کوٹھی۔ کیا سمجھے"۔

"سائیں! وہ آپ کی ملکیت ہے میں جانتا ہوں"۔

"لیکن یہ بات اور بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ کوٹھی ہماری ملکیت ہے اب ایسا ہوگا کہ ایک بزرگ مرد اور ایک عورت کینیا سے وہاں پہنچیں گے۔ وہ قدیم پاکستانی تھے' کینیا میں رہتے تھے۔ اصل میں ان کا مالک کینیا میں کاروبار کرتا تھا اس کا انتقال ہوگیا۔ ایک ہی بیٹا تھا ان کا جو کینیا ہی میں رہ رہا تھا لیکن پھر اس نے ضد کی کہ وہ پاکستان آکر رہے گا اور اس کے بعد وہ پاکستان آگئے۔ ڈیفنس کی کوٹھی نمبر ایک سے گیارہ ان کی ملکیت ہے اربوں روپے کا کاروبار کینیا میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ لڑکا اگر مرزا طارق بیگ کی بیٹی کی طرف رجوع کرے گا تو مرزا طارق بیگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ بات بن سکتی ہے۔ ایک لاوارث لڑکا اربوں ڈالر کی مالیت کا واحد وارث' سوچو امیر شاہ' مرزا طارق بیگ جیسا آدمی اسے ہاتھوں میں لینے کے لئے کیوں نہیں لپکے گا۔ اس کی شان و شوکت ایسی ہی ہوگی۔ اصل میں علی خیر محمد شاہ اس کام کے لئے بالکل فٹ ہے"۔

"سائیں! آپ نے بڑی عجیب پلاننگ کی ہے۔ وہ بزرگ مرد اور عورت اس کے ماں باپ کیوں نہیں ہوسکتے"۔

"اس لئے کہ اس کے ماں باپ اس کے شایان شان ہی ہونے چاہئیں۔ ہم علی خیر محمد کو پوری ٹریننگ دیں گے اس بات کی اور یہ کام تم کرو گے امیر شاہ! اس کے ماں باپ تو نہیں ہوں گے لیکن اس کے ملازمین یعنی عورت اور مرد اس کے غلام ہوں گے۔ علی خیر محمد کی فطرت کو بھی سامنے رکھنا ہوگا"۔

"جی سائیں"!

"اب میں تجھے جو کچھ بتاتا ہوں۔ تم کو اس پر کام کرنا ہے"۔

اور پھر تھوڑی دیر تک فضل شاہ امیر شاہ کو صورت حال بتاتا رہا تھا۔ امیر شاہ نے سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ پھر وہ شہر پہنچ گیا اور اس نے علی خیر محمد سے ملاقات کی۔

"سائیں کیسی زندگی گزر رہی ہے"؟

"زندگی تو بری نہیں ہے۔ کراچی بہت خوبصورت شہر ہے۔ بڑی اچھی تفریحات ہیں یہاں لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ سائیں فضل شاہ نے ابھی تک کوئی کام میرے سپرد نہیں کیا ہے۔ شیر کے شکاری کو جنگل کے شکار میں جو مزہ آتا ہے وہ کہیں اور نہیں آتا۔ ٹھیک ہے بابا! کراچی میں میری قیام گاہ بہت شاندار ہے' بڑا اچھا لگتا ہے مجھے یہاں بڑی آسانیاں دی گئی ہیں مجھے لیکن کبھی کبھی میرے کو جنگلوں میں شکار کھیلنے کا موقع دو"۔

"سائیں ایک بات کہوں آپ سے۔ برا تو نہیں مانیں گے"۔

"ہاں کہو۔ برا نہیں مانوں گا"۔ علی خیر محمد نے کہا۔

"دیکھو سائیں! یہ چھوٹے موٹے ڈاکے تو بچوں کا کھیل ہوتے ہیں۔ آپ ذرا ایک نگاہ اخبار پر ڈال لیا کرو۔ دو کوڑی کے لوگ ایسے ڈاکوؤں کو گولی مار دیا کرتے ہیں۔ سائیں! آپ میرے کو بتاؤ بچوں کا یہ کھیل آپ کی شان کے مطابق ہوگا"۔ علی خیر محمد کچھ لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

"ہمیں کھدوانا کے سپرد کیا گیا تھا۔ آخر کیوں"؟

"غلطی سائیں! غلطی۔ آپ دیکھ لیں کہ پولیس نے پلاننگ کی کھدوانا پر حملہ کیا اور کھدوانا ختم ہوگیا۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ بات تو جب تھی کہ جب کھدوانا محکمہ پولیس کو ہی ختم کر دیتا۔ سائیں! دیکھو یہ بات تو میں جانتا ہوں کہ ہار جیت زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ لیکن انسان اتنا تو کھیل لے کہ پھر اسے کھیلنے کی آرزو نہ رہ جائے۔ آپ کیا کہتے ہو اس بارے میں"؟

"ہاں ہاں۔ کھیل تو کھیلنے چاہئیں۔ لیکن بہرحال سارے کھیل اپنی مرضی کے نہیں ہوتے"۔

"سائیں! بندوق کی گولی یہ نہیں دیکھتی کہ اس کا رخ کس طرف ہے۔ کون اس کا نشانہ بن رہا ہے۔ وہ تو بس اپنا کام کرتی ہے"۔

"یہ بھی ٹھیک ہے"۔

"جنگل کے جانوروں کو مارنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ ہر

شخص کو ہر دشمن کو نیچا دکھا دیا جائے۔ سوچنے کی بات ہے سائیں! ذرا سوچیں''۔

''ہاں۔ ٹھیک کہتے ہو یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ مگر پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ شہروں میں تو بینک لوٹے جاتے ہیں۔ وہ بھی خطرناک کام ہوتا ہے۔ اصل میں بات وہی ہے۔ ہمیں صرف گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر ڈاکا ڈالنا کوئی زیادہ اچھا نہیں لگتا لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے''۔

''سائیں! آپ بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔ ایک اور کام ہوتا ہے جو شہروں میں ہوتے ہیں''۔

''کیا''؟

''مثلاً سائیں! ایک اتنا بڑا آدمی ہے۔ جو بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے اور اپنے آپ کو بڑی توپ چیز سمجھتا ہے۔ سائیں! آپ اس کے پیٹ میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ اسے اس طرح بے بس کر دو کہ وہ آپ کے پاؤں چاٹنے لگے۔ تو آپ میرے کو بتاؤ کیا وہ زیادہ اچھا کھیل نہیں ہے''۔

''ہوگا.....مگر ہماری سمجھ میں نہیں آیا''۔

''میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔ ایک بندہ ہے مرزا طارق بیگ۔ بڑا آدمی ہے' بڑا کاروباری ہے۔ اس کے خاندان میں آپ کو داخل ہونا ہے۔ ایک بیٹی ہے اس کی اس کا نام تو ہمیں نہیں معلوم پر چھوٹی سی عمر کی ہے۔ بہت خوبصورت ہوگی۔ کیونکہ وہ ایک بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہے۔ سائیں یہ دولت جو ہوتی ہے نا۔ یہ انسان کی شکلیں بھی بنا دیتی ہے۔ غربت شکل بگاڑ دیتی ہے۔ یہ تجربہ ہے ہمارا۔ آپ یقین کر لو سائیں! ایسا ہی ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کو اس کی بیٹی کی طرف قدم بڑھانے ہیں۔ دیکھو سائیں یہ جوانی کے کھیل ہیں۔ آپ کو باقاعدہ ایکٹنگ کرنی پڑے گی۔ ایک بہت ہی شریف اور خوش باش انسان کی حیثیت سے۔ میں آپ کو سمجھا دیتا ہوں۔ آپ کینیا سے آئے ہو۔ ماں باپ آپ کے مر چکے ہیں۔ ایک ایسا جوڑا ہے جو آپ کا سرپرست ہے۔ آپ کے احکامات بھی مانے گا وہ اور آپ کی نگرانی بھی کرے گا۔ سائیں! آپ اس خاندان میں جا گھسو گے۔ اس لڑکی پر قبضہ جما لو گے اور پھر آپ کو یہ بتایا جائے گا کہ آپ سائیں فضل شاہ کے مفادات کے لئے کس طرح سے کام کرو گے۔ یہ بہت بڑی ڈاکا زنی ہوتی ہے۔ اس طرح کام کرو گے سائیں تو مزہ آجائے گا آپ کو''۔

''ہاں۔ کھیل تو دلچسپ ہوگا لیکن اس کے لئے تو ہمیں بہت سی معلومات بھی چاہئے ہوں گی''۔

''آپ کا یہ خادم موجود ہے سائیں! ساری تفصیل بتائے گا آپ کو''۔

''ٹھیک''۔

''اور سائیں آپ کی کوٹھی بھی بدل جائے گی۔ کلفٹن کے کنارے خوبصورت ماحول میں آپ کی کوٹھی ہوگی۔

آپ دیکھو گے سائیں! کہ آپ کیا حیثیت اختیار کر جاتے ہو''۔

''مجھے یہ کام کرنا منظور ہے''۔ علی خیر نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا اور امیر شاہ مسکرانے لگا۔

قربان شاہ سے زبردست صلاح و مشورے ہوئے تھے اور قربان شاہ واقعی کام کا آدمی تھا۔ وہ بڑے صحیح مشورے دیا کرتا تھا۔ آخر کار غازی شاہ نے کیتھرائن کے پاس پہنچ گیا۔ کیتھرائن اس وقت بھی بچے کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ بہت خوبصورت بچہ تھا۔ غازی شاہ کے بچپن کی کاپی کیتھرائن اسے بغور دیکھ رہی تھی کہ غازی شاہ اندر داخل ہوا اور کیتھرائن اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

''واہ.....انگریز عورتوں کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ اولاد کی پرورش کے سلسلے میں ان کا طریقہ کار کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو یہ سنا ہے بابا! کہ وہاں کے لوگ ہمارے یہاں کے لوگوں کی طرح جذباتی نہیں ہوتے۔ ہر کام ایک سسٹم سے ہوتا ہے۔ مگر اس وقت تم ایک بالکل پاکستانی ماں کی طرح اپنے بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہو''۔ کیتھرائن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کہنے لگی۔

''غازی شاہ! ایک بات میں تمہیں بتاؤں۔ اس کے اندر سے تمہاری خوشبو آتی ہے۔ بے شک یہ میرے جسم سے نمودار نہیں ہوا ہے لیکن یہ تمہارے جسم کا ایک حصہ ہے۔ تم یقین کرو یا نہ کرو۔ یہاں اس ہسپتال میں اس کے پاس تنہا رہ کر میں نے اس پر مکمل غور کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق بڑی عجیب ہوتی ہے۔ میں نے اس کے لمس میں تمہارا لمس پایا ہے اور اس کے نقوش دیکھو بالکل تمہارے جیسے ہیں۔ ذرا سا غور کرنے والی آنکھ چاہئے۔ اس میں تم نظر آجاتے ہو۔

''غازی کا دل دھڑک اٹھا۔ کیتھرائن کے یہ الفاظ ایک جذباتی کیفیت کی عکاسی کرتے تھے۔ لیکن یہ کسی دوسرے کا حق تھے۔ یہ الفاظ اگر شمیلا کے منہ سے ادا ہوتے تو زیادہ حیثیت رکھتے۔ کیونکہ اس نے نو مہینے کی تکلیف کے بعد ان الفاظ کو جنم دیا تھا۔ یہ حق تلفی بڑی عجیب لگی تھی اس وقت غازی شاہ کو بے اختیار شمیلا یاد آگئی تھی۔ ایک ایسی بدنصیب ماں جو بڑی بے بسی سے کہہ

رہی تھی کہ ٹھیک ہے۔ چھوٹے سائیں! جو اللہ کی مرضی۔ اللہ کی مرضی اتنی بے انصافی کی نہیں ہو سکتی۔ یہ انسان ہی کا گناہ ہے۔ غازی شاہ سوچ رہا تھا۔ کیتھرائن نے اسے دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

"آؤ...... بیٹھو نا دیکھو ذرا اسے کیسے لگ رہا ہے"؟ غازی شاہ ایک دم جذبات اور خیالات سے باہر نکل آیا۔ جو کھیل اسے کھیلنا تھا' وہ بڑا سنسنی خیز تھا۔ بس تقدیر میں یہی سب کچھ لکھوا لیا تھا۔ پتہ نہیں اس کی تحریک کہاں سے ہوئی تھی۔ لیکن اب یہ وبال جان غازی شاہ کے لئے منتقل ہو گیا تھا۔ اسے یہ کھیل تو کھیلنے ہی تھے۔ آگے بڑھا اور کرسی گھسیٹ کر کیتھرائن کے پاس بیٹھ گیا۔ بچے کو دیکھا' دیکھتا رہا۔ ایک عجیب سی ہمک دل میں پیدا ہوئی۔ اس نے جھک کر بچے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ننھا سا سفید ہاتھ۔ جس نے اس کی انگلی اپنی مٹھی میں دبائی تھی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔

"غازی شاہ! جذباتی ہو رہے ہو"۔ کیتھرائن کی آواز ابھری اور غازی شاہ کو اپنا مشن یاد آ گیا۔ بچے کے ہاتھ کو چوم کر چھوڑ دیا اور بولا۔

"ہاں کیتھرائن! جذباتی ہو رہا ہوں"۔

"کیوں بھئی۔ تمہارا بچہ ہے چلو اس کی گود میں"۔

"نہیں کیتھرائن! اسے اپنی ہی گود میں رہنے دو۔ اصل میں انسان پر مختلف دور آتے ہیں اور اسے سب کچھ بڑا عجیب لگتا ہے۔ کیتھرائن اب تک میں اپنے بارے میں ہی سوچتا تھا یا پھر زیادہ سے زیادہ تمہارے لئے' کیسے زندگی گزاریں' کس انداز میں رہیں' یہی ساری باتیں میرے ذہن میں ہوا کرتی تھیں لیکن اب یہ بچہ' اب یہ میرے ذہن میں ہے۔ کیتھرائن اب یہ میرے ذہن میں ہے"۔

"کیا سوچتے ہو اس کے بارے میں"؟

"یہی کہ اس کو ایک شاندار مستقبل دینا ہماری ذمے داری ہے۔ کیا ہم اسے وہ بھرپور مستقبل دے سکیں گے جو دینا چاہئے"۔

"سائیں! کیوں نہیں دے سکیں گے۔ کیا نہیں ہے ہمارے پاس"۔

"نہیں کیتھرائن! تم علی خیر محمد گوٹھ کے حالات نہیں جانتیں۔ بہر حال ہم وہاں مکمل طور پر صاحب اقتدار اور بااختیار نہیں ہیں۔ ہمیں کچھ اور لوگوں کی نگاہوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے"۔

"سائیں! ذرا مجھے تفصیل سے سمجھاؤ"۔

"دیکھو ساری باتیں اپنی جگہ لیکن وہاں بیگم سائیں بھی موجود ہیں۔ سائیں مکرم شاہ بھی موجود ہیں۔ ساری باتیں اپنی جگہ' میں ان دنوں اس گہری سوچ میں ڈوبا ہوں کہ اب ان لوگوں کے ساتھ کیا رویہ رکھا جائے۔ تم بچے کو لے کر وہاں جاؤ گی اور اس کے بعد اس کی پرورش ہو گی۔ کیا ہم ابتدا ہی سے اسے دشمنوں کے درمیان رکھیں گے"۔ کیتھرائن غور سے غازی شاہ کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"جو کچھ کہنا چاہتے ہو چھوٹے سائیں کھلے دل کے ساتھ کہو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ کھلے دل کے ساتھ سنوں گی"۔

"دیکھو میں تمہارے ساتھ ہر کام میں شریک رہا ہوں۔ جو کچھ تم نے کہا ہے وہی کرتا رہا ہوں لیکن کچھ باتیں میرے اپنے ذہن میں بھی آتی ہیں"۔

"بولو سائیں بولو"۔ کیتھرائن نے پھر کہا۔

"کیوں نہ ایسا کریں کیتھرائن کہ ہم بیگم سائیں سے مل لیں"۔

"مطلب"؟

"میرا مطلب یہ ہے کہ جب تم اس بچے کو لے کر علی خیر محمد گوٹھ پہنچو تو پہلے بیگم سائیں کے پاس جاؤ۔ یہ بچہ ان کی گود میں ڈال دو۔ ایک ننھا سا معصوم وجود جو میرے اور تمہارے نام سے منسوب ہے۔ بیگم سائیں' اس سے کبھی نفرت نہیں کریں گی اور ہمیں اس بچے کے لئے محبت حاصل ہو جائے گی۔ اس کا نام رکھنے کی اجازت بھی بیگم سائیں کو ہی دے دو"۔

کیتھرائن نے ایک لمحے کے لئے نگاہیں جھکا دیں۔ اس کے دماغ کی چرخی تیزی سے چلنے لگی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک مکار مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے دل میں سوچا کہ شرجیلہ کے سینے پر سانپ تو لوٹ ہی رہا ہوگا۔ اس نے کیتھرائن کو بالکل ہی بے بس کر دیا تھا۔ لیکن کیتھرائن بامراد ہو گئی۔ اس کی چال ناکام ہوئی۔ اس کے سینے پر مزید زخم لگانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اب بچے کو اس کے سامنے کر دیا جائے۔ جو کچوکے شرجیلہ کے دل پر لگیں گے۔ ان کی کہانیاں ہی سنی جا سکتی ہیں اور کہانیاں سنانے والا کون ہوگا۔ اگر شرجیلہ کی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جائے تو مزہ ہی دوبالا ہو جائے گا۔ اس نے دوہری چال چلنے کا فیصلہ کیا۔ ایک دم اپنے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات پیدا کئے اور بولی۔

"سائیں! ابھی آپ نے مجھ سے کہا کہ میرا ہر کہا مانا ہے۔ سائیں! کیا آپ اس بات کا یقین کرو گے کہ میں نے اس میں ہمیشہ گنجائش رکھی۔ آپ جہاں کسی بات کی مخالفت کرتے ہیں کبھی آپ کو اس سے نہیں روکتی۔ یہ تو ایک باہم مشورہ تھا۔ آج آپ جب مجھے یہ حکم

دیتے ہو۔ تو بھلا میری یہ مجال ہے کہ میں اس سے گردن اٹھاؤں۔ سائیں بالکل نہیں ایک فیصد بھی نہیں۔ ایسا تو ہو بھی نہیں سکتا کہ آپ کچھ سوچیں اور میں اس کی تکمیل نہ کروں۔ آپ جیسا حکم کرو۔ میں حاضر ہوں۔ بس تھوڑی سی رہنمائی کر میری''۔

''ہاں کیتھرائن! یہ بہت اچھا عمل رہے گا۔ ایک فضا قائم ہو گئی تھی وہاں۔ اب ہم خود ہی اس فضا کو توڑ دیں گے''۔

''بالکل توڑ دیں گے سائیں! ہم بیگم سائیں سے بہت اچھے تعلقات پیدا کر لیں گے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا جو خنجر وہ میرے پہلو میں اتار چکی ہیں۔ اس زخم اور اس زخم کی دکھن کو میں بھولوں گی بھی نہیں''۔

''لیکن اگر علی خیر محمد گوٹھ میں تمہیں اقتدار مل جائے۔ وہ سب کچھ مل جائے جس کی خواہش ہمارے دلوں میں ہے اور ہم کر کے آئے ہیں تو کیا برا ہے''۔

''بالکل برا نہیں ہے سائیں! لیکن تم یہ مت کہنا کہ میں اپنے دشمنوں سے مخلص ہو جاؤں۔ دشمن' دشمن ہی رہے گا' یہ الگ بات ہے کہ ہم مصلحت کی چادر اوڑھ لیں''۔

''ٹھیک ہے بابا! بالکل ٹھیک کہتی ہو تم لیکن اب ہم جو عمل کیا کریں گے۔ مل جل کر کیا کریں گے''۔

''ہاں سائیں! اس کا ہمیں کوئی خیال نہیں ہوگا۔ آپ بے فکر رہو''۔

''تو پھر کیتھرائن! یہ بات طے ہے کہ جب تم یہاں سے گوٹھ واپس جاؤ گی تو سیدھی شرجیلہ کے پاس جاؤ گی''۔

''ہاں بالکل مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ کیتھرائن نے جواب دیا اور غازی شاہ نے سکون کی گہری سانس لی۔

ایک بہت بڑا مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کیتھرائن کہیں اس پر شک نہ کرنے لگے۔ بہت سے ایسے مسئلے ہو گئے تھے جو خطرناک تھے اور اس بات کا شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ کوئی بڑی مشکل سامنے نہ آ جائے لیکن اب صورت حال بہتر نظر آ رہی تھی۔ پھر اس کے بعد غازی شاہ نے کیتھرائن سے کہا۔

''اب یہ بتاؤ۔ واپسی کا پروگرام کیا ہے''۔

''آپ جیسا حکم کرو گے سائیں''!

''ڈاکٹر فوزیہ سے بھی بات کئے لیتے ہیں''۔

''ہاں۔ ایک دو دن لگائیں گے یہاں۔ مجھے بھی تھوڑا سا کام ہے۔ ویسے تم خوش تو

ہونا کیتھرائن''۔

''اس چہرے کو دیکھو۔ جب ایسے چہرے پر اپنی ملکیت قائم ہو جائے۔ تو بھلا کوئی ہے جو نا خوش رہے گا''۔ کیتھرائن نے بچے کی جانب اشارہ کر کے کہا اور غازی شاہ بچے کو دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر اس کے دل میں شمیلا کا عکس جھلملایا تھا اور وہ گہری سانس لے کر سیدھا ہو گیا تھا۔ پھر وہ دیر تک کیتھرائن سے باتیں کرتا رہا۔ لیکن اس کا ذہن شمیلا میں ہی الجھا ہوا تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا۔

''چلتا ہوں کیتھرائن! ذرا کام ہیں مجھے تھوڑے سے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آ جاؤں گا''۔

کیتھرائن نے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ غازی شاہ باہر نکل کر سیدھا شمیلا کی طرف چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں داخل ہو گیا۔ جہاں شمیلا رہتی تھی۔ کیتھرائن کے ساتھ رہ کر بھی شمیلا کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ کیتھرائن کی اس سے غرض وابستہ تھی۔ لیکن بہرحال ایک انسان ہونے کی حیثیت سے اسے یہ احساس تھا کہ جس حویلی میں وہ رہ رہی ہے۔ وہ اس کی نہیں کیتھرائن کی ملکیت ہے اور وہ کیتھرائن کے رحم و کرم پر ہے لیکن یہاں کوٹھی میں اسے ایک مکمل حیثیت حاصل تھی۔ ملازمین اسے بیگم صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل ہوئی تھی۔ شمیلا بہ ذات خود ایک معصوم سی لڑکی تھی۔ اس کے احکامات ہی کیا لیکن پھر بھی اسے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ضرور ہوتا تھا۔ ہاں۔ اب جو دل پر زخم لگا تھا۔ وہ نہ سمجھنے والا تھا اور وہ ایک عجیب سی کسک اپنے دل میں پاتی تھی۔ ایک بوڑھی ملازمہ جو جہاں دیدہ اور تجربے کار تھی۔ اس کے پاس موجود تھی۔ اس کا نام رقیہ تھا۔ رقیہ نے اسے بہت اچھی طرح سنبھالا تھا اور اپنے تمام تر تجربات کے سائے میں لے لیا تھا۔ ایک ہمدرد عورت تھی۔ اس نے کرید کرید کر شمیلا سے اس کے حالات معلوم کئے تھے اور خود اسے بہت سے مشورے دیئے تھے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا۔

''بیگم جی! چھوٹا منہ اور بڑی بات آپ کو ایک بات میں بتا دوں۔ آپ بھول جائیے اس بچے کو اور اللہ سے لو لگائیے۔ اللہ کی مصلحت جو کچھ بھی ہوتی ہے۔ سب کچھ اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ بچہ شاید اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ ہوتا تو یقیناً آپ کو اس کے بارے میں اطلاع دی جاتی۔ ابھی شاہ جی نے اس لئے آپ کو اس کے بارے میں نہیں بتایا کہ آپ کو دکھ ہوگا''۔

''یہ تو اچھی بات ہے رقیہ کہ میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ اگر میں اس کی

صورت دیکھ لیتی تو شاید اسے کبھی نہ بھلا پاتی۔ ابھی تو بس ایک خیال سا میرے دل میں آتا ہے۔ کہ میرا بچہ ہوتا تو کیسا ہوتا؟ چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں، چھوٹا سا بدن۔ بچے کتنے پیارے لگتے ہیں رقیہ! اور ویسے بھی وہ شاہ جی کی شکل ہوتا۔ شاہ جی بچپن میں بہت پیارے ہوں گے۔ اب بھی بہت اچھے ہیں وہ لیکن''۔

''پھر بھی میرے منہ میں خاک میں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے میرا تجربہ یہی کہتا ہے۔ باقی دیکھ لینا''۔ اور اسی وقت جب یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ غازی شاہ کوٹھی پہنچ گیا۔ رقیہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ غازی شاہ نے مسکراتے ہوئے شمیلا سے کہا۔

''ہیلو شمیلا! کیسی طبیعت ہے تمہاری''؟

''ٹھیک ہوں سائیں! آپ کے قدموں کی دھول ہوں۔ آپ کی رعایا ہوں۔ آپ کی ملکیت ہوں''۔

''ہاں۔ ہمارے قدموں کی دھول ہماری رعایا، ہماری ملکیت، ہمارے سینے سے نہیں لگے گی۔'' غازی شاہ نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ شمیلا شرمائی شرمائی سی اپنی جگہ سے اٹھی اور غازی شاہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''ٹھیک تو ہو بابا! تمہارے لئے اب ہمارا دل بہت اداس رہنے لگا ہے''۔

''سائیں! جب حکم کریں گے۔ ان کے قدموں میں لوٹنے لگوں گی۔ میری مجال کہ سائیں کے حکم سے گردن ہٹا لوں''۔

''ہم جانتے ہیں شمیلا! مگر ہم تمہیں ایک بات بتائیں۔ تمہارا یہاں رہنا اب بے حد ضروری ہے۔ تھوڑے دن بعد ناگی بابا بھی حج سے واپس آ جائیں گے۔ وہ بھی تمہارے ساتھ رہا کریں گے۔ بابا! کسی سے رابطہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی ایک دنیا الگ بساؤ ہم تو تمہارے پاس آتے جاتے ہی رہتے ہیں اور زیادہ آیا کریں گے۔ بلکہ کچھ دن تمہارے پاس رہیں گے۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ بابا آ جائیں گے نا تو تمہیں وہی ماحول مل جائے گا جو پہلے سے تھا۔ بس فرق صرف اتنا پڑے گا کہ اس ماحول میں ہم بھی ہوں گے''۔

''سائیں! آپ کے ساتھ تو زندگی کا ہر سانس گزارنا میرے لئے ہزار زندگی کے مطابق ہوگا۔ مگر ٹھیک ہے۔ مردوں کی تو مصروفیتیں بھی الگ ہوتی ہیں''۔

''ہاں بابا! یہی ہم بات کہہ رہے تھے۔ ابھی تک تو ہم بڑے آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔ سائیں مکرم شاہ نے سب کچھ سنبھالا ہوا تھا لیکن اب ہمیں خود بھی آگے بڑھ کر کافی کام کرنا پڑے گا۔ زمینوں کی دیکھ بھال، ہاریوں سے حساب کتاب یہ سارے کام ہوا

کرتے ہیں۔ تمہیں یہاں بالکل ڈر نہیں لگے گا۔ نوکر چاکر ہیں''۔

''سائیں! آپ کا بچہ ٹھیک ہے''۔ شمیلا نے سوال کیا اور غازی شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ شدید کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔ بچے کے بارے میں کھل کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ بدشگونی ہوتی۔ ایسی بری بات منہ سے نکالی نہیں جا سکتی تھی۔ چونکہ بچے کا اپنا وجود اس کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ لیکن شمیلا کو مطمئن کرنا بھی بے حد ضروری تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

''ایک بات کہیں آپ سے شمیلا''!

''جی سائیں''! شمیلا نے دھڑکتے دل سے غازی شاہ کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا! بڑی محبت ہے ہمیں تم سے، بڑا چاہتے ہیں ہم تمہیں، ہم نے تمہیں کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو لیکن ہم نے تم سے کچھ مانگا نہیں ہے۔ اب ایک چیز مانگنا چاہتے ہیں تم سے''۔

''سائیں! کھال اتار کر جوتے بنا لو اگر ہم ایک اچھے باپ کی اولاد ہیں۔ ایک اچھی ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہے ہم نے تو اف نہیں کریں گے۔ آپ حکم کرو سائیں''!

''شمیلا! بچے کا اب نام مت لینا ہمارے سامنے۔ ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں بابا تم سے۔ اب اس کا نام ہمارے سامنے مت لینا''۔ غازی شاہ نے دونوں ہاتھ سامنے کر کے جوڑ دیئے تو شمیلا نے بے اختیار بے چین ہو کر اس کے دونوں ہاتھ علیحدہ کر دیئے۔ پھر انہیں اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

''سائیں! اتنا ذلیل مت کرو ہمیں، ٹھیک ہے۔ آج کے بعد آپ ہمارے منہ سے ایسی کوئی بات نہیں سنو گے''۔

''شکریہ بابا! بہت بہت شکریہ''۔ غازی شاہ نے ایک بار پھر شمیلا کو اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

افریشم کے دل میں مکرم شاہ کی طرح علی خیر شاہ کا پیار پھر سے کروٹیں بدل رہا تھا۔ طلب تو روز اول سے رہی تھی اور لمحہ لمحہ اسے یاد کرتی تھی لیکن عورت کی وفاداری بھی ایک مثال ہوتی ہے۔ شوہر کی زبان سے جو کچھ سنتی تھی اس پر عمل بھی کرتی تھی۔ اس کی آواز پر اپنی آواز بھاری کرنے کی کوشش نہ پہلے کبھی کی نہ اب کرنا چاہتی تھی۔ بس صبر کے گھونٹ پی پی کر رہ جاتی تھی۔ بہرحال ان دنوں مکرم شاہ پر بھی ایک عجیب سی اداس کیفیت طاری تھی۔ بیٹا بہت یاد آتا تھا۔ بات نوزائیدہ بچے کی ہوتی تو انسان گزارہ کر جاتا ہے لیکن علی خیر محمد کافی بڑا ہو گیا تھا۔ بیٹے کو دیکھ دیکھ کر مکرم شاہ کی آنکھیں نیچی ہو جاتی تھیں۔ بھرپور نگاہ نہیں ڈالتا تھا اس پر کہ کہیں نظر نہ

لگ جائے۔ مگر نظر لگ گئی تھی اور ایسی لگی تھی کہ کسی کو نہ لگے۔ افریشم بھی بہرطور متاثر تھی۔ لیکن ساس نے حکم دیا تھا۔ اسے وہی کرنا تھا جو اسے حکم ملا تھا۔

ہسپتال پہنچی اور کیتھرائن کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ کیتھرائن نے اس کا پرجوش استقبال کیا تھا۔ ویسے بھی اپنا کارنامہ کسی کو دکھانا چاہتی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور افریشم نے اس کی پیشانی چومی پھر بچے کی طرف دیکھا۔ اسے گود میں اٹھایا اور اشرفیوں کی تھیلی اس کے پیروں میں کھول دی۔ سونے کے کھنکھناتے سکے۔ بچے کے پیروں میں بکھر گئے اور کیتھرائن نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولی۔

''کیسا ہے بھائی سائیں''!

''بہت پیارا بالکل غازی شاہ کی طرح' خدا تمہیں مبارک کرے''۔

''شکریہ بھابھی سائیں! آپ ٹھیک ہو''؟

''ہاں ٹھیک ہوں''۔

''بچیاں ٹھیک ہیں''۔

''ہاں بالکل ٹھیک ہیں''۔ افریشم نے کہا اور بچے کو گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ اس نے لاتعداد دعائیں اسے دی تھیں۔ اس کی نگاہیں کیتھرائن کا بھی جائزہ لے رہی تھیں۔ بالکل چاق وچوبند چست وچالاک' لگتا ہی نہیں تھا کہ زچگی میں ہے بہرحال کافی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی اور پھر کہنے لگی۔

''گوٹھ کب تک واپس آؤ گی۔ کیتھرائن''۔

''جب ڈاکٹر چھٹی دے دے گی۔ ابھی میں نے اس سے بات نہیں کی ہے''۔

''ہوں ٹھیک''۔ خاصا وقت افریشم نے یہاں گزارا پھر غازی شاہ آ گیا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''آپ نے میرے کو بولا ہی نہیں بھابھی سائیں کہ آپ کیتھرائن کے پاس آؤ گی ورنہ میں آپ کو اپنے ساتھ لے آتا''۔

''کوئی بات نہیں ہے''۔

''اوہو۔ آپ نے تو اس کے قدموں میں سونا بکھیر دیا''۔ غازی شاہ نے اشرفیاں بچے کے پیروں میں پڑے دیکھ کر کہا۔

''بس نظر ہے اس کی۔ اس پر سے اتارا ہے غریبوں کو بانٹ دینا''۔

''واہ۔ یہ تو بڑا تقدیر والا ہے کہ سونا اس کے قدموں تلے ہے اتنی بڑی رقم بابا

غریبوں کو امیر کردے گی''۔

''خدا اسے اس سے بھی کہیں زیادہ دے۔ اللہ سائیں! اس کی عمر دراز کرے۔ اللہ سائیں اسے ہر بری نظر سے بچائے۔ اس نظر سے بچائے جو میرے علی خیر کو لگ گئی''۔ افریشم نے کہا اور اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

غازی شاہ نے اسے دیکھا اور پھر کیتھرائن کی طرف اور اس وقت اسے کیتھرائن سے ایک نفرت کا احساس ہوا۔ جو الفاظ افریشم نے کہے تھے وہ دل ہلا دینے والے تھے۔ لیکن کیتھرائن کا چہرہ پتھرایا ہوا تھا اور اس وقت غازی شاہ نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ تھوڑے سے حالات بہتر ہو جائیں تو کیتھرائن سے علی خیر محمد کے بارے میں بات کرے گا۔ وہ اس سے کہے گا کہ علی خیر محمد کو فضل شاہ کے پاس سے واپس لے آئے بہرحال ابھی تک علی خیر کے بارے میں اس نے کچھ نہیں سوچا تھا لیکن اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اپنے بچے کے صدقے میں علی خیر محمد کے لئے کچھ کرے گا۔ ویسے بھی مکرم شاہ کی وہ عزت کرتا تھا اور ان دونوں میاں بیوی کے غم کو سمجھتا تھا۔ بہرحال اس وقت اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اس احساس کو اپنے ذہن میں رکھ لیا کہ اب علی خیر محمد کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کیا جائے گا۔ پھر وہ افریشم سے بولا۔

''ہم لوگ بس بہت جلد گوٹھ واپس آنے والے ہیں۔ آپ ہمارے استقبال کی تیاریاں کرو بھابی سائیں! کیتھرائن سیدھی بیگم سائیں کے پاس آئے گی''۔ افریشم نے چونک کر کیتھرائن کا چہرہ دیکھا۔ جواب بھی سپاٹ تھا۔ پھر غازی شاہ کی طرف دیکھا تو غازی شاہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ وہ گوٹھ میں آنے کے بعد سیدھی بیگم سائیں کے پاس آئے گی''۔

''خدا مبارک کرے''۔ افریشم کافی دیر تک ادھر بیٹھی رہی اور پھر اجازت لے کر چلی گئی۔ کیتھرائن نے مسکراتی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور بولی۔

''آج کل فیصلے چھوٹے سائیں کی زبان سے ہی ہو رہے ہیں''۔

''کیوں نہیں ہوں گے کیتھرائن! ہم نے تمہیں ایک خوبصورت بچے کی ماں جو بنا دیا ہے''۔

''ہاں۔ وہ تو ہے اور اب آپ اس کی قیمت وصول کر رہے ہو ہم سے''۔

''دو گی ہمیں قیمت''۔

''ہاں دیں گے کیوں نہیں دیں گے''۔ کیتھرائن نے مسکراتے ہوئے کہا اور غازی شاہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیتھرائن نے اپنی محبت خود تقسیم کی ہے۔ لیکن اب

ذرا دیکھنا یہ تھا کہ ترازو کے پلڑے اوپر نیچے رہتے ہیں یا متوازن ہیں اور اگر اوپر نیچے ہیں تو کون سا پلڑا نیچے ہے اور کون سا اوپر۔ بہت دیر تک وہ تجزیہ کرتا رہا لیکن لمحوں میں اس طرح فیصلے نہیں کئے جاسکتے۔ کیتھرائن نے کہا۔

''ہاں تو پھر کیا فیصلہ کیا چھوٹے سائیں''!

''کس بارے میں بابا''! غازی شاہ نے سوال کیا۔

''یہی کہ ہم کب گوٹھ واپس جارہے ہیں''۔

''میرا خیال ہے کل چلتے ہیں''۔

''کچھ فیصلہ بدل دیا ہے''۔ کیتھرائن نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور غازی شاہ ایک دم سنبھل گیا۔

''نہیں۔ ہم نے تم سے کہا تھا نا کہ کچھ کام ہے ہمیں یہاں آج جس کام سے نکلے تھے وہ کام ہوگیا۔ اب ہمیں ایک ہفتے کے بعد کراچی آنا ہوگا اور اس وقت ممکن ہے ہمیں دو تین دن یہاں مصروف رہنا پڑے۔ خیر تمہیں اب اس کی پروا نہیں ہونی چاہئے۔ اب ہم بال بچوں والے ہوگئے ہیں بابا! ہمیں ذرا سی محنت کرنی پڑے گی۔ اپنے کام کے سلسلے میں''۔

''پر آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا سائیں کہ آپ کو کام کیا ہیں''؟

''کچھ جائیدادیں ہیں ہماری حیدرآباد سندھ میں اور نواب شاہ میں۔ ذرا سی گڑبڑ ہے ان میں ہماری غیر موجودگی میں کچھ لوگوں نے ان جائیدادوں پر قبضے جمانے کی کوشش کی ہے۔ تمہیں اس بات کا تو پتہ ہے کہ سائیں مکرم شاہ ڈھیلے ڈھالے آدمی ہیں۔ ایسے معاملات میں حصہ نہیں لیتے اور دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہمیں یہ کام کرنے ہیں''۔

''ٹھیک۔ آپ ضرور کرو سائیں! لیکن ایک بات میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ جھگڑا مول نہیں لینا کسی سے''۔

''نہیں بابا! اب ہمیں اتنا بھی بے وقوف مت سمجھو۔ کہا نا تمہارے سے اب بال بچوں والے ہیں۔ ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔ عقل سے کرنا ہوگا''۔ کیتھرائن مسکرانے لگی تھی۔ علی خیر شاہ کے بارے میں غازی شاہ نے ابھی بات کرنا مناسب نہیں سمجھی تھی۔ ہر کام مرحلے وار ہونا چاہئے تھا۔

غازی شاہ اس کے بعد کیتھرائن کے ساتھ ہی رہا۔ یہ ہسپتال اور ڈاکٹر فوزیہ ایک طرح سے ان کا گھر ہی بن گئے تھے ان کے لئے۔ دوسرے دن غازی شاہ نے ڈاکٹر فوزیہ سے

جانے کی اجازت مانگی۔ تو ڈاکٹر فوزیہ نے کہا۔

''ماشاءاللہ آپ کا بچہ اور اس کی ماں بالکل ٹھیک ہیں۔ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے آپ آرام سے جایئے۔ کچھ چیزیں لکھ کر دیئے دیتی ہوں۔ بچے کو استعمال کراتے رہیے۔ چاہیں تو ٹیلیفون پر مجھ سے رابطہ رکھ سکتے ہیں۔ کوئی بھی مسئلہ ہو' آپ مجھے اطلاع دیجئے گا''۔

''بہت شکریہ ڈاکٹر! آپ نے جس طرح مجھ سے تعاون کیا ہے۔ ہم اس کے لئے آپ کے دل سے شکر گزار ہیں''۔

''آئندہ بھی سائیں! کبھی آپ کو ہماری ضرورت ہو تو ہم حاضر ہیں''۔ ڈاکٹر فوزیہ نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ غازی شاہ نے اس مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے نہیں دیا تھا۔ بہرحال اس کے بعد یہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ راستہ طے ہو رہا تھا۔ پجیرو علی خیر محمد گوٹھ کی جانب جارہی تھی اور کیتھرائن سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر کبھی ایک سفاک مسکراہٹ نظر آنے لگتی تو کبھی وہ غازی شاہ کی طرف دیکھ کر سادگی سے مسکرانے لگتی تھی۔ خود غازی شاہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہیں سیدھے پرانی حویلی جانا تھا اور غازی شاہ یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیں اب حالات کون سی نئی کروٹ بدلتے ہیں۔ آخر کار پجیرو پرانی حویلی میں داخل ہوگئی اور غازی شاہ یہ دیکھ کر ایک بار پھر متاثر ہوا کہ پرانی حویلی کو دلہن کی طرح سجادیا گیا تھا۔ رنگین جھنڈیاں' روشنیاں' بہت کچھ کیا گیا تھا وہاں پر۔ سارے ملازم نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ان کے استقبال کے لئے تیار تھے۔ غالباً یہ سارا انتظام مکرم شاہ نے ہی کیا تھا۔ پھر اس کے بعد افریشم نے بڑے گیٹ پر کیتھرائن کا استقبال کیا جو بچے کو گود میں اٹھائے فاتحانہ انداز سے ایک ایک قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں شرجیلہ کو تلاش کر رہی تھیں لیکن شرجیلہ بہرحال ایک مقام رکھتی تھی۔ افریشم نے بچے کی طرف ہاتھ بڑھائے تو کیتھرائن نے کہا۔

''نہیں بھابی سائیں! میرے کو معاف کرنا۔ سائیں غازی شاہ کا حکم ہے کہ بچہ بیگم سائیں کی آغوش میں دیا جائے''۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یہ انہیں کا حق ہے''۔ افریشم جھینپ کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ غازی شاہ بھی ساتھ ساتھ ہی تھا۔ مکرم شاہ بھی کہیں سے آگیا۔ اس وقت اس نے اپنی کیفیت بحال ہی رکھی تھی۔ ایک بہت بڑے مسئلے پر قدم اٹھایا تھا۔ اپنے جذبات کو سنبھال کر اس مسئلے کو حل کرنا چاہتا تھا' غازی شاہ کی پیشانی چومی اس کا سر سینے سے لگایا اور بولا۔

''معصوم فرشتے کے ساتھ حویلی کی خوشیوں میں' میں برابر کا شریک ہوں اور دعا کرتا

ہوں کہ اس کے قدموں کی برکت ہمارے ماحول کو روشن کر دے۔ آؤ...... بیگم سائیں اپنے کمرے میں ہیں۔ وہیں وہ تم سے ملیں گی۔ آؤ کیتھرائن! اس طرف سے آ جاؤ''۔ ایک راہداری عبور کرنے کے بعد سامنے کے بڑے دروازے پر یہ لوگ رکے۔ افریشم نے دروازہ کھولا۔ سامنے ہی ایک زرنگار کوچ پر شرجیلہ پروقار انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ کیتھرائن آگے بڑھی اور بڑے مہذب انداز میں گھٹنوں کے بل بیٹھی اور پھر اس نے بچے کو شرجیلہ کی جانب بڑھا دیا۔ شرجیلہ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر بچے کو لیا۔ اسے دیکھا پھر چہرہ قریب کر کے اس کی پیشانی آنکھیں اور رخسار چومے۔ اس کے بعد اسے دعائیں دیں اور اسے آغوش میں لٹا کر برابر رکھی ہوئی تھالی سے موتیوں کی مٹھی بھری اور بچے پر نچھاور کر کے انہیں ایک طرف ڈال دیا۔ پھر کیتھرائن کی طرف دیکھ کر بولی۔

''مبارک ہو تمہیں کیا نام رکھا ہے بچے کا''۔

''نہیں بیگم سائیں! آپ اس بچے کے باپ کی ماں ہیں ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کا نام رکھیں۔ یہ آپ کا کام ہے''۔

''ہوں۔ اس کا نام ہم دل مراد رکھتے ہیں۔ اگر تمہیں پسند ہو''۔

''بیگم سائیں! آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ہمیں پسند ہے۔ آج سے اس کا نام دل مراد طے ہوا''۔

''یہ اس کے نام کی خوشی میں''۔ شرجیلہ نے موتیوں کی دوسری مٹھی بھری اور اس پر سے نچھاور کر کے اسے ایک جانب ڈال دیا۔ یہ قیمتی موتی اب فقیروں کی ملکیت بن گئے تھے۔ شرجیلہ بچے کو گود میں لئے بیٹھی رہی پھر اس نے کہا۔

''تم کیسی ہو کیتھرائن''؟

''آپ کے قدموں کی برکت سے خیر سے ہوں''۔

''غازی شاہ! تمہیں مبارک ہو۔ مکرم شاہ حویلی میں جشن کا انتظام کرو۔ خیرات تقسیم کرو۔ ضرورت مندوں کی ساری مرادیں پوری کر دو۔ تم لوگ جاؤ کیتھرائن کو میرے پاس رہنے دو۔ اس سے باتیں کرنی ہے مجھے''۔

''ٹھیک ہے بیگم سائیں''! غازی شاہ خوشی سے بولا۔ ماں اور بیوی کی یہ ملاقات اور ان کے درمیان مفاہمت اسے بڑی سکون بخش لگ رہی تھی۔ افریشم بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکل گئی۔ تو کیتھرائن اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

''کہاں جا رہی ہو؟ میں نے تم سے جانے کے لئے نہیں کہا کیتھرائن''!

''میں جا نہیں رہی بیگم سائیں! دروازہ بند کر رہی ہوں۔ اب آپ کے قدموں میں آئی ہوں تو آج پہلی بار آپ سے باتیں کروں گی اور میں چاہتی ہوں کہ ان باتوں میں کسی کی مداخلت نہ ہو''۔ کیتھرائن نے کہا۔ نہ جانے کیوں اس کے لہجے سے شرجیلہ کا دل دھڑکنے لگا۔ بہر حال وہ جانتی تھی کیتھرائن بھی ایک خطرناک عورت ہے۔ کیتھرائن نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور پھر واپس شرجیلہ کے پاس پہنچ گئی۔ لیکن اب اس کے چہرے کے نقوش بدلے ہوئے تھے اور ایک لمحے کے اندر اندر شرجیلہ کو اس کا احساس ہو گیا تھا۔ کیتھرائن کی چمکدار نگاہیں شرجیلہ پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔

''پوتا مبارک ہو بیگم سائیں! آپ کی آغوش میں کتنا اچھا لگ رہا ہے یہ۔ ٹھیک بات یہ ہوتی ہے کہ بزرگ اگر سر پر ہوں تو انسان بہت سی مصیبتوں سے بچ جاتا ہے۔ آپ نے اسے دل مراد کا نام دیا۔ پر بیگم سائیں! یہ آپ کے دل کی مراد تو نہیں تھی نا''۔ شرجیلہ نے آنکھیں اٹھا کر کیتھرائن کو دیکھا اور پروقار لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو''؟

''اتنی باتیں ہیں بیگم سائیں میرے دل میں کہ اگر آپ سے پوچھتی رہوں تو کئی دن اور کئی راتیں گزر جائیں اور بیگم سائیں! آپ جواب بھی نہ دے سکیں گی ان کا''۔

''اپنے لہجے کی سرکشی اور بدتمیزی کو محسوس کر رہی ہو۔ ہمارے سامنے جب لوگ بات کرتے ہیں تو آنکھیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں اور زبان دبی دبی''۔

''کن لوگوں کی بات کر رہی ہیں بیگم سائیں! وہ جو آپ کے غلام ہیں، آپ کے جوتوں کے نیچے رہتے ہیں۔ ادھر دیکھیے میرا نام کیتھرائن ہے۔ انگریزوں میں، وہ انگریز جن کی آپ نے صدیوں غلامی کی ہے۔ دیکھیے مجھے دیکھیے۔ ہم ہیں آپ کے آقا''! شرجیلہ نے خونی نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھا اور بولی۔

''تم آقا نہیں لٹیری قوم سے تعلق رکھتی ہو کیتھرائن! اس قوم سے جو بھیک مانگتی ہوئی ہندوستان میں داخل ہوئی تھی اور اس کے بعد سازش کر کے اس نے مغل بادشاہوں کی سادگی سے فائدہ اٹھایا اور ہندوستان پر کچھ عرصے کے لئے قبضہ جما لیا۔ پھر جب ہم نے تمہیں بھگایا تو پھر تم نے دوبارہ کبھی اس طرف رخ کرنے کی جرات نہیں کی۔ اتنی مار پڑی تم پر کہ تمہارے ہوش ٹھکانے آ گئے''۔ کیتھرائن نے ایک قہقہہ لگایا اور بولی۔

''نہیں۔ ہم خود آپ لوگوں کو لڑتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے سمجھیں۔ بیگم سائیں! خیر نہ میں سیاست دان ہوں نہ میرا شوہر۔ بیگم سائیں! ہم لوگ تو آپ کی محبتوں کو حاصل کرنے کے

لئے یہاں آئے تھے۔ میرے جوتے کو کیا غرض پڑی تھی کہ میں اپنا پیارا انگلینڈ چھوڑ کر یہاں آتی۔ غازی شاہ بہت پیارا تھا مجھے اور اب بھی مجھے بہت پیارا ہے۔ پر آپ لوگوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا۔ بیگم سائیں! وہ بہت برا کیا۔ کیا سوچا تھا آپ نے یہ کہ میں کبھی ماں نہیں بنوں گی اور علی خیر محمد گوٹھ میں میرا بچہ وڈیرا نہیں بن سکے گا۔ بیگم سائیں! یہ وہی علی خیر محمد گوٹھ ہے۔ جو انگریزوں کے دور میں انگریزوں کا بدترین دشمن رہا تھا۔ بات اصل میں ہے بیگم سائیں! کہ جو کام ایک پوری رجمنٹ نہیں کر سکتی۔ کبھی کبھی وہ کیتھرائن جیسی معمولی عورت کر لیتی ہے۔ آپ نے مجھے بانجھ کر دیا مگر دیکھ لیں۔ آج آپ کی آغوش میں آپ کے دل کی مراد پوری ہوئی ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرا میرا بیٹا بنے گا۔ میں نے اس کے باقی تمام راستے صاف کر دیئے ہیں۔ کیا سمجھیں بیگم سائیں! حیرت تو ہوئی ہوگی آپ کو کہ آپ نے جو کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ وہ ناکام ہو گیا۔ میں بانجھ نہیں ہو سکی۔ میں ایک بچے کی ماں ہوں۔ بیگم سائیں! آپ ذرا غور کیجئے۔ آپ زیادہ ذہین ہیں یا میں۔ سنیئے علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرا ول مراد آپ کی آغوش میں ہے۔ آپ ہی اس کی پرورش کریں گی اور یہ آپ کے تمام خوابوں کو چکنا چور کر دے گا۔ آپ زندہ رہیں یا نہ رہیں لیکن یہ زخم آپ کی قبر میں بھی آپ کا ساتھ دے گا کہ آپ اپنے منصوبے میں ناکام رہیں۔ یہ انگریز عورت کا کارنامہ ہے۔ بیگم سائیں! دیکھیے میں نے کس طرح آپ کا منہ کالا کر دیا''۔

''ٹھیک بول رہی ہو تم۔ کیتھرائن! ٹھیک بول رہی ہو تیری قوم کی یہی زبان ہونی چاہئے تھی۔ بدنسل لوگ اسی طرح اپنے بزرگوں سے پیش آتے ہیں''۔

''آپ میری بزرگ نہیں ہیں۔ بیگم سائیں! آپ میری بزرگ کہاں سے آئیں۔ ہمارے آپ کے درمیان تو نفرت کا ایک رشتہ ہے اور بات سنو میں نہیں جانتی کہ آپ نے کس طرح غازی شاہ کو اس عمل کے لئے تیار کیا کہ وہ مجھے اور میرے بچے کو لے کر آپ کے پاس آئے لیکن اگر میں نہ چاہتی تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔ بیگم سائیں! ہم آ گئے ہیں اور اب ذرا قریب سے آپ کے سینے پر مونگ دلی جائے گی۔ ایک مشورہ دوں آپ کو مان لیجئے۔ دیکھیے پہلی بات تو میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جس وقت آپ نے مجھے بانجھ کرنے کا عمل کیا تھا۔ میں اگر چاہتی تو سکھاواں کی طرح آپ کو بھی سبق سکھا دیتی۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ۔ یہ کام میرے لئے بالکل مشکل نہ ہوتا۔ آپ جیسی حقیر چیونٹیوں کو مسل دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن آپ کو کیا پتہ کہ جس طرح دوستی کا ایک رشتہ ہوتا ہے۔ اس طرح دشمنی کا بھی ایک رشتہ ہوتا ہے آپ کو اگر مار کر میں کچھ کرتی تو بھلا مجھے کیا مزہ آتا۔ دشمن کو زندہ رہنا چاہئے اس وقت تک جب تک کہ

دوسرے دشمن کا دل نہ بھر جائے۔ آپ کو اذیت سے سسکتا دیکھ کر مجھے جو مزہ آئے گا' وہ آپ کو مار کر نہیں آ سکتا تھا۔ بیگم سائیں! بڑی محبت آپ کی کہ آپ نے میرے بچے کی ولادت کا جشن منایا یا منانے جا رہی ہیں۔ ایک مشورہ دوں آپ کو بہت عرصے کے بعد آپ کے اور آپ کے بیٹے کے درمیان مفاہمت ہوئی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میری ان باتوں سے غازی شاہ یا مکرم شاہ سائیں کو آگاہ نہ کریں۔ دشمنی میرے اور آپ کے درمیان ہے۔ ہم لوگ شطرنج کی بساط بچھا کر بیٹھے ہیں۔ آپ بھی بازی چلیں' میں بھی بازی چلتی ہوں۔ مقابلہ ہم دونوں کے درمیان رہے تو زیادہ بہتر ہے۔ دیکھیں کسے مات ہوتی ہے' ٹھیک ہے دروازہ کھول رہی ہوں میں اپنے چہرے کے تاثرات بھی بدل لیں۔ میں بھی اپنے چہرے کے تاثرات بدل لیتی ہوں۔ لڑیں گے ہم دونوں۔ بہت اچھی جنگ لڑیں گے آپ دیکھیے نا اس جنگ میں میری پہلی فتح تو یہ بچہ ہے۔ آپ نے تو مجھے سانپ کی زبان کھلا کر بانجھ کر دیا تھا۔ دیکھیے یہ بچہ کہاں سے آیا؟ کیسے ہوا یہ؟ کچھ کر سکتی ہیں تو تحقیقات بھی کر لیں۔ ٹھیک ہے دروازہ کھول رہی ہوں''۔ کیتھرائن واپس مڑی اور پھر دروازہ کھول دیا۔ بالکل اتفاق کی بات ہے کہ مکرم شاہ اسی طرف آ رہا تھا۔ غازی شاہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ کیتھرائن دروازے سے ہٹ گئی اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔ مکرم شاہ نے کہا۔

''بیگم سائیں! آپ کے حکم کے مطابق میں نے پورے گوٹھ میں چراغاں کا حکم دے دیا ہے۔ جگہ جگہ ناچ گانے ہوں گے۔ اوطاق سجیں گے اور کوئی حکم ہو تو بتا دیجئے''۔

''نہیں ٹھیک ہے''۔ شرجیلہ کی پاٹ دار آواز ابھری۔

کچھ دیر کے بعد کیتھرائن غازی شاہ کے ساتھ چلی گئی۔ بچے کو وہ لوگ لے گئے تھے۔ افریشم اپنی بچیوں میں مصروف ہو گئی تھی۔ مکرم شاہ گوٹھ میں جشن کے انتظامات کر رہا تھا۔ شرجیلہ کمرے میں تنہا رہ گئی تھی۔ وہ کیتھرائن کی باتوں پر غور کر رہی تھی۔ یہ بات تو خیر اس کے اور دین بخش کے درمیان ہو چکی تھی کہ کیتھرائن کے ساتھ مفاہمت کا سلوک کر کے بہت سی باتوں سے آگاہی حاصل ہو جائے گی اور اسے ایسا ہی کرنا چاہئے لیکن کیتھرائن تنہائی میں موقع ملنے پر اس طرح کے الفاظ ادا کرے گی۔ شرجیلہ کو اس کا گمان بھی نہیں تھا۔ اچانک ہی اسے ایک شدید نفرت کا احساس ہوا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ روز اول سے لے کر آج تک اس نے جو کچھ کیا ہے وہ بالکل ٹھیک کیا ہے۔ پہلے اگر تھوڑی بہت پشیمانی اسے ہوتی تو اب اس کا ذرہ برابر شائبہ نہیں تھا۔ بلکہ اب وہ دشمن ہتھیاروں سے لیس ہو کر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ گویا شرجیلہ اپنا عمل تیز کر سکتی تھی۔ واقعی بات بالکل ٹھیک کہی تھی کیتھرائن نے کہ دشمنوں کو

دشمنی اپنی ذات میں رہنی چاہئے۔ دوسروں کو اس میں شریک کرنے والا فریادی ہو جاتا ہے۔ دشمن نہیں ہوتا اور شرجیلہ اپنے آپ کو فریادی نہیں بنانا چاہتی تھی۔ بہر حال گوٹھ میں جشن کا آغاز ہو گیا۔ چاروں طرف آتش بازیاں اور ہنگامہ آرائیاں شروع ہو گئیں۔ شرجیلہ بھی ان میں حصہ لے رہی تھی۔ لیکن جیسے ہی اسے موقع ملا۔ اس نے دین بخش کو اپنے پاس بلا لیا۔

''ہاں دین بخش! دیکھ رہے ہو سب کچھ''۔

''دیکھ رہا ہوں۔ بیگم سائیں! جشن منایا جا رہا ہے''۔

''ہاں دین بخش! بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے بڑے اہم مشورے کرنے ہیں''۔

''دین بخش حاضر ہے بیگم سائیں''! شرجیلہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ اس وقت آس پاس کوئی موجود نہیں تھا اور دین بخش سے کھل کر گفتگو ہو سکتی تھی۔ شرجیلہ نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔

''سب سے بڑا مسئلہ میرے لئے یہ ہے دین بخش کہ کیتھرائن بانجھ ہونے کے باوجود ماں کیسے بن گئی؟ کیا یہ ممکن ہے دین بخش کہ یہ بچہ اس نے کہیں سے حاصل کیا ہو''۔ دین بخش گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دیر تک خاموشی سے کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

''بیگم سائیں! سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ میں مرد ہوں کوئی تجربے کار عورت ہوتی تو اس بات کا جائزہ لے سکتی تھی کہ بچہ کیتھرائن کی اولاد ہے یا نہیں۔ میں معذور ہوں۔ بیگم سائیں! اور کچھ کرنا میرے لئے مشکل ہے''۔

''ہاں میں جانتی ہوں۔ میں صرف تذکرے کے طور پر تم سے یہ بات کہہ رہی تھی۔ یہ بات میرے ذہن کو شبے میں مبتلا کرتی ہے اور سچ مانو کہ میرا تجربہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ عورت اس بچے کی ماں نہیں ہے۔ میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آ رہا ہے کہ وہ سارا ڈرامہ رچایا گیا ہے۔ کراچی کے کسی بھی ہسپتال سے کسی ایسے بچے کو حاصل کر لینا آسان ہے۔ جس کے وارث نہ ہوں یا اگر ہوں بھی تو معقول رقم کا لالچ دے کر ان سے بچہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دین بخش! میری تمام عمر کا تجربہ یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بچہ کیتھرائن کا نہیں ہے۔ بلکہ کہیں سے حاصل کیا گیا ہے''۔

''میری خوش قسمتی ہے بیگم سائیں! میں نے ایک بار اسے قریب سے دیکھ لیا ہے۔ بس دل میں غازی شاہ کے بچے کو دیکھنے کی خواہش تھی میں نے اسے غور سے دیکھا اور ایک بات میں بھی اپنے تجربے کی بنا پر کہہ رہا ہوں ویسے بھی پولیس میں رہ چکا ہوں کہ بچے کی نقوش سائیں غازی شاہ سے پوری طرح ملتے جلتے ہیں''۔

''ہاں۔ یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس پر میں نے بھی غور کیا ہے۔ اس کے نقوش تو واقعی غازی شاہ کے ہیں۔ خدا جانے' خدا جانے''۔ ایک بار پھر شرجیلہ خیالات میں کھو گئی۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر سرخی ابھرنے لگی۔ دین بخش غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''بیگم سائیں! میرا تو خیال ہے ابھی آپ تھوڑا صبر سے کام لو۔ سائیں غازی شاہ ہتھے سے اکھڑا ہوا تھا۔ اسے آپ سے شکایات تھیں۔ کم از کم ایک مرحلہ طے ہوا کہ وہ دوبارہ آپ کے پاس آ گیا ہے۔ میری مانو۔ بیگم سائیں! تو آپ اس کے ساتھ اس کی بیوی اور بچے کے ساتھ بہت محبت اور مہربانی کا سلوک کرو اور غازی شاہ کو اپنی مٹھی میں جکڑ لو۔ آپ کی اصل آپ کے پاس ہونی چاہئے۔ بیگم سائیں! اگر اصل آپ کی مٹھی میں ہو تو باقی سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ جب غازی شاہ آپ کے قبضے میں آ جائے تو آپ اپنے کھیل کے دوسرے مرحلے کا آغاز کر دو گی۔ میں یہ بات بالکل نہیں کہوں گا کہ غازی شاہ کی اولاد کو کوئی نقصان پہنچے۔ لیکن اس بات کی تحقیق ہو جانی چاہئے کہ بچہ غازی شاہ کا ہی ہے اور کیتھرائن سائیں نے اسے کہیں اور سے حاصل نہیں کیا۔ آپ یہ کام میرے سپرد کر دو بیگم سائیں! میں مکمل طریقے سے تحقیقات کروں گا''۔

''کیسے''!

''بیگم سائیں! پولیس کی نوکری کا تجربہ ہے۔ تھوڑے سے کام ایسے کئے جا سکتے ہیں اگر ہم ابھی سے اس بات کی چھان بین شروع کر دیں گے تو ابھی تو یہ سب لوگ ہوشیار ہوں گے۔ اگر کچھ کیا گیا ہے تو اس کا بندوبست بھی کر لیا گیا ہوگا۔ کہ کسی کو اس کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلے۔ لیکن اگر ہم اس اعتماد کے ساتھ تھوڑا عرصہ گزار دیتے ہیں۔ جیسے کہ ہمیں اس بات کا یقین ہو کہ بچہ سائیں غازی شاہ کا ہی ہے۔ تو یہ لوگ بھی اطمینان سے بیٹھ جائیں گے۔ پھر اس کے بعد ہم تحقیقات کریں گے۔ ہو سکتا ہے اس دوران یہ لوگ اس سے ملنے کی کوشش کریں۔ جس سے انہوں نے بچہ حاصل کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس دوران یہ لوگ بالکل ایسے کام کریں جس سے بچے کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی۔

بیگم سائیں! یہ اچھی بات ہے کہ سائیں غازی شاہ یا کیتھرائن سائیں مجھے نہیں جانتے۔ میں ان کا پیچھا کرتا رہوں گا۔ میں اس ہسپتال تک بھی جاؤں گا۔ جہاں اس بچے کی ولادت ہوئی ہے۔ ادھر سے بھی میں معلومات حاصل کروں گا۔ یہ سارے کام آپ میرے سپرد کر دیجئے۔ بلکہ اب ایک بات میں آپ کو بول دوں۔ میرا آپ کی حویلی میں رہنا بالکل ٹھیک

نہیں ہے۔ ویسے تو میں نوکروں میں گھلا ملا ہوا ہوں۔ لیکن اب میں یہاں سے ہٹ جاتا ہوں تاکہ آسانی کے ساتھ سارے مسئلے طے کروں''۔

''اس کمینی عورت نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے چیلنج کیا ہے۔ میرے اندر نفرت کا دریا موج زن ہے۔ میں تجھے کیا بتاؤں دین بخش! اندر سے کیا کیفیت ہے میری''۔

''میں سمجھا نہیں بیگم سائیں! آپ کیا بات کہہ رہی ہو''۔

''ہاں۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے چیلنج کیا ہے۔ جانتے ہو کیا کہا ہے اس نے مجھ سے''۔

''بیگم سائیں! میرے کو بتاؤ''۔

''اس نے کھلم کھلا مجھ سے کہا ہے کہ میں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ دروازہ بند کر کے اس نے مجھ سے باتیں کی ہیں۔ جانتے ہو وہ کیا کہہ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ شرجیلہ بیگم! میں تمہیں اسی طرح مار سکتی ہوں۔ جس طرح میں نے سکھاداں کو ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن تمہاری موت سے دشمنی کا مزہ جاتا رہے گا۔ میں تو تمہاری دشمن ہوں اور جب تک دشمنوں کے درمیان جنگ نہ ہو۔ سب کچھ بے کار ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہوں تو بگاڑ لوں۔ وہ دین بخش! وہ'' شرجیلہ دانت پیسنے لگی۔ دین بخش بھی ششدر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''بات بہت سنگین ہے بیگم سائیں! بات واقعی بڑی سنگین ہے''؟

''ہاں دین بخش! سنگین ہے۔ لیکن۔۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔ میں' میں اسے ایسے نہیں چھوڑوں گی۔ سب کچھ چھین لوں گی۔ سب کچھ چھین لوں گی اس سے تم دیکھنا''۔

''آپ کو ایک بات بتاؤں۔ بیگم سائیں! اگر آپ میری بات مانو''۔

''ہاں کہو''۔

''آپ یہ ساری باتیں مکرم سائیں کو بتا دو''۔

''سوچا تھا میں نے اس بارے میں' سوچا تھا اگر مجھے کسی اور کو کچھ بتانا ہوتا تو تمہیں اپنی توہین کی یہ کہانی نہ سناتی دین بخش! کسی کو نہیں بتاؤں گی میں کچھ۔ مکرم کو بالکل نہیں بتاؤں گی۔ بڑے محبت بھرے احساسات میں کھویا ہوا ہے وہ بہت محبت کرتا ہے وہ اپنے بھائی سے۔ میرا خیال ہے کیتھرائن سے بھی وہ اپنے بھائی کی بیوی ہونے کی حیثیت سے محبت کرتا ہے۔ دھچکے لگنے دو اسے۔ بیٹے کا باپ بنا تھا۔ یہ سوچ کر اس نے علی خیر شاہ کو کیتھرائن اور غازی شاہ

کی تحویل میں دے دیا تھا کہ مالک ہے وہ اپنی اولاد کا۔ میرا تو کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے وہ میری اولاد تھا اس کی اولاد میری اولاد نہیں۔ اپنا حق سمجھ کر اس نے غازی شاہ پر بھروسہ کیا اور کھو بیٹھا اپنی اولاد کو۔ ارے تم کیا سمجھتے ہو دین بخش! اتنی بے وقوف نہیں ہوں میں کہ اتنی بات نہ جانوں' اتنی بات نہ سمجھوں کہ علی خیر کو کیتھرائن نے انتقامی جذبے کے تحت یہ سب کچھ بنایا ہے اور اب۔ اب پتہ نہیں اس بے چارے کا کیا ہوگا۔ ہو بھی سکتا ہے کہ کیتھرائن نے اسے اس دنیا سے ہی رخصت کر دیا ہو۔ یہ سوچ کر کہیں اس کی اولاد کی حق تلفی نہ ہو۔ لیکن دین بخش وہ مجھے نہیں جانتی وہ مجھے نہیں جانتی۔ تم دیکھ لینا ایک دن جس طرح علی خیر محمد گوٹھ میں انگریزوں کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی تھی۔ اس طرح کیتھرائن کو بھی یہاں بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ میرا عہد ہے دین بخش یہ میرا عہد ہے''۔ دین بخش ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر اس نے کہا۔

''تو پھر میرے لئے کیا حکم ہے بیگم سائیں! میں اپنا کام شروع کر دوں''؟

''اس وقت جو لوگ کیتھرائن کے خلاف میرے لئے کام کریں گے۔ صحیح معنوں میں وہی میرے دوست ہیں دین بخش! اور میں تمہیں اپنے میکے سے اس لئے لے کر آئی ہوں کہ تم میرے سچے اور وفادار ساتھی ثابت ہو سکتے ہو''۔

''آپ بے فکر رہو۔ بیگم سائیں! آپ پر جو کچھ بیتے گی دین بخش سب سے پہلے اپنے سینے پر برداشت کرے گا۔ آپ بالکل بے فکر رہو''۔ دین بخش نے جاں نثاری سے کہا اور پھر بولا۔ ''تو پھر میرے کو اجازت بیگم سائیں! میں حویلی سے باہر نکل جاؤں گا۔ آپ بے فکر رہو میں اپنے لئے ٹھکانا تلاش کر لوں گا۔ لیکن آپ سے ملتا رہوں گا۔ کوئی نہ کوئی ایسا بہانہ کر کے جس سے کسی کو شبہ نہ ہو''۔

''ٹھیک ہے''۔ شرجیلہ نے کہا۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ علی خیر محمد شاہ فضل شاہ کے منصوبے پر کام کرنے کے لئے خوشی سے تیار ہو گیا تھا۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اس کے باوجود ابھی اس قدر تجربے کار نہیں تھا کہ ہر بات کو سمجھ لیتا۔ وقت سے پہلے جوان کر دیا گیا تھا۔ کیتھرائن نے اسے وہ سب کچھ بھی سمجھا دیا تھا جو ابھی اس کی عمر سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ یہ کام کیتھرائن جیسی عورت ہی کر سکتی تھی۔ جن کے ہاں اقدار کا انداز دوسرا ہوتا ہے۔ لیکن بہرحال کیتھرائن بھرپور جنگ لڑ رہی تھی اور اس جنگ کے لئے اس نے بڑی صاف گوئی سے خود فضل شاہ سے بھی کہہ دیا تھا کہ ایک بدن کو پامال کرنے سے کچھ نہیں حاصل ہوتا۔ زندگی میں اور بھی بہت سے جذبے ہوتے ہیں۔ اگر

فضل شاہ اس کی اس پیشکش کو قبول نہ کرتا۔ تب بھی کیتھرائن بہر حال اسے تیار کرنے کے لئے اپنے آپ کو بہ خوشی قربان کر دیتی۔ یہی اس کا اپنا طریقہ زندگی تھا۔ اور بات اس کی اپنی ذات کی نہیں تھی۔ بلکہ اس ماحول کی تھی جس میں اس نے آنکھ کھولی تھی۔ کسی کو برا کہنے سے کچھ نہیں حاصل' انسان جو کچھ ہوتا ہے۔ اس ے بارے میں وہی سب کچھ کیا جاتا ہے۔ فضل شاہ کی ہدایت پر امیر شاہ بہت کچھ کر رہا تھا۔ ادھر علی خیر شاہ آزاد تھا بالکل۔ ویسے بھی وہ اپنے اوپر پابندیاں قبول کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اس دن کے بعد سے امینہ بائی کے ہاں بھی کبھی نہیں گیا تھا۔ حالانکہ وہاں بڑے عجیب وغریب اثرات چھوڑ آیا تھا۔ لیکن خود اس قدر مضبوط قوت ارادی کا مالک تھا کہ وہاں کا ماحول اچھا لگنے کے باد جود اس نے ابھی تک وہاں جانے کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ جب کہ چاہتا تو جا سکتا تھا۔ البتہ اعلا سوسائٹی کا بھر پور طریقے سے جائزہ لے رہا تھا۔ وہ امیر شاہ نے اسے ایک ساتھی بھی مہیا کر دیا تھا۔ اس کا نام اوصاف تھا۔ اوصاف ایک مقامی نوجوان تھا۔ ملازمت کا متلاشی پڑھا لکھا۔ بہر حال علی خیر شاہ سے عمر میں کافی بڑا تھا۔ بہت چالاک' بہت ذہین' بہترین ڈرائیونگ کر لیا کرتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے علی خیر محمد شاہ کی توجہ حاصل کر لی تھی۔ علی خیر شاہ نے اس سے کہا تھا۔

''بابا! تمہیں میرے ساتھ دوستی نبھانے کے لئے بہت کچھ کرنا ہوگا''۔

''آپ فرماؤ شاہ جی۔ میرا نام اوصاف ہے کوشش کروں گا کہ اپنے آپ کو آپ کی غلامی کے قابل ثابت کر دوں''۔

''نہیں بابا نہیں۔ غلام اس وقت تسلیم کئے جاتے ہیں جب عمر ساٹھ سال کے اوپر نکل جائے۔ مجھے تو دوست چاہئے''۔

''سائیں! بات اصل میں یہ ہے کہ حکم ماننے والے کو اگر غلام کہا جا سکتا ہے۔ تو ہم غلام ہیں۔ محبت کی نگاہ سے دیکھے جانے والے کو ایک دوست کہا جا سکتا ہے۔ تو ہم دوست ہیں۔ یہ تو آپ کی مرضی سے آپ سمجھو یا دوست ملکیت ہیں آپ کی''۔ علی خیر شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

''یار! اور کچھ تم ہو یا نہیں ہو لیکن آدمی چالاک ہو''۔

''سائیں! کا یہ تمغہ بھی ہم سر سینے پر سجا لیتے ہیں''۔

''پوچھو چالاک میں تمہیں کیوں کہہ رہا ہوں''؟

''سائیں! آپ مجھے چالاک کیوں کہہ رہے ہیں''؟

''اس لئے کہ تم دل میں اتر جانے والی قوت رکھتے ہو''۔

''سائیں! ایک بات کہوں قدر شناس ضروری ہوتا ہے ابھی تو یہ ابتداء ہے آپ آگے کی بات کرو۔ اپنے آپ کو اس قابل ثابت کرنے کے لئے ہمیں جتنی محنت کرنا ہوگی تم جانتے ہو''۔

''اچھا خیر چھوڑو یار! زندگی کی رنگینیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے''۔

''پچاس سال کی عمر تک سائیں انسان کو اپنے اندر ان احساسات کا ذخیرہ کرتے رہنا چاہئے۔ جو پچاس سال کے بعد زندہ رہنے میں مدد دیں۔ میری بات سمجھ میں آ گئی نا سائیں''!

''غور کر رہا ہوں۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ پچاس سال تک اتنے عیش کر لئے جائیں کہ بعد میں ان یادوں کو سینے سے لگا کر جیا جا سکے''۔

''سائیں! آپ نے مجھے چالاک کہا۔ مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت ہے''۔

''ہاں کہو''۔

''آپ بہت سمجھ دار ہیں''۔ دونوں ہنسنے لگے تھے۔ بہر حال علی خیر محمد نے اوصاف کو پسند کیا تھا۔ ادھر امیر شاہ اس کوٹھی کی تکمیل میں مصروف تھے۔ جو فضل شاہ کی ملکیت تھی اور وسیع وعریض علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ فضل شاہ اس کوٹھی پر بے پناہ اخراجات کر رہا تھا۔ ویسے بھی اس قدر حسین کوٹھی تھی کہ دیکھنے والا ایک لمحے کے لئے رک کر اسے باہر سے دیکھتا تھا اور جس نے اسے اندر سے دیکھ لیا۔ وہ تو اس کا دیوانہ ہی ہو جاتا تھا۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر وہ عمارت تھی جو فضل شاہ کا ٹارگٹ تھی۔ یعنی مرزا طارق بیگ کی کوٹھی۔ لوکیشن ایسی تھی کہ مرزا طارق بیگ کی کوٹھی پر اس کوٹھی کی اوپری منزل سے نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ چنانچہ بڑی احتیاط کے ساتھ کام کیا جا سکتا تھا۔ دو انتہائی خوبصورت اور قیمتی کاریں کوٹھی پہنچا دی گئی تھیں۔ جو آگے چل کر علی خیر شاہ کے استعمال میں آنے والی تھیں۔ درحقیقت علی خیر محمد گوٹھ میں علی خیر شاہ کو شاید اتنی مراعات نہ ملتیں۔ چونکہ وہاں کی اپنی ایک زندگی تھی۔ لیکن فضل شاہ بے دریغ دولت خرچ کر کے اسے واقعی شہزادوں جیسی زندگی دے رہا تھا۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ علی خیر محمد خود بھی ایک شان دار شخصیت کا مالک تھا اور پھر جب کوٹھی مکمل طور پر تیار ہو گئی تو امیر شاہ نے فضل شاہ کو اس کا دورہ کرایا۔ فضل شاہ ایک ایک چیز کو بہ غور دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ امیر شاہ نے کہا۔

''سائیں! آپ کے خیال میں اس کوٹھی کو اس شکل میں لانے میں کتنا خرچہ ہو گیا ہو گا''۔

''امیر شاہ' میں نے تم سے کہہ دیا تھ کہ خرچ کا نہ تو حساب رکھنا ہے نہ اس کا اندازہ لگانا ہے۔ہم حساب تو اس وقت کا رکھیں گے جب مرزا طارق بیگ ہماری مٹھی میں ہوگا۔ یہ تو کھیل ہے۔ہم نے جس طرح یہ دولت کمائی ہے اسی طرح خرچ بھی کر رہے ہیں۔ جس دولت کو کمانے کے لئے ہم نے بے دردی سے کام لیا ہے۔اسے خرچ کرنے میں بے دردی سے کام کیوں نہ لیں''۔

''یہ تو ٹھیک ہے سائیں! دولت ہوتی ہی اس لئے ہے کہ خرچ کی جائے''۔

''بس تو پھر یہ کیوں پوچھتے ہو''۔

''نہیں سائیں ایسے ہی تخمینہ لگانے کے لئے آپ نے واقعی اس پر بے پناہ پیسہ خرچ کیا ہے''۔

''اس پر بے پناہ پیسہ خرچ کرنے کے بعد ہم بے پناہ پیسہ کمائیں گے بھی۔علی خیر محمد ہماری امیدوں کا مرکز ہے۔ بہت کچھ حاصل کریں گے ہم اس سے۔کیا سمجھے''۔

''سمجھ رہا ہوں سائیں! سمجھ رہا ہوں''۔امیر شاہ نے کہا تھا۔

کوٹھی تیار ہوگئی تو ایک دن خود فضل شاہ اور امیر شاہ علی خیر محمد کو لے کر اس کوٹھی میں آئے۔اوصاف کو ٹیلی فون پر بتا دیا گیا تھا کہ اس وقت وہ علی خیر محمد کے پاس نہیں ہوگا۔علی خیر محمد کوٹھی میں داخل ہوا۔دونوں اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہے تھے۔علی خیر محمد نے پسندیدگی کی نگاہ سے اس کوٹھی کو ضرور دیکھا۔لیکن حد سے زیادہ متاثر ہونے والی کیفیت اس پر طاری نہ ہوئی تو فضل شاہ نے امیر شاہ کے کان میں کہا۔

''اصل میں اس لڑکے کی لاتعداد خوبیاں میرے تجربے کی بنا پر تھیں اور میرے تجربے کی تصدیق ہو رہی ہے۔تم نے اس کے چہرے کے تاثرات پر غور کیا''۔

''جی سائیں''

''کیا محسوس''؟

''سائیں! یوں لگا جیسے اس نے کوٹھی کو پسند ضرور کیا ہو۔لیکن اتنا متاثر نہیں ہوا کہ حیران ہو جاتا''۔

''یہ بھی اس کی خوبی ہے۔ یہ خوبی ہمیشہ بڑے آدمی میں ہوا کرتی ہے بہت بڑے آدمی ہیں۔تم سیر چشمی کے لفظ کو جانتے ہو''۔

''جی سائیں''۔امیر شاہ نے کہا۔

''یہ سیر چشم ہے اور یہ چیز فطرت کا ورثہ ہوتی ہے۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا''۔

''جی سائیں! میں سمجھ رہا ہوں''۔

''یہ چیز انسان کو بڑا ظاہر کرتی ہے''۔ پوری کوٹھی کا جائزہ لینے کے بعد فضل شاہ نے اس سے سوال کیا۔

''ہاں۔شہزادہ خرم! اب یہ بتاؤ۔کسی چیز کی کمی محسوس ہوتی تمہیں''۔علی خیر محمد نے مسکراتے ہوئے فضل شاہ کو دیکھا اور بولا۔

''نام پسند آیا۔سائیں فضل شاہ! آپ نے مجھے شہزادے خرم کہہ کر مخاطب کیا''۔

''ہاں یہ نام میں نے اپنی پسند سے تمہارے لئے رکھا ہے۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم نے اس کی تصدیق کر دی۔اب تمہارا نام شہزادہ خرم ہے اور یہ کوٹھی تمہاری ملکیت ہے تمہیں کیسی لگی''۔

''بہت اچھی ہے سائیں! زندگی کی ہر ضرورت سے مالا مال۔اس کے در و دیوار سے ایک دولت مند آدمی کی جھلکیاں ملتی ہیں اور شہزادے دولت مند ہی ہوا کرتے ہیں''۔فضل شاہ اور امیر شاہ ہنسنے لگے تھے۔فضل شاہ نے کہا۔

''دیکھا امیر شاہ! وہ کس قدر ذہین ہے اور کتنا صحیح بولنے والا۔تمہیں اس بات سے اختلاف ہے''۔

''بالکل نہیں سائیں! اختلاف کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہے''۔

''ادھر آؤ۔اب میٹنگ ہو جائے''۔تینوں ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔

''اوصاف ہمارا اپنا آدمی ہے وہی کہے گا جو ہم چاہتے ہیں۔اب یہاں مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ تمہیں ہر طرح سے اپنا وہ کام سرانجام دینا ہے جس کے لئے ہم نے منصوبہ بندی کی ہے۔تم نے اس سے اتفاق کیا ہے اگر تم اس سے اتفاق نہ کرتے تو یقیناً تمہیں مجبور نہیں کیا جاتا۔ یہ تصویر مرزا طارق بیگ کی بیٹی عالیہ بیگ کی ہے۔دیکھو دیکھو'۔فضل شاہ نے ایک تصویر نکال کر اس کے سامنے رکھ دی اور علی خیر محمد تصویر پر جھک گیا۔پھر مسکرا کر بولا۔

''سائیں! فضل شاہ آپ کا ہر کام معیاری ہوتا ہے یہ اس کوٹھی کی طرح خوبصورت ہے''۔فضل شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے امیر شاہ کو دیکھا اور بولا۔

''تم اس لڑکے کی باتیں سن رہے ہو یہ تو ہمارے بھی کان کاٹ رہا ہے خیر! شہزادہ خرم تم کینیا سے آئے ہو۔تمہارے والد کا نام تم خود تجویز کر لینا وہاں پر چائے کے باغات کے مالک تھے اور بہت بڑا کاروبار تھا ان کا' ان کا انتقال ہوگیا۔تمہاری ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی۔

ان کے انتقال کے بعد تمہارا دل وہاں سے ہٹ گیا۔تم نے اپنے باغات فروخت کئے۔ تمہارے باپ کی جائیداد یہاں پر بھی تھی جن میں یہ کوٹھی بھی شامل تھی۔تم نے اس کوٹھی کو ٹھیک ٹھاک کرایا اور آخر کار یہاں آ گئے۔تمہارے پاس اتنی دولت ہے کہ تمہاری کئی نسلیں عیش وآرام سے گزارا کرسکتی ہیں لیکن تم نے سوچا ہے کہ تم اپنا کاروبار دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلاؤ گے اور اس کے لئے تمہارے آدمی کام کررہے ہیں۔کیا خیال ہے کہانی یاد رہے گی''۔

''کہانی نہیں سائیں! میں تو شہزادہ خرم ہوں اس میں کوئی شک ہی نہیں ہے''۔

''ہاں۔مجھے اتنا ہی اعتماد چاہئے۔خیر تو مطلب یہ ہوا کہ یہاں قیام کرو گے۔تمہیں اس لڑکی سے دوستی کرنی ہے اور اس کے بعد اس کے سہارے تم مرزا طارق بیگ تک پہنچو گے۔ اس گھر میں اپنے پنجے گاڑلو گے۔تمہارا سرپرست تو کوئی ہے نہیں۔تم ان لوگوں سے خوب راہ و رسم بڑھاؤ گے۔مرزا طارق بیگ اگر اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کرنا چاہے گا تو کرو گے تم تیار ہو جانا ہماری منزل وہی ہے کھیل بے شک لمبا ہے لیکن کھیلنا ہے اس کے بعد دوسرا منصوبہ اس وقت شروع ہوگا جب مرزا طارق بیگ کے داماد بن جاؤ گے اور میری بات سنو۔یہ تو چٹکیوں کے کھیل ہوتے ہیں کام ہونے کے بعد لڑکی تمہیں اگر پسند ہو۔تو جتنا وقت دل چاہے اس کے ساتھ گزارنا اور جب اس سے دل بھر جائے تو اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکنا یا پھر اگر مجبوری ہی ہو تو اسے اپنی ہی زندگی سے نہیں اس کی بھی زندگی سے نکال پھینکنا''۔فضل شاہ نے ہنستے ہوئے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

بہرحال تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی پھر علی خیر محمد نے کہا۔

''اوصاف میرے ساتھ رہے گا''۔

''ہاں بالکل وہ قابل اعتبار آدمی ہے۔بہت ذہین اور بہت سمجھدار ہے وقت پڑنے پر تمہیں مشورے دیتا رہے گا۔کیونکہ میں اور امیر شاہ تو اب صرف اجنبی ہو جائیں گے۔ تمہارے لئے مرزا طارق بیگ ہم دونوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ہماری تمہاری تمام تر گفتگو صرف فون پر ہوا کرے گی۔ٹھیک ہے''۔

''جی''۔

''اور یہاں جو ملازم ہیں وہ تمہیں صرف شہزادہ خرم کے نام سے جانیں گے۔اس بات کو ذہن میں رکھنا اور ایک بات اور کہوں ایک بڑا بینک بیلنس تمہارے نام منتقل کردیا گیا ہے۔تمہارا اکاؤنٹ کھول دیا گیا ہے۔کلفٹن برانچ میں اور تم زبردست شاہ خرچی کرو گے۔ تحفے تحائف دینے میں۔اخراجات کرنے میں مطلب یہ ہے کہ تم ہر طرح سے ان لوگوں کا

ساتھ دو گے۔بات سمجھ میں آ رہی ہے''۔

''جی! سائیں فضل شاہ! آپ نے حکم دے دیا ہے۔میں آپ کے معیار پر پورا اتروں گا۔آپ بالکل بےفکر رہو''۔یہ ساری باتیں سمجھانے کے بعد فضل شاہ نے امیر شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں امیر شاہ بولو۔اب کیا ارادہ ہے''؟

''چلیں سائیں! ہمارا کام تو پورا ہو چکا ہے''۔

''جی''۔پھر اس کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔

علی خیر محمد اپنے بیڈروم میں آگیا اور ایک کوچ پر نیم دراز ہو کر آگے کے بارے میں سوچنے لگا۔مختصری زندگی تھی لیکن کتنے کردار نگاہوں کے سامنے آ کر پھیل گئے تھے۔کتنی انوکھی تبدیلیاں ہوئی تھیں زندگی میں علی خیر محمد گوٹھ 'مکرم شاہ' ماں افریشم بہنیں دادی سائیں وہاں سے ہٹ کر غازی شاہ کیتھرائن اور کیتھرائن کا تصور ایک عجیب سی حیثیت رکھتا تھا۔کیتھرائن نے ایک انتہائی انوکھا کردار ادا کیا تھا۔حالانکہ ساری برائیاں ہونے کے باوجود وہ بدکردار عورت نہیں تھی۔مرد پرست نہیں تھی لیکن دیوانگی میں اتنی آگے نکل گئی تھی کہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو جایا کرتی تھی۔علی خیر محمد کو اس نے اپنا کوئی مناسب کردار نہیں دکھایا تھا۔بلکہ اسے زندگی کی ہر برائی سے روشناس کرانے کے لئے کچھ برائیاں اپنے اوپر بھی طاری کرلی تھیں۔وہاں سے نکلا اور کھدوانا تک پہنچا۔کھدوانا ایک خوں خوار شخصیت تھی۔علی خیر محمد نے جہاں سے جو اسے حاصل ہوا حاصل کرلیا۔قتل کئے' ہاں کیتھرائن کے اور غازی شاہ کے خلاف وہ کچھ لوگوں کی باتیں نہیں سن سکا تھا۔وہاں بھی اس نے قتل کرلیا تھا۔پھر آنکھ مچولی کا کھیل چلتا رہا تھا۔

اوصاف کو تقریباً اس کے بارے میں تمام تفصیلات بتا دی گئی تھیں۔اوصاف خاص طور سے ان کی اپنی منڈلی کا آدمی تھا۔بہترین معاوضے پر اسے علی خیر محمد پر مسلط کردیا گیا تھا اور اسے اس کی ذمے داریاں بتا دی گئی تھیں۔علی خیر محمد پر اس نے اس طرح جال ڈالا تھا کہ وہ اس کی دوستی کا دم بھرنے لگا تھا لیکن اوصاف کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ علی خیر محمد ایک سیدھا چلتا ہوا سانپ ہے۔اگر کہیں بھی پلٹ کر پھن مارے تو اس سے ہوشیار رہا جائے کیونکہ بہرحال اس کا طرز یہی ہے۔اوصاف نے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا تھا۔یہاں تک کہ اوصاف کو کوٹھی بھیج دیا گیا۔کوٹھی میں انتہائی حسین کاریں کھڑی ہوئی تھیں وہ علی خیر محمد کے پاس پہنچ گیا۔

''ہیلو شہزادہ خرم''۔اس نے اسے نئے نام سے مخاطب کیا اور علی خیر محمد ہنسنے لگا پھر بولا۔

''بابا! تم تو جادوگر معلوم ہوتے ہو۔ یہ نام تو ابھی صرف دو افراد کو معلوم تھا''۔

''تیسرا میں ہوں لیکن جادوگر میں بالکل نہیں ہوں۔ شہزادہ خرم کیونکہ نئی کوٹھی کے ساتھ نیا نام ہونا تو ضروری تھا''۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں آگے کی تفصیل تو معلوم ہوگی''۔

''بالکل نہیں۔ دیکھو میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔ شہزادہ خرم صورتحال کچھ ایسی ہے کہ مجھے تھوڑے سے اختیارات دے دیئے گئے ہیں یعنی یہ کہ آپ سے محبت کروں۔ آپ کے ساتھ رہوں۔ آپ کے ہر اچھے برے کا خیال رکھوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ کام الٹا آپ کر ڈالیں گے میرے لئے۔ اس لئے کہ بہت چھوٹی سی عمر میں آپ کو بہت بڑے بڑے تجربات بھی ہوئے ہیں۔ لیکن پھر بھی ڈیوٹی تو ڈیوٹی ہوتی ہے۔ مجھے نام بتا دیا گیا تھا آپ کا لیکن کام نہیں بتایا گیا تھا''۔

''چلو کوئی بات نہیں ڈیئر اوصاف کام بھی بتا دیں گے۔ ویسے میں تمہیں سچ بتاؤں' گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر جنگلوں کی خاک چھاننے کا مزہ الگ ہے۔ پولیس مقابلے پر آتی ہے تو گن گن کر اس کے آدمی مارنے ہوتے ہیں۔ کھدوانا یہی کیا کرتا تھا جس نے جتنے بندے مارے اس کی اتنی ہی بڑی عزت ہوئی۔ یہ بڑا ضروری مسئلہ تھا۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو یہ نہ جنگل ہے نہ ریگستان' نہ چٹیل اور بنجر علاقے نہ چلچلاتی دھوپ' نہ اڑتی ہوئی گرد' نہ پھیلے ہوئے کھنڈرات یہ تو کراچی ہے۔ روشنیوں کا شہر' روشنیوں کے اس شہر میں ہم بھی کچھ اور چراغ جلائیں گے' پیار کے محبت کے چراغ''۔

''واہ سائیں واہ۔ اس کوٹھی میں آنے کے بعد تو آپ نے شاعری شروع کر دی''۔

''سچ بتانا کوٹھی اتنی خوبصورت نہیں ہے کہ یہاں بیٹھ کر شاعری کی جائے''۔

''ہے سائیں! آیئے اوپر چلتے ہیں''۔

''ہاں۔ ابھی تو میں نے اوپر کا حصہ دیکھا ہی نہیں' آؤ چلیں''۔ جب وہ اوپر پہنچے تو انہوں نے کچھ اور ہی حسین مناظر دیکھے۔ دور دور تک خوبصورت کھلونوں کی طرح بکھرے ہوئے مکان سمندر کے کنارے بنی ہوئی سیڑھیاں سفید جھاگ اڑاتا ہوا سمندر رات کو جب کنارے کی یہ روشنیاں جل جاتی ہیں تو لگتا ہے جیسے سمندر کی تصویر نگاہوں کے سامنے ہو۔ جھاگ روشن ہو جاتی ہیں اور پانی کی لہریں روشنی میں جا کر ساحل کی طرف دوڑتی ہوئی بے حد حسین لگتی ہیں قریب و جوار میں پھیلے ہوئے انسانوں کے گروہ گھر کی تھکن اتارنے کے لئے ساحل پر مٹر گشت کرتے ہوئے۔ کیا حسین منظر تھا۔ علی خیر محمد نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''بابا۔ ویسے تو ہم نے بہت کچھ دیکھا ہے لیکن یہ قدرتی منظر بہت عجیب ہے اوصاف! دیکھو تمہیں معلوم ہے سمندر کہاں تک چلا گیا ہے''۔

''نہیں شہزادہ خرم! میں نہیں جانتا''۔

''یار! بڑے پرفیکٹ آدمی ہو ایک بار بھی تم نے مجھے میرے نام سے نہیں پکارا''۔

''یہ ضروری ہے آپ کے ذہن میں بھی یہ نام اس طرح جذب ہو جانا چاہئے کہ اگر کوئی آپ کو علی خیر محمد کے نام سے پکارے تو آپ اس کی طرف رخ کر کے بھی نہ دیکھیں''۔

''گویا ہمارا نام ختم ہو گیا''۔

''نہیں سائیں! آپ کا نام محفوظ ہو گیا ہے۔ کچھ وقت کے لئے''۔

''ٹھیک ہے۔ اوصاف! ہمارے سپرد ایک ذمے داری کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں تمہارے تعاون کی ضرورت ہے''۔

''جی سائیں! حکم کریں''۔

''ایک لڑکی ہے مرزا طارق بیگ کی بیٹی اور مرزا طارق بیگ کی حویلی یہ نظر آ رہی ہے۔ وہ سامنے''۔

''وہ حویلی نہیں کوٹھی ہے سائیں''۔

''ہاں یار! اسی کی بات کر رہے ہیں۔ تو وہ لڑکی عالیہ اس کوٹھی میں رہتی ہے۔ ہمیں اس سے دوستی کرنی ہے۔ محبت کرنی ہے اور بعد میں شادی کرنی ہے''۔ اوصاف نے حیرانی کا اظہار کیا۔ حالانکہ یہ حقیقت بھی اس کے علم میں تھی کہ علی خیر محمد کو یہاں اس کوٹھی میں کیوں بھیجا گیا ہے۔ کچھ دیر تک خاموشی طاری ہے۔ نہ جانے علی خیر محمد کس سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے گردن اٹھائی اور بولا۔

''ڈیئر اوصاف! میں نے کبھی اس طرح کا کوئی کام نہیں کیا۔ میرا مطلب ہے کہ آج تک اس کا موقع ہی نہیں ملا بس اپنے گوٹھ میں تو اس بات کے کوئی امکان نہیں تھے۔ چچی سائیں نے حالانکہ بڑی بے تکلفی سے مجھے بہت سی باتیں بتائیں تھیں۔ لیکن یہ میری پسند کی باتیں نہیں تھیں اس لئے میں نے ان پر توجہ نہیں دی۔ اب ذرا تم میرے کو گائیڈ کرو گے کہ میرے کو کیا کرنا ہے۔''

''آپ مجھے ایک بات بتایئے شہزادہ خرم! وہ یہ کہ آپ کی فطرت' آپ کی طبیعت سے میں اچھی طرح واقف ہو گیا ہوں۔ آپ صرف وہ کام کرتے ہو جو آپ کو ذاتی طور پر پسند ہو۔ باقی آپ کسی بات کی پروا نہیں کرتے۔ میں آپ سب کا غلام ہوں۔ ظاہر ہے مجھے تنخواہ ملتی ہے اپنے ہر عمل کی۔ ایسی صورت میں سائیں! میں کسی بھی طرح سائیں فضل شاہ یا کسی اور کے حکم سے روگردانی نہیں کرتا۔ ایک دوست کی حیثیت سے اگر کچھ سوالات میرے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ تو آپ سے پوچھ لیا کرتا ہوں۔ میرے ان سوالات سے آپ کو کوئی الجھن تو نہیں ہوتی۔ آپ برا تو نہیں مانتے سائیں؟''

''نہیں سائیں! اسی دوست سے میں ایک بات پوچھتا ہوں۔ کیا آپ کو خود یہ سب کچھ پسند ہے؟''

''ہاں۔ اوصاف! زندگی کا یہ رخ بھی تو ہے اور شاید جوانی میں یہ سب کچھ اچھا بھی لگتا ہے۔''

''حالانکہ آپ ابھی جوان کہاں ہوئے ہیں سائیں!''

''خیر چھوڑو۔ ان باتوں کو جو کچھ بھی ہوا ہے۔ وہ ایک الگ بات ہے۔''

''سائیں! دو افراد اور یہاں آنے والے ہیں۔ میں ان سے واقف ہوں۔ شام تک یہاں پہنچ جائیں گے۔''

''ان میں سے ایک کا نام حمایت شاہ ہے اور دوسری عدیلہ شاہ یعنی حمایت شاہ صاحب کی بیوی۔ سائیں یہ آپ کے گارجین بنیں گے۔''

''ارے' ہاں۔ مگر تعجب کی بات ہے۔ سائیں فضل شاہ اور امیر شاہ آئے تھے' انہوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔''

''یہ ڈیوٹی میرے سپرد کی گئی تھی سائیں! میں نے یہ ڈیوٹی پوری کی ہے۔ وہ آپ کے سرپرست ہوں گے۔ وہ دیکھو شاید وہ آ گئے۔'' سامنے ہی ایک ٹیکسی آ کر رکی تھی۔ ٹیکسی سے جو دو افراد نیچے اترے تھے۔ انہیں دیکھ کر علی خیر محمد نے کہا۔

''پرسنلیٹی تو بہت اچھی ہے ان لوگوں کی چلو شکر ہے سائیں فضل شاہ نے انہیں میرا ماں باپ نہیں بنایا۔ کسی اجنبی آدمی کو اپنا باپ کہتے ہوئے مجھے اچھا نہیں لگتا۔ انکل اور آنٹی کہہ سکتا ہوں میں انہیں۔''

''یہ تو آپ کو کہنا ہی ہوگا۔''

''اب تم جاؤ اور انہیں اوپر ہی بلا لاؤ۔'' علی خیر محمد نے یہاں اپنی فطرت کا اظہار کیا تھا۔ ان لوگوں کو لینے کے لئے وہ خود نیچے نہیں گیا تھا۔ بہر حال یہ سارا عمل ایک خاص حیثیت کا حامل تھا۔ اوصاف وہاں سے چلا گیا۔ ان لوگوں سے اس کی جو کچھ بھی باتیں ہوئی ہوں۔ لیکن جب وہ دونوں تھوڑی دیر کے بعد اوپر آئے تو علی خیر محمد نے انہیں استقبالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا نہیں تھا۔ حمایت شاہ خود ہی اس کے پاس آیا اور جھک کر اس سے ہاتھ ملایا۔

''میں اس وقت شہزادہ خرم سے مخاطب ہوں۔''

''ہیلو ایوری باڈی۔ آیئے پلیز بیٹھئے۔'' علی خیر محمد نے کہا اور وہ دونوں مسکرا کر بیٹھ گئے۔

''ویری گڈ۔ بہت اچھی شخصیت ہے ہمارے خرم صاحب کی۔''

''آپ لوگ بھی مجھے بہت پسند آئے ہیں۔''

''خرم صاحب میرا نام حمایت علی شاہ ہے اور یہ میری مسز عدیلہ شاہ۔''

''ہاں۔ آپ لوگ سے مل کر مجھے واقعی خوشی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اچھی شخصیت کے لوگ میری پسند کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ آپ لوگ میرے سرپرستوں کی حیثیت سے میرے ساتھ قیام کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو میرے آئندہ احکامات کے بارے میں معلومات ہوگی۔''

''پوری طرح' ہمارے درمیان' میرا مطلب ہے کہ اس وقت ہم چار افراد ہیں۔''

مجھے بتا دیا گیا ہے کہ مسٹر اوصاف بھی اس معاملے میں برابر کے شریک ہیں۔''

''جی جی جی۔ اب آپ یہ بتایئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کروں۔''

''نہیں۔ خدمت تو مجھے کرنی ہے تم سب کی۔'' عدیلہ شاہ نے کہا۔ پھر وہ بولی۔

''جو خوبصورت ماحول یہاں نظر آرہا ہے اور جس طرح ہم سمندر کی لہروں کو دیکھ رہے ہیں۔ ان لہروں میں اگر کافی کا کپ بھی شامل ہو جائے اور بہت اچھے قسم کے بسکٹ تو میں سمجھتی ہوں ان کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔''

''ہم کافی پئیں گے۔'' علی خیر محمد نے کہا اور عدیلہ شاہ وہاں سے چلی گئی۔ حمایت شاہ نے کہا۔

''سائیں فضل شاہ اور سائیں امیر شاہ نے مجھے پوری طرح بریف کیا ہے۔ ایک بار ہم اپنی باتیں پھر سے وہرائے لیتے ہیں۔ ہم لوگ کینیا سے اپنا کاروبار ختم کر کے یہاں پہنچے ہیں۔ میں آپ کا گارجین ہوں۔ ہم لوگ ابھی یہ فیصلہ کرنے میں وقت لگائیں گے کہ ہمیں آگے کیا کرنا چاہئے۔ یہ فیصلہ بھی کر سکتے ہیں ہم کہ ابھی ہم کچھ نہیں کریں گے تھوڑی سی واقفیت حاصل کریں گے۔ ماحول سے اور اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ ہمیں آگے کیا کرنا چاہئے۔ ٹھیک ہے ناخرم شاہ صاحب۔''

''جی، جی۔ بالکل۔''

''بس اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ آپ کے علم میں ہے۔''

''ہاں میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ ہم باقی باتوں سے بھی واقف ہیں۔''

''او کے بس اس سے زیادہ مجھے آپ سے اور کوئی گفتگو نہیں کرنی۔'' کافی پی گئی اور اس کے بعد وہ لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد علی خیر محمد بھی اپنے بیڈ روم میں آگیا تھا۔

کوٹھی میں پہلی رات۔ دوسری رات۔ تیسری رات بھی گزر گئی۔ ملازمین تھے۔ ایک ماحول تھا۔ چہل پہل تھی۔ سیر و سیاحت تھی۔ کئی گاڑیاں تھیں۔ علی خیر محمد اب اپنی گاڑی لے کر نکل جایا کرتا تھا۔ ابھی تک وہ لوگ عالیہ کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ پھر ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ سمندر کے کنارے گھوڑے گشت کر رہے تھے۔ یہ عام دن تھا اور اس وقت بالکل رش نہیں تھا۔ ایک گھوڑا بھڑک گیا۔ اس پر ایک لڑکی سوار تھی۔ علی خیر محمد اس وقت اپنی سیاہ رنگ کی اسپورٹس کار میں ساحل کے کنارے آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ اوصاف بھی اس وقت اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اس نے بھڑکے ہوئے گھوڑے کو دیکھ لیا۔ گھوڑا بہت خوفناک انداز میں

دوڑ رہا تھا اور اس کی پشت پر ایک رنگین لباس میں ملبوس لڑکی نظر آرہی تھی۔ وہ گھوڑے کی گردن سے چمٹ گئی تھی۔ علی خیر محمد نے کار کی رفتار تیز کر دی اور تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑے کے برابر دوڑنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کوئی ترکیب سمجھ نہیں آرہی تھی دفعتاً ہی اس نے کار کو پوری رفتار سے آگے بڑھایا اور دو سو گز جا کر اسے گھوڑے کے راستے میں جا کر کھڑا کر دیا اور پھر جس پھرتی سے وہ نیچے اترا وہ قابل دید تھا۔ دوڑتا ہوا گھوڑا آن کی آن میں کار تک پہنچا اور پھر کار کو اپنی راہ میں رکاوٹ پا کر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ علی خیر محمد شاہ کی توقع کے مطابق تھا۔ گھوڑا تو کار کو پھلانگ کر آگے نکل گیا لیکن لڑکی اس کی پشت سے نیچے گری تھی اور دوسرے لمحے وہ علی خیر محمد کے بازوؤں میں تھی۔ اس نے اسے زمین تک نہیں پہنچنے دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا بڑی مہارت اور ہمت کے ساتھ کیا گیا تھا۔ یہ ایک عام کام نہیں تھا۔ لیکن لڑکی کی ہڈیاں ٹوٹنے سے بچ گئی تھیں۔ اب علی خیر محمد نے شکل و صورت تو اس کی بعد میں ہی دیکھی تھی اور اس شکل و صورت کو دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی تھی کہ اس نے ایک اتنی حسین لڑکی کو برباد ہونے سے بچا لیا۔ لڑکی چند لمحات کو سکتے کے سے عالم میں اس کی آغوش میں رہی۔ اس کے بعد اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

''اگر آپ کا معاوضہ پورا ہو گیا ہو۔ تو اب مجھے نیچے اتار دیں۔'' ایک لمحے تک تو بات علی خیر محمد کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن لڑکی کے گداز جسم کا لمس محسوس کر کے وہ چونکا اور اس نے اسے نیچے اتار دیا۔ لڑکی کے الفاظ کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''محترمہ! اتنا کم معاوضہ آخر آپ اسے معاوضہ کیسے کہہ سکتی ہیں۔ آپ تو قدرتی طور پر ایک پکے ہوئے پھل کے مانند میرے بازوؤں میں آ گئی تھیں۔ اگر آپ چاہتی تو خود بھی نیچے اتر سکتی تھیں۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔''

''اصل میں، میں نے محسوس کر لیا تھا کہ میرا محسن بڑی دلچسپی سے مجھے اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے'' لڑکی ضرورت سے زیادہ تیز نظر آرہی تھی۔

''تو پھر آپ اپنے اس خیال کی تصحیح کر لیں کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اصولی طور پر تو مجھے چاہئے تھا کہ گھوڑے سے لپک کر آپ کو دور پھینک دوں۔''

''ارے ارے اب اتنا نیک کام کیا ہے آپ نے اور ذرا سی بات پر ناراض ہو رہے ہیں۔ پلیز! میں مذاق کر رہی تھی' آپ برا مان گئے۔''

''اب ٹھیک ہیں نا۔ یہ بتائیے کہ گھوڑے کی پشت پر آپ کیسے اگ آئیں۔''

''واہ۔ اگ آئیں کا لفظ پسند آیا۔ اگی نہیں ہوں جناب! بلکہ ادھر دیکھئے کچھ بے وقوف دوڑے چلے آرہے ہیں جنہوں نے مجھے زبردستی گھوڑے کی پشت پر سوار کروا دیا تھا۔ بعض اوقات بے تکے مذاق بڑے سنگین ہو جاتے ہیں جان نکل رہی ہوگی ان کی۔ ایکسکیوزمی ایک کام کریں گے آپ میرا ساتھ دیں گے۔''

''جی فرمائیے۔''

میں یہاں لیٹ جاتی ہوں زمین پر تھوڑی دیر تک بے ہوش ہونے کی اداکاری کروں گی۔ آپ بھی میرے بارے میں تشویش کا اظہار کیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے' کرلیں جو آپ کا جی چاہئے۔''

''لیکن بے ہوش ہونے سے پہلے میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔ میرا نام عالیہ ہے اور میں یہیں اسی علاقے میں رہتی ہوں۔ تھوڑے سے فاصلے پر میری کوٹھی ہے۔ جس کا نمبر 132 ہے۔ اوکے۔''

واقعتاً ہی علی خیر کو یاد آ گیا کہ یہی نام اور یہی کوٹھی نمبر اسے بتایا گیا تھا۔

عالیہ نے آنکھیں بند کریں لیکن علی خیر اسے حیران نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ تو یہ ہے وہ لڑکی جس کے لئے سارے کھیل کا آغاز کیا گیا ہے۔ بعض اوقات اتفاقات بھی کس قدر دلچسپ ہوتے ہیں۔ اس تک پہنچنے کے لئے تو بہت سے منصوبے ذہن میں تھے اور خاصے مشکل ہوتے تھے۔ اپنی پسند کے مطابق کسی سے روابط بڑھا لینا بڑا ہی مشکل کام ہوتا ہے لیکن اتفاق نے یہ کام آسان کر دیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر عالیہ کا جائزہ لیا اور دل ہی دل میں یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ یہ لڑکی بے حد پرکشش ہے۔ دودھ جیسا سفید رنگ' انتہائی حسین تراش کے ہونٹ' ستواں ناک' بڑی بڑی آنکھیں' گھٹاؤں کی طرح امڈے ہوئے بال اور پھر باقی جسم جس پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کی زبردست دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اس کے ایک ایک نشیب و فراز کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے۔ سر سے پاؤں تک مجسم حسن لیکن ایسا جسے دیکھ کر دل میں ہوس نہ ابھرے بلکہ ایک پیار ایک احترام کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ انہی خیالات میں علی خیر محمد تھا کہ دوڑتے ہوئے لوگ قریب پہنچ گئے۔ عالیہ کو اس طرح لیٹے دیکھ کر بہت سی بدحواس آوازیں ابھریں اور پھر دو لڑکیاں دوڑتی ہوئی آئیں تھیں اس پر جھک گئیں۔

''ہائے اللہ! بے ہوش ہیں شاید۔''

''دیکھو کہاں زخم آئے ہیں دیکھو تو سہی۔'' آنے والوں میں سے ایک نوجوان لڑکے نے کہا۔

''ہم تو مارے گئے۔ کتے کی موت مارے گئے۔ غلطی ہماری تھی سزا بھی ہمیں ہی بھگتنی پڑے گی۔'' ایک لڑکی بولی۔

''ارے دیکھو تو سہی اپنی اپنی کہانیاں سنائے جا رہے ہو۔ ایک دوسرے کو عالمگیر تم دیکھو کیا ہوا ہے۔'' عالمگیر نامی نوجوان جھکا تو علی خیر محمد ایک دم ہوش میں آ گیا۔

''نہیں بابا نہیں۔ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ زخم تلاش کرنے کی کوشش بیکار ہوگی کیونکہ میں نے انہیں زمین تک پہنچنے ہی نہیں دیا۔'' پہلی بار سب نے چونک کر علی خیر محمد کو دیکھا تھا۔ دونوں لڑکیاں نوجوان تھیں۔ علی خیر محمد کو انہوں نے پہلے سرسری نگاہ سے دیکھا تھا لیکن اس کے بعد اس کی مردانہ وجاہت اور اس کے سارے وجود نے ان دونوں لڑکیوں کو اپنے سحر میں جکڑ لیا اور وہ ایک لمحے کے لئے سکتے کے سے عالم میں رہ گئیں۔ تبھی اس شخص نے جسے عالمگیر کہہ کر پکارا گیا تھا علی خیر محمد سے کہا۔

''تو یہ گھوڑے سے گری نہیں ہیں۔''

''بابا! اندھے ہو آپ لوگ کھلے علاقے میں تیز گھوڑا دوڑا دیا تھا۔ انہوں نے۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ میں آس پاس ہی موجود تھا۔ جب یہ گھوڑے سے گریں تو میں نے انہیں اپنے بازوؤں میں لپک لیا۔''

''بازوؤں میں۔'' ان میں سے ایک لڑکی عجیب سے لہجے میں بولی لیکن اس کے ان الفاظ پر کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ پھر دونوں لڑکیاں عالیہ کے پاس بیٹھ گئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''غلطی ہماری ہے۔ ہمیں یہ مذاق نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو درخشاں! اگر انکل کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ عالیہ کو ہم نے زبردستی گھوڑے پر چڑھا دیا تھا اور پھر گھوڑے کے ایک ہنٹر بھی رسید کر دیا تھا۔ تو انکل ہمیں قتل ہی کر ڈالیں گے۔ وہ یہی سوچیں گے کہ ہم نے عالیہ پر یہ قاتلانہ حملہ کیا ہے اور اس کی باقاعدہ پلاننگ کی گئی ہے۔''

''تم جاسوسی ناول پڑھ پڑھ کر برباد ہو گئے ہو نشاط! فضول باتیں کرتے ہو۔ انکل کو حقیقت تو بتانی ہی پڑے گی۔''

''تو ایک بات ذہن نشین کر و میں بتا دوں گا کہ ساری کارروائی درخشاں کی تھی اور سچ بھی ہے' تو نے ہی تو عالیہ کو جوش دلا دیا تھا۔''

''ارے تم لوگ باتیں ہی بنائے جا رہے ہو یا عالیہ کو یہاں سے لے کر بھی چلو گے۔''

''کیسے لے چلیں پیدل؟''

''ایں۔'' یہ بات کہنے والا چونک پڑا۔ پھر اس نے علی خیر محمد کی طرف دیکھا اور بولا۔

''جناب! آپ ہماری کچھ مدد نہیں کریں گے۔'' اسی وقت عالیہ نے آنکھیں کھول لیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ہوں۔ ایک ایک بات سن لی ہے میں نے تم چاروں کی' حقیقت ہے کہ درخشاں تم نے مجھ سے کہا تھا کہ گھوڑے کی سواری کوئی آسان چیز نہیں ہے جبکہ میں نے یہ بات کہی تھی کہ یہ گھوڑے نہیں ٹٹو ہیں اور ٹٹوؤں پر بیٹھنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا اور پھر عالمگیر بھائی آپ نے اسے چابک مارا تھا۔''

''ارے...... وہ تو بس...... وہ تو بس اب یہ تھوڑی پتا تھا عالیہ کہ یہ کم بخت اس طرح دوڑ پڑے گا۔''

''بہر حال پاپا کو ساری تفصیلات بتائی جائیں گے۔ جواب دہی آپ کو کرنی ہے ارے ہاں۔ یہ صاحب۔ یہ صاحب' جناب عالی آپ نے اپنا نام نہیں بتایا ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑے زبردست آدمی ہیں۔ مجھے اس طرح کیچ کر لیا جیسے میں کوئی معمولی سی گیند ہوں۔''

''واقعی''

''جی ہاں اور پھر جناب! اس طرح بازو میں بھرے کھڑے رہے کہ جیسے چھوڑنا بھول گئے ہوں۔ وہ تو خود ہی میں کوشش کر کے ان کے بازوؤں سے نکلی ویسے ہیں طاقتور آدمی مجھے لپکتے ہوئے گھٹنے تک نہیں جھکے۔''

''ارے تم ہوش میں ہو تو پھر ایسے کیوں لیٹی ہوئی تھیں۔''

''بس سننا چاہتی تھی تم لوگوں کی محبتوں کی داستانیں' کسی نے میرے گرنے پر افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں سرگرداں ہو گئے۔''

''نہیں عالیہ! پلیز خدا کے لئے ہماری جان بخشی کر دو۔ جہاں تک تمہاری محبت کا

سوال ہے تو یہ تو تم خود فیصلہ کر سکتی ہو کہ ہمیں تم سے محبت ہے یا نہیں۔''

''جی جی' جی جی میرے عشق میں پاگل ہوئی جا رہی ہیں آپ۔ کیا محبت ہے آپ کو مجھ سے کوئی جواب نہیں اس محبت کا' بیگم صاحبہ شامت بلاؤں گی آپ سب کی اور ایسی شامت بلاؤں گی کہ یاد رکھیں گی۔''

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے کیا سمجھیں آپ' آپ کا جو دل چاہئے کیجئے ہم تو صرف آپ کے بچ جانے کی خوشی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔''

''ویسے یہ صوفی کی بچی بڑی چالاک ہے بڑے مریل انداز میں اپنی جان بچا لیتی ہے۔''

''صرف اپنی ہی نہیں ہم سب کی۔'' عالمگیر نے پھر کہا۔

''چلو ٹھیک ہے' ویسے واقعی گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر میں خاصی خوفزدہ ہو گئی تھی اس وقت۔ یہ سچ ہے کہ انہوں نے ہی میری جان بچائی ہے۔''

''جناب عالی! ایک بار پھر ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ویسے آپ سے تعارف نہیں ہو سکا۔ کم از کم نام تو بتا دیں اپنا۔''

''شہزادہ خرم ہے میرا نام۔''

''واہ' اور بادشاہ سلامت کا کیا نام ہے؟'' عالیہ نے شوخی سے آنکھیں نچاتے ہوئے پوچھا۔

''مجھ پر ہی گزارا کر لیجئے۔ اتنی تیزی سے قدم آگے نہ بڑھائیں۔'' علی خیر محمد بھی کسی سے کم نہیں تھا۔

''کیا مطلب؟ گزارا کرنے والی کیا بات ہے۔'' عالیہ نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

''آپ کی چھلانگیں بڑی لمبی ہوتی ہیں ادھر ادھر' ادھر ادھر یہ اندازہ نہیں ہے آپ کو بے تکی چھلانگیں لگانے سے آدمی کے ہاتھ پاؤں بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ میں نے صرف یہ عرض کیا تھا کہ میرا نام شہزادہ خرم ہے۔ آپ بادشاہ اور اس کے بعد ملکہ کا اور پھر میری سلطنت کے بارے میں معلوم کرنے پر بھی تل جاتیں۔ ہر بات عام لوگوں کو تو نہیں بتائی جا سکتی۔''

''میں عام ہوں۔''

''میں عین والا عام کہہ رہا ہوں' الف والا آدم نہیں۔''

علی خیر محمد نے کہا اور سب بے اختیار ہنس پڑے۔ عالیہ' علی خیر محمد کو گھورنے لگی تھی۔

پھر وہ بولی۔

''جان نہ بچائی ہوتی میری اگر آپ نے تو نمٹتی آپ سے۔ارے باپ رے یہ میرے پاؤں کو کیا ہوا جمایا نہیں جا رہا زمین پر۔''

''ہیں۔'' درخشاں اور صوفی چونک پڑیں۔انہوں نے جھک کر عالیہ کے پاؤں کو دیکھا۔

''بہ ظاہر تو کچھ نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے مڑ گیا ہو۔''

''خدا کی قسم کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا ٹھیک سے' ارے باپ رے باپ یہ تو اب مجھے احساس ہوا ہے کہ پاؤں میں درد بھی ہو رہا ہے۔'' عالیہ کی آواز بھرا گئی۔تو عالمگیر نے دور کھڑی ہوئی سیاہ رنگ کی اس اسپورٹس کار کو دیکھ کر کہا۔

''یہ گاڑی پتا نہیں کس کی ہے۔اگر کوئی ہمیں گھر تک چھوڑ دے تو۔''

''میں آپ کو گھر تک چھوڑ دوں گا۔آیئے۔''

''آپ کی ہے وہ گاڑی؟'' عالیہ نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

''جی میری ہی ہے۔''

''تب تو آپ واقعی شہزادے معلوم ہوتے ہیں کیا خوبصورت کار ہے میں نے پہلے بھی ایک نگاہ اسے دیکھا تھا مگر اس الجھن میں پڑ گئی تھی۔واقعی کمال کی گاڑی ہے۔''

''کمال کی نہیں میری ہے جناب! آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہو'' علی خیر محمد نے خوشگوار موڈ میں کہا اور سب ہنس پڑے۔

''بہر حال آپ ہر طرح سے اچھے آدمی ہیں۔''

''ہر طرح سے۔'' علی خیر محمد نے کہا۔

''بالکل''

''ذرا مثال دیجئے۔''

''جی ہاں۔دیکھئے' دیکھئے ہر شخص اپنی تعریف سننے کا خواش مند ہوتا ہے۔آپ بہت اچھے ہیں بڑے خوبصورت ہیں۔لمبے تڑنگے ہیں بڑے اچھے نقوش ہیں آپ کے' ایک نگاہ دیکھنے سے دل آپ کی طرف کھنچتا ہے جی اب کیا فرمائیں گے آپ۔''

''جی۔میرا خیال ہے جتنا میں نے فرما لیا اتنا ہی کافی ہے۔''

''اور ایک بات اور کہوں آپ کی گاڑی بھی بہت حسین ہے۔'' عالیہ شرارت سے بولی۔

''واقعی''

''ہاں ہاں۔اس کی بھی بہت سی تعریفیں سنیں گے۔''

''نہیں۔اب آپ اس کی تعریف خود کرتی رہئے۔''

''نہیں میں سمجھی نہیں۔'' عالیہ نے کہا۔

''میری گاڑی آپ کو پسند آئی آپ کی نذر' یہ چابی لیجئے۔آج سے یہ آپ کی ملکیت اور آپ لوگوں میں سے کوئی بھی کسی وقت آ جائے اور مجھ سے اس کا اوپن لیٹر سائن کرا لے۔میں وہ دور سے جو کوٹھی نظر آ رہی ہے اور جس کا نمبر 111 ہے' وہاں رہتا ہوں جھوٹ بالکل نہیں بول رہا آپ جب دل چاہے تشریف لے آیئے۔''

''ارے نہیں نہیں۔مسئلہ یہ نہیں تھا۔ہم تو بس ایسے ہی۔ایسے ہی۔'' نشاط اور عالمگیر بری طرح بوکھلا گئے تھے۔

''جو چیز میں کسی کو دے دیتا ہوں' وہ واپس نہیں لیتا۔اگر آپ کو یہ گاڑی پسند نہیں تو اسے اسٹارٹ کیجئے اور اس کا رخ سمندر کی جانب کر دیجئے۔او کے۔''

''ارے نہیں بابا نہیں۔اب دیکھئے نا اتنا بڑا حاتم طائی ہمیں ملا ہے ہم اس کے اس احسان کو کیسے نظر انداز کر دیں گے لایئے جناب۔آپ یہ چابی مجھے دے دیجئے۔آپ نے تو واقعی کمال کر ڈالا ہے۔''

''عالیہ بہت زیادہ شوخ و شریر تھی۔اس نے چابی علی خیر محمد کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے بعد اسے نشاط کی طرف بڑھا کر بولی۔

''گاڑی اسٹارٹ کر کے مجھ تک لے آؤ میں گاڑی تک نہیں جا سکتی اور جناب! آپ کا بے حد شکریہ۔اگر آپ یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم آپ سے کہیں گے کہ آیئے ہم آپ کو چھوڑ دیں۔تو ہم ایسا نہیں کریں گے۔''

''میں نے آپ کو چھوڑ دیا'' علی خیر محمد بولا۔نشاط نے کار اسٹارٹ کی اور عالیہ کو پیچھے کی سیٹ پر بٹھایا گیا۔دونوں لڑکیاں اس کے آس پاس بیٹھ گئیں۔عالمگیر نے ایک بار پھر پلٹ کر علی خیر محمد کو دیکھا اور بولا۔

''جناب عالی! گاڑی 111 میں پہنچا دی جائے گی۔''

''گدھے ہو تم باقی باتوں کی تو مجھے کوئی پروا نہیں تھی۔لیکن تم نے میری بات پر اپنی بات چڑھائی ہے اس کا تمہیں خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' عالیہ غرا کر بولی اور عالمگیر کا چہرہ اتر گیا۔نشاط نے بادل ناخواستہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔علی خیر محمد کے ہونٹوں پر ایک

مدھم سے مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''چلو بیٹا! علی خیر محمد! ویسے دانہ اچھی طرح پڑ گیا ہے اور یہ سب کچھ تو ہوتا ہی رہتا ہے بڑے کام کے لئے بڑا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چل پڑا۔ خوبصورت ساحل آتے جاتے لوگ زندگی کا بکھرا ہوا حسن سمندر کے سفید جھاگ' نرم نرم ریت' پرکشش ہوائیں۔ یہ ساری چیزیں اس وقت علی خیر محمد کو بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ کار نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی لیکن وہ چہرہ مسلسل اس کے سامنے تیر رہا تھا جو عالیہ کا چہرہ تھا۔

☆☆☆

شرجیلہ کانٹوں کے بستر پر لوٹ رہی تھی کیتھرائن جو آگ اس کے سینے میں لگا کر گئی تھی اس کے شعلے لحہ بہ لحہ بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ شرجیلہ سوچ رہی تھی کہ اس کے دل میں کیتھرائن کے خلاف نفرت کا جو طوفان بلند ہوا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ غالباً اس کی چھٹی حس نے اسے یہ احساس دلایا دیا تھا کہ جولڑکی غازی شاہ پر اپنا تسلط جما چکی ہے وہ معمولی حیثیت کی مالک نہیں ہے اور نہ ہی غازی شاہ یا علی خیر محمد گوٹھ سے مخلص ہے۔ کیتھرائن درحقیقت شیطان صفت تھی اور اس شیطان عورت نے اس کے بیٹے پر پوری طرح قبضہ جما لیا تھا۔ بہ ظاہر ایسی کوئی ترکیب نظر نہیں آتی تھی جو غازی شاہ کو کیتھرائن سے بدظن کر سکے۔ ویسے خود شرجیلہ نے بھی کیتھرائن کو سر سے پاؤں تک دیکھا تھا اور بدن ایک ماں کا بدن نہیں تھا۔ بہت سے تجزیے کئے جا سکتے تھے لیکن یہ شرجیلہ کے لئے بالکل ممکن نہیں تھا۔ کیتھرائن اس کے لئے تیار نہ ہوتی۔ بہرحال اس خطرناک عورت سے بڑی چالاکی سے نمٹنا چاہئے۔ ادھر غازی شاہ' ماں سے ملا تھا تو اس کے لئے پاگل ہو گیا تھا۔ راستے ہموار ہوئے تھے تو غازی شاہ کو آزادی مل گئی تھی اور اب وہ دن میں کئی کئی بار شرجیلہ کے پاس جاتا۔ ماں کے سینے سے لگ کر اسے بے پناہ سکون محسوس ہوتا تھا۔ وہ بہت خوش تھا اور اب بالکل پہلے جیسی جون میں آیا تھا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ شرجیلہ نے کیتھرائن کو بانجھ کر دیا تھا لیکن بہرحال اب جب دماغ سے غصے کا بھوت اترا تھا تو اس نے سوچا تھا کہ بہرحال شرجیلہ بیگم بھی ایک عورت ہی ہیں۔ البتہ ایک دن اس نے ماں سے کہا تھا۔

''بیگم سائیں! آپ میرے کو ایک بات بالکل سچ بتاؤ۔'' شرجیلہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔

''تو کیا تجھ سے جھوٹ بولوں گی۔''

''نہیں بیگم سائیں! آپ ایک بات بتاؤ۔ آپ نے میرے کو دل سے کیوں نکال

دیا تھا۔ کتنا صبر کیا آپ نے۔''

''دیکھ غازی شاہ! یہ بات بھی تجھے ماننی پڑے گی کہ مکرم شاہ نے تجھے اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بیرون ملک بھجوایا تھا۔ ذرا سا اپنے ماضی پر غور کر اس کی تو یہ کوشش نہیں تھی کہ تو وہاں شادی کرے' ایک انگریز عورت سے اور اس کے بعد یہ تمام حالات پیدا ہوں مگر تم لوگوں نے ایک انتقام لینا شروع کر دیا ہم سے۔''

''بیگم سائیں! ناتجربے کار تو میں بھی تھا۔ میرے فرشتوں کو بھی اگر یہ بات پتا ہوتی کہ آپ لوگ میری اتنی مخالفت کرو گے بابا! میں آپ کی مخالفت مول نہیں لیتا۔ بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں بیگم سائیں! مگر غلطی کرنے پر اپنے بچے کو زہر نہیں دے دیا جاتا۔ اسے زندگی کی خوشیوں سے محروم نہیں کر دیا جاتا بابا! آپ نے تو ایسا ہی کیا۔'' شرجیلہ نے چونک کر غازی شاہ کو دیکھا۔ غازی شاہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے کے تاثرات یہ بتا رہے تھے کہ وہ کس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ شرجیلہ کو یہاں خاموش ہونا پڑا۔ وضاحت نہیں طلب کرنا چاہتی تھی۔ بات گول مول ہی رہتی تو ٹھیک تھا۔ غازی شاہ خود بھی سنبھلا اور بولا:

''پھر بھی بیگم سائیں! آپ نے اب تو ہمارے کو معاف کر دیا ہے۔''

''ہاں معاف کر دیا ہے میں نے لیکن ایک غم ہے مجھے غازی شاہ! قدرت نے تجھے اولاد سے نواز دیا بیٹا دے دیا تمہیں۔ اب تو بڑے بھائی کا بیٹا واپس کر دو۔'' غازی شاہ کے چہرے پر کرب کے نقوش پھیل گئے۔ ایک لمحے تک وہ گڑبڑایا ہوا سا بیٹھا رہا' پھر پریشانی سے بولا۔

''بیگم سائیں! آپ جو کچھ کہہ رہی ہو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ بابا! میں نے کسی کو کب پکڑا ہوا ہے میں تو بالکل بے گناہ ہوں۔ آپ میرے کو نہ جانے کیا بول رہی ہو۔''

''نہیں غازی شاہ! جو کچھ تم سمجھتے ہو وہ بہت زیادہ ہے اس قدر نا سمجھ نہیں ہو۔ طنز کر سکتے ہو مجھ پر' بڑے بڑے جملے معنی خیز لہجے میں کہہ سکتے ہو۔ تو اتنا نہیں سمجھتے کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔ خیر بہت سی باتیں صرف ظرف کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔ میرے دل کو دو چار زخم اور لگا تو مکرم شاہ کو جتنا زخمی کر دیا ہے تم لوگوں نے وہ تو اچھا نہیں ہے غازی شاہ! سوچنا اس بارے میں ضرور سوچنا۔''

غازی شاہ ایک عجیب سی کیفیت میں یہاں سے واپس ہوا تھا۔ کیتھرائن دل مراد کی پرورش کر رہی تھی۔ بہرحال بچے کے سلسلے میں اس کا عورت پن مکمل طور پر نمایاں تھا۔ دل مراد سے اسے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ وہ اس کے ساتھ خوشی سے وقت گزار رہی تھی لیکن غازی شاہ کی

طرف سے اسے ذرا احتیاط ہونا پڑا تھا۔ ماں کے پاس آزادی سے آنے جانے کا راستہ کھل گیا تھا۔ غازی شاہ کو وہ منع بھی نہیں کرتی تھی لیکن اس سلسلے میں غازی شاہ کو ٹوہ لیتے رہنا زیادہ بہتر تھا۔ اس وقت بھی وہ جانتی تھی کہ غازی شاہ پرانی حویلی گیا ہے۔ جب وہ واپس آیا تو وہ باہر ہی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ دل مراد ایک بہت ہی خوبصورت پرام میں لیٹا ہوا تھا۔ غازی شاہ اس کے پاس پہنچ گیا۔

''کیسے ہو سائیں! بیگم سائیں کیسی ہیں۔ ویسے آپ تھوڑی سی زیادتی کرتے ہو۔ میں تو آپ سے پوچھے بغیر حویلی سے باہر بھی قدم نہیں نکالتی۔ آپ کا جب دل چاہتا ہے آپ مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہو۔''

''تمہارا جب بھی دل چاہے تم بیگم سائیں کے پاس آ جا سکتی ہو بلکہ میں تم سے یہ کہنے والا تھا کہ اب جب ان کے اور ہمارے درمیان اتنے اچھے تعلقات ہو گئے ہیں تو ان تعلقات کو قائم رکھنے کے لئے تمہیں ایک بہو کی حیثیت سے ان کا خیال رکھنا چاہئے۔''

''افسوس تو یہی ہے کہ مجھے بہو کے فرائض نہیں معلوم۔ دیکھو ہمارے ہاں انگلینڈ میں والدین تک اولاد پر اپنا حق نہیں جماتے یہ سب تو ایک سسٹم ہے۔ ہم کسی کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے بارے میں کوئی منصوبہ بندی نہیں کرتے۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے ہاں کون پیدا ہوگا۔ یہ تو بس اس دنیا میں آ جانے کے بعد کی باتیں ہیں۔ کیا ہم اس کے لئے لائحہ عمل ترتیب دیتے ہیں گویا ایک طرح سے ہم ایک ذمے داری قبول کرتے ہیں پھر جب وہ ذمے داری پوری ہو جاتی ہے تو دنیا میں آنے والی شخصیت اپنی ذمے داریوں کے لئے آزاد ہوتی ہے ہمارے ہاں اس قسم کے بوجھ نہیں ہوتے کہ یہ کرو' وہ کرو اس کی خدمت کرو اس سے محبت کرو۔ یہ سب کچھ ویسے بھی غلط ہے۔ انسان آزاد ہی پیدا ہوتا ہے اسے آزاد ہی رہنا چاہئے۔ مجھے معاف کرنا میں اپنے کلچر' اپنے معاشرے کی بات کر رہی ہوں۔ لیکن تمہارے ہاں تو توبہ توبہ ایسا لگتا ہے جیسے زندگی بھر قرض چکانا ضروری ہو۔'' غازی شاہ کیتھرائن کو دیکھنے لگا پھر پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''اپنے معاشرے کی بات کرو کیتھرائن! تمہارے معاشرے میں جو الیے ہیں اگر ان پر بیٹھ کر غور کرو۔ تو خود تمہاری آنکھوں میں آنسو آ ئیں۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو تم نے ایک کام کا آغاز کیا ہے تو میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ بیگم سائیں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو۔ ان کے ہر مسئلے میں دلچسپی لو تم خوش رہو گی۔''

''میں منع نہیں کرتی سائیں! ٹھیک ہے میں ادھر جاتی ہوں بہت اچھی باتیں

کروں گی ان سے۔'' کیتھرائن نے کہا۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم خود ان کے پاس جاؤ۔''

''ویسے بھی اب میں کچھ تھوڑے سے کاروباری مسئلے میں ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے بیٹھے بہت وقت گزر گیا۔ اب جب تبدیلی ہوئی ہے تو کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ پہلے تو مجھ پر ایک ہی بوجھ سوار رہتا تھا۔ وہ یہ کہ تمہاری نگرانی کروں تمہاری خبر گیری رکھوں کہیں کوئی تمہیں ذہنی یا جسمانی نقصان نہ پہنچا دے۔ اب جب یہ سکون ہوا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ کراچی جا کر کسی کاروبار کی بنیاد ڈالوں۔''

''سائیں! یہ تو اچھی بات ہے میں آپ کو اس سے بالکل نہیں روکوں گی مگر کیا کاروبار کریں گے آپ؟''

''کراچی میں کلفٹن میں ہمارے پاس ایک اتنی بڑی جگہ ہے کہ ہم اس میں ایک شاندار ڈیپارٹمنٹل اسٹور کھول سکتے ہیں یا کچھ اور کاروبار۔ اللہ کا دیا بہت کچھ ہے ہمارے پاس اپنی بھی ایک حیثیت ہونی چاہئے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ صرف مجھے ایک وڈیرے کی حیثیت سے شناخت کریں۔ میں اس معزز سوسائٹی میں بھی اپنا ایک مقام بنانا چاہتا ہوں جو شہری سوسائٹی ہوتی ہے اور اس کی وجہ کیتھی ڈارلنگ! تم ہو۔ میں تمہیں صرف مٹی اور گارے سے بنے ہوئے اجاڑ گوٹھ میں نہیں رکھنا چاہتا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم جدید سوسائٹی میں شامل ہو جاؤ۔''

کیتھرائن کو یہ بات بڑی دلچسپ لگی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

''سائیں کی محبت کا مجھے ہمیشہ یقین رہا ہے اور اب بھی یقین ہے۔ آپ صرف میرے قیدی بن کر نہ رہ جاؤ۔ جاؤ باہر کی دنیا کو دیکھو میں بیگم سائیں کے پاس جا رہی ہوں'' کیتھرائن نے کہا۔ انتظام ہونے میں بھلا کیا دقت ہو سکتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد کیتھرائن نے شرجیلہ کو اطلاع کرائی کہ میں آئی ہوں۔

شرجیلہ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کیتھرائن کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ کیتھرائن مسکراتی ہوئی پہنچی تھی اور اس نے کہا:

''بیگم سائیں کو سلام کیسی ہیں آپ؟ کچھ تھکی تھکی سی نظر آتی ہیں چہرے سے۔''

''ہاں۔ میں تھکی تو نہیں ہوں مضمحل ضرور ہوں ظاہر ہے زندگی میں اگر کوئی چیلنج قبول کیا جائے تو انسان مضمحل ہو ہی جاتا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ فتح حاصل کرے۔''

''خادم ہوں بیگم سائیں آپ کی۔ آپ کے جوتوں کی خاک ہوں۔ بھلا میں کیا اور میری مجال کیا۔ چھوڑیئے ان باتوں کو آپ کیسی ہیں یہ بتایئے۔ میں نے سوچا کہ آپ کے

پوتے کو آپ سے ملا لاؤں۔ یہ لے لیجئے۔'' کیتھرائن نے دل مراد کو شرجیلہ کے حوالے کر دیا۔ شرجیلہ کے دل میں ایک عجیب سی وحشت ہونے لگی۔ دل مراد سے محبت آئی تھی۔ ننھا سا معصوم سا' خوبصورت بچہ تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے نقوش غازی شاہ سے ملتے جلتے تھے۔ لیکن وہی ایک حیرت جس نے شرجیلہ کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھا تھا کیا واقعی کیتھرائن اس بچے کی ماں ہے۔ یہ بات ابھی تک حل نہیں ہو سکی تھی۔ یقین نہیں آتا تھا۔ کیونکہ سکھا واں نے جو کہانی سنائی تھی اس کے تحت ایک مرتبہ سانپ کی زبان استعمال کر کے کوئی بھی دوبارہ اولاد کے قابل نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر یہ سب کیسے ہو گیا۔ یہ ساری چیزیں کیسے ممکن ہو سکیں۔ یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن شرجیلہ بھی کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی۔

''واقعی۔ تم بڑی فرمانبردار ہو کیتھرائن! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب سے تم ہماری آبادیوں میں آئی ہو ہماری زندگی ہی بدل گئی ہے۔''

''شکریہ بیگم سائیں شکریہ۔ میں کہاں...... میں بھلا اس قابل کہاں ہوں۔ آیئے...... کھلی جگہ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ اصل میں کھلی کھلی باتیں تو کھلی جگہ ہی زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔''

''اوہ سمجھ رہی ہوں...... سمجھ رہی ہوں۔ اگر تم اتنی ذہین نہ ہوتیں تو واقعی تمہاری قوم ہندوستان پر قبضہ نہیں کر سکتی تھی۔''

''آپ تو سمجھدار ہیں بیگم سائیں! جو کچھ بھی ہوں اب تو آپ کے قدموں کی دھول ہوں۔ آیئے پھر وہی بات کہوں گی کہ کھلی کھلی باتیں تو کھلی جگہ میں ہی ہونی چاہئیں۔''

شرجیلہ سمجھ گئی تھی کہ کیتھرائن بہت ذہین عورت ہے وہ اس بات کا خیال رکھنا چاہتی ہے کہ کہیں ایسی کوئی بات نہ ہو جس سے اس کی آواز اور اس کے الفاظ پکڑے جا سکیں۔ چنانچہ وہ کھلے علاقے میں جا کر بات کرنا چاہتی تھی۔ بہرحال شرجیلہ نے اس کی یہ بات مان لی اور اٹھ کر اس کے ساتھ باہر نکل پڑی۔ حویلی کے عقبی حصے میں بڑا خوبصورت پاک بنا ہوا تھا۔ وہ اس پارک میں پہنچ گئی اور کیتھرائن نے اس خوبصورت پارک کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ دیکھئے نا کیسی کیسی چیزوں سے مجھے محروم رکھا جاتا ہے۔ مجھے تو اس پارک کے بارے میں کچھ پتا ہی نہیں تھا کتنا خوبصورت پارک ہے۔''

''ہاں! آؤ بیٹھو ادھر بیٹھتے ہیں۔'' سنگ مرمر کے ایک خوبصورت حوض کے کنارے شرجیلہ اور کیتھرائن بیٹھ گئیں۔ دل مراد ابھی تک شرجیلہ ہی کے پاس تھا۔

''لایئے اسے مجھے دے دیجئے آپ اس قابل نہیں ہیں کہ یہ آپ کی گود میں جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ پاک رہے۔''

''ہاں کہتی تو تم ٹھیک ہو واقعی! تمہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ یہ میرے ہاتھوں میں آ کر ناپاک نہ ہونے پائے۔''

''شکریہ۔'' کیتھرائن نے بچہ شرجیلہ کی گود سے لے لیا۔ پھر بولی:

''اب کہیں غازی شاہ کے سامنے آپ یہ نہیں کہہ دیں کہ میں نے بچے کو آپ کی گود سے لے لیا تھا۔''

''فائدہ بھی کیا۔ تم نے ایک مکڑی کی طرح اسے اپنے جالے میں پھانس رکھا ہے۔''

''یہ بھی بڑا مشکل کام ہے بیگم سائیں! کہ کسی مرد کو اس طرح اپنے قابو میں کر لیا جائے اور مرد بھی غازی شاہ جیسا۔ بہت مشکل ہوئی ہے مجھے' بہت مشکل ہوئی ہے۔ ویسے ایک بات میں آپ سے کہوں مجھے اس پر آمادہ آپ نے ہی کیا ہے۔ آپ یقین کرو بیگم سائیں! اگر آپ میرا خلوص دل سے استقبال کرتے تو شاید میں آپ کی وفادار اور آپ سے محبت کرنے والی رہتی۔''

''تم نے کبھی اپنے خون کا کوئی قطرہ دیکھا ہے۔ اپنے بدن سے خون کا ایک قطرہ نچوڑ کر دیکھو اس کا رنگ بھی گندا ہی ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے خون میں جو گندگی شامل ہے وہ کبھی صاف نہیں ہو سکتی۔ تمہاری نسل ہی غلیظ ہے۔ کہاں سے بات کو شروع کروں رہنے دو۔ بہرحال ایک بری عورت ہو۔ بری عورت ہو۔ بری عورت بھلا کبھی کسی کی وفادار ہو سکتی ہے۔ ہم چاہتے تو تمہارا کتنا ہی اچھا استقبال کرتے لیکن تم اتنی ہی غلیظ رہتیں جتنی ہو۔''

''گڈ...... گڈ...... کھلی جگہ میں آ کر تو آپ کی زبان بھی بہت اچھی کھل گئی ہے۔ چلئے ٹھیک ہے ہارا ہوا جواری تو شور مچاتا ہی ہے۔''

''تم نے کیسے سوچ لیا کیتھرائن! کہ ہم ہارے ہوئے جواری ہیں۔ ارے ہارے ہوئے جواری تو تم ہو۔ جو ہندوستان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اب یہ تمہاری بری فطرت اور تمہاری نسل کی دین ہے کہ اپنے طور پر تم اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ تم یہاں سے ہار کر گئے ہو کیتھرائن! اپنی مرضی سے نہیں گئے۔'' کیتھرائن نے ایک کھسیایا ہوا قہقہہ لگایا اور بولی:

''یہ تمہارے سوچنے کا فرق ہے۔ کتنا عرصہ ہو گیا تمہیں ہم سے آزادی ملے ہوئے۔ پچپن سال پورے، پچپن سال کیا ملا تمہیں ان پچپن سالوں میں' کتنی ترقی کی تم لوگوں نے۔''

''ترقی...... کیوں تم اندھی ہو تمہیں نظر نہیں آتا کہ ہم نے کتنی ترقی کی ہے۔ اپنا سب کچھ رکھتے ہیں ہم۔''

''ہاں ہاں ہاں۔ تمہارے اخبارات تو کچھ اور ہی کہانی سناتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ تمہارے ہاں ہر پیدا ہونے والا بچہ مقروض ہوتا ہے۔ بیگم سائیں! قرض میں ترقی کی ہے تم لوگوں نے۔ اب بات سمجھ میں آ گئی۔''

''ہم نے جو کچھ بھی کیا ہے لیکن تمہیں بھگا کر ہم نے بہت بڑا کام کیا ہے اور بات سن لو جب تم ہندوستان پر حکمراں تھے جب تک پاکستان نہیں بنا تھا اس وقت بھی تم علی خیر محمد گوٹھ میں جوتوں سے پٹتے رہے ہو اور کیتھرائن! اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ بے فکر رہو اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دل مراد ممکن ہے کبھی میرے اور تمہارے درمیان کی جنگ ختم کرادے ممکن ہے۔''

''نہیں...... بیگم سائیں نہیں۔ یہ جنگ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ کبھی ختم نہیں ہوگی یہ دل مراد ہمارے دل کی مراد ہے۔ لیکن جنگ تو جاری رہے گی وہ میرے اور آپ کے درمیان ہے اور میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کو راستے سے ہٹانا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن ایک دشمن بھی چاہئے ہوتا ہے انسان کو۔ بڑا ضروری ہے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ اچھا ایک بات تو بتاؤ کیتھرائن! یہ میری اور تمہاری جنگ میں بے چارہ مکرم شاہ کیوں آ گیا۔''

''بڑے سائیں! ان سے تو ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔''

''تو پھر تم نے اس کا بیٹا کیوں چھین لیا۔ کیا اس لئے کہ تمہاری اولاد علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرا بنے۔'' کیتھرائن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

''بیگم سائیں! میں نے کسی کا بیٹا نہیں چھینا۔ باقی ساری باتیں صیغہ راز میں رہیں تو زیادہ بہتر ہے۔ اچھا چلتی ہوں بڑی اچھی اچھی باتیں ہوئیں آپ سے آؤ...... دل مراد۔'' کیتھرائن نے بچے کو اپنی آغوش میں لیا اور مسکراتی ہوئی وہاں سے واپس چل پڑی۔ کافی فاصلے پر غازی شاہ ساس، بہو کے دوران ہونے والی باتوں کو دیکھ رہا تھا۔ فاصلہ اتنا تھا کہ وہ ان باتوں کو سن نہیں سکتا تھا۔ البتہ جب کیتھرائن اس کے قریب پہنچی تو اسے دیکھ کر چونک پڑی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ ہماری جاسوسی۔''

''نہیں کیتھرائن!'' غازی شاہ نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

''اصل میں تم لوگوں کے درمیان اتنے گہرے چکر رہے ہیں کہ میں تو خود چکرا رہا

ہوں ان چکروں سے۔ اب جب تمہیں اس طرح آپس میں ملتے جلتے دیکھتا ہوں تو دل کو ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ اپنی اس خوشی کو قائم رکھنا چاہتا ہوں میں۔''

''بیگم سائیں سے بڑی اچھی اچھی باتیں ہوئیں۔ میرا خیال ہے ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت مطمئن ہیں۔'' کیتھرائن نے ہنستے ہوئے کہا۔

اور غازی شاہ بھی خوش نظر آنے لگا۔ یہ سب کچھ ہو جانے سے اسے کافی خوشی کا احساس ہوا تھا۔ ادھر شرجیلہ کے پیروں میں جیسے جان ہی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ شدید غم و غصے سے تپ رہی تھی اور ایک اعصابی تکلیف کا شکار ہو گئی تھی۔ پوری زندگی میں کبھی کسی نے اس سے اس طرح گفتگو نہیں کی تھی۔ بہرحال اتنی کمزور بھی نہیں تھی کہ کیتھرائن جیسی کسی عورت کو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکتی۔ اس کا اپنا ایک مقام تھا کھل کر کبھی کسی سے بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو غازی شاہ کا معاملہ تھا ورنہ شاید بہت سے لوگ اس بات کی پیشکش کر دیتے کہ کیتھرائن کو ختم کر دیں لیکن شرجیلہ ابھی اس طرح کا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ بہرحال وہ اسی سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کہیں سے دین بخش اس کے پاس پہنچ گیا۔ شرجیلہ نے اس کو دیکھا تو دین بخش ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''بڑی بیگم سائیں! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم نے کتھیرائن سائیں! کو ادھر دیکھا تھا آپ نے ہمیں ان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس نے ہمیں بھی تشویش کا شکار کر دیا ہے اور اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ بڑے غصے میں ہو۔ بیگم سائیں! ٹانگ اڑانے والی بات تو ہے پر کیا کریں آپ نے ہمیں اس کا موقع دیا ہے۔ ہم کچھ جان سکتے ہیں کہ کیا ہوا۔''

''دین بخش! تم یہ سمجھ لو کہ میں اس عالم سے گزر رہی ہوں جس سے میں کبھی نہیں گزری تھی۔ بلکہ میں تو محسوس کر رہی ہوں کہ اسے اپنے قریب بلا کر میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ دور دور رہ کر کم از کم میں اس ذہنی کوفت کا شکار تو نہیں تھی۔ وہ میرے پاس آتی ہے اور اس طرح کی گفتگو کرتی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اسے گولی مار دوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے دین بخش! کہ کبھی کسی وقت بھی ایسا کوئی قدم اٹھا ہی ڈالوں۔ سمجھ رہے ہو نا تم دین بخش...... یہ...... یہ عورت...... یہ عورت۔''

''بیگم سائیں، بیگم سائیں۔ بیگم سائیں مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے بیگم سائیں! آپ اس کے مقابلے پر کمزور پڑ رہی ہو۔''

''میں کمزور نہیں ہوں دین بخش!'' لیکن آپ ذاتی طور پر اندر سے کمزور پڑ رہی ہیں۔ بیگم سائیں! میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ سانپ کو غصے سے نہیں لاٹھی سے

مارا جاتا ہے۔ آپ مجھے بتائیے آپ کا خالی غصہ کسی سانپ کو مار سکتا ہے؟ نہیں بیگم سائیں نہیں۔ آپ کو حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ وہ اگر آپ سے بدتمیزی کرتی ہے تو آپ اس کا جواب اسی انداز میں دیں لیکن ہنس ہنس کر بیگم سائیں! میں تو ایک معمولی سا پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ آج کل بڑے بڑے ملکوں میں سرد جنگیں چلتی ہیں اور یہ سرد جنگیں کس قدر جان لیوا ہوتی ہیں۔ آپ ذرا سوچو تو آپ کو اندازا ہو۔ بیگم سائیں! لاٹھی اور بندوق تو ایک لمحے میں استعمال کی جاسکتی ہے اور فیصلہ بھی اسی لمحے ہو جاتا ہے لیکن کیا فائدہ اس فیصلے سے اس کے جواب میں آپ بھی وہی طریقہ اختیار کرو جو اس نے اختیار کیا۔ بیگم سائیں حوصلہ حوصلہ۔ آپ تھوڑی سی پسپائی کرو۔ اگر وہ آپ سے اونچی اونچی باتیں کرتی ہے تو آپ کو یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ آپ جھک رہی ہے بیگم سائین آپ میری بات مان لیجئے۔ بہت بڑی بات کر رہا ہوں۔ بڑی ہمت اور جرأت کر کے کر رہا ہوں۔ پر بیگم سائیں یہی بہتر ہے۔ آپ جی اس کے سامنے بالکل پسپائی اختیار کرلو اور طریقہ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ دل مراد کے۔ لئے آپ ایسی محبت کا اظہار کرو کو جیسے آپ ہر لحہ' ہر وقت اسے دیکھنے کے لئے بے چین رہتی ہو۔ کیتھرائن اگر برا بھی کہے تو آپ صبر کر جاؤ بیگم سائیں! آپ دیکھو تو سہی آپ کو اس صبر کا پھل کتنا میٹھا ملتا ہے۔''

''خدا کی پناہ..... خدا کی پناہ دین بخش! میرے تو دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی ہیں۔''

''نہیں بیگم سائیں! مقابلہ کریں تو مضبوط اعصاب کے ساتھ' مجھ سے وعدہ کریں کہ اب آپ اس نئے کھیل کا آغاز کریں گی۔'' شرجیلہ نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ دین بخش بدستور آنکھیں جھکائے کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد شرجیلہ نے آنکھیں کھولیں اور بولی۔

''ٹھیک ہے دین بخش! تم دیکھو گے کہ میرے نئے کھیل کا آغاز کس طرح ہوتا ہے۔''

''اگر آپ مجھے اس بات کا یقین دلا دیں بیگم سائیں! تو پھر میں آرام سے کراچی چلا جاؤں۔''

''کراچی جارہے ہو۔''

''ہاں بیگم سائیں! جو فیصلہ کیا ہے اس پر عمل تو کریں گے۔''

''ٹھیک ہے اب تم آرام سے جاؤ میں مطمئن ہوں۔''

شرجیلہ نے کہا اور دین بخش سر جھکا کر واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

مرزا طارق بیگ اور ان کی مسز سلطانہ بیگم اس وقت کوٹھی کے لان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چائے لگی ہوئی تھی اور دونوں خوش گپیاں کر رہے تھے کہ ایک انتہائی قیمتی اسپورٹس کار اندر داخل ہوئی اس میں حیرت انگیز طریقے سے عالیہ اور دوسری لڑکیاں اور لڑکے نظر آئے تھے جو کار سے نیچے اتر گئے۔ مرزا طارق بیگ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگے تو عالیہ فخر سے سینہ تانے ہوئے ان کی طرف چل پڑی۔ طارق بیگ نے کہا۔

''یہ گاڑی کس کی اٹھالائے ہیں یہ لوگ؟''

''پتا نہیں۔'' سلطانہ بیگم نے بے پروائی سے کہا۔ بہرحال وہ لوگ خاموشی سے اپنی جگہ کھڑے ہوگئے اور عالیہ ماں باپ کے پاس پہنچ گئی۔

''ہیلو عالی' گاڑی کس کی اٹھالائیں بھئی؟''

''اپنی ہے پاپا۔''

''اچھا کیا کسی انعامی مقابلے میں جیتی ہے۔''

''انعامی مقابلہ۔'' عالیہ ایک دم ہنس پڑی۔

''کیا کسی سے پستول کے بل پر چھین کر لائی ہو؟''

''پاپا پستول میرے پاس کہاں ہوتا ہے آپ سے اتنا کہتی ہوں کہ مجھے ایک پستول کا لائسنس دلوا دیجئے۔''

''ہرگز نہیں جناب! ہرگز نہیں۔''

''دیکھیے آپ خود مجھے مجرم بنا رہے ہیں۔''

''مجرم۔'' مرزا صاحب حیرت سے بولے۔

''تو اور کیا۔ بغیر لائسنس کا پستول رکھوں گی تو کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔''

''جی نہیں۔ آپ بغیر لائسنس کا پستول بالکل نہیں رکھیں گی اگر آپ کے پاس سے پستول برآمد ہوگیا تو یاد رکھئے میں سیدھا سیدھا آپ کو پولیس کے حوالے کردوں گا۔''

''ٹھیک ہے پاپا! سوچوں گی اس بارے میں بھی۔''

''کار کے بارے میں تم نے پھر نہیں بتایا۔''

''کہا نا اپنی ملکیت ہے پاپا!''

''تو تم نہیں بتاؤ گی اے..... تم لوگ وہاں کیوں کھڑے ہو ادھر آؤ۔'' مرزا طارق بیگ نے صوفی' درخشاں' نشاط اور عالمگیر سے کہا اور چاروں جھجکتے ہوئے مرزا صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

''کس کی کار ہے؟'' مرزا طارق بیگ نے ان سب سے سوال کیا اور سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

''کیا تم لوگ بدتمیزی کی حد میں نہیں داخل ہو رہے ہو۔ عالیہ تم بتاؤ۔''

''ڈیڈی! میرے ایک دوست نے گفٹ کی ہے مجھے۔'' عالیہ نے کہا۔

''دوست نے گفٹ کی ہے۔''

''جی ڈیڈی۔''

''گفٹ کی ہے۔''

''جی ڈیڈی! جی جی جی۔''

''کون ہے وہ دوست؟''

''این...... کون ہے ہو۔ ہاں شہزادہ خرم! شہزادہ خرم۔ یہی نام بتایا تھا اس نے اپنا۔''

''ویسے کوئی شہزادہ ہی اتنی قیمتی کار کسی کو گفٹ کر سکتا ہے لیکن عالیہ مجھے نہایت افسوس ہے کہ تم شرارت سے نکل کر اب بدتمیزی کی حد میں داخل ہو گئی ہو۔ میں تم سے سچ پوچھ رہا ہوں اور تم مجھے کہانیاں سنا رہی ہو۔''

''بائی گاڈ پاپا! شہزادہ خرم نے مجھے یہ کار گفٹ کر دی ہے۔''

''کون ہے یہ شہزادہ خرم تم مجھے بتاؤ۔ لڑکیوں تم بتاؤ۔''

''جی وہ......سر......سر......سر......''

''سر کے بچے میں تم سے پوچھتا ہوں عالمگیر تم بتاؤ۔''

''وہ انکل ہم سب ساحل پر تفریحات میں مشغول تھے عالیہ ایک گھوڑے پر سوار ہوئیں اور انہوں نے گھوڑے کو چابک مار دیا۔ گھوڑا دوڑنے لگا ہم سب ان کے پیچھے دوڑے۔ کافی دور پہنچ کر گھوڑا رک گیا اور گھوڑا روکنے والا ایک خوبصورت سا نوجوان لڑکا تھا۔ گھوڑا تو خیر گھوڑے والے کے پاس پہنچ گیا۔ لڑکے سے ہماری شناسائی ہو گئی اس نے عالیہ کی جان بچائی تھی ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور چونکہ ہم یہاں سے پیدل گئے تھے۔ عالیہ جو گھوڑی کی شرارت سے کچھ نروس ہو گئی تھیں گھر واپس آنا چاہتی تھیں۔ ہم لوگ گھر واپس چل پڑے اس سلسلے میں ہم نے اس نوجوان سے مدد کی درخواست کی تو اس نے ہمیں اپنی کار میں بٹھایا اور یہ اسی کی کار تھی۔ عالیہ بی بی! نے بس اخلاقاً ہی کہہ دیا کہ اس کی یہ گاڑی بہت اچھی ہے۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے۔ آپ کو پسند ہے تو آپ کی نذر۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ

کل صبح کوٹھی آ کر گاڑی کا اوپن لیٹر لے جاؤں۔''

''کیا......؟'' مرزا طارق بیگ حیرت زدہ انداز میں بڑبڑائے۔ پھر انہوں نے کہا۔

''سینتیس، اڑتیس لاکھ کی گاڑی ہے کوئی معمولی کار نہیں ہے یہ گفٹ کر دی اس نے جبکہ کار بالکل نئی ہے۔''

''ڈیڈی آپ یقین کریں۔''

''بی بی میں یقین تو کر لوں گا لیکن آپ کو ایک بات بتا دوں فوری طور پر پولیس کو اس بارے میں اطلاع دے دیجئے۔ ہو سکتا ہے گاڑی چوری کی ہو۔ میں اس دور میں ایسے فراخ دل شہزادوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''ڈیڈی! چور تو نہ کہیں آپ اسے۔ آپ ان لوگوں سے پوچھیں بڑی شاندار شخصیت کا مالک تھا اور پھر اس نے اپنی کوٹھی کے بارے میں بتایا تھا کیا نمبر تھا اس کا۔'' عالیہ نے کہا پھر خود ہی بولی۔

''وکٹ......وکٹ وکٹ۔''

یہ کون سا نمبر ہوتا ہے۔''

''111 ڈیڈی! یوں...... یوں...... یوں'' عالیہ نے انگلی سے تین سیدھی لکیریں بنائیں۔

''کوٹھی نمبر 111۔ فیض...... فیض......ادھر آؤ۔''

طارق بیگ صاحب نے دور سے گزرتے ہوئے ہاؤس کیپر کو بلایا اور وہ مودب انداز میں ان کے سامنے پہنچ گیا۔

''فیض...... کوٹھی نمبر 111 میں کون رہتا ہے؟ تم تو اس علاقے کا انسائیکلو پیڈیا ہو۔''

''سر! کوٹھی نمبر 111 میں کچھ لوگ تھوڑے دن پہلے ہی آئے ہیں۔ ملازموں کی ایک فوج ہے۔ ایک بزرگ خاتون اور ایک مرد ہیں اور ایک نوجوان لڑکا ہے۔ لاابالی سا خوبصورت نوجوان۔''

کون ہیں وہ اور کہاں سے آئے ہیں اچھا ایک بات بتاؤ۔ کیا یہ بلیک اسپورٹس تم نے وہاں دیکھی ہے۔''

''سر! بالکل دیکھی ہے یہ اسی کوٹھی کی گاڑی ہے اور بھی بہت سے گاڑیاں ہیں وہاں

ایک سے ایک قیمتی۔'' فیض نے بتایا۔

''ہوں۔ حیثیت والے لوگ معلوم ہوتے ہیں بھائی! میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ چوری کی گاڑی نہ ہو۔''

''نہیں ہے بابا! نہیں ہے آپ ہر ایک کی انسلٹ کیوں کرنے لگتے ہیں۔''

''ارے پاگل ہو تم عالیہ! سینتیس لاکھ روپے کی گاڑی کوئی کسی کو ایسے ہی کیسے دے سکتا ہے۔ کیا گھپلا ہے بھئی...... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ویسے سنو۔ آج رات اس گاڑی کو یہیں رہنے دو اور سنو عالمگیر کل صبح تم لوگ' تم چاروں بلکہ پانچوں اسی گاڑی میں بیٹھ کر چلے جانا اور اس مذاق کا ان سے شکریہ ادا کرنا اور کہنا بھائی! ایسا مذاق نہیں کرنا چاہئے۔ گاڑی کو کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا تھا۔''

''ڈیڈی!! اور اگر اس نے اوپن لیٹر سائن کر کے دے دیا تو۔''

''بکواس مت کرو۔ کہہ دینا تم اس سے کہ لاؤ اوپن لیٹر سائن کر دو۔''

''اوکے ڈیڈی! اوکے یہ بات طے ہوگئی ہے۔''

''ہاں ہاں' ہوگئی ہوگئی ہے۔''

''ماما! چائے نہیں پلائیں گی آپ۔''

''بیٹھو...... بچو تم اندر جاؤ اندر جا کر چائے وغیرہ پیو۔''

سلطانہ بیگم نے کہا اور عالیہ وہیں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ ہنس ہنس کر نہایت معصومیت کے ساتھ ماں باپ کو خرم کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس کے الفاظ میں معصومیت تھی اور بہت سی جگہ سلطانہ بیگم نے چونک کر اپنے شوہر کو دیکھا تھا لیکن مرزا طارق بیگ بیٹی کی معصومیت سے واقف تھے اور غور سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ چائے پینے کے بعد عالیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اندر کی جانب چل پڑی۔ اس وقت کوٹھی کے عقبی حصے سے ایک بزرگ آتے نظر آئے تھے مرزا طارق بیگ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ابو ادھر کیسے نکل آئے۔'' سلطانہ بیگم بھی جلدی سے اٹھ گئی تھیں۔ آنے والے بزرگ شخصیت سلطانہ بیگم کے والد نیاز اللہ کی تھی۔ جو ایک انتہائی ضعیف بزرگ تھے اور اب بیٹی کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ زیادہ وقت یاد الٰہی میں گزرتا اور اپنے کمرے میں ہی رہا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ہی باہر نکل کر آ جایا کرتے تھے۔ اس وقت بھی ان کی آمد کو احترام کی نگاہوں سے دیکھا گیا تھا۔ مرزا طارق بیگ نے ان کے لئے کرسی کھسکائی۔ سلطانہ بیگم نے انہیں سہارا دے کر کرسی پر بٹھا دیا۔

''ابو کوئی کام تھا تو ہمیں بلا لیا جاتا۔ آپ نے کیوں تکلیف کی۔''

''کیوں؟ میرے یہاں آنے سے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تمہیں۔''

''نہیں ابو یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بھلا ہمیں کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔''

''تین کام افضل ترین ہیں۔ کسی فاسق کو راہ راست پر لانا۔ جاہل کو عالم بنانا اور دشمن کو دوست بنانا۔ بڑے ضروری ہوتے ہیں اور محنتی اور جفاکش کی نیند چاہئے وہ کم کھائے زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔ لیکن مال کی زیادتی صاحب مال کو آرام سے سونے نہیں دیتی۔''

''جی ابو۔'' دونوں نے گردن جھکا کر کہا۔

''بدکاروں کی صحبت سے بچو۔ کیوں کہ برائی برائی سے جلد مل جاتی ہے۔''

''جی۔''

''دولت مندوں کی مستی سے اللہ کی پناہ مانگو۔ یہ ایک ایسی لمبی مستی ہے کہ اس سے بہت سے دیر میں ہوش آتا ہے۔'' بزرگ اس طرح کی باتیں کرتے رہے اور دونوں احترام سے ان کی باتیں سنتے رہے پھر بزرگ نے کہا۔

''باہر کا موسم نہایت خوبصورت ہے۔ میں نے سوچا کہ تم سے چند باتیں کر لوں سو آ گیا۔ بس اب جاتا ہوں۔''

''نہیں ابو بیٹھئے۔ چائے نہیں پئیں گے۔'' ''نہیں۔ میں چائے نہیں پیوں گا۔ وقت پر کھانا پینا بہتر ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر بزرگ اپنی جگہ سے اٹھے اور واپس اسی جانب چل پڑے جہاں سے آئے تھے۔ دونوں نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اپنی دھن میں مست رہا کرتے تھے۔ بس جب کبھی دل چاہتا کسی کے پاس آ جاتے اس سے باتیں کر کے واپس اپنی جگہ چلے جاتے۔ یہ ان کا رویہ تھا ان کے جانے کے بعد مرزا طارق بیگ نے پرتشویش لہجے میں اپنی بیوی سے کہا۔

''بات اصل میں یہ نہیں ہے سلطانہ! کہ کسی نے عالیہ کو کوئی تحفہ دے دیا۔ تیں پینتیس لاکھ روپے کی کار اس طرح کسی کی نذر کر دینا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ حاتم طائی ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ اس دور میں تو یہ ممکن نہیں ہے۔ تشویش ہوگئی ہے۔''

''تشویش۔''

''کیوں۔''

''بھئی تم غور کرو میری پوزیشن کیا ہے ہزار دوست' ہزار دشمن۔ کوئی عالیہ کو دانہ ڈال

کر مجھ تک تو نہیں پہنچنا چاہتا۔ یہ تمام باتیں سوچنے کی ہوتی ہیں۔''

''ہاں ایسا تو ہے۔''

''عالیہ کو کل ہی یہ کار واپس کر دینی چاہئے اگر وہ شخص کوئی نمبر 111 میں موجود ہے۔ اور اگر یہ کار چوری وغیرہ کی ہے اور کسی خاص وجہ سے یہاں پہنچائی گئی ہے تو بھی ایک خطرناک بات ہے حالانکہ مجھ پر اس قسم کے داؤ کارگر نہیں ہوسکتے۔ لیکن پھر بھی انسان کو محتاط رہنا چاہئے۔''

''آپ جیسا مناسب سمجھیں کل میں اس سے کہہ دوں گی۔''

''ہاں۔ سلطانہ! احتیاط تو ہر حال میں بڑی ضروری ہوتی ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔''

دوسرے دن سلطانہ بیگم اپنے کسی کام سے دس بارہ بجے کے قریب نکل گئیں۔ مرزا طارق بیگ تو مصروف رہتے ہی تھے شام کو چار ساڑھے چار بجے تک کار کے سلسلے میں کوئی کام نہیں ہوا۔ عالیہ بھی لاابالی فطرت کی مالک تھی۔ میچ آرہا تھا۔ میچ میں مصروف رہی تھی اور ایک لمحے کے لئے ٹیلیویژن کے سامنے سے نہیں ہٹی تھی۔ یہاں تک کہ کوئی ساڑھے تین بجے میچ ختم ہوا تو اس نے ٹیلیویژن کا پیچھا چھوڑا اور اٹھ کر باہر نکل آئی۔ درخشاں اور صوفی اس کی بہترین دوست تھیں۔ درخشاں بھی کزن تھی اور صوفی بھی کزن تھی۔ دونوں سے بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ ادھر لڑکوں میں دونوں کردار بڑے مزے کے تھے اور عالیہ انہیں پسند کرتی تھی۔ نشاط ذکرا بودم قسم کا آدمی تھا اور بعض اوقات بڑی احمقانہ باتیں کرتا تھا۔ ادھر عالمگیر اتنے ہی تیز طرار تھے لیکن دونوں اچھے کردار کے مالک تھے۔ کسی برائی کا تصور ان کے دل میں نہیں آتا تھا۔

ساڑھے چار بجے جب مرزا طارق بیگ واپس آئے تو انہوں نے سلطانہ بیگم سے گاڑی کے بارے میں پوچھا۔

''ارے مجھے تو یاد نہیں رہا۔ میرا خیال ہے آپ کی ہدایت کے مطابق عالیہ نے وہ واپس کر دی ہوگی۔''

''معلوم کریں آپ اس سے مجھے بتائیں۔ میں اپنے بیڈروم میں جا رہا ہوں۔ آج ضرورت سے زیادہ تھک گیا بڑی بھاگ دوڑ کرنا پڑی۔''

''ابھی آتی ہوں۔'' سلطانہ بیگم عالیہ کے پاس گئیں اور اس سے کہا۔

''عالیہ تم نے وہ کار واپس کر دی۔''

''کون سی کار مما!''

''جو کل تمہیں تحفے میں ملی تھی۔''

ارے اوہ مائی گاڈ! وہ تو وہیں کھڑی ہوئی ہے میں تو اسے بھول ہی گئی۔''

''مما! پلیز آج کو پتا ہے آپ میچ آرہا تھا اور میری فیورٹ ٹیم کھیل رہی تھی۔ کم بخت ہار گئے خدا انہیں غارت کرے۔''

''خدا انہیں غارت کرے یا نہ کرے لیکن تم ہم لوگوں کو غارت کئے بغیر نہیں رہوگی۔ کیا کہا تھا تمہارے پاپا نے تم سے۔''

''مما! آپ تو ڈانٹ رہی ہیں مجھے۔''

''بتاتی ہوں جا کر۔'' سلطانہ بیگم نے غصے سے کہا اور شوہر کے کمرے کی طرف چل پڑیں۔ مرزا طارق بیگ لباس وغیرہ تبدیل کر کے صوفے پر بیٹھے تھے۔'' سلطانہ بیگم پہنچ گئیں۔

''ہاں کیا ہوا ملا وہ 111 نمبر کوٹھی میں۔''

''گئی ہی نہیں ہے صاحبزادی۔''

''کیا مطلب؟''

''میچ تھا نا آج۔''

''تو پھر۔''

''لگی ہوئی تھی میچ میں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ کار واپس نہیں گئی ہے۔''

''جی ہاں۔''

''بھئی یہ تو بری بات ہے۔ خیر اسے بلاؤ اور کہو کہ جا کر کار واپس کر آئے۔ اسے کسی قیمت پر نہ لے اور اگر 111 نمبر کوٹھی سے اس کا تعلق نہ ہو۔ تو واپس آ جائے' میں پولیس کے حوالے کر دوں گا اور کوئی بہانہ بنا دوں گا۔''

''جاتی ہوں'' سلطانہ بیگم نے کہا اور واپس چلی گئیں۔ عالیہ کے پاس پہنچ کر اس نے کہا:

''عالیہ کیا کر رہی ہو تم؟''

''مما تیاریاں کر رہی ہوں! ابھی جاتی ہوں اور کار واپس کر آتی ہوں۔''

''ہاں۔ ایسا کرو صوفی وغیرہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ اگر وہ کوٹھی نمبر 111 میں مل جائے تو اس کا شکریہ ادا کرنا اور کہنا کہ تمہارے والدین نے وہ کار قبول نہیں کی۔ وہ اس طرح کے تحفے پسند نہیں کرتے۔ لے کے جاؤ۔''

''جی مما!'' عالیہ نے کہا۔صوفی' درخشاں' نشاط اور عالمگیر تیار ہو گئے۔ انہی کے ساتھ یہ سارا کھیل ہوا تھا۔ چنانچہ عالمگیر نے ایک اور کار لی جسے وہ اکیلا ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی نمبر 111 کی طرف چل پڑا۔ادھر عالیہ خود وہ اسپورٹس کار ڈرائیو کر رہی تھی اور دل سے اس بات کی قائل تھی کہ کیا ہی شاندار کار ہے۔کوٹھی نمبر 111 کے سامنے انہوں نے ہارن بجایا تو چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے اندر داخل ہو گئی تھیں۔ اندر ایک ہاؤس کیپر نے ان کا استقبال کیا۔

''شہزادہ خرم سے ملاقات کرنی ہے۔''

''شہزادہ صاحب تو موجود نہیں ہیں آؤٹنگ کے لئے گئے ہیں۔''

''وہ کہاں گئے آؤٹنگ کے لئے؟''

اسی وقت حمایت شاہ اور عدیلہ شاہ کسی کام سے باہر آئے تھے ان لوگوں کو دیکھ کر چونک پڑے۔شہزادہ خرم نے مختصر الفاظ میں اس گاڑی کے بارے میں بتایا تھا جسے وہ کسی کو تحفہ دے آیا تھا۔ بلکہ براہ راست شہزادہ خرم نے یا علی خیر محمد نے انہیں نہیں بتایا تھا بلکہ یہ تفصیل اس نے اوصاف کو بتائی تھی اور اوصاف نے ان دونوں کو۔ بات اس لئے بہترین تھی کہ اصل کام ہی یہ تھا اور اس اصل کام سے یہ تینوں افراد واقف تھے یعنی اوصاف' حمایت شاہ اور عدیلہ شاہ بہر حال اب اس وقت ایک مناسب اداکاری کرنی تھی۔صرف گاڑی کے ذریعے ان دونوں نے آنے والوں کو پہچانا تھا۔ اسی وقت عالمگیر آگے بڑھا اور اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔''معافی چاہتے ہیں انکل! اس طرح آپ کی کوٹھی میں داخل ہو گئے۔کیا ہماری ملاقات شہزادہ خرم سے ہو سکتی ہے۔''

''آیئے بیٹے! بیٹھئے۔شہزادہ خرم تو شاید ساحل پر گئے ہوئے ہیں۔یہ ان کا بہترین مشغلہ ہے۔وہ اکثر ساحل سمندر پر وقت گزارتے ہیں۔بس کچھ ایسے ہی معاملات ہیں ان کی زندگی سے وابستہ جس کی وجہ سے انہیں ساحل بے حد پسند ہے۔'' سب کے سب چاروں طرف نگاہیں گھما کر اس عالی شان کوٹھی کو دیکھ رہے تھے جس کی ایک جھلک ہی دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی مثال آپ ہے۔عالیہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

''انکل آپ شہزادہ خرم کے کون ہیں؟''

''بیٹے! ویسے تو میں ان کا چچا ہوں اور یہ چچی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کے سرپرست ہیں۔''

''سرپرست۔''

''ہاں۔''

''اور ان کے والدین؟''

''وہ نہیں ہیں دونوں انتقال کر چکے ہیں۔ آپ لوگ آیئے۔ بیٹھئے تھوڑی دیر ہمارے ساتھ۔''

''انکل معافی چاہتی ہوں ایک اور سوال آپ سے کرنا چاہتی ہوں۔'' عالیہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

''بیٹے آپ بیٹھیں تو سہی آپ آئی ہیں یقیناً آپ شہزادہ خرم کی شناسا ہوں گی۔''

''انکل! آپ اس گاڑی کو پہچانتے ہیں۔''

''ہاں پہچانتا ہوں۔''

''آپ نے پوچھا نہیں اس بارے میں کہ یہ ہمارے پاس کیوں ہے۔''

''نہیں۔ یہ بات میرے علم میں آ چکی ہے۔شہزادہ خرم نے یہ کسی کو گفٹ کر دی ہے۔ یقیناً وہ آپ لوگ ہوں گے۔ پھر بھلا پوچھنے کا کیا سوال ہے۔'' عالیہ نے صوفی اور درخشاں کی طرف دیکھا تو عالمگیر جلدی سے بولا۔

''کیا شہزادہ خرم اسی ساحل پر ہوں گے جہاں پچھلے دن وہ ہمیں ملے تھے۔''

''شاید وہی جگہ اسے پسند ہے۔''

''کیا وہ کسی گاڑی پر گئے ہیں۔''

''ہاں سرخ رنگ کی اسپورٹس۔''

''وہ اسپورٹس گاڑیاں رکھنے کے شوقین ہیں۔''

''ابھی تو کچھ نہیں ہے۔ آپ لوگ دیکھئے کچھ دن کے بعد یہاں چار چھ گاڑیاں اور کھڑی ہوں گی وہ کسی ایک گاڑی کو بہت کم استعمال کرتے ہیں۔''

''آؤ چلیں۔''

''بیٹھیں آپ لوگ۔''

''نعیں انکل! آئیں گے دوبارہ آئیں گے آپ کے ساتھ چائے پئیں گے۔ اس وقت ذرا شہزادہ خرم سے ملاقات کرنی ہے۔'' عالیہ نے کہا اور سب کے سب گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔گاڑی اسٹارٹ ہو کر باہر نکل آئی۔سب کے چہرے سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ باہر نکلتے ہی صوفی نے کہا۔

''کیا بات ہے!! راج محل ہی معلوم ہوتا ہے کیا اس دور میں بھی واقعی شہزادوں کا

وجود ہے۔''

''شہزادے۔'' عالیہ نے طنزیہ آواز نکالی پھر بولی:

''ہاں اصل میں شاہوں کی تعداد آج تک اتنی بڑھ گئی ہے کہ شہزادے بھی گلی گلی مارے مارے پھرتے ہیں۔''

''ارے کیا بات ہے تمہارے انداز میں کچھ طنز پیدا ہو گیا۔''

''بالکل نہیں۔ جس شخص کو شہزادہ کہا جا رہا ہے واقعی وہ اپنی شان و شوکت اور حیثیت سے شہزادہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اس سے اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے نہیں ہے کہ اس نے ایک کار مجھے گفٹ کر دی ہے۔ بلکہ حقیقتاً بعض شخصیتیں اپنے نام کی تفسیر ہوتی ہیں۔ ویسے سب کا تجربہ فیل ثابت ہو گیا۔ کیا اس کوٹھی میں آنے کے بعد بھی شہزادہ خرم کے بارے میں کوئی شبہ رکھا جا سکتا ہے کہ یہ کار چوری کی ہو گی۔ اب تو اس کی تصدیق بھی ہو گئی ہے۔''

''شخصیت واقعی پراسرار ہے اور کتنے بڑے دل کا مالک یہ شخص نجانے کتنی بڑی حیثیت رکھتا ہو گا۔ ویسے ہمیں ان بزرگوں سے اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات مزید حاصل کرنی چاہئیں تھیں۔''

''خیر یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔ ہم ان سے راہ و رسم بڑھائیں گے۔ جو شخص کسی کو دوستانہ طور پر ایک اتنی قیمتی کار گفٹ کر دے وہ نظرانداز کرنے کے قابل تو نہیں ہوتا اور پھر اللہ کا فضل ہے کہ ہم بھی معمولی حیثیت کے لوگ نہیں ہیں۔ ویسے یہ کار اسے واپس کر دینی چاہئے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی تھی۔ مذاق اپنی جگہ لیکن بہرحال پہلی ہی ملاقات میں ہم کسی کا اتنا قیمتی تحفہ قبول نہیں کر سکتے۔'' عالیہ نے بھی نشاط کے الفاظ کی تصدیق کر دی۔ پھر وہ لوگ اس جگہ پہنچ گئے جہاں پچھلے دن شہزادہ خرم سے ملاقات ہوئی تھی۔ سرخ رنگ کی ایک بہت ہی خوبصورت اسپورٹس انہیں ایک طرف کھڑی نظر آ گئی تھی۔ پھر نگاہیں دوڑانے سے شہزادہ خرم بھی نظر آ گیا۔ ایک خوبصورت جوگنگ سوٹ میں ملبوس کھڑا ہوا سمندر کی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ عالیہ کے منہ سے بے اختیار آواز نکل گئی۔

''وہ رہا۔'' پھر ان کی اسپورٹس سائیڈ پر ایسی جگہ جا کر رکی جہاں دوسری گاڑی موجود تھی۔ شہزادہ خرم کی نگاہیں ان کی جانب اٹھ گئیں اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک سنا سا مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے استقبالیہ انداز میں گردن خم کی اور یہ لوگ گاڑی بند کر کے نیچے اتر گئے۔

''ہیلو شہزادہ صاحب!'' عالیہ نے کہا اور اپنا ہاتھ اس سے مصافحے کے لئے آگے بڑھا دیا۔ شہزادہ خرم نے بڑے احترام سے یہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ عالیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت قائم کر دی تاکہ دوسروں سے ہاتھ نہ ملا سکے۔ یہ اس کی ایک خودغرضانہ کوشش تھی۔ سب نے ہیلو کہا اور بات ختم ہو گئی۔

''آپ اکثر تنہا ہی نظر آتے ہیں۔'' عالیہ کہنے لگی اور خرم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''جو جیسا ہوتا ہے ویسا ہی نظر آتا ہے بس عالیہ! میں تنہا ہوں تنہا نظر آتا ہوں۔''

''عجیب سا سوال ہے۔ آپ یہ بھی پوچھ سکتی ہیں کہ میں اس دنیا میں کیوں ہوں۔''

''نہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس دنیا میں رکھے۔ یہ میں کیوں پوچھوں۔''

''بہت شکریہ۔ آپ لوگ کہاں مٹرگشت کر رہے ہیں؟''

''بس آپ کو تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ پہنچے ہیں۔''

''مجھے تلاش کرتے ہوئے؟''

''بالکل۔''

''اور کہاں تلاش کیا آپ نے مجھے۔''

''آپ کی کوٹھی پر۔''

''کیا آپ لوگ کوٹھی گئے تھے۔''

''ہاں۔''

''اوہو۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ اس طرح وہاں آ جائیں گے ورنہ میں آپ کے استقبال کے لئے وہاں تیار ہوتا۔''

''نہیں۔ بھلا تیاریوں کی کیا ضرورت تھی۔ ہم تو بہت قریبی پڑوسی ہیں۔ کبھی کسی بھی وقت ایک دوسرے کے گھر آ جا سکتے ہیں۔''

''ہاں بالکل۔ اگر آپ لوگ میرے گھر آئیں گے تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔''

''واقعی۔ آپ لوگ بہت اچھے ہیں۔ وہاں آپ کے انکل اور آنٹی بھی ملے تھے۔''

''اچھا ان سے ملاقات ہو گئی آپ کی۔''

''آپ کی کوٹھی بے حد شاندار ہے۔''

''آپ کی نذر۔'' شہزادہ خرم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے ارے نہیں۔ یہ کیا عجیب بات ہے پسند آنے والی کسی چیز کا یہ مطلب تو نہیں

کہ اس پر قبضہ جمالیا جائے۔''

درخشاں ہنس کر بولی۔

''فرض کیجئے عالیہ! آپ سے کہہ دے کہ آپ اسے بہت پسند ہیں تو آپ اسے کیا کہیں گے؟''

''یہی کہ آپ کی نذر۔'' شہزادہ خرم نے کہا اور ہنس پڑا۔

''لو عالیہ! تمہارے تو عیش ہو گئے۔'' درخشاں بے تکلفی پر اتر آئی لیکن عالیہ نے اسے گھور کر دیکھا اور بولی۔

''درخشاں! کبھی کبھی بات کہنے سے پہلے اس پر غور کرلیا کرو۔ یہ بات شہزادہ خرم نے تو نہیں کہی۔ تم نے کہی ہے۔''

''اوہ سوری سوری۔''

''ویسے شہزادہ صاحب! آپ بے انتہا فراخ دل ہیں۔ لیکن اس طرح تو لوگ آپ کے ساتھ بہت بدتمیزی اور برا سلوک کر سکتے ہیں۔''

''وہ کیوں؟''

''لوگوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ آپ اس طرح ہر کسی کی پسندیدہ چیز اس کے حوالے کر سکتے ہیں۔ تو میرا خیال ہے لوگ آپ کے کپڑے تک اتار کر لے جائیں گے۔''

''شاید ایسا نہیں ہے۔ ہر چیز ہر کسی کو تو نہیں دی جا سکتی۔'' شہزادہ خرم نے عالیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور نجانے کیوں عالیہ جو بہت تیز طرار تھی اس کے دل میں ایک عجیب سی خوشی پھوٹ پڑی پھر بھی اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

''چلئے۔ ٹھیک ہے مگر دوسروں کو بھی تو خیال رکھنا چاہئے۔ آپ کا بے حد شکریہ! اب میں یہ کار آپ کو واپس کرنے آئی ہوں۔''

''کیوں۔ مجھ سے کچھ غلطی ہو گئی۔ کوئی ایسی بات میری زبان سے نکل گئی جس نے آپ کو یہ عمل کرنے پر مجبور کر دیا۔''

''ارے نہیں نہیں۔ کل کی بات تو مذاق کی بات تھی۔ لیکن اتنی قیمتی کار اس طرح تو نہیں دی جا سکتی۔''

''آپ پلیز اس کی واپسی کی بات دوبارہ نہ کریں مجھے دکھ ہوگا۔''

''نہیں جناب۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ میں اسے بالکل نہیں لے سکتی۔ یہ آپ کی کار کی چابی۔''

''لیکن عالیہ صاحبہ! میرا ایک اصول ہے۔'' شہزادہ خرم کی سنجیدہ آواز ابھری۔

''کیا۔''

''کوئی چیز جب میں کسی کو دے دیتا ہوں تو پھر اسے واپس نہیں لیتا۔''

''یہ آپ کو واپس لینا ہوگی۔ آپ کی چیز ہے۔''

''میں نے عرض کیا نا۔ میری نگاہوں میں وہ میری اپنی چیز نہیں رہتی۔ اور اگر ایسا ہو اور وہ مجھے دوبارہ نظر آئے تو میں اسے ضائع کر دینے پر غور کروں گا۔''

''نہیں شہزادہ صاحب! کیسی بات کر رہے ہیں آپ۔ اتنی قیمتی چیز ہے بھلا میں اس کے جواب میں آپ کو کیا دے سکوں گی۔''

''ابھی آپ نے ایک بات کہی تھی۔''

''کیا؟''

''آپ نے کہا تھا کہ تنہا کیوں ہیں۔''

''ہاں کہا تھا۔''

''آپ جواب میں مجھے اپنی قربت دے سکتے ہیں۔ آ سب لوگ میرے دوست بن سکتے ہیں۔ اس سے قیمتی تحفہ میرے لئے اور کیا ہوگا۔''

''آپ یقین کیجئے ہم آپ کے دوست ہیں اور اگر آپ ہمیں اس قابل سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ نظر آیا کریں تو پھر کل سے شامیں ساتھ ساتھ ہی ساحل پر گزارا کریں گے۔''

''اس کے لئے میں بے حد شکر گزار ہوں۔''

''لیکن آپ کو ہماری بات ماننی پڑے گی۔''

''کیا؟''

''یہ گاڑی آپ واپس لے لیجئے۔''

''میں نے عرض کیا نا۔ دی ہوئی چیز میں کبھی واپس نہیں لیتا یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔''

''لیکن کسی کی چیز لینا ہماری بھی فطرت کے خلاف ہے۔'' عالیہ نے کہا۔

''جی ظاہر۔ ہے فطرت تو فطرت ہوتی ہے۔''

''براہ کرم آپ یہ چابی قبول کر لیجئے۔''

''لائیے شکریہ۔ ویسے اس کار کی خصوصیات تو آپ کو معلوم ہوں گی۔ یہ آٹو پائلٹ

بھی ہے۔''

''آٹو پائلٹ۔''

''جی۔یعنی یہ کہ جس طرح ایک ہوائی جہاز آٹو پائلٹ ہوتا ہے اور اسے آٹو پائلٹ کر کے پائلٹ کو فرصت ہو جاتی ہے۔اسی طرح یہ گاڑی بھی آٹو پائلٹ ہے۔آپ اس کا کلچ دبا کر اسے اپنی پسند کے گیئر میں ڈال دیں اس کے بعد یہ آٹو پائلٹ آن کر دیجئے۔اگر آپ ایکسلیٹر پر موجود بھی نہیں ہیں تو یہ اپنی رفتار قائم رکھے گی۔''

''واقعی ہمیں یہ بات تو نہیں معلوم تھی۔''

''دیکھئے میں آپ کو دکھاتا ہوں۔'' شہزادہ خرم نے کہا اور کار کو باہر ہی کھڑے کھڑے اسٹارٹ کر دیا اور اس کے بعد کلچ دبا کر اسے گیئر میں ڈال دیا پھر اس کے بعد وہ تھوڑا سا پیچھے ہٹا اور پھر اس نے اسے آٹو پائلٹ کر دیا۔گاڑی سیکنڈ گیئر میں تھی۔وہ تیزی سے آگے بڑھی رخ سمندر کی جانب تھا۔ابھی وہ لوگ سمجھنے بھی نہیں پائے تھے کہ گاڑی برق رفتاری سے بڑھتی ہوئی پانی میں داخل ہوئی اور وہ سب چیخ پڑے۔

''ارے ارے ارے۔ہی کیا۔یہ کیا۔'' لیکن یہ کیا اور وہ کیا سے کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔گاڑی رفتار پکڑتی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ گہرے پانیوں میں گم ہوگئی۔عالیہ نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

''یہ آپ نے کیا کیا۔یہ آپ نے کیا کیا' شہزادہ خرم۔''

''کچھ نہیں میں نے آپ کی فطرت کو داغ دار نہیں کیا۔آپ کسی کا تحفہ قبول کرنے کی قائل نہیں ہیں۔لیکن میں نے اپنی فطرت کو بھی داغ دار نہیں کیا کہ میں دی ہوئی چیز اپنے پاس رکھتا نہیں ہوں۔یہ اپنے سہی مقام پر پہنچ گئی ہے۔''

وہ سب غم میں ڈوب گئے۔اتنی قیمتی اتنی خوبصورت کار اس طرح سمندر کی نذر ہوگئی تھی اور اب شاید کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔سوائے اس کے کہ کچھ لوگوں کو بلوا کر اسے پانی سے نکلوانے کی کوشش کی جائے لیکن کیا پتا اس کوشش میں بھی کامیابی ہو یا نہیں۔اور ظاہر ہے یہ کام یہ لوگ نہیں کرسکتے تھے۔سب سکتے کے عالم میں ڈوبے کھڑے رہے۔تب شہزادہ خرم نے کہا۔

''ہمیں اپنی فطرتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔دوستی کے لئے ضروری ہے۔میں نے آپ سے درخواست کی تھی آپ نے میری درخواست قبول نہیں کی۔اگر اس وقت آپ اسے تحفتاً قبول نہ کرتیں تو شاید میرے لئے اس قدر ناخوشگوار نہ ہوتی۔لیکن اب آپ دیکھئے نا تحفے کی واپسی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی سے نفرت کا اظہار کردیں۔''

''نہیں نہیں۔ایسی بات نہیں ہے آہ۔کاش! آپ اتنی جلد بازی نہ کرتے۔آہ' کاش آپ ضرور مجھ سے یہ بات کہتے کہ عالیہ۔عالیہ افوہ کتنی اچھی کار تھی۔'' بس یہ ڈیڈی! میرا پاپا!''

''نہیں ڈیڈی کو برا نہ کہیں۔یہ پاپا' ڈیڈی' ابو اور ابا نام کی چیز بھی اتنی قیمتی ہوتی ہے۔مس عالیہ کاش! آپ کو اس کا احساس ہوتا۔'' شہزادہ خرم کی آواز میں درد گھل گیا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے ایک بات کہی تھی۔''

عالیہ متاثر لہجے میں بولی۔

''جی کیا۔یاد دلا دیجئے۔''

''آپ نے کہا تھا کہ جس وقت ہم آپ کی کوٹھی پر پہنچے تھے اگر آپ وہاں ہوتے تو ہماری خاطر مدارات کرتے۔''

''ہاں''

''یہ کام تو اب بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ آپ اپنے سمندر کی تفریح چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔''

''مطلب۔''

''چائے پئیں گے ہم اور وہ بھی آپ کی کوٹھی۔''

''کیا واقعی۔آئیے آپ لوگ...... آئیے پلیز'' اور پھر شہزادہ خرم انہیں اپنی نئی اسپورٹس میں لے کر کوٹھی کی طرف چل پڑا۔سب کے دل رنج و ملال میں ڈوبے ہوئے تھے۔عجیب انسان تھا اتنی قیمتی چیز اس نے اس طرح ضائع کردی تھی لیکن اس کی پیشانی پر کوئی شکن تک نہیں تھی آخر کار وہ کوٹھی نمبر 111 میں داخل ہوگئے۔شہزادہ خرم انہیں ساتھ لئے ہوئے کوٹھی میں داخل ہوا اور پھر اس نے کہا۔

''آئیے میں آپ کو اپنی کوٹھی دکھا دوں۔'' وہ اس قدر عالی شان کوٹھی تھی اور بیش قیمتی اشیاء سے آراستہ تھی۔اسے دیکھ کر ان سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔شہزادہ خرم واقعی ایک دولت مند نوجوان تھا۔پھر وہ ایک جگہ آبیٹھے۔تو شہزادہ خرم نے اسے کہا۔

''اب میں چائے کا بندوبست کرتا ہوں۔تھوڑا سا خود جانا پڑے گا۔''

''آ آپ پلیز بہت زیادہ تکلیف نہیں کریں۔''

''دیکھئے۔میرا گھر ہے مجھے یہ احساس قائم رکھنے دیجئے کہ یہ واقعی میرا گھر ہے اور آپ میرے مہمان ہیں۔''

''بابا! آپ سے کچھ کہتے ہوئے ڈر ہی لگتا ہے۔ ہم کچھ نہیں کریں گے۔'' نشاط نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا اور پھر افسوس سے بولی۔ ''ہائے اتنی قیمتی کار اس طرح سمندر کی نظر کر دی گئی کتنا افسوس ہو رہا ہے۔ مجھے۔'' شہزادہ خرم مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

''نہیں بابا نہیں۔ یہ تو بڑی سر پھری چیز ہے۔''

''واقعی بہت سر پھری چیز ہے۔''

''عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے۔''

''میں تو پھر یہی بات کہوں گا کہ اس کی دولت کا کیا ٹھکانا ہے کوئی حد بھی ہو۔''

''میرے خیال میں اس سے اس کے ماضی کے بارے میں پوچھنا بھی خطرناک ہی ہوگا۔''

''ہاں۔ جس طرح کا وہ انسان ہے اس کے تحت تو مشکل ہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ان بزرگوں سے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کی جائیں۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''ایسا کرنا ہم ان کے بارے مین پوچھیں گے کہ وہ کہاں ہیں اور پھر جب وہ ہمیں مل جائیں تو عالیہ تم اس سے ایک بار پھر فرمائش کرنا کہ وہ تمہیں اپنی کوٹھی دکھائے۔ پھر ہم ان بزرگوں سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں گے۔'' عالمگیر نے تجویز پیش کی۔

''ٹھیک ہے۔'' عالیہ بولی۔

''ویسے ذرا خیال رکھنا الٹی کھوپڑی کا آدمی ہے توبہ' توبہ اتنی قیمتی کار غرق کر دی۔ اب اسے نکالنے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے۔''

''بھئی ممکن ہی نہیں ہے۔ سمندر میں گر کر کوئی چیز واپس نکالی جا سکتی ہے۔'' نشاط بولا۔ وہ لوگ باتیں کرتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد شہزادہ خرم واپس آ گیا۔ پھر وہ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ لیکن جان بوجھ کر کسی نے ان بزرگوں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ چائے لگا دی گئی ہے اور وہ اس عالی شان ڈائننگ ہال میں داخل ہو گئے۔ جس کی میز ہی کم از کم 25 آدمیوں کے بیٹھنے کے سائز کی تھی۔ بہت ہی اعلیٰ درجے کی میز جس پر سونے کے ڈیکوریشن پیس سجے ہوئے تھے اور اس کے بعد میز اس طرح بھری ہوئی تھی کہ جیسے با قاعدہ ایک پوری پارٹی کا بندوبست کیا گیا ہو۔

''واقعی شہزادہ خرم! آپ شہزادے ہی ہیں۔ اب ہم کیا کہیں۔'' ملازم چائے صرف کرنے لگے۔ ابھی چند ہی لمحات گزر رہے تھے کہ حمایت شاہ اور عدیلہ شاہ اندر آ گئے۔ سب نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور شہزادہ خرم نے کہا۔

''میرے انکل! میری آنٹی۔ میرے سرپرست' میری زندگی کے رہنما۔'' سب نے ان دونوں سے ہاتھ ملائے اور اس کے بعد چائے کا آغاز ہو گیا۔ چائے کے دوران ایک دوسرے کی خیر و عافیت پوچھی گئی۔ اور اس کے بعد عالیہ نے کہا۔

''شہزادہ خرم! مجھے اپنی پسند کی چیز دکھایئے کیا آپ کو کتابیں رکھنے کا شوق ہے۔''

''نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ' آیئے۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ آپ لوگ بھی آنا پسند کریں گے۔''

''نہیں ہم انکل اور آنٹی سے گپیں لگائیں گے۔'' عالمگیر نے فوراً ہی کہا۔ خرم اور عالیہ باہر نکل گئے تھے۔ عالمگیر' حمایت شاہ سے کہنے لگا۔

''انکل! یہ دیکھئے کیا عجیب اتفاق ہے ہم نے آپ سے کہا تھا کہ کسی وقت ہم خود آ کر آپ کے ساتھ چائے پئیں گے۔ وہ وقت تھوڑی ہی دیر کے بعد آ گیا۔''

''مجھے خوشی ہو رہی ہے۔''

''ویسے انکل کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ شہزادہ خرم نے وہ قیمتی کار سمندر میں ڈبو دی جو انہوں نے عالیہ کو تحفتاً پیش کی تھی۔''

''ڈبو دی کیوں؟''

''بس عالیہ وہ کار واپس کرنا چاہتی تھی۔''

''اوہ میرے خدا! اس کے بعد کبھی ایسا نہ کرنا اس بچی کو بتا دینا اصل میں وہ تھوڑا سا ذہنی طور پر دکھی ہے۔''

''شہزادہ صاحب۔''

''ہاں۔''

''آپ نے ان کے والدین کے بارے میں نہیں بتایا۔''

''وقت ہی کہاں ملا۔ مجھے تو تمہارے آنے سے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ کم از کم تنہائی کا احساس تو کم ہوا۔ جو یہاں شدت سے تھا۔''

''ایک بات بتایئے انکل۔ آپ کو یہاں آئے ہوئے زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا۔ اس

سے پہلے آپ کہاں تھے؟"

"کینیا میں۔"

"کہاں؟"

"کینیا میں۔"

"تو آپ کینیا سے یہاں آئے ہیں؟"

"ہاں۔"

"مگر شہزادہ خرم۔"

"وہ کینیا ہی میں پیدا ہوا تھا۔"

"اوہ۔ ویری گڈ" ہمیں یہ بات نہیں معلوم تھی۔"

"بہت بڑا کاروبار تھا اس کے والدین کا۔ ایک ایئر کریش میں دونوں ہلاک ہو گئے۔ میں بھی اس کا سگا چچا نہیں ہوں۔ بلکہ دور کا ایک رشتہ تھا اور میں ان لوگوں کے ساتھ رہتا تھا۔ میں بھی اور میری وائف بھی۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد وہ کافی دن تک بری طرح اپ سیٹ رہا۔ زندگی کی کسی بھی چیز میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ بہت زیادہ اپنے ماں باپ سے منسلک تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے اس کا ذہن اس حادثے کی طرف سے ہٹایا اور پھر اس کے بعد میں یہ سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ میں جانتا تھا کہ شہزادہ خرم نے جو زندگی گزاری ہے وہ اسے کبھی نہیں بھول پائے گا۔ ہاں ایک ترکیب ہو سکتی ہے کہ جگہ بدل دی جائے۔ پہلے تو میں نے یورپ جانے کے بارے میں سوچا لیکن شاید آپ کو اس بات کا اندازہ ہو کہ یورپ کی فضائیں بڑی زہریلی ہوتی ہیں وہاں انسان آدھا انسان رہ جاتا ہے۔ ہمارا وطن پاکستان ہے اس سے بہتر جگہ بھلا اور کون سی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں منصوبہ بندی کرنے لگا۔ ہم نے سارا کاروبار فروخت کر دیا اور اس کے بعد ہم یہاں منتقل ہو گئے۔ بس یہ ہے کہانی۔ پاکستان ابھی خرم کے لئے اجنبی ہے۔ اپنی فطرت میں وہ اسی طرح کا نوجوان ہے۔ لاابالی کسی بھی چیز کی قدر نہ کرنے والا۔ دولت تو اس کے لئے ایک بے حقیقت چیز ہے۔ وہ دولت کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ جس کا ثبوت آپ لوگ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"ہاں۔ واقعی۔"

"ویسے وہ آپ لوگوں سے خاصا متاثر نظر آ رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ اس کے اچھے دوست اچھے ساتھی بن سکتے ہیں۔"

"ہم ایسا ہی چاہتے ہیں انکل! کیا آپ یہ بات پسند کریں گے۔"

"سر آنکھوں پر میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ دوستوں میں اس کا دل بہل جائے۔"

"جی انکل! آپ اس سلسلے میں بالکل بے فکر رہیں۔ اگر اس نے ہماری دوستی قبول کی تو ہم ضرور اسے اپنا ساتھی بنا لیں گے۔"

ادھر عالیہ اور علی خیر محمد کوٹھی کا جائزہ لیتے پھر رہے تھے۔ عالیہ بہت اچھی باتیں کر رہی تھی۔ علی خیر محمد کو یہ کردار نبھانا بڑا مشکل نظر آ رہا تھا لیکن بہرحال وہ اپنا کردار نبھا رہا تھا۔ عالیہ کو اس نے یہ باور کروا دیا تھا کہ وہ بہت ہی شاہانہ مزاج اور شاہانہ فطرت کا مالک ہے۔ عالیہ نے اس کہا۔

"شہزادہ صاحب۔ آپ بہت ہی عجیب و غریب آدمی ہیں۔ پتا نہیں آپ نے میری قربت کو کیا محسوس کیا ہوگا۔"

"نہیں مس عالیہ! آپ یقین کریں اگر کوئی مجھے پسند نہیں آتا تو میں اس کے ساتھ قربت کا سلوک تو کر ہی نہیں سکتا۔ وہی باتیں ہوتی ہیں پسند کرتا ہوں یا نہ پسند کرتا ہوں۔ پسند کر لیتا ہوں تو دوبارہ ملتا ہوں اور نہیں پسند کرتا تو پھر معذرت کر لیتا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" عالیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بہت دیر تک یہ لوگ ساتھ رہے اور اس کے بعد واپس آ گئے۔ مرزا طارق بیگ اپنی بیگم کے ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد سب منتشر ہو گئے۔ لیکن عالیہ کے ذہن پر ایک عجیب سا بوجھ سوار تھا۔ وہ اس عجیب و غریب شخص کے بارے میں غور کر رہی تھی۔ درخشاں اس کے پاس آ گئی۔ اس نے غور سے عالیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے آج تمہارے چہرے پر کچھ فکرمندی کے آثار ہیں۔"

"ہاں۔"

"نہیں بھلا میں کیوں فکرمند ہوتی۔"

"عالیہ کوئی بات ہے ضرور۔"

"بات تو ہے اور بات تم جانتی بھی ہو۔" عالیہ بے دھڑک لڑکی تھی۔ چنانچہ اس نے بے دھڑک ہی یہ بات کہی تھی۔

"بھلا کیا؟ بتاؤ تو سہی۔"

"ارے تم لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ پینتیس، چھتیس لاکھ روپے کی کار اس نے سمندر میں ڈبو دی اور اس کی پیشانی تک شکن آلود نہیں ہو۔"

''بڑی چیز ہے بابا! بڑی چیز ہے۔'' درخشاں نے کہا۔

''اور تم یقین کرو۔ باتیں بھی بڑی خوبصورت کرتا ہے۔ ایک عجیب سا انداز ہے اس کی باتوں کا۔ بڑا مردانہ پن جھلکتا ہے ان میں۔''

''کہیں کوئی چکر تو نہیں چل گیا۔'' درخشاں نے عالیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''لگ رہا ہے۔ درخشاں تم جانتی ہو میں جھوٹ نہیں بولتی۔'' عالیہ بولی۔ درخشاں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر کہنے لگی۔

''عالیہ کیا واقعی۔ کیا واقعی مذاق تو نہیں کر رہیں۔''

''یار...... کہہ رہی ہوں نا کہ مذاق نہیں کر رہی۔ اب تم دیکھونا۔ کوئی کسی کو ایسے ہی تو کچھ نہیں دے دیتا۔ میں نے اس کی کار کے لئے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس نے اپنی کار میرے حوالے کر دی۔ میں نے واپس کی تو اس نے اسے پانی میں ڈبو دیا۔ درخشاں یقین کرو میں اس بات سے بہت متاثر ہوئی ہوں اور میرے ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ ممکن ہے اس کے دل پر بھی میری کوئی چھاپ پڑی ہو۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے۔ وہ میرے ذہن میں آ بسا ہے۔''

''تو اب کیا کرو گی۔''

''عشق۔'' عالیہ نے شانے جھٹک کر کہا۔

''اتنا آسان کام نہیں ہے''

''؟؟ مجھے مشکل کام کرنے کا شوق ہے۔''

''انکل کو جانتی ہو۔''

''مرزا طارق بیگ کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔''

''ہاں شاید وہ میرے باپ ہیں۔''

''شاید۔'' درخشاں نے ہنس کر کہا۔ ''تم کہہ اس انداز میں رہی ہو۔ اپنے باپ کو نہیں جانوں گی تو پھر کیا جانوں گی۔''

''میرا مطلب ہے ان کے غصے کو جانتی ہو۔''

''ٹھیک ہے وہ بھی جانتی ہوں۔''

''کیا وہ تمہیں اس کی اجازت دیں گے؟''

''عشق کرنے کی۔''

''ہاں۔''

''بابا! یہ عشق و محبت جیسی چیزیں جو ہیں نا یہ کسی کے کہنے سننے سے نہیں ہوتیں۔ تم نے اتنی ساری فلمیں دیکھی ہیں تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ تو خود بہ خود ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس سلسلے میں سب سے پہلی ٹکر باپ سے ہی ہوتی ہے۔''

''معاف کرنا یہ ہمارے معاشرے کی بات نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے کی لڑکیاں تو ماں باپ کی عزت پر جان دے دیتی ہیں۔''

''تو ماں باپ کی عزت کون چھین رہا ہے بھائی! ہم عشق کر رہے ہیں سیدھا سادا ہر قسم کی برائیوں سے پاک۔ جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ ہم لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو اپنے ماں باپ کو بتا دیں گے بلکہ شہزادہ خرم کے ساتھ تو ایک اور آسانی ہے کہ ماں باپ کا کوئی چکر نہیں ہے۔ وہ تو خود فیصلہ کریں گے ہمارا معاملہ ہے تو میرا خیال ہے پاپا! وہ جو مذاق اڑا رہے تھے نا کہ کار چوری ہو سکتی ہے جب پاپا کو ساری تفصیلات پتا چلے گا تو وہ بھی سوچنے پر تو مجبور ہو جائیں گے اور پھر کہیں نہ کہیں تو انہیں میری شادی کرنا ہی ہو گی۔ شہزادہ خرم میں کیا برائی ہے۔ لمبا تڑنگا' خوبصورت' دولتمند ہماری کوٹھی سے شاندار کوٹھی ہے۔ اس کی پاپا کو اور کیا چاہئے۔''

''خدا کی پناہ۔ کتنی تیز ہو گئی ہو تم۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم بس دوسرے موضوعات پر ہی گفتگو کرتی رہتی ہو۔ لیکن تم تو آفت ہو گئی ہو آفت۔''

''ہونا پڑتا ہے یار۔ اب تم دیکھو جتنی فلمیں دیکھی ہیں ہم نے اگر ہیروئن آفت نہیں ہوئی تو خود آفت زدہ ہو گئی ہے۔ کیا سمجھیں۔''

''ہاں ایسا تو ہوتا ہے۔''

''او کے یار او کے۔ بس دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہے۔ یعنی ہمارے محترم شہزادہ خرم صاحب کہیں ہر ایک کے سلسلے میں تو اتنے فراخ دل نہیں ہیں کہ ہم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہوں۔''

''اب یہی تو فائدہ ہوتا ہے نا اگر کوئی اچھی دوست ہوتی ہے تو اچھے مشورے ہی دیتی ہے۔ بالکل ٹھیک پاپا سے گپیں ہو جائیں۔''

''ہاں بالکل بالکل۔'' اسی رات ڈنر ٹیبل پر جب کھانے سے فراغت حاصل ہوئی تو عالیہ نے بڑے اطمینان سے اپنے باپ سے کہا۔

''پاپا! آپ سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں میں۔ میرا خیال ہے اس میں صرف مما کی موجودگی تو مناسب ہے۔ باقی ذرا معاملات پرائیویٹ۔''

''ہاں بیٹے! ایسا کرو یہاں سے اٹھتے ہیں کافی اپنے کمرے میں ہی پئیں گے۔ بس آ جاؤ۔ ہمارے ساتھ۔'' کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے عالیہ نے کہا۔

''معاملہ ذرا سیریس ہے آپ فوراً ہی ریوالور نہیں نکال لیں گے اور سینے پر ہاتھ مار کر یہ نہیں کہیں گے کہ تو نے میری عزت خاک میں ملا دی۔ میں تجھے گولی مار دوں گا اور نہ ہی آپ مجھے کسی کمرے میں بند کریں گے۔ اصل میں ہم ان فلمی روایتوں کو توڑنا چاہتے ہیں پاپا!''

''ارے ارے ارے۔ کیا بکواس کر رہی ہے یہ بھئی۔'' مرزا طارق بیگ نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈ! ایک معاملہ بڑا سنجیدہ ہے۔ میں نے آپ سے شہزادہ خرم کے بارے میں کہا تھا نا۔''

''شہزادہ خرم! ہاں شاید وہ جس نے تمہیں اپنی کار دے دی تھی۔ ہاں اس کار کا کیا ہوا؟''

''وہی تو سنانے جا رہی ہوں آپ کو پاپا! ہم وہ کار واپس کرنے لگے تھے۔ جیسے اس نے ہمیں وہ کار دی تھی وہ تو ہم نے آپ کو بتا ہی دتھا۔ جب ہم کار واپس کرنے اس کی کوٹھی میں پہنچے نا پاپا! تو وہاں ہماری ملاقات دو افراد سے ہوئی۔ ان میں سے ایک کا نام حمایت شاہ تھا اور دوسری اس کی بیگم عدیلہ شاہ! ہمارا ان سے مختصر سا تعارف ہوا اور ہمیں اس بات کا پتا چل گیا کہ شہزادہ خرم اپنے ان سرپرستوں کے ساتھ کینیا سے یہاں آیا ہے۔ اس کے ماں باپ حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ کینیا ہی میں ان کا کاروبار تھا۔ ان کی ہلاکت کے بعد شہزادہ خرم کا دل وہاں سے اچاٹ گیا اور اس نے اپنا سارا کاروبار فروخت کر دیا۔ پھر اپنی دولت پاکستان منتقل کی اور یہاں آ گیا۔ ابھی ان لوگوں نے کسی نئے کاروبار کا آغاز نہیں کیا ہے۔ بس یہ شہزادہ خرم کی کہا ہے۔ تو جب میں کار واپس کرنے گئی تو میں نے اس کی کوٹھی دیکھی۔ کمال کی کوٹھی ہے آپ ذرا دیکھیں اندر سے آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔ پھر اس کے سرپرستوں نے بتایا کہ اسے ساحل گردی کا بہت شوق ہے اور وہ وہیں اپنی نئی کار میں گیا ہے۔ ڈیڈی! سرخ رنگ کی جیگ وار تھی۔ جسے وہ لے کر گیا ہوا تھا۔ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے کہا کہ ہم مذاق ختم کر رہے ہیں اتنی قیمتی چیزیں ایسے تحفے میں نہیں دی جا سکتیں۔ ہم وہ تحفہ واپس کرنے آئے ہیں تو اس نے بڑی بے پروائی سے کہا کہ دی ہوئی چیزیں واپس تو نہیں لی جاتیں اور تحفوں کی واپسی کی توہین کے مترادف ہے۔ پاپا! ہم اسی انداز میں سوچ رہوے تھے۔ ہم نے ضد کی اور کہا نہیں ہم یہ تحفہ قبول نہیں کریں گے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ دی

ہوئی چیزوں کو میں واپس نہیں لیتا اور اگر واپس آ جاتی ہیں تو اپنی نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہوں۔ پاپا! وہ آٹومیٹک کار تھی۔ آٹو پائلٹ یا آٹو کنٹرول کہہ سکتے ہیں آپ۔ اس نے اسے گیئر میں ڈالا آٹو ایکسیلیٹر کیا اور اس کے بعد اس کا رخ سمندر کی جانب کر دیا۔ پاپا کار گہرائیوں میں چلی گئی۔ ہائے اتنی قیمتی کار تھی وہ آپ نے دیکھی ہوگی۔ آپ کو تو پسند بھی آئی تھی اور آپ نے کہا کہ تیس پینتیس لاکھ کی کار ہے۔ وہ پاپا اس نے وہ سمندر میں ڈبو دی اور بڑی بے پروائی سے بولا کہ اگر آپ کو کوئی بھی چیز پسند آ جائے۔ اظہار کر دیجئے۔ ساری باتیں اپنی جگہ پاپا! آپ مجھے صرف ایک بات بتائیے کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔''

''جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ بالکل سچ ہے۔'' مرزا طارق بیگ نے کہا۔

''پاپا! میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گی۔''

''تب تو واقعی ذرا سنگین بات ہے۔ ایسا ہونا تو نہیں چاہئے تھا۔''

''عجیب آدمی ہے لیکن بہرحال کم از کم اب اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ اتنا دولت مند ہے کہ اس کے نزدیک پینتیس چالیس لاکھ کی کار کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ تعجب ہے اور افسوس بھی ہے بڑی اچھی کار تھی وہ۔ خیر چلو تو پھر اور بھی اس سلسلے میں کوئی خاص بات۔''

''وہی تو خاص بات بتا رہی ہوں پاپا! مجھے اس کی یہ ادا بہت پسند آ گئی ہے اور میں اسے بھی پسند کرنے لگی ہوں۔ پاپا دیکھیں ایک دفعہ یاد ہے آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کسی بھی مشکل کا شکار ہو۔ آپ کو اپنا دوست بنا کر اس مشکل کے بارے میں ضرور بتاؤں۔ پاپا مشکل تو یہ ہے کہ آپ دیکھئے نا۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔ وہ مجھے پسند آ گیا ہے۔ پاپا! ہمارے ہاں یہی ہوتا ہے بلکہ شاید یہی تاریخ بھی ہے کہ اگر کوئی کسی کو پسند آ جاتا ہے تو اس سے شادی کر لی جاتی ہے۔ پاپا! آپ میری شادی اس سے کر دیں نا۔ بتائیے کریں گے۔'' مرزا طارق بیگ نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اپنی بیوی کو دیکھا اور اس کی بیوی مسکرا دی پھر بولی۔

''اس بے وقوف لڑکی کو کسی گہرے انداز میں نہ دیکھئے طارق! اگر بے وقوف نہ ہوتی تو ایسی بے تکی باتیں آپ سے نہ کرتی۔''

''مما' مما آپ میری بات سنیئے۔ آپ نے وہ فلم دیکھی ہے لو اسٹوری۔ ارے وہی کمار گروال پرانی فلم۔''

''اصل میں مسئلہ تو یہی ہے طارق بیگ! ہمارا معاشرہ ان ہندوستانی فلموں نے خراب کر دیا ہے اور یہ معمول بات نہیں ہے۔ خیر وہ لوگ تو کمرشلی اپنا کام

''کرتے ہیں۔ ان کے معاشرے میں' ان کے ہاں یہ سب کچھ بالکل آسان ہے۔

اس طرح کی مضحکہ خیز حرکتیں کرتے ہیں کہ انسان کو سوچ کر ہی شرم آتی ہے۔ اب وہ ایک فلم دیکھی تھی جس میں بہن عشق فرما رہی ہیں اور قابل اعتراض مناظر پیش کر رہی ہیں اور بھائی صاحب! یعنی ہندوستان کے سپر اسٹار فرما رہے ہیں کہ ''یہ کیا ہو رہا ہے بھئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔'' یعنی بھائی صاحب میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ جو ہو رہا ہے اس سے بہن کو روک دیں۔ کم از کم ہندوستانی کلچر بھی اتنا پسماندہ اور اتنا خراب نہیں تھا جتنا ان فلموں میں پیش کیا گیا۔ مجھے تو حیرت ہندوستان کی پبلک پر۔ اتنا نہیں ہوتا وہاں پر بھی بہنوں کے بھائی غیرت مند ہوتے ہیں۔ میں بے غیرتوں کی تعداد کا موازنہ نہیں کر رہی لیکن بہر حال غیرت مند بھی ہوتے ہیں۔ چاہئے ان کا معاشرہ ان کا کلچر کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو جائے۔ یہ وہی ہندوستان ہے جہاں ستی کی رسم ادا ہوتی تھی۔ بے شک وہ رسم ظالمانہ اور گھٹیا تھی لیکن ہوتی تو تھی نا۔ یہ وہی معاشرہ ہے جہاں بھائی بہنوں کے گھر ایک پیالہ پانی نہیں پیتے تھے آج اسی معاشرے میں بھائی صاحب پوچھ رہے ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے بھائی۔ یہ کیا ہو رہا ہے اور ناچ گا بھی رہے ہیں۔ یہ ہے ہندوستان کا کلچر بلکہ ہندوستانی فلموں کا کلچر۔ ہندوستان کا کلچر میں اب بھی کہتی ہوں کہ اتنا برا نہیں ہے۔ بہت سے علاقے بڑے محفوظ ہیں۔ ہم تو خیر اپنے ہاں ایسی کسی بے غیرتی یا بے حیائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن کوئی بچی اگر اپنی ناواقفیت میں اپنے ماں باپ سے اپنی معصوم پسند کا اظہار کر دے تو اسے سمجھایا جا سکتا ہے لیکن اس کی پسند پر سوچا بھی جا سکتا ہے۔''

''بڑی لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی آپ نے۔ آپ کسی اور کلچر کی بات کیوں کریں۔ بہر حال خیر اب میں بھی اتنا پسماندہ ذہن کا مالک نہیں ہوں۔ بیٹا! ایک کام کرتے ہیں ابھی تم بہت زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ ملتے ہیں۔ کیا نام بتایا تم نے اس کا؟''

''شہزادہ خرم۔''

''تمہارے شہزادہ خرم سے ملتے ہیں بلکہ ایسا کرو اتنی ساری ملاقاتیں تو ہو ہی چکی ہیں تمہاری اس سے ایک دو تم لوگ بلکہ یوں کرو۔ اچھا مجھے بتاؤ تم نے اس کا ٹیلی فون نمبر لیا ہے۔''

''ایں۔ نہیں پاپا! ٹیلی فون نمبر تو نہیں لیا۔''

''چلو خیر چھوڑو۔ تم ایسا کرو کسی وقت چلی جاؤ۔ اس کے ہاں اگر وہ تمہیں چائے وغیرہ کی آفر کرے تو اسے قبول کر لو اور اس کے بعد اسے اپنے ہاں چائے کی دعوت دے ڈالو۔''

''جی پاپا، جی پاپا'' عالیہ خوش ہو کر بولی۔

''وہ آ جائے گا بلکہ ایسا کرو اس کے ساتھ اس کے ان سر پرستوں کو بھی مدعو کر لو۔ ذرا سب سے ملاقات ہو جائے گی پھر ہم بھی اس کے ہاں چلیں گے کیا سمجھیں۔''

''جی پاپا! آپ کہتے ہیں تو میں ایسا کرلوں گی۔''

''ہاں۔ ہم دیکھ لیتے ہیں کہ یہ شہزادے صاحب کیسے ہیں۔ بیٹا! بات پتا ہے کیا ہے اصل میں یہ دور بڑے فریب کا دور ہے اور اس میں انسان پتا نہیں کیا کیا کھیل کھیلتا ہے۔ تمہارا پاپا ایک دولت مند آدمی ہے اور تم اس دولت مند آدمی کی اکلوتی بیٹی ہو۔ کوئی بھی تمہارے پاپا کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے کوئی بھی کارروائی کر سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ تم ایک ارب پتی باپ کی بیٹی ہو۔ بیٹا! سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک ارب پتی باپ کی بیٹی کو حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے جال بچھائے جا سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ سارا کوئی ڈراما ہو لیکن بات مرزا طارق بیگ کی ہے۔ بیٹے! ہم تو اس ملک کا سب سے بڑا ڈرامہ ہیں۔ ہمیں کوئی ڈراما کر کے کیسے بے وقوف بنا سکتا ہے۔ میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے نا۔''

''جی پاپا!''

''تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ ہم بھی ذرا سی معلومات حاصل کر لیں۔ تم یہ کام ایک دو دن کے بعد کرنا جلدی نہیں کرنی ہے کیا سمجھیں۔''

''میں کب اس کے پاس جاؤں پاپا!''

''کل چلی جاؤ، پرسوں چلی جاؤ۔''

''پاپا! وہ جو میں نے آپ سے کہا نا کہ میں اس سے روز ملنا چاہتی ہوں۔''

''نہیں بیٹے! یہاں اگر آپ اپنے پاپا سے بات کر رہی ہیں نا۔ تو تھوڑا سا پاپا کی باتوں کا بھی خیال کرو۔ دیکھو۔ ہم نے آپ کو نہ تو ڈانٹا نہ غرائے کہ ایسا آپ نے کیوں کیا؟ آپ کی بات ہم نے بڑے صبر کے ساتھ سنی ہے۔ اب ہم جو کہہ رہے ہیں وہ بھی آپ صبر کے ساتھ سنئے اور کیجئے کیا سمجھیں۔''

''جی پاپا جی۔''

''آپ آرام سے اس کے پاس جائیں اس سے ملیں، درخشاں وغیرہ کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھیں یہ ضروری ہے کیا سمجھیں۔''

''جی پاپا جی۔''

''اسے اپنے گھر مدعو کریں ایک دو دن کے بعد یا فرض کیجئے آپ کل ملتی ہیں اس سے یا پرسوں ملتی ہیں۔ تو ایک دن کے کہہ دیجئے اتنے دن کافی ہیں اور پھر اسے یاں بلایئے اور پھر ہمارے فیصلے کا انتظار کیجئے۔''

''جی پاپا ٹھیک ہے۔''

''اور کچھ؟''

''نہیں پاپا! تھینک یو او کے۔'' عالیہ نے کہا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ مرزا طارق بیگ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ دیر تک وہ اپنا داہنا رخسار کھجاتا رہا پھر اس نے بیوی سے کہا۔

''ذرا باہر جا کر دیکھو کہیں عالیہ بیگم دروازے سے کان لگائے تو نہیں کھڑی ہوئیں۔'' بیوی مسکرا دی اور خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئی لیکن باہر کی راہ داری سنسان پڑی ہوئی تھی۔ کچھ لمحے کے بعد سلطانہ بیگم واپس آ گئی اور بولی۔

''نہیں وہ اپنے کمرے میں جا چکی ہے ویسے بھی وہ اتنی فریبی نہیں ہے۔''

''یہی تو سب سے بڑی بات ہے سلطانہ کہ وہ فریبی نہیں ہے ایک سیدھی سادی بچی ہے جو بڑی صاف دلی کے ساتھ اپنے باپ سے اپنی پسند کا اظہار کر سکتی ہے۔ بغیر کسی ریا اور فریب کے لیکن میرا تو فرض ہے نا۔''

''تو پھر کیا کہتے ہیں آپ؟''

''بھئی۔ کل کا دن مجھے اس سلسلے میں صرف کرنا پڑے گا۔ اپنے کچھ لوگوں کو اپنے اس کام پر متعین کرتا ہوں کہ پہلے تو یہ معلوم کریں کہ یہ کوٹھی واقعی خریدی گئی ہے یا کہیں کرائے وغیرہ پر حاصل کی گئی ہے۔ اگر کرائے پر حاصل کر کے اسے ڈیکوریٹ وغیرہ کر لیا گیا ہے تو اس کا مقصد ہے کہ شہزادہ خرم نے یا اس کے سرپرستوں نے عالیہ سے جھوٹ بولا۔ یہ معلومات بھی کروانی پڑے گی کہ یہ شہزادہ صاحب واقعی کینیا سے آئے ہیں۔''

لیکن تیس پینتیس لاکھ کی گاڑی اس نے پانی میں ڈبو دی!''

''اصل میں اس بات نے مجھے محتاط کر دیا ہے کہ دوسرا ہوتا تو ایک دم سے چونک پڑتا لیکن یہ ایک بہت بڑا ڈرامہ ہے۔ وہ تیس پینتیس لاکھ کیا دو تین کروڑ کا نقصان بھی کر سکتے ہیں۔ اگر انہیں اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ مرزا طارق بیگ کی بیٹی ان کی بیوی بن سکتی ہے کیا سمجھیں بہت دور تک دیکھنا پڑتا ہے۔ بہت دور تک سوچنا پڑتا ہے۔'' سلطانہ بیگم نے آنکھیں بند کر کے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''واقعی یہ ساری شان و شوکت آپ پر بجتی ہے کیونکہ آپ بہت ذہین ہیں اور بہت دور تک سوچتے ہیں۔''

مرزا طارق بیگ مسکرانے لگا تھا۔

پتا نہیں کیوں غازی شاہ پر ان دنوں بڑی عجیب و غریب کیفیات کے حملے ہو رہے تھے' نہ جانے کیسی کیسی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب دل مراد کو کیتھرائن کی آغوش میں دیکھتا تو ایک عجیب سے دکھ کا احساس ہوتا تھا۔ یہ حق کسی اور کا تھا جو اب کیتھرائن کو مل گیا تھا۔ دوسری طرف ایک مظلوم چہرہ اسے دکھ بھری نگاہوں سے دیکھتا نظر آتا تھا۔ شمیلا جو ہر حال میں صبر کرنے کی عادی تھی' لیکن یہ صبر اب غازی شاہ کے دل پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ ایک دن وہ دور سے کیتھرائن کو دیکھ رہا تھا' جو علی مراد کو گود میں لئے بیٹھی کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ یہ ایک ملازمہ تھی جس سے ان دنوں کیتھرائن کی بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ ملازمہ عام طور سے کیتھرائن کے قریب نظر آتی تھی۔ اس کا نام دریہ تھا' دریہ کیتھرائن سے باتیں کرتی رہی اور بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر کیتھرائن نے دل مراد کو ایک طرف ڈال دیا اور اٹھ کر کہیں چلی گئی۔ دریہ لاپروائی سے دوسری طرف دیکھتی رہی اور دل مراد وہیں اسی جگہ پڑا ہوا سامنے کسی چیز کو دیکھتا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت غازی شاہ پر ایک عجیب احساس کا سا حملہ ہوا وہ اپنی جگہ سے اٹھا' لیکن پھر کچھ سوچ کر مڑ کر دوسری سمت چل پڑا لیکن اسی شام اس نے دریہ کو ایک غلام گردش میں جاتے ہوئے دیکھا۔ کیتھرائن یہاں سے بہت فاصلے پر تھی۔ اس نے اشارے سے دریہ کو بلایا اور دریہ اس کے پاس پہنچ گئی۔

''خادم سائیں! حکم کیجئے''

''دریہ ایک بات بتاؤ تم علی خیر محمد گوٹھ کی ہی رہنے والی ہو نا''

''جی مالک سائیں حکم کرو''

میں تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم ہماری خادم ہو یا کیتھرائن کی''

''سائیں! آپ دونوں مالک ہو''

''مگر تمہیں معلوم ہے کہ میں علی خیر محمد گوٹھ کا آدمی ہوں اور وہ باہر کے ملک سے آئی ہوئی۔''

’’جی سائیں! معلوم ہے‘‘

’’تمہیں صرف مجھ سے سچ بولنا چاہیے اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ اگر میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں تو تمہیں سچ ہی بتانا ہوگا اور اگر اس کے خلاف ہوا تو ہوسکتا ہے کیتھرائن تم پر عنایتوں کی بارش کرتی ہو، تمہیں کچھ لیتی دیتی رہی ہو، لیکن وہ تمہیں زندگی نہیں دے سکتی، دریہ! میرے ایک اشارے پر میرے آدمی تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور کسی جنگل میں جا کر قتل کر دیں گے یہ بات تم جانتی ہونا۔‘‘

’’مالک ہو سائیں! مالک ہو، ہم سے کوئی غلطی ہوگئی تو پہلے ہمیں بتا دو، بعد میں جو آپ کا دل چاہے کرو۔‘‘

’’کوئی غلطی نہیں ہوئی تم سے، میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میں تم سے کوئی سوال کر رہا ہوں، تو اس سوال کا جواب دوگی اور اسے ہمیشہ کے لئے اپنے دل سے مٹا دوگی۔ اپنے دماغ سے نکال دوگی، یہ بھول جاؤ گی کہ تم سے کوئی سوال کیا گیا یا نہیں۔

’’جی سائیں! آپ ہمیں آزما کر دیکھو، خادم ہیں، غلام ہیں آپ کے۔

’’آج دوپہر کو فلاں جگہ بیٹھی ہوئی کیتھرائن تم سے کیا باتیں کر رہی تھیں‘‘ دریہ نے چور نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا تو غازی شاہ نے انگلی اٹھا کر کہا۔

’’سمجھ لینا اس بات کو، میں دوسرے قسم کا آدمی ہوں، سچ اور جھوٹ پکڑنا جانتا ہوں‘‘

’’نہیں مالک! جھوٹ کیوں بولیں گے آپ سے، بس ہم تو یہ کہہ رہے تھے کہ کہیں بات غلط نہ ہو جائے‘‘

’’بات بتاؤ‘‘

’’سائیں دل مراد کو دیکھ رہی تھیں، بیگم سائیں! اور کہہ رہی تھیں کہ کاش! یہ میرا خون ہوتا۔ کاش! اس نے میرے وجود سے جنم لیا ہوتا، دریہ! جب میں اسے دیکھتی ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ یہ صرف غازی شاہ کا خون ہے اور غازی شاہ کی ماں نے میرے اور اس کے درمیان یہ فاصلے پیدا کر دیئے ہیں۔ یہ کبھی میرا اپنا نہیں ہوسکتا، کل کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اپنی ماں کو یاد کرے اور میرے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ میں اسے صرف غازی شاہ کی اولاد سمجھ کر پال رہی ہوں، میں صرف اسے اس لئے پروان چڑھا رہی ہوں کہ یہ میرے نام سے علی خیر محمد گوٹھ کا سردار بنے اور اگر شرجیلہ اس وقت تک زندہ نہ ہو تو اس کی روح قبر میں تڑپے کہ جو کچھ اس نے کرنا چاہا تھا وہ نہیں ہوسکا، بس ایسی ہی باتیں کر رہی تھیں۔‘‘ غازی شاہ کے دل کو دھکا سا لگا تھا، بہرحال اس نے فوراً ہی کہا۔

’’دریہ دوسری بات جو میں نے کہی تھی وہ یاد ہے تجھے؟‘‘

’’ہاں سائیں یاد ہے‘‘

’’کیا کہا تھا میں نے‘‘

’’آپ نے کہا تھا سائیں کہ میں اس بات کو بھول جاؤں‘‘

’’تو بھول گئی تو؟‘‘

’’ہاں سائیں‘‘

’’یہ مذاق نہیں ہے دریہ جو میں نے کہا ہے‘‘

’’سائیں! ایک بات بولیں آپ کو، ہم تو بڑے غریب لوگ ہیں، خادم ہیں آپ کے، آپ کا نمک کھاتے ہیں، مگر ہمارے اپنے سینوں میں دل ہوتا ہے سائیں! آپ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ کے خادم ہیں آپ کے غلام ہیں۔ ڈر کی وجہ سے نہیں، زندگی موت تو اللہ سائیں کے ہاتھ ہے۔ آپ کی وفاداری میں یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ آپ نے جو ایک بات ہم سے کہہ دی، وہ ہمارے لئے بہت بڑی ہوگئی۔ آپ بے فکر رہو ہماری زبان سے آپ کے کہے ہوئے الفاظ کبھی نہیں نکلیں گے۔‘‘

’’شکریہ دریہ! جاؤ‘‘ غازی شاہ کو عورت کی بات پر پورا پورا اطمینان ہوگیا، لیکن جو الفاظ اس کے کانوں میں پڑے تھے، وہ اس کے لئے بڑے ہی دکھ بھرے تھے، یہ تو کچھ نہ ہوا اس نے اتنی بڑی ناانصافی کی شمیلا کے ساتھ اور اس کے نتیجے میں آج بھی کیتھرائن یہ کہتی ہے کہ یہ اس کا خون نہیں ہے، بات تو ٹھیک ہے بالکل لیکن دل مراد کے ساتھ بے اعتنائی غازی شاہ کو بالکل پسند نہیں آئی۔ دل مراد اسی کا بیٹا کہلاتا، علی خیر محمد گوٹھ کا سردار ہوتا لیکن اسے اس کی ماں کا خلوص اور پیار ملتا، نہ جانے کتنی دیر تک غازی شاہ ان تمام باتوں کو سوچتا رہا تھا، شاید غلطی کی ہے میں نے، مجھے ایک انگریز عورت سے شادی کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ یا کر بھی لی تھی تو کم از کم اسے علی خیر محمد گوٹھ لا کر اپنی ماں اور اپنے بھائی سے تعاون کرنے پر مجبور کرنا چاہیے تھا کہ جو کچھ میں کر چکا ہوں نادانی میں کیا ہے میں نے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی اتنی بڑی مخالفت ہوگی۔ مجھے معاف کر دیا جائے اور کیتھرائن کو سینے سے لگا لیا جائے میری ماں اور میرا بھائی اتنے ہی فراخ دل ہیں کہ میری اس معذرت کو قبول کر لیتے۔ لیکن غلطی کی ابتداء میں نے ہی کی اور کیتھرائن کو اس انداز میں سوچنے کا موقع دیا۔ کہہ دیتا میں اس سے کہ صورت حال بدل چکی ہے اور اب اسے تعاون کرنا چاہیے، لیکن کیتھرائن، کیا کیتھرائن میری اس بات کو قبول کر لیتی، اگر نہ کرتی تو میں اسے واپس انگلینڈ بھیج دیتا اور اب میں اس حد تک آگے بڑھ چکا ہوں۔

بہت سی باتیں سوچ رہا تھا وہ اور اسے یہ احساس ہوتا جا رہا تھا کہ کیتھرائن! یہاں اس کے اپنے گوٹھ میں تنہا ہونے کے باوجود حکمراں ہے' اور اپنی مرضی کے مطابق سب کچھ کر رہی ہے۔ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور میرے سہارے سے وہ میرے ہی گھر میں تباہیاں پھیلا رہی ہے۔ پھر اسے مکرم شاہ کا خیال آیا' ایک اور مظلوم کا چہرہ جس نے آج تک زبان سے غازی شاہ سے یہ بات نہیں کہی تھی کہ غازی شاہ تم دونوں میاں بیوی نے میرے بیٹے کو مجھ سے چھینا ہے۔ مجھے میرا بیٹا واپس کرو' کبھی نہیں کہا تھا اس نے' کبھی سخت رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے چہرے کے نقوش بتاتے تھے کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے بے حد غم زدہ ہے' اکیلا ہی بیٹا تھا اس کا' برا ہوا ہے' یہ سب کچھ برا ہوا ہے۔ جوش میں' جذبات میں' میں نے اپنوں پر ظلم کیا ہے۔ کیتھرائن اب بھی دریہ سے کہتی ہے کہ بیگم سائیں نے اس کے ساتھ ظلم کیا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بیگم سائیں نے جو قدم اٹھایا وہ بہت برا تھا۔ ماں ہیں وہ میری' نہیں کہہ سکتا میں ان کے بارے میں کچھ' لیکن بیگم سائیں نے ٹھیک نہیں کیا تھا۔ یہ بات میں دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ البتہ کیتھرائن نے جوابی طور پر جو کچھ کیا ہے وہ غلط کیا ہے اور پھر کیتھرائن یہ بات کہتی ہے اب بھی دل مراد کے بارے میں' اس نے ہی میری شادی کرائی تھی' لیکن شمیلا بھی انسان کی بچی ہے۔ کیتھرائن تو ناگن ہے' انسانوں کا خون پینے اور انسانوں کا خون بہانے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ وہ سب کچھ کر ڈالتی ہے۔ علی خیر محمد گوٹھ کے لوگ اس کے دشمن ہیں' وہ ہر طرح سے انہیں زندگی سے دور کر دیتی ہے سکھاواں اور اس طرح کے بہت سے لوگ اور پھر ناگی بابا اور شمیلا' اس کی نگاہوں میں کوئی بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ نہیں یہ تو غلط ہے' غلط ہے یہ اور پھر اپنے طور پر وہ ایسے عمل بھی کر ڈالتی ہے' جو اسے نہیں کرنے چاہیے تھے۔ فضل شاہ جس طرح کا آدمی تھا' غازی شاہ سے زیادہ اسے اور کون جانتا تھا۔ لیکن اس نے تنہائی میں فضل شاہ سے ملاقات کی اور علی خیر محمد کو اس کے حوالے کر دیا تو بہ توبہ' توبہ کتنا اندھا ہو گیا تھا میں' میں نے علی خیر محمد کو کھدوانا کے سپرد کر دیا تھا۔ سرزمین سندھ کو ایک اور ڈاکو دینے کی کوشش کی تھی میں نے' کیا اپنے وطن سے اتنی نفرت ہے مجھے' میری نفرت تو اس وقت اپنی ماں اور بھائی کے رویے کے خلاف تھی' علی خیر محمد گوٹھ کے لوگوں نے میرے ساتھ کیا کیا تھا۔ اتنا پاگل اتنا دیوانہ ہو گیا تھا میں ایسا تو نہیں ہونا چاہیے تھا بابا! اور اب مجھے کیا کرنا چاہیے' سب سے پہلا کام یہ ہے کہ سائیں مکرم شاہ کو ان کا بیٹا واپس کروں' غلط ہے یہ سب کچھ غلط ہے بالکل غلط ہے۔ قربان پر اسے پورا پورا اعتماد تھا۔ قربان ایک قابل اعتماد ساتھی تھا' وہ صرف پیسے کا بندہ نہیں تھا۔ بلکہ غازی شاہ کا دوست بھی تھا' غازی شاہ کی ہر مشکل میں کام آنے والا' اس وقت

بھی غازی شاہ نے اسے ہی اپنے پاس بلایا تھا اور قربان اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے غازی شاہ کی صورت دیکھی اور دست بستہ اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''قربان!'' غازی شاہ نے اپنے مخصوص انداز میں مخاطب کیا۔

''سائیں پر قربان'' قربان نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''یار! قربان مجھے ایک بات بتاؤ' کیا کرتا ہوں میں تمہارے ساتھ' کیا دیا ہے میں نے تمہیں' تم نے اپنے آپ کو میرے لئے وقف کر دیا ہے' ہر اچھے برے حال میں تم میرا ساتھ دیتے ہو' آخر کیوں؟''

''سائیں! دل کی بات کہیں' کہیں برا تو نہیں مانو گے''

''نہیں قربان! تمہاری بات کا برا ماننا اب میرے لئے ممکن نہیں ہے'' غازی شاہ نے کہا۔

''بہت بڑی بات کہہ دی سائیں آپ نے' سارے شکوے ہی دور ہو گئے' جو کہنا چاہتے تھے اب وہ بے کار ہو گیا ہے۔''

''نہیں کہو' میں سننا چاہتا ہوں''

''سائیں! بات یوں ہوتی ہے کہ انسان چاند کو پسند کرتا ہے وہ اس کی اپنی پسند ہوتی ہے' اب ضروری تو نہیں ہے کہ چاند بھی اس سے اتنی ہی محبت کرے وہ تو آسمان پر ٹنگا ہوا ہوتا ہے۔ سائیں! آپ ہمارے لئے ہمارا چاند ہو' پتا نہیں کب سے ہماری آپ کی دوستی تھی' سائیں بچپن آپ کو یاد ہو یا نہیں' کیونکہ آپ انگلینڈ میں رہ کر آئے ہو' لیکن ہمیں وہ بچپن یاد ہے جب آپ ہمارے ساتھ کھیلتے تھے۔ سائیں ذرا تھوڑا سا پیچھے لوٹ جاؤ۔ آموں کے باغ میں جب آم لگتے تھے تو ایک بار آپ آم کے درخت پر چڑھے تھے اور وہاں سے گر پڑے تھے۔ سائیں ہم نے نیچے گر کر آپ کو اپنے اوپر گرایا تھا۔ تاکہ آپ کو چوٹ نہ لگے اور اس وقت سے ہم نے آپ کو کبھی آم کے درخت پر نہیں چڑھنے دیا اور جب باغ میں جاتے تھے تو ہم ہر درخت پر چڑھ چڑھ کر آپ کے لئے آم توڑ توڑ کر پھینکتے تھے۔ سائیں بات وہی چاند سے محبت کرنے والی ہے' بعد میں یہاں آنے کے بعد آپ کو ہم یاد آئے اور آپ نے ہمیں اپنی غلامی میں لے لیا۔ سائیں معاف کرنا تب آپ نے ہم سے یہ بات کہی کہ اب ہم سے کوئی بات چھپانا ممکن نہیں ہے۔ اس میں بہت بڑا رتبہ تھا' ہمارے لئے لیکن اس سے پہلے سائیں ہم یہ سوچتے تھے کہ چلو ہم تو آپ کے دوست ہیں' آپ ہمارے مالک ہو بہرحال کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دوستی منہ سے کہے بغیر بھی نبھائی جاتی ہے' بس یہی خیال تھا سائیں ہمارے دل میں۔''

''خدا تمہیں خوش رکھے قربان! میں جواب میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں اور جہاں تک میرے تمہارے رشتے کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے قربان! میری زبان سے کبھی اس طرح کے الفاظ نکلے ہوں' جنہوں نے تمہارا دل دکھایا ہو۔ لیکن قربان ایسے الفاظ کی معافی مانگتا ہوں میں' قربان کا ہاتھ غازی شاہ کے ہونٹوں کی جانب بڑھا لیکن پھر رک گیا۔

نہیں سائیں بس بات ختم ہوگئی اس موضوع ہی کو ختم کر دیتے ہیں سائیں! ہاتھ جوڑتے ہیں آپ کے سامنے آئندہ کبھی معافی نہیں مانگنا ہم سے' آپ ہمیں کتنی ہی عزت دے دو' کتنا ہی مان دے دو' ہم آپ کے خادم ہی رہیں گے۔ بہرحال بڑی جذباتی باتیں ہوگئی ہیں۔''

''یار! میں بہت پریشان ہوں''

''سائیں! پر قربان! پریشانی کی وجہ بتاؤ''

''قربان بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں تم سے دل کا بوجھ تمہارے سوا اور کسی کے سامنے ہلکا بھی تو نہیں کر سکتا۔''

''جی سائیں! آپ بات کرو''

''یار دیکھو میں انگلینڈ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا' تم ایک کام کرو' جو کچھ بھی کہوں میری سوچ کا جواب دیتے جانا' تو انگلینڈ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا میں' سائیں مکرم شاہ نے اپنے پیار میں مجھے انگلینڈ بھیج دیا۔ میرے دل میں بعد میں میرا مطلب ہے جب ہمارے تعلقات خراب ہوئے۔ کیتھرائن کی وجہ سے یہ خیال بھی آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ سائیں مکرم شاہ نے ہمیں اس لئے باہر بھیج دیا ہو کہ میں علی خیر محمد گوٹھ سے دور ہو جاؤں اور سائیں ان ساری زمینوں پر اتنا قبضہ مکمل کر کے لکھ کر رکھیں۔ ہم نے یہ بھی سوچا کتنی ہی بار کہ ہو سکتا ہے۔ سائیں مکرم شاہ نے سوچا ہو کہ کچھ عرصے کے بعد بڑی بیگم سائیں کا تو انتقال ہو جائے گا بعد میں سائیں مکرم شاہ کی اولادیں علی خیر محمد گوٹھ میں ساری جائیدادوں کی مالک ہوں گی۔ یہ بات صرف ہم نے ہی نہیں سوچی بلکہ کیتھرائن نے بھی سوچی تھی' لیکن......''

''سائیں آپ نے کہا ہے کہ میں بیچ میں بولتا جاؤں''

''ہاں میں یہی چاہتا ہوں''

''سائیں! یہ سوچ غلط تھی آپ کی''

''وجہ بتاؤ''

''اور کچھ نہیں' ہم آپ کو وجہ یہ بتاتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ سائیں مکرم شاہ نے آپ کو انگلینڈ بھیجا تھا تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک لائن منتخب کی تھی سو آپ علی خیر محمد گوٹھ واپس آئیں۔ تو اس علاقے کو سرسبز و شاداب بنا دیں۔ آپ کے پاس غیر ملکی ٹیکنالوجی ہوگی۔ سائیں! نظریہ برا نہیں تھا ان کا' چلیے چھوٹا منہ بڑی بات ہے' یہ بات مجھے نہیں' کہنی چاہیے سائیں اس کے بعد جب زمینوں کا معاملہ آیا اور آپ نے ان سے مطالبہ کیا تو انہوں نے اپنے طور پر خفیہ دستاویزات آپ کو دے دیں۔ سائیں! بات تو یہاں ختم ہو جاتی ہے' اب بڑی بیگم سائیں نے آپ کو اپنی زندگی تک کے لئے ان زمینوں سے بے دخل کر دیا' یہ الگ بات ہے لیکن مکرم شاہ نے جو آپ کو دیا اس سے ان کی نیت صاف ہو جاتی ہے۔

''بالکل ٹھیک کہتے ہو میں اس بات کو دل سے مانتا ہوں' یار! کیتھرائن سے شادی کر لی میں نے' ناتجربے کار آدمی تھا یہاں آیا تو یہ کہہ کر آیا تھا کہ بڑا جلوس نکلے گا میرا' بڑی خوشیاں منائیں گے علی خیر محمد گوٹھ کے لوگ کہ میں نے شادی کر لی ہے۔ پر یہاں بڑی بے عزتی ہوئی میری بس وہیں سے دل خراب ہو گیا تھا' خیر چھوڑو ان باتوں کو' مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے کیتھرائن نے اپنے دل میں نفرت کا جو مینار قائم کیا ہے وہ بہت اونچا ہے اور اس مینار کی تعمیر میں میں نے اس کی پوری پوری مدد کی ہے۔ یہ میں نے غلط کیا ہے'' قربان نے سر جھکا لیا کچھ نہ بولا اس بات پر تو غازی شاہ نے کہا۔

''کیا کہتے ہو قربان!''

''نہیں سائیں! میں کچھ نہیں کہوں گا میری اوقات سے بڑھ کر بات ہے''

''قربان! دوسری بات یہ ہے کہ کیتھرائن صرف اپنے آپ سے مختلف ہے بار بار یہ احساس ہوا ہے کہ وہ صرف وہ کرتی ہے' جس میں اس کے دل کی خوشی ہو' یہ غلط بات ہے۔ اب پچھلے دنوں میں نے بڑی محنت کر کے اسے بڑی بیگم سائیں سے ملایا ہے۔ سائیں مکرم شاہ سے بھی تعلقات اچھے ہوئے ہیں' لیکن لگتا ہے کیتھرائن کا دل اب بھی صاف نہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے سائیں! آپ زیادہ بہتر سمجھتے ہو''

''اس کے علاوہ کیتھرائن جیسے فضل شاہ تک پہنچی یہ بات مجھے سخت ناپسند آئی' فضل شاہ کس طرح کا آدمی ہے یہ بات نہیں معلوم ہے'' قربان نے عجیب سی نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھا اور پھر گردن جھکا لی۔

''کچھ کہنا چاہتے ہو تم''

''نہیں سائیں!''

''قربان''

''جی سائیں''

''دوست کہتے ہوا اپنے آپ کو میرا' بتاؤ کیا کہنا چاہتے تھے''

''نہیں سائیں! بالکل نہیں' جو بات ہمارے ذہن میں آئی تھی وہ زبان تک نہیں آ سکتی'' غازی شاہ قربان کا چہرہ دیکھتا رہا پھر بولا۔

''چلو ٹھیک ہے' چھوڑو ان باتوں کو' میں اس حد تک بھی تمہیں مجبور نہیں کرسکتا۔''

''بہت شکریہ سائیں! آپ کی بڑی مہربانی''

''اب یہ بتاؤ علی خیر محمد کے بارے میں کیا کیا جائے' کیتھرائن نے اسے فضل شاہ کے حوالے کردیا ہے' ظاہر ہے فضل شاہ اسے فرشتہ تو نہیں بنا رہا ہوگا' اس نے کیا کیا ہے علی خیر محمد کا یہ بات کسی کو نہیں معلوم' مجھے بھی نہیں۔

''سائیں بیگم سائیں کو بھی نہیں معلوم' میرا مطلب ہے چھوٹی بیگم سائیں کو''

''کیا کہا جاسکتا ہے' اسے بھی نہیں معلوم مگر میں بھرپور معلومات چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ علی خیر محمد کو اب ہماری تحویل میں ہونا چاہیے۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کا ازالہ کریں گے۔''

''سائیں! بہت سی الجھنیں ہیں' علی خیر محمد نے پولیس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے' وہ ایک بڑی خطرناک بات ہے''

''ہاں ہے' لیکن ایک کام کرتے ہیں علی خیر محمد کو اپنی تحویل میں لے کر اسے خفیہ طریقے سے کراچی میں رکھتے ہیں اور پھر وقت گزرنے کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن علی خیر محمد کو برائیوں سے بچانا ہے' اس دوران سائیں مکرم شاہ کو بھی اس کے بارے میں بتا دیا جائے گا اور ماں باپ کو اس سے ملا دیا جائے گا۔ تاکہ ان کا دل بھی ٹھنڈا ہو' یہ ہونا ضروری ہے۔''

''جی سائیں بہت ضروری ہے''

''فضل شاہ سے ملاقات کرو اور جس طرح بھی بن پڑے اس سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو'' غازی نے کہا اور قربان کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا' تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اس کے بعد میں نے مدھم لہجے میں کہا۔

''سائیں! یہ مناسب نہیں ہوگا''

''کیا؟'' غازی شاہ چونک پڑا۔

''ہاں سائیں! اگر ہم فضل شاہ صاحب سے ملیں گے اور اس سے علی خیر محمد کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے تو سائیں آخر بیگم سائیں کو معلوم ہوجائے گا اور وہ یہ سوچنا

شروع کردیں گی کہ اب آپ نے اس ہٹ کر سوچنا شروع کردیا۔ سائیں! میرے کو معاف کرنا' آج تک ان کا یہی خیال ہے کہ جو بات ان کے دماغ میں آتی ہے اور ان کی زبان سے نکلتی ہے' آپ اس کے لئے مشین کا ایک پرزہ بن کر ان کے کہے پر عمل کرتے ہو۔''

''ہاں ایسا ہی ہوا ہے' میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں''

''تو بیگم سائیں یہ بات سوچیں گی کہ اگر آپ نے الگ سے فضل شاہ سے بات چیت شروع کی تو شاید آپ ان سے الگ سوچ رہے ہو' غازی شاہ قربان کے ان الفاظ پر سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ قربان بلاشبہ ایک بہترین مشیر تھا اور جو کچھ کہتا تھا اس کا گہرا مفہوم ہوتا تھا' پھر اس نے کہا۔

''تو پھر اگر میں خود کیتھرائن سے اس بارے میں بات کروں گا تو یہ مناسب نہیں ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ کیتھرائن کوئی الٹی چال چل ڈالے جس سے علی خیر محمد ہمیشہ کے لئے ہم سے دور ہوجائے' اس سلسلے میں وہ ایک سخت دل عورت ہے اور ان باتوں کا اپنے الفاظ میں اظہار کرچکی ہے' صاف بتا چکی ہے وہ کہ اسے علی خیر محمد سے محبت نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف انتقام لے رہی ہے 'ایک بچہ ایک معصوم بچہ' اس انتقام کے ہاتھوں شکار ہوکر اپنا سب کچھ کھو چکا ہے۔ اتنی سی عمر میں مجرم بن گیا ہے اتنی سی عمر میں نہ جانے کیا کیا بن چکا ہے وہ' نہیں یہ غلط ہے' ہماری غلطی ہے یہ اور سزا وہ بے چارہ بھگت رہا ہے۔ بالکل نہیں اب ایسا نہیں ہوگا' بالکل نہیں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہو سائیں!''

''تو پھر اس کی ترکیب بتاؤ اب ہر قیمت پر علی خیر محمد کو ہماری تحویل میں ہونا چاہیے۔''

''سائیں! ایک ترکیب ہے میرے ذہن میں'' قربان نے کہا۔

''تو پھر بتاؤ مجھے میں اپنے آپ کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں۔''

''سائیں! فضل شاہ کے ساتھ ایک اس کا خاص آدمی امیر شاہ ہے' امیر شاہ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ فضل شاہ کی ناک کا بال ہے' لیکن امیر شاہ ہمارے ٹرانس میں آئے گا نہیں' ایک اور آدمی وہاں میرا ملنے والا ہے اور اس کا نام ہے گل خیرو گھانچی' یہ امیر شاہ کا سالا ہے اور آپ یہ سمجھ لو کہ جس طرح امیر شاہ فضل شاہ کی ناک کا بال ہے۔ گل خیرو گھانچی امیر شاہ کی ناک کا بال ہے۔ سالے بہنوئی میں خوب بنتی ہے اور تقریباً ساری ہی باتیں گھانچی کو معلوم ہوتی ہیں' اگر آپ حکم کرو تو میں گل خیر سے ملوں کیونکہ وہ مجھے کچھ بتا بھی چکا ہے۔''

''کیا؟'' غازی شاہ نے سوال کیا۔

''یہ بات رہنے دو...... کچھ باتوں کو چھپانے سے فائدہ ہوتا ہے''

''تمہاری اس سے صرف سلام دعا ہے''

''سلام دعا نہیں! دوستی ہے' اکثر ہم لوگ ملتے رہتے ہیں''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے' مگر تم سے ایک بات کہوں۔ قربان! تم میرے دل میں ایک دکھ چھوڑے جا رہے ہو' دنیا کی کوئی بھی بات ہو تمہیں مجھے بتانا چاہیے' چاہے اس سے میرا نفع ہو یا نقصان۔''

''سائیں! آپ ٹھیک کہتے ہو لیکن بعض باتیں اتنی سخت ہوتی ہیں کہ ان کے لئے مصلحت اختیار کرنا ہوتی ہے' ورنہ نہ جانے کیا کیا خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔''

''اور اگر میں تمہیں اپنی قسم دے دوں''

''سائیں! یہ ایک جذباتی بات ہے' آپ حکم کرو ہماری گردن پر پستول کی نال رکھ دو ہم بتا دیں گے آپ کو لیکن ہمارا ضمیر مطمئن نہیں ہوگا' البتہ ایک بات ہو سکتی ہے۔''

''ہاں وہ بتاؤ'' غازی شاہ نے کہا لیکن قربان پھر خاموش ہو گیا تھا' غازی شاہ اسے دیکھتا رہا پھر غازی شاہ نے کہا۔

''اچھا چلو...... ایک آخری بات میں تم سے کہے دیتا ہوں۔ اس کے بعد تمہاری مرضی ہوگی' وہ یہ کہ بات کتنی ہی سنگین کتنی ہی خطرناک کیوں نہ ہو' میں اس پر صبر کروں گا' اسے برداشت کروں گا''

''سائیں! ہم اسی گھانچی کی بات کر رہے ہیں جیسا کہ ہم نے آپ کو بولا' وہ امیر شاہ کی ناک کا بال ہے اور اسے ساری باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بیگم سائیں یعنی کیتھرائن بیگم سائیں! فضل شاہ کے پاس پہنچی تھیں اور انہوں نے فضل شاہ سے اپنے کچھ کاموں کے لئے کہا تھا۔ سائیں فضل شاہ کمینہ آدمی ہے' اس نے...... اس نے سائیں! آپ کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی' مگر کیتھرائن بیگم سائیں بہت چالاک ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کا استعمال شدہ بدن فضل شاہ کے لئے اس قدر پرکشش نہیں ہوگا۔ فضل شاہ کہیں بھی جا کر عیاشی کر سکتا ہے' لیکن اگر دوستی ہو جائے اور ایک دوسرے کے مفادات کا خیال رکھا جائے تو وہ اس پامال شدہ بدن سے زیادہ قیمتی ہوگا۔ فضل شاہ خاموش ہو گیا تھا' غازی شاہ قربان کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر اس کا پورا وجود لال بھبوکا ہو گیا۔ چہرہ غصے سے تپنے لگا۔ آنکھیں شیشے کی گولیوں کی طرح چمکنے لگیں' تو قربان نے کہا۔

''سائیں! وعدہ یاد رکھنا چاہیے''

''کیتھرائن نے کیا جواب دیا اس کا''

''بیگم سائیں نے یہی کہا کہ فضل شاہ اپنے احسان کی بہت کم قیمت وصول کر رہا ہے وہ یہ تھوڑی سی قیمت بھی نہ لے اس کے برعکس ایک دوسرے کے مفادات کا خیال رکھا جائے''

غازی شاہ کافی دیر تک گم صم بیٹھا رہا' اس کے بعد اس نے کہا۔

''نہیں قربان! مجھے وعدہ یاد ہے' لیکن اس سے ایک پہلو نکلتا ہے' کیتھرائن کم از کم اپنی عزت تو بچا گئی' لیکن فضل شاہ! خیر اب تم مجھے یہ بتاؤ قربان کہ تم کب تک اس سے بات کرو گے کیا نام ہے اس کا؟''

''سائیں گل خیر و گھانچی''

''ہاں گھانچی' گھانچی سے کب تک بات کر لو گے تم''

''سائیں بہت جلد' آپ کو اس بارے میں بہت جلد رپورٹ دوں گا میں''

''ٹھیک ہے قربان! میں انتظار کروں گا''

''سائیں پر قربان'' کچھ دیر کے بعد قربان چلا گیا لیکن غازی شاہ کا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا تھا' یہ سب کچھ تو اچھا نہیں ہوا واقعی ایک بری عورت سے واسطہ پڑا بہت بری عورت سے جس نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ نہیں کیتھرائن! اتنا کمزور اور بے بس نہیں ہوں میں' تمہاری محبت میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اب تم پر غور کرنا پڑے گا صحیح طریقے سے غور کرنا پڑے گا۔ غازی شاہ قربان کے جانے کے بعد نہ جانے کتنی دیر تک اسی طرح تنہا بیٹھا رہا تھا۔ کیتھرائن بھی اب اس پر ہر وقت مسلط نہیں رہتی تھی اسے یقین تھا کہ اس نے جو نفرت کی عمارت تعمیر کی ہے اس میں دراڑیں ذرا مشکل سے ہی پڑیں گی۔ شرجیلہ سے ملاقات وہ کبھی نہ کرتی' لیکن اسے خوشی تھی کہ اب اس کا تعلق براہ راست اپنی دشمن سے قائم ہو گیا تھا۔ شرجیلہ کو وہ اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ دشمن سے فاصلہ اختیار کر کے اسے اتنے شدید نقصانات نہیں پہنچائے جا سکتے۔ جتنا اس سے قربت حاصل کر کے شرجیلہ کے دل کو کچوکے لگانے کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جو خوشی اسے حاصل ہو رہی تھی۔ اس کا مقام ہی کچھ اور تھا' اور پھر اگر کبھی شرجیلہ کو راستے سے ہٹانے کی ضرورت پیش آ جائے تو اب یہ کام آسانی سے ہو سکتا تھا وہ یہ اندازے لگا سکتی تھی کہ شرجیلہ کو کہاں اور کس جگہ مارا جا سکتا ہے۔ غازی شاہ بہت دیر تک سوچتا رہا تھا اور اس کے بعد اس کے ذہن میں شمیلا کا خیال آیا اور اس کا دل چاہا کہ وہ کراچی جائے۔ شمیلا سے ملاقات کرے۔ بہر حال شمیلا اس کی نگاہوں میں اب بہت بڑی

حیثیت رکھتی تھی' اسی وقت کیتھرائن آ گئی۔

''کیا بات ہے شاہ جی! اس وقت میں تمہارے چہرے پر اداسی کی کچھ جھلکیاں دیکھ رہی ہوں''

''نہیں بابا! تم جیسی محبت کرنے والی پیاری عورت کیا مجھے کبھی اداس رہنے دے گی۔''

''کبھی نہیں سائیں کبھی نہیں' پھر کیا بات کیوں اداس نظر آ رہے ہو''

''نہیں کیتھی بھلا اداسی کی کیا بات ہے' ٹھیک ہوں میں ایسے ہی بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ جس کاروبار کے بارے میں میں نے سوچا ہے اسے آگے بڑھانے کے لئے مجھے محنت کرنا پڑے گی۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ میں وہاں ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور کھولنا چاہتا ہوں۔ کراچی جیسے شہر میں اس کی بڑی حیثیت ہے اور بڑی آمدنی ہے اس کی' میں کوئی فائیو اسٹار ہوٹل بھی بنا سکتا ہوں۔ لیکن ہوٹل کے معاملات ذرا الجھے ہوئے ہوتے ہیں جب کہ ڈیپارٹمنٹ اسٹور کا معاملہ یہ ہے کہ جو کچھ ہے نقد ہے' جو لگاؤ وہ منافع کے ساتھ کما لو' ہمارے سامنے دل مراد ہے اور پھر تم بھی اس بات سے اتفاق کر چکی ہو کہ گوٹھ علی خیر محمد میں رہنے کے بجائے ہم کراچی چل کر رہیں گے۔''

''ہاں سائیں!'' یہ کام تو جتنی جلدی ممکن ہو کر ڈالو' میرا یہاں دل نہیں لگتا اب''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں''

''سائیں! میرے کو ایک بات بتاؤ' اچھا چلو چھوڑو یہ بتاؤ ارادہ کیا ہے''

''کچھ نہیں' ذرا جا کر دیکھتا ہوں''

''آپ چلے جاؤ سائیں! میری طرف سے بے فکر رہو'' کیتھرائن نے کہا اور غازی شاہ نے اپنے لئے راستہ نکال لیا۔ قربان کو ساتھ لینا وہ نہیں بھولا تھا' اپنی ہی گاڑی سے سفر کرتے ہوئے وہ کراچی میں داخل ہوئے تھے اور پھر ایک اخبار سے انہیں معلوم ہوا کہ حاجیوں نے آنا شروع کر دیا ہے۔ غازی شاہ چونک پڑا اور اس نے کہا۔

''قربان!''

''سائیں پر قربان!''

''ناگی بابا بھی آ رہے ہوں گے ذرا سا ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو''

''سائیں آپ میرے کو بتاؤ کہ آپ کہاں ملو گے مجھے' ناگی بابا کے بارے میں معلومات میں ابھی حاصل کرتا ہوں''

''بس گھر آ جاؤ شمیلا کے پاس''

''ٹھیک ہے سائیں! میں آ جاتا ہوں'' قربان نے کہا اور غازی شاہ شمیلا کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شمیلا کے پاس پہنچ گیا تھا۔ شمیلا جب بھی اسے دیکھتی اس کی آنکھوں میں خوشی کے چراغ جل اٹھتے تھے اور اس وقت بھی غازی شاہ نے اس کے چہرے پر روشنی دیکھی' رقیہ جو اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی فوراً اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔

''کیسی ہو شمیلا!''

''ٹھیک ہوں سائیں! اپنی تقدیر پر ناز کرتی ہوں کہ اللہ سائیں نے مجھے اتنا محبت کرنے والا' اتنا اچھا انسان دیا۔''

''شرمندہ کر دیتی ہو بابا! ہم اچھے انسان تو نہیں ہیں' ہم تمہیں وہ سب کچھ کہاں دے سکتے ہیں جو دینا چاہتے ہیں۔''

''سائیں! اللہ بہتر جانتا ہے' ہم کو تو اتنا کچھ مل گیا ہے جو ہماری اوقات سے بہت بڑھ کر ہے' اللہ آپ کو خوش رکھے دنیا میں بھی اور آسمانوں میں بھی'' شمیلا نے بڑے خلوص سے کہا اور غازی شاہ کا دل پگھلنے لگا۔ کیا اچھی عورت ہے یہ میری اپنی' میرے اپنے وطن کی اس کے بدن میں وطن کی مٹی کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔ یہ میری جس قدر وفادار ہے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ غازی شاہ شمیلا کو بہت سی تسلیاں دیتا رہا۔ قربان کی واپسی کا انتظار تھا۔ قربان چند گھنٹوں کے بعد واپس آیا اور اس نے غازی شاہ کو الگ لے جا کر بتایا کہ پرسوں دوپہر کو ناگی بابا واپس پہنچ رہا ہے۔ اس نے مکمل معلومات حاصل کر لی ہے۔ غازی شاہ نے پرمسرت انداز میں گردن ہلائی تھی' پھر شام کو وہ شمیلا کو لے کر باہر نکلا اور اس کے بعد شمیلا کو اتنی شاپنگ کرائی کہ شمیلا دنگ رہ گئی۔ ایک سے ایک شاندار لباس' ایک سے ایک شاندار زیور لاکھوں روپے خرچ کر دیئے تھے اس نے یہ شمیلا کا حق تھا اور پھر اس رات اس نے شمیلا کو خوشی کی خبر دی۔

''ایک خوش خبری ہے تمہارے لئے شمیلا!''

''جی سائیں! میرے تو اللہ سائیں نے اب خوشخبریاں ہی خوشخبریاں لکھ دی ہیں' آپ مجھے بتاؤ کیا خوشخبری ہے سائیں میرے لئے۔''

''شمیلا بابا سائیں واپس آ رہے ہیں حج سے''

''میرے بابا سائیں''

''ہاں ناگی بابا! لیکن تم نے یہ کیا کہا کہ میرے بابا سائیں! وہ میرے سائیں نہیں ہیں''

''سائیں! آپ بہت بڑے ہو' بڑا دل بڑا ظرف دیا ہے اللہ سائیں نے آپ کو'

''شمیلا! میں بڑا ہوں یا چھوٹا تم میری زندگی میں شامل ہو'

''سائیں! ایک بات کہیں آپ سے''

''بے دھڑک کہا کرو'

''سائیں آپ ہمیں کچھ زیادہ نہیں چاہنے لگے ہو'

''ہاں شمیلا ایسی ہی بات ہے''

''وجہ بتاؤ گے'' شمیلا نے سوال کیا اور غازی شاہ چونک کر اس کو دیکھنے لگا' ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں خیال آیا کہ دنیا میں کسی کو بھی بے وقوف سمجھنا عقل کی بات نہیں ہے۔ شمیلا بھی انسان ہے' اسی دنیا میں رہتی ہے کھاتی پیتی ہے' کبھی اسے اس بات کا شبہ نہ ہو جائے کہ غازی شاہ نے اس کے ساتھ کوئی ایسی زیادتی کی ہے۔ سو اسے اس کا جواب دینا تھا غازی شاہ نے کہا۔

''بابا! بعض اوقات انسانی مجبوریاں نہ جانے کیسے کیسے راستوں پر لے جاتی ہیں' بندہ وہ نہیں کرنا چاہتا جو وہ کر ڈالتا ہے اور جو کر ڈالتا ہے وہ اس کی بہت بڑی مجبوری ہوتی ہے۔ یہ مجبوری کبھی کبھی خون کے آنسو رلا دیتی ہے' کسی کی حق تلفی کسی سے کچھ چھیننا انسان کے ضمیر کے خلاف ہوتا ہے۔ ضمیر زخمی کرتا ہے۔ زخمی ہو جاتا ہے اور انسان ان زخموں کا بوجھ سنبھالے جیتا رہتا ہے۔ تمہارے ساتھ بہت سی ناانصافیاں ہوئی ہیں' شمیلا جب مجھے ان کا احساس ہوتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ میں نے ایسا کیا ہے۔''

''نہیں سائیں! آپ نے تو کبھی ہمارے ساتھ کوئی برا سلوک نہی کیا''

''بس ایسے ہی میرے دل میں آتا ہے تو' اب یہ بتاؤ ناگی بابا کے استقبال کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے' ہوائی جہاز سے آئیں گے وہ ائیر پورٹ چلیں گے ہم انہیں لینے کے لئے ہار لے جائیں گے ان کے لئے''

''سائیں جو حکم کریں'' شمیلا نے مسرت سے گردن ہلاتے ہوئے کہا' غازی شاہ نے قربان کو تمام ہدایات دے دی تھیں اور اس سے کہا تھا کہ کیتھرائن سے رابطہ قائم نہیں ہونا چاہیے موبائل بند رکھے جائیں۔ وہ اپنی خوشی میں اس وقت کسی اور کو شامل نہیں کرنا چاہتا کوئی رخنہ اندازی نہیں چاہتا۔ بہر حال تیسرے دن دوپہر کو یہ لوگ ائیر پورٹ پہنچ گئے۔ ناگی بابا بے چارہ ایک سیدھا سادہ آدمی تھا۔ جو انتظامات ان لوگوں نے کئے تھے سب کچھ اسی کے تحت ہو رہا تھا۔ حاجیوں کی واپسی کی پہلی فلائیٹ اسے مل گئی تھی' وہ خبر بھی نہیں دے سکا تھا بس اس نے

یہی سوچا تھا کہ کراچی آنے کے بعد دیکھے گا کہ کس سے رابطہ ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ ہوائی جہاز سے باہر آیا اور دوسرے معاملات سے فراغت حاصل کر کے دوسرے حاجیوں کے ساتھ باہر نکلا تو اپنی بیٹی اور غازی شاہ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ دوڑ کر اس نے پہلے غازی شاہ کو گلے لگایا اور دیر تک اس سے لپٹا رہا۔ پھر اپنی بیٹی کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور بڑے متاثر انگیز لہجے میں بولا۔

''اللہ سائیں! تم دونوں کو رہتی دنیا تک قائم و دائم رکھے خوش رکھے تمہیں' اور کیا دعا دوں لمبی زندگی پاؤ''

اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ چاہیے بھی نہیں بابا سائیں آیئے۔'' غازی شاہ نے احترام سے کہا' بہر حال ناگی بابا نے بھی ایک دنیا دیکھی تھی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ داماد بہت مختلف اور محبت کرنے والا نظر آ رہا ہے۔ آخر کار وہ گھر پہنچ گئے۔ ناگی کے آ جانے سے شمیلا کے چہرے پر خوشی کی جو روشنی نظر آئی تھی وہ غازی شاہ کے لئے بڑی اطمینان بخش تھی۔ باپ بیٹی کو اکیلا چھوڑ دیا تھا اس نے اور ناگی بہت دیر تک شمیلا سے باتیں کرتا رہا تھا' غرض یہ کہ شمیلا کو یہ ایک اور خوشی حاصل ہو گئی تھیں۔ بعد میں غازی شاہ نے ان دونوں کو سمجھایا۔

''بابا! آپ کو بس ادھر ہی رہنا ہے گھوما پھرا کرو اور ایک بات کا خاص طور سے خیال رکھنا' کبھی بستی کا نام مت لینا' بستی تم کبھی واپس نہیں آنا' وہاں تمہارے دشمن ہیں' یہ مت پوچھنا بابا! کہ میرا دشمن کون ہو سکتا ہے بس میں نے جو کچھ کہہ دیا اس کا دھیان رکھنا''

''اللہ سائیں! آپ کو خوش رکھے چھوٹے سائیں! میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا' ادھر تو میں گھوم پھر سکتا ہوں نا''

''ہاں بالکل ادھر کوئی ایسی بات نہیں ہے''

لیکن ایسی بات ہوئی' بس بعض اوقات تقدیر فیصلے کرتی ہے' راستے کس طرح بنتے ہیں' کوئی نہیں جانتا' دین بخش شہر آ گیا تھا اور مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کے دل میں یہ خواہش تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے کچھ معلوم ہو سکے۔ پھر ایک دن تقدیر اسے ان راستوں پر لے گئی۔ یہ وہی دن تھے جب ناگی بابا حج سے واپس آیا تھا اور غازی شاہ اس کے ساتھ تھا۔ غازی شاہ دو تین دن تک ان لوگوں کے ساتھ رہا اور یہاں اپنی زمینوں پر اس نے غور کیا تھا اور قربان کو ہدایت کی تھی کہ سچ مچ یہاں ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور بنانے کی تیاریاں شروع کر دی جائیں۔ ایک طرف کیتھرائن بھی مطمئن ہو جائے گی۔ کراچی کے لئے ایک مشغلہ بھی ہو جائے گا' کیتھرائن اگر کراچی آتی بھی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ گوٹھ سے تو رابطہ رہے گا ہی' یہ ساری باتیں اس نے ایک ساتھ سوچی تھیں۔

سب سے بڑی بات یہ کہ کیتھرائن نے کچھ اس طرح اس پر اپنا غلبہ قائم کر رکھا تھا کہ اس کی بہت سی برائی سننے کے باوجود غازی شاہ کے دل میں اس کے لئے کوئی انتقامی جذبہ نہیں پیدا ہوا تھا وہی باتیں تھی یا تو غازی شاہ فطرتاً ایک بہت زیادہ محبت کرنے والا انسان تھا۔ یا پھر کیتھرائن اتنی بڑی جادوگرنی تھی کہ اس کے جادو کا توڑ آسانی سے نہیں ہوسکتا تھا۔ بات کچھ بھی تھی۔ یہاں پر مقصد یہ تھا کہ غازی شاہ ابھی تک کیتھرائن کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا اور کیتھرائن ابھی تک محفوظ تھی۔ غازی شاہ کے دل و دماغ میں بھی اور اپنے اطراف سے بھی۔

دین بخش بس یونہی اس طرف آ نکلا تھا پولیس کا آدمی تھا۔ شرجیلہ سے مخلص تھا۔ ساری تفصیلات اس کے علم میں تھیں۔ اور اپنے فرض کو پورا کرنا بھی جانتا تھا۔ چنانچہ وہ مستقل اسی ادھیڑبن میں لگا ہوا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے یہ معلومات حاصل کرلے کہ کیتھرائن نے اولاد کیسے پیدا کی۔ اور کیا چکر چلا ہوا ہے۔ یہ ساری باتیں اس کے ذہن میں تھیں۔ اور وہ بہت سوچ سمجھ رہا تھا کہ غازی شاہ کی پجارو کو بھی پہچانتا تھا۔ اور غازی شاہ کو بھی۔ پولیس کا آدمی تھا اس لیے اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھاتی تھیں۔ ایک لمحے کیلئے تو وہ دنگ رہ گیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے غازی شاہ کا تعاقب نہیں کرسکتا تھا۔ البتہ اس نے اس مکان کو نگاہوں میں رکھ لیا۔ جس سے غازی شاہ برآمد ہوا تھا۔ بات کچھ بھی ہوسکتی ہے غازی شاہ کے کسی دوست کا گھر ہوسکتا ہے لیکن کم از کم معلومات حاصل کرنا تو ضروری تھا۔ اس گھر میں داخل ہونہیں سکتا تھا۔ چنانچہ صرف اس کی نگرانی کرنے پر اکتفا کیا اور اس مکان سے تھوڑے فاصلے پر نیم کے ایک درخت کے نیچے ڈیرا جمالیا۔ وہ فیصلہ کرچکا تھا کہ کم از کم تین یا چار دن تک یہاں کی نگرانی کرے گا شام کو۔ پھر اس نے غازی شاہ کی گاڑی مکان کے احاطے میں داخل ہو کر اندر رک گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ غازی شاہ کا یہاں مستقل قیام ہے۔ ساری رات دوسرا دن پھر تیسرا دن بھی گزر گیا۔ اس دوران غازی شاہ ان لوگوں کے لیے ہر طرح کی آسائشیں مہیا کرتا رہا تھا۔ پھر اس نے شمیلا سے اجازت چاہی۔ قربان وہ تھوڑا بہت کام کرچکا تھا جو غازی شاہ نے اس کے سپرد کیا تھا۔ شمیلا سے اجازت لے کر غازی شاہ کراچی سے گوٹھ علی خیر محمد چل پڑا۔ لیکن دین بخش اس تاک میں رہا کہ اس مکان سے اس کا کیا رابطہ ہے یہ معلوم کرنے کے لیے وہ یہاں رہ کر مسلسل یہ جائزہ لے رہا تھا کہ یہاں کون کون رہتا ہے۔ بظاہر تو ملازم قسم کے آدمی ہی نظر آئے تھے۔ لیکن ایک دن صبح اس نے شمیلا اور ناگی بابا کو باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ دونوں سیر کرنے کے لیے باہر نکلے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر دین بخش دنگ رہ گیا۔

ناگی بابا کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ کئی بار ان سے ملاقات بھی ہوچکی تھی۔ لیکن ناگی

بابا اور اس کی بیٹی یہاں اس گھر میں کیا کر رہے ہیں اور اس سے غازی شاہ کا کیا تعلق ہے۔ دین بخش نے دونوں ہاتھ جوڑ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور سوچا کہ ہوسکتا ہے اب اسے کچھ معلومات حاصل ہوجائیں۔ بہرحال کوئی ایسا ٹھوس طریقہ کار تو اس کے پاس نہیں تھا۔ جس سے اسے تفصیلات معلوم ہوسکیں۔ لیکن ذہن میں جو خیالات پروان چڑھ رہے تھے۔ وہ بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ وہ سوچتا رہا تھا اور آخرکار اس نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے گا۔ ان لوگوں کے بارے میں پوری تفصیلات معلوم کرنے کے بعد ہی یہاں سے روانہ ہوگا۔ چلو ٹھیک ہے ناگی بابا اور اس کی بیٹی تو کسی بھی جگہ ہوسکتے ہیں۔ لیکن غازی شاہ یہاں کیوں تھا۔؟ یہ بات ذرا قابل غور تھی۔ یہیں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ یہیں سوتا تھا بس کھانے پینے کے لیے نکل جاتا تھا۔ لوگوں نے اسے دیکھا بھی ہوگا۔ اس نے حلیہ ایسا بنا رکھا تھا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ کوئی فقیر ہے۔ پھر ایک دن اس نے ناگی بابا کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا اور اپنے فیصلے کے تحت وہ جلدی سے کھڑا ہوگیا۔ اس نے اپنی جو حالت بنا رکھی تھی وہ بڑی قابل رحم ہوگئی تھی۔ ناگی بابا جب گھر سے کافی فاصلے پر نکل گیا تو دین بخش تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا۔ انکے قریب پہنچا اور اس نے بڑی دردبھری آواز میں کہا۔

’’اللہ سائیں کے نام پر کچھ دے دو بابا! دو دن سے بھوکا ہوں۔‘‘ ناگی بابا رک گئے انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ تو دین بخش نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

’’سائیں ناگی بابا آپ۔‘‘

’’ارے کون ہو تم بھائی۔ میں تو تمہیں نہیں پہچانتا۔ تم مجھے کیسے جانتے ہو۔‘‘

’’بابا سائیں! آپ ہمیں پہچان بھی نہیں سکتے۔ وقت نے ہمیں برباد کردیا ہے تباہ حال ہوگئے ہیں ہم۔ آپ کیسے پہچانو گے۔‘‘

’’بھائی مجھے اپنے بارے میں بتاؤ تو سہی‘‘

’’بابا سائیں! دین بخش ہے ہمارا نام یاد آجائے تو ٹھیک ہے‘ پولیس کی نوکری کرتے تھے۔

’’ارے دین بخش تو! یہ...... یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے‘‘

’’ہم نے نہیں بنا رکھا سائیں! وقت نے بنا دیا ہے وقت نے ہمارا یہ حلیہ بنا دیا ہے‘‘

’’مگر دین بخش تو تو...... تو تو بڑی اچھی نوکری کرتا پولیس سے ریٹائر ہوا تھا تو‘‘

’’ہاں...... ریٹائر ہوئے تھے پولیس سے کیا سمجھتے ہو محل بنا لئے تھے ہم نے بابا! ایمانداری سے کام کیا تھا‘ رشوت نہیں لی تھی‘ کبھی‘ حالت تو خراب ہونی ہی تھی اور جب بیٹ

نے پاگل کر دیا نکل آئے کراچی' غریب پرور کراچی اپنے اوپر بسنے والوں کے پیٹ بھر ہی دیتا ہے۔اس کے علاوہ اب کوئی اور دھندہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے ہم''

''بڑا افسوس ہوا ہے مجھے دین بخش تو فکر مت کر چل میرے ساتھ آ جا...... بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں اللہ سائیں نے میرے بھی حالات بدل دیئے ہیں۔''

''آپ کدھر رہتے ہو سائیں!'' دین بخش نے سوال کیا۔

''ارے تھوڑے ہی فاصلے پر تو گھر ہے میرا' میری بیٹی بھی وہیں رہتی ہے۔آ جا...... آ جا'' ناگی بابا نے کہا اور دین بخش کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔ دین بخش نے بڑی کامیابی سے یہ معرکہ سر کیا تھا۔اسے علم تھا اس بات کا کہ غازی شاہ اس بات سے بالکل واقف نہیں ہے کہ دین بخش کا تعلق کسی بھی طرح شرجیلہ سے ہے۔ناگی بابا سے اس کی پرانی ملاقاتیں تھیں اور تین چار بار وہ ناگی بابا کو اپنے گھر مہمان بھی رکھ چکا تھا آج ناگی بابا اسے اس کی محبتوں کا صلہ دینا چاہتا تھا وہ اسے گھر لے گیا اور اس نے کہا۔

''دین بخش! سب سے پہلے تو نہا لے اس کے بعد میں تم سے بات کروں گا''

''بابا سائیں! میرے کو ایک بات بتاؤ' یہ کوٹھی کس کی ہے یہ تو بہت عالی شان ہے کیا تم ادھر اس کوٹھی میں کام کرتے ہو''

''تو ایسا کر دین بخش نہا لے دھولے اس کے بعد میں تمہارے کھانے پینے کا بندوست کرتا ہوں۔پتا نہیں کب کھانا کھایا ہو گا' مجھے تو تجھے دیکھ کر ہی بڑا افسوس ہو رہا ہے۔کیونکہ میں نے تیرا اچھا وقت بھی دیکھا ہے''

''سائیں! کیا بولیں آپ کو وقت تو بدلتا رہتا ہے' یہ بات تو آپ کو معلوم تھی کہ میں لاولد ہوں۔میری کوئی اولاد نہیں ہے''

''ہاں یہ بات مجھے پتا تھی کہ ایک بار تو نے ایک ڈاکو کو پکڑا تھا اور اس ڈاکو کا بیٹا تیرے پاس تھا۔''

''بس سائیں! دوسرے کی اولاد تو دوسرے کی ہی ہوتی ہے جب تک میرا ساتھ دے سکی' ساتھ دیا اور اس کے بعد اپنا راستہ لیا۔بس سائیں! ایسا ہی ہوتا ہے اس دنیا میں کیا تمہارے کو بولیں اور کیا نہ بولیں۔''

''تو آ جا میرے پاس پروا مت کر کسی کی'' ناگی بابا نے دین بخش کو کپڑے بھی دیئے' نہا دھو کر دین بخش تیار ہوا تو ناگی اسے لے کر اندرونی کوٹھی میں پہنچا۔رقیہ سے اس نے کہہ دیا کہ کھانے کا بندوست کرے' بیٹی کو ابھی تفصیل نہیں بتائی تھی۔لیکن جب دین بخش کے سامنے

کھانا رکھا گیا تو ناگی بابا شمیلا کو بھی ساتھ لے آیا۔

شمیلا بیٹی میں نے تجھے ابھی دین بخش کے بارے میں بتایا تھا۔ابھی میں تیرے کو اس کے بارے میں تفصیل سے بتاتا ہوں۔'' ہمارا بہت پرانا جاننے والا ہے' اپنے گوٹھ میں عزت دار آدمی کہلاتا تھا' اور گوٹھ میں اس کی بڑی عزت تھی گل جام گوٹھ میں لوگ اس کو جانتے تھے اور اچھے الفاظ میں یاد کیا کرتے تھے' بے چارے کا وقت بگڑ گیا اور اب بڑی بری زندگی گزار رہا تھا یہ۔ابھی میں نے سوچا ہے کہ اس کو اپنے پاس رکھوں۔''

''ٹھیک ہے بابا! ہم بھی ان کی عزت کریں گے''

''چوکیدار لگا دو اپنے دروازے کا''

''نہیں' تم ہمارے دوست کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہو گے بابا' چوکیدار پہلے سے موجود ہے' دین بخش نے فوراً ہی جلد بازی نہیں کی تھی ساری باتیں جاننے پر تل جاتا تو کسی کو شبہ بھی ہو سکتا تھا وہ شبے کا موقع تو دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔اسے ملازموں ہی کے کوارٹر میں جگہ دی گئی تھی' لیکن بڑی عزت اور بڑی محبت کے ساتھ شام کو ناگی روزانہ اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتا تھا۔ابھی تک دین بخش نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی' اسے غازی شاہ کی آمد کا انتظار تھا' لیکن تین چار دن گزر گئے غازی شاہ نہیں آیا' اس شام دین بخش نے اپنا کام مکمل کرنے کا فیصلہ کیا۔سہانا موسم تھا اور دین بخش اپنے کوارٹر کے آگے لگے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ ناگی بابا اسے دور سے آتا ہوا نظر آیا' پھر وہ دین بخش کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا سوچ رہا ہے دین بخش''

''بابا سائیں! زندگی میں سوچنے کے لئے تو بہت کچھ ہوتا ہے' بس یہ یادیں اور سوچیں ہی ہیں جو زندگی کے نہ جانے کون کون سے راستوں پر لے جاتی ہیں' ابھی میں تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔

''میرے بارے میں کیا سوچ رہا تھا دین بخش!''

''سائیں دل کی باتیں دل ہی میں رہنے دو' احسان کیا ہے آپ نے میرے اوپر بہت بڑا' جگہ دی ہے مجھے اپنے قدموں میں کوئی غلط بات منہ سے نکل گئی تو آپ کو دکھ ہو گا۔''

''نہیں دین بخش! ہم پرانے لوگ ہیں رشتہ اور محبتوں کو جانتے بھی ہیں اور ان کی عزت اور قدر بھی کرتے ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو دل میں آئے بے دھڑک کہہ دینا۔''

''سائیں' میرے کو ایک بات بتاؤ' آپ کتنے دن سے ادھر ہو''

''دین بخش! میں تو ابھی حج سے واپس آیا ہوں' لیکن میری بیٹی یہاں بہت دن سے رہتی ہے''

''ابھی میں یہی آپ سے معلوم کرنا چاہتا تھا' لیکن سائیں! ایک بار پھر آپ سے معافی مانگتے ہیں' آپ کی ایسی حیثیت تو نہیں تھی''

''اچھا یہ بتاؤ علی خیر محمد کے وڈیرے مکرم شاہ اور غازی شاہ کو جانتے ہو''

''ہاں سائیں کیوں نہیں' یہ معمولی لوگ تو نہیں ہیں''

''غازی شاہ میری بیٹی کا شوہر ہے' شادی کی ہوئی ہے اس نے میری بیٹی سے' بڑی عجیب اور بڑی لمبی کہانی ہے یہ۔ دین بخش پر ایک دم بم سا پھٹا تھا' یہ انکشاف بڑا ہی حیرت انگیز اور نا قابل یقین تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ شرجیلہ کو اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے' ورنہ تھوڑا بہت تذکرہ دین بخش سے ضرور کرتی' دین بخش نے حیرانی سے کہا۔

''بابا سائیں تمہاری بیٹی سے اس نے شادی کی ہے غازی شاہ نے''

'ہاں دین بخش یہ کوٹھی بھی اسی نے میری بیٹی کو لے کر دی ہے' میری بیٹی یہیں رہتی ہے تو جانتا ہے نا میری ایک ہی بیٹی تھی''

''وہ تو ٹھیک ہے بابا سائیں! لیکن یہ بات تو میں نے کبھی نہیں سنی''

''کسی نے نہیں سنی' تجھے معلوم نہیں ہے کہ غازی شاہ نے ایک میم جو بہت اچھی عورت ہے اس نے کبھی میری بیٹی کو تنگ نہیں کیا۔ میری بیٹی خوش ہے اور غازی شاہ بھی میری بیٹی کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتا ہے۔ اللہ سائیں اسے خوش رکھے۔''

ابھی تھوڑے دن پہلے میری بیٹی کے ہاں اولاد پیدا ہوئی تھی' مگر اللہ کو منظور نہیں تھا' بچہ مردہ پیدا ہوا لیکن خیر یہ تو اللہ کی مرضی ہے۔ دین بخش کے دماغ میں دھماکے پر دھماکے ہو رہے تھے اور واقعات کی نوعیت کو آہستہ آہستہ سمجھتا جا رہا تھا اس کے اپنے دماغ میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات پروان چڑھ رہے تھے اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

''بیٹا ہوا تھا یا بیٹی؟۔''

''بیٹا ہوا تھا' پھر اللہ کی مرضی۔''

''مگر بابا سائیں! یہ تو واقعی بڑے دکھ کی بات ہے چلو ٹھیک ہے اللہ سائیں خوش رکھے آنے والے کو جانا بھی ہوتا ہے۔ یہ اللہ سائیں ہی جانتا ہے کہ کس کو کیا کرنا ہے۔ یہ اسی کے کام ہیں۔''

''ہاں دین بخش! میں بھی شمیلا کو یہی سمجھاتا ہوں کہ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی

ہے۔''

''مگر بابا سائیں!'' دین بخش نے کہنا چاہا کہ اس بات کی تفصیل شمیلا کو کیسے معلوم ہوئی۔ کہ اس کے ہاں مردہ اولاد پیدا ہوئی ہے۔ لیکن وہ خاموش ہو گیا۔ یہ سوال ایسا آسان نہیں تھا پھر بھی اس نے کہا۔

''بابا سائیں! بچے کو کہاں دفن کیا گیا۔''

''ایں...... یہ تو مجھے نہیں معلوم میں تمہیں بتا چکا ہوں نا دین بخش کہ میں تو حج پر گیا ہوا تھا میرے پیچھے یہ سب کچھ ہوا تھا۔''

''بابا سائیں! آپ ذرا تھوڑا سا شمیلا بیٹی سے معلوم کرو کہ بچے کی تدفین کہاں کی گئی تھی۔ ویسے مجھے تو غازی شاہ ایک بار بھی یہاں نظر نہیں آئے۔''

''نہیں غازی شاہ تو گوٹھ میں ہی رہتے ہیں۔ بس کبھی کبھی ملنے آ جاتے ہیں آج کل گوٹھ ہی گئے ہوئے ہیں۔ ابھی آئے تھے وہ تین دن پہلے میں حج سے واپس آیا تھا تو وہی مجھے لے کر گھر آئے تھے۔ مگر تم یہ بات کیوں کہہ رہے ہو؟۔''

''بس سائیں! میں یہ نہیں کہتا کہ میں کوئی درویش ہوں فقیر ہوں۔ بس نہ جانے کیوں ایک دعا کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ابھی آپ تھوڑا سا معلوم تو کرو۔ اور یہ بھی معلوم کرو کہ بچہ کون سے ہسپتال میں پیدا ہوا تھا۔''

''میں اپنی بیٹی کے زخموں کو ہرا نہیں کرنا چاہتا۔ کیا سمجھے!! جو ہونا تھا ہو گیا۔ اولاد ہے وہ میری ,دکھی ہوتی ہے اپنے بچے کے ذکر سے۔'' دین بخش مصلحتاً خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں جو آگ لگ گئی تھی۔ وہ نہ بجھنے والی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے ایک عجیب وغریب کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ اب دو ہی باتیں تھیں۔ یا تو اس سلسلے میں مزید کھوج لگایا جائے یا پھر اتنی ہی معلومات بیگم سائیں تک پہنچا دی جائیں اور وہ اس سے آگے کی کارروائی کریں۔ ناگی بابا سے یہ گفتگو کرنے کے بعد وہ دیر تک یہ سوچتا رہا تھا۔ لیکن کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کہ وہ اس سلسلے میں ایک موثر قدم اٹھا سکے۔ کوئی موثر قدم اٹھانا اس کے لیے بظاہر ممکن نہیں تھا اور یہ بھی جانتا تھا۔ بیگم سائیں کے پاس بھی ایسے ذرائع نہیں ہیں۔ جو وہ اس کے لیے تفصیل معلوم کر لیں۔ اگر ہوتے تو وہ دین بخش پر اتنا بڑا بھروسہ نہ کرتیں۔ پھر کیا کرنا چاہیے۔

کیا ہونا چاہیے اور آخر کار اس نے یہی فیصلہ کیا کہ یہیں رک کر حالات کا تجزیہ کرے بس وہ احتیاطاً غازی شاہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اور اپنے دل میں کوئی فیصلہ نہیں کر

پارر ہا تھا۔ کہ کس طرح آگے کی بات معلوم کی جائے۔ پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں رقیہ آئی رقیہ جو یہاں ملازمت کرتی تھی اور وہ دیکھتا تھا کہ وہ ہر وقت شمیلا کے ساتھ رہتی ہے۔ایک دو دن اور گزر گئے اور ایک دن اس نے ناگی بابا سے کہا۔

''سائیں !ایک بات آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں بولو۔''

''سائیں !نکھٹوؤں کی طرح نکموں کی طرح یہاں پڑا ہوا ہوں نہ آپ کے کسی کام آتا ہوں۔ نہ کوئی اور دھندہ ہے۔آپ اگر مجھے چھوٹے موٹے کام پر لگا دو تو میں سمجھوں گا کہ اپنی روٹی حلال کر رہا ہوں۔ ورنہ بھیک تو پہلے بھی مانگتا تھا۔مجبوری تھی اب بھیک کی روٹیاں کھاتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

''یار ایسا کیوں سوچتے ہو تم دین بخش !میرے پرانے دوست ہو۔ دو روٹیاں کھا لیتے ہو تو ہمارا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ دو روٹیاں میری بھی نہیں ہے۔مگر اللہ سائیں میرے داماد کو اس سے ہزار گنا زیادہ دے۔ وہ تو کبھی ایسی بات سوچتا بھی نہیں ہے۔ پھر بھی اگر تم چاہو تو ان کیاریوں وغیرہ کی صفائی کر لیا کرو۔اس کام کے لیے کوئی بندہ نہیں ہے۔''

''بہت بہت شکریہ میں یہی چاہتا تھا اگر میرا یہاں رہنا ممکن ہے تو ٹھیک ہے ورنہ۔''

''نہیں دین بخش ایسی کوئی بات نہیں۔'' دین بخش اس طرف سے تھوڑا سا مطمئن ہوا تھا۔اس نے اپنا حلیہ اور بگاڑ لیا تا کہ اگر کبھی غازی شاہ اسے دیکھ بھی لے تو پہچان نہ پائے۔

حالانکہ غازی شاہ نے کبھی اسے شرجیلہ کی حویلی میں نہیں دیکھا تھا۔ دین بخش دور دور ہی رہتا تھا اس سے اور شرجیلہ نے بھی یہی کہا تھا کہ قریب آنا مناسب نہیں ہوگا۔ بہر حال دین بخش یہاں کام کرتا رہا اس دوران غازی شاہ نہیں آیا تھا۔لیکن ایک دن ،اچانک اور یہ بھی ایک پریشانی کی بات تھی کہ اپنی گاڑی سے اترتے ہی اسے دین بخش سامنے ہی نظر آ گیا وہ اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا۔

''ادھر آؤ۔کون ہو تم۔''

''مالک نوکر ہیں آپ کے روٹی کھاتے ہیں آپ کی ،ان کیاریوں پر کام کرتے ہیں۔''

''مگر یہاں تمہیں کس نے رکھا ہے؟'' ابھی غازی شاہ نے یہی سوال کیا تھا کہ پیچھے سے ناگی بابا آ گیا۔غازی شاہ نے ناگی بابا دیکھتے ہوئے کہا۔

''ناگی بابا کیسے ہیں آپ۔''

''ٹھیک ہوں سائیں غازی شاہ! یہ آدمی میرا بچپن کا دوست ہے۔گوٹھ سے ادھر آ گیا تھا۔ بے چارہ برے حال میں تھا سائیں! میں نے آپ کی اجازت کے بغیر اسے یہاں رکھ لیا ہے نوکروں کے کوارٹر میں رہتا ہے۔کیاریوں میں کام دے دیا ہے۔لیکن یہی سوچا تھا میں نے کہ آپ جس وقت آؤ گے۔آپ کو اس کے بارے میں بتا دوں گا۔ میں نے تو اس سے یہی کہا ہے کہ سائیں غازی شاہ منع نہیں کریں گے تمہیں۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے ناگی بابا! آپ ایک بات بتاؤ آپ کے بچپن کا دوست ہے آپ اسے اچھی طرح جانتے ہو۔''

''سائیں! بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے مجھے بس یہی معلوم کرنا تھا کیا کر رہی ہے شمیلا!''

''اندر موجود ہے۔'' دین بخش نے اطمینان کی ٹھنڈی سانس لی تھی۔ وہ خطرہ جس کا وہ انتظار کر رہا تھا آ گیا تھا۔لیکن ٹل گیا تھا۔غازی شاہ نے پھر اس کے بارے میں پوچھا تک نہیں۔ وہ شمیلا سے رخصت ہونے آیا تھا اور اس نے کہا تھا۔ کہ اب ذرا دیر سے ملاقات ہوگی۔ بہر حال وہ چلا گیا اور دین بخش کو زیادہ مناسب طریقے سے کام کرنے کا موقع مل گیا۔اب رقیہ کو شکار کرنے کی تاک میں تھا۔ان باپ بیٹی سے اسے کوئی اختلاف بھی نہیں تھا بے چارہ ناگی ہمیشہ سے سیدھا سادہ معصوم سادیہاتی تھا۔شمیلا کے بارے میں دین بخش کو زیادہ معلومات نہیں حاصل تھیں۔لیکن اسے دیکھ کر یہ احساس ہو جاتا تھا کہ معصوم اور شریف باپ کی بیٹی ہے۔ بہر حال ویسے تو دین بخش کو جس قدر معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ وہ اس کے لیے بہت کافی تھیں۔

خود بھی چالاک آدمی تھا۔صورت حال کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔کچھ کچھ اندازے ہوتے جا رہے تھے۔اسے کیونکہ شرجیلہ نے اسے اپنا راز دار بنا لیا تھا۔اور ساری تفصیل اسے بتا دی تھی۔ دین بخش یہ بات جانتا تھا کہ شرجیلہ نے کیتھرائن کو بانجھ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔لیکن کیتھرائن کے ہاں اولاد پیدا ہو گئی تھی۔ یہ بات جانتا تھا کہ شرجیلہ کے لیے ناقابل یقین تھی۔

جہاں تک خود دین بخش کی معلومات کا تعلق تھا تو سچی بات یہ کہ اسے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔اور اس نے بس شرجیلہ ہی کی بات پر بھروسہ کیا تھا۔اور اب جو صورتحال تھی وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی تھی۔ کہ کیتھرائن نے بہت ہی لمبا کھیل کھیلا ہے۔ ناگی کی بیٹی شمیلا سے اس نے غازی شاہ کی شادی کی۔شمیلا کے ہاں اولاد پیدا ہوئی اور یہ اولاد کیتھرائن

نے اپنے قبضے میں کر لی۔ یہ بڑے لوگ یہ وڈیرے اس طرح کے کھیل کھیلتے رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو انسانوں سے بلند کوئی چیز سمجھتے ہیں یہ۔ اور انسانوں کے ساتھ وہ سلوک کر ڈالتے ہیں۔ جو انسان انسان کے ساتھ نہیں کرتے۔ شمیلا کو یہ اعلا درجے کی کوٹھی اور ناگی کو اس گھر میں جگہ دے کر غازی شاہ نے کیتھرائن کے لیے ایک بیٹا خریدا تھا۔ لیکن یہ بات پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی تھی البتہ۔ وہ جانتا تھا کہ رقیہ کو صورت حال ضرور معلوم ہوگی۔ شکل ہی سے چالاک معلوم ہوتی تھی اور پھر عورتیں ایک دوسرے سے بھلا دل کا حال کہاں چھپاتی ہیں۔

چنانچہ وہ رقیہ کو شکار کرنے کی فکر میں لگا رہا۔ اور ایک دن اس نے رقیہ کو ایک اچھا سا دوپٹہ خرید کر دیا۔ بڑی عاجزی سے اس سے بولا۔

''رقیہ بہن! معافی چاہتا ہوں تم سوچتی ہوگی کہ کہاں کا بے تکلف بن کر آ بیٹھا۔ یہ دوپٹہ تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میری ایک بہن تھی۔ بہت چاہتا تھا میں اسے مگر اللہ نے اسے واپس لے لیا۔ جب سے اس گھر میں آیا ہوں اور تمہیں دیکھا ہے۔ مجھے بار بار یاد آتی رہی ہے۔ ہاجرہ تھا اس کا نام، ہاجرہ! کی شادی کر دی تھی میں نے مگر وہ بے چاری سکھ نہ پا سکی۔

میں دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔ بس یہ دوپٹہ میں تمہیں دینا چاہتا تھا۔ میرا دل تڑپ رہا تھا۔ پہلے تو سوچتا رہا کہ تم بھی کیا سوچو گی۔ کہ یہ زبردستی کا بھائی کہاں سے آ گیا۔ لیکن ہمت کر ڈالی ہے۔''

''ارے نہیں بھیا! جو رشتہ تم نے مجھ سے قائم کیا ہے وہ تو اچھے اچھوں کے دل پگھلا دیتا ہے میں تو خود دنیا میں اکیلی ہوں اگر تم مجھے بہن کہہ لو گے تو میرے لیے تو یہ خوشی کی بات ہوگی۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ رقیہ بہن! آپ کی اس محبت کو ہمیشہ دل میں رکھوں گا۔''

''ہاجرہ کو کیا ہوا تھا۔'' رقیہ نے دل سوزی سے پوچھا عورت کی ذات میں یہی تو ایک خرابی ہے پتھراتی ہے تو چٹانوں سے زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔ پگھلتی ہے تو موم سے زیادہ نرم۔ رقیہ پگھل گئی تھی۔ کوئی بھی اس طرح کے الفاظ ادا کرتا۔ انجام یہی ہونا تھا۔ بہر حال اس نے کہا۔ اور دین بخش نے تھوڑی سی اداکاری شروع کر دی۔ سر جھکا لیا پھر بولا۔

''بڑی غلط جگہ بیاہ دیا تھا میں نے اسے۔''

''شوہر نکما تھا۔''

''نکما ہوتا تو زیادہ سے زیادہ بھوکی رہ لیتی۔ دو روٹی تو ہم بھی دے سکتے تھے۔ اسے وہ ظالم تھا کمینہ۔ مارتا تھا اسے، بری طرح مارتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا مارا کہ سینے میں چوٹ لگ گئی۔ بس پھر نہ بچ سکی۔''

''ہائے۔ اس کتے کا کیا ہوا؟''

پھانسی دلوا دی ہم نے سسرے کو۔ پھانسی، آخر تک پیچھے پڑا رہا کہ صلح کر لیں۔ پیسہ لے لیں۔ مگر بہن! بہن کی زندگی کی کوئی قیمت ہو سکتی ہے۔''

''کبھی نہیں۔ تم ایک غیرت مند بھائی ہو۔ تم جیسے بھائی کو بھائی کہہ کر مجھے خوشی ہو رہی۔'' رقیہ بھی جذباتی ہو گئی۔

بعد میں دین بخش کو دل میں تھوڑی سی خفت کا احساس ہوا تھا۔

ویسے تو اپنے کام کی وجہ سے راہ بنائی تھی۔ لیکن طریقہ کار بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد رقیہ سچ مچ بہن بن گئی۔ کھانے پینے کی چیزیں لا کر دیتی تھی اسے۔ خیال بھی رکھتی تھی۔ دین بخش کے دل میں اس کے لیے کوئی برائی نہیں تھی۔ بس وہ تھوڑی سی معلومات چاہتا تھا ایک شام جب آسمان پر بادل جھکے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو جاتی تھی رقیہ اس کے پاس آ بیٹھی۔

''سو رہی ہے شمیلا! کیا بتاؤں تمہیں بھیا! کم بخت اولاد بن گئی ہے میری۔ ہوں تو اس کی نوکرانی مگر وہ پاگل تو جانتی ہی نہیں ہے کہ نوکرانی چیز کیا ہوتی ہے۔ خالہ کہتی ہے مجھے بس، اور سمجھتی بھی خالہ ہے۔ اصل بات یہ ہے نا بھیا! بڑے معصوم آدمی ہیں اور جب سے حج کر کے آئے ہیں بس اللہ اللہ ہی میں لگے رہتے ہیں۔

کہتے ہیں میری ذمے داری ہی کیا ہے رقیہ! بس بیٹی کے لیے دعائیں کرنا غازی شاہ کے لیے دعائیں کرنا۔ جس نے مجھے حج بھی کرا دیا اور میری بیٹی کو اتنی اچھی زندگی دے دی۔ احسان کرنے والی تو صرف ذات باری ہے۔ احسان صرف اللہ کرتا ہے لیکن کبھی کبھی وہ اپنے بندوں کو اس کام کے لیے مقرر کر دیتا ہے۔ بہر حال اللہ کا احسان مند ہوں۔ اور کیا کہوں۔''

''ہاں...... ناگی بابا کو میں جانتا ہوں۔ بہت عرصے کی یاد اللہ ہے۔ باقی ویسے ایک رات بار بار میرے ذہن میں آتی ہے۔ یہ آخر غازی شاہ اتنا بڑا وڈیرا ہو کر ناگی بابا تک کیسے پہنچ گیا۔''

''ارے شمیلا! مجھے پوری پوری کہانیاں سناتی رہتی ہے۔

اور کرتے ہی کیا ہیں۔ ہم دونوں ایک ایک بات کو دس دس دفعہ سنا چکی ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ کسی کام سے نکلے تھے میاں بیوی۔

مطلب یہ کہ غازی شاہ کی وہ انگریزن بیوی کو اس نے شمیلا کو دیکھا باتیں کریں اس سے میاں تو خیر دور ہی تھے۔ بیوی کو شمیلا پسند آ گئی۔ اور تھوڑے دن کے بعد اس نے ناگی بابا سے کہا کہ سندھ کے وڈیرے ایک شادی پر بھی گزارہ نہیں کرتے۔ شادیاں تو کرتے ہیں وہ۔ کم از کم دوسری تو ضرور کرتے ہیں۔ ناگی تیار ہو گئے۔ انگریزن بیوی نے شمیلا کو لے جا کر بڑی اچھی طرح اپنے گھر میں رکھا۔ بڑی تعریفیں کرتی ہے شمیلا اس کی۔ کہتی ہے کہ یہ گورے لوگ بھی فرشتے ہوتے ہیں۔ انگریزن نے بڑی اچھی طرح رکھا شمیلا کو اور جب اس کے ہاں ولادت ہونے لگی تو اسے یہاں کراچی میں اسپتال میں داخل کر دیا۔ مگر تقدیر خراب تھی کہ بچہ مردہ پیدا ہوا۔ بس اللہ کی مرضی اللہ کا حکم۔ اس کے بعد غازی شاہ نے شمیلا کو گوٹھ واپس نہیں بھیجا۔ یہ گھر لے کر دے دیا اور بس۔''

کیتھرائن یہاں آتی ہے کبھی۔'' دین بخش نے پوچھا۔

''نہیں کبھی نہیں۔ آج تک نہیں آئی۔''

''ٹھیک۔ رقیہ بہن! بہر حال اچھی بات ہے یہ خوش ہیں دونوں باپ بیٹی! دین بخش کے تو پنکھے لگ رہے تھے۔ ساری تفصیل سن لی تھی اور اب سمجھ بھی آئی تھی۔ شرجیلہ کے لیے صحیح معنوں میں کام کیا تھا اس نے۔ ہر چیز کا حل مل گیا تھا۔ تو یہ دل مراد اصل میں شمیلا کا بیٹا ہے۔ جسے مردہ ظاہر کر کے کیتھرائن کی گود میں دے دیا ہے۔ اور اس بے چاری کو بتا دیا گیا کہ بچہ مردہ پیدا ہوا۔ توبہ توبہ کیا گھٹیا باتیں ہیں یہ۔ اس کا مطلب ہے کہ کیتھرائن نے اس بچے کے حصول کے لے غازی شاہ کی شادی شمیلا سے کرائی تھی۔ خیر! یہ بڑے گوٹھوں کے بڑے معاملات ہیں۔ میرے پاس بڑی بیگم سائیں کے لیے ایک تحفہ ہے۔ اس خبر کا تحفہ۔

امیر شاہ کراچی آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ ہر حالت میں علی خیر محمد پر نگاہ رکھے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ علی خیر محمد ایک سرکش گھوڑا تھا اور اس پر بھرپور لگام کسے رکھنا ہی بہتر تھا۔

بہر حال یہ ذمے داری امیر شاہ کی تھی کہ وہ یہاں آتا جاتا رہے۔ حمایت علی شاہ اور اس کی بیوی عدیلہ شاہ بھرپور طریقے سے اپنا کردار نبھا رہے تھے۔ اس بار امیر شاہ آیا تو حمایت علی شاہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''سائیں فضل شاہ کو میری طرف سے مبارک باد دے دینا امیر شاہ صاحب! جو کام

انہوں نے ہمارے سپرد کیا تھا۔ اللہ نے اس کی تکمیل کرا دی ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' امیر شاہ نے خوشی بھری آواز میں کہا۔

''علی خیر محمد تو بہت ہی استاد نکلا اس سلسلے میں وہ دوستی گانٹھی ہے اس نے مرزا طارق بیگ کی بیٹی سے کہ بس دیوانی ہو گئی ہے۔

سسری کتنی ہی بار آ چکی ہے ویسے بات معمولی نہیں تھی۔ خود علی خیر محمد نے بھی بڑا زبردست کام دکھایا ایک گاڑی ڈبو دی سمندر میں۔''

''کیا مطلب......'' امیر شاہ حیرت سے بولا اور حمایت علی شاہ نے اسے پوری کہانی سنا دی۔ امیر شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

''بابا! وہ بھی بہت بڑے وڈیرے کا بیٹا ہے۔ دولت کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ اس کی نظر میں۔ ٹھیک کہتے ہو، بہر حال کام دکھا دیا اس نے اور یہ خوشخبری فضل شاہ کے لیے بھی بڑی خوش خبری ہو گی۔

حقیقت یہ تھی کہ نہ جانے کیوں علی خیر محمد بھی عالیہ بیگ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس طرح کا انسان نہیں تھا۔ لیکن عالیہ بیگ خود اس طرح کی لڑکی تھی کو کوئی بھی اس سے متاثر ہو سکتا تھا۔ ہنس مکھ خوش اخلاق اور پھر بلاوجہ عشق محبت نہ جھاڑنے والی بس ایک اچھی دوست، اچھی ساتھی کی حیثیت سے وہ علی خیر سے ملتی رہتی تھی۔ اور دونوں کے درمیان کافی یگانگت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ بات مرزا طارق بیگ سے بھی چھپی ہوئی نہیں تھی۔ کاروباری آدمی تھا اور لاکھ کے کروڑ بنانے کی فکر میں رہتا تھا۔ بیٹی اسے زندگی کی طرح عزیز تھی۔

بہر حال بیٹی کی خوشی کے لیے ہر کام کرنے کے بعد اپنے آپ کو مطمئن تصور کرتا تھا۔ اور وہ اکثر گہری سوچوں میں ڈوبا رہتا تھا۔ ادھر سلطانہ بیگ کئی بار اس سے کہہ چکی تھی کہ جب آپ نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے لیا ہے۔ تو پھر پریشانی کی کیا ضرورت ہے۔''

''کون پاگل پریشان ہے۔ ویسے میں نے اپنے آدمی متعین کر دیے ہیں۔ وہ یہ معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ وہ کوٹھی نمبر ایک سو گیارہ کس کی ملکیت ہے۔ کب فروخت ہوئی اور کس نے خریدی۔ بہت جلد مجھے اس بارے میں رپورٹ مل جائے گی۔ اور یہ حقیقت تھی کہ مرزا طارق بیگ کے پاس ہر طرح کے لوگ موجود تھے۔ اسے رپورٹ مل گئی۔

''جی سر! یہ کوٹھی شہزادہ خرم نے خریدی ہے۔ شہزادہ خرم کے بارے میں یہ تفصیل موجود ہے کہ وہ کینیا سے آئے ہیں۔ ان کے والدین مر چکے ہیں۔ وہ افراد ان کی سرپرستی

کرتے ہیں۔ان میں سے ایک کا نام حمایت علی شاہ ہے اور اس کی بیوی کا نام عدیلہ شاہ! یہ صورتحال ہے دولت کی صحیح تفصیل تو نہیں معلوم ہوسکی لیکن سنا گیا ہے ان کی دولت آہستہ آہستہ پاکستان منتقل ہورہی ہے اور اب وہ یہیں زندگی گزارنے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ رپورٹ مرزا طارق بیگ کو حاصل ہوگئی تو مرزا طارق بیگ سوچنے پر مجبور ہوگئے بیٹی کی دلچسپی دیکھ چکے تھے۔موقع ملا تو بیوی سے کہنے لگے۔

''ہاں بھئی سلطانہ بیگم شہزادہ خرم کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوگئی ہیں۔''

''کیا.....''بیگم صاحبہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بندہ صحیح ہے جو بات اس کے بارے میں پتا چلی وہی حقیقت ہے یعنی کے وہ کینیا سے ہی آئے ہیں کوٹھی ان کی اپنی ہے۔''

''اے میں کہتی ہوں اسی ،نوے لاکھ کی تو کوٹھی ہی ہوگئی۔''

''زیادہ کی ہے سلطانہ بیگم! زیادہ کی ہے دل تو چاہ رہا ہے کہ وہاں جاکر کوٹھی کا جائزہ لیں۔لیکن بات ہماری شان کے خلاف ہوجائے گی ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا کیا سمجھیں آپ۔''

''جی۔''

''اب صرف ایک بات بتایئے عالیہ معصوم سی بچی ہے متاثر ہوگئی ہے اس شخص سے بہ ظاہر تو یہ لگتا ہے کہ وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہی ہے اور دولت مند بھی ہے عالیہ کے لیے آپ ایسا کوئی رشتہ پسند کریں گی۔''

''لیجیے ارے میں تو کہتی ہوں کہ اس سے اچھا اور کوئی رشتہ ہو ہی نہیں سکتا۔بنیادی وجہ یہ ہے کہ صاحب حیثیت ہے ہماری ٹکر کا نوجوان ہے اور یہ لوگ بتاتے ہیں کہ خوبصورت بھی ہے ایسی صورت میں آخر ہم تجربے کیوں کریں اگر بچے بات آگے بڑھائیں۔

اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی نہ آگے نہ پیچھے وہ دو جو اس کے سرپرست ہیں۔تنخواہ لینے والے ملازم ہی ہوں گے جب اس پر ہمارا تسلط قائم ہوجائے گا تو ملازم بھی بھلا کوئی اوقات رکھتے ہیں سب ٹھیک ہوجائے گا کیا سمجھے آپ۔''

''ہاں میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔پورا پورا اتفاق کرتا ہوں۔''مرزا طارق بیگ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر بولے۔

''اچھا تو پھر ایک کام کرتے ہیں بلا لیتے ہیں اسے کھانے پر بلا لیتے ہیں۔''

آصف

''بلا لیجیے' اور ان دونوں کو بھی''

''کن دونوں کو''

''میرا مطلب ہے اس کے ان دونوں ملازموں کو بھی جو اس کے سرپرست ہیں''

''ہاں ہاں' میرا خیال یہ ہے کہ ابھی ان کی ضرورت نہیں ہے' اپنے آپ کو بہت زیادہ حیثیت دینے لگیں گے۔ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود ان دونوں کی کیا انڈر اسٹینڈنگ ہے' میرا مطلب ہے کہ عالیہ اور خرم کی۔''

عالیہ سے مرزا طارق بیگ نے کہا۔

''ہاں جی عالیہ بی بی! کیا ہنگامہ آرائیاں ہورہی ہیں آج کل''

''کچھ نہیں پپا! بس وہی سب کچھ جو پہلے تھا''

''نہیں بیٹا! ایسی بات تو نہیں ہے کچھ تبدیلیاں نظر آرہی ہیں آپ کے اندر ہمیں''

''کیسی تبدیلیاں''

''بھئی بچے کہتے ہیں کہ آج کل آپ نے انہیں گھاس ڈالنا بند کردی ہے''

کون بچے' پاپا! یہی چاروں کے چاروں صوفی اور ورخشاں وغیرہ' عالمگیر بھی۔

''انہیں کی بات کررہا ہوں''

''پاپا! یہ لوگ جو ہیں نا بس کوئی بری بات نہیں کہنا چاہتی ان کے بارے میں ذرا سا ان کی جانب توجہ دیں تو سب خوش ہیں' آخر دوسرے بھی تو ہیں''

''دوسرے نہیں بلکہ کسی ایک شخص کی بات ہورہی ہے اور ان صاحب کا نام ہے شہزادہ خرم!''

''خرم! کے بارے میں تو آپ کو بتا چکی ہوں پاپا! بہت ہی نفیس انسان ہے۔پاپا! آپ یقین کریں ایک ایسی چیز ہے اس کے اندر جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی۔ایک وحشی پن ایک کھردرا پن ایک ایسا انداز جو کچھ سمجھ میں نہ آئے اور یہ انداز اس کی دلکشی میں لاکھوں گنا اضافہ کردیتا ہے۔''

''یار! اتنی تعریفیں کرڈالی ہیں تم نے شہزادہ خرم کی عالیہ! کہ ہمیں بھی اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوگیا ہے''

''تو بلا لوں ڈیڈی کسی بھی وقت کھانے پر''

‘‘بھئی یہ تو آپ پر منحصر ہے کہ آپ کب اپنے مہمان کو کھانا کھاتی ہیں یا اپنے دوست کو بلا کر ہم سے ملاتی ہیں۔’’

‘‘آج ہی ڈیڈی! آج ہی آپ فکر کیوں کرتے ہیں؟ کوئی مصروفیت تو نہیں ہے رات کو آپ کو’’

‘‘نہیں ڈنر پر بلا لو اسے' مل لیں گے مگر پہلے سے کہنا ضروری تو نہیں ہے۔’’

‘‘نہیں ڈیڈی! بڑا اعتماد ہے ہمیں ایک دوسرے پر۔’’

عالیہ نے معمول کے مطابق کلفٹن کے ساحل پر اس مخصوص علاقے میں شہزادہ خرم سے ملاقات کی' اس کے لئے خاصا طویل فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ کلفٹن اب وہ کلفٹن نہیں رہا تھا جہاں ہوا بندر پر اتر کر پل سے سمندر تک کے راستے جانا پڑا تھا۔ اطراف میں ریت کے ٹیلے ہوا کرتے تھے۔ اسی پل کے نیچے سیر کے لئے آنے والے اپنے ڈیرے جمائے ہوئے ہوتے تھے۔ ہوا کے ساتھ ریت اڑتی رہتی تھی' لیکن کسی کو پرواہ نہ تھی یہ پرانا کلفٹن تھا اور اب' اب تو کلفٹن کی وسعتیں بے پناہ ہو چکی ہیں۔ ساحل کے ساتھ ساتھ وہ کچھ بن گیا ہے جو دنیا کے کسی بھی جدید ترین شہر کے لئے مثالی حیثیت رکھتا ہو' تنہائی کی تلاش میں اتنا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے کہ بس لطف ہی آ جائے' لیکن مخصوص جگہ ان دونوں نے اپنی ملاقات کے لئے طے کر رکھی تھی۔ شہزادہ خرم وہاں موجود تھا۔ پتا نہیں علی خیر محمد کے دل میں عالیہ کے لئے سچ مچ کوئی مقام پیدا ہو گیا تھا' یا پھر وہ فضل شاہ کے مہرے کی حیثیت سے کام سرانجام دے رہا تھا۔ بہر حال جو کچھ بھی تھا' صورت حال کچھ ایسی تھی جو مکمل طور پر سمجھ میں نہ آئے۔ اوصاف بھی حیران تھا کیونکہ علی خیر محمد نے اسے بھی اپنے دل کی بات نہیں بتائی تھی۔ بلکہ اب تو وہ اسے اپنے ساتھ ساحل پر بھی نہیں لاتا تھا۔ ایک بار اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

‘‘اوصاف! تم گھر پر رہا کرو خاص طور سے اس وقت جب میں یہاں آیا کروں’’

‘‘وجہ’’

‘‘یار! عشق ہو گیا ہے مجھے’’

‘‘آپ کی عمر تو ایسی ہی ہے شہزادہ خرم! کہ آپ کو عشق ہو جائے لیکن آپ کا عشق جس قسم کا ہے ذرا اس کا خیال رکھیے گا’’

‘‘جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ تمہارے ذہن تک پہنچا۔’’ علی خیر محمد کا لہجہ خشک ہو گیا۔

‘‘ہاں ہاں! سر وہ تو میرے ذہن تک پہنچ چکا ہے’’

‘‘بس تو فی الحال اسی پر بھروسا کرو’’ بہر حال عالیہ علی خیر محمد کے پاس پہنچ گئی اور علی خیر محمد نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔

‘‘شہزادہ حضور! اپنی مملکت میں کیا کام کر رہے ہیں' علی خیر محمد نے نگاہیں اٹھا کر عالیہ کو دیکھا اور بولا۔

‘‘مذاق اڑا رہی ہیں آپ ہمارا’’

‘‘ارے ارے یہ احساس آپ کے دل میں کہاں سے پیدا ہوا ذرا بتا دیجئے۔ تاکہ آئندہ خیال رکھا جائے میں اور آپ کا مذاق اڑاؤں گی’’

‘‘اچھا تو آپ کسی اور شہزادے کی بات کر رہی ہیں جس کی کوئی مملکت بھی ہے۔ بھئی ہمارا نام تو صرف خرم ہے یہ والدین بعض اوقات پیار میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اولاد کی مٹی پلید کر دیتے ہیں۔ نام رکھ دیا شہزادہ خرم! اور مملکت اور سلطنت کچھ بھی نہیں' عالیہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک ایسی جگہ جا بیٹھی جہاں پانی کی لہریں پیروں کو آ کر چھو رہی تھیں۔ پھر اس نے علی خیر محمد کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

‘‘ویسے تو اردو میں بہت سے ٹیڑھے میڑھے الفاظ شامل ہیں' لیکن کیا کیا جائے۔ مفہوم انہی سے بنتا ہے' ایک لفظ ہے تجاہل عارفانہ کیا لفظ ہے ادا کرتے ہوئے بھی خاصی تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا مطلب بڑا جامع ہے یعنی کسی کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جائے یا کسی سے گریز کیا جائے' اسے تجاہل عارفانہ کہتے ہیں تو جناب! اپنی مملکت تلاش کر رہے ہیں۔ آپ مجھے ایک بات بتائیے۔ اردو شاعری میں دلوں کی مملکت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے' آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں’’ علی خیر محمد ہنسنے لگا پھر بولا۔

‘‘بابا! میں آپ کو اس بارے میں بتاؤں' میرا اس بارے میں کوئی خاص خیال نہیں ہے' آپ کو معلوم ہے کہ میں ملک سے باہر رہا ہوں نہ مجھے اردو شاعری کے لئے کچھ معلوم ہے نہ ہی وہ جو آپ نے کہا اس کے بارے میں’’

‘‘مگر آپ اردو تو اچھی خاصی بول لیتے ہیں’’

‘‘ہاں میں نے آپ کو بولا نا میرے گھر میں اردو ہی بولی جاتی تھی اور مجھے اچھی طرح آتی ہے لیکن گاڑھی اردو نہیں ہے’’

‘‘ہم نے جس مملکت کی بات کی تھی نا وہ دل کی مملکت تھی اور دل کی مملکت میں آپ شہزادے ہیں’’

‘‘ٹھیک ہے بابا! ٹھیک ہے مجھے ہاں میں گردن ہلا دینی چاہیے’’

''کیا ہو رہا تھا''

''سمندر کی لہریں گن رہا تھا''

''ایک بات بتائیے''

''پوچھو''

''آپ کو سمندر بہت پسند ہے''

''ہاں''

''کیوں''

''بس یہ بڑا ہے طاقت ور ہے اس سے پنجہ نہیں لڑایا جا سکتا' یہ سرکشوں کو ڈبو دیتا ہے اور جو اس سے مدد مانگتے ہیں ان کو ساحل تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ بڑائی ہے اس کی' طاقت ور چیزیں مجھے پسند ہیں۔''

''ٹھیک ہے اپنا اپنا طریقہ کار ہے' اپنی اپنی سوچ کا انداز ہے''

''ہاں' یہ تو ٹھیک ہے کیا آپ کو سمندر پسند نہیں ہے' عالیہ جی''

''نہیں' مجھے سمندر بہت پسند ہے' لیکن مختلف انداز میں مجھے ان لہروں کی بے قراری اچھی لگتی ہے' ایسا لگتا ہے جیسے یہ اپنے محبوب کی تلاش میں دوڑ رہی ہوں۔ میرے اندر کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی ہے''

''آپ بھی اپنے محبوب کی تلاش میں دوڑ رہی ہیں''

''دوڑ رہی تھی''

''مطلب''

''میں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے'' عالیہ نے بے جھجک کہا۔

''اچھا' میری طرف سے مبارکباد''

'شکریہ''

''کیا ان لہروں نے بھی اپنے محبوب کو پالیا ہے''

''نہیں یہ میری طرح خوش نصیب نہیں''

''تو پھر محبوب صاحب سے ہماری ملاقات کب کرا رہی ہو'' علی خیر محمد نے پوچھا' عالیہ اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی' پھر بولی۔

''شہزادہ خرم!''

''ہاں بابا بولو' بولو''

''آپ میرے محبوب سے نہیں ملے''

''نہیں''

''سوچ لیجئے''

''کیا مطلب ہے بابا! کیا سوچ لوں''

''آپ میرے محبوب سے نہیں ملے''

''کدھر ملا' ابھی آپ جب تک نہیں ملاؤ گی کیسے ملوں گا'' عالیہ اسے دیکھنے لگی پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور اپنا چہرہ اس کے قریب لے گئی پھر بولی۔

''آئینہ تو نہیں ہے میرے پاس لیکن سنا ہے' آنکھوں میں تصویر نظر آ جاتی ہے' دیکھیے ذرا.....''

''بابا! میرے کو کم نظر آتا ہے' ابھی سوچتا ہوں آنکھیں ٹیسٹ کرا کے چشمہ لگاؤں'' علی خیر محمد نے کہا اور پھر ہنس پڑا' عالیہ بولی۔

''آپ ہی تو میرے محبوب ہیں شہزادہ خرم! بہت پسند کرتی ہوں میں آپ کو' راتوں کو آپ کا تصور مجھے سونے نہیں دیتا۔ اب آپ میری زندگی کے ہر خواب میں شامل ہو گئے ہیں۔ خواب دیکھتی ہوں تو آپ کے' آئینہ دیکھتی ہوں تو آپ نظر آتے ہیں۔''

''ارے بابا! ایسا مت کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بھی یہی حالت ہو جائے''

''آپ کی ابھی تک یہ حالت نہیں ہوئی''

''نہیں' ہوئی تو نہیں ہے سچ بولتا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں ہو جائے گی۔''

''اتنی دیر کیوں؟'' عالیہ نے کہا۔

''بابا' بہت میری سمجھ میں بہت کم آتی ہے' ذرا سی کھوپڑی خراب ہے' آپ کا مطلب کیا ہے' آپ میرے کو بتاؤ تو سہی''

''شہزادہ خرم! اس سے زیادہ میں آپ کو اور کچھ نہیں بتاؤں گی' میرے آپ کے درمیان زندگی کا سب سے بڑا رشتہ قائم ہو چکا ہے' میں آپ کو چاہتی ہوں۔ اب یہ نہیں کہوں گی کہ جواب میں آپ بھی مجھے چاہیں' لیکن میں ایک بات آپ سے کہے دیتی ہوں' اب زندگی اور موت کا ہر راستہ آپ کی طرف جاتا ہے۔

علی خیر محمد شاہ کو بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا' بات اس کی سمجھ سے اونچی تھی' جو کچھ وہ کرتا رہا تھا' وہ بھی اس کے ذہن میں تھا عورت کئی بار اس کی زندگی میں آئی تھی۔ حالانکہ اس چھوٹی سی عمر میں عورت پرستی اس کی فطرت میں شامل نہیں ہو سکی تھی وہ جو کھدوانا کے ساتھ دو

ساتھی ملے تھے۔انہوں نے اسے بھی غلط راستوں پر لگا دیا تھا' لیکن محبت کے یہ الفاظ بالکل ہی دوسرا مفہوم رکھتے تھے یہ دل پر جا کر ٹھک ٹھک کر کے لگتے تھے۔ جسمانی قربت کا ایک الگ تصور ہے لیکن دلوں کی قربت اس قربت سے کہیں زیادہ دلکش اور حسین ہوتی ہے اور اس وقت عالیہ اسے بڑی دلکش لگ رہی تھی' نہ جانے اس کے دل میں عالیہ کے لئے کیا جذبہ پیدا ہوتا جا رہا تھا وہ اپنے جذبے کا اظہار نہیں کر سکا' کیونکہ مختلف فطرت کا مالک تھا' کیتھرائن نے اسے انسان نہیں جانور بنانے کی کوشش کی تھی اور وہ اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہی تھی۔ لیکن کراچی کی آب وہوا' ماحول اور پھر فضل شاہ کی کوششیں جو کام اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ بھی غلط تھا' یعنی اسے محبت کرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا جس عمر میں وہ تھا اس میں حالات بڑی جلدی پلٹتے ہیں اور جو ہونا ہوتا ہے وہ اس قدر برق رفتاری سے ہوتا ہے کہ انسان سوچ بھی نہ سکے' چنانچہ ایک دم سے اس کے دل کی دنیا بدلنے لگی تھی' بہرحال تھوڑی دیر کے بعد جذبات سے باہر نکلے' تو عالیہ نے کہا۔

''شہزادہ خرم! آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھایئے۔''

''کدھر بابا!''

''میرے گھر میں''

''ہاں''

''آپ کے گھر کے لوگ مجھے جانتے ہیں''

''کیوں نہیں؟''

''کیسے جانتے ہیں؟''

''میں نے انہیں بتایا ہے آپ کے بارے میں''

''کیا بتایا ہے''

''یہی کہ خرم میرے دوست ہیں''

''تو پھر انہوں نے کیا بولا''

''میرے ڈیڈی نے کہا کہ خرم کو کھانے کی دعوت دو۔''

''ایسا بولا انہوں نے۔''

''ہاں۔''

''سچ بولتی ہو آپ۔''

''ہاں۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔'' یہ لفظ بھی ٹھک سے جا کر علی خیر محمد کے دل پر لگا تھا اس نے پوچھ ہی ڈالا۔

''آپ مجھ سے جھوٹ کیوں نہیں بولو گی۔''

''اس لیے کہ جس سے محبت کی جاتی ہے نا اسے اپنی زندگی کا مالک بنا لیا جاتا ہے اور زندگی کے مالک سے جھوٹ بولا ہی نہیں جا سکتا۔'' علی خیر محمد شاہ پر عجیب وغریب کیفیت بیت رہی تھی۔ وہ زندگی کے نہ جانے کیسے کیسے رمز سے آشنا ہو رہا تھا اس نے کہا۔

''میرے کو عجیب لگے گا اچھا ایک بات بتاؤ میں اکیلا آؤں یا اوصاف کو ساتھ لے آؤں یا اپنے گارجیئن کو۔''

''ویسے تو ان سب کے لیے وہ گھر حاضر ہے لیکن آج آپ اکیلے آیئے شہزادہ خرم۔''

''ٹھیک ہے میں پہنچ جاؤں گا۔''

''رات کو آٹھ بجے''

''ٹھیک ہے'' علی خیر محمد شاہ نے کہا۔

''اور اب میں آپ سے اجازت چاہوں گی۔''

''اتنی جلدی'' علی خیر شاہ بولا اور عالیہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''جلدی لگ رہی ہے۔''

''تو اور کیا آج تو اتنی دیر نہیں بیٹھیں آپ جتنی دیر تک ہم لوگ ساتھ رہتے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ دلوں میں تڑپ پیدا ہوگئی مگر ایک بات کی شکایت ہے آپ سے۔''

''کس بات کی۔''

''آپ نے میری محبت کے جواب میں مجھ سے محبت کا کوئی لفظ نہیں کہا عالیہ بولی۔''

''دیکھو بابا! میں آپ کو ایک بات بولوں میں بہت عجیب آدمی ہوں کوئی کام کرتا ہوں تو تھوڑا سا سوچتا ہوں۔ اور سوچ کر جو فیصلہ کرتا ہوں وہ اتنا ٹھوس ہوتا ہے کہ اس میں لچک کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مجھے معاف کرنا مجھے یقین ہے کہ میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ پر جب میں تم سے اظہار کروں گا اس بات کا تو پھر دنیا کی کوئی رکاوٹ قبول نہیں کروں گا۔ کوئی اگر مجھے تمہارے راستے پر آنے سے روکے گا تو قتل کر دوں گا میں اسے بابا میرے کو ذرا اپنے الفاظ سنبھالنے دو میں جو کچھ تم سے کہوں گا وہ الگ بات ہوگی۔'' علی خیر محمد شاہ کے چہرے پر ایک عجیب سی تمتماہٹ تھی' عالیہ سننے لگی پھر بولی۔

''تو پھر چلتی ہوں شام کو آٹھ بجے ملاقات ہوگی۔''

''ٹھیک ہے۔'' عالیہ واپس چل پڑی اور علی خیر محمد عجیب سے انداز میں اسے دیکھتا رہا اس پر بہت برا وقت آپڑا تھا۔ یہ کیا ہوا؟ ابھی فضل شاہ صاحب نے میرے کو بولا تھا کہ اس سے محبت کرو اسے اپنے جال میں پھانسو وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہے وہ اپنے ساتھ سونے کی کان لائے گی۔ سونے کی کان اپنے قبضے میں کر لینا اور پھر اسے اسی کان میں مٹی کھود کر دفن کر دینا۔ نہیں بابا فضل شاہ! ایسا بات مت بولو وہ دفن کرنے والی چیز نہیں ہے۔ اس کے بارے میں تو سوچنا پڑے گا۔ بہت کچھ سوچنا پڑے گا بہر حال علی خیر شاہ میں جو تبدیلی پیدا ہوئی تھی وہ قابل توجہ تھی۔ رات کو آٹھ بجے وہ تیار ہو کر طارق بیگ کی کوٹھی کی جانب چل پڑا جب اس کی کوٹھی کے گیٹ پر پہنچا تو سامنے ہی اسے استقبال کرنے والے نظر آئے۔ خود مرزا طارق بیگ ان کی بیگم سلطانہ بیگ، عالیہ اور چند اور افراد شہزادہ خرم کے استقبال کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ علی خیر محمد شاہ نے اپنی کار روکی نیچے اترا۔ ہلکے نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس کریم کلر کی قمیض اور اس پر میچنگ ٹائی اوصاف نے اسے تیار کیا تھا۔ بلند و بالا قد و قامت کا مالک تو تھا ہی اس وقت اس قدر دلکش لگ رہا تھا کہ ایک نگاہ دیکھنے والا اسے دوسری نگاہ دیکھے بغیر نہ رہ سکے۔ سلطانہ بیگم کے منہ سے بے اختیار آواز نکل گئی۔

''ماشاءاللہ!''

''کیا کہا آپ نے۔'' مرزا طارق بیگ ان کے الفاظ سن نہیں سکے تھے۔

''نہیں...... مجھے نہیں ذرا دیکھو اسے۔''

''کیوں کوئی خاص بات ہے۔''

''نہیں ہے سلطانہ بیگم نے کہا۔''

''مطلب کیا ہے آپ کا۔''

''کس قدر حسین نوجوان ہے بھرپور جوانی کا مالک اسے دیکھ کر واقعی ہر انسان متاثر ہو سکتا ہے۔''

''محترمہ! ذرا خیال رکھیے گا کہیں ہم رقابت کا شکار نہ ہو جائیں۔'' مرزا صاحب نے پر مذاق انداز میں کہا۔

''میں اپنی بیٹی کے لیے دیکھ رہی ہوں اسے آپ کیا بات کر رہے ہیں۔''

''ارے ارے تو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے وہ جو کہتے ہیں نا کہ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔''

''جی نہیں نہ میں چور ہوں نہ میری ڈاڑھی ہے اور نہ اس ڈاڑھی میں تنکا ہے۔ سلطانہ بیگم نے کہا علی خیر محمد جھجکتے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا قریب پہنچ کر اس نے سلام کیا تو مرزا طارق بیگ نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور بولے۔

''آیئے شہزادہ خرم میرا نام مرزا طارق بیگ ہے اور یہ میری بیگم سلطانہ بیگ اور اس لڑکی کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے اسے عالیہ کہتے ہیں۔''

''جی جانتا ہوں علی خیر محمد نے کہا پھر وہ ان لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس نے کہا آپ کی کوٹھی بڑی شان دار ہے۔''

''سنا ہے آپ کی کوٹھی ہماری کوٹھی سے کہیں زیادہ حسین ہے۔''

''اینٹیں اور پتھر حسین ہوتے نہیں بنائے جاتے ہیں اصل میں وہ دل ہوتے ہیں جو انہیں حسین بناتے ہیں اپنے جیسا۔'' علی خیر محمد نے یہ الفاظ سوچے سمجھے بغیر کہے تھے لیکن سب چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ علی خیر محمد ایک دم سنبھل کر بولا۔

''میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی بابا اگر ایسا ہے تو آپ میرے کو معاف کر دو۔''

مرزا طارق بیگ ہنسنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

''کیا حسین بات کہی ہے آپ نے اور اس پر آپ معافی مانگ رہے ہیں۔''

''شکریہ اگر ایسی بات ہے بس یہ الفاظ میرے ذہن میں آئے میں نے آپ کو کہہ دیے آپ سب لوگ خیر سے ہو۔''

''ہاں آپ سے ملنے کی بڑی خواہش تھی وہ پوری ہوگئی۔ عالیہ نے آپ کی اتنی تعریفیں کی تھیں۔ شہزادہ خرم! کہ آپ سے ملنے کے لیے دل بے قرار ہو گیا تھا۔''

''بہت بہت شکریہ آپ کا میں بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں۔''

''سنا ہے آپ کینیا سے آئے ہیں۔''

''ایں ہاں کینیا!''

''آپ کی اردو میں ایک تبدیلی ہے جو یہاں عام اردو سے مختلف ہے۔''

''آپ کے گارجین! ہم نے جان بوجھ کر انہیں آج نہیں بلایا لیکن بہت جلد ہم ان کی دعوت بھی کریں گے آج تو اصل میں تنہائی میں آپ سے ملنا چاہتے تھے۔''

''جی۔''

''یہاں کوئی کاروبار نہیں شروع کیا آپ نے۔''

''ارادہ ہے''

''ہاں''

''کیا کاروبار کریں گے''

''پتا نہیں''

''آپ کو پتا نہیں''

''ہاں، حمایت علی شاہ جو فیصلہ کریں گے ہم وہی کرلیں گے۔''

''حمایت علی شاہ صاحب۔''

''اچھا اچھا' آپ کو ان پر بہت اعتماد ہے۔''

''ہاں''

''مگر کاروبار اپنے بل پر کئے جاتے ہیں''

''مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے''

''یہ بھی آپ ٹھیک کہتے ہیں' اچھا ایک پیشکش کریں آپکو' ہمارا نام مرزا طارق بیگ ہے' ہم خود ایک بزنس مین ہیں' آپ کو اگر ابھی بزنس کے سلسلے میں کوئی مشورہ درکار ہو تو ہم سے ضرور پوچھئے۔''

''ٹھیک ہے'' علی خیر محمد نے آہستہ سے کہا' ذہن بھٹک رہا تھا اس کا' اس کے بعد مرزا طارق بیگ اس سے بہت سی باتیں کرتے رہے اور پھر کھانے کا وقت ہوگیا' بڑا پر تکلف کھانا تھا لیکن اس وقت کھانے پر نیاز اللہ صاحب بھی شامل تھے۔ نیاز اللہ اتفاقیہ طور پر علی خیر محمد شاہ کے بالکل سامنے کرسی گھسیٹ کر آ کر بیٹھے تھے۔

''یہ میرے والد ہیں نیاز اللہ صاحب! دنیاداری ترک کر چکے ہیں' اب یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں'۔ ابو! یہ شہزادہ خرم ہیں' پہلے کینیا میں رہتے تھے والدین کے انتقال کے بعد یہاں آ گئے۔ ابھی کوئی کاروبار شروع نہیں کیا' ہم لوگوں سے دوستی کا نیا نیا آغاز ہوا ہے'' نیاز اللہ صاحب نے حسب معمول کوئی توجہ نہیں دی' بلکہ کہنے لگے۔

''خوشی کی فصل کاٹنا چاہتے ہو تو خیر کا بیج بوؤ اور برائی کے بیج سے فصل اگاؤ گے تو ندامت کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ علی خیر محمد نے چونک کر انہیں دیکھا' نہ جانے کیوں اسے یوں لگا جیسے یہ شخص اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانک رہا ہو' وہ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا تو نیاز اللہ صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''جو یہ مان گیا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے اور اس کے باوجود اس غلطی کو درست نہیں کرتا' گویا وہ ایک اور غلطی کرتا ہے۔ صداقت کو عظیم تر بناتا ہے' اس طرح کی بہت سی باتیں نیاز

اللہ صاحب کرتے رہے اور کھانے کا دور جاری رہا۔ بہر حال پھر کافی دیر تک علی خیر محمد وہاں رہا اور عالیہ اسے اپنا گھر دکھاتی رہی' پھر عالیہ اور لڑکے لڑکیاں علی خیر محمد کو اس کے گھر تک چھوڑنے آئے تھے' علی خیر محمد نے کہا۔

''آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے عالیہ! آپ کے والدین بہت اچھے ہیں اور ایک بات کہوں وہ بزرگ مجھے بہت پسند آئے ہیں۔ جو کچھ بھی انہوں نے کہا ہے وہ مجھے پریشان کر رہا ہے' نہ جانے کیوں اور حقیقت یہی تھی کہ علی خیر محمد رات کو بستر پر پہنچنے کے بعد نہ جانے کیسی کیسی الجھنوں کا شکار رہا تھا' اسے نیاز اللہ صاحب کے الفاظ بار بار یاد آ رہے تھے۔ کچھ خاموشی سے بیٹھے ہوئے کہہ جاتے ہیں۔ بہت سی باتیں اس کے دماغ میں چکرا رہی تھیں۔ ''روح انسان کی شکل میں ہوتی ہے' لیکن وہ انسان نہیں ہوتی'' کیا انوکھی بات تھی' کیا ہی انوکھی بات تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس کا کیا حال ہوگا' جس کی عمر کم ہو رہی ہو اور گناہ بڑھ رہے ہوں کیا یہ میری اپنی ذات کی تفسیر ہے اور پھر بہت سی باتیں وہ آدھی رات سے زیادہ دیر تک سوچتا رہا تھا۔ ایک عجیب تغیر ایک عجیب تبدیلی وہ اپنے سارے وجود میں پا رہا تھا۔ کیا ہو رہا ہے یہ مجھے' یہ ان سوچوں نے مجھے اپنے جال میں کیوں جکڑ رکھا ہے؟ اس کی کیفیت ایسی ہی ہو رہی تھی اور وہ خاصی الجھنوں کا شکار رہا تھا۔

کیتھرائن غیر مطمئن نہیں تھی' آخر کار اس نے اپنے خیال کے مطابق حالات پر قابو پالیا تھا۔ شرجیلہ اس کی بدترین دشمن تھی۔ مکرم شاہ شرجیلہ کا دست راست تھا اس نے ان دونوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے' بلکہ شرجیلہ کے ساتھ جس دلچسپ کھیل کا آغاز ہوا تھا وہ تو کیتھرائن کے لئے بہت ہی پرکشش تھا وہ اس کے دل پر زخم پر زخم لگا رہی تھی اور خوش تھی کہ شرجیلہ تلملانے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ مکرم شاہ کو تو خیر کیتھرائن نے زندہ درگور کر دیا تھا' اندازہ لگا چکی تھی کہ بیٹے کا غم اسے کھائے جا رہا ہے۔ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر شرجیلہ مکرم شاہ سے کوئی شکایت کرے گی تو اب وہ اس قابل نہیں ہے کہ کیتھرائن کا سامنا کر کے اس سے جواب طلبی کر سکے۔ غازی شاہ سے کہے گی تو کیتھرائن غازی شاہ سے یہی کہے گی کہ بس میں نے تمہاری بات مان کر دیکھ لی۔ جس عورت کا دل ہی میری طرف سے صاف نہ ہو اس سے تم میری دوستی کرانا چاہتے ہو۔ بہر حال کیتھرائن جیسی شاطر عورت نے اپنے دونوں پہلو مضبوط کر لئے تھے اور خوش تھی کہ اپنا کام بہ خوبی سرانجام دے رہی ہے۔ ادھر شرجیلہ نے بھی اپنے انتظامات کر لئے تھے اور اپنی بساط بھر کام کرا رہی تھی۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ دین بخش کو یہاں بلا کر اس نے بڑا کام کیا تھا' دین بخش نے بہت سے مشورے اس لئے دیئے تھے جو شرجیلہ کے لئے بڑے کارآمد

ثابت ہوئے تھے۔شرجیلہ یہ پیغام کیتھرائن کو بھیجنا ہی چاہتی تھی کہ دل مراد کو دیکھنے کو دل چاہ رہا ہے اسے لے کر یہاں آ جائے کہ کیتھرائن خود ان کے پاس پہنچ گئی۔دل مراد ساتھ تھا' کیتھرائن مسکراتی ہوئی شرجیلہ کے پاس آئی سلام کیا اور بولی۔

''میں نے سوچا کہ آپ کے پوتے سے آپ کی ملاقات کرا دی جائے' حالانکہ یہ بات میں جانتی تھی کہ نہ آپ کے دل میں اس کے لئے کوئی گنجائش ہوگی نہ میرے لئے' لیکن بہر حال''

''آؤ' کیتھرائن! تم جو کچھ مجھ سے کہتی ہونا' نہ تو مجھے اس پر حیرت ہوتی ہے نا افسوس' پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ تم زہر کی تخلیق ہو' زہریلی رہو گی' تم لوگوں میں انسان کہاں پیدا ہوتے ہیں''

''ہاں! آپ جیسے لوگ اس تصور میں زندہ ہیں اور خوش ہیں''

''لڑنے آئی ہو مجھ سے' یہ بھی بڑی دلچسپ بات ہے کہ محبت سے آئی جو میرے پاس' میرے پوتے کو مجھ سے ملانے آئی ہو اور اپنے دل میں نفرت کے جذبے لئے ہوئے ہو''

''یہ جذبے تو پروان چڑھائے گئے ہیں۔بیگم سائیں! آپ یقین کرو جس وقت انگلینڈ سے چلی تھی تو بڑی عزت' بڑا احترام تھا۔غازی شاہ کے اہل خاندان کے لئے میرے دل میں' میں نے سوچا تھا بڑی تکریم کروں گی ان کی۔بڑا مان دوں گی انہیں''

''ہو ہی نہیں سکتا بیٹا! ہو ہی نہیں سکتا تمہاری قوم میں' اگر یہی بات ہوتی تو ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کی آغوش میں بیٹھ کر اس کی جڑیں نہ کاٹتی' تم یہ نہیں کر سکتے۔تم صرف جڑیں کاٹنے کا ہتھیار ہو' کیوں مجھ سے یہ الفاظ کہلاتی ہو' میں تم سے یہ ساری باتیں نہیں کرنا چاہتی' لیکن تم باتیں ہی ایسی کرتی ہو''

''مت مانو بیگم سائیں! مت مانو بہرحال میں اپنی بات کہے بغیر نہیں رہوں گی۔غازی شاہ کہتا تھا کہ اس کا بہترین استقبال ہوگا۔اس کی بیوی کو عزت دی جائے گی۔آپ نے ہمیں ذلت دی' چلو ٹھیک ہے برداشت کر لیتے ہیں ہم لوگ یہ' لیکن بیگم سائیں! اس کے بعد جو آپ نے کیا وہ ناقابل برداشت تھا۔آپ خود سوچو' خود سوچو آپ بیگم سائیں! کسی سے کوئی چیز چھین لی جاتی ہے۔زیور ہوتا ہے' پیسہ ہوتا ہے' کپڑے ہوتے ہیں' اس کی کوئی بہت ہی پسندیدہ چیزیں ہوتی ہیں۔صبر کر لیتا ہے وہ' سوچتا ہے کہ چلو کوئی بات نہیں' دوسری لے لیں گے' لیکن کسی سے اس کی آنکھوں کی روشنی چھین لی جائے' کسی سے اس کے دل کی دھڑکنیں چھین لی جائیں تو آپ بتاؤ صبر کرنے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔''

''کہنا کیا چاہتی ہو کیتھرائن! ذرا وضاحت کرو ان الفاظ کی' کیا چھینا میں نے تم سے' براہ کرم وضاحت کرو'' کیتھرائن کو یہاں لاجواب ہونا پڑا۔ظاہر ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ شرجیلہ نے اسے بانجھ کر دیا۔کیونکہ یہ اعتراف کرنے کے بعد شرجیلہ فوراً ہی یہ سوال کر ڈالتی کہ پھر دل مراد کون ہے کہاں سے آیا ہے۔بہرحال کیتھرائن زہریلی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی' کچھ دیر خاموشی سے گزر گئی پھر شرجیلہ نے کہا۔

''پاگل! عورت جس قدر روشنی کی ہے وہیں پر روک دے ہم دشمنی میں آگے نہیں بڑھیں گے میں تجھ سے یہ نہیں پوچھوں گی کبھی کہ دل مراد کون ہے۔تعاون کروں گی تیرے ساتھ تھکی ہوئی بوڑھی اور بیمار عورت ہوں بول میرے تعاون کی خواہش مند ہے۔''

''مجھے فائدہ کیا ہوگا بیگم سائیں؟''

''میں نہیں جانتی کہ کیا فائدہ اور کیا نقصان ہوگا۔''

''آپ کیا چاہتی ہو؟''

''دل مراد میری کمزوری ہے۔میں بالکل بے سہارا ہوں زندگی تھوڑی سی باقی ہے اگر تو روزانہ دل مراد کو مجھ سے ملا دیا کرا سے تھوڑی بہت دیر کے لیے میرے پاس چھوڑ دیا کر تو میں تیرا احسان مانوں گی۔''

''ایسا ہو جائے گا بیگم سائیں! آپ نے جو کچھ مجھ سے چھینا ہے آپ جانتی ہیں تو میں کہہ رہی تھی کہ آپ نے جو کچھ مجھ سے چھینا ہے اس کے جرمانے کے طور پر کچھ تو ملنا چاہیے مجھے۔''

''کیا چاہتی ہے۔''

''کچھ زمینیں مانگیں تھی غازی شاہ نے سائیں مکرم شاہ نے اپنے طور پر ان زمینوں کی دستاویزات لکھ دی تھیں۔

چونکہ زمینیں آپ کے نام پر ہیں آپ نے وہ دستاویز کینسل کرا دیں بیگم سائیں! آپ دستاویزات پر دوبارہ دستخط کر دو۔کیا کرو گی آپ ان زمینوں کا؟ آخر کار آپ کے دل مراد کے نام ہی ہوں گی وہ زمینیں۔

''ہاں میرے دل مراد کے نام ہی ہوں گی لیکن ایک اور بھی میرے دل کی مراد ہے پوری کر سکتی ہے تو۔''

''کیا بیگم سائیں؟''

''علی خیر محمد''

''جی''

''ہاں تو اپنے دل مراد کو علی خیر محمد گوٹھ کا سردار بنانا چاہتی ہے نا''

''بولتی رہو بولتی رہو''

''بنا دے لیکن میرا علی خیر محمد تو مجھے واپس کر دے تھوڑا بہت تو کچھ میں اس کو بھی دے جاؤں آخر وہ بھی میرے بیٹے کا بیٹا ہے۔''

''یہیں سے تو اختلاف شروع ہوتا ہے بیگم سائیں! جو کچھ آپ نے میرے ساتھ کیا ہے اس کے بعد کسی رعایت کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے اس کے بعد تو بیگم سائیں میری حکم رانی ہونی چاہیے مجھے وہ سب کچھ ملنا چاہیے جو میری آرزو ہے۔''

''ہوں دل مراد کون ہے۔'' شرجیلہ نے سوال کیا اور کیتھرائن چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر اس نے ایک قہقہہ لگایا اور بولی۔

''عمر جب زیادہ بڑھ جاتی ہے نا تو عقل انسان سے چھن جاتی ہے۔ آپ کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے بیگم سائیں! اچھی خاصی باتیں کرتے کرتے بے وقوفی کی باتیں کرنے لگتی ہو چلتی ہوں اور غور کروں گی اس بات پر۔''

''سن تو سہی کیتھرائن! میری بات تو سن تو میرے ساتھ بھی رہ سکتی ہے۔''

''ایسا کرو بیگم سائیں! خاموشی سے وکیل کو بلا کر زمینوں کے کاغذات تیار کراؤ اور ان پر سائین کر کے میرے حوالے کر دو۔ دل مراد روزانہ آپ کے پاس آ جایا کرے گا اس سے پہلے ممکن نہیں ہے چلتی ہوں خدا حافظ نہیں کہوں گی یہ بات دوستوں کے لیے کہی جاتی ہے دشمنوں کے لیے نہیں اور ابھی آپ میری دشمن ہو دوست نہیں بنی ہو۔'' کیتھرائن واپس چلی گئی اور شرجیلہ کانٹوں کے بستر پر لوٹنے لگی پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

''انسان ہمیشہ اپنوں ہی سے زخم کھاتا ہے ساری طاقت رکھی رہ جاتی ہے کچھ نہیں کر پاتا وہ اپنوں کے وار کے سامنے کچھ نہیں کر پاتا۔''

''قربان گل خیر گھانچی سے ملا اس نے اس وقت گھانچی کو پکڑا تھا جب گھانچی اپنے گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ قربان اپنی جیپ میں اس کی تاک میں تھا ساری معلومات حاصل کر چکا تھا وہ گھانچی کے بارے میں، بہر حال اس کی جیپ نے گھانچی کا راستہ روکا تو گل خیر گھانچی مسکراتا ہوا گھوڑے سے اتر آیا۔

''آبا قربان! شیروں کا شیر میرا یار! کدھر کیا علی خیر محمد گوٹھ سے آ رہے ہو۔''

''ہاں گھانچی! تیرے پاس ہی جا رہا تھا تجھ سے ملنے کو بڑا دل کر رہا تھا آ جا دہ سامنے

ہمارا باغ ہے ادھر چلیں گے کسی کام کی جلدی تو نہیں ہے۔''

''جب یار! مل جائے تو کوئی جلدی نہیں رہتی بھوکا ہوں کچھ کھلوائے گا ادھر جا کے۔''

''جو تو کہے گا'' قربان نے کہا اور گھانچی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا قربان نے جیپ کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر قربان کا ذاتی باغ تھا۔ سندھڑی آموں کے لیے بڑا مشہور تھا یہ باغ بھی قربان نے کسی سے چھینا تھا اور جو اس باغ کا مالک تھا وہ اپنے ہی باغ کی زمین میں گہری نیند سو رہا تھا اور اس کے اہل خاندان اسے تلاش کر کے بھول چکے تھے۔

یہاں قربان کے دو ہاری کام کرتے تھے جنہوں نے الگ جھونپڑی بنا رکھی تھی۔ درختوں کے گہرے سائے میں چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ قربان کی جیپ دیکھ کر ہاری ہوشیار ہو گئے قربان وہاں پہنچا تو انہوں نے سلام دعا کی اور ادب سے ہاتھ باندھ کر قربان کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''سنو نور محمد بھوکے ہیں ہم لوگ تم ایسا کرو بابا! مرغی کاٹو اور اسے پکا ڈالو اور تندوری روٹی لگا لو کتنی دیر لگے گی۔''

''سائیں! آپ حکم کرو جلدی سے جلدی کام کر لیتے ہیں۔''

''ہاں بابا آ جاؤ گھانچی آ جاؤ منہ ہاتھ دھو لو گرمی سخت پڑ رہی ہے۔ گھانچی تھوڑے فاصلے پر بنے ہوئے کنڈالے سے منہ ہاتھ دھو کر چارپائی پر آ بیٹھا قربان بھی چارپائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا تھا گھانچی نے کہا۔

''سائیں! قربان کسی کام سے آ رہے تھے ہمارے پاس یا ایسے ہی ملنے کو جی چاہتا تھا۔''

''یاروں سے ملنے کا دل کس کا نہیں چاہتا پر ذمے داریاں ساتھ نہیں چھوڑتیں جب کوئی کام ہوتا ہے تو یار ہی کی تلاش ہوتی ہے تجھ سے کچھ معلوم کرنا تھا گھانچی۔''

''حکم کرو بابا! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔''

''دیکھ گھانچی بات ایسی ہے کہ تھوڑا پریشان ہوں میں اس کے لیے۔''

''بولو سائیں بولو...... بات کیا ہے؟''

''گھانچی کچھ پوچھنا ہے تجھ سے راز کی بات ہے لیکن جب تو اتنے بڑے بڑے راز اپنے یار کو بتا سکتا ہے اور تیرا یار تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تو تجھے بھی اب میرے پر بھروسا کرنا

ہو گا۔''

''مجھے آپ پر بھروسا ہے سائیں قربان!''

ایک بات اور سن لے تجھے بتانا ہے وہ بات جو میں تجھ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔گھانچی ہر قیمت پر بتانا ہے نفع نقصان کو بھول کر اگر تو نے نفع یا نقصان کی باتیں سوچیں تو میں تیرے کو قتل کر دوں گا تو میری عادت جانتا ہے اس لیے یہ بات اتنی ہی ضروری ہے۔'' گھانچی ہنسنے لگا پھر بولا۔

''سائیں! تم مجھ سے پوچھے بغیر ہی میرے کو قتل کر دو ابھی کسی کو معلوم نہیں کہ میں تمہارے پاس ہوں۔گردن جھکا کر بیٹھ جاتا ہوں تمہارے سامنے یار ہوں تمہارا اور بے غرض یار ہوں۔یار کے ہاتھوں یار مارا جائے تو کون سی بڑی بات ہے۔''

''یہی تو میں نہیں چاہتا گھانچی۔''

''آخر ایسی کون سی بات ہے ایک بار تم نے مجھ سے چھوٹے سائیں کی انگریزن بیوی کے بارے میں پوچھا تھا سائیں! میں نے رسک لے کر آپ کو اتنی بڑی بات بتا دی تھی کہ اگر فضل شاہ صاحب کو پتا چل جاتا یا امیر شاہ کو پتا چل جاتا تو سارے رشتے ناطے بھول کر میری تو گردن کاٹ کر پھینک دی جاتی یا پھر اگر کیتھرائن کو پتا چل جاتا تو وہ بھی میری دشمن ہو جاتی اور کیا میں نہیں جانتا کہ اتنی بڑی عورت کی دشمنی کیا حیثیت رکھتی ہے۔''

''ہاں تیری اسی دوستی پر ناز کر کے میں کسی سے کچھ کہہ بیٹھا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ وہی تعاون کر جو پہلے کرتا رہا ہے۔''

''آپ حکم کرو قربان سائیں! اپنے دوست پر پورا بھروسا کر کے۔''

''کیتھرائن بیگم سائیں فضل شاہ صاحب کے پاس اس لیے پہنچی تھیں کہ وہ علی خیر محمد کو اپنے پاس رکھ لیں اور اس کی تربیت کریں یہی کہا تھا نا انہوں نے۔''

''بالکل سائیں یہی کہا تھا۔''

''اور سائیں فضل شاہ نے علی خیر محمد کو اپنی تحویل میں رکھ لیا تھا۔''

''بالکل۔''

''اس کے بعد علی خیر محمد کیا ہوا۔''

''جی سائیں۔''

''علی خیر محمد کہاں ہے؟'' قربان نے گل خیر گھانچی کے چہرے پر نگاہیں جما کر پوچھا گھانچی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں تھیں۔وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا کچھ لمحوں کے بعد اس نے

کہا۔

''اور بولو سائیں! آگے بولو۔''

''نہیں آگے کچھ نہیں ہے۔''

''تو اتنی سی بات پر آپ مجھے قتل کر رہے تھے۔''

''تمہارے نزدیک یہ بہت چھوٹی بات ہے لیکن میرے لیے میری عزت کا معاملہ ہے گھانچی۔''

''سائیں! آپ بالکل بے فکر رہو گھانچی کسی بڑی سے بڑی بات پر آپ سے جھوٹ نہیں بولے گا۔''

''جو لوگ اسے لے کراچی گئے تھے۔کہاں گئے تھے یہ تو ہمیں نہیں معلوم لیکن اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے اسے کراچی میں ہی رکھا ہے۔''

''کچھ اسمگلنگ وغیرہ سکھا رہے ہیں اسے۔''

''نہیں سائیں! بالکل معلوم نہیں لیکن یہ کون سی بڑی بات ہے ٹائم دو آپ ہمیں تھوڑا بھلا یہ پتا لگانا کون سا مشکل ہے اپنا امیر شاہ سب کچھ بتا دے گا۔''

''تو تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں؟''

''اتنا معلوم ہے سائیں! کراچی لے جانے کی بات ہو رہی تھی۔دیکھو جس چیز سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا بلکہ سب ایسا ہی کرتے ہیں کسی کا اگر کسی چیز سے تعلق ہوتا ہے تو بے شک وہ اس کے لیے کام کرتا ہے نہیں ہوتا تو پھر دوسری بات ہو جاتی ہے ابھی میرے کہ اتنا بالکل نہیں معلوم لیکن میں معلوم کر لوں گا اتنی پریشانی کی کیا بات ہے۔''

''گھانچی کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے فضل شاہ کو بھی۔''

''نہیں چلے گا قربان سائیں آپ بے فکر رہو۔'' گل خیر گھانچی نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔اس کا لہجہ بتاتا تھا کہ اسے واقعی علی خیر محمد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے اور یہ بھی یقین تھا قربان کو کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہے گا قربان نے کہا۔

''تو پھر تم گل خیر، جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس بارے میں خاص طور سے معلوم کرو اور مجھے بتا دو۔'' بے فکر رہو سائیں! یہی ہو گا ملازم نے کھانے کے برتن چولہے پر چڑھا دیے تھے۔

دین بخش پولیس والا تھا پولیس کی نوکری کے زمانے میں اس نے بہت سی وارداتوں کا کھوج لگایا تھا۔

لیکن یہاں تو اس کی قسمت ہی اور تھی کہ اس نے اتنا بڑا کام کر ڈالا تھا ورنہ کراچی جیسے عظیم الشان شہر میں جہاں کسی چھوٹی موٹی بات کو معلوم کر لینا بھی کوئی آسان بات نہیں تھی۔ لیکن دین بخش حقیقت کی تہ تک پہنچ گیا تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ غازی شاہ کو اس نے یہاں دیکھ لیا تھا۔ بے شک غازی شاہ نے بڑی بیگم سائیں کی حویلی میں اسے نہیں دیکھا تھا دیکھا ہوتا تو پہچان لیتا۔ لیکن اب اگر اس نے دین بخش کو بیگم سائیں کی حویلی میں دیکھ لیا تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ یہ تو بہت بڑے لوگ تھے۔ جہاں تک دین بخش کا دماغ کام کرتا تھا۔ انگریزن کے سلسلے میں غازی شاہ بھی برابر کا شریک تھا اور پھر دین بخش کو تو ساری صورتحال معلوم ہو چکی تھی۔ یعنی یہ کہ غازی شاہ نے کیتھرائن سے شادی کی، کیتھرائن لندن سے آئی، تو یہاں اسے کوئی عزت نہیں ملی اور اس کے بعد بڑی بیگم سائیں اور اس کے درمیان چل گئی۔ شرجیلہ نے اسے اپنا راز دار بنا کر سب کچھ ہی تو بتا دیا تھا۔ تو بات یہ ہو رہی تھی کہ یہ بڑے لوگ تھے۔ ان کے لیے جان دینا اور لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا ان کے ایک اشارے پر کسی کی بھی گردن کاٹ کر جنگل میں پھینکی جا سکتی تھی۔ دین بخش بہر حال کتے کی موت تو نہیں مرنا چاہتا تھا۔ حالات اور واقعات جو کچھ اس کے علم میں آئے تھے اس کا اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ غازی شاہ اس سازش میں پورا پورا شریک ہے کم از کم بیگم سائیں کو اس بارے میں بتا دینا بہت ہی ضروری ہے وہ سوچتا رہا اور پھر اسے اپنا لے پالک بیٹا یاد آ گیا جو آوارہ گردیوں میں مست تھا اور اب دین بخش کے پاس بھی نہیں تھا۔ لیکن تنا کام ضرور کر سکتا تھا کہ اگر بیگم سائیں کے پاس کوئی پیغام بھیجا جائے تو وہ اس کو مل جائے لیکن بات وہی تھی حویلی میں جا کر شرجیلہ بیگم سے ملنا اس وقت دینا کا سب سے مشکل کام تھا۔ پھر ایک ہی ترکیب اس کے ذہن میں آئی جس گوٹھ میں وہ رہتا تھا وہاں شرجیلہ کا میکا تھا۔ شرجیلہ بیگم سے وہیں اس کی

ملاقات بھی ہوئی تھی اور یہ جگہ بھی گل جام گوٹھ جو خود دین بخش کا علاقہ بھی تھا۔ چنانچہ دین بخش نے یہ فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے گل جام گوٹھ پہنچ جائے اور پھر وہاں سے بڑی بیگم سائیں کو پیغام بھجوائے۔ یہی چیز اسے سب سے زیادہ مناسب معلوم ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ ناگی بابا کے پاس پہنچ گیا۔

''بابا جی! کچھ دن کے لیے اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔''

''ضرور جاؤ دین بخش! گھر یاد آ رہا ہے؟''

''ہاں بابا جی! اپنی زمین، اپنی چھاؤں بھلا کوئی بھول سکتا ہے آپ سے تھوڑے دن کی اجازت چاہتا ہوں بابا! اگر آپ اجازت دو تو چلا جاؤں۔''

''کیوں نہیں دین بخش میں کون ہوتا ہوں اجازت دینے والا۔''

''نہیں بابا سائیں! آپ کے سائے میں پل رہے ہیں کھا پی رہے ہیں عیش کر رہے ہیں۔ آپ سے پوچھے بغیر بھلا کیسے جا سکتے ہیں۔''

''محبت ہے تمہاری، بڑائی ہے تمہاری، ورنہ آج کل تو جو نوکر ہوتے ہیں وہ بھی نہیں مانتے اتنا۔''

''سائیں! ہم مانتے ہیں آپ کو، بہت بڑے دل والے ہو آپ غریب کی عزت کرنا جانتے ہو۔''

''کب جا رہے ہو؟''

''بس آپ جب حکم دے دو ارادہ کل جانے کا ہے۔''

''کتنے دنوں میں واپسی ہو گی۔''

''ایک ہفتے میں سائیں!''

''ٹھیک ہے دین بخش تم جاؤ تم سے دل لگ گیا ہے ذرا باتیں کر لیتے ہیں تھوڑی بہت ویسے تو اللہ سائیں کا شکر ہے کہ ادھر اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔ پر تمہارے ساتھ اچھا وقت گزر جاتا ہے۔'' بہر حال دین بخش نے تیاریاں کیں اور اس کے بعد وہ گل جام گوٹھ پہنچ گیا۔ یہاں سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ اپنے دوستوں کے لیے تحفے تحائف بھی لایا تھا وہ کراچی سے جو چھوٹی موٹی چیزوں پر مشتمل تھے۔ بہر حال وہ شرجیلہ بیگم کے رشتے داروں سے ملا۔ خاص طور سے نعیم شاہ، شرجیلہ بیگم کے خاندان کے بزرگ تھے اس نے کہا۔

''سائیں! آپ کو ایک تکلیف دینی ہے۔''

''ہاں کہو دین بخش! کہاں تھے ان دنوں۔''

''سائیں! شرجیلہ بیگم سائیں کی غلامی کر رہے تھے۔''

''اچھا ہاں مجھے پتا چلا تھا کہ شرجیلہ بیگم تمہیں اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔''

''ہاں سائیں! انہوں نے کچھ حکم دیے تھے ہمیں اپنے کام دھندوں کے سلسلے میں، وہ حکم پورے کر رہے تھے ہم لیکن بات ذرا رازداری کی تھی۔''

''اچھا پھر......''

''سائیں ان کا کام کر کے آئے ہیں لیکن ایسے انکی حویلی میں نہیں جاسکتے آپ کو جو تکلیف دینی ہے وہ یہ ہے کہ آپ علی خیر محمد گوٹھ چلے جاؤ یا کسی کو بھیج دو اور خفیہ طور پر بڑی بیگم سائیں کو ہمارا پیغام دے دو اگر آ جائیں۔ ہم انہیں بہت ضروری خبر دینا چاہتے ہیں۔'' نعیم شاہ نے غور سے دین بخش کو دیکھا اور بولا۔

''مگر بات کیا ہے دین بخش۔''

''سائیں! آپ کے بھی غلام ہیں اور بڑی بیگم سائیں کے بھی غلام ہیں بات ان کی اپنی ہے۔''

''اتنی بڑی بات ہے سائیں! آپ ہمارا کام کر سکتے ہو۔''

''اچھا ٹھیک ہے میں خود ہی چلا جاتا ہوں کسی اور کو بھیجنا تو مشکوک بھی ہو سکتا ہے۔''

''سائیں! بڑی مہربانی آپ کی آپ انہیں بلالو۔''

''آ جائیں گی وہ''

''سائیں ضرور آئیں گی انہیں یہی بتانا ہے کہ دین بخش حویلی میں نہیں آسکتا اس وقت، اور انہیں بہت ضروری باتیں بتانا چاہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں تم تو اپنے گھر میں ہی ہونا۔''

''ہاں سائیں! اور کدھر جائیں گے۔'' دین بخش نے کہا۔ بہرحال نعیم شاہ نے تیاریاں کیں اور اس کے بعد علی خیر محمد گوٹھ پہنچ گیا۔ دنیا جانتی تھی کہ شرجیلہ بیگم کا بہت ہی قریبی رشتے دار ہے۔ خاطر مدارات ہوئی۔ شرجیلہ نے بھی محبت سے اسے خوش آمدید کہا تھا۔ رات کو کھانے کے بعد نعیم شاہ نے کہا۔

''اکیلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں شرجیلہ بی بی!''

''کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں میں خود نہیں آیا بلکہ کسی نے مجھے بھیجا ہے۔''

''کس نے؟''

''میں نے آپ کو بولا نا اکیلے میں مجھے ٹائم دو۔''

شرجیلہ کے ذہن میں تجسس پیدا ہو گیا بہرحال جب وہ نعیم شاہ سے ملی تو نعیم شاہ نے کہا۔

''ہمیں دین بخش نے بھیجا ہے۔''

''کس نے؟''

''دین بخش نے آپ کے ہاں نوکری کر رہا تھا نا وہ پولیس والا۔''

''ہاں ہاں مگر تمہیں بھیجا ہے۔''

''ہاں وہ گل جام میں موجود ہے۔''

''اب میرے کو اتنا تو پتا نہیں بابا! اس نے خاص طور سے وہاں پہنچنے کے بعد مجھ سے کہا کہ بہت ضروری کام ہے بیگم سائیں کو آپ جا کر بول دو کہ دین بخش اپنا کام کر کے آیا ہے۔ حویلی نہیں آسکتا اس کے لیے خطرہ ہے آپ ادھر آ جاؤ۔''

''اوہو اچھا اچھا میں سمجھ گئی۔''

''ایک بات بتائیں بیگم سائیں؟''

''جی بولو۔''

''کیا واقعی کوئی اتنا ہی اہم کام ہے کہ آپ اس کے لیے دوڑی چلی جائیں؟''

''ہاں کام تو اہم ہے نعیم شاہ''

''پھر ٹھیک ہے، ہم نے تو سوچا کہ کہیں دین بخش کا دماغ ہی نہ کھسک گیا ہو۔ آپ کو بھی پریشان کرے اور ہمیں بھی۔''

''نہیں تم جاؤ میں کل یا پرسوں تک پہنچ جاؤں گی۔''

''تو پھر ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔''

''ہاں خاموشی سے ابھی چلے جاؤ نعیم شاہ چلا گیا ادھر دین بخش شرجیلہ بیگم کا انتظار کرنے لگا اور شرجیلہ بیگم شدید ذہنی انتشار کا شکار ہو گئیں۔ اب یہ تو پتا نہیں کہ غازی شاہ اس وقت یہاں موجود تھا یا نہیں تھا۔ لیکن دل میں بہرحال تجسس پیدا ہو گیا تھا۔ دین بخش نے اس طرح کیوں بلایا ہے۔ کیا وہ اس سلسلے میں کوئی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے؟ بہت سے خیالات، بہت سے سوالات دل و دماغ میں اٹھ رہے تھے۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ کیتھرائن نے وہ تمام دروازے بند کر دیے تھے جن سے مفاہمت کی ہوا کا کوئی جھونکا آسکتا تھا۔ بلکہ اس کے بعد اس نے دل مراد کے حوالے سے شرجیلہ کے دل پر جو کچھ کے

لگائے تھے۔انہوں نے شرجیلہ کو اور بے چین کر دیا تھا۔وہ بھی آخر ایک بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ایک انگریزن اپنے وطن سے آکر اس طرح علی خیر محمد گوٹھ پر مسلط ہو جائے کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔شرجیلہ تو بہر حال اس گوٹھ کی ایک بڑی عورت تھی۔افریشم نے پہلی بار اس کا چہرہ غور سے دیکھا اور بولی۔

''بڑی بیگم سائیں! کچھ پریشان لگ رہی ہیں آپ۔''

''شرجیلہ کو فوراً ہی کوئی جواب بنانا ضروری تھا کہنے لگی۔

''ہاں۔''

''اللہ سائیں خیر کرے کیا بات ہے۔''

''بس ایسے ہی ایک خواب دیکھا تھا جس نے پریشان کر دیا ہے۔''

''خواب''

''ہاں خواب''

''بیگم سائیں! اللہ آپ کو ہمارے سروں پر قائم رکھے ایسا کیا خواب تھا۔

''نہیں کوئی خاص بات نہیں بس اپنا گوٹھ یاد آگیا تھا دل چاہ رہا ہے کہ وہاں چلی جاؤں۔''

''بڑی بیگم سائیں! جن کے میکے ہوتے ہیں وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں۔اللہ سائیں کا شکر ہے کہ آپ کا میکا ہے آپ ضرور اُدھر ہو کر آؤ۔''

''ہاں یہی سوچ رہی ہوں کہ ایک چکر لگا لوں مکرم شاہ کو ذرا میرے پاس بھیج دینا'' مکرم شاہ سامنے آیا تو شرجیلہ کا دل دھواں دھواں ہو گیا۔سرخ و سفید چہرہ تھا کسی زمانے میں مکرم شاہ کا بلند و بالا قد و قامت آگ برساتی آنکھیں لیکن اب سب کچھ جھلس گیا تھا۔بیٹے کی جدائی کی آگ میں جل رہا تھا۔کہیں سے کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔مکرم شاہ کا چہرہ دیکھ کر شرجیلہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے''

''مکرم شاہ''

''جی بیگم سائیں''

''یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے اپنا''

''نہیں بیگم سائیں! ٹھیک تو ہوں ماں کی نگاہ سے دیکھتی ہیں آپ تو آپ کو ایسا لگتا ہے۔''

''ماں کی نگاہ سے دیکھتی ہوں نا میں۔''

''تو اور کیا بیگم سائیں'' مکرم شاہ زبردستی مسکرا کر بولا۔

''ماں کی نگاہ کے بارے میں جانتے بیٹا!''

''جی بیگم سائیں''

''پوچھ رہی ہوں ماں کی نگاہ کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔''

''زیادہ نہیں بیگم سائیں! میں تو باپ ہوں نا''

''ماں کی نگاہ کبھی دھوکا نہیں کھاتی بیٹا! تمہارا دکھ درد جانتی ہو لیکن ایک بات سمجھتی ہوں میں انسان کو اتنا نرم نہیں ہونا چاہیے۔کہ ہر شخص اس پر چوٹ لگا کر اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔نرمی اچھی چیز ہوتی ہے لیکن اپنے معاملات میں سختی بھی ضروری ہوتی ہے۔''

''سمجھا نہیں بیگم سائیں''

''سمجھ لو جو کہہ رہی ہوں''

''آپ سمجھا دیجئے''

''علی خیر محمد کے لیے پریشان ہو یہ سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔بس ایک بات جانتی ہوں میں۔''

''کیا بیگم سائیں؟''

''میں سمجھا نہیں''

''یہ بات جانتے ہوئے کہ کیتھرائن اور غازی شاہ صرف دو افراد ایسے ہیں جنہیں معلوم ہے کہ علی خیر محمد کہاں ہے۔''

مکرم شاہ نے نگاہیں اٹھا کر ماں کو دیکھا پھر بولا۔''

''جی بیگم سائیں!''

''تمہارا بیٹا ہے علی خیر محمد! ان لوگوں نے مجرمانہ طور پر اسے غائب کیا ہوا ہے۔دونوں کو پکڑ لو جتنی سختی کر سکتے ہو کرو۔وڈیرے ہو تم گوٹھ کے! زبان کھلواؤ ان کی۔آخر وہ ہوتے کون ہیں ابھی انہیں کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے۔''

''بیگم سائیں! ایک بات کہیں آپ سے؟''

''ہاں کہو''

''بیگم سائیں! ساری زندگی آپ کا حکم مانا ہے۔اب یہ ہم نہیں کہتے کہ غازی شاہ نے ٹھیک کیا ہے اسے کسی بھی قیمت پر کیتھرائن کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔مگر لے آیا ہے بچے

غلطی کرتے ہیں بیگم سائیں! نظر انداز کرنی پڑتی ہیں ان کی غلطیاں ہم نے بات کو بہت آگے بڑھا دیا اور آپ جہاں تک علی خیر محمد اور غازی شاہ کی بات کرتی ہو تو آپ میری بات پر یقین کرلو گی بیگم سائیں!''

''ہاں تم سچ بولتے ہو میں تمہاری ہر بات پر یقین کرلوں گی۔''

''میرے لیے علی خیر محمد اور غازی شاہ اب بھی ایک جیسے ہی ہیں۔ علی خیر محمد کہ حاصل کرنے کے لیے غازی شاہ پر سختی کروں یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔'' شرجیلہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ مکرم شاہ کے الفاظ اس کے لیے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ کچھ سوچتی رہی پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''افریشم نے تمہیں کچھ بتایا ہے۔''

''ہاں اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے۔''

''ہاں بس ایسے ہی کبھی کبھی دل پریشان ہو جاتا ہے۔

اصل میں مکرم شاہ! ہر شخص کے اندر ایک آرزو ہوتی ہے۔

وہ یہ کہ اس کے بڑے ہوں چاہے کتنی ہی عمر کا ہو جائے لیکن اس کا سر کسی سینے کے لیے تڑپتا ہے اس کی آرزو ہوتی ہے کہ کوئی اسے اپنے سینے سے لگائے اور اس وقت اسے یوں لگتا ہے جیسے اس دنیا میں وہ اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ بہت کچھ ہے اس کا اس دنیا میں خیر ماں باپ تو میرے ہونے ذرا مشکل ہی تھے۔ اتنی عمر تک کون جیتا ہے لیکن باقی لوگ ہیں ان سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔''

''بیگم سائیں آپ ابھی چلی جاؤ آپ کا انتظام کر دوں۔''

''ہاں میرا انتظام کر دو میں جانا چاہتی ہوں۔''

''آپ بالکل فکر مت کریں میں فوراً انتظام کیے دیتا ہوں اور باقی جہاں تک علی خیر محمد کا تعلق ہے تو بیگم سائیں! آپ کی دعائیں چاہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مل جائے گا وہ۔ لیکن ایک بڑی بات میرے دل کو چبھتی ہے۔ بیگم سائیں وہ یہ کہ وہ مل تو جائے گا لیکن اس کے بعد میں اس کی حفاظت کیسے کروں گا؟ پولیس تو اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے بابا۔''

''ہاں اللہ سائیں بہتر کرے گا بہر حال شرجیلہ بیگم کے گوٹھ روانہ ہونے کے انتظامات تھوڑی ہی دیر کے بعد ہو گئے تھے۔ حالانکہ شرجیلہ بیگم نے نعیم شاہ سے کہا تھا کہ وہ دو تین دن کے اندر وہاں پہنچ جائے گی۔ لیکن اتفاق سے یہ کام بہت جلدی ہو گیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی سی تیاریوں کے بعد وہ چل پڑی اور کچھ وقت کے بعد گل جام گوٹھ پہنچ گئی۔

جہاں اس کا میکا تھا۔ نعیم شاہ بھی پہنچ گیا تھا اس نے حیرت سے اسے دیکھا اور بولا۔

''ارے آپ تو ہمارے پیچھے ہی پیچھے آگئیں بیگم سائیں۔''

''ہاں نعیم شاہ! اب تم ایسا کرو دین بخش کو جتنی جلدی ہو میرے پاس پہنچا دو۔''

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! ہم اسے بلا لاتے ہیں'' دین بخش' شرجیلہ کے پاس پہنچ گیا۔ شرجیلہ نے ایک کھلی جگہ منتخب کی تھی جہاں وہ دین بخش سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ کوئی بھی ان کی گفتگو نہ سن سکے۔ چنانچہ یہ کھلی جگہ اس لئے منتخب کی گئی تھی کہ قرب و جوار کے ماحول پر نگاہ رکھی جا سکے' شرجیلہ نے دین بخش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے جس بے قراری کا مظاہرہ کیا ہے دین بخش! اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم کوئی بہت اہم بات معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو'' ایک سوال اور میں کرنا چاہتی ہوں تم سے''

''جی بیگم سائیں حکم''

''حویلی کیوں نہیں آئے؟''

''بیگم سائیں! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ سائیں غازی شاہ نے ہمیں کبھی حویلی میں نہیں دیکھا' اگر وہ حویلی میں ہمیں دیکھ لیتے تو ہمیں ہمارے کام میں بڑی دشواری پیش آ جاتی''

''میں سمجھی نہیں ہوں اب بھی''

''غازی شاہ صاحب سے ہماری ملاقات ہو چکی ہے''

''کہاں؟''

''کراچی میں''

''اوہ تو پھر''

''ہم نہیں چاہتے تھے کہ انہیں یہ بات معلوم ہو کہ ہمارا آپ سے کوئی تعلق ہے''

''او ہو' اچھا مگر تمہاری ملاقات غازی شاہ سے کہاں ہوئی''

''ہاں بیگم سائیں! وہی آپ کو بتانے جا رہے ہیں''

''تو بتاؤ نا بابا! جلدی کرو' کیوں مجھے الجھا رکھا ہے''

''بیگم سائیں! ایک ایک کر کے آپ کو بتاتے ہیں۔ انگریزن بی بی کا پردہ چاک ہو چکا ہے' سائیں غازی شاہ بھی اس سازش میں ملوث ہیں''

''سازش''

''ہاں بیگم سائیں! سازش''

''کیسی سازش؟''

''وہی ہم آپ کو بتاتے ہیں بیگم سائیں! ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ دل مراد' کیتھرائن بیگم سائیں کا بیٹا نہیں ہے''

''کیا؟'' شرجیلہ اچھل پڑی۔

''ہاں''

''تو پھر''

''ایک نام ہے شاید آپ اسے نہ جانتی ہوں تھوڑے فاصلے پر ایک گوٹھ ہے' سائیں فضل شاہ کا اس سے تھوڑے فاصلے پر زمینوں پر ناگی بابا نا گی ایک آدمی رہتا تھا''

''تو پھر؟''

''ایک بیٹی تھی اس کی''

''ہوں''

''بہت خوب صورت' نام تھا اس کا شمیلا''

''اچھا پھر''

''کیتھرائن! بیگم سائیں نے اپنے ہاتھوں سے شمیلا کی شادی غازی شاہ سے کرائی''

''کیا؟'' شرجیلہ اچھل پڑی۔

''ہاں' خفیہ طور پر یہ شادی ہوئی اور سائیں غازی شاہ نے کراچی کے ایک بہت بڑے علاقے میں شمیلا بیگم سائیں کے لئے ایک گھر لیا' وہاں انہیں اس کے باپ ناگی بابا کے ساتھ رکھا''

''پھر''

''دل مراد! شمیلا بیگم سائیں کا بیٹا ہے' سازش یہ ہوئی ہے کہ جب دل مراد پیدا ہوا تو شمیلا بیگم سائیں کو یہ بتایا گیا کہ ان کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ بچہ فوراً کیتھرائن بیگم سائیں کے ہاں پہنچ گیا۔ جنہوں نے اسے اپنی اولاد ظاہر کیا اور اب دل مراد کیتھرائن بیگم سائیں کی اولاد ہے۔ شمیلا بیگم سائیں کراچی کے ایک علاقے میں رہتی ہیں اور انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا تھا' وہ یہ کسی سے نہیں کہہ سکتیں کہ دل مراد ان کا بیٹا ہے''
شرجیلہ کا چہرہ آگ کی طرح تمتما اٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک تیز چمک تھی اور ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ۔

''ماری گئی ناحرام زادی' اپنے آپ کو آسمان کا باشندہ سمجھتی تھی۔ ماری گئی' ماری گئی' میرا نام بھی شرجیلہ ہے' دین بخش تیرا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ تو نے اپنا کام پورا کر دیا ہے' اب تو یہیں اسی گوٹھ میں رہ یا بلکہ میں یہ کہتی ہوں کہ تجھے کراچی واپس چلے جانا چاہیے۔ تو مجھے یہ بتا کہ یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئی تھیں۔''

''بیگم سائیں! بس اللہ نے رہنمائی کی' ناگی بابا جو ہے اسے میں جانتا تھا پہلے سے' کراچی میں مجھے مل گیا اس سے معلومات حاصل کیں' تو وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ شمیلا بیگم سائیں بھی ادھر تھیں لیکن جب میں نے غازی شاہ کو ادھر دیکھا تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور بس بیگم سائیں اس کے بعد میں نے ناگی بابا کے ذریعے اس گھر سے رسائی حاصل کر لی۔ اب میں وہاں مالی کا کام کرتا ہوں' غازی شاہ نے مجھے دیکھ لیا تھا اور میں خوف زدہ تھا کہ کہیں انہوں نے مجھے حویلی میں نہ دیکھا ہو لیکن ایسی کوئی بات نہیں وہ مجھے پہچان نہیں سکے۔ بس پھر ساری معلومات حاصل کریں اور اس کے بعد میں آپ کے پاس آ گیا۔

''واہ..... تو اتنے انعام کا مستحق ہے دین بخش! جتنا تیرے دل میں آئے''

''بیگم سائیں! ہمارا انعام بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ ہم سے خوش ہو اب یہ بتاؤ ہم آگے کیا کریں''

''ابھی تجھے وہیں واپس چلے جانا چاہیے' تیرے بارے میں جب کسی کو کوئی پتا نہیں چل سکا ہے تو وہاں موجود ہونا بہت ضروری ہے۔ ارے واہ' کیا بات ہے۔ اتنا بڑا کام کر ڈالا تو نے' تو یہ تھا کیتھرائن کے ماں بننے کا راز کیتھرائن! تو ناگن ہے تو میں بھی نیولا ہوں تیرے لئے' کتر کر رکھ دوں گی تجھے' سمجھا کیا ہے تو نے'' بہرحال اس کے بعد شرجیلہ نے دین بخش کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور بولی۔

''دین بخش! میں ابھی یہاں دو چار دن ہوں' تم چاہو تو یہاں رہو' اس کے بعد تو تمہیں واپس جانا ہی ہے۔ احتیاط کے ساتھ اپنا کام کرو' کوئی بھی نئی خبر ہو مجھے دینا کیا سمجھے۔ ابھی میری تم سے ایک اور ملاقات ضروری ہوگی' میں دیکھوں گی کہ کس طرح تم سے رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ نعیم شاہ ہی سے تمہارے پاس پیغام بھجواؤں گی۔''

''بیگم سائیں! کوئی ایسا مسئلہ ہی نہیں ہے'' بہرحال اس کے بعد شرجیلہ ایک آدھ دن اپنے اہل خاندان کے ساتھ رہی' تاکہ کسی کو اس کے بارے میں شبہ نہ ہو سکے' اور پھر وہ وہاں سے واپس چل پڑی۔ لیکن اس کا ذہن آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ بے پناہ خوش تھی وہ کہ آخر کار کیتھرائن کا پردہ چاک ہو گیا اور اب اس کے بعد معرکہ زبردست ہوگا۔

''غازی شاہ ذہنی طور پر بے حد منتشر تھا' دل مراد کیتھرائن کی آغوش میں نظر آتا تو اسے فوراً ہی یہ احساس ہونے لگتا کہ وہ کسی محفوظ پناہ میں نہیں ہے۔ ایسی عورت کی گود میں ہے وہ جو اس کی ماں نہیں ہے اور اسے صرف اپنے انتقام کے ہاتھوں پروان چڑھا رہی ہے۔ یہ تصور غازی شاہ کے لئے اچھا نہیں تھا' اکثر دل مراد کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں میں شمیلا کی تصویر دیکھنے لگتا تھا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے سے اس کی ماں چھین لی ہے اور ایسے موقعوں پر اسے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ بہت سے احساسات دل میں جنم لیتے تھے۔ باپ کی حیثیت سے وہ دل مراد کی محبت کا تصور کرتا تو ایک دم اس کی آنکھوں میں مکرم شاہ کا چہرہ گھوم جاتا' مکرم شاہ جو اپنے بیٹے کے لئے صبر کر کے بیٹھ گیا تھا۔ اکثر راتوں کو غازی شاہ کیتھرائن کے اقدامات پر غور کرتا رہتا تھا۔ یہ کیتھرائن ہی تھی جس نے اپنے انتقام کی تسکین کے لئے علی خیر محمد کو انسان سے جانور بنا دیا تھا۔ اس نے کیتھرائن کے سارے عمل دیکھے تھے' کیتھرائن واقعی ایک خونی بلی تھی' جو اپنے خون آلود پنجے کھولے علی خیر محمد کی ہر بہتری کو نگل لینا چاہتی تھی۔ یہ تو بہتر بات نہیں ہے' اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کے خدشات بالکل ٹھیک تھے' یعنی یہ کہ ایک انگریز عورت سندھ کے اس علاقے کی دوست ہو ہی نہیں سکتی جو انگریزوں کا دشمن رہا ہے۔ حالانکہ جب یہ بات غازی شاہ کے کانوں تک پہنچی تھی تو اس نے دل ہی دل میں ایسا سوچنے والوں کو برا کہا تھا۔ بھلا کیتھرائن بے چاری تھی ہی کیا چیز؟ ایک عورت علی خیر محمد گوٹھ کو کیا نقصان پہنچا سکتی تھی۔ لیکن اب جو کچھ غازی شاہ کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا وہ ان لوگوں کے خدشات کی تصدیق کر رہا تھا کیتھرائن نے سکھاواں' اس کے بیٹے' اس کے علاوہ اور چند افراد کو بڑی آسانی سے موت کی آغوش میں پہنچا دیا تھا۔ غازی شاہ خود بھی اس کا شریک کار تھا اور بات صرف تھی کہ شرجیلہ نہیں چاہتی تھی کہ کیتھرائن کی اولاد علی خیر محمد گوٹھ کی سردار بنے اس سلسلے میں اور ابھی باتیں ہو سکتی تھیں۔ لیکن کیتھرائن نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا وہ خاصا سنگین تھا۔ کیا کرنا چاہیے اب اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔ پھر دوسرے ہی دن ایک اور واقعہ پیش آ گیا۔ غازی شاہ کے دل میں ماں سے ملنے کا خیال آیا تھا' کیتھرائن موجود نہیں تھی' غازی شاہ یونہی ٹہلتا ہوا ماں کی جانب جا نکلا تھا۔ جس جگہ اس وقت شرجیلہ موجود تھی' وہ حویلی کا اندرونی حصہ تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب شرجیلہ گل جام گوٹھ سے واپس آ گئی تھی اور اپنے طور پر سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے' ابھی غازی شاہ شرجیلہ کے کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ سامنے والے دروازے سے کیتھرائن دل مراد کو گود میں لئے اندر داخل ہوئی' غازی شاہ چونکہ خود پچھلے دروازے سے چھپ کر آیا تھا۔ ماں کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ کیتھرائن کو دیکھ کر دہ ایک

دم صوفے کے نیچے ہو گیا' شرجیلہ کی آواز ابھری تھی۔

''آؤ کیتھرائن! کیسا ہے میرے دل کا یہ ٹکڑا''

''آپ کے سامنے ہے بیگم سائیں! ایک بات بتائیے''

''ہاں پوچھو''

''آپ کے دل کے کتنے ٹکڑے ہیں''

''کیوں پوچھ رہی ہو یہ بات؟''

''میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ ایک چھوٹے سے گاؤں کی رہنے والی کتنی بڑی اداکارہ ہو سکتی ہے'' غازی شاہ کے تن بدن میں سنسناہٹ پھیل گئی۔ یہ جملے اس کی ماں کے لئے کہے گئے ہیں۔ شرجیلہ کے لئے جس کی پورا گوٹھ عزت کرتا تھا جو صرف بڑی بیگم سائیں کہلاتی تھی اور کیتھرائن اسے اداکارہ کہہ رہی تھی۔ غازی شاہ نے دھڑکتے دل سے شرجیلہ کے الفاظ سنے۔

''ہاں کیتھرائن! تم میرے لئے یہ الفاظ کہہ سکتی ہو' یہ تمہارے الفاظ نہیں میرے بیٹے غازی شاہ کے ہیں چونکہ یہ سوغات وہی میرے لئے لایا ہے۔ تمہارے ہاں نہ ماں ہوتی ہے نہ باپ ہوتا ہے' بزرگ ہوتے ہیں بوڑھے ہو جاتے ہیں تو انہیں اولڈ ہاؤس میں ڈلوا دیتی ہو۔ تمہیں نہ یہ پوچھنے کی ضرورت ہے کہ تمہیں کس سے شادی کرنی ہے نہ یہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ انسانی اقدار کیا ہوتی ہیں۔ تم یہ جملے کہہ سکتی ہو' اس لئے کہ تم تو ان کی اہمیت نہیں جانتیں۔ ہمارے ہاں ایسے جملے بزرگوں سے نہیں کہے جاتے۔ لیکن میرے بیٹے نے تمہیں لا کر یہ تحفہ مجھے دیا ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو ایسی تو ہزاروں باتیں تم مجھ سے کر چکی ہو' میرے دل کے ٹکڑوں کی بات کر رہی تھیں نا۔ بس انسان تقسیم ہوتا رہتا ہے' تم نے میرے دل کے کئی ٹکڑے مجھ سے چھین لئے ہیں۔ میرا غازی شاہ' میرا علی خیر محمد اور میرا اکرم شاہ۔''

''ارے' ارے' ارے اور کتنے الزامات ہیں تمہاری جھولی میں ٹانک دو سب میرے چہرے پر' یہ تو تمہارا کام ہے۔

''بڑی بیگم سائیں! لیکن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکی ہو تم' یہ بتاؤ اور کیا ہو رہا ہے''

''دیکھو کیتھرائن! میں نے تم سے یہ بات کہہ دی ہے کہ دل مراد میری کمزوری ہے' علی خیر محمد بھی مجھے اتنا ہی پیارا تھا جتنا دل مراد میں نے تم سے درخواست کی تھی کہ میرے پوتے کو مجھ سے ملانے لے آیا کرو' اس کا معاوضہ تم بہت زیادہ وصول کرتی ہو' مجھے برا بھلا کہہ کر اور میں یہ سب صرف اس لئے سن لیتی ہوں کہ اپنے پوتے کی صورت مجھے دیکھنے کو مل جاتی ہے''

''لیکن ایک بات بتاؤں آپ کو شرجیلہ بیگم' بہت سی باتیں سوچتی رہتی ہوں میں بھی

آپ کو کیسا لگے گا جب کہ یہ پوتا بڑا ہو کر خود اپنے ہاتھوں سے آپ کی گردن دبا دے''

''کیتھرائن! کیا تم اسے یہ تربیت دو گی''

''اور کون دے سکتا ہے اور کون دے سکتا ہے بڑی بیگم سائیں'' کیتھرائن کی طنزیہ آواز ابھری۔

''ٹھیک ہے' ہم لوگ تقدیر کے فیصلے کو اٹل مانتے ہیں' بے شک تم ایسا کرو' موت تو ایک ہی بار آنی ہے نا' اس کے ہاتھوں آ جائے کسی بھی طرح سے آ جائے''

''ٹھیک ٹھیک' بڑی صابر ہو گئی ہو تم شرجیلہ بیگم! اس وقت تمہیں صبر نہ رہا جب میری اولاد علی خیر محمد گوٹھ کی سردار بنتی' اچھا خیر چھوڑو' میرا مقصد یہ نہیں ہے' تم نے زمینوں کے بارے میں کیا سوچا' وہ کاغذات دستخط کر کے مجھے دے رہی ہو یا نہیں''

''زمینیں غازی شاہ اور مکرم شاہ کے باپ دادا کی ملکیت ہیں اور ان کا فیصلہ اسی انداز میں ہو گا جس طرح ہوتا چلا آیا ہے تم اگر مجھے بلیک میل کرو گی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا''

''میں صرف بلیک میل نہیں کروں گی شرجیلہ بیگم! میں عمل کروں گی' تم سوچ لو پہلی بات تو یہ کہ آج سے اس وقت تک تم دل مراد کی صورت نہیں دیکھ سکو گی' جب تک کہ تم زمینوں کے کاغذات پر دستخط نہ کر دو اور سنو...... دستخط کرنے کے بعد یہ کاغذات غازی شاہ کے حوالے کر دینا' یہ مت کہنا کہ اس کے لئے میں نے تمہیں مجبور کیا ہے''

''اور کچھ''

''نہیں میں نے سوچا کہ تم سے ملاقات کر لی جائے' چلتی ہوں''

''بچے کو میری گود میں نہیں دو گی'' شرجیلہ نے حیرت سے کہا۔

''نہیں بالکل نہیں' جو شرط میں نے عائد کی ہے تم پر' تمہیں اس کے مطابق عمل کرنا ہے اس سے پہلے تم اسے چھو بھی نہیں سکو گی'' غازی شاہ کا دل تو چاہا کہ اپنی جگہ سے نکلے دل مراد کو کیتھرائن کی گود سے چھین کر ماں کی گود میں ڈال دے۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اس قت ایسا نہیں کر سکا' کیتھرائن چلی گئی وہ اپنی جگہ بیٹھا کانپتا رہا' تو کیتھرائن؟ میری ماں کی اس طرح بے عزتی کرتی ہے' یہ سلوک کرتی ہے وہ شرجیلہ بیگم کے ساتھ یہ تو...... یہ تو بہت بڑا ظلم ہے' شرجیلہ بیگم خود بھی اٹھ کر باہر نکل گئیں تھیں۔

''غازی شاہ وہاں سے باہر نکل آیا' پھر کافی فاصلہ طے کر کے اپنی حویلی کے ایک ایسے گوشے میں جا بیٹھا جہاں کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا تھا اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑا ہوا

تھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں یہ کیا ہو رہا ہے' بزرگوں کی اس طرح بے عزتی ہوتی ہے' میں کس قدر بزدل انسان ہوں۔ میری ماں کے ساتھ کیتھرائن یہ بدتمیزی کر رہی تھی اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ مصلحت اس قدر قیمتی چیز تو نہیں ہوتی' ایسے موقعوں پر جذبے بے اختیار ہو جانے چاہئیں۔ مگر میں ہی بزدل ہوں' آخر کیوں خوف زدہ ہوں میں کیتھرائن سے' آخر کیوں خوف زدہ ہوں۔ وہ ماں سے زمینوں کے کاغذات کا مطالبہ کر رہی تھی دل مراد کے حوالے سے' نہیں ہرگز نہیں' زمینیں سائیں مکرم شاہ کی تحویل میں ہیں اور سائیں مکرم شاہ ہی اس کے وڈیرے ہوں گے اور اس کے بعد یہ وڈیرا علی خیر محمد ہو گا' چاہے کچھ بھی ہو' مجھے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔ دور سے اس نے قربان کو دیکھا' جو شاید اسی کی تلاش میں آیا تھا تو وہ اپنی جگہ سے باہر نکلا۔ قربان اس وقت اس کا سب سے بہترین مشیر سب سے بڑا ساتھی تھا۔ اس نے قربان کو آواز دی اور اسے ساتھ لے کر اسی کنج میں آ بیٹھا۔

''آپ ہی کے پاس حاضر ہوا تھا سائیں! چہرہ کچھ اترا اترا سا لگ رہا ہے' خیر بتایئے۔''

''خیر ہی ہے قربان! انسان برائیاں کرتا ہے اور آخر کار یہ برائیاں رنگ لاتی ہیں' سوچنا چاہیے انسان کو ہر ایک مقام اس کا اپنا مقام ہوتا ہے' اگر کسی سے کسی کا حق کسی کا مقام چھین لیا جائے تو پھر اللہ سائیں! خوش تو نہیں ہوتا۔ اس سے اور جب اللہ سائیں خوش نہ ہو تو باقی ساری باتیں دور کی باتیں رہ جاتی ہیں''

''ہاں' بالکل ٹھیک کہتے ہو آپ سائیں!''

''نئے نئے انکشافات ہوتے رہتے ہیں' تھوڑے دن پہلے میں نے کیتھرائن اور ماں کو ملایا تھا۔ کیتھرائن تو بابا ہر جگہ اپنا شطرنج کھول کر بیٹھ جاتی ہے' میرے سامنے تو اس نے بڑی بیگم سائیں سے بہت عزت اور بہت محبت سے گفتگو کی تھی۔ مگر آج اتفاق سے میں بیگم سائیں سے ملنے گیا تھا۔ وہاں کیتھرائن بھی پہنچ گئی۔ اسے میرے آنے کا پتا نہیں تھا' اس نے جو باتیں بیگم سائیں سے کہیں وہ تو بڑی خطرناک ہیں قربان۔'' قربان سوالیہ نگاہوں سے غازی شاہ کو دیکھنے لگا تو غازی شاہ نے خود ہی کہا۔

''وہ دل مراد کے ذریعے بڑی بیگم سائیں کو بلیک میل کر رہی ہے' بڑی بیگم سائیں ظاہر ہے دل مراد کو چاہتی ہیں۔ کیتھرائن ان سے کہتی ہے کہ زمینوں کے کاغذات پر سائن کر کے اس کے حوالے کر دیں' ورنہ دل مراد سے محروم رہیں گی۔ یار! قربان ذرا دیکھو تو سہی دل مراد تو کیتھرائن کی اولاد بھی نہیں ہے' میرا بیٹا ہے وہ اور میرے بیٹے کے ذریعے وہ میری ماں کو

ذلیل کر رہی تھی۔ بہت سخت رویہ اور بڑی بدتمیز زبان تھی اس کی' دل تو چاہتا ہے کہ اس کی زبان کاٹ کر پھینک دوں۔ مگر قربان اف ...... وہ بہت بری ہے اس نے ناگی بابا کو قتل کرنے کی کوشش کی' شمیلا کو مار ڈالنا چاہا اس نے یہ سارے کام اس لئے کئے ہیں پتا ہے اپنی ایک خادمہ دریہ سے کیا باتیں کر رہی تھی وہ''

''مجھے نہیں معلوم سائیں! کیا بات ہے؟''

''کہہ رہی تھی کہ دل مراد اس کی اولاد نہیں ہے' اس کا خون نہیں ہے۔ اس کے دل میں دل مراد کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ بس ایک انتقام ہے جس کی مختلف شکلیں سامنے آتی رہتی ہیں اور اس انتقام کی ایک شکل دل مراد ہے۔ دیکھو...... کیسی عجیب بات ہے'...... قربان! میں نے ایک ماں کی آغوش سے اس کی اولاد چھین کر کیتھرائن کی آغوش میں ڈال دی ہے۔ وہ بچہ جس کا صحیح ٹھکانا اس کی ماں کی گود ہی تھا۔ ایک ایسی غیر عورت کی آغوش میں پڑا ہوا ہے جو اسے نہیں چاہتی۔ بس اسے ایک آلے کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے۔ میری اولاد' میرا بیٹا' میرا بچہ اور وہ صرف کسی کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔ قربان میں اب کھل کر سامنے آنا چاہتا ہوں بہت ہو گیا۔ اندازہ یہ ہوا کہ غلط کیتھرائن ہی ہے۔ ابتدا میں ان لوگوں سے جو کچھ بھی ہو گیا وہ اپنی جگہ تھا۔ لیکن اس کے بعد کیتھرائن نے جو کچھ شروع کیا ہے وہ تو بڑا ہی غلط ہے سائیں مریم شاہ کی صورت دیکھی نہیں جاتی۔ میرے دل میں میرا ماضی جاگ اٹھا ہے' وہ لمحے جاگ اٹھے ہیں جب میں ان لوگوں سے پیار کرتا تھا۔ بہت محبت کرتا تھا' میں ان لوگوں سے نہیں قربان! زیادتی ہو رہی ہے مجھ سے' جہنم کا نمائندہ بنتا جا رہا ہوں میں بتاؤ...... میرے کو میں کیا کروں؟ بابا؟ میرا دل اندر سے مجھے ملامت کرتا ہے' میں' میں اپنی برائیوں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں' یہ تو اچھا نہیں ہے' یہ تو اچھا نہیں ہے''

''سائیں میرے کو ایک بات بتاؤ آپ' آپ کیتھرائن بیگم سائیں سے ڈرتے ہو''

''نہیں ڈرتا' اصل میں ابتدا ہی میں ایک بے تعصب کا شکار ہو گیا تھا' سچی بات یہ ہے کہ مجھے بالکل نہیں معلوم تھا کہ علی خیر محمد گوٹھ میں میری شادی کی اتنی مخالفت کی جائے گی۔ میں تو ایک شہزادے کی طرح انگلینڈ میں اپنا وقت گزار رہا تھا۔ سر جیمز الیگزینڈر اور ان کا خاندان' اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں کے اچھے خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ کیتھرائن سے میری دوستی ہو گئی تھی' میں نے اس وقت یہ بالکل نہیں سوچا کہ گوٹھ کے ریت رواج اتنی بھیانک شکل اختیار کر جائیں گے۔ شادی کر لی میں نے کیتھرائن کے ساتھ' جانتے ہو اس وقت میری سوچ کیا تھی میں سوچتا تھا کہ میری ماں میرا بھائی بہت خوش ہوں گے۔ ہنسیں گے' مجھے چھیڑیں

گے' مجھ سے کہیں گے کہ اچھا بیٹے! یہ سب کچھ چپکے چپکے ہی کر ڈالا تم نے مجھے اتنے برے نتائج کا پتا نہیں تھا۔ کیتھرائن سے میں نے بڑی بڑی باتیں کی تھیں' میں نے اس سے کہا تھا کہ تم دیکھنا کراچی ائیرپورٹ پر ایک باقاعدہ بارات موجود ہوگی۔ جلوس ہو گا جو ہمارا استقبال کرے گا اور پھر یہ لوگ ہمیں علی خیر محمد گوٹھ لے جائیں گے۔ لیکن جو کچھ ہوا اس نے میرا دل جلا کر کوئلہ کر دیا۔ سب سے ناراض ہو گیا میں اور کیتھرائن نے میرے غصے کو ہمیشہ ہوا دی' پھر بعد میں بیگم سائیں نے ایک برا قدم اٹھایا اس میں کوئی شک نہیں' مجھے یہ احساس ہوا کہ انہوں نے میرے ساتھ' کیتھرائن کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے؟ ٹھیک ہے یہ بات ٹھیک ہے بالکل' بیگم سائیں اتنا قدم نہ اٹھاتیں تو اچھا تھا' مگر کیتھرائن نے جو کچھ کیا ہے وہ بھی تو اچھا نہیں ہے۔ بیگم سائیں! تو بزرگ ہیں جو کرنا تھا کر لیا' انہوں نے لیکن اس کے بعد کیتھرائن کا رویہ میری ماں کے ساتھ بہت غلط ہے' اس کے الفاظ بہت خراب تھے۔ قربان! میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔''

''سائیں! میرا خیال ہے ابھی تھوڑا صبر کرو' بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں ہمیں کیتھرائن بیگم سائیں کی ضرورت پیش آئے گی ابھی تک گھانچی سے مجھے کچھ نہیں معلوم ہوا وہ مصروف ہے دیکھیں کیا پتا لگاتا ہے وہ میرا خیال ہے علی خیر محمد شاہ کو بھی برآمد ہونا چاہیے''

''بڑا پریشان ہوں میں کیا دھرا سب کچھ ہمارا ہی ہے علی خیر محمد شاہ اس چھوٹی سی عمر میں پولیس کو مطلوب ہے۔ پولیس اس کا پیچھا تو نہیں چھوڑے گی بابا! میرے کو علم ہے کہ باقاعدہ اس کی تلاش جاری ہے' دیکھو کیا ہوتا ہے'' قربان گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے کہا۔

''آپ کو میرا مشورہ ہے سائیں غازی شاہ! کہ ابھی اپنے آپ کو سنبھالے رکھو' آپ کو نہیں معلوم کیتھرائن بیگم سائیں نے کہاں کہاں جال پھیلا رکھے ہیں' پہلے ان سارے جالوں سے واقف ہو جاؤ سائیں! اس کے بعد کچھ سوچو۔'' غازی شاہ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

''علی خیر محمد خواب دیکھ رہا تھا' اس سے پہلے اس کی زندگی میں کوئی خواب نہیں تھا' فطرت ہی نہیں تھی اس کی خواب دیکھنے والی' جو چاہتا تھا کر ڈالتا تھا۔ دل میں کوئی آرزو باقی نہیں رہ جاتی تھی اور خواب درحقیقت آرزوؤں کا دوسرا روپ ہوتے ہیں وہ ناکام آرزوئیں جو دل میں تشنہ رہ جاتی ہیں' نیند کے عالم میں دماغ کے حصوں میں آزادانہ پھرتی رہتی ہیں' اور انسان خواب دیکھنے لگتا ہے۔ یہ خواب درحقیقت ناکام آرزوؤں کا عطیہ ہوتے ہیں' لیکن علی خیر محمد کی زندگی میں ناکامی نہیں تھی۔ ایک کامیاب انسان تھا وہ اور زندگی کو اپنی پسند سے گزارنا چاہتا تھا لیکن پچھلے کچھ عرصے سے اس میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں وہ پریشانی کے عالم میں

بہت سی باتیں سوچتا رہتا تھا۔ اس رات بھی خواب میں اس نے عالیہ کو دیکھا۔ اس سے پہلے کوئی لڑکی اس کے خوابوں کا مرکز نہیں رہی تھی۔ کھدوانا جیسے خطرناک آدمی کے ساتھ وقت گزارا تھا اس نے‘ کیتھرائن نے اسے درندگی بخشی تھی اور اسے یہ درندگی ہی پسند تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں کراچی کے سمندر کی ٹھنڈی ہواؤں نے اس کے دماغ میں اتھل پتھل شروع کر دی تھی اور وہ مختلف انداز میں سوچنے لگا تھا۔ اس وقت بھی جو خواب وہ دیکھ رہا تھا اس میں بہت سے مٹے مٹے نقوش اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے لیکن پھر ایک آواز اس کے کانوں میں گزری۔

’’جو یہ مان گیا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے اور وہ اس غلطی کو درست نہیں کرتا وہ زیادہ ایک اور غلطی کرتا ہے‘ صداقت انسان کو عظیم بناتی ہے اور انسان صداقت کو عظیم تر یہ ساری چیزیں اس کے دماغ میں چکرا رہی تھیں‘ نہ جانے کیوں ایک عجیب سا احساس اس کے دل میں جاگزیں تھا۔ آنکھ کھل گئی اور وہ پریشانی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ اوصاف نے علی خیر محمد کے کمرے میں کچھ چہل پہل محسوس کی تو پہلے کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازہ کھلنے کی آواز علی خیر محمد نے بھی سن لی تھی وہ بھی باہر نکل آیا تو اوصاف نے کسی قدر شرمندگی سے کہا۔

’’معافی چاہتا ہوں شہزادہ خرم! آپ کے کمرے میں کچھ آوازیں اور آہٹیں سنائی دیں تو صرف یہ دیکھنے کے لئے باہر نکل آیا کہ کہیں کسی مرحلے پر میری ضرورت تو نہیں ہے۔ علی خیر محمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے اوصاف کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’آؤ اوصاف! اوپر چلتے ہیں اوپر چل کر باتیں کریں گے‘‘

’’جی شہزادہ خرم!‘‘ تھوڑی دیر کے بعد علی خیر محمد اوصاف کے ساتھ اس خوبصورت کوٹھی کی چھت پر پہنچ گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سمندر لہریں لے رہا تھا۔ آسمان پر ٹکا ہوا چاند لہروں پر روشنی کی لکیریں بکھیرے ہوئے تھا۔ ہر طرف ایک پراسرار سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ماحول بہت ہی عجیب لگ رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں‘ سمندر کی جانب سے آ رہی تھیں۔ علی خیر محمد نے اوصاف کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

’’آنکھ کھل گئی تھی‘ شہزادہ خرم؟‘‘

’’ہاں‘ اوصاف! خوابوں کی کیا اہمیت ہوتی ہے‘‘

’’میں اس بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا شہزادہ خرم! لیکن سنا ہے کہ یہ تشنہ آرزوؤں کی تصویر ہوتے ہیں‘‘

’’ہماری تو ہر آرزو پوری ہوتی رہی ہے اوصاف! پھر ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں۔‘‘ علی خیر محمد نے کہا۔

’’میں نہیں جانتا‘ اس بارے میں میں نہیں جانتا لیکن آپ نے کیا خواب دیکھا‘‘

’’خواب ہمارے پریشان کرنے والے نہیں ہوتے اصل میں اوصاف! نہ جانے کیوں اب کچھ دن سے ہمیں یہ احساس ہونے لگا ہے‘‘

’’کیسا احساس شہزادہ خرم؟‘‘

’’یہ کہ ہم ان عام انسانوں میں سے نہیں ہیں جو اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں‘ اپنی پسند سے زندگی کا آغاز کرتے ہیں اور اپنی پسند سے زندگی کا اختتام‘ ہم تو بابا! دوسروں کے راستوں پر سفر کر رہے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ ٹھیک ہے‘‘ اوصاف نے گردن جھکا لی‘ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

’’شہزادہ خرم معافی چاہتا ہوں‘ آپ کو پتا ہے میری روزی کا ذریعہ کیا ہے‘‘

’’کیا مطلب بابا ہم سمجھے نہیں‘‘

’’میری روزی کا ذریعہ یہ ہے کہ آپ کی خدمت کروں وہ کام کروں جس میں آپ کی خوشی ہو‘ شہزادہ خرم! بات اصل میں یہ ہے کہ اس دور میں نہ تعلیم کی کوئی حیثیت ہے۔ نہ انسان کے ماضی یا حال کی بس ہر شخص تقدیر کے سہارے گزارا کر رہا ہے۔ میں نے بڑی کوششیں کیں ملازمتوں کے لئے‘ کوئی ملازمت نہیں ملی‘ یہ ملی ہے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے لئے بڑی قیمتی ہے‘‘

’’کہنا کیا چاہتے ہو بابا! میری سمجھ میں الجھی ہوئی باتیں زیادہ نہیں آتیں‘‘

’’شہزادہ خرم مجھے وہی کرنا ہے جس کی ہدایت مجھے کر دی گئی ہے۔ کوئی ادھر ادھر کی بات نہیں بولنی ہے آپ سے‘‘

’’بابا! انسان کے بچے تو ہو‘ ایسے تو کوئی دیوار بھی میرے لئے ٹھیک ہے‘ جس کے سامنے کھڑا ہو کر اپنی باتیں کر لوں اور ادھر سے کوئی آواز نہ آئے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی میں نے تمہیں ہمیشہ دوستوں کی جگہ دی ہے۔ نوکری بے شک تمہاری‘ لیکن جو نوکری ہے وہ تم ہی ابھی ابھی مجھے بتا چکے ہو‘ میں اگر تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں بابا اور مجھے اس سوال کا جواب نہ ملے تو کیا تم میری نوکری میں رہ سکتے ہو‘‘

’’آپ ناراض ہوگئے شہزادہ خرم!‘‘

’’یہ بات تمہارے کو معلوم ہے کہ میں شہزادہ خرم نہیں ہوں۔ جواب دو‘‘ علی خیر محمد کا لہجہ تلخ اور تند ہو گیا‘‘

’’جی سائیں معلوم ہے‘‘

''اور یہ بھی جواب دو اوصاف! کہ سائیں امیر شاہ نے تمہیں کیا ذمے داری سونپی ہے'' اوصاف نے گردن اٹھا کر علی خیر محمد شاہ کا تمتماتا ہوا چہرہ دیکھا ایک لمحے میں اسے احساس ہو گیا کہ علی خیر محمد سخت غصے میں ہے۔ بہرحال ایک لمحے کے اندر اس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ ٹھیک ہے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ تعلق تو اس کا علی خیر محمد سے ہی ہے' چنانچہ اسے سچ بات کرنی چاہیے۔''

''جی سائیں! میں حاضر ہوں' آپ میرے کو حکم دو۔''

''نہیں اوصاف! انسان بنو' نہ میں سائیں ہوں' نہ میں حکم دے سکتا ہوں۔ تمہارے کو یہ بات معلوم ہے کہ میں شہزادہ خرم نہیں ہوں''

''جی معلوم ہے''

''اور امیر شاہ نے تمہیں کس کام کے لئے میرے ساتھ لگایا ہے دیکھو سچ بولو گے اس وقت' میں نے تم سے کبھی اس بارے میں نہیں پوچھا چونکہ میں بہت پہلے سے جانتا تھا کہ امیر شاہ نے تمہیں کیا ذمے داری سونپی ہے۔ میں جان بوجھ کر اس ذمے داری کو نظر انداز کرتا رہا ہوں۔ یہ بھی تمہیں بتا دوں بابا! کہ اس نے صرف مجھ پر نگاہ رکھنے کے لئے تمہیں میرے ساتھ بھیجا ہے۔ میں کیا کرتا ہوں' کیسے کرتا ہوں؟ تمہاری ڈیوٹی ہے کہ تم اس کی رپورٹ حمایت علی شاہ کو دو اور حمایت علی شاہ امیر شاہ کو ساری تفصیل بتائے۔ یہ بات بابا میں جانتا ہوں اور تم یقین کرو اوصاف نوکری اپنی جگہ' ساری باتیں اپنی جگہ میں تمہیں یہ بات بتا دوں' میں کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہوں۔ دنیا بھر کے انسانوں سے الگ ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہوں۔ میری عمر بے شک کم ہے لیکن وقت نے مجھے وہ تجربہ دیا ہے جو عام لوگوں کو نہیں ملتا۔ بابا! میرے یہ جو ہاتھ جو ہیں نا وہ خون سے رنگے ہوئے ہیں' کئی خون کئے ہیں میں نے' تین خون اور بھی کر سکتا ہوں' ایک تم ایک حمایت علی شاہ اور ایک اس کی بیوی' کوئی مسئلہ نہیں ہو گا مجھے' میں پھر بھاگ جاؤں گا۔ کراچی کی وسعتوں میں گم ہو جاؤں گا۔ اتنا بڑا شہر ہے' سمجھے ان ساری باتوں کو چھوڑ دو' نوکری تمہاری اپنی جگہ ہے' میرے اور تمہارے درمیان ایک دوستی کا انداز رہا ہے۔ میں آج اسی دوستی کے نام پر تم سے پوچھتا ہوں۔ تم میرے کو بتاؤ کیا یہی تمہاری ڈیوٹی ہے نا!''

''جی سائیں یہی ہے''

''وہ لوگ میرے کسی راستے کو روکنا چاہتے ہیں''

''نہیں بالکل نہیں' اصل میں آپ کو مرزا طارق بیگ کے لئے تیار کیا جا رہا ہے''

''ہاں ہاں' یہی میں تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا میرے کو اس بارے میں

پوری تفصیل بتاؤ اور ایک بات کا اطمینان رکھو' تم ہر طرح سے محفوظ ہو اگر کوئی بات سامنے بھی آئی تو کوئی خواب میں بھی نہیں سوچے گا کہ اس کا ذریعہ تم بنے ہو''

''جی سائیں! اوصاف نے اب کافی حد تک پرسکون لہجے میں کہا۔

''خیر میرے خوابوں کو چھوڑو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا' دیکھو میں تمہیں اپنے بارے میں جو بتا رہا ہوں پہلے وہ سنو''

''میرے باپ کا نام مکرم شاہ ہے' علی خیر محمد گوٹھ کا رہنے والا ہوں' وہاں میری دادی ہے' میرے باپ ہیں' میری ماں ہے' میری بہنیں ہیں اور ایک دوسری حویلی میں کیتھرائن ہے۔ میرے چچا غازی شاہ ہیں۔ کیتھرائن نے مجھے گولی چلانا سکھایا' چچی نے میرے کو بتایا کہ انسانوں کی زندگی بے وقعت ہوتی ہے۔ تم بڑے ہو اگر کوئی تمہاری بڑائی کو تسلیم نہ کرے تو تم اسے نقصان پہنچاؤ۔ مار دو اسے چچی' سائیں نے جو کچھ کہا اس کے لئے منع کرنے والا کوئی نہیں تھا مجھے' چنانچہ وہ جو کچھ کہتی رہیں مانتا رہا۔ انہوں نے مجھے ایک ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل کرا دیا۔ اوصاف کھدوانا کے ساتھ رہ کر میں نے ڈاکے بھی ڈالے ہیں' میں ایک بہت اچھا ڈاکو ہوں اور تم یقین کرو اگر میں یہی کام کرنے پر تل جاؤں تو بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ پھر کیتھرائن بیگم سائیں نے ہی مجھے فضل شاہ صاحب کے پاس بھیجا' اس دوران بابا پولیس کو میری تلاش تھی۔ میں قاتل کی حیثیت سے پولیس کو مطلوب تھا۔ دیکھو اوصاف! تم سمجھ دار آدمی ہو میں تمہیں دوستوں میں مقام دیتا ہوں۔ اس وقت میری ذہنی کیفیت بالکل بدلی ہوئی ہے۔ جو بات بھی مجھ سے کرنا بالکل ٹھیک کرنا مجھے صحیح مشورہ دینا ورنہ دوسری صورت میں ایک بار پھر میں غلط راستوں پر چل نکلوں گا۔ فضل شاہ سائیں نے مجھے ادھر بھیج دیا' اس کوٹھی میں رکھا میرے کو' بدلنے کی کوشش کی میرے کو' کہا کہ میں مرزا طارق بیگ کی فیملی سے تعلقات قائم کروں۔ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں اور اوصاف! میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری زندگی کے یہ راستے ٹھیک ہیں یا غلط' اوصاف! میری رہنمائی کرو اس وقت میرے کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ بھول جاؤ کہ تم میرے ملازم ہو' یہ بھی بھول جاؤ کہ تم سے کوئی تمہاری نوکری چھین لے گا' جو لوگ مجھ سے ہمدردی اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ تم سے تمہاری نوکری نہیں چھین سکیں گے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے تو میں تمہارے کو بتا رہا تھا کہ یہ زندگی ہے میری۔''

''دیکھو شہزادہ خرم!''

''اس وقت میرے کو شہزادہ' خرم نہیں علی خیر محمد بولو''

''جی علی خیر محمد! میں نہیں جانتا کہ کیتھرائن نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے' لیکن ایک

بات میں تمہارے کو بتائے دیتا ہوں۔ دنیا کی تاریخ میں برائیوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ کیتھرائن نے جس مقصد کے لئے بھی تمہیں غلط راستے پر ڈالا' راستہ بہرحال یہ غلط ہے اس دنیا میں رہنے والے تمام لوگ ڈاکو نہیں ہیں' وہ زیادہ مطمئن اور خوش زندگی گزارتے ہیں جو کچھ روکھی سوکھی مل جاتی ہے اسے کھا کر گزارا کرلیا کرتے ہیں۔ دل کا سکون کائنات کی سب سے بڑی شے ہے۔ میری معلومات بھی تم سے بہت زیادہ نہیں ہیں' لیکن جتنی ہیں اتنا تمہیں بتا رہا ہوں۔ تمہارے ماں باپ موجود ہیں' مکرم شاہ سائیں!'' جن کا تم تذکرہ کر چکے ہو۔ تمہارے باپ ہیں تم سے محبت بھی کرتے ہوں گے' ماں بھی غلط ہو ہی نہیں سکتی' لیکن تم دوسروں کے ہاتھوں پروان چڑھے ہو۔

''پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے مجھے کیتھرائن چچی سائیں کے حوالے کیوں کردیا۔''

''خاندانی معاملات ہوا کرتے ہیں اچھا یہ بتاؤ کیتھرائن بیگم سائیں کے کتنے بچے ہیں''

''کوئی بچہ نہیں ہے ان کا''

''کتنا عرصہ ہوگیا شادی کو''

''بہت عرصہ ہوگیا میرے پیدا ہونے سے بہت پہلے کی بات ہے''

''ہوں' تو یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے' کہ خاندانی معاملات کے تحت تمہیں کیتھرائن کے پاس بھیج دیا گیا ہو لیکن' اچھا ایک بات بتاؤ' وہ کیتھرائن جو ہے نا کیا وہ انگریز ہے۔''

''ہاں ولایت سے آئی ہے سفید رنگ والی انگریزن''

''اوہ...... بہرحال یہ لوگ تو ویسے ہی ناقابل اعتبار ہوتے ہیں تم سے جو کچھ کرایا گیا وہ غلط کرایا گیا۔ تمہیں بار بار جرائم کی دنیا کی طرف دھکیلا گیا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کیتھرائن تمہیں ایک مجرم بنانا چاہتی ہے' ممکن ہے کوئی برائی ہو اس کے اندر''

''مجھے کیا کرنا چاہیے تھا بابا''

''سب سے پہلے اپنے باپ مکرم شاہ سے ملنا چاہیے تھا اور ان سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ سائیں آپ میرے باپ ہو' مجھے دوسروں کے رحم پر کیوں چھوڑ دیا۔ تعجب ہے سائیں علی خیر کہ آپ کو اپنی ماں سے محبت نہیں ہے' آپ برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔

''کہو بابا کہو...... میں برا نہیں مانوں گا''

''سائیں جس کے دل میں ماں کا پیار نہیں ہے اس کے دل میں خود کا پیار بھی نہیں

ہے' اس چھوٹی کائنات میں دو ہی پیار تو سچے ہیں''

علی خیر محمد کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے کچھ دیر خاموش رہا' پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی اور اس نے کہا۔

''سائیں اوصاف''

''جی سائیں''

''بابا ایک بات میرے کو سچ بتاؤ''

''پوچھو سائیں''

''تمہاری ماں ہے؟''

''ہاں' ماں ہے باپ نہیں ہے ایک بہن اور ایک چھوٹا بھائی بھی ہے۔

''آپ اپنی ماں سے اتنا ہی پیار کرتے ہو جتنا آپ نے بولا ہے۔

سو فیصد سائیں علی خیر۔

''سچ بولتا ہو بابا''

''بالکل سچ''

''تو پھر میں اتنا برا کیوں ہوں بابا' یہ برائی صرف میرے اندر کیوں ابھر آئی ہے۔ ماں نہ باپ' دوسروں کا کھیل کھیلتا رہا ہوں آخر کیوں اوصاف۔

اوصاف نے گردن جھکالی تھی' علی خیر نے کہا۔ ''کچھ کرنا پڑے گا بابا' میرے کو کچھ کرنا پڑے گا اور اس کے بعد علی خیر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اوصاف خوف زدہ تھا کہ کہیں یہ گفتگو کوئی رنگ نہ لائے۔ اسے تو یہاں بہت اچھی تنخواہ پر اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ علی خیر کا مزاج بنائے' اسے آمادہ کرے کہ وہ طارق بیگ کی بیٹی کو شیشے میں اتار لے اور اس سے شادی کرلے تاکہ فضل شاہ مرزا طارق بیگ پر اپنے پنجے گاڑ دے۔ لیکن یہ ذرا مختلف بات تھی' اتفاق سے دوسرے دن ہی امیر شاہ وہاں پہنچ گیا۔

سب سے پہلے وہ حمایت علی شاہ سے ملا تھا۔

''کیوں سائیں حمایت شاہ حالات کیسے جارہے ہیں''

''مبارک باد دو اسے سائیں امیر شاہ' طارق کی بیٹی تو علی خیر شاہ کی دیوانی ہوگئی ہے دن رات اس کا دم بھرتی ہے۔

''کیا واقعی''

''جس طرح چاہو معلوم کرلو سائیں''

''نہیں شاہ جی...... جب تم بتا رہے ہو تو ٹھیک ہوگا' یہ تو بڑی خوش خبری ہے حمایت شاہ' فضل شاہ جی سنیں گے تو نہال ہو جائیں گے' مجھے پوری تفصیل بتاؤ۔

''اوصاف سائیں کو بھی بلا لو سائیں' زیادہ باتیں معلوم ہو جائیں گی' حمایت شاہ نے کہا۔

''ضرورت تو نہیں ہے' اوصاف کو بلانے کی آپ ہی بتاؤ......'' امیر شاہ نے کہا۔

''سائیں! بڑی بات ہے خیر بہت مختصر وقت میں علی خیر محمد شاہ نے مرزا طارق بیگم کی بیٹی کو اپنی مٹھی میں یوں جکڑ لیا۔ جیسے مکڑی کے جالے میں مکھی جکڑ جاتی ہے۔ اب تو اسے اس کے بغیر قرار ہی نہیں آتا۔ خود علی خیر محمد بھی طارق بیگ کی دعوت پر اس کے گھر جا چکا ہے اور لگتا ہے مرزا طارق بیگ علی خیر محمد سے بہت خوش ہے۔ سائیں! آپ یوں سمجھ لو جو کام ہم سوچ رہے تھے کہ مہینوں میں ہوگا' دنوں میں ہو گیا ہے۔ بس اللہ سائیں کی مہربانی ہے۔''

''بڑی احتیاط سے کام کرنا ہوگا حمایت علی شاہ! وہ آدمی جس کا نام مرزا طارق بیگ ہے' بہت چالاک اور بڑا خطرناک ہے۔ ذرا سی دیر میں حقیقت کی تہ کو پہنچ جائے گا۔ اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔''

''علی خیر محمد شاہ خود بھی بہت چالاک آدمی ہے' وہ اپنی عمر سے کہیں آگے کا بندہ ہے سائیں! اس نے کسی کو اپنے اوپر شبہ نہیں ہونے دیا۔''

''بس تو پھر میں فضل شاہ صاحب کو یہ خوشخبری جا کر سنائے دیتا ہوں' کہ جو کام انہوں نے ہمارے سپرد کیا تھا وہ اب تکمیل کے قریب ہے۔''

''ہاں' آپ سائیں کو ضرور بتا دو کہیں اس سے آگے کا منصوبہ جو ہے وہ بھی میرے کانوں تک پہنچنا چاہیے سائیں! تاکہ میں انہی لائنوں پر کام کروں''

''حمایت علی شاہ! میرے خیال ہے ہم نے تمہیں شروع ہی میں بتا دیا تھا۔ اصل میں مرزا طارق بیگ' سائیں فضل شاہ کا کاروباری حریف ہے۔ سائیں فضل شاہ بھی اسمگلنگ کرتے ہیں۔ مرزا طارق بیگ بھی' مرزا طارق بیگ کو یہ آسانی حاصل ہے کہ کراچی کے خاص ساحل اس کے کنٹرول میں ہیں اور وہ اپنا مال زیادہ آسانی سے بیرونی ملک بھیج دیا کرتا ہے۔ کیونکہ یہاں اس کے پوائنٹس بنے ہوئے ہیں جب کہ سائیں فضل شاہ کو نہ جانے کس کس کی خوشامد کرنا پڑتی ہے۔ کتنی ہی بار مرزا طارق بیگ نے سائیں فضل شاہ کے راستے کاٹے ہیں۔ سائیں فضل شاہ چاہتے ہیں کہ علی خیر محمد کی شادی مرزا طارق بیگ سے کر دی جائے۔ اس طرح مرزا طارق بیگ' سائیں فضل شاہ کے چنگل میں آ جائے گا' پھر یہ سمجھ لو کہ یہ دونوں ایک ہو

جائیں گے۔ سکہ سائیں فضل شاہ کا چلے گا چونکہ مرزا طارق بیگ کی ایک ہی بیٹی ہے' وہ پھڑ پھڑا کر رہ جائے گا۔ لیکن اب اس میں سے سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرزا طارق بیگ کو اس وقت تک یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ سائیں خیر محمد شاہ یا شہزادہ خرم کا تعلق یہیں کہیں سے ہے۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا''

''ابھی تو میں سائیں فضل شاہ سے بات چیت کر لوں گا' لیکن منصوبہ صاف ظاہر ہے جب لوگوں کی محبت اور آگے بڑھ جائے تو آپ کو یہ جائزہ لینا ہوگا کہ مرزا طارق بیگ کا خود اس سلسلے میں خیال ہے۔ اگر آپ دیکھو کہ مرزا طارق بیگ خود اس سلسلے میں بات کرنے کا خواہش مند ہے۔ تو آپ اس کی ہمت بڑھاؤ' بلکہ اب ایسا کرو مرزا طارق بیگ کو کسی دن اپنے گھر کھانے پر دعوت دو۔ پتا تو چل ہی جائے گا کہ اس کی اپنی کیا کیفیت ہے اس سے ذرا آسانی ہو جائے گی۔''

''ٹھیک اور اگر مرزا طارق بیگ کی طرف سے اس قسم کی کوئی بات نہ ہو تو''

''تو سائیں! اپنی طرف سے رشتہ دے دو' باتوں باتوں میں مرزا طارق بیگ سے کہو کہ جب بچے آپس میں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگیں۔ تو پھر ان کی زندگی کو یکجا کر دینا چاہیے۔ آپ چونکہ شہزادہ خرم کے سرپرست ہو اس لئے یہ کام آپ ہی کے کندھوں پر آ پڑا ہے کہ آپ اس شادی کی بات کرو' سیدھی سیدھی بات ہے سائیں حمایت علی شاہ جس طرح ہمارے ملک میں ہوتا چلا آیا ہے' ایسا ہی آپ کو کرنا ہے۔''

''ہوں' ٹھیک ہے آپ کی طرف سے جب گرین سگنل ہے تو پھر میں آغاز کئے دیتا ہوں''

''ہاں سائیں! خوشی کے ساتھ پھر میں یہ خبر سائیں فضل شاہ کو پہنچا دوں''

''بالکل پہنچا دیں'' حمایت علی شاہ نے کہا امیر شاہ نے کسی اور سے ملاقات بھی نہیں کی تھی۔ خوش خوش وہاں سے واپس چلا گیا تھا لیکن ادھر جو کھچڑی پک رہی تھی وہ ذرا مختلف تھی۔ اوصاف اور علی خیر محمد شاہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی' وہ بڑی عجیب تھی اور علی خیر محمد کے بدلے ہوئے رویے کا احساس ایک شدید حیثیت رکھتا تھا۔ بات فضل شاہ وغیرہ کی تو تھی بھی نہیں' بس دور تک سوچنے لگا تھا' علی خیر محمد اوصاف سے گفتگو کرنے کے بعد تو اس پر اور بھی عجیب سی ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ افریشم یاد آ رہی تھی ماں تھی وہ' باپ مکرم شاہ باقی لوگ تو اسے راستے سے بھٹکانے والے تھے۔ کیا کروں' کیا نہ کروں تین دفعہ عالیہ بھی مل چکی تھی۔ کھل کر اظہار محبت

کرتی تھی' اس نے سمندر کے کنارے علی خیر محمد کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''خرم شاہ! سمندر تمہیں بہت پسند ہے'' علی خیر محمد نے نگاہیں اٹھا کر عالیہ کو دیکھا اور بولا۔

''عالیہ! سمندر مجھے ایک سچ لگتا ہے''

''سچ''

''ہاں' تم ان لہروں کو دیکھو مخصوص انداز میں ایک جگہ سے اٹھتی ہیں ساحل تک پہنچتی ہیں۔ مدھم ہو جاتی ہیں اور پھر دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے انداز میں کہیں کوئی کھوٹ نہیں ہے اور پھر سارا سمندر ہواؤں سے اس طرح منسلک ہے جیسے ان کا چولی دامن کا ساتھ ہو نہ جانے کیوں مجھے یہ سب کچھ بہت اچھا لگتا ہے۔''

''اس کی کوئی وجہ ہوگی؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''وجہ''

''ہاں'' علی خیر محمد سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے کہا۔

''ہو سکتی ہے' وجہ ہو سکتی ہے''

''کیا مجھے نہیں بتاؤ گے''

''ہو سکتا ہے عالیہ! میں نے اس سچ سے دور زندگی گزاری ہو' یہ سچ میری زندگی میں کبھی نہیں آیا ہو اور اب جب سچ کا یہ حسین روپ میری نگاہوں کے سامنے آتا ہے تو مجھے یہ بہت دلکش محسوس ہوتا ہے۔ تم اس بات کو تسلیم کرو' جب انسان کو کوئی شے نہیں ملتی یا وہ اس سے دور رہتا ہے پھر جب وہ شے اچانک وافر مقدار میں اس کے سامنے آ جاتی ہے تو اسے حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنا سب کچھ ہے' میری بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہے۔''

''عجیب سا ہے یہ سب کچھ جب کہ میری نگاہوں میں تم ایک بہت اچھے انسان ہو''

علی خیر محمد گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ دونوں ساحل پر دور تک سیر کرتے رہے اچانک ہی علی خیر محمد نے کہا۔

''اور بڑی عجیب باتیں ہوتی ہیں عالیہ! فرض کرو میں ہوں تم میرے اوپر بہت زیادہ بھروسا کرتی ہو' اگر تمہیں یہ پتا چل جائے کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم سے کہتا رہا ہوں تو تم پر کیا اثرات ہوں گے۔''

''یہ دوسری عجیب بات ہے''

''ہر بات کو اپنے ترازو پر مت تولا کرو' مجھے جواب دو اس بات کا۔''

''شہزادہ خرم! اگر سچ نہ بولنا تمہاری کوئی ایسی ہی مجبوری ہوئی جسے تم ٹال نہ سکو تو تمہارے لئے میرے پاس معافی کی گنجائش ہوگی اور اگر تم نے صرف مجھے بے وقوف بنانے کے لئے جھوٹ بولا ہوگا تو یقین کرو اس طرح غائب ہو جاؤں گی تمہاری نگاہوں کے سامنے سے کہ کائنات کی وسعتوں میں تلاش کرو گے۔ تب بھی نظر نہیں آؤں گی میں تمہیں۔'' عالیہ کا لہجہ جذباتی ہو گیا اور علی خیر محمد سمندر کی جانب دیکھنے لگا۔ بہت دیر تک وہ دیکھتا اور سوچتا رہا ان تین ملاقاتوں میں بارہا اس کے ذہن میں اس طرح کے خیالات آئے تھے اور اس نے عالیہ سے بھی ایسی ہی باتیں کی تھیں۔ وہ سوچتا رہا تھا اوصاف سے بھی اس دن کے بعد سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پھر چند روز کے بعد ایک دن اچانک عالیہ کے گھر جا پہنچا۔ اس وقت نہ تو عالیہ گھر پر موجود تھی نہ مرزا طارق بیگ! ملازموں سے معلومات حاصل کیں تو ملازموں نے بتایا کہ سب لوگ گئے ہوئے ہیں' تب اس نے نیاز اللہ کے بارے میں پوچھا۔

''دادا جان موجود ہیں''

''ہاں وہ اپنے حجرے میں ہیں''

''میں ادھر جانا چاہتا ہوں'' علی خیر محمد نے کہا۔

''آپ ادھر سے آ جائیے'' ملازم بولا' علی خیر محمد کے بارے میں ملازموں کو بتا دیا گیا تھا کہ اس کی کیا حیثیت ہے اور اسے ہر طرح کی عزت اور احترام دیا جائے۔ چنانچہ علی خیر محمد حجرے کی جانب چل پڑا' حقیقت یہ تھی کہ وہ آج آیا ہی نیاز اللہ صاحب کے پاس تھا۔ نیاز اللہ صاحب نے بڑی خوش دلی سے اس کا خیر مقدم کیا۔

''تمہیں یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے بیٹے!''

''کیوں دادا جان؟''

''نہیں میرا مطلب ہے' ان لوگوں کے ملنے والے ذرا جدید دور کے لوگ ہوتے ہیں' وہیں تک آتے ہیں اور وہیں تک محدود رہ جاتے ہیں۔ فقیر کے اس حجرے میں انہیں کچھ بھی نہیں ملتا اس لئے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتا۔''

''میں تو خاص طور سے آپ کے پاس آیا ہوں دادا جان! یہ سوچ کر کہ دوسرے میرا راستہ نہ روکیں اور بعض اوقات انسان کی سوچ کتنی مکمل ہوتی ہے' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ مجھے تنہا مل جائیں گے۔''

''میرے پاس آئے ہو''

''آؤ بیٹھو مجھے تمہارے آنے سے بہت خوشی ہوئی'' نیاز اللہ صاحب نے کہا اور علی

خیر محمد ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ نیاز اللہ صاحب گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ علی خیر محمد تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''دادا جان! میں زیادہ معلومات نہیں رکھتا دنیا کے بارے میں میرے دل نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور اپنی بے قراری کا حل تلاش کروں' سو میں آپ کے پاس آ گیا ہوں مجھے کام ہے آپ سے۔ آپ بزرگ ہو دادا جان! آپ نے دنیا مجھ سے زیادہ دیکھی ہے' آپ کو دنیا کے بارے میں مجھ سے زیادہ معلومات ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے رہنمائی حاصل کروں'

''بیٹا! کچھ دے سکتا ہوں تمہیں تو ضرور دوں گا' اس بات پر یقین رکھو'

''مجھے کوئی اچھا بول سنائیے دادا جان! جیسا کہ آپ بولتے ہیں۔ مجھے نصیحت کیجئے' میں آپ کی نصیحت سننا چاہتا ہوں''

''ایک بات ہی تمہیں بتاؤں اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو صرف اللہ پر ایمان رکھو' دوسروں سے کچھ نہ مانگو اور اگر یہ منظور ہو کہ اپنے راز سے دشمن بھی واقف نہ ہونے پائے تو اس راز کو اپنے دوست سے بھی خفیہ رکھو' لیکن اگر کسی کو محرم بنالو تو پھر اس پر بھروسا کرو'

''اور''

''جب دنیا کسی انسان کے پاس آتی ہے تو اسے غیروں کی خوبیاں دے دیتی ہے اور جب اس سے منہ پھیر لیتی ہے تو پھر اس کی ذاتی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے جو کچھ سننا چاہتے ہو مجھے بتاؤ؟ جو کہنا چاہتے ہو دل کھول کر کہو' تاکہ میں بھی کھلے دل سے تمہاری بات کو سمجھ کر تمہاری مدد کر سکوں'

''دادا جان! آپ کو کچھ سچ بتانا چاہتا ہوں' بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں آگے بڑھا دیں'

''بولو' بولتے رہو'

''دادا جان! میں وہ نہیں ہوں جو میں نے خود کو یہاں بتایا ہے میرا تعلق سندھ کے ایک گوٹھ سے ہے' ایک وڈیرے کا بیٹا ہوں' پتا نہیں تقدیر کی خرابی تھی یا حالات کی مشکل' دوسروں کے چنگل میں پھنسا دیا گیا ہے' میری تقدیر کا فیصلہ نہ میرے ماں باپ کر سکتے ہیں نہ میں خود' آپ کہو اور اگر آپ کے پاس وقت ہو تو میں آپ کو پوری تفصیل بتاؤں'

''ہاں' میں تفصیل سننا چاہتا ہوں'' علی خیر محمد نے بچپن سے لے کر آج تک کی تفصیل اسے سنا دی۔ ایک ایک لفظ بتا دیا اور بہت ہی کھلے دل کے ساتھ اپنی ایک ایک کمزوری کی

داستان سنا دی۔ یہ بھی بتایا اس نے کہ اسے شہزادہ خرم صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ مرزا طارق بیگ تک رسائی حاصل کرے اور اس کے بعد مرزا طارق بیگ کی بیٹی سے شادی کرے' یہ سارا کھیل اسے بتایا گیا ہے' اس نے کہا۔

''لیکن اب میرے دل میں سچائیاں اتر آئی ہیں' آپ ایسا کرو دادا سائیں! مرزا صاحب کو میرے بارے میں تفصیل بتا دو' ان سے کہو کہ وہ مجھ سے واقفیت کا اظہار کریں اس کے بعد مجھے جیل بھجوا دیں' تاکہ یہ قصہ ختم ہو جائے' میں کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہتا بابا! میرے دل میں بہت سی امنگیں' آرزوئیں جاگی ہیں' میں آپ کو اپنا وکیل بناتا ہوں''

''ایک منٹ بیٹے! ایک منٹ اتنی بڑی ذمے داری مجھ پر نہ ڈالو' تم نے مجھ پر جو اعتماد کیا ہے' میں آخری وقت تک کوشش کروں گا کہ اس اعتماد کو قائم رکھوں' تمہارے لئے جو کچھ میں کر سکتا ہوں وہ کروں گا۔ کیونکہ تم نے مجھے اپنا سچ سنایا ہے' ابھی شہزادہ خرم بن کر ہی اپنے گھر میں رہو۔ کسی پر یہ نہ ظاہر ہونے دو کہ تم نے کسی کو اپنا راز دار بنالیا ہے۔ میں نے تم سے ایک بات کہی نا اپنا راز اپنی ذات تک رکھو تاکہ تمہارے دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھالیں زیادہ سے زیادہ تم نے مجھے اپنا راز دار بنایا ہے۔ تم بے فکر رہو' تمہارے اس سچ کا تمہیں انعام ملے گا اور سنو' دادا سائیں! کہا ہے تم نے مجھے دل کی بات بتائی ہے اپنی' اب جو مشورہ میں دوں اس پر عمل کرنا''

''ٹھیک ہے دادا سائیں! آپ اطمینان رکھو آپ جو حکم کرو گے میں ویسا ہی کروں گا''

''اپنے رویے میں ذرا بھی تبدیلی پیدا مت کرنا جس طرح عالیہ سے ملتے ہو اسی طرح ملتے رہنا' دل کی بات ابھی اسے بھی نہیں بتانا''

''ٹھیک ہے دادا سائیں!''

''بس اب جاؤ' میں تم سے رابطہ قائم کروں گا' ویسے بھی تم مجھ سے ملتے تو رہو گے نا''

''ہاں دادا سائیں! آپ سے مل کر مجھے بہت سکون ہوا ہے اور اس کے بعد جب علی خیر محمد یہاں سے نکلا تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے زندگی کا بہت بڑا بوجھ اس کے سر سے اتر گیا ہو' وہ اپنے آپ کو بہت شدید ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا اور اسے اپنی کیفیت پر بڑی حیرت تھی' یہ کیا ہوا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس کے۔

شرجیلہ بستر پر جا پڑی تھی' جو انکشاف اس پر ہوا وہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ شدید

تھا۔ اتنی بڑی بات اس طرح آسانی سے کھل جائے گی اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا لیکن اب اس کے بعد جو سوچ رہی تھی وہ بہت سنگین تھا وہ اس سازش کو منظر عام پر لانا چاہتی تھی اوراس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ زندگی کی قیمت پر بھی ان حقیقتوں کو دنیا کے سامنے لائے بغیر نہیں رہے گی۔ لیکن تنہا ذات اتنا کچھ کیسے کرے گی' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ غازی شاہ کے بارے میں سوچتی تھی۔ ظاہر ہے غازی شاہ کیتھرائن کے اشاروں پر چل رہا تھا وہ اس سے الگ ہٹ کر نہیں سوچتا تھا۔ اس نے وہی کہا تھا' جو کیتھرائن نے چاہا تھا وہ ہر طرح سے کیتھرائن کا ہمنوا تھا۔ ورنہ ماں کے سامنے حقیقتوں کو ضرور لے آتا۔ چنانچہ غازی شاہ پر بھروسا کرنا تو ایک بے کار سی بات تھی' اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کسے اپنا رازدار بنائے کیا مکرم شاہ کو' افریشم کو لیکن یہاں یہ خطرہ بھی مول نہیں لے سکتی تھی' کیتھرائن جیسی چالاک عورت اگر پہلے سے اسے یہ پتا چل گیا کہ میں اس بات سے واقف ہو چکی ہوں تو نہ جانے کیا کر ڈالے۔ چنانچہ مکرم شاہ پر بھی بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا' کیونکہ بہر حال بھائی سے محبت کرتا تھا اور نہ جانے کیوں اپنے آپ کو مجرم سمجھتا تھا۔ پھر لے دے کر دین بخش رہ جاتا تھا' جو اس کے ساتھ تعاون کر سکتا تھا۔ باقی قرب وجوار کی صورتحال تو کافی خطرناک تھی' سوچتی رہی' سوچتی رہی اور اس کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی بن پڑے کراچی جا کر شمیلا سے ملاقات کرے اور صحیح طور پر صورتحال کا اندازہ لگائے۔ بہر حال یہ تمام باتیں وہ اپنے طور پر سوچتی رہی تھی اور پھر ایک بار اس نے پھر دین بخش سے رابطہ قائم کرنے کے لئے کاوشیں کیں۔ کوئی چار دن میں جا کر دین بخش کی اور اس کی ملاقات ہو سکتی تھی۔ تب اس نے دین بخش کو اپنے پروگرام کی تفصیل بتائی اور دین بخش کہنے لگا۔

''آپ جیسا مناسب سمجھو لیکن بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا''

''یہ بات میں اس لئے کہہ رہی ہوں دین بخش! کہ تم خود وہاں موجود ہو' پہنچ گئے ہو نا''

''جی بیگم سائیں! میں تو اپنا کام خوشی سے سرانجام دے رہا ہوں' کوئی نیا حال نہیں ہے ادھر کا سب ٹھیک ٹھاک ہے''

''ایسا کرو مجھے وہاں کسی اور حیثیت سے نہ لے جاؤ' بلکہ اپنی بہن بنا کر لے جاؤ' ملازموں کے کوارٹر میں رکھو'

''بیگم سائیں! یہ اچھا تو نہیں لگے گا''

''دین بخش! اگر کام کو بہتر طریقے سے کرنا چاہتے ہو تو ایسا ہی کرو'

''مگر آپکو بھیس بدلنا پڑے گا بیگم سائیں!''

''مشکل نہیں ہوگا میرے لئے' میں بس ذرا شمیلا کو دیکھنا چاہتی ہوں یہ تو بعد میں ہی فیصلہ کروں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے''

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! آپ جیسا مناسب سمجھو اور اس کے بعد شرجیلہ نے اپنے کھیل کا آغاز کر دیا۔ ایک رات کو وہ اپنا سینا پکڑ کر چیخنے چلانے لگی' فوراً ہی مکرم شاہ اور افریشم تک بات پہنچی۔ شرجیلہ یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ ان لوگوں کو بھی حقیقت سے آگاہ نہیں کرے گی چنانچہ وہ تڑپتی اور چیختی رہی۔ گوٹھ میں تو ڈاکٹر وغیرہ ذرا کم ہی ہوا کرتے تھے پھر بھی ایک ڈاکٹر ٹائپ کی چیز آئی اور اس نے چیک اپ کیا اور پھر مشورہ دیا کہ بڑی بیگم سائیں کو شہر کے کسی ہسپتال لے جایا جائے۔ چنانچہ فوری طور پر تیاریاں ہوئیں خود غازی شاہ بھی شریک تھا' کیتھرائن البتہ دیکھنے تک نہیں آئی تھی۔ پجارو میں لٹا کر شرجیلہ بیگم کو کراچی لے جایا گیا اور پھر ایک بہت اچھے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ درد کی کوئی شکل نہیں ہوئی' ڈاکٹر ٹیسٹ وغیرہ کرنے لگے اور شرجیلہ بیگم کو وہاں داخل کر لیا گیا۔ تین دن تک بیٹوں نے تیمارداری کی شرجیلہ بیگم نے دوسرے ہی دن اپنی بہتر کیفیت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا۔

''دیکھو میں کچھ دن ہسپتال میں رہنا چاہتی ہوں' گوٹھ کی فضائیں مجھے راس نہیں آرہیں وہاں مجھ پر ایک ذہنی بحران طاری رہتا ہے''

''تو پھر بیگم سائیں! اگر آپکی طبیعت ٹھیک ہے تو ہسپتال ہی میں کیوں رہو' کچھ دن کے لئے ہم آپ کا کسی اچھے ہوٹل میں بندوبست کئے دیتے ہیں۔

''مگر میں تنہا نہیں رہنا چاہتی ہوں' یہاں کم از کم میرا واسطہ نرسوں ہی سے رہے گا''

''ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی'' ان لوگوں کے لئے بھلا یہ کیا مشکل کام تھا' ایک آدھ دن گزرنے کے بعد مکرم شاہ اور غازی شاہ وغیرہ سب چلے گئے' افریشم نے ساس کے پاس رہنا چاہا تھا لیکن شرجیلہ بیگم نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تنہائی انہیں بہت پسند ہے جب سب چلے گئے تو دین بخش ان کے پاس پہنچ گیا۔''

''جی بیگم سائیں!''

''دین بخش! کام شروع کر دو''

''بیگم سائیں! آپ ہسپتال سے کیسے باہر جاؤ گی؟''

''ٹہلتے ہوئے نکل جاؤں گی تم اس کی بالکل پروا مت کرو''

''بیگم سائیں! میں نے کپڑے وغیرہ تو حاصل کر لئے ہیں' گھر میں کہنا باقی ہے''

''کل کا انتظام کر لو'

”ٹھیک ہے بیگم سائیں!“ اور اسی دن دین بخش نے رقیہ سے کہا۔

”میری بڑی بہن وہ چار دن کے لئے یہاں آنا چاہتی ہے' اگر شمیلا بیگم سائیں اجازت دیں“

”ہاں کیوں نہیں' میں شمیلا بیگم سے پوچھ لیتی ہوں“ ناگی بابا نے دین بخش سے کہا۔

”یار دین بخش! یہ تو نے کیسی غیروں جیسی باتیں کیں۔ تیری بہن ہماری بہن نہیں ہے ہم اس کا خیر مقدم کریں گے“

”بہت شکریہ“ اور اس کے بعد بدلے ہوئے حلیے میں شرجیلہ ڈیفنس کی اس کوٹھی میں پہنچ گئی جہاں ناگی بابا اور شمیلا رہا کرتے تھے' ناگی بابا بھی شرجیلہ بیگم کو نہیں پہچانتا تھا۔ یہ حویلیوں کی چیز تھی' گھروں سے باہر بہت کم آتے تھے یہ لوگ' بہر حال ملازموں کے کوارٹر میں شرجیلہ بیگم پہنچ گئی اور اس کے بعد شمیلا نے اس سے پہلی ملاقات کی۔ شمیلا کو دیکھ کر شرجیلہ کے دل میں عجیب سا محبت کا طوفان امنڈا تھا۔ شمیلا نے بڑی محبت سے اس کا خیر مقدم کیا اور بولی۔

”آپ ہماری بڑی ہو اماں! آپ کے آنے سے ہم بہت خوش ہیں' آپ کے بچے ہیں“

”ہاں اللہ سائیں نے مجھے بیٹے دیئے ہیں اور اللہ سائیں انہیں خوش رکھے میں ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں“

”آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے آپ یقین کریں میرا دل چاہتا ہے کہ آپ بہت دن تک میرے ساتھ رہیں' مجھے آپ کے ساتھ رہنے سے بڑی خوشی ہوگی۔“

”اللہ سائیں! تمہیں خوش رکھے بیٹا! مگر میں کچھ عجیب سا محسوس کر رہی ہوں' شرجیلہ بیگم نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

”کیا...... میں سمجھی نہیں؟“

”بیٹا! مجھے نہ تو تمہارا شوہر یہاں نظر آ رہا ہے نہ تمہارے بچے وغیرہ“ اس تذکرہ پر شمیلا کے چہرے پر ایک ہلکی سی اداسی پھیل گئی تھی' شرجیلہ غور سے شمیلا کا چہرہ دیکھ رہی تھی' شمیلا نے آخر کار کہا۔

”میرے شوہر گوٹھ میں رہتے ہیں' کبھی کبھی میرے پاس ملنے کے لئے آتے ہیں۔ تھوڑے دن پہلے اللہ نے ہمیں ایک بچہ دیا تھا پر واپس لے لیا۔“

”اوہ...... بڑا افسوس ہوا یہ سن کر کے بیٹا! تمہارا شوہر تمہارے پاس کیوں نہیں رہتا“

”بس اماں! گوٹھ میں رہتے ہیں وہ' وہاں ان کی دوسری بیوی موجود ہے“

”دوسری بیوی“

”ہاں“ اور اس کے بعد شمیلا نے وہی کہانی سنائی جو دین بخش سے معلوم ہوئی تھی' شرجیلہ نے کہا۔

”بہت افسوس ہوا بیٹا! لیکن فکر کی بات نہیں' اللہ تمہیں پھر سے بامراد کرے گا“ بہت دیر تک شرجیلہ شمیلا سے باتیں کرتی رہی' بڑی معصوم اور سیدھی سادی لڑکی تھی۔ شمیلا لیکن جب شرجیلہ وہاں سے واپس لوٹی تو اس کے اپنے دل میں بہت سے خیالات تھے' دین بخش سے ہسپتال میں ہی ملاقات ہوئی تھی۔

”ہاں دین بخش! مل لی اس سے میں بے چاری کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔ مگر دین بخش یہ کوئی حل نہیں ہے۔ میرے ذہن نے تو میرا ساتھ دینا چھوڑ دیا ہے' تم سوچو دین بخش کوئی ایسی ترکیب سوچو جس سے کچھ کام بنے کیا سمجھے میں اس لڑکی کو اس کا مقام دلانا چاہتی ہوں۔ غلط ہے یہ سب کچھ کیتھرائن آخر کار اوندھے منہ زمین پر گرے گی۔ لیکن اس لڑکی کی حفاظت ضروری ہے' ہونا چاہیے کچھ ہونا چاہیے“

”بیگم سائیں! آپ جیسا حکم کرو کرتے ہیں بات“

گھانچی مسلسل تگ ودو میں لگا ہوا تھا موقع پانے پر اس نے امیر شاہ سے کہا۔

”سائیں! بڑے دلچسپ معاملات چل رہے ہیں' علی خیر محمد گوٹھ میں پولیس مسلسل علی خیر محمد کو تلاش کر رہی ہے' پتا نہیں علی خیر محمد کہاں چلا گیا“

”اوہ بے وقوف! کیتھرائن اسے سائیں فضل شاہ کے پاس چھوڑ کر گئی تھی سائیں فضل شاہ کسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دے تو پھر اس کے لئے کیا پریشانی رہ جاتی ہے“

”تو سائیں فضل شاہ نے اس کے لئے کیا کیا“

”کراچی میں بے مزے کی زندگی گزار رہا ہے اور کیا چاہیے اسے سائیں فضل شاہ کا ہاتھ جب تک اس کی کمر پر ہے پولیس اس تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔“

”تو کراچی میں وہ کیا کر رہا ہے“

”ابے رہ رہا ہے ادھر تو میرا دماغ مت کھا چل پھٹ ادھر سے“ امیر شاہ نے گھانچی کو ڈانٹ کر بھگا دیا لیکن گھانچی نے قربان سے فوراً ہی ملاقات کی اور کہا۔

”سائیں! بس اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ ٹھیک ہے اور کراچی میں رہتا ہے“

”یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی' کہاں رہتا ہے؟ کیسے رہتا ہے؟ اس کا کوئی پتا چلے“

”آپ بے فکر رہو سائیں! یہ تو پہلا کام ہے جو میں نے کیا ہے ابھی جب موقع

ملا امیر شاہ کے ساتھ کراچی جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے''

''ہاں'' قربان نے یہ بات غازی شاہ کو بتائی اور غازی شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا' بہر حال غازی شاہ ان دنوں جس ذہنی بحران سے گزر رہا تھا وہ بہت شدید تھا۔ کیتھرائن سے طبیعت اچاٹ سی ہوتی جا رہی تھی' اس عورت نے بے شمار سازشیں کر ڈالی تھیں اور غازی شاہ اس کا آلہ کار بنا ہوا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ماں سے بدتمیزی کر رہی تھی' غالباً ماں اسی لئے بیمار ہو گئی تھی' غازی شاہ کو پتا بھی نہیں لگا تھا جب شرجیلہ بیمار ہوئی تو بہ مشکل تمام اسے شہر لے جایا گیا تھا۔ بہر حال وہ ٹھیک ہو کر واپس آ گئی تھی' لیکن غازی شاہ کو اس کی پوری پوری امید تھی کہ کیتھرائن نے جو گھاؤ شرجیلہ کے دل پر لگائے ہیں' شرجیلہ اسی کی وجہ سے بیماری کا شکار ہوئی ہے۔ بہر حال قربان نے جب یہ تفصیل بتائی تو غازی شاہ برداشت نہیں کر سکا اور آخر کار فضل شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ فضل شاہ نے معمول کے مطابق غازی شاہ کا استقبال کیا تھا۔

''کہو غازی شاہ! کیا ہو رہا ہے تمہارے علی خیر محمد گوٹھ میں''

''بابا! علی خیر محمد گوٹھ میں تو سب ٹھیک ہے تمہارے پاس ایک کام سے آیا ہوں' میرا وہ کام کر دو''

''حکم کرو میر جان! دوست ہو تم میرے پرانے''

''وہ لڑکا کہاں ہے میرا مطلب ہے میرا بھتیجا''

''علی خیر محمد''

''ہاں''

''کیوں بابا! اس کا خیال کیسے آ گیا''

''میں نے تمہیں بتایا اور تمہیں خود بھی پتا ہے بھتیجا ہے وہ میرا''

''وہ تو ہے پر ابھی اس کو کیوں پوچھ رہے ہو''

''فضل شاہ! اسے میرے حوالے کر دو''

''کیا؟'' فضل شاہ چونک پڑا۔

''ہاں اسے میرے حوالے کر دو''

''مگر بابا وہ ادھر ہے کدھر' یار! کمال کرتے ہو آپ لوگ بھی آپ کی مسز اسے میرے پاس لائیں اور کہا کہ اسے اپنی تحویل میں لے لوں بابا! کسی دوسرے کی اولاد کو اپنے قبضے میں رکھنا کتنا مشکل کام ہے یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا اور پھر ایسا قاتل جس کی تلاش میں

پولیس لگی ہوئی تھی۔ جب کیتھرائن بی بی سے میں نے وعدہ کر لیا کہ ٹھیک ہے آپ اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ تو آج آپ اس کے بارے میں پوچھنے آئے ہو''

''فضل شاہ! عورت ناقص العقل ہوتی ہے کیتھرائن نے غلط فیصلہ کیا تھا اسے تمہارے پاس پہنچا دیا''

''ٹھیک کہتے ہو بابا سائیں! ٹھیک کہتے ہو۔ عورت ناقص العقل ہوتی ہے' مرد تو نہیں ہوتا''

''مطلب''

''تمہاری بیوی ہے وہ تم سے پوچھے بغیر سارے کام کر لیا کرتی ہے''

''یہی تو نادانی کی تھی اس نے''

''نادانی اس نے کی تھی غازی شاہ سائیں! میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں تھا' میں تو تمہاری بیوی کو صرف تمہارے حوالے سے جانتا تھا' میں نے جو کچھ کیا اس کے لئے نہیں تمہارے لئے کیا''

''میں تم سے اسے بارے میں کوئی شکایت تو نہیں کر رہا فضل شاہ! بس میں چاہتا ہوں تم اسے میری تحویل میں دے دو''

''ارے ایسے کیسے دے دیں' جو کچھ ہم نے اسے کے لئے کیا ہے' آپ کو نہیں معلوم وہ قاتل تھا۔ آپ کا کیا خیال ہے' پولیس اسے چھوڑ دیتی' ہم نے اسے باہر نکال دیا ملک سے بہت لمبا بھیج دیا ہے۔ ابھی کوئی چانس نہیں ہے کہ وہ واپس آ جائے۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم فضل شاہ!''

''ٹھیک بولا نا بابا''

''تم نے مجھ سے پوچھے بغیر ایسا کیوں کر دیا''

''اس لئے کہ تمہاری بیوی مجھ سے اس کے لئے کہہ کر گئی تھی اور مکمل طور پر ہمارے حوالے کر کے گئی تھی۔

''فضل شاہ! کس جگہ بھیجا ہے تم نے اسے' اس کو واپس بلانا میرا کام ہے''

''نہیں ایسے نہیں' بابا سائیں! ایسے نہیں' ہم نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے' اب آپ بھول جاؤ اس کو وہ آپ کو نہیں ملے گا''

''ارے کیسے نہیں ملے گا فضل شاہ! تمہیں بتانا ہو گا''

''غازی شاہ! تمہیں پتا ہے کہ تم اس وقت کہاں موجود ہو''

''اوہ اپنے گوٹھ کی دھمکی دینا چاہتے ہو تم''

''دھمکی نہیں، تم جس زبان میں مجھ سے بات کر رہے ہو اس زبان میں لوگ مجھ سے بات نہیں کرتے ہیں۔''

''مگر میرا نام غازی شاہ ہے''

''چھوڑو غازی شاہ! علی خیر محمد گوٹھ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کس کے نام پر ہو رہا ہے۔تمہارے نام پر سائیں مکرم شاہ کے نام پر' یا میرے کو معاف کرنا سائیں' حاکم علی شاہ کے نام پر۔''

''فضل شاہ کیا تم چاہتے ہو کہ یہاں سے میں جاؤں' تمہارے خلاف دل میں دشمنی کا پودا لگا کر جاؤں''

''دیکھو بابا! ہم تو دوست ہیں' دوستی کرتے ہیں لیکن اگر کوئی ہم سے دشمنی کرنا چاہے تو ہم دشمن کا بھی خیر مقدم کرتے ہیں اور تم نے یہ الفاظ خود کہیں ہیں اس لئے' ٹھیک ہے اب ایسا کرو عزت سے ہمارے گوٹھ سے باہر نکل جاؤ اور اس کے بعد دشمنی کرو ہم سے'' غازی شاہ فضل شاہ کو گھورتا رہا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''نیاز اللہ صاحب! ہمیشہ ہی غیر متوقع طور پر ان لوگوں کے درمیان پہنچتے تھے۔

ویسے مرزا طارق بیگ اپنے باپ کی دل جان سے عزت کرتا تھا اور ہمیشہ اپنے باپ کے سامنے دست بستہ رہتا تھا۔بعض اوقات بہت بڑے لوگ اپنے کچھ ایسے اصول بنا لیتے ہیں جن میں بڑی اچھائیں چھپی ہوتی ہیں' باپ کی عزت' بات کا احترام مرزا طارق بیگ کے لئے بہت بڑا انعام تھا۔اس کے اہل خاندان بھی نیاز اللہ کی بڑی عزت کرتے تھے اس وقت عالیہ یہاں موجود نہیں تھی' مرزا طارق بیگ اور اس کی بیوی بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ نیاز اللہ صاحب دور سے آتے ہوئے نظر آئے۔دونوں مستعد ہو گئے۔

''ابا جان! آرہے ہیں''

''ہاں''

''کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرو''

''یہ کہنے کی بات ہے''۔مرزا طارق بیگ کی بیوی نے کہا۔'' نیاز اللہ کو عزت اور احترام سے انہوں نے اپنے درمیان بٹھایا۔بہو نے چائے بنا کر دی نیاز اللہ نے بڑی خوشی سے چائے قبول کرلی۔چائے پیتے رہے پھر ایک دم ہنس پڑے۔دونوں چونک کر انہیں دیکھنے لگے تو نیاز اللہ نے کہا۔

''ہنسی اس بات پر آتی ہے کہ کبھی کبھی انسان کا مسخرہ پن بھی لوگوں کے لئے بڑی چیز بن جاتا ہے' وہ بچہ آیا تھا میرے پاس میری تو عادت ہی ہے۔الٹی سیدھی باتیں کرنے کی' کوئی بات اس کے دل کو لگ گئی تھی' کھٹ سے مجھے اپنا مرشد بنا بیٹھا۔اب بتاؤ ساری زندگی چوہے کھائے ہیں نو سو سے کچھ زیادہ ہی ہوگئے ہوں گے اور اب بنے ہیں نیاز اللہ صاحب مرشد! نیاز اللہ صاحب خوب ہنسے' بہو بیٹا بھی ان کی ہنسی میں شریک ہو گئے تھے' طارق بیگ نے کہا۔

''مگر ابا میاں! آپ نے کوئی گنڈے تعویذ کا کاروبار تو شروع نہیں کیا ہے' یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کس بچے کی بات کر رہے ہیں آپ''

''بیٹھو میاں بیٹھو' وہی تمہارا شہزادہ خرم!''

''آپ کے پاس آیا تھا''

''ہاں کل دوپہر' تم گئے ہوئے تھے سارے کے سارے''

''اچھا بتایا نہیں کسی نے ہمیں''

''نہیں بتایا ہوگا بس میرے پاس بیٹھا اور چلا گیا''

''کہاں بیٹھا تھا آپکے پاس؟''

''حجرے میں آگیا تھا اور ہنسی آئے گی تمہیں یہ سن کر کہ میرے ہی پاس آیا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ تم لوگوں سے اس کی ملاقات ہو''

''ارے کیا واقعی؟'' طارق بیگ نے حیرت سے بیوی کو دیکھا۔

''ہاں' کیا تمہارا خیال ہے میں جھوٹ لوگوں گا تم سے' اصل میں اس کے دل میں سچ جاگ اٹھا تھا اور انسان کسی کو اپنا مرکز بنا کر ہی اپنے سچ کا اظہار کرتا ہے۔''

''سچ''

''ہاں وہ بہت کچھ مجھے بتانے آیا تھا' میں تمہیں بتاؤں قابل فخر لڑکا ہے' اتنا اعلا ظرف ہے' اتنا بڑا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے''

''آپ کو پسند ہے ابا میاں؟'' مرزا طارق بیگ نے کہا۔

''بات سنو' پہلے پوری بات سنو' جلد بازی اچھی چیز نہیں ہوتی' بہت بڑا انکشاف کرنے آیا ہوں تمہارے سامنے۔''

''کیسا انکشاف'' طارق بیگ اب کسی قدر سنجیدہ ہو گیا''

اس کا نام شہزادہ خرم نہیں بلکہ علی خیر محمد ہے' وہ کینیا سے نہیں' علی خیر محمد گوٹھ سے آیا ہے۔جو سندھ کا ایک بڑا گوٹھ ہے' وہ سندھی ہے اور اس کی زبان میں جو فرق نمایاں طور پر تمہیں

نظر آیا تھا‘ وہ کینیا میں رہنے کی وجہ سے نہیں ہے‘ بلکہ وہ اردو سندھی لہجے میں بولتا ہے‘‘ میاں بیوی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا‘ نیاز اللہ نے کہا۔

’’فضل شاہ کو جانتے ہونا‘‘

’’فضل شاہ وہ وڈیرہ‘‘

’’ہاں‘ تمہارا کاروباری حریف ہے وہ‘‘

’’ہاں ہے‘‘

’’اس نے یہ ناٹک کھیلا تھا‘ اس نے علی خیر محمد کو اپنا آلہ کار بنایا‘ یہاں اسے کوٹھی دلوائی اس لئے کہ علی خیر محمد تمہاری بیٹی سے پینگیں بڑھائے اور اس کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ تم اپنی بیٹی کی شادی علی خیر محمد سے کرو‘ وہ تمہارا داماد بن جائے اس کے بعد فضل شاہ! تمہاری گردن پر اپنا ہاتھ رکھ دے۔ تم صرف وہ کرو جو فضل شاہ کہے‘ یہ تھا مقصد فضل شاہ کا اور اس پر کام کر رہا تھا وہ علی خیر محمد کے ذریعے‘ مرزا طارق بیگ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔

’’مگر ابا میاں! آپ کو اس بارے میں تفصیل کیسے معلوم ہوئی‘‘

’’علی خیر محمد نے بتائی مجھے‘ وہ میرے سامنے اپنے سچ کا اعتراف کرنے آیا تھا‘ اس نے کہا کہ وہ ہم لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتا‘ کیونکہ ہم لوگ اچھے ہیں‘ اصل میں فضل شاہ سے ایک غلطی ہو گئی۔

’’کیا‘ مرزا طارق بیگ نے پوچھا۔

’’ایسے کام کے لئے اسے کسی کم ظرف کو منتخب کرنا چاہیے تھا‘ وہ اپنے آپ سے بہت بڑے آدمی کو استعمال کر بیٹھا‘ علی خیر محمد کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے‘ علی خیر محمد گوٹھ کے وڈیرے مکرم شاہ کا بیٹا ہے۔ ذرا اس کے بارے میں مجھ سے پوری تفصیل سن لو‘ بعض اوقات دیکھو کہانیاں کس طرح سے بنتی ہیں۔ کہاں سے شروع ہوتی ہیں اور کہاں تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک ایسی کہانی ہے جو کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ بات علی خیر محمد گوٹھ سے شروع ہوئی تھی‘ جب بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ بھیج دیا تھا اور چھوٹا بھائی وہاں سے ایک انگریز عورت سے شادی کر کے گھر واپس آ گیا تھا اور جب اس انگریز عورت کی پذیرائی نہ ہوئی‘ تو وہ اس خاندان سے انتقام لینے پر تل گئی۔‘‘ اور اس کے بعد نیاز اللہ نے علی خیر محمد کی سنائی ہوئی ساری داستان اپنی بہو اور بیٹے کو سنا دی۔ مرزا طارق بیگ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا تھا۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی

تھی۔

’’میرے خدا‘ میرے خدا‘ مگر علی خیر محمد نے یہ تمام باتیں آپ کو کیسے بتا دیں؟‘‘

’’آیا تھا میرے پاس کہنے لگا‘ ضمیر کی آواز کو دبا نہیں پا رہا ہے وہ حالانکہ بہت چھوٹی سی عمر ہے اس کی‘ بدنصیبی نے اسے قاتل بنا دیا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ مقامی پولیس اسے کبھی نہیں چھوڑے گی۔ ایک قاتل کو وہ لوگ کبھی معاف نہیں کریں گے‘ لیکن میں ایک بات جانتا ہوں مرزا طارق‘ لعنت ہے تمہاری اس دولت‘ تمہارے اس سارے اختیارات پر‘ اگر تم کائنات کے اتنے بڑے سچ کی حفاظت نہ کر سکو‘ اب مجھے یہ بتاؤ کیا سوچا ہے تم نے اس لڑکے کے بارے میں
‘‘

’’ابا جان! ابھی تو میرا ذہن جھنجنا کر رہ گیا ہے‘‘

’’نہیں کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم اس کے بارے میں بعد میں سوچو گے‘‘

’’نہیں مگر میں......‘‘

’’نہیں مرزا طارق بیگ! اگر تم ایک کامیاب اور کامران آدمی ہو تو ابھی اور اسی وقت سوچو اور مجھے بتاؤ کہ اب اس لڑکے کے بارے میں تمہارے کیا ارادے ہیں‘‘

’’دیکھیں ابا جان! اس نے جس طرح اپنے سچ کا آپ کے سامنے آ کر اعتراف کیا ہے‘ حقیقت یہ ہے کہ ہم کبھی اس سچ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس بات کو پورے خلوص دل سے ماننا پڑے گا کہ اس نے ایک اعلیٰ ظرف نوجوان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے پیچھے عالیہ کی محبت بھی ہو‘ محبت انسان کو اس قدر سچا بنا دیتی ہے کہ عام حالات میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میرا اپنا خیال یہی ہے کہ وہ سچ سچ عالیہ سے محبت کرنے لگا ہے اور جہاں تک مسئلہ اس کی اپنی ذات کا ہے تو جب ایک شخص اس قدر صاحب ظرف ہو اتنا بڑا ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے نفرت نہیں کی جا سکتی‘‘

’’جیتے رہو آخر ہو نا میری اولاد‘ ٹھیک ہے وقت نے تمہیں جن راستوں پر ڈال دیا ہے جو کچھ کر رہے ہو وہ تم جانو اور تمہارا کام جانے ہو سکتا ہے یہی وقت کی ضرورت ہو‘ لیکن جہاں تک علی خیر محمد کا مسئلہ ہے‘ مزید مجھے اس کے بارے میں بتاؤ کیا سوچا تم نے‘‘

’’ابا جان! ایک بہت بڑی ترکیب ہمارے ذہن میں ہے‘‘

’’ہاں بولو‘ یہ بات تھوڑی سی محنت کر کے بالکل کنفرم کر دی جائے کہ علی خیر محمد اصل میں شہزادہ خرم ہے۔ کینیا کا رہنے والا ہے‘ میرے لئے یہ کام مشکل نہیں ہوگا۔ میں وہاں اس قسم کے لوگ پیدا کر سکتا ہوں‘ میرے ہاتھ بھی چھوٹے نہیں ہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہو جائے گی کہ

علی خیر محمد' علی خیر محمد نہیں شہزادہ خرم ہ اور پھر ہم شہزادہ خرم کی حیثیت سے اس کی شادی اپنی بیٹی عالیہ سے کر دیں گے اور اسے شہزادہ خرم ہی رہنے دیں گے۔ اس کے ماں باپ کو اس سے ملا دیا جائے گا' یہ ظاہر کر کے کہ اس کی زندگی کے لئے ضروری ہے بلکہ کوشش کی جائے گی کہ سرکاری کاغذات سے اس کا نام اس حیثیت سے ہٹا دیا جائے۔ تا کہ اس کا رابطہ اپنے والدین سے رہے اور باقی اس کے بعد جب فضل شاہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لینے کے لئے یہاں تک آئے تو فضل شاہ کا دماغ درست کر دیا جائے۔ اس کا داؤ اسی پر مار دیا جائے' نیاز اللہ اپنی جگہ سے اٹھے' دونوں ہاتھ پھیلائے اور بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔

''تو بڑا آدمی ہے' مرزا طارق بیگ! مجھے فخر ہے تجھ پر کہ تم نے جذباتی حماقت کرنے کے بجائے ایک ذہین انسان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ درحقیقت اگر سچ کو اس طرح پذیرائی ملے تو آہستہ آہستہ دنیا کے بے شمار افراد جھوٹ بولنا چھوڑ دیں گے اور یہ دنیا کی کامیابی کا ایک بہت بڑا راستہ ہوگا تو اب ذہن میں رکھ اسی راستے پر آگے بڑھنا ہے اور اس پر چل کر ہم اپنے آئندہ پروگرام مرتب کریں گے''

''ٹھیک ہے ابا میاں! آپ بے فکر رہیں ایسا ہی ہوگا'' مرزا طارق بیگ نے کہا۔

''علی خیر محمد کی جیسے کایا ہی پلٹ گئی تھی' ایک دم سے جو تبدیلی اس کے اندر رونما ہوئی تھی وہ ناقابل یقین سی تھی' اکثر ماں باپ کے بارے میں سوچتا تھا' کیتھرائن کے لئے بھی دل میں برائی آتی تھی۔ اس عورت نے اسے کیسی کیسی نعمتوں سے محروم کر دیا تھا' ماں' باپ' دادی' گھر' علی خیر محمد کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس سے اس کا بچپن چھین لیا گیا ہو۔ وہ تو عام معصوم بچہ ہی تھا اسے کیا معلوم تھا کہ دنیا کیسی ہوتی ہے' لیکن بس یہ سب کچھ ہو گیا تھا اور وہ دکھ میں لپٹا رہا تھا۔ اس دن بھی عالیہ اس کے پاس آئی' علی خیر محمد نے نیاز اللہ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور نیاز اللہ بیگ نے اسے ہدایات دی تھیں۔ بس ایک عجیب سی کایا پلٹ ہو گئی تھی' اس کی زندگی میں عالیہ کے انداز سے البتہ یہ پتا چلتا تھا کہ اسے حقیقت کا کوئی علم نہیں ہے' عالیہ سے اس نے کہا۔

''عالیہ! دنیا پر اس قدر جلد بھروسا نہیں کر لینا چاہیے' تم نے ایک اجنبی پر اتنا بھروسا کر کے نادانی کا ثبوت دیا ہے''

''میری عمر ہی نادانی کی ہے' کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو'' عالیہ نے مسکراتے ہوئے شوخی سے کہا تھا۔

''عالیہ! پھر بھی ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے' کبھی کبھی کچھ لوگ بالکل بدلی ہوئی

شکل میں ملتے ہیں۔ اس سے تو کم از کم ہوشیار رہنا بڑا ضروری ہوتا ہے''

''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''اپنی''

''کیوں؟''

''ممکن ہے میرے سلسلے میں تم دھوکا کھا رہی ہو''

''تو میں دھوکا کھانا چاہتی ہوں'' عالیہ نے کہا۔

''بعض اوقات ایسے دھوکے زندگی بھر کا دکھ بن جاتے ہیں''

''زندگی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ شہزادہ خرم''

''کیا مطلب؟''

''کہہ رہے ہو نا کہ ایسے دھوکے زندگی بھر کا دکھ بن جاتے ہیں میرا نظریہ بالکل مختلف ہے''

''کیا ہے تمہارا نظریہ''

''یہ کہ زندگی تو خود ایک مختصر سی چیز ہے' اگر زندگی میں ایک بھی خوشی حاصل ہو جائے اور کچھ لمحوں کے لئے ہی حاصل ہو جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ یہی زندگی کا حاصل ہے' ورنہ سب کی ساری خواہشیں کہاں پوری ہوتی ہیں''

''اتنے گہرے انداز میں سوچتی ہو تم''

''ہاں'' علی خیر محمد خاموش ہو گیا' بہرحال ان دنوں بہت بری گزر رہی تھی اس پر راتوں کو جاگتا رہتا تھا۔ اوصاف سے بات ہوئی' اوصاف کے اندر بھی بڑی تبدیلی رونما ہو چکی تھی' اس نے کہا۔

''اوصاف! بہت پریشان ہوں میں''

''ہاں دیکھ رہا ہوں شہزادہ خرم!''

''اوصاف! مجھے کیا کرنا چاہیے مجھے بتاؤ''

''آپ کو پتا ہے امیر شاہ صاحب آئے تھے حمایت علی شاہ صاحب سے باتیں کی تھیں انہوں نے''

''ہاں مجھے امیر شاہ کے آنے کا علم ہے''

''پوچھ رہے تھے کہ کیا صورتحال ہے''

''تمہیں کیسے معلوم؟''

''حمایت شاہ صاحب نے بتایا تھا مجھے' ظاہر ہے میں بھی اس پروگرام کا ایک رازدار ہوں۔''

''بس انکا خیال ہے کہ جلد از جلد کام ہو جانا چاہیے' یعنی شادی کا مسئلہ''

''اوصاف! مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''

''ایک بات بتایئے آپ شہزادہ خرم! اصل میں میرے اندر بھی ایک تبدیلی رونما ہوئی ہے وہ تبدیلی یہ ہے کہ میں نے اپنی نوکری داؤ پر لگانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔شہزادہ خرم! اب میں آپ کے لئے وہ کام کروں گا جو آپ کے اندر کی خواہش ہوگی اور اگر اس کے نتیجے میں مجھے کوئی نقصان بھی پہنچا دیا جاتا ہے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔نوکری داؤ پر لگ جائے گی ہوسکتا ہے زندگی بھی داؤ پر لگ جائے۔لیکن زندگی کا کوئی اچھا مصرف نکل جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔آپ یقین کریں ان دنوں میں بھی آپ کے بارے میں بہت کچھ سوچتا رہا ہوں۔''

''کیا سوچتے رہے ہو؟ اچھا مجھے یہ بتاؤ اوصاف!''

''یہی کہ آپ کو بھٹکا کر بہت دور پہنچا دیا گیا ہے' زندگی کی تمام حقیقتوں اور راستوں سے جس طرح بھی بن پڑے آپ کو اپنے راستوں پر واپس آنا چاہیے۔''

''ہوں' ایک اچھا خیال ہے وہ جو میرے دل کو چھوتا ہے'' علی خیر محمد نے کہا پھر بولا۔

''میرے لئے راستے منتخب کرو اوصاف! میں بہت پریشان ہوں''

''میری بات مانیں گے''

''ہاں''

''آپ پر کسی کی پابندی تو ہے نہیں' آپ خفیہ طریقے سے علی خیر محمد گوٹھ جایئے' اپنے ماں' باپ اور دادی سے ملئے۔اس وقت سب سے زیادہ اضطراب انہیں ہی ہوسکتا ہے' ان کی دعائیں آپ کے لئے چھاؤں لائیں گی۔ان کی دعاؤں سے آپ کو نیک راستے ملیں گے'' علی خیر محمد نے حیران نگاہوں سے اوصاف کو دیکھا پھر بولا۔

''اوصاف! یہ خیال تو بہت اچھا آیا ہے تمہارے دل میں''

''جی شہزادہ خرم! میں آپ کے ساتھ ہر طرح سے شریک ہوں۔اگر آپ پسند کریں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔''

''ہاں میرا تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں ہوگا۔یہ کام میں اکیلے ہی کرلوں گا''

''آپ کو ایک بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے علی خیر محمد شاہ صاحب''

''بولو''

''پولیس کو آپکی تلاش ہے''

''کوئی غرور کی بات اب میں اپنے منہ سے نہیں نکالوں گا'' چونکہ میرا انداز فکر بدل چکا ہے' بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی مدد سے اپنے آپ کو پولیس کے چنگل سے بچا سکتا ہوں''

''بس اتنا ہی کہنا چاہتا تھا میں''

''مگر یہاں؟''

''آپ آزاد پنچھی ہیں' آزادی سے جایئے آیئے روکنے والا کون ہوگا آپ کو' زیادہ سے زیادہ آپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ آپ کہاں چلے گئے تھے۔آپ کہیں گے اپنی مرضی کے چند روز گزارنے گیا تھا۔آپ سے جواب طلب کرنے والا کون ہوسکتا ہے''

''ہوں' بات ٹھیک ہے اوصاف! میں کل شام یہاں سے نکل جاؤں گا بس سے بیٹھ کر علی خیر محمد گوٹھ جاؤں گا' بالکل ایک عام آدمی کی طرح تاکہ کوئی میرے بارے میں سوچ بھی نہ سکے''

''بالکل ٹھیک ہے آپ کو یہی کرنا چاہیے' علی خیر محمد اس بات پر آمادہ ہوگیا اوصاف بھی طے کرچکا تھا کہ یہاں سارے معاملات فیس کرے گا۔چنانچہ دوسرے روز علی خیر محمد شام کے جھٹپٹے میں گھر سے باہر نکل گیا دن میں تیاریاں کرلی گئیں تھیں' معمولی سا سندھی لباس ہلکا پھلکا سا میک اپ کا سامان جس سے چہرے کو تھوڑا سا تبدیل کیا جاسکتا تھا۔بالکل ایک خاص قسم کا دیہاتی بن کر وہ علی خیر محمد گوٹھ جانے والی بس میں جا بیٹھا اور رات کے خاصے گہرے وقت وہ علی خیر محمد گوٹھ کے اڈے پر اتر گیا۔یہاں سے کافی سفر پیدل طے کرنا تھا۔حویلی میں داخل ہونے کے لئے بھی اس کے پاس ایک خفیہ راستہ تھا۔خوش قسمتی یہ تھی کہ رات کے گہرے سناٹے میں کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا اور وہ حویلی تک پہنچ گیا تھا۔حویلی کا ماحول جوں کا توں تھا' علی خیر محمد اس جگہ پہنچ گیا جہاں پانی کی نکاسی کا ایک بڑا سا سوراخ موجود تھا۔بارش کے دنوں میں پانی ادھر سے نکلتا تھا۔اس سوراخ کے کنارے اوپر سے لے کر نیچے تک ایک مضبوط بیل لٹک رہی تھی۔بیل کے ذریعے اس سوراخ تک اور سوراخ سے حویلی میں داخل ہونا علی خیر محمد کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔البتہ بعد میں ذرا اسے خاص طور سے چھپنا پڑا تھا اور اس طرح چھپتا چھپاتا وہ آخر کار اس جگہ تک پہنچ گیا۔جہاں شرجیلہ بیگم کی رہائش گاہ تھی۔رہائش گاہ میں مدھم

مدھم روشنی ہو رہی تھی اور اندر سے اس قسم کی آہٹیں ابھر رہی تھیں جس سے یہ احساس ہو کہ شرجیلہ بیگم جاگ رہی ہیں۔علی خیر نے ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کھل گیا۔سامنے ہی شرجیلہ بیگم جائے نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔علی پر محمد نے پلٹ کر دروازہ بند کیا۔شرجیلہ بیگم کو کسی کے اندر داخل ہونے کا احساس ہو گیا تھا۔تسبیح کے دانوں پر پھونک مار کر انہوں نے دانوں کو چوما اور پلٹ کر دیکھا۔ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ کچھ لمحوں کے لئے ساکت رہ گئیں تھیں' کیتھرائن سے ہر طرح کے معاملات چل رہے تھے۔کبھی کسی وقت کیتھرائن اس پر حملہ بھی کر سکتی تھی۔علی خیر محمد نے جو حلیہ بنایا ہوا تھا وہ یہ تصور بھی نہیں ہونے دیتا تھا کہ یہ ایک نوعمر لڑکا ہو سکتا تھا۔نہ جانے کیسی کیسی گھٹڑیاں اس نے اپنے بدن پر لاد رکھی تھیں۔

ایک بڑی سی چادر کا بگل مارے ہوئے تھا' پھر بھی شرجیلہ بیگم متردد نہ ہوئیں اور انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

"کون ہو تم اور اس طرح میرے کمرے میں کیوں گھس آئے ہو؟ کیا چاہتے ہو اگر بتا دو تو تمہاری مہربانی ہو گی۔" علی خیر محمد آہستہ آہستہ داری کے پاس پہنچ گیا۔پھر اس نے اپنے سر سے سندھی ٹوپی اتاری چہرے پر سے وہ جھلی اتار دی۔جس سے اس کے چہرے کو گہرا نیلا کر رکھا تھا اور جس پر باریک باریک مونچھیں پھیلی ہوئی تھیں۔نیچے سے علی خیر محمد کا چمکتا دمکتا چہرہ نمودار ہوا۔ایک لمحے تک اس کی آواز کا کوئی مطلب نہ بن سکا۔کچھ ایسی ہی بدحواسی طاری ہو گئی تھی ان پر اور پھر وہ دہشت زدہ لہجے میں بولی۔

"علی خیر محمد یہ تم ہی ہو میں تمہیں ہی دیکھ رہی ہوں۔"

علی خیر محمد نے بدن سے گھٹڑیاں اتاریں اور دوڑ کر دادی اماں سے لپٹ گیا۔

"ہاں دادی سائیں! میں ہی ہوں یہ بڑی بیگم سائیں! یہ میں ہی ہوں آپ کا غلام، آپ کے قدموں کی خاک علی خیر محمد۔"

"تم......تم......تم کہاں سے آ گئے؟ کیسے ہو تم؟"

"بالکل ٹھیک ہوں آپ دیکھ لو بھلا چنگا، تگڑا، بالکل ٹھیک ہوں میں۔"

"کہاں چلا گیا تھا میرے بچے کہاں چلا گیا تھا؟" شرجیلہ کی ممتا ابھر آئی۔علی خیر محمد کو سینے سے لگا کر وہ بلک بلک کر روئی۔علی خیر محمد نے بھی اپنا سر اس کے سینے سے نہیں ہٹایا تھا۔وہ دیر تک شرجیلہ بیگم کے سینے سے لپٹا رہا۔"شرجیلہ بیگم نے کہا۔"

"کہاں چلے گئے تھے تم۔"

"دادی سائیں! بالکل ٹھیک ہوں میں بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی حویلی کی سازشوں کا شکار ہوں۔میں تو پیدا ہوتے ہی ان سازشوں میں لپٹ گیا تھا دادی سائیں۔"

"ہاں میرے بچے ہاں ایسا ہی ہوا تھا۔غلطی کس کی تھی کون جانے، کہاں سے اس غلطی کا آغاز ہوا تھا۔اللہ سائیں بہتر جانتا ہے۔وہاں سے جہاں غازی شاہ کو اعلا تعلیم کے لیے لندن بھیجا گیا تھا۔وہاں سے جب علی خیر محمد گوٹھ کے لوگوں نے انگریزوں سے بغاوت کی تھی۔کہاں سے یہ سارا سلسلہ شروع ہوا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا وہاں سے جہاں ہم نے اس انگریزن کا استقبال نہیں کیا تھا۔"

"بہرحال دادی سائیں! یہ ساری باتیں میں نہیں جانتا مجھ سے بہتر تو آپ جانتی ہیں پر دادی سائیں! نشانہ میں بنا اس کا کیتھرائن نے مجھے اپنے راستے پر لگایا۔چچی بیگم سائیں نے مجھے ہر برائی سکھائی ڈاکوؤں کے ساتھ ڈاکا ڈالنے کی تربیت دلوائی اور اس کے بعد علی خیر محمد نے ساری تفصیل دادی کو بتائی اور شرجیلہ کی آنکھیں کبوتر کے خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔"

"ہاں وہ ایسی ہی ہے اور اگر وقت نے مجھے موقع دیا۔علی خیر محمد! تو ایسا انتقام لوں گی اس عورت سے کہ دنیا مجھے دیکھے گی اور یاد کرے گی۔" علی خیر محمد نے اپنی کراچی تک کی تفصیل بتا دی تھی' شرجیلہ بیگم نے کہا۔

"تم چھپ کر آئے ہو؟"

"ہاں دادی سائیں! میرے لئے کچھ مشکلیں ہیں نا"

"اپنے ماں باپ سے ملو گے"

"ہاں اسی لئے آیا ہوں"

"ہوں' آؤ میرے ساتھ احتیاط سے میں ابھی تمہیں دنیا کی نگاہوں سے چھپائے رکھنا چاہتی ہوں' شرجیلہ نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔پھر وہ دونوں دروازہ کھول کر باہر نکل آئے تھے' شرجیلہ کا رخ اس طرف تھا جہاں افریشم اور مکرم شاہ رہتے تھے۔جب وہ اس غلام گردش میں پہنچی جس میں مکرم شاہ کا کمرہ واقع تھا' تو اس نے دونوں میاں بیوی کو جائے نماز پر بیٹھے دعائیں مانگتے ہوئے دیکھا۔بچیاں اندر کمروں میں سو رہی تھیں۔شرجیلہ بیگم کے دل سے آنسو ٹپک پڑے۔وہ جانتی تھی کہ یہ دعائیں کس کے لئے مانگی جا رہی ہیں۔اس نے علی خیر محمد کے کان میں سرگوشی کی۔

''یہ سب تمہارے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں''

''میں ان کے پاس جاؤں''

''رکو ذرا اس ستون کی آڑ میں ہو جاؤ'' شرجیلہ بیگم نے کہا' علی خیر محمد نے شرجیلہ کی کہنے پر عمل کیا تھا' وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی' ماں کے قدموں کی چاپ دونوں نے محسوس کر لی تھی۔ شرجیلہ بیگم کو اس طرح آتے دیکھ کر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ افریشم کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ مکرم شاہ کے چہرے پر بھی دکھ کے آثار پھیلے ہوئے تھے' شرجیلہ بیگم نے کہا۔

''تم دونوں کیا پڑھ رہے تھے اس وقت''

''کچھ نہیں بیگم سائیں! ایسے ہی جب دل کا بخار تیز ہو جاتا ہے تو دونوں اللہ سائیں کے حضور بیٹھ جاتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں علی خیر محمد کے لئے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ یہ دعائیں پوری ہو جائیں گی؟'' شرجیلہ بیگم نے سوال کیا۔

''ہاں' بڑی بیگم سائیں! اللہ تعالیٰ کے سامنے تو ہر چیز کا یقین ہوتا ہے' ہم جانتے ہیں کہ ہماری مشکل کا کوئی حل نہیں ہے' ہمارے پاس' لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ حل ہمارے پاس نہیں ہے۔ اللہ سائیں کے پاس اس کے ہزاروں حل موجود ہوں گے۔''

''ہاں ٹھیک کہتے ہو' اپنے بیٹے سے ملو' میں تمہارے درمیان زیادہ وقفہ نہیں چاہتی' علی خیر محمد آ جاؤ سامنے۔'' دونوں میاں بیوی ہکا بکا رہ گئے تھے' پھر علی خیر محمد کو دیکھ کر دونوں ہی بے اختیار ہو گئے اور اس کے بعد انتہائی رقت آمیز مناظر نگاہوں کے سامنے آئے' وہ سب رو رہے تھے۔ مکرم شاہ اور افریشم علی خیر محمد کو اس طرح سینے سے لپٹائے ہوئے کھڑے تھے جیسے اسے دنیا کی ہر مشکل سے بچا لینا چاہتے ہوں۔ ایک عجیب ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ خود علی خیر محمد اس ماحول سے اتنا متاثر تھا کہ اس سے پہلے کبھی کسی چیز سے اتنا متاثر نہیں ہوا تھا۔ ماں باپ کو حیرت بھی تھی کہ بیٹا بالکل بدلے ہوئے روپ میں کس طرح سامنے آ گیا تھا وہ تو ایک سے منحرف لڑکا تھا۔ لیکن آج اس کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ کوئی اہم بات ہے کچھ ہوا ہے۔ بہر حال یہ بڑا سنسنی خیز لمحہ تھا۔ بہت ہی عجیب و غریب لمحہ وہ سب کے سب ایک عجیب و غریب کیفیت سے گزر رہے تھے۔ شرجیلہ بیگم ہی نے کہا۔

''اندر کسی خالی کمرے میں چلو یہاں غلام گردش میں کوئی بھی آ سکتا ہے اور اس کے بعد وہ کمرے میں آ بیٹھے۔ مکرم شاہ نے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! کہاں سے آئے ہو تم؟ کس طرح آئے ہو؟''

''داوی سائیں کو میں ساری تفصیل بتا چکا ہوں اپنے بارے میں' آپ لوگوں کا مجرم ہوں آپ سے اپنے لئے سزا مانگنے آیا ہوں۔ جہاں تک پولیس کے جرم کا تعلق ہے کہ سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح معنوں میں تفتیش کی جائے تو مجرم میں نہیں۔ چچی بیگم سائیں نکلیں گی۔ جنہوں نے شروع ہی سے غلط راستوں پر ڈال دیا ہے مجھے''

''نہیں بیٹے! مجرم تو ہم بھی ہیں کہ اپنے جوش محبت میں تمہیں غلط ہاتھوں کو سونپ دیا' مجرم تو ہم بھی ہیں'' مکرم شاہ نے کہا پھر بولا۔

''لیکن مجھے اپنے بارے میں تفصیل تو بتاؤ' کیا صورت حال ہے' کیا کر رہے ہو تم کہاں ہو؟''

''وہ میں بتاتی ہوں'' شرجیلہ بیگم نے کہا اور پھر شرجیلہ نے شروع سے اس کہانی کا آغاز کر دیا۔

اس کی آواز ابھری۔

''قصوروار کوئی نہیں ہے۔ بس یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں اور اس کے بعد تقدیر ہی ہر ایک کو مجرم بناتی رہی۔ مکرم شاہ کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس نے اپنے بھائی کے بارے میں سوچا کہ علی خیر محمد گوٹھ کو ایک مثالی گوٹھ بنانے کے لئے ایسے ذہین دماغ کی ضرورت ہے جو اس سارے کام کو جدید پیمانوں پر کرے۔ اس میں کوئی برا جذبہ نہیں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ بھیج دیا۔ غازی شاہ دنیا کی برائیوں سے ناواقف تھا۔ وہ ایک معصوم سے گوٹھ کا رہنے والا تھا۔ یورپ میں جا کر وہاں کی رنگینیوں کو برداشت نہیں کر سکا۔ یہی اس کے خون کی اچھائی ہے کہ وہ گندی صحبتوں میں پڑنے کے بجائے کسی ایک عورت کے جال میں پھنس گیا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا تعلق کون سے خاندان سے ہے۔ لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ برطانیہ کا رہنے والا ہر قدیم شہری ہندوستان پر اپنے دور حکومت میں ان جگہوں کی چوٹوں کو سہلاتا رہتا ہے جہاں اس کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں۔ آج بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میرا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے کہ علی خیر محمد گوٹھ وہ جگہ ہے جو چھوٹی سی ہونے کے باوجود انگریزوں کی پیشانی پر کالا دھبہ بنی رہی۔ یہاں کی زمین سے اگنے والا ہر پھول پودا اور اس مٹی سے تخلیق پانے والا ہر انسان ان سفید چمڑی والوں سے نفرت کرتا ہے۔ انسانی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی ان غلاظتوں پر ان کے مکروفریب اور ان کی چالاکیوں پر جو ان کے خمیر کا ایک حصہ ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ لاتعداد خاندان آج بھی مسلمانوں کے ہاتھوں لگے ہوئے ان زخموں کو نہیں بھول پائے جنہوں نے ہندوستان سے ان کے منہ پھیر دیئے۔ ہم بھی خدا کے فضل سے انہی لوگوں میں شامل ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ یہ عورت کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن بہرحال اس نے غازی شاہ پر ڈورے ڈالے اور آخر کار غازی شاہ اس کے جال میں پھنس گیا۔ انہوں نے کوئی بھی تفصیل معلوم نہیں کی اور وہاں اس کا رواج بھی نہیں ہے۔ بہرحال یہ عورت میرے بچے پر حاوی ہوگئی اور یہاں پہنچ گئی۔ آج میں خود تمہارے

سامنے کچھ اعترافات کرنا چاہتی ہوں مکرم شاہ اور افریشم میں خود تمہارے سامنے اسے بہت سے اعترافات کروں گی جو ایک بھیانک جرم کی صورت رکھتے ہیں۔ مکرم شاہ تو بہت نیک اور شریف انسان ہے۔ اس نے اب بھی بھائی کی محبت کو جاری رکھا ہوا ہے۔ میں نہیں کہتی کہ غازی شاہ سے نفرت کی جائے۔ وہ ایک معصوم بچے کی مانند اس مکڑی کے چنگل میں جا پھنسا وہ کیا جانتا تھا کہ عورت کے چلتر کیا ہوتے ہیں اور پھر ایک ایسی عورت جس کا تعلق ایک چالباز قوم سے ہے۔ دونوں یہاں آگئے۔ غازی شاہ اگر چالاک ہوتا تو اس شادی کو چھپاتا۔ کچھ اور کرتا لیکن وہ بے وقوف تھا تم لوگ یہ مت سمجھنا کہ میں اپنے بیٹے کی وکالت کر رہی ہوں۔ اس وقت وکالت نہیں کر رہی، میں مکرم شاہ، افریشم اس وقت تمہیں حقیقتوں سے روشناس کر رہی ہوں۔ یہاں اس کی وہ پذیرائی نہیں ہوئی بلکہ ایک طرح سے اس کے ساتھ نفرت کا برتاؤ ہوا میں غصے سے کھول رہی تھی۔ میرے ماضی کا ایک ایک نقش پکار پکار کر مجھے مجبور کر رہا تھا کہ علی خیر محمد گوٹھ کو اس ناگن سے بچاؤں۔ غازی شاہ میرے کنٹرول میں نہیں تھا۔ اس عورت نے اسے مجھ سے باغی کر دیا تھا۔ واقعات تمہارے علم میں ہیں۔ انہیں دہرا کر میں اپنی اس کہانی کو طوالت نہیں دینا چاہتی البتہ ایک واقعہ تمہارے سامنے لانا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ میں نہ چاہتی تھی کہ کیتھرائن کے بطن سے پیدا ہونے والا کوئی بھی لڑکا یا لڑکی علی خیر محمد گوٹھ کی جائیدادوں اور یہاں کی مراعات میں حصے دار بنیں۔ میں کسی انگریز عورت کی اولاد کو علی خیر محمد گوٹھ میں خوش آمدید نہیں کہہ سکتی تھی جبکہ اس عورت کا منصوبہ یہی تھا کہ وہ یہ سب کچھ کرے۔ تم لوگوں کو پوری تفصیل بتائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ میں تمہیں ساری تفصیل بتاؤں گی۔ پھر یوں ہوا کہ میں نے اپنی ایک عزیز دوست سکھاواں کے ذریعے یہ معلوم کیا کہ عورت کو بانجھ کیسے کیا جا سکتا ہے اور میں نے وہ عمل کیتھرائن پر کر ڈالا۔ وہ بانجھ ہوگئی لیکن چالاک عورت کو اس بات کا علم ہوگیا۔ اس نے سکھاواں، اس کے بیٹے اور اس کی بہو اور اس کے پورے خاندان کو موت کی نیند سلا دیا۔

''کیا؟'' مکرم شاہ اچھل پڑا۔

''ہاں خونریز عورت نے اس خونی قوم کے ایک فرد نے علی خیر محمد گوٹھ میں کئی قتل کئے ہیں۔ ہمارے بیٹے غازی شاہ نے ہمیں اس کے ہاتھوں بے بس کر دیا ورنہ اس کی گردن تو ایک لمحے میں کٹوا کر چوراہے پر لٹکوائی جا سکتی تھی اور دیکھ لیتی میں کہ کوئی کیا کرتا ہے لیکن بیٹے کو نہیں دکھ سکتی تھی۔ جسے مجھ سے بری طرح منحرف کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد کیتھرائن کی انتقامی کارروائیاں جاری ہوگئیں۔''

''مگر بیگم سائیں آپ نے؟''

''مجھے میرے جرم کا احساس نہ دلاؤ مکرم شاہ! وڈیرے ہو۔ مجرم سمجھتے ہو تو موت کی سزا دلوا دو۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ کام میں نے نہ غازی شاہ کے لئے کیا نہ مکرم شاہ کے لئے۔ یہ کام میں نے علی خیر محمد گوٹھ کے لئے کیا تھا جو میرے شوہر کی ملکیت ہے۔ ابھی وہ تم دونوں میں تقسیم نہیں ہوا۔ ابھی وہ میری سرزمین ہے۔ میں اس پر کسی برے انسان کو مسلط نہیں کر سکتی۔ میں علی خیر محمد گوٹھ اور اس کے نواح میں رہنے والوں کو ایک انگریز عورت کی اولاد کی تحویل میں نہیں دینا چاہتی تھی۔ یہ میرا فرض تھا اور میرا حق ہے جو بھی ہے سزا پانے کے لئے تیار ہوں۔ میں اسے ایک نیک کام سمجھتی تھی اور میں نے نیک کام سمجھ کر ہی کیا۔ بہر حال وہ عورت بانجھ ہوگئی۔ ساری حقیقت اسے بھی معلوم ہو چکی تھی۔ غازی شاہ نے مکرم شاہ کے بیٹے کی پیدائش پر اس عورت کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے جشن منایا اور مکرم شاہ اپنے بھائی کی اس محبت سے متاثر ہو گیا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ وہ سب کچھ صرف کیتھرائن کے اشارے پر ہو رہا تھا۔ غازی شاہ اس خونخوار عورت کی سازشوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ مکرم شاہ میں نے تم سے کہا تھا کہ بیٹے! اعتدال ہر چیز میں اچھا ہوتا ہے لیکن اس بات کا مجھے ہمیشہ احساس رہا کہ تم نے میری باتوں سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ تم صرف میرے احترام پر عمل کر رہے تھے ورنہ دل سے تم اس بات کو نہیں مانتے تھے کہ غازی شاہ کیتھرائن ہمارے دشمن ہیں۔ مکرم شاہ علی خیر محمد کو تم نے اس کے دشمن کی آغوش میں ڈال دیا۔ دشمن کی آغوش میں اور اس کے بعد وہ عورت کامیابی کے ساتھ سب کچھ کرنے لگی سمجھے۔ اس نے علی خیر محمد کو ہم سے دور ہٹا دیا اور اسے برے راستوں پر لگاتی رہی۔ سندھ کا بیٹا اس شیطان عورت کے چنگل میں پھنس کر کچھ سے کچھ بن گیا ہے۔ اسی بدبخت عورت نے میرے علی خیر محمد کو قاتل بنا دیا۔ جو جو کچھ اس نے کرایا علی خیر محمد کرتا رہا۔ ارے کیا بات کرتی ہو۔ اس معصوم بچے کی افرایشم! کیا بات کرتی ہو اس ننھے پھول کی یہ بھلا اس شیطان عورت کے سامنے کوئی حیثیت رکھتا تھا۔ انہوں نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ قاتل بنا دیا میرے بچے کو پولیس کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ ننھی سی عمر میں جانتی ہو انہوں نے کیا کیا۔ انہوں نے اسے ڈاکو کھدوانا کی تحویل میں دے دیا تاکہ وہ اسے ڈاکو بنا دے اور کیا سننا چاہتے ہو مکرم شاہ اس کے بارے میں یہ کھدوانا کے ساتھ ڈاکوں میں شریک رہا ہے۔ اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں بندوق اٹھا کر لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ اتفاق کی بات تھی کہ کھدوانا پولیس کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ بھی اتفاق ہے کہ یہ بچ گیا کیونکہ یہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ میرا معصوم سا بچہ جو وقت سے پہلے جوان ہو گیا تھا لیکن اس کی عقل جوان نہیں

ہوئی تھی۔ چچی سائیں کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا اور پھر کیتھرائن نے اسے فضل شاہ کے پاس پہنچایا جو ایک اور گوٹھ کا وڈیرہ ہے۔ فضل شاہ نے اسے کراچی بھجوا دیا۔ وہ اپنے منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔ وہاں اس کا ایک دشمن ہے مرزا طارق بیگ' یہ لوگ کسی جگہ کاروباری حریف ہیں۔ فضل شاہ نے اس کے حسن و جوانی اور معصومیت سے فائدہ اٹھا کر اسے سمجھایا کہ یہ مرزا طارق بیگ کی بیٹی کو اپنے چنگل میں پھانسے اور اس سے شادی کرے تاکہ مرزا طارق بیگ فضل شاہ کے چنگل میں آ جائے۔ میرا یہ بیٹا! دوسروں کا آلہ کار بنا ہوا ہے لیکن قدرت اپنے راستے خود متعین کرتی ہے۔ ہم کیا اور ہماری اوقات کیا۔ ہماری اپنی سوچیں تو بالکل بے وقوفی کی باتیں ہیں۔ اصل چیز تو قدرت کا عمل ہے جو دنیا میں ہر ذی روح کے لئے جاری ہوتا ہے۔ وقت بدلا مرزا طارق بیگ کے ہاں اس کے روابط بڑھ گئے اور وہیں پر ایک بزرگ نے اس کی اصلاح کی۔ اس کے کہنے کے مطابق ان کا نام نیاز اللہ ہے۔ نیاز اللہ صاحب نے اسے بتایا کہ دنیا کیا چیز ہے۔ نیکی اور بدی کیا ہے۔ سچ اور جھوٹ کیا ہے۔ یہ راستے اسے دکھائے اور نگاہ مرد مومن کی بات سے نہ تم کو منحرف ہونا ہے۔ قدرت نے آخر کار اس کے لئے صحیح راستے منتخب کئے اور جب اس کے دل میں خدا جاگا تو یہ چھپتا چھپاتا یہاں چلا آیا۔ یہ ہے تمہارے بیٹے کی کہانی۔ مکرم شاہ! بولو کہا تھا میں نے کہ مکرم شاہ علی خیر محمد کو اس طرح غازی شاہ اور کتھیرائن کے رحم و کرم پر مت چھوڑو' نقصان اٹھاؤ گے مگر یہاں تم نے ماں کے حکم سے سرکشی اور بغاوت کی۔ نہیں مانے تم۔ موجود ہے تمہارا علی خیر محمد جیسے اللہ نے تو تم تک لوٹا دیا ہے تم بتاؤ اپنے فرض کو اب کیسے نبھاؤ گے۔ مکرم شاہ بڑی مشکل سے ضبط کر رہا تھا

شرجیلہ کے خاموش ہونے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا اور اس کے بلکنے کی آواز بلند ہونے لگی۔ سبھی گھبرا گئے تھے۔ افریشم نے بے چینی سے شرجیلہ کو دیکھا۔ شرجیلہ بے قرار ہو کر مکرم شاہ کی طرف بڑھی۔

''نہیں مکرم شاہ! نہیں علی خیر محمد گوٹھ کو آنسوؤں میں نہ ڈبوؤ۔ اسے غرق نہ کرو وڈیرے ہو تم علی خیر محمد گوٹھ کے وڈیرے ہو۔ مرد کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں تو سمجھ لو کہ اس کا گھر ختم ہو گیا۔ یہ اعتراف ہوتا ہے اس بے بسی کا کہ وہ اپنے گھر کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ نہیں مکرم شاہ! سخت نفرت کرتی ہوں میں مرد کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں سے۔ آنسو نہیں آگ کی لپٹیں نکلنی چاہئیں یہ تم کیا کر رہے ہو۔ علی خیر محمد آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے کہا:

''اگر تم سمجھتے ہو بابا سائیں! کہ اپنے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھے! اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اپنے دشمنوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تو پتہ نہیں تم لوگ مجھے کیا سمجھتے ہو۔ میرے ہاتھ بازو

تک خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میں اپنے پورے جسم کو خون کے سمندر میں ڈبو سکتا ہوں۔ بولو کسے کسے ختم کروں۔ بابا سائیں! میں تمہارے لئے ایک ہزار انسانوں کو مار سکتا ہوں جو تمہاری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے میں ہوں نا تمہاری آنکھ کا غرور بابا سائیں! میں ہوں نا تمہارا غرور اشارہ کرو کس سے تکلیف پہنچی ہے تمہیں۔ اب چند سانسوں کے علاوہ زیادہ سانسیں نہیں لے سکے گا۔ نہیں بابا سائیں! دادی ماں' دادی سائیں سچ کہتی ہیں مرد کی آنکھوں میں آنسو نہیں آگ ہونی چاہئے۔ مجھے یہ احساس مت دلاؤ کہ میرا باپ رونا جانتا ہے ورنہ پھر میری آنکھیں بھی آنسو بسائیں گی اور کوئی بھی مجھ پر قابو پا سکے گا۔ نہیں بابا سائیں! ایسا مت کرو۔ مکرم شاہ ایک دم سنبھل گیا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

''یہ تو غازی شاہ نے اچھا نہیں کیا کیا بابا یہ تو اس نے دشمنی کا آغاز کر دیا ہے۔ یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔ وہ تو دشمن بن گیا۔ خیر یہ غلط ہے۔ یہ غلط ہے ایسا تو نہیں ہونا چاہئے۔ وہ میرا بھائی ہے نقصان تو نہیں پہنچاؤں گا اسے لیکن اس طرح بے بس کر دوں گا کہ زندگی میں کبھی کوئی خوشی نہیں حاصل کر سکے گا۔ غلط کیا ہے اس نے یہ سب کچھ میں اسے ٹھیک کر کے رکھ دوں گا۔''

''فیصلہ کریں گے۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے مکرم شاہ! ڈور بہت الجھ گئی ہے اس سلجھانا ایک مشکل کام ہے مگر اسے سلجھائیں گے۔

''وڈیرہ ہوں میں بیگم سائیں! علی خیر محمد گوٹھ کا سردار ہوں میں۔ لوگوں کے مسائل حل کرتا آیا ہوں۔ علی خیر محمد گوٹھ ہی نہیں آس پاس کے گوٹھوں کے بارے میں بھی آپ جانتی ہو۔ ان سے پوچھ لو بابا! ان کے مسائل حل کئے ہیں میں نے کہیں سختی سے کہیں نرمی سے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ میں سختی کرنا نہیں جانتا۔ میں ایک ایک کو ٹھیک کر دوں گا بیگم سائیں۔ غازی شاہ کی محبت میرے دل میں بہت گہرائیوں تک اتر گئی ہے لیکن بیگم سائیں! اب ایسا بھی نہیں ہے کہ میں کچھ کر ہی نہ سکوں۔''

''اور بھی ایک کہانی ہے اور بھی ایک کہانی ہے مکرم شاہ! آج جب میں اپنا سینہ کھولنے پر آمادہ ہوئی ہوں تو کوئی بات نہیں رکھوں گی اپنے دل میں' میں نے بھی غموں کے پہاڑ اٹھائے ہیں۔ میں نے بھی اپنے سینے میں اتنا بوجھ بھر لیا ہے کہ اب اس میں بالکل گنجائش نہیں رہی ہے۔ ایک کہانی اور ہے۔ مکرم شاہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ افریشم بھی اسے دیکھنے لگی علی خیر محمد خاموش بیٹھا رہا تھا۔ شرجیلہ نے کہا:

''میں نے اسے بانجھ کر دیا تھا۔ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہی تھی لیکن پھر اس کے بعد اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ میں نہیں مانتی تھی لیکن کوئی ثبوت نہیں تھا میرے پاس کہ

اس نے اس بارے میں بھی کوئی سازش کی ہے۔''

''سازش'' مکرم شاہ حیرت سے بولا۔

''ہاں مکرم شاہ! ایک گہری سازش' گل جام گوٹھ سے تھوڑا پیچھے ایک شخص رہتا تھا اس کا نام تھا ناگی۔ ناگی بابا کہا جاتا تھا اسے۔ اس کی ایک خوبصورت بیٹی ہے۔ بہت خوبصورت۔ اس کا نام شمیلا ہے۔ کیتھرائن نے شمیلہ کو دیکھا اور اسے اپنے مقصد کے لئے تاڑ لیا۔ کیا سمجھے۔'' اس نے ایسا کیا کہ خفیہ طور پر شمیلہ سے غازی شاہ کا نکاح کرا دیا۔''

''کیا'' مکرم شاہ اور افریشم کے منہ سے ایک بار پھر حیرانی کی آواز نکلی۔

''ہاں۔ وہ انگریز ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک رکن تم کیا سمجھتے ہو اسے بہر حال اس کی شادی کرا دی گئی ار اس کے بعد کیتھرائن نے اسے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ اولاد ہوئی اس کی۔'' بیٹا پیدا کیا اس نے شہر کے ایک ہسپتال میں جا کر وہ بیٹا! خاموشی سے کیتھرائن تک پہنچ گیا اور کیتھرائن نے سب پر اس بات کا اظہار کیا کہ اس کے ہاں ولادت ہوئی ہے۔ ظاہر ہے وہ یہ جانتی تھی کہ میں کھلم کھلا اس بات کا اظہار تو نہیں کر سکتی کہ میں نے اسے بانجھ کر دیا ہے۔ وہ بیٹے کو لے کر یہاں آ گئی۔ شمیلہ سے کہہ دیا گیا کہ اس کے ہاں مردہ بیٹا پیدا ہوا ہے۔ کیا سمجھے۔''

''بیگم سائیں کیا کہہ رہو آپ۔''

''بتا رہی ہوں کیتھرائن کی شکل دکھا رہی ہوں تمہیں مکرم شاہ! تم تو بہت سی بات پچھلے ہو۔ وہ میرے پاس آتی ہے میرے سینے پر کچوکے لگاتی ہے۔ مجھے ذلیل و خوار کرتی ہے۔ کہتی ہے کیا بگاڑ لیا تم نے میرا بیگم سائیں! وہ کہتی ہے کہ دل مراد سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ صرف اتنی کہ دل مراد علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرہ بنے گا۔ علی خیر محمد کو تو وہ راستے سے ہٹا ہی چکی ہے۔ مکرم شاہ برا مت ماننا یہ سازش وہ انگریز عورت یہیں کر رہی ہے۔ تم لوگوں کے مسائل حل کرتے ہو۔ کیسے وڈیرے ہو تم اس بارے میں تو تم کچھ بھی نہیں کر سکے۔''

''کروں گا ضرور کروں گا مگر آپ ایک بات بتاؤ آپ کو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟''

''میں بھی اپنا فرض پورا کر رہی ہوں۔ کراچی میں ڈیفنس میں ایک کوٹھی ہے جس میں ناگی رہتا ہے اور وہیں شمیلہ بھی رہتی ہے۔''

''بابا! کالک لگا دی ہے میرے منہ پر تو غازی شاہ نے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک عورت نے ایک بار بھی ایک علاقے کو اپنے پنجے میں کس رکھا ہے۔ مگر بیگم سائیں! غازی شاہ

کی غلطی ہے۔ سب غازی شاہ کی غلطی ہے۔ بیگم سائیں اب میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میرا علی خیر محمد ان دونوں کی وجہ سے قاتل بنا ہے۔ میں اسے وڈیرا نہیں بنا سکتا لیکن یہ بھی تو نہیں ہوسکتا بیگم سائیں کہ میرے بیٹے کا حق کوئی اور لے جائے۔ نہیں بیگم سائیں کچھ کرلوں گا میں کچھ کر کے رہوں گا۔ ایسے ان ساری چیزوں سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ غازی شاہ کے لئے علی خیر محمد گوٹھ ہی نہیں بلکہ میرے جتنے تمام اثاثے ہیں سب حاضر ہیں۔ وہ میری اولاد ہے میں جانتا ہوں جتنا چالاک وہ بنتا ہے اتنا چالاک وہ ہے نہیں لیکن بیگم سائیں وہ نہیں ہونے دوں گا جو کیتھرائن چاہتی ہے۔ کیتھرائن کے دل پر ضرب ضرور لگے گی۔''

''سنو۔ جو کچھ میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ اب میری بات مان لو۔ غازی شاہ میرا بیٹا ہے۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔ میں اسے بالکل کھونا نہیں چاہتی۔ تم اس بات کا اعتراف کرچکے ہو۔ کہ وہ بھٹک گیا ہے۔ بہکا دیا گیا ہے۔ اسے غازی شاہ کے خلاف۔ ہمیں کچھ نہیں کرنا ابھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا جو خطرناک ہو۔ جو کچھ بھی کرنا اس کے لئے مجھ سے مشورہ کرلینا۔ سوچ سمجھ کر کام کرنا۔''

''میں آپ کو جو کچھ بھی کروں گا بتاؤں گا بیگم سائیں۔ لیکن مکرم شاہ اب اس قدر کمزور نہیں رہے گا جہاں تک سختیاں مجھے کرنی ہیں۔ بیگم سائیں! کرنی پڑیں گی اور میں کروں گا۔ آپ بالکل بےفکر رہو۔''

''سنو مکرم! میں تم سے بہت سی باتیں کہتی رہی ہوں۔ تم نے میری بہت سی باتیں مانی ہیں اور بہت سی نہیں مانی۔ جیسے علی خیر محمد۔ میں تم سے ایک بات کہتی ہوں کہ جو بھی قدم اٹھاؤ سوچ سمجھ کر اٹھانا۔ مجھے بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''بیگم سائیں! ابھی میں فیصلہ کروں گا۔ بہت سے فیصلے کرنے ہیں مجھے بہت سے فیصلے کرنے ہیں۔ آپ بےفکر رہو جو کروں گا اس کے بارے میں آپ کو بتا دوں گا۔ اس کے بعد افریشم اور مکرم شاہ علی خیر محمد کو چومنے چاٹنے لگے۔ وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ علی خیر محمد بےاختیار ہنس پڑا۔ پھر بولا:

''باہر کی دنیا میں نے بالکل نہیں دیکھی۔ زیادہ سے زیادہ میری زندگی کا سفر کراچی تک رہا ہے یا پھر ان برائیوں کی جانب ہمارے ہاں ایک بہت بڑی خرابی ہے۔ بچے کی عمر چھوٹی ہونا یا کسی بھی انسان کی عمر کم ہونا اس کا گناہ بنا دیا جاتا ہے۔ سب نے چونک کر اسے دیکھا تو علی خیر محمد سنجیدگی سے بولا:

''آپ ساری باتیں آپس میں کر رہے ہیں پورا کیس آپ کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا ہوتا۔ اگر میں ساری حقیقت آپ کو آ کر نہ بتاتا۔ اب آپ آپس میں باتیں کر کے فیصلے کر رہے ہیں اور مجھے آپ نے نظرانداز کر دیا ہے صرف اس خیال سے کہ میری عمر کم ہے۔''

''نہیں علی خیر محمد تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو ہمیں بتاؤ۔''

''میں آپ سے پوچھتا ہوں سر اس سلسلے میں بہت سی کہانیاں میں نے سنی ہیں۔ خاص طور سے شمیلہ کی کہانی۔ دل مراد اس طرح سے میرا بھائی ہوا کیونکہ بہرحال وہ چچا سائیں کا بیٹا ہے۔ ہمیں کوئی ایسا حل نکالنا ہوگا جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ سانپ چچی بیگم سائیں ہیں اور لاٹھی میں ہوں۔ آپ لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ چچی بیگم سائیں کی ساری ذمے داری میرے کندھوں پر ڈال دیں۔ حساب میرا اور ان کا ہی ہے۔ میں ان سے نمٹ لوں۔''

''بیٹے! تمہیں برا بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے چاہئے کسی کی نگاہ نے تمہیں کسی راستے پر ڈالا ہو چاہے تمہاری تقدیر نے لیکن بیٹا! ایک درخواست ہے تم سے وہ یہ کہ کوئی ایسا قدم ابھی مت اٹھاؤ جو ہمارے منصوبوں کو خاک میں ملا دے۔ کیتھرائن کا ابھی تک غازی شاہ پر گہرا اثر ہے۔ ذرا یہ اثر ختم ہو لینے دو۔ اس کے بعد کھیترائن کو دیکھیں گے۔ حل کوئی ایسا ہونا چاہئے کہ ہمارا یہ خاندان تباہی کا شکار نہ ہو۔''

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ میں خود کوئی عمل نہیں کروں گا۔''

''مجھے واپس کراچی جانا ہے۔ خاموشی اور احتیاط کے ساتھ اگر آپ لوگ اس کا انتظام کرسکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میرے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''اور دوسری بات میں آپ کو بولوں۔ ابھی ادھر بھی کوئی قدم آپ نہ اٹھائیں۔ کوئی مناسب فیصلہ کریں گے ورنہ ایک بات کا خطرہ ہے۔''

''کیا مطلب؟ کدھر کے قدم کے بارے میں کہہ رہے ہو۔''

''ڈیفنس میں جو ایک عورت رہی ہے اور جس کا نام شمیلہ ہے ابھی آپ لوگ ادھر متوجہ نہ ہو ورنہ میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔ چچی بیگم سائیں دل مراد کو قتل کر دے گی۔ وہ ایک خطرناک عورت ہے۔ سب نے چونک کر علی خیر محمد کو دیکھا۔ مکرم شاہ تو دانتوں میں انگلی دبا کر رہ گیا تھا۔''

''آہ۔ وہ بات سوچی ہے اس نے جو ہم نے نہیں سوچی یہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔''

''بس ابھی تھوڑا ٹائم دو بلکہ ہم سب ایک دوسرے کو ٹائم دیں۔ ساری باتیں علم میں آ چکی ہیں۔ بس اس کے بعد جو کچھ کرنا ہے وہ غور کر کے کرنا ہے۔ آپ لوگ سمجھ گئے۔''

''ہاں۔''

''تو بس ٹھیک ہے میں بھی اپنا کام اس انداز میں جاری رکھوں گا۔''

''یہ فضل شاہ! میں اس کو تباہ و برباد کر دوں گا۔ یہ سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو۔''

''یہ کام آپ سے زیادہ آسانی سے میں کر سکتا ہوں بابا سائیں! کیونکہ میں ان لوگوں سے زیادہ قریب ہوں۔ آپ بے فکر رہو۔ انہیں میں برباد کر دوں گا۔ یہ میری ذمے داری ہے۔''

''ٹھیک ہے افرشیم! میں اسے کراچی پہنچانے کی تیاریاں کرتا ہوں۔ بیگم سائیں آپ مجھے اجازت دو۔'' مکرم شاہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور پھر آہستہ آہستہ قدموں سے باہر نکل گیا۔ افرشیم نے محبت بھری نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا۔ دونوں ہاتھ پھیلائے اور سینے سے لگا لیا۔ شرجیلہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے تھے۔

☆☆☆☆

مرزا طارق بیگ اپنے شاندار آفس میں بیٹھا ہوا کسی کو فون کر رہا تھا۔

''ہاں غیاث علی مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ آج کا دن میں نے تمہارے نام کر دیا ہے۔ سارے اپائنٹ منٹ کینسل کر دیئے ہیں۔ یہ بتاؤ تم کب تک یہاں پہنچ سکو گے۔ پہلی فلائٹ پکڑ کر یہاں آ جاؤ۔''

''سر! اتنی ہی ایمرجنسی ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہاں۔ نہ ہوتی تو تمہیں تکلیف نہ دیتا۔ میں ایئر پورٹ فون کر کے معلوم کر چکا ہوں اسلام آباد سے کراچی تک تین فلائٹ آ رہی ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی تمہیں جگہ مل سکتی ہے۔ تم کہو تو میں یہاں سے انتظام کر دوں۔''

''نہیں سر! آپ کی محبت آپ کی دعائیں چاہئیں۔ میں پہنچ جاتا ہوں آپ کو فون کر دوں گا۔''

مرزا طارق بیگ نے فون بند کر دیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ بہر حال لنچ کے بعد غیاث علی اس کے پاس پہنچ گیا۔ اسلام آباد سے آیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ مرزا طارق بیگ نے اپنی ساری مصروفیات ترک کر دی تھیں۔ ذہنی طور پر وہ بہت زیادہ منتشر ہو گیا تھا۔ علی خیر محمد نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔ بہت ہی ہیرا لڑکا تھا جس انداز میں اس تک پہنچا تھا وہ بھی

اپنی جگہ ایک منفرد نوعیت کا حامل تھا لیکن اس کے بعد جو کہانی اس سے وابستہ ہو کر اس کے سامنے آئی تھی وہ بھی مرزا طارق بیگ کے لئے انتہائی سنسنی خیز تھی۔ عالیہ درحقیقت اس کی زندگی تھی۔ مرزا طارق بیگ نے غیاث علی کا استقبال کیا۔ لمبے تڑنگے قد و قامت کا مالک چہرے ہی سے بے پناہ ذہین نظر آنے والا یہ شخص ایڈووکیٹ تھا۔ اسلام آباد میں اس کی رہائش تھی۔ ایک سرکاری محکمے سے بھی وابستہ تھا لیکن اس کے تمام تر مفادات مرزا طارق بیگ سے وابستہ تھے اور مرزا طارق بیگ جانتا تھا کہ غیاث علی کس پائے کا شخص ہے۔ مشکل سے مشکل کام اس کے سپرد کر دیا جاتا۔ غیاث علی اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے کام لے کر وہ کام کر ڈالتا تھا۔ ایک بالکل الگ تھلگ گوشے میں بیٹھ کر مرزا طارق بیگ نے اس سے کہا:

''غیاث علی اس بار جو کام تمہارے سپرد کیا جا رہا ہے شاید اپنی زندگی میں اتنا مشکل کام تم نے نہیں کیا ہو۔ غیاث علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا:

''سر! میرے لئے اس سے فخر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایسے کسی مشکل کام کے لئے آپ نے مجھے اسلام آباد سے طلب کیا ہے۔''

''اس لئے غیاث علی کے تمہارے علاوہ کوئی اور یہ کام کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''میرا تجسس بڑھتا جا رہا ہے۔ ویسے میں اس قدر اعصابی قوت رکھتا ہوں کہ اگر آپ ایک گھنٹے تک اس کام کے بارے میں باتیں کریں اور مجھے اس کام کے بارے میں نہ بتائیں پھر بھی میرے اعصاب کشیدہ نہیں ہوں گے۔''

''تمہاری بے پناہ صلاحیتوں سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ تمہاری صلاحیتوں سے مجھ سے زیادہ اور کون واقف ہو گا لیکن میں تمہیں کسی اعصابی تکلیف کا شکار نہیں کروں گا۔''

''ٹھیک ہے سر! مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ کوئی ایسا کام ہے جو آپ کے لئے میرے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔''

''ہاں۔''

''سر! میں پوری پوری کوششیں کروں گا کہ آپ کے حکم کی تعمیل کر سکوں۔''

''غیاث علی کینیا سے ایک خاندان یہاں آیا ہے اور یہیں ڈیفنس کی ایک کوٹھی میں مقیم ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اپنا کاروبار فروخت کر کے یہاں چلے آئے ہیں اور اب یہیں قیام کریں گے۔''

''جی۔''

''لیکن حقیقتاً ان کا تعلق کینیا سے نہیں ہے۔''

''نہیں ہے۔''

''ہاں۔''

''تو پھر؟''

''مقامی لوگ ہیں اور ایک سازش کے تحت یہ کہانی لے کر یہاں نمودار ہوئے ہیں۔''

''گڈ۔ وجہ؟'' غیاث علی نے پوچھا۔

''فضل شاہ کو جانتے ہو؟''

''اچھی طرح وہ سندھ کا وڈیرا فضل شاہ!''

''ہاں اسی کی بات کر رہا ہوں۔''

''سر! وہ تو آپ کا کاروباری حریف ہے بہت سے معاملات میں اس نے آپ کے کام میں روڑے اٹھائے ہیں۔''

''بالکل اسی کی بات کر رہا ہوں۔''

''جی۔ تو آپ کہہ رہے تھے کہ کیا میں فضل شاہ کو جانتا ہوں۔''

''ہاں۔ اور اندازہ یہ ہوگیا کہ تم فضل شاہ کو اچھی طرح جانتے ہو۔''

''جی سائیں! آپ حکم کریں۔''

''فضل شاہ کو کئی جگہ میرے ہاتھوں کاروباری نقصان اٹھانا پڑا ہے لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں بالکل خلوص سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ فضل شاہ نے خود میرا راستہ کاٹا۔ میرا کام جائز تھا۔ وہ ناجائز طریقے سے اسے کر کے زیادہ دولت کمانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے پیشکش کی کہ میں اس کے ساتھ حصے دار بن جاؤں اور جب میں نے انکار کیا تو اس نے راستے تبدیل کر دیئے لیکن مجھے دوسرے گر بھی آتے تھے۔ تھوڑا سا غلط راستوں پر جانا پڑا لیکن فضل شاہ کو میں نے ناکام کر دیا اور ایسا کئی بار ہوا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس بے غیرت کی وجہ سے میں خود بھی کچھ برائیوں میں ملوث ہو گیا ہوں لیکن اس کا ایک کا ہزارواں حصہ بھی کوئی ثبوت میں نے نہیں چھوڑا ہے اور یہی بات فضل شاہ کے لئے اذیت کا باعث بنی ہے۔ وہ اپنی تمام کوششوں میں ناکام ہو چکا ہے اور اس کے بعد اس نے ایک گہری سازش کی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔ یہیں ڈیفنس میں ایک خاندان آ کر آباد ہوا۔ اس میں ایک بہت ہی حسین لڑکا بھی موجود ہے۔ لڑکا سندھ کے ایک وڈیرے کا بیٹا ہے۔ بڑی اعلیٰ شان و شوکت کا مالک فضل شاہ نے اسے

اپنے کام کے لئے آمادہ کیا ہے اور کام یہ ہے کہ وہ لڑکا میری بیٹی سے محبت کے راستے استوار کرے اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ میں ان دونوں کی شادی کر دوں۔ تب فضل شاہ مجھے نقصان پہنچانے کے لئے اسے استعمال کرے۔ یہ ان کا مکمل منصوبہ ہے۔ لیکن وہ لڑکا انہوں نے غلط منتخب کیا۔ وہ درحقیقت ایک بہت اچھے خاندان کا لڑکا ہے۔ اس کے ساتھ بھی کچھ ٹریجڈی ہوئی ہے اور اسے قاتل بنا دیا گیا ہے بس کچھ خاندانی معاملات ہوتے ہیں۔ اس کے پس منظر میں ایک بہت عجیب و غریب کہانی ہے جسے میں طوالت کی وجہ سے نہیں سنا رہا بس یوں سمجھ لو کہ کچھ خاندانی الجھنوں کا شکار ہو کر اسے قاتل کا روپ دے دیا گیا ہے اور وہ اپنے گھر سے روپوش ہے۔ اسے قاتل اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا چچا اور چچی وڈیرے بن جائیں اور دولت جائیداد و زمینیں ہتھیا لیں۔ غیاث علی وہ لڑکا بہت بے پناہ پسند ہے اور جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ فضل شاہ نے اسے حاصل کر کے اپنا یہ گھناؤنا مقصد پورا کرنے کی کوشش کی اور اسے ایک ایسے خاندان سے منسلک بتایا جو کینیا میں آباد تھا۔ اس کے ماں باپ مر چکے تھے اور اس کے ایک چچا اور چچی نے پروان چڑھایا۔ درحقیقت وہ لوگ بھی چچا اور چچی نہیں ہیں بلکہ کرائے کے لوگ ہیں۔ یہ ہے صورتحال۔ اب میں یہ چاہتا ہوں غیاث علی کہ اس لڑکے سے عالیہ کی شادی کر دوں لیکن اس کے بعد یہی بات ثابت کر دوں کہ وہ لڑکا کینیا ہی سے آیا ہے۔ وہیں اس کی جائیداد وغیرہ تھی۔ لڑکے پر مجھے مکمل اعتماد ہے کہ وہ ہم سے منحرف نہیں ہوگا۔ میں اس کے ماں باپ سے بھی ملوں گا اور انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کر دوں گا۔ بس تمہیں ایک کام کرنا ہے۔

''کیا مرزا صاحب!'' غیاث علی نے پوچھا۔

''کینیا جانا ہوگا تمہیں اور یہ بات میں جانتا ہوں غیاث علی کہ تم وہ کام کرتے ہو جس کے بارے میں دوسرے سوچ بھی نہیں سکتے۔ کینیا میں تمہیں سرکاری دفاتر میں سرکاری محکموں کے اندراجات میں شہزادہ خرم اور اس کے والدین کا اندراج کرنا ہوگا اور یہ بات کنفرم کرانی ہوگی کہ شہزادہ خرم وہیں پیدا ہوا' وہیں پلا بڑھا اور وہاں سے یہاں تک آیا۔ اصل میں یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جب فضل شاہ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا اور علی خیر محمد اس سے کہے گا کہ وہ علی خیر محمد نہیں شہزادہ خرم ہے تو فضل شاہ اسے قاتل ثابت کرنے کی کوشش کرے گا اور یہاں پر اسے منہ کی کھانی پڑے گی۔ میں جانتا ہوں غیاث علی یہ کام تم شاندار طریقے سے کر سکتے ہو۔ بولو کیا کہتے ہو۔ غیاث علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا:

''اور یہ میری خوش بختی ہے کہ یہ کام مجھے کینیا میں کرنا پڑے گا۔ اصل میں وہاں

میرے کچھ ایسے ساتھی موجود ہیں جو بڑے سے بڑا کام کرا سکتے ہیں۔ اس طرف سے آپ مطمئن رہیں۔ مرزا طارق بیگ ایک ہفتے کے اندر اندر میں کینیا چلا جاؤں گا۔ مجھے اس کے تمام کوائف اکٹھا کر کے دے دیجئے۔''

''بالکل ٹھیک یہ کام میں کرلوں گا۔'' مرزا طارق بیگ نے کہا بہرحال یہ نہلے پر دہلا تھا۔ رات کو مرزا طارق بیگ نے اپنی بیوی سے کہا:

''شہزادہ خرم کے بارے میں عالیہ کیا کہتی ہے۔''

''ابا میاں نے جو انکشاف کیا ہے اس کے بارے بعد میں تو بہت پریشان ہوں۔ عالیہ کے بارے میں جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ شہزادہ خرم کو بے پناہ پسند کرتی ہے۔ پھر تو بڑی مشکل پیش آ جائے گی۔ مرزا طارق بیگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا:

''کوئی مشکل نہیں ہے عالیہ! مرزا طارق بیگ نے یہ دولت یہ جائیداد مذاق میں ہی نہیں بنالی۔ اگر واقعی وہ لڑکا ہماری مدد نہ کرتا تو میں مشکل میں پھنس جاتا لیکن اب جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ فضل شاہ کے تصور میں بھی نہیں ہوگا۔ عالیہ اور شہزادہ خرم کو ان کا کام کرنے دو۔ میرا مطلب ہے ان کی میل ملت میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔ شہزادہ خرم کو اس کے سچ کا انعام ملنا چاہئے نا کہ سزا۔''

''تو اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔''

''مکرم شاہ سے ملوں گا پوری پلاننگ کر لی ہے میں نے' بے فکر رہو بیگم اب مگر مرزا طارق بیگ اتنا بودا ثابت ہو جائے تو تم خود سوچو کام کیسے چل سکتا ہے۔ بہرحال مرزا طارق بیگ درحقیقت بڑا ہی ذہین اور شاطر آدمی تھا۔ یہ سچ ہے کہ فضل شاہ ہی کی وجہ سے یہ ہوا تھا کہ مرزا طارق بیگ نے بھی کچھ ایسے کام کر ڈالے تھے جو کافی خطرناک تھے لیکن اپنی چالاکی سے وہ ان کاموں کو نکال گیا تھا۔ البتہ فضل شاہ سے اس کی برابر کی چل گئی تھی۔ آخر کار وہ مکرم شاہ سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔

☆☆☆

''بڑی دلچسپ صورتحال چل رہی تھی۔ واقعات میں ایک عجیب سا تناؤ پیدا ہوگیا تھا۔ مکرم شاہ کی فطرت ایک دم بدل گئی تھی۔ علی خیر کو اس نے ایسے نہیں چھوڑا تھا۔ کراچی تک اس کے ساتھ آیا تھا اور بھیس بدل کر آیا تھا۔ علی خیر محمد نے اسے اپنی رہائش گاہ دکھائی تھی اور کہا تھا:

''بابا سائیں! ایک بات میں آس سے کہوں۔ کیتھرائن بیگم سائیں نے مجھے بہت

چھوٹی سی عمر میں آگ میں کودنا سکھا دیا۔ بابا سائیں! یہ بات میں جانتا ہوں کہ برائی کا نتیجہ برائی ہوتا ہے مگر اس برائی کا آغاز میں نے نہیں کیا تھا۔ یہ برائی تو میری تربیت میں تھی اب اس کے پس منظر میں جو کچھ تھا آپ اسے جانے دو بابا سائیں! لیکن ایک اطمینان دلانا چاہتا ہوں آپ کو۔ فضل شاہ' چچا سائیں یا کیتھرائن بیگم میرے خلاف کچھ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پہلے میں صرف ان کے اشاروں پر چلتا تھا اور یہاں تک بھی میں ان کے اشاروں پر چلتا ہوا پہنچا ہوں لیکن اور بھی بہت سے ایسے معاملات ہیں جنہیں دیکھنا ہوگا۔ آپ میرے بارے میں فکرمند نہ ہونا۔''

''دیکھو علی خیر! جیسا کہ تم نے بتایا کہ مرزا طارق بیگ کے والد کو تم نے ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا ہے تو مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں مرزا طارق بیگ خود تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کر ڈالے۔ فضل شاہ کو نیچا دکھانے کے لئے۔'' علی خیر محمد کے ہونٹوں پر مسکرہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا:

''اول تو ایسی بات نہیں ہے بابا سائیں! لیکن اگر ایسی بات ہوئی بھی تو مرزا طارق بیگ کو بھی ناکوں چنے چبانے پڑیں گے۔ میرا نام علی خیر محمد ہے بابا سائیں! آپ میری طرف سے فکر بالکل مت کرو۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔''

''میرا تم سے رابطہ رہے گا بہت جلد میں سب بندوست کر دوں گا کہ میرے اور تمہارے درمیان رابطہ بن جائے۔''

''جی بابا سائیں' مگر آپ میرے پاس تو نہیں آؤ گے۔''

''نہیں نہیں ابھی نہیں۔ تمہیں پتہ ہے کہ جو لوگ اس نے تمہارے ساتھ منسلک کئے ہیں میرا مطلب ہے فضل شاہ نے وہ مجھے ضرور جانتے ہوں گے یہ رسک لینا مناسب نہیں ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہو بابا سائیں! مکرم شاہ بھیس بدل کر یہاں آیا تھا۔ دونوں باپ بیٹے بس سے یہاں پہنچے تھے اور اس حال میں کہ اتنے بڑے وڈیرے کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنے معمولی سے آدمی ہوں۔ وہ ننگے پاؤں تھے بہت ہی بوسیدہ لباس میں ملبوس تھے۔ سروں پر سندھی اسٹائل کی ٹوپیاں تھیں اور بس بالکل ہی غربت اور افلاس کے مارے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ مکرم شاہ کو بس سے ہی واپس جانا تھا۔ چنانچہ بیٹے کی شان و شوکت دیکھنے کے بعد نجانے کیسے کیسے خیالوں میں لپٹا ہوا وہ بس کے اڈے کی جانب چل پڑا جہاں سے اسے علی خیر محمد گوٹھ جانے کے لئے بس مل سکتی تھی۔ ایک بس میں بیٹھ کر وہ چل پڑا اور

پھر اس کے بعد ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ بس کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد خراب ہوگئی۔ تمام مسافر نیچے اتر آئے۔ ڈرائیور اور کنڈیکٹر بس کی خرابی درست کرنے کی کوشش میں مصروف ہوگئے۔ تیز گرمی پڑ رہی تھی۔ مسافر پریشان حال ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ خود مکرم شاہ بھی بہت پریشان تھا۔ دیکھو بس نجانے کب تک ٹھیک ہوتی ہے وہ بس کی جگہ سے کافی دور نکل آیا۔ ذہن میں بہت سے منصوبے بنا رہے تھے۔ غازی شاہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ غازی شاہ نے چھوٹے بھائی ہونے کا ثبوت نہیں دیا وہ تو باقاعدہ دشمن بن گیا حالانکہ میں نے اس سے ہمیشہ تعاون کیا۔ زمینوں کی بات کی۔ اس نے تو میں نے ساری زمینیں اس کے قدموں میں ڈال دیں۔ غازی شاہ یہ تو تم نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے میری ہی اولاد سے محروم کر دیا۔ مکرم شاہ ہے میرا نام شریف آدمی ہوں لیکن اگر میں تمہارے بیٹے کو اغوا کرلوں 'دل مراد کو غائب کر دوں تو کیا کرلو گے تم میرا۔ کچھ بھی نہیں۔ غازی شاہ اچھا نہیں کیا تم نے۔ ایک بازو توڑ دیا میرا۔ مکرم شاہ انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا خاصی دور نکل آیا۔ سفید رنگ کی ایک انتہائی خوبصورت کار اس کے قریب سے گزری اور تھوڑے فاصلے پر جا کر رک گئی۔ مکرم شاہ نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس سے پہلے بھی بہت سی گاڑیاں سامنے سے گزری تھیں لیکن کار ریورس ہو کر واپس پلٹی اور پھر مکرم شاہ کے قریب آ کر رک گئی۔ ڈرائیور نے گردن نکال کر پوچھا:

''بابا کدھر جا رہے ہو آپ۔'' مکرم شاہ نے گردن اٹھا کر دیکھا بہت ہی شاندار کار تھی۔ پچھلی سیٹ پر ایک بہت ہی شاندار سی شخصیت کا مالک بیٹھا ہوا تھا۔ مکرم شاہ نے خالص سندھی اسٹائل میں ہاتھ جوڑ کر کہا:

''سائیں بڑی مہربانی' بس خراب ہوگئی ہے پیچھے ایسے ہی ٹہلتا ہوا ادھر آ نکلا تھا۔ آپ کی بہت مہربانی کہ آپ نے مجھے دیکھ کر گاڑی روکی۔''

''بابا اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔''

''جا کہاں رہے ہیں آپ۔'' پیچھے سے کسی نے شریفانہ انداز میں پوچھا۔

''وہ بابا سائیں! تھوڑے فاصلے پر علی خیر گوٹھ ہے ادھر جا رہا ہوں۔''

''ارے واہ تم علی خیر محمد گوٹھ کے رہنے والے ہو آ جاؤ...... آ جاؤ...... آ و بیٹھو۔ ڈرائیور دروازہ کھولو۔ پیچھے والے آدمی نے کہا۔

''بابا سائیں! آپ کہاں تکلیف کر رہے ہو۔''

''تکلیف کی بات نہیں ہے ادھر ہی جا رہا ہوں۔'' پیچھے والے آدمی نے جواب دیا۔

مکرم شاہ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ایک بار گہری نگاہوں سے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا تھا۔ پتہ نہیں یہ شخص کون ہے اور علی خیر محمد گوٹھ میں کس سے ملنے جا رہا ہے۔ بہت سے خیالات اس کے دل میں گردش کرنے لگے۔ تھوڑا فاصلے طے کرنے کے بعد اس نے پوچھ ہی لیا۔

''سائیں آپ علی خیر محمد گوٹھ میں کس سے ملنے جا رہے ہو۔''

''تم گوٹھ ہی کے رہنے والے ہونا۔''

''جی بابا صاحب۔''

''وہاں مجھے مکرم شاہ سے ملنے جانا ہے۔ مکرم شاہ علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرا ہے۔ مکرم شاہ ایک دم عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگیا تھا۔ وہ اس شخص کو بالکل نہیں پہنچانا تھا۔ کون ہے' کیا چاہتا ہے اور کیوں اس سے ملنا چاہتا ہے۔ سیدھا سادھا انسان تھا۔ گھما پھرا کر بات کرنے کا عادی نہیں تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہتا کہ اس شخص کو اپنے بارے میں بتا دے لیکن پھر اس نے یہ سوچا کہ یہ خوامخواہ تجسس کا شکار ہو جائے گا کہ جب یہی مکرم شاہ ہے تو اس نے حلیہ کیا بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ خاموشی اختیار کر گیا۔ ابھی ذرا احتیاط برتنا ضروری تھا۔ پھر یہ بات بھی نہیں معلوم تھی کہ یہ شخص ہے کون' پیچھے والے آدمی نے کہا:

''تمہارا کیا نام ہے''

''جی وہ اللہ بچایو۔'' مکرم شاہ نے جواب دیا۔

''اللہ بچایو سائیں مکرم شاہ کو جانتے ہو۔''

''ہاں سائیں جانتے ہیں۔'' مکرم شاہ نے چہرے پر سرمندگی کے سے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کیا۔ بہرحال چالاک آدمی تھا۔ یہ بھی تجسس ذہن میں تھا کہ یہ شخص اس سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کے لئے پہل ضروری تھی۔ پیچھے والے آدمی نے اس کی اس شرماہٹ کو بڑی حیرت سے دیکھا تھا اور پھر پوچھ ہی بیٹھا۔''

''کیوں خیر ہے۔ مکرم شاہ کا نام سن کر تم شرما سے کیوں گئے۔''

''سائیں بس اللہ سائیں کا کام ہے بندہ کیا کر سکتا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' پیچھے والے آدمی نے پوچھا۔''

''سائیں ہماری صورت اور ہماری آواز بابا سائیں سے ملتی جلتی ہے۔''

''کس سے؟''

''وہ سائیں مکرم شاہ سے' ان کے چھوٹے بھائی غازی شاہ ہیں۔ سارے کے

سارے ایک ہی بات کہتے ہیں کہ اللہ بچایو تو نے صورت تو وڈیرے جیسی پائی ہے تقدیر وڈیرے جیسی نہیں پائی۔

''اچھا اچھا' ہاں بھئی بس اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ اس کا دل چاہے جیسے جو بنا دے۔ بندے کا بھلا اس میں کیا گزر۔''

''جی سائیں!'' مکرم شاہ نے مدہم آواز میں کہا۔ اس کے بعد پیچھے والا شخص اس سے بہت سی باتیں کرتا رہا۔ مکرم شاہ نے اپنی حیثیت برقرار رکھی تھی۔ اتنے بڑے لوگوں سے ان کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکی تھیں البتہ علی خیر محمد گوٹھ میں داخل ہونے کے بعد مکرم شاہ نے ایک چوک پر گاڑی رکوائی اور نیچے اترتا ہوا بولا:

''سائیں! ادھر سے تم بائیں ہاتھ کو جاؤ۔ یہ سڑک سیدھی چلی جاتی ہے۔ آگے سے یہ گھومتی ہے اور اسی راستے پر بڑے سائیں کی حویلی ہے۔ آپ دیکھ لو گے نظر آ جائے گی۔ صاحب۔''

''ٹھیک ہے اللہ بچایو۔ دوبارہ وہ بھی تم سے کبھی ملاقات ہوگی۔''

''جی سائیں! مکرم شاہ نے چالاکی سے کام لے کر گاڑی ایک ایسی جگہ رکوائی تھی جہاں سے اتر کر سیدھا ایک گلی میں نکلنے کے بعد حویلی کے دروازے پر پہنچا جا سکتا تھا جبکہ یہ گاڑی تھوڑا گھوم کر آتی۔ اسے کافی لمبا فاصلہ طے کر کے اس حویلی تک پہنچنا پڑتا۔ مطلب یہی تھا کہ وہ تیزی سے اپنی حویلی میں داخل ہو جائے اور اس شخص سے ملاقات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے لیکن بہرحال اس کا ذہن تجسس میں ضرور ڈوبا ہوا تھا۔ یہ کون شخص ہے جو اجنبی ہے اور کراچی سے اس سے ملنے کے لئے آیا ہے۔ بہرحال حویلی میں داخل ہونے کے بعد وہ سیدھا اپنے کمرے میں پہنچا تھا۔ افریشم موجود تھی۔ اس کی بچیاں بھی اب اچھی خاصی بڑی ہو گئی تھیں۔ مکرم شاہ فوراً غسل خانے میں گھس گیا۔ لباس وغیرہ تبدیل کیا اور اس کے بعد اطمینان سے باہر نکل آیا۔ اندازے کے مطابق اب وہ گاڑی بھی پہنچنے والی تھی۔

بہرحال کچھ دیر کے بعد وہ گاڑی پہنچ گئی اور خوش پوش شخص نیچے اتر آیا۔ وہ ملازموں سے مکرم شاہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مکرم شاہ کو اطلاع پہنچی تو اس نے کہا ڈرائینگ روم میں بٹھا دو۔

''پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بھی اندرونی دروازے سے ڈرائینگ روم میں پہنچا تھا اور کراچی کے مہمان نے کھڑے ہو کر اس سے ملاقات کی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک حیرت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ مکرم شاہ نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا:

''سائیں! بیٹھئے۔ آپ سے تعارف نہیں ہوا پہلی بار دیکھ رہے ہیں آپ کہاں سے تشریف لائیں ہیں۔ ہمارے لئے کیا خدمت ہے؟ سامنے والا بیٹھ گیا مکرم شاہ خود بھی سامنے اس کے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ دو گن مین اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ آنے والے نے کہا:

''تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں شاہ صاحب۔''

''ہاں تم لوگ جاؤ اور مہمان کے لئے چائے وغیرہ کا بندوبست کرو۔ سائیں چائے پیو گے یا ٹھنڈا وغیرہ۔''

''نہیں چائے۔ میرا نام مرزا طارق بیگ ہے۔''

''جی سائیں۔'' مکرم شاہ نے پروقار لہجے میں کہا حالانکہ یہ نام سن کر اس کے ذہن میں ایک چھناکہ سا ہوا تھا۔ علی خیر محمد نے اس نام کے بارے میں اسے تفصیل بتائی تھی۔ مرزا طارق بیگ نے کہا:

''آپ کو دیکھ کر میں مسکرایا تھا اس کی ایک وجہ تھی۔''

''جی سائیں! ہم سوچ رہے تھے آپ کی مسکراہٹ کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔''

''ابھی میں بائی روڈ آ رہا ہوں۔ آپ کے پاس راستے میں مجھے آپ کے گوٹھ کا ایک آدمی ملا اس کا نام اللہ بچایو تھا۔ میں نے پہلے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔ یہ بات اللہ بچایو ہی نے مجھے بتائی کہ وہ آپ کا ہم شکل ہے اور واقعی حیرت ناک مماثلت ہے لیکن قابل حیرانی نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جگہ اس طرح کے یکساں چہرے بھی بنائے ہیں اور آپ کی آواز بھی سائیں! اس سے ملتی ہے۔''

''ہاں''

''اور اب آپ یہ بتائے مکرم شاحب! کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں۔'' مکرم شاہ نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا:

''سائیں! آپ ہمارے مہمان ہو عزت والے ہو' ہمارے لئے لیکن ہماری درخواست ہے کہ آپ ہم سے سوال نہ کرو بلکہ خود بتاؤ کیسے آنا ہوا۔ ہمارے لائق کیا خدمت ہے۔''

''بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے علی خیر محمد آپ کا بیٹا ہے۔ میں اس کے بارے میں آپ سے بات کرنے آیا ہوں۔'' مکرم شاہ نے ایک بار پھر اپنے آپ

کو سنبھالا تھا۔ پھر اس نے کہا،

''سائیں! کیا بات کرنے آئے ہیں آپ۔''

''دیکھئے یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ یہاں آیا تھا اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اس کے بارے میں ساری تفصیلات میرے علم میں ہیں۔ ساری تفصیلات میں جانتا ہوں۔ آپ نے کہا ہے کہ میں آپ سے سوال نہ کروں بالکل ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے آپ کو اتنا ہی محتاط ہونا چاہئے سائیں! میرے کو یہ بات معلوم ہے کہ علی خیر محمد بے چارہ کچھ سازشوں کا شکار ہوا۔ ان سازشوں نے اُسے اور بھی کئی نقصان پہنچائے۔ وہ ایک الگ بات ہے لیکن اسے قاتل بنا دیا اور پولیس کے ریکارڈ میں وہ قاتل کی حیثیت سے درج ہے۔ مکرم شاہ صاحب تھوڑی سی تفصیل میں آپ کو اس کے بارے میں بتا دوں جو ہوسکتا ہے آپ کے علم میں ہو۔ فضل شاہ نامی ایک وڈیرہ ہے جس نے آپ کے بیٹے کو بہت برے راستے پر ڈال دیا ہے۔

اس نے اسے میرے سلسلے میں چارہ بنا کر میرے سامنے ڈالا تاکہ میری بیٹی سے شادی کر کے وہ میرا داماد بن جائے اور میرے تمام اثاثے اس کے ذریعے فضل شاہ تک منتقل ہو جائیں۔ سائیں مکرم شاہ میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ پتہ نہیں اس دنیا میں اچھے انسان کتنی تعداد میں موجود ہیں۔ میں اپنے آپ کو ان میں بالکل شامل نہیں کرتا لیکن اتنا میں آپ سے ضرور کہوں گا کہ برے لوگوں میں' میں بہت کم برا ہوں۔ برائیاں کس میں نہیں ہوتیں اس دنیا میں اس کے علاوہ میرے والد حیات ہیں۔ نیاز اللہ ہے ان کا نام مرزا نیاز اللہ بیگ' خدا نے انہیں اپنی عبادت کی توفیق عطا کی ہے۔ انہوں نے زندگی کا بہت بڑا حصہ عبادت و ریاضت میں گزارہ ہے اور یہ بات تو طے ہے کہ جو خدا کے نیک بندوں میں شامل ہو جائے خدا اسے بڑی عزت سے نوازتا ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ علی خیر محمد کی ملاقات میرے والد سے ہوگئی اور وہی کہا جا سکتا ہے کہ نگاہِ مردِ مومن کا ساتھ بہتری کا باعث ثابت ہوا۔ علی خیر محمد ذہنی طور پر بالکل بدل گیا اور اس نے اپنے بارے میں تمام تفصیلات نیاز اللہ صاحب کو بتا دیں۔ یہ بھی بتا دیا کہ وہ قاتل کی حیثیت سے پولیس کو مطلوب ہے۔ یہ بھی بتایا کہ اس کا تعلق کینیا سے نہیں ہے اور یہ دونوں کرائے کے ٹٹو ہیں جو اس کے گارجیئن بنے ہوئے ہیں۔ ساری تفصیل اس نے مجھے بتا دی۔ فضل شاہ کے بارے میں بتا دیا۔ وہ بچہ مجھے اس قدر بھایا کہ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس کی تمام مشکلوں کا حل اسے تلاش کر کے دوں گا اور اسے اس کی اس نیکی کا صلہ اس شکل میں دوں گا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں اسے اپنا داماد بنا لوں۔ مکرم شاہ صاحب بڑی انوکھی بات کر رہا ہوں میں لیکن بعض سودے اتنے ہی قیمتی ہوتے ہیں کہ انہیں ہر قیمت پر لینے کو

جی چاہتا ہے۔ آپ سے ایک لفظ بھی نہیں چھپاؤں گا کیونکہ ہوسکتا ہے تقدیر میرا ساتھ دے جائے اور میں آپ کا سب سے گہرا رشتے دار بن جاؤں۔ اپنے بارے میں آپ کو بتا دوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے کم از کم ڈیڑھ سے لے کر 2 ارب تک کے اثاثے ہوں گے۔ میرے اور یہ سب کچھ میری اپنی بیٹی کا ہے وہ میری مکمل کائنات ہے اور جو کچھ بھی میں نے کیا ہے وہ اب سب کچھ اس کا ہے۔ میرا خاندانی پس منظر بہت اچھا ہے۔ آپ اس کے بارے میں مکمل تحقیقات کر سکتے ہیں۔ میرا ذریعہ معاش بھی غلط نہیں ہے جبکہ فضل شاہ کے بارے میں آپ کو بتا دوں کہ وہ اسمگلر ہے اور مختلف قسم کے جرائم کرتا ہے۔ ایک دو دفعہ اس نے میرے جائز مال کو ناجائز بنانا چاہا کئی راستوں سے اس نے میرے راستے روکے' نتیجے میں مجھے تھوڑی سی انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑیں اور اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرح سے وہ میرا کاروباری حریف بھی بن گیا۔ مجھ سے کئی جگہ شکست کھانے کے بعد اس کے دل میں میرے لئے انتقام کا جذبہ پیدا ہوا اور اس نے یہ راستہ نکالا۔ علی خیر محمد ہمیں سب کچھ بتا چکا ہے اپنے بارے میں کہ کس طرح اسے فضل شاہ کی تحویل میں اس کی چچی نے دیا اور کس طرح؟''

''ایک منٹ مرزا طارق بیگ صاحب' ایک منٹ' کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ ایک خطرناک ڈاکو کھدوانا کے ساتھ شامل رہا ہے۔''

''ہاں۔'' اس نے مجھے بتا دیا ہے۔''

''کیا یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس نے کہ کیتھرائن اس کے ہاتھوں کئی قتل کرا چکی ہے۔''

''ہاں یہ بھی بتا دیا ہے۔''

''اور آپ ایک ایسے لڑکے کو اپنا داماد بنانے کے لئے تیار ہیں جو پولیس کو قتل کے الزام میں مطلوب ہے۔''

''دیکھئے وہ میرا داماد بنے یا نہ بنے جبکہ میری دلی خواہش ہے اور میں آپ کو بتاؤں کہ مکرم شاہ صاحب میری بچی بھی اسے دل و جان سے چاہتی ہے۔'' میں آپ کو اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں چالاکی سے کام لے رہا ہوں اور اپنے آپ کو چھپا رہا ہوں۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ خدانخواستہ اگر آپ میری اس پیشکش کو قبول نہ کریں تب بھی علی خیر محمد جیسا پیارا بچہ مجھے بہت عزیز اور میری آرزو ہے کہ اس کی زندگی بچ جائے۔''

''وہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن کیا ہم پولیس کو خرید یں گے اور ایسا کریں گے تو کس طرح؟''

''نہیں یہ تو ممکن نہیں ہوگا۔ البتہ میں نے اپنا ایک آدمی کینیا بھیج دیا ہے اور ایسا کام

کا آدمی ہے وہ کہ جو ذمے داری میں نے اس کے سپرد کی ہے وہ اسے پوری کر کے آئے گا۔''

''کینیا بھیج دیا ہے۔''

''ہاں۔''

''میں سمجھا نہیں ہوں مرزا صاحب۔''

''کینیا میں وہ گورنمنٹ کے کچھ اعلیٰ افسروں سے مل کر یہ بات طے کرائے گا کہ شہزادہ خرم کینیا ہی کا باشندہ ہے۔ وہیں پیدا ہوا۔ وہیں اس کے باپ نے کاروبار کیا اور وہیں سے اس نے اپنے اثاثے بیچ کر یہاں آیا۔ ہم یہ بات مکمل طور پر ثابت کر دیں گے وہ علی خیر محمد نہیں بلکہ شہزادہ خرم ہی ہے۔ آپ کو اپنے سینے پر پتھر رکھنا پڑے گا۔ مکرم شاہ صاحب! دوسرا آپ یہ کام کر سکتے ہیں کہ آپ اسے ملک سے باہر بھگا دیں۔ یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں اور دیکھ لیں گے۔ اگر ہماری یہ ترکیب کامیاب نہ رہی تو میں اسے دنیا کے کسی خطے میں سیٹ کر دوں گا لیکن بہرحال کوشش یہ کروں گا کہ ہمارا وہی کام مستقل رہے۔ بے شک آپ اسے علی خیر محمد کا وڈیرہ نہ بنا سکیں گے کیونکہ ایسی صورت میں اس کے لئے قانون کا خطرہ موجود رہے گا لیکن شہزادہ خرم بن کر وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے رہے گا۔ آپ اس سے ملتے جلتے رہیں گے۔ میں سارے پروف اکٹھے کر دوں گا اور یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کو پیشکش ہے مکرم شاہ حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا تھا۔ اس نے کہا:

''مرزا صاحب کیا ایسا ہو سکتا ہے۔''

''آپ یہ سمجھئے کہ ایسا ہو گیا ہے۔ مکرم شاہ نے ایک گہری سانس لی اور بولا:

''ذرا تکلیف دہ صورتحال ہے لیکن میں خود آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔ میری والدہ ہیں' اس سلسلے میں' میں تھوڑی سی بات چیت میں ان سے کروں۔ اس کے بعد میں آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔ آپ مجھے اپنا پتہ دے دیجئے۔''

''میں آپ کا انتظار کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ جب بزرگ گھر میں ہوتے ہیں تو فیصلے انہی کو کرنے چاہئیں۔ بہرحال آپ سے ملنا چاہتا تھا اور مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ تھوڑی سی خاطر مدارت کے بعد مکرم شاہ نے مرزا طارق بیگ کو رخصت کر دیا تھا۔ بڑی دلچسپ صورتحال تھی۔ مرزا طارق بیگ سے دوسری ملاقات ہوئی تھی اور اس کے جانے کے بعد مکرم شاہ گہری سوچ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ بہرحال ابھی فوری طور پر ان تمام باتوں کا تذکرہ شرجیلہ سے کرنا مناسب نہیں تھا کیونکہ علی خیر محمد کو وہاں چھوڑنے کے بعد ذرا غازی شاہ اور کیتھرائن کا کام مکمل کر لینا تھا۔ کیتھرائن بہت سے کارڈ کھیل چکی تھی۔ اس نے چھوٹا بھائی ہونے کے

باوجود اس کو اس کے بیٹے سے محروم کیا تھا تو سہی معنوں میں اب غازی شاہ بھی قابل معافی نہیں رہا تھا۔ کچھ کرنا تھا اور مکرم شاہ انہی سوچوں میں گم ہو چکا تھا۔ مرزا طارق بیگ نے علی خیر محمد کے لئے جو کچھ کیا تھا وہ واقعی بہت بڑا کام تھا لیکن یہ بات بھی مکرم شاہ سوچ رہا تھا کہ اگر علی خیر محمد کو یہیں ملک میں رکھا جائے تو قانون اسے چھوڑے گا نہیں۔ بیٹے کو وہ مکمل طور سے بے گناہ سمجھتا تھا لیکن اس کے لئے یہ مسئلہ بھی تھا کہ اصل گناہگاروں کو وہ منظر عام پر نہیں لا سکتا تھا۔ سارا شیرازہ منتشر ہو جاتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ علی خیر محمد شاہ کو ملک سے باہر نکال دیا جاتا۔ اس طرح وہ بیٹے سے محروم ہو جاتا اور کون جانے کب کوئی ایسا قانون اسے ملک واپس لے آئے۔ اس کی شخصیت بدل جائے۔ جیسا کہ مرزا طارق بیگ نے کہا۔

''اور جیسا کہ اس نے غلط نہیں کہا ہو گا کیونکہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو بھی داؤ پر لگا رہا تھا جس طرح کا وہ آدمی تھا اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی تھی کہ جو کچھ کہہ رہا ہے کرے گا۔ چلو اور کچھ نہ سہی جب بھی دل چاہئے گا بیٹے کو دیکھا تو جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ماں اور بیوی کو اعتماد میں لینا ہو گا۔ لیکن یہ کام بعد میں اتنے سارے مسئلے نگاہوں کے سامنے آ گئے تھے کہ اسے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا اور آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ کہ پہلے غازی شاہ اور کیتھرائن کو سبق دیا جائے۔ پہلے مشکلات کی جڑ کاٹی جائے۔ اس کے بعد مشکلات سے پیدا ہونے والی مشکلات کا جائزہ لے کر ان کا سدباب کیا جائے۔ چنانچہ اس نے کام شروع کر دیا۔ سردار تھا علی محمد گوٹھ کا ایسی بات نہیں تھی کہ آسانی سے اسے نقصان پہنچا دیا جائے۔ بہت سے لوگ اس کے بھی تھے جو اس کے لئے کام کر سکتے تھے۔ چنانچہ بہت کچھ سوچنے کے بعد اس نے اپنے خاص ساتھی کو طلب کیا۔ یہ دلاور شاہ تھا۔ دیکھنے میں خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ قد 6 فٹ 6 انچ' چہرہ حد سے زیادہ بڑا بہت خونخوار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مکرم شاہ نے اسے علی خیر محمد گوٹھ سے دور اپنی زمینوں پر رکھا ہوا تھا۔ دلاور شاہ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کے پاؤں چھو کر بولا:

''سائیں! آپ خیریت سے تو ہو' صحت اچھی ہے' اپنے غلام کو کیوں یاد کیا ہے۔''

''بیٹھ جاؤ دلاور شاہ! تم سے بہت سی تفصیلی گفتگو کرنی ہے۔'' مکرم شاہ نے پرخیال لہجے میں کہا اور دلاور شاہ زمین پر بیٹھ گیا۔

''آرام سے بیٹھو دلاور شاہ! تم جانتے ہو میں نے تمہیں کبھی اپنا ملازم نہیں سمجھا۔''

''جتنا آرام سائیں کے قدموں میں ملتا ہے اتنا مخمل کے گدوں پر بھی نہیں ملتا۔ سائیں میرے کو آرام سے بیٹھا رہنے دو آپ میرے کو حکم کرو۔ بہت دن کے بعد آپ نے مجھے بلایا ہے۔ یقیناً کوئی خاص ہی کام ہو گا۔''

"کام خاص ہی سمجھو دلاور شاہ! لیکن ایک بات تمہیں خاص طور سے بتائے دے رہا ہوں۔ کان بے شک کھلے رکھو گے لیکن زبان بند رکھنی ہے۔ دلاور شاہ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لمبا چاقو نکال لیا اور اسے کھول کر بولا:

"حکم چاہئے سائیں! زبان کاٹ کر آپ کو دیئے دیتے ہیں نہ سسری ہوگی نہ آپ کو اس بات کا شبہ رہے گا کہ دلاور شاہ آپ کی کوئی بات کسی دوسرے کے سامنے کہہ دے گا۔"

"پاگل ہو بے وقوف ہو۔ چلو چاقو بند کر کے جیب میں رکھو۔ اصل میں میرا دماغ الجھا ہوا ہے اس لئے یہ الفاظ منہ سے نکل گئے تمہیں یقیناً برے لگے ہوں گے۔ انہیں دل سے نکال دو۔"

"سائیں دلاور شاہ! آپ کا وفادار کتا ہے جس چیز سے آپ کو نقصان پہنچے گا دلاور شاہ کبھی وہ کام نہیں کرے گا۔"

"میں جانتا ہوں دلاور شاہ لیکن معاملہ اتنا ہی نازک ہے جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو غازی شاہ میرا بھائی......"

"جی سائیں۔"

"اور کیتھرائن انگریز عورت۔"

"معلوم ہے سائیں۔"

"ویسے تو مجھے بہت عرصے سے یہ بات معلوم تھی دلاور شاہ! کہ انگریز عورت علی خیر محمد گوٹھ کے خلاف کام کر رہی ہے اور اسے بہت سے نقصانات پہنچا چکی ہے۔ غازی شاہ میرا بھائی پوری طرح اس کی مٹھی میں جکڑا ہوا ہے۔ دلاور شاہ میں بہت شریف آدمی ہوں۔ میں دنیا میں کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کے بارے میں نہیں سوچتا لیکن دلاور شاہ خود نقصان اٹھانا بھی نہیں چاہتا۔ غازی شاہ اور اس کی بیوی نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ہے۔ میرا علی خیر محمد اس کی وجہ سے قاتل بن چکا ہے۔ یہ بات تم سب جانتے ہوئے بابا! چھپانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اب ایسا بھی نہیں کہ میں بالکل ہی ناکارہ آدمی ہوں۔ میں بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں دلاور شاہ۔ اگر اپنی فطرت کی وجہ سے اب تک نقصانات اٹھاتا رہا ہوں دلاور شاہ اب میں یہ نقصانات اٹھانا نہیں چاہتا۔ غازی شاہ میرا بھائی نہیں رہا ہے بابا' دشمن بن گیا ہے' وہ میرا۔ میں اس کے بارے میں پوری کھوج لگانا چاہتا ہوں اور میں نے تمہیں اسی لئے بلا لیا ہے۔ مجھے مشورہ دو مجھے کیا کرنا چاہئے۔

"سائیں! میں تو بہت چھوٹا آدمی ہوں۔ آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔ البتہ

آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کچھ اشارے آپ کو دیئے دیتا ہوں۔ چھوٹے سائیں کا جگری دوست کہہ لیجئے۔ خاص کارکن کہہ لیجئے قربان ہے۔ قربان کے بارے میں یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ سائیں غازی شاہ کی ناک کا بال ہے اور غازی شاہ اسی پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ مکرم شاہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"ہاں یہ بات میرے علم میں بھی آ چکی ہے۔ دلاور شاہ' بالکل ٹھیک اشارہ کیا تم نے۔ اب میں تم سے جو کام چاہتا ہوں اس کی تفصیل سنو۔" قربان کو اغوا کر کے پرانی حویلی میں لے آؤ۔ پرانی حویلی کا مغربی حصہ جہاں ہمارا قید خانہ ہے۔ میں کھلوائے دیتا ہوں۔ تمہیں یہ کام کرنا ہے۔ مشکل تو نہیں ہوگی۔"

"دلاور شاہ نے گردن خم کر کے کہا:

"سائیں! آپ دلاور شاہ کو جو حکم دو گے اللہ سائیں کے حکم سے وہ اسے پوری طرح سرانجام دے گا۔ شام کو 7 بجے تک وہ قید خانے پہنچ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔ دلاور شاہ ویسے تم قربان کو جانتے ہونا۔"

"سائیں! بڑا اچھا دوست ہے ہمارا۔ سلام دعا ہے ہماری دلاور شاہ نے مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور مکرم شاہ چونک پڑا۔"

"تو پھر اگر وہ تمہارا دوست ہے تو اسے اغوا کرتے ہوئے تمہیں افسوس تو نہیں ہوگا۔"

"سائیں! کتے صرف مالک کے اشارے پر دوڑتے ہیں کس پر دوڑ رہے ہیں اگر وہ وفادار ہوتے ہیں تو نہیں سوچتے۔ ہماری فکر مت کرو آپ۔"

"ٹھیک ہے دلاور! شام کو 7 بجے میں پرانی حویلی کے قید خانے میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"ہم پہنچ جائیں گے سائیں! تم بالکل بے فکر رہو۔ دلاور شاہ نے کہا اور جب وہ چلا گیا تو مکرم شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ اس پریشانی کا شکار تھا کہ اگر قربان پر تشدد کرنا پڑا تو کیا دلاور شاہ یہ کام کر سکے گا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ دلاور شاہ کتے کی طرح وفادار ہی تھا۔ اس نے کبھی زندگی میں مکرم شاہ کی بات سے انحراف نہیں کیا تھا۔"

"کیا سوچ رہے ہو مکرم شاہ! جو کر چکے ہو یا جو کرنے والے ہو اس پر شرمندہ ہو۔"

شرجیلہ کی آواز سنائی دی اور مکرم شاہ چونک پڑا۔ ایک لمحے کے لئے سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''بیگم سائیں! آپ ہماری کاوش کا برا تو نہیں مانتے ہو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ بیگم سائیں کہ اب زخم کھل گیا ہے۔ سارا مواد پھوٹ کر بہہ نکلا ہے۔ بیگم سائیں کسی بھی طرح ہم نے اسے آپ یقین کرو۔علی خیر محمد سے کم محبت نہیں دی۔علی خیر محمد تو بہت بعد کی چیز ہے۔ہم سچے آدمی ہیں بیگم سائیں اور سچ کو دنیا کی ہر چیز سے قیمتی سمجھتے ہیں۔ پھر ماں کے سامنے جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بیگم سائیں! اللہ سائیں کے بعد ہم آپ کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔ بیگم سائیں سچ کہہ رہے ہیں ہم۔ گھاؤ لگا دیا ہے اس نے ہمارے دل پر جو ہو رہا ہے آپ کے علم میں ہے۔ایسا تو نہیں ہونا چاہئے بیگم سائیں! اور پھر وہ عورت نہیں بیگم سائیں معلومات کرنا ہے اور اگر ہمیں اچھے ثبوت مل جاتے ہیں تو بیگم سائیں کارروائی بھی کرنی ہے۔ٹھیک نہیں ہوا ہے یہ سب کچھ۔''

''بیوقوف تو یہ سمجھ رہا ہے کہ شاید تو جو کارروائی کر رہا ہے مجھے اس کا افسوس ہے یا مجھے اس سے اختلاف ہے۔ایسا بالکل نہیں ہے۔میں چاہتی ہوں کہ تو یہ کارروائی کرے ساری تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے ایک بات مان لے گا میری''

''جی بیگم سائیں حکم کریں۔''

''میں بھی وہاں موجود رہوں گی جب تو قربان سے معلومات حاصل کرے گا۔''

''بیگم سائیں! ہم نے اسے پرانی حویلی کے قید خانے بلایا ہے۔قید خانے کے درمیان بڑی جگہ ہے اور کسی ایک جگہ پوشیدہ ہو کر ساری باتیں سنیں اور سامنے نہ آئیں۔اگر کہیں کسی جگہ کوئی بہت ہی بڑی مجبوری ہے تو پھر دیکھا جائے گا۔''

''مجھے اعتراض نہیں ہے۔بس میں چاہتی ہوں کہ میں بھی اپنے کانوں سے قربان کی باتیں سنوں۔''

''ٹھیک ہے بیگم سائیں! آپ تشریف لے آئیے۔ہم آپ کا انتظار کریں گے وہاں اور اس وقت کارروائی کا آغاز کریں گے۔جب آپ آ جائیں گے اور ہمیں اس کا علم ہو جائے گا۔

''ٹھیک ہے۔''

''ایک بات کے لئے پریشان ہیں۔''

''ہاں بولو کیا بات ہے؟''

''بیگم سائیں! ہو سکتا ہے قربان پر تشدد کرنا پڑے۔ دلاور شاہ اس کا دوست ہے ہماری اس بات پر وہ کر تو سب کچھ لے گا لیکن۔''

''کچھ اور لوگوں کو بھی وہاں طلب کر لو جو اس کی زبان کھلوا سکیں۔'' شرجیلہ نے کہا اور مکرم شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وڈیروں کی بڑی بڑی خونخوار داستانیں سندھ کے اضلاع میں بکھری پڑی ہیں۔ان کے اپنے قید خانے' ان کے اپنے عقوبت خانے اور نجانے کیا کیا کہانیاں لیکن مکرم شاہ کی ذات سے ایسی کوئی کہانی وابستہ نہیں تھی۔وہ ایک نیک فطرت اور شریف النفس انسان تھا۔ ہمیشہ دوسروں کے لئے سینہ کھول دینے والا یہ اس کی زندگی کے سب سے کٹھن لمحات تھے اور وہ بڑی پریشانی کے ساتھ ان پر غور کر رہا تھا۔

☆☆☆☆

''دلاور شاہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا۔شام کو 7 بجے تک اسے اپنا یہ کام سرانجام دے لینا تھا۔ پورے دن کی تلاش کے بعد کوئی ساڑھے 5 بجے اسے قربان! کھیتوں کی پگڈنڈی پر ملا۔وہ اپنی جیپ میں جا رہا تھا جبکہ دلاور شاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ 7 بجے تک اسے ہر قیمت پر قربان کو پرانی حویلی کے قید خانے پہنچانا تھا۔اس وقت ساڑھے 5 بجے تھے اور سب سے بڑی پریشانی کی بات یہ تھی کہ قربان کے دو ساتھی اس کے ساتھ جیپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بہر حال سارا خطرہ مول لے لینا تھا۔ دلاور شاہ نے بہت دور سے قربان کو دیکھا تھا اور اپنے گھوڑے کو کھیتوں میں ڈال دیا تھا تا کہ قربان پگڈنڈی پر جب ایک مخصوص جگہ نکلے تو دلاور شاہ اسے سامنے سے آتا ہوا نظر آئے۔ منصوبہ بندی تو کر لی تھی ویسے دلاور شاہ کا وجود جس قدر خوفناک تھا اس طرح اس کے کارنامے بھی مشہور تھے۔قربان اور وہ ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ جب قربان نے دلاور شاہ کو سامنے سے گھوڑے پر آتے ہوئے دیکھا تو مسکراتے ہوئے جیپ کی رفتار ہلکی کر دی۔ یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے۔ دلاور شاہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا تو قربان نے بھی اپنی سیٹ چھوڑ دی تھی۔

''سائیں دلاور شاہ اور شاندار ہو گئے ہو۔ کیا کھاتے ہو بابا میرے کو بھی بتا دو۔ میں بھی تمہاری طرح جاندار ہونا چاہتا ہوں۔

''قربان! میں جو کچھ تم سے کہوں گا تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔''

''نہیں سائیں دلاور شاہ! تمہاری بات اگر بری بھی لگی تو کس کی مجال ہے کہ تمہارے سامنے اس کا اظہار کرے۔ بابا ہڈیاں تھوڑی تڑوانی ہے کسی کو اپنی' قربان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ایک بہت ضروری کام

سے نکلا ہوا تھا مگر تم سے بھی ملنا چاہتا تھا۔ یہ دونوں کون ہیں۔'' دلاور شاہ نے جیپ میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ارے تم ابھی تک گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہو کیا کھوپڑی کی ہڈی کھجا رہی ہے تمہاری۔ اتنی بڑی شخصیت تمہارے سامنے ہے اور تم گاڑی ہی میں بیٹھے ہوئے ہو۔ دونوں آدمی پھدک کر نیچے اتر گئے تھے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے۔''

''ایسی بات مت کہا کرو قربان! میں تو بابا ایک معمولی سا آدمی ہوں۔''

''ابھی یار! تم مجھے یہ بتا رہے تھے کہ کیا کھا کر میں بھی تمہارے جیسا ہو سکتا ہوں۔''

''سائیں حلال کی روزی' سچ حلال کی کمائی کی سوکھی روٹیاں کھا لو اور ایک گلاس پانی پی لو پھر اپنی جان دیکھو۔''

''ٹھیک کہتے ہو بابا! مانتا ہوں دل سے مانتا ہوں تمہاری بات کو۔ ابھی بولو کیا حکم ہے میرے لئے۔ آپ بول رہے تھے نا کہ آپ کو مجھ سے بھی ملنا تھا۔''

''قربان تم کدھر جا رہے ہو۔''

''سائیں! آپ یوں سمجھ لو بستی جا رہا مگر آپ کو کوئی کام ہے تو میرے کو بولو۔''

''ہاں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔''

''کدھر۔''

''ارے بابا ساری باتیں پوچھ لو گے تو پھر بھروسے والی کیا بات رہی۔''

''نہیں یہ بات نہیں دلاور سائیں! اصل میں جس کام سے جا رہا تھا اس میں ابھی تھوڑی پریشانی ہے۔ آپ میرے کو کوئی اور ٹائم دے دو' میں پہنچ جاؤں گا۔''

''نہیں قربان! تمہیں ابھی میرے ساتھ چلنا ہے میری مجبوری کو سمجھو۔''

''آپ ٹھیک بولتے ہو دلاور سائیں! اچھا میرے کو پر یہ بتا دو کہ کام کیا ہے۔''

''میں نے بولا نا۔ کام بھی تمہیں بعد میں ہی بتا دوں گا۔''

''مجھے کم از کم آج کی تو چھٹی دے دو دلاور سائیں! کل پورا دن تمہارے لئے حاضر ہے۔ جدھر بولو گے ادھر پہنچ جاؤں گا۔ آج کی چھٹی دے دو میرے کو۔''

''نہیں بابا' نہیں بابا' ایسا مت بولو تمہیں ہر قیمت پر میرے ساتھ چلنا ہے۔ اے تم دونوں بھاگ جاؤ۔ دلاور شاہ نے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں سے کہا۔ اب اس کے تیور بدلنے لگے تھے۔ قربان ہکا بکا رہ گیا۔

''سائیں دلاور شاہ۔''

''یار! میں تیرے کو بولا مجھے ابھی تیرے سے کام ہے۔''

''مگر سائیں! دلاور آپ تو اتفاقیہ طور پر میرے کو مل گئے۔ آپ کو کیا معلوم تھا کہ میں ادھر سے آ رہا ہوں۔''

''دیکھو بابا معلوم تھا یا نہیں تھا ابھی تم چلو گاڑی میں بیٹھو۔ گاڑی میں چلاؤں گا تمہارا چلنا ضروری ہے۔''

''یہ تو مجھ پر زبردستی سی لگ رہی ہے۔''

''بابا جو تمہارا دل چاہئے سمجھ لو۔''

''مگر میں ایسے تو نہیں جاؤں گا۔''

''اے کتے کے بچو! تم بھاگے نہیں ادھر سے۔'' دلاور شاہ نے ان دونوں سے کہا اور آگے بڑھ کر پوری قوت سے ایک شخص کے منہ پر ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ چار قلابازیاں کھا کر نیچے گرا تھا۔ قربان ہکا بکا رہ گیا۔ دوسرا آدمی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور پھر دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا جبکہ نیچے گرنے والا اٹھ کر بری طرح بھاگا تھا۔ قربان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''سائیں دلاور تم میرے دوست ہو۔''

''بابا اس ٹائم نہیں ہے اب کیا بولے تمہارے کو۔''

تم مجھے اس طرح نہیں لے جا سکتے۔''

''ٹھیک ہے جاؤ جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔ میری سنتے نہیں ہو تو میں کیا کروں۔'' دلاور شاہ نے قربان کو ایک لمحے کے لئے چکا دیا۔ قربان غصے سے اسے گھورتا رہا۔ پھر اپنے آدمی کی جانب متوجہ ہوا۔ بس یہی لمحہ اس کے لئے غلط تھا۔ دلاور شاہ نے دونوں کھڑے ہاتھ اس کی گردن پر مار اور پھر ایک زوردار گھونسہ اس کی گدھی پر رسید کر دیا۔ دلاور شاہ کے گھونسے کا مطلب تھا کہ تقریباً 20 کلو وزنی ہتھوڑا قربان تھوسا سا آگے جا کر پٹ سے زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔''

''معافی چاہتا ہوں بابا! کیا کیا جائے۔ سائیں کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ دلاور شاہ نے آگے بڑھ کر قربان کو اس کی جیپ کے پچھلے حصے میں ڈالا پھر اپنے گھوڑے کے پچھلے حصے پر ہاتھ تھپتھپایا اور بولا:

''گھر پہنچ جانا سا گو! سدھے گھر جانا۔ میں آ جاؤں گا تھوڑی دیر کے بعد یہ کہہ کر اس نے جیپ ریورس کی اسے کھیتوں میں اتار کر موڑا اور پھر واپسی کے لئے چل پڑا۔ اپنا کام اسے ہر قیمت پر سرانجام دینا تھا۔ ادھر قربان کے ساتھ آنے والے دونوں آدمی وہیں موجود

اس شخص کے منہ پر تھپڑ پڑا تھا
تھے۔انہوں نے دلاور شاہ کی تمام تر کارروائی غور سے دیکھی تھی جس شخص کے منہ پر تھپڑ پڑا تھا
اس کا دماغ ابھی تک چکرایا ہوا تھا۔اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا:

''بابا یہ تو اغوا کا کیس ہوگیا۔''

''مگر دلاور شاہ اور قربان کی تو بڑی دوستی تھی۔''

''سائیں! آج کل کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا پر اب ہم کریں کیا۔''

''پہلے یہ گھوڑا پکڑو جو ہمیں بستی پہنچا دے۔اس شخص نے کہا جس نے تھپڑ کھایا تھا۔
دوسرے آدمی نے فوراً اس پر عمل کیا گھوڑا ابھی وہیں موجود تھا۔سیدھا سادھا شریف گھوڑا تھا۔
اسے آسانی سے قبضے میں کرلیا گیا اور پھر دونوں اس پر سوار ہوگئے۔''

''سیدھے سائیں غازی شاہ کے پاس چلو اور انہیں قربان کے اغوا کے بارے میں
بتاؤ۔''

''ٹھیک ہے چلو۔'' اور اس کے بعد گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا۔

☆☆☆☆

''قربان! کو ہوش آ گیا۔اس سے پہلے کبھی اس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔وہ تو
دوسرے کو نقصان پہنچانے والوں میں سے تھا۔پتہ نہیں دلاور شاہ نے اس کے ساتھ یہ کارروائی
کیوں کی تھی۔قربان شاہ پر اتنی آسانی سے دلاور شاہ کے ہاتھ آ تا بس اپنی حیرانی کا شکار ہوگیا
تھا کیونکہ دلاور شاہ بہرحال اس کا دوست تھا۔طاقتور ضرور تھا لیکن پھر بھی قربان اس سے
مدافعت تو کرسکتا تھا جس بڑے حال میں اسے ہوش آیا تھا وہ بڑی خوفناک جگہ تھی۔یہاں
اذیت دینے کے آلات صاف نظر آ رہے تھے۔رفتہ رفتہ قربان کی تمام ذہنی قوتیں واپس آتی
رہیں اور سا نے حیرت سے اس منظر کو دیکھا۔جگہ پہچانی ہوئی نہیں تھی مگر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ
کوئی معمولی جگہ نہیں ہے۔قصہ کیا ہے یہ کچھ سمجھ میں نہیں آ تا تھا۔ویسے دلاور شاہ کے بارے
میں اسے یہ بات معلوم تھی کہ مکرم شاہ کا آدمی تھا اور مکرم شاہ کی زمینوں پر رہتا تھا۔خطرناک
آدمی تھا۔ماضی میں بہت خوفناک ڈاکو تھا پھر 14 سال کی سزا ہوگئی۔14 سال گزار کر باہر نکلا
تو مکرم شاہ نے اسے خوش آمدید کہا اور اسے پیشکش کی کہ اگر وہ دوبارہ اپنی پرانی زندگی کو شروع
نہیں کرنا چاہتا تو اس کے پاس رہ سکتا ہے۔وہ اس پر مکمل اعتبار کرے گا۔دلاور شاہ واقعی اپنی
زندگی سے تائب ہوکر نکلا تھا۔چنانچہ اس نے بڑی کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی۔اور کہا کہ اب
وہ اچھی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔وہ صرف مکرم شاہ کے احکامات پر عمل کرے گا اور اس کے
بعد اس نے واقعی اپنا قول نبھا دیا تھا۔پرسکون زندگی گزار رہا تھا۔مکرم شاہ کے چھوٹے موٹے

کام کر دیا کرتا تھا۔کہیں ہاری یا مزارعے سرکشی کرتے تو دلاور شاہ بس اتنا کر دیا کرتا تھا کہ دو چار ہاتھ جھاڑ کر انہیں راہ راست پر لے آتا تھا جبکہ مکرم شاہ کو اس کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی تھی۔وہ بذات خود ایک نیک فطرت انسان تھا۔بہرحال قربان کو ساری باتیں یاد آنے لگیں اور اس نے چاروں طرف دیکھا۔ہاتھ پاؤں کھلے ہوئے ہی تھے لیکن قید خانہ جس نوعیت کا حال نظر آ رہا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ باہر نکلنا آسان کام نہیں ہوگا۔چھوٹی چھوٹی کچھ کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں لیکن ان کے دوسری طرف بھی تاریکی تھی اور پھر وہ کھڑکیاں کافی بلندی پر تھیں اور یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جس کے ذریعے ان کھڑکیوں سے باہر جھانکا جائے۔غالباً یہ قید خانہ گہرائی میں بنا ہوا تھا اور دوسری طرف بلندی تھی چونکہ بڑے دروازے سے کوئی 8 سیڑھیاں نیچے تک آتی تھیں اور ان 8 سیڑھیوں کے بعد قید خانے کی زمین شروع ہوتی تھی۔مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہے کیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے دلاور شاہ نظر آیا۔دلاور شاہ نے اسے دیکھا تو قربان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔''دلاور شاہ! ایک بات میں تمہیں بتا دوں تم اتنی آسانی سے مجھ پر قابو نہیں پا سکتے تھے مگر مجھے اس بات کی امید نہیں تھی کہ تم میرے ساتھ یہ سلوک کروں گے۔''

''قربان! میں اپنی زندگی کا سودا کر چکا ہوں بابا۔اگر تم مجھ سے میرے بارے میں نہ پوچھو تو زیادہ اچھا ہوگا۔اس وقت نہ تو میں تمہاری کسی بات کا برا مانوں گا جو دل چاہے کہو مجھ سے کیونکہ میرے مالک کا حکم ہے اور اس کے حکم کے تحت میں تمہیں یہاں تک لایا ہوں۔''

''لیکن میری بات سنو دلاور شاہ!''

''بابا ہزاروں باتیں سنا دو میرے کو پر میں تم سے ایک ہی بات کہوں گا کہ اس وقت میری آنکھوں کا رنگ بدل گیا ہے۔''

''تب پھر تم ایک بات اور بھی کان کھول کر سن لو دلاور شاہ۔''

''بولو بابا بولو۔''

''میری آنکھوں کا رنگ بدلا۔تو تم آسانی کی زندگی نہیں گزار سکو گے۔''

''کیا کرو گے بابا! جو کروں گا تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''نہیں بابا! میں نے سوچ لیا ہے۔''

''کیا سوچ لیا ہے۔''

''زیادہ سے زیادہ تم مجھے قتل کر دوں گے نا۔''

''ایسا بھی ہوسکتا ہے دلاور شاہ!''

"تو بابا مر جاؤں گا۔ تمہارے کو ایک بات بتا دوں۔ جب میں جیل گیا تھا نا تو زندہ تھا اگر جیل نہ جاتا تو تم یقین کرو قربان کہ نجانے کتنے ڈاکے ڈالتا۔ کتنے قتل کرتا پر بابا! بہت سے لوگوں کی زندگی بچنا تھی۔ میرا مالک میرا مولا' میرا آقا' میرا اللہ میرے گناہوں سے اکتا گیا تھا۔ اس نے مجھے وہیں گناہوں سے روک دیا۔ میں گرفتار ہو کر جیل چلا گیا۔ ہاں میری کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ بس میں نے خود اپنے بارے میں سوچا کہ کیا زندگی گزاری ہے میں نے۔ بہرحال وہاں سے نکلا تو ایک بدلا ہوا انسان تھا۔ قربان! مجھے دھمکی مت دو میں زندگی اور موت کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔"

"مگر میری بات سنو۔ مجھے کیوں یہاں لائے ہو۔"

"بابا بولا نا مالک کا حکم تھا۔"

"مگر تمہارا مالک تو سائیں مکرم شاہ ہے۔" قربان نے کہا۔

"ہاں۔ میں اس کا مالک نہیں' اس کا سرپرست ہوں اور میری ہی ہدایت پر یہ تمہیں یہاں لایا ہے قربان' سیڑھیوں والے دروازے سے آواز آئی اور مکرم شاہ پروقار انداز میں سیڑھیاں اترتا ہوا قید خانے میں پہنچ گیا۔

"سلام بڑے مالک' سلام بڑے سائیں۔ سائیں! ہم اس انوکھی بات پر بہت حیران ہیں۔ آپ کا کتا بھی اگر ہماری طرف رخ کر کے بھونک دیتا اور ہمارے علم میں یہ بات آجاتی کہ آپ ہمیں بلاتے ہو تو میں سر کے بل دوڑ کر چلا آتا۔ ہماری سمجھ میں صرف یہی بات نہیں آئی کہ آپ نے ہمیں اس طرح بلایا کیوں ہے۔"

"اس کی وجہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں قربان! میں چاہتا تھا کہ تمہارے اس طرح یہاں آنے کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو۔"

"سائیں! آپ یہ بھی ہم کو بلوا دیتے تو ہم کسی کو بتا کر نہیں آتے۔"

"نہیں یہاں میں تم سے اتفاق نہیں کرتا۔"

"آپ حکم کرو سائیں۔"

"تم غازی شاہ کو ضرور بتاتے جبکہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ غازی شاہ کو تمہاری یہاں آمد کے بارے میں معلوم ہو۔" قربان خاموشی سے مکرم شاہ کو دیکھتا رہا۔ مکرم شاہ نے کہا:

"قربان! یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم غازی شاہ کے آدمی ہو۔"

"سائیں نمک تو آپ سب کا کھاتے ہیں ہم نہ صرف ہم بلکہ ہمارے باپ دادا نے بھی آپ کا نمک کھایا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ قصہ کیا ہے؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کیا قصہ ہے۔ میں تم سے غازی شاہ کے بارے میں' کیتھرائن کے بارے میں اپنے بیٹے علی خیر کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

قربان کے چہرے پر پتھریلے نقوش نمودار ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا:

"سائیں ہمیں غازی شاہ سائیں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہیں' ان کی بیگم کیتھرائن کے بارے میں' علی خیر محمد کے بارے میں بھی اور سائیں غازی شاہ نے ہمیں حکم دیا تھا ہم سب کان کھلے رکھیں' آنکھیں کھلی رکھیں اور زبان بند رکھیں۔ سائیں! وہ بھی ہمارے مالک ہیں۔ اگر ہم کسی دباؤ میں آ کر ان سے منحرف ہو جائیں تو سائیں آپ سے بھی جھوٹ بول سکتے ہیں۔ آپ ہمیں حکم دو جو آپ کہو گے وہ کریں گے سائیں! پر یہ معلومات یا ایسی باتیں ہم نہیں کر سکتے ہیں۔"

"کرو گے تم قربان کرو گے۔ میں نے آج تک برائی کے راستوں کی طرف قدم نہیں اٹھایا جو کچھ ہوا میں اسے برا سمجھتا ہوں اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے بھی میں برا سمجھتا ہوں۔ مگر اندازہ کچھ کچھ یوں ہو رہا ہے جیسے یہ سب کچھ کئے بغیر میرا کام ہوگا نہیں۔"

"سائیں! ہمارے کو معافی دو۔ بات ایسی آ گئی ہے کہ ہم پریشان بھی ہیں اور مجبور بھی۔"

"دلاور شاہ اسے سامنے والی ٹکٹکی سے باندھ دو۔" مکرم شاہ نے حکم دیا اور دلاور شاہ تیار ہو گیا۔ قربان! خود ٹکٹکی کے ساتھ جا کر اس انداز میں کھڑا ہو گیا تھا کہ اسے آسانی سے باندھا جا سکے اور دلاور شاہ نے اس کے ہاتھ پاؤں ٹکٹکی میں کس دیئے۔

"اس سے پوچھو کہ علی خیر محمد کہاں ہیں اور کس طرح یہ سب کچھ ہوا ہے۔ دلاور شاہ ایک لمحے تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا:

"سائیں! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لوں۔ بات یہ ہے کہ یہ میرا دوست ہے۔ آپ کے حکم کی ہر تعمیل کروں گا۔ تھوڑی سی مشکل پیش آئے گی جس کے لئے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ مکرم شاہ نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اچانک سیڑھیوں والا دروازہ زور زور سے بجا کہ کوئی بہت زور زور سے دروازہ بجا رہا تھا۔ مکرم شاہ ایک لمحے کے لئے پریشان ہو گیا۔ بیگم سائیں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ شرجیلہ بیگم سائیں۔ کھڑکی کے پاس چھپی ہوئی یہ سارا منظر دیکھ رہی ہے۔ الجھی ہوئی نگاہوں سے اس نے دلاور شاہ کو دیکھا اور بولا:

"جاؤ دیکھو کون ہے۔" دلاور شاہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆☆

''قربان خود بھی معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ اس کی بڑی عزت تھی' بڑا وقار تھا۔ اس کے دونوں آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر تھوڑا سا فاصلہ دے کر پہلے تو غازی شاہ کی طرف بڑھے اسے بتانے کے لئے کہ قربان کو اس طرح دلاور شاہ نے اغوا کر لیا ہے لیکن پھر انہوں نے فوراً ہی گھوڑے کا رخ تبدیل کر دیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا:

''ذرا یہ تو معلوم ہو جائے کہ دلاور شاہ! سائیں قربان کو لے کر جا کہاں رہا ہے۔''

''مگر دیر ہو جائے گی۔'' دوسرے نے کہا۔

''ہو جائے۔ دیکھ تو لیں کم از کم جا کر چھوٹے سائیں کو بتائیں گے کیا۔''

''کہیں دلاور شاہ ہمیں دیکھ نہ لے۔''

''احتیاط سے چلتے ہیں۔'' دونوں ایک ہی گھوڑے کی پشت پر سوار تھے۔ بہرحال وہ جیپ کا تعاقب کرتے رہے۔ لمبے فاصلے طے کرنے کے بعد جیپ آخرکار پرانی حویلی کے اس مغربی گوشے پر جا کر رکی جہاں پرانی حویلی کا ایک ویران حصہ تھا۔ دلاور شاہ جیپ سے نیچے اترا۔ بے ہوش قربان کو اس نے اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور اس کے بعد اندر داخل ہو گیا۔''

''پرانی حویلی۔''

''ہاں۔''

''سمجھ میں نہیں آئی بات سائیں۔''

''سمجھنے کی کوشش بھی مت کرو۔ یہ مالکوں کا کھیل ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم جا کر سائیں غازی شاہ کو اطلاع دیں۔ چلو چلتے ہیں۔'' اور اس کے بعد انہوں نے واپسی کے لئے گھوڑے کو دوڑا دیا۔ اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد آخرکار غازی شاہ کی حویلی پر پہنچ گئے۔ غازی شاہ تک پہنچنا مشکل ثابت نہ ہوا۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ غازی شاہ اس وقت موجود تھا۔ اس نے ان دونوں سے ملاقات کی۔ دونوں بدحواس نظر آ رہے تھے۔

''کیا بات ہے؟ کیا ہو گیا تم لوگوں کو۔''

''سائیں! ہم ٹھیک ہیں۔ پر قربان' قربان سائیں۔''

''قربان کو کیا ہوا؟''

''سائیں انہیں اغوا کر لیا گیا ہے۔''

''کیا؟''

''ہاں سائیں! جیپ میں آ رہے تھے ہم گوٹھ سے راستے میں گھوڑے پر دلاور شاہ

ملا۔''

''کون؟''

''سائیں دلاور شاہ''

''کون سا دلاور شاہ؟''

''وہی سائیں! جو گھوڑے والے باغ میں رہتا ہے اور سائیں! مکرم شاہ کا آدمی ہے۔''

''اچھا خیر پھر۔''

''سائیں وہ گھوڑے پر سوار تھا۔''

''ہوں۔ آگے کی بات بتاؤ۔''

''سائیں! قربان سائیں اور اس کے درمیان بات چیت ہوتی رہی۔ قربان سائیں کو وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ہم آگے بڑھے تو انہوں نے ہمارے منہ پر تھپڑ مارا۔''

''کس نے۔''

''سائیں دلاور شاہ نے۔''

''اچھا پھر۔''

''پتہ نہیں آگے کیا بات ہوئی ہمارا فاصلہ تھا لیکن دلاور شاہ نے قربان سائیں پر حملہ کیا اور انہیں بے ہوش کر کے انہی کی جیپ میں ڈال لیا اور پھر جیپ اسٹارٹ کر کے چلا گیا۔''

''کیا۔ دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔''

''نہیں سائیں! آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت بھلا ہم میں سے کسی کی ہو سکتی ہے۔''

''پھر کیا ہوا پھر کیا ہوا آگے بکو۔''

''سائیں ہم دلاور شاہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جیپ کا پیچھا کرتے ہوئے پرانی حویلی تک پہنچے۔ پرانی حویلی میں جیپ رکی اور دلاور شاہ بے ہوش سائیں قربان کو لئے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ بس اس کے بعد ہم گھوڑا دوڑاتے ہوئے آپ کے پاس آ گئے۔''

''پرانی حویلی۔ کیا جیپ حویلی میں داخل ہوئی تھی۔''

''نہیں سائیں۔ وہ تو پچھی کھائی والے گیٹ پر جا کر رکی تھی۔''

''او ہو اچھا۔ ادھر تو سائیں مکرم شاہ۔ کا تہہ خانہ ہے۔ ضرور کوئی بڑی گڑ بڑ ہو گئی ہے۔''

''اچھا اب ایک کام کرو۔ تم لوگ اپنے گھر جاؤ اور بند ہو کر بیٹھ جاؤ۔ گھر سے باہر نکلے تو گولی مار دوں گا سمجھے۔ یہ الفاظ کسی کے سامنے مت کہنا۔''

''جو حکم سائیں ہم تو حکم کے غلام ہیں۔'' دونوں ہاتھ جوڑ کر بولے اور غازی شاہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ اس کی پشت پر جو ایک کھڑکی کھلتی ہے اس میں ایک سایہ سا سامنے سے گزر گیا ہے۔ وہ برق رفتاری سے سے دوڑتا ہوا باہر آیا اور پھر جیپ میں بیٹھ کر اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور چل پڑا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ مکرم شاہ کے آدمی نے قربان کو کیوں اغوا کیا اور کیوں پرانی حویلی لے کر پہنچا۔ پرانی حویلی کے عقوبت خانے سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ ظاہر ہے یہ ان کا گھر تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ مکرم شاہ نے اسے اغوا کرایا ہے مگر کیوں؟ یہ سارے سوالات دل میں لئے ہوئے وہ جیپ دوڑاتا رہا اور کچھ دیر کے بعد پرانی حویلی کے بڑے گیٹ کے سامنے رک گیا۔ اندر داخل ہونے کے راستے اسے معلوم تھے۔ چنانچہ دوڑتا ہی ہوا وہ عقوبت خانے کے واحد دروازے پر پہنچا اور پھر اس نے دروازہ پیٹ ڈالا۔ دروازہ کھلا تو اسے سامنے ہی دلاور شاہ کی صورت نظر آئی۔ دلاور شاہ اسے دیکھ کر سکتے میں رہ گیا تھا۔ غازی شاہ نے غراتے ہوئے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اسے دھکیلتا ہوا بولا:

''پیچھے ہٹو۔'' دلاور شاہ سیڑھیاں اتر گیا۔ غازی شاہ بھی دوڑتا ہوا نیچے آ گیا تھا۔ یہاں اس نے مکرم شاہ کو دیکھا۔ پھر قربان کو جو ٹکٹکی سے بندھا ہوا تھا اور اس کے بعد اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کی نگاہیں مکرم شاہ کی جانب اٹھ گئیں اور اس کے منہ سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

''یہ کیا ہے بڑے سائیں!''

''قربان تمہارا آدمی ہے نا۔''

''جی سائیں ہے۔'' غازی شاہ نے کہا۔

''اسے میں نے پکڑوا کر بلوایا ہے۔ یہ بتاؤں تمہیں اس کے بارے میں کیسے اطلاع مل گئی۔'' غازی شاہ نے گردن جھکا لی اور نرم لہجے میں بولا اور سائیں اس کے ساتھ دو آدمی تھے جو اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس پہنچے اور انہوں نے مجھے ساری صورتحال بتائی۔''

''ریوالور لے آئے ہو یہاں۔'' مکرم شاہ نے پوچھا۔ اور غازی شاہ نے چونک کر بھائی کو دیکھا۔ بالکل نیا لہجہ سامنے آیا تھا۔ اس میں وہ شیریں تھیں نہ وہ حلاوٹ جو مکرم شاہ کی

زندگی کا ایک حصہ تھی۔

''بلکہ اس وقت اس کے لہجے میں ایک خونخوار درندگی چھپی ہوئی تھی۔''

''اگر اتفاق سے ریوالور میرے پاس ہوتا بھی سائیں! تو اسے پھینک دیتا۔ آپ کے پاس لانے کی گستاخی کبھی نہ کرتا۔''

''پھر کیوں دوڑے ہوئے چلے آئے ہو۔''

''سائیں! تجسس یہاں لے آیا ہے۔ آپ کا حکم نہ ہو تو واپس چلا جاؤں۔''

''نہیں آ گئے ہو تو رکو۔ اچھا ہے تم بھی آ گئے۔ بات زیادہ آسان ہو جائے گی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ غازی شاہ دل تو نہیں چاہتا کہ طوالت میں جاؤں لیکن کچھ جملے ضرور ادا کروں گا۔ وہ جملے یہ ہیں کہ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ تمہیں یورپ بھیجنے کا مقصد صرف تمہاری اعلیٰ تعلیم تھی۔ ایسا کوئی تصور نہیں تھا کہ علی خیر محمد گوٹھ پر قبضہ جماؤں اور جائیدادیں اپنے قبضے میں کر لوں۔ تم تعلیم حاصل کرنے گئے اور اس کے بعد شادی کر کے آ گئے۔ میں تو شاید اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ ساری باتیں قبول کر لیتا اور کیتھرائن کو وہ مقام دیتا جو اپنی بہو کو دیا جا سکتا تھا لیکن بیگم سائیں نے اسے قبول نہیں کیا اور اس کے بعد خرابیاں پیدا ہوتی چلی گئیں۔ غازی شاہ! ہر چیز کو برداشت کر لیا میں نے بابا! تم نے میرا بیٹا چھین لیا مجھ سے غلط راستوں پر لگا دیا اسے قاتل بنا دیا۔ اس معصوم سے بچے کو تم دونوں میاں بیوی نے سب کچھ کر لیا میرے ساتھ۔ غازی شاہ اس کے بعد تم نے اسے فضل شاہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ بابا وہ سب کچھ کرتے رہے تم جو غازی شاہ بہت زیادہ تھا۔ میرے کو یہ بھی پتہ چل چکا ہے کہ بیگم سائیں نے تمہاری بیوی کو بانجھ کر دیا۔ اپنے مالک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بات مجھے صرف ایک دن پہلے پتہ چلی ہے۔ میں اسے اچھا نہیں سمجھتا تھا بابا! اور اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے وہ زیادہ ہے۔ میرے بیٹے کو تم لوگوں نے ڈاکو بنایا۔ اس کے ہاتھوں قتل کرائے۔ غازی شاہ! اس سے پہلے میں نے اپنی زبان سے یہ بات نہیں کہی تھی۔ آج میں تمہارے کو یہ بات کہتا ہوں کہ کیتھرائن انگریز ہے۔ انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی بنا کر برصغیر کا رخ کیا اور اس کے بعد ہندوستان کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ یہ لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ یہ بڑی مکار قوم ہے۔ یہ ہمیشہ معصوم بن کر آتی ہے اور پیچھے سے وار کرتی ہے۔ میں تمہارے کو بتاؤں ایک ایک حرکت معلوم ہو چکی ہے مجھے کیتھرائن کی اور تم اس کے ساتھی رہے ہو۔ غازی شاہ یہ تو ٹھیک نہیں ہے بابا! قربان سے میں ساری تفصیلات معلوم کرنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے اب تم پر بھروسہ نہیں رہا۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے اور یہ سب کچھ بہت برا ہے۔ بہت ہی برا ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں ایک

کمزور وڈیرہ ہوں۔ میری کارکردگی کچھ بھی نہیں ہے۔ غازی شاہ میں تمہارے کو ایک بات بتا دوں۔ فضل شاہ تو بہت معمولی سا آدمی میں ایک ایک کو تہس نہس کر سکتا ہوں اور اب میں ایسا کروں گا۔ مجھے ذرا سی تفصیلات معلوم ہو جائیں۔ دلاور شاہ سے غلطی ہوگئی کہ اس نے ان دونوں بندوں کو چھوڑ دیا۔ اسے چاہئے تھا کہ یا تو ان دونوں کو بھی اٹھا لاتا یا پھر انہیں ادھر ہی گولی مار دیتا۔ اب مجبوری ہے غازی شاہ! تم پیچھے پیچھے آ گئے ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کچھ بھی نہیں کر سکو گے تم۔ چاہو تو میری قوتوں کا جائزہ لے سکتے ہو۔''

''کچھ کہنا چاہتا ہوں اور سائیں! اجازت ملے گی۔''

''ہاں بولو بابا بولو۔ آ گئے ہو تو بولو، ماحول بدل گیا ہے اور آج جو کچھ تم بولو گے اس کی ایک الگ حیثیت ہوگی۔ یہ مت سمجھنا کہ تم اپنے بھائی کے سامنے بول رہے ہو بلکہ یہ سمجھ لو کہ تم مکرم شاہ کی عدالت میں ہو۔ وڈیرے مکرم شاہ کی عدالت میں کیا سمجھے۔''

''ٹھیک ہے بابا سائیں! آپ نے میرے کو بولا کہ آپ نے اپنی محبت سے سرشار ہو کر اپنے پیار کے سہارے مجھے ولایت بھجوایا۔ سائیں! بالکل مانتا ہوں یہ بات اس پر ایک اعتراض ہے۔''

''کیا بولو۔''

''سائیں! آپ کو میری نگرانی کے لئے بھی کسی کو بھیجنا چاہئے تھا۔ کسی ایسے تجربہ کار آدمی کو جو انگریز قوم کے بارے میں جانتا نہ سہی انگریز قوم کا معاملہ، یورپ جیسے بگڑے ہوئے ملک اور خطے میں جو اقدار پھیلے ہوئے ہیں وہ ہماری معاشرت سے بالکل مختلف ہیں اور سائیں وہاں عورت ایک بے وقت اور بے نام سی چیز ہے اور سائیں کوڑیوں کے مول ملتی ہے۔ مگر بابا سائیں! میری رگوں میں جو خون دوڑ آیا ہے اس نے مجھے گندگی کی طرف مائل نہیں ہونے دیا۔ میں نے اپنے آپ کو محفوظ رکھا اور کیتھرائن سے میری دوستی ہوگئی۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک آپ میرے بہت سے جھوٹ نہیں پکڑ لو گے آپ مجھے جھوٹا اور بے ایمان نہیں سمجھو گے۔ کیتھرائن سے میرا رشتہ مکمل پاکیزگی کا حامل رہا۔ ہاں جب اس نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو میں اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکا اور میں اپنی نادانی سے یہ سوچ کر اس سے شادی کر لی کہ آپ لوگوں کو سرپرائز دوں گا۔ اچانک ہی آپ کے پاس پہنچ کر آپ کو یہ بتاؤں گا کہ دیکھیں میں آپ کے لئے کیا لایا ہوں۔ سائیں میرے خلوص پر یقین کر لو۔ میری سچائی پر یقین کر لو۔ میرے فرشتوں کو بھی اگر اس بات کا احساس ہوتا کہ یہ بات کوئی بری بات ہے یا آپ لوگ اس کو پسند نہیں کریں گے اور ناراض ہو گے تو میں آپ کی ناراضگی بھی نہ مول لیتا۔ میں ایسا بالکل

نہیں کرتا سائیں! آپ سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ میری باتوں کو سمجھا جائے۔ سائیں وہ نادانی تھی میری میں نے کیتھرائن سے کہا کہ جب ہم کراچی ایئرپورٹ پہنچیں گے تو تم دیکھنا ایک جلوس ہوگا۔ گاڑیاں ہوں گی اور سائیں اور بڑی بیگم سائیں! پھولوں کے ہار ہاتھوں میں لئے کھڑے ہوں گے اور اس کے بعد ہمارا قافلہ دھوم دھڑ کے کے ساتھ علی خیر محمد گوٹھ پہنچے گا۔ ادھر دیگیں چڑھی ہوئی ہوں گی۔ علی خیر محمد گوٹھ اور اس کے آس پاس کے سارے لوگ ادھر شریک ہوں گے۔ ایک مہینے تک جشن منایا جائے گا۔ میں نے یہ ساری باتیں کیتھرائن کے خاندان کے سامنے کہیں تھیں۔ سر جیمز الیگزینڈرا اور ان کے کنبے کے سامنے کہیں تھیں۔ بہرحال ہم لوگ واپس آئے تو کچھ بھی نہیں تھا۔ بہت ہی معمولی طریقے سے ہمیں گوٹھ میں بلایا گیا تھا اور اس کے بعد ہماری کتے جیسی درگت کی گئی تھی۔ سائیں سب کچھ میرے لئے غیر متوقع تھا۔ میں نے کیتھرائن کی آنکھوں میں دیکھا وہ ہر چیز کو سمجھ رہی تھی۔ مگر اس نے اظہار نہیں ہونے دیا۔ اس نے آج تک اپنے خاندان کے کسی فرد سے رابطہ قائم کر کے اسے یہ نہیں بتایا کہ یہاں کیا صورتحال ہے۔ سائیں! مجھے اس کا دکھ تھا۔ غصہ تھا۔ اور اس کے بعد ہم لوگ دور سے دور تو ہوتے چلے گئے۔ سائیں! میں بیگم سائیں کے اس عمل کا تذکرہ نہیں کروں گا جس میں انہوں نے کیتھرائن کو بانجھ کر دیا تھا لیکن یہ ہونے کے بعد میری ہمدردیاں کیتھرائن کے ساتھ بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ میں نے سوچا کہ جو کچھ ہو رہا ہے ایک بدترین دشمنی ہے۔ میں نے کیتھرائن کو تحفظ دیا۔ یہاں تک تو سائیں میری شکایتیں چلیں۔ پھر اس کے بعد میں نے کچھ مختلف معاملات دیکھے علی خیر محمد کو کیتھرائن نے جو کچھ بنایا۔ میں نے اس کا ساتھ دیا کیونکہ مجھے غم تھا غصہ تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا سائیں! کہ سب کچھ آپ کی ملی بھگت سے ہو رہا ہے۔ چنانچہ کیتھرائن جو کچھ کرتی گئی میں نے اس سے آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے بھی اس بات کا غم تھا کہ میں بے اولاد ہوں۔ سائیں! شاید زندگی کا ایک دور گزرنے کے بعد انسان کا ذہن اس بات پر سوچتا ہے۔ غور کرتا ہے اور اسے آرزو ہوتی ہے اولاد کی۔ سائیں! معافی چاہتا ہوں میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ پھر کیتھرائن نے ایک لڑکی دیکھی اس کا نام شمیلا ہے۔ اس کا باپ ناگی کے نام سے مشہور ہے۔ سائیں ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات نہیں تھی کہ میں کوئی دوسری شادی کروں۔ زندگی اس طرح گزر رہی تھی اور میں جانتا تھا کہ اگر میرے دماغ میں ایسا کوئی تصور آیا بھی تو کیتھرائن اسے کبھی نہیں ہونے دے گی۔ ساری باتیں اپنی جگہ میں اس سے ڈرتا نہیں تھا اور نہ ہی ڈرتا ہوں اور جو ناانصافی اس کے ساتھ ہوئی تھی اس نے مجھے ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ سائیں! میں آپ کو بتاؤں کیتھرائن نے خفیہ خفیہ سارے

انتظامات کئے اور پھر ایک دن مجھ پر بم پھوڑا کہ میں شمیلا سے شادی کرلوں۔ اس نے بات ہی دوسری بتائی۔ اس نے کہا کہ شمیلا سے شادی کر کے میں اولاد پیدا کروں۔ اس شادی کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا جائے گا اور اس کے بعد وہ اولاد کیتھرائن کی اولاد کہلائے۔ صرف اس بات پر میں نے اس کی بات مان لی لیکن جب شمیلا میری زندگی میں شامل ہوئی سائیں! تو میرے اندر کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ایک انسان کی نگاہ سے میں نے اسے دیکھا تو مجھے یوں لگا کہ عورت عورت میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ ایک عورت آتش فشاں اور ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ۔ محبتوں کا سمندر قربانیاں دینے والی میرے اپنے گوٹھ' میرے اپنے ماحول کی عورت اور سائیں یہاں بھی آپ میری ناواقف کاری کو نام دے سکتے ہو۔ میرے دل میں اس کے لئے گنجائش پیدا ہوگئی۔ کیتھرائن نے کہا کہ اس کے باپ ناگی کو قتل کر دیا جائے۔ میں نے اس کی یہ بات مان لی لیکن پھر مجھے یہ خیال آیا کہ اس بندے کا قصور کیا ہے اور پھر میں اپنی بیوی کے باپ کو کیوں قتل کروں۔ میں اپنے گوٹھ کے ایک آدمی کو کیوں ماروں۔ پہلی بار میں نے قربان کی مدد سے کیتھرائن کی بات سے انحراف کیا اور ناگی بابا کو حج پر بھیج دیا۔ وہ چلا گیا۔ کیتھرائن اس کی اولاد کو اپنے نام سے منسوب کرنا چاہتی تھی اور اس کے لئے اس نے اداکاری شروع کر دی تھی۔ وہ شمیلا کی اولاد کو اپنی اولاد ظاہر کر کے بڑی بیگم سائیں کے اس ارادے کو شکست دینا چاہتی تھی۔ ظاہر ہے اولاد تو میری تھی' کیتھرائن کی نہیں تھی۔ بہرحال اس سے گھناؤنی تصویر جو اس نے پیش کی وہ یہ تھی کہ بچے کی ولادت کے فوراً بعد شمیلا کو قتل کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں اس نے اسپتال کے ڈاکٹر کو رشوت دے کر آمادہ کرلیا تھا مگر سائیں! میری آنکھیں آہستہ آہستہ کھلتی جارہی تھیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کیتھرائن غلط راستوں پر چل پڑی ہو اور میں بھی ان غلط راستوں پر اس کے ساتھ جارہا ہوں۔ میں نے ناگی بابا کو نہیں قتل ہونے دیا جبکہ اس کا پورا پورا انتظام ہو چکا تھا۔ شمیلا کو بھی میں چھپانا چاہتا تھا۔ اس کی زندگی بچانا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اسی ڈاکٹر کو مزید رقم دے کر اس بات پر آمادہ کرلیا کہ شمیلا کو بظاہر مردہ ظاہر کر دیا جائے لیکن اسے زندہ رہنے دیا جائے۔ میں نے وہیں کراچی میں شمیلا کے لئے بندوبست کیا اور قربان ہی کی مدد سے میں نے شمیلا کو کیتھرائن کے ہاتھوں سے بچالیا۔ اسے مردہ مشہور کر کے اس کی تدفین بھی کر دی اور ادھر بے چاری شمیلا سے میں نے یہ کہا کہ اس کا بچہ مردہ پیدا ہوا ہے تاکہ وہ بھی صبر کرلے۔ چنانچہ بچہ کیتھرائن کی آغوش میں آ گیا اور اس نے اسے پرورش کرنا شروع کر دیا اور سائیں! کیتھرائن کے لئے میرے دل میں پھر بھی تھوڑی سے گنجائش تھی۔ ایک دن میں نے سنا ... اپنی ایک ملازمہ کو دل مراد کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ

دل مراد اس کی اولاد نہیں ہے بلکہ اس کا انتقام ہے۔ وہ اس کے ذریعے شرجیلہ بیگم سائیں کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ یہ بتانا چاہتی ہے کہ دل مراد اس کی اولاد ہے اور وہ علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرہ بنے گا۔ سائیں میرے دل کو ایک دھچکا لگا۔ میرا بچہ ماں سے بھی محروم ہوگیا اور ممتا سے بھی۔ ایک بری ماں اس کی پرورش کر رہی تھی اور اس کے بعد اور سائیں آپ کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو۔ ایک دن میں نے کیتھرائن کی اپنی ماں سے گفتگو سن لی۔ بظاہر وہ دنیا کے سامنے بیگم سائیں کا احترام کرتی تھی۔ یا کرتی ہے لیکن درپردہ وہ ان سے نفرت کا برتاؤ کرتی ہے اور کھلم کھلا ان کی توہین کرتی ہے اور سائیں اس کے بعد میری کایا پلٹ ہوگئی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے اور سائیں! مجھے کیتھرائن سے بھی نفرت ہوگئی ہے۔ میں اپنے سارے جرائم کا اعتراف کر رہا ہوں۔ آپ اس گوٹھ کے وڈیرے ہو۔ میرے لئے آپ ہی سزا تجویز کروں گے کیتھرائن نے کم جرائم نہیں کئے ہیں اور سائیں اس نے آپ کی اطلاع کے مطابق بالکل وہی سب کچھ کیا ہے۔ آخری کام اس نے یہ کیا ہے کہ علی خیر محمد کو اس نے فضل شاہ کے حوالے کر دیا ہے۔ فضل شاہ بہت برا آدمی ہے۔ علی خیر محمد مجرم بن چکا ہے۔ سائیں! میرے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ آپ نے قربان کو اسی لئے اغوا کرایا تھا نا کہ اس سے یہ ساری معلومات حاصل کریں۔ اسے چھوڑ دیجئے سائیں! اس ٹکٹکی پر بندھنے کے لائق میں ہوں اس بے چارے کا کیا قصور وہ تو ایک وفا کا پتلا ہے۔ سائیں برا انسان میں ہوں۔ آپ کیا سمجھے۔'' مکرم شاہ حیرت سے منہ کھولے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے غازی شاہ کو دیکھ رہا تھا۔ غازی شاہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ اس کی آواز میں بھراہٹ تھی۔ اس کے چہرے سے شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ مکرم شاہ کو یونہی لگا کر علی خیر محمد اس کے آگے کھڑا رو رہا ہے۔ وہ چند قدم آگے بڑھا اس نے بازو پھیلائے اور غازی شاہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ غازی شاہ تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''نہیں سائیں نہیں۔ بھائی ہو آپ میرے باپ کی جگہ ہو مگر وڈیرے ہو علی خیر محمد گوٹھ کے مجرم صرف مجرم ہوتا ہے کیا آپ قانون کے ہاتھوں سے علی خیر محمد کو بچا سکتے ہو۔ اگر اسے نہیں بچا سکتے سائیں! تو میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو۔ وڈیرے ہو انصاف کرو۔ میں اور میری بیوی نے بہت سے جرائم کئے ہیں علی خیر محمد گوٹھ میں۔ انگریز عورت علی خیر محمد گوٹھ کے لوگوں سے انگریزوں کی شکست کا انتقام لے رہی ہے۔ سائیں ہم دونوں کے لئے بڑے چوک پر پھانسی کا فیصلہ کرو۔ کیا سمجھے آپ۔''

''اگر میں نے تیرے لئے یہ فیصلہ کیا غازی شاہ! تو پھر علی خیر محمد کو بھی میں اپنے

ہاتھوں سے قانون کے حوالے کرنے پر مجبور ہوگا۔''

''نہیں سائیں! بڑا فرق ہے۔ وہ معصوم بچہ ہمارا ہی بھٹکایا ہوا ہے۔ ہم عاقل بالغ اور شادی شدہ ہیں۔ ہم میں اور اس میں فرق ہے۔ سائیں ایک کام اور بھی ہوسکتا ہے۔ اگر آپ چاہو تو تھوڑے دن کی زندگی مجھے اور دے دو۔ میں علی خیر محمد کو تلاش کرتا ہوں اور اس کے بعد اسے ساتھ لے کر میں پولیس ہیڈ آفس جاؤں گا اور بہت سارے لوگوں کے سامنے یہ اعتراف کروں گا کہ وہ قتل اس نے نہیں بلکہ میں نے اور میری بیوی نے کئے ہیں۔ میں پورے ملک کے اخبارات کو اپنے بارے میں تفصیل بتاؤں گا سائیں! اور پھر مقدمہ چلے گا کہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ علی خیر محمد نابالغ بچہ تھا۔ اصل مجرم ہم ہیں۔ سائیں! بچ جائے گا علی خیر محمد بچ جائے گا۔ یہ کام کرنا ہے میرے کو دونوں میں سے ایک کام بولو سائیں! آپ خود مجھے سزا دو گے یا پھر میں قانون کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے اپنے لئے سزا مانگوں۔ میرے کو بولو سائیں! سائیں میرے کو بولو اور سائیں! آپ کو اللہ کا واسطہ انصاف کردو۔ ایک بار پھر بڑے دروازے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور اس بار سیڑھیوں سے نیچے اترنے والی شرجیلہ تھی۔

سب کی نگاہیں اوپر اٹھ گئی تھیں اور ایک دم سے سکوت سا چھا گیا تھا۔ شرجیلہ کا چہرہ پتھرایا ہوا تھا۔ وہ کسی پتھر کے مجسمے کی طرح نظر آرہی تھی بس زندگی کی تحریک کا احساس اس کے قدموں سے ہوتا تھا جو ایک ایک سیڑھی کو طے کررہے تھے۔ وہ کمرے میں آ گئی۔ غازی شاہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے وہ بولا:

''میرا دل چاہ رہا ہے بیگم سائیں! کہ میں آپ کے قدموں سے لپٹ جاؤں مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ اگر میں ایسا کروں تو آپ لوگ سوچو گے کہ میں آپ کو جذباتی طور پر متاثر کرکے اپنے لئے زندگی کی بھیک مانگ رہا ہوں۔ نہیں...... یہ بے کار زندگی مجھے نہیں چاہئے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے کہ میں کیتھرائن کو ساتھ لے کر قانون کے سامنے پہنچ جاؤں اور وہاں پر اعتراف کروں کہ ہم نے ایک شریف زادے کو مجرم بنایا ہے اور اس کے ہاتھوں جو قتل ہوئے وہ درپردہ ہم نے کئے تھے کیونکہ ہماری ان لوگوں سے دشمنی تھی۔ ہم اسی دشمنی کی بنیاد پر انہیں قتل کرکے ان کا الزام علی خیر محمد پر لگانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ہمیں مکرم شاہ سے بھی انتقام لینا تھا۔ یہ ساری کہانی میں پولیس کو بتاؤں گا اور اس سے اچھا عمل میرے لئے اور کوئی نہیں ہوگا۔''

''ایک بات بتاؤ غازی شاہ اگر تم ایسا کر بھی لو گے تو علی خیر محمد کہاں ہے وہ ہمیں کیسے ملے گا۔''

''مجرم ہی بننا ہے سائیں! تو ایک کام اور بھی کروں گا فضل شاہ سے معلوم کروں گا کہ علی خیر محمد کہاں ہے۔ جا چکا ہوں میں اس کے پاس اور وہ کہتا ہے کہ اس نے اسے ملک سے باہر نکال دیا ہے۔ علی خیر محمد کا پورا نشان اگر فضل شاہ نے مجھے نہیں دیا تو قتل کردوں گا اسے۔ اس کے بعد آپ لوگ تلاش کرلینا علی خیر محمد کو۔''

''مگر تم ایسا نہیں کرو گے۔''

''کروں گا بابا! کروں گا اس بار میں آپ کی بات نہیں مانوں گا اور سائیں! اس نے میری ماں کی بے عزتی کی ہے۔ میں نے مصلحتاً برداشت کرلیا مگر اب سارا کھیل ختم ہو چکا ہے۔''

''تم لوگ باتیں کرچکے، بتاؤ اب بھی فیصلہ کرنے کا حق تم مجھے نہیں دو گے۔ کتنے حقوق چھینو گے مجھ سے۔ میرے سامنے اپنی اپنی کہانیاں سنائے جارہے ہوں۔ مجھ سے ایک بار بھی کسی نے نہیں پوچھا کہ ماں یا بیگم سائیں! آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے۔ سارے حقوق چھین لئے تم نے مجھ سے۔ کیا میں اب اس قابل بھی نہیں رہی ہوں کہ تم مجھ سے کوئی مشورہ کرلو۔'' شرجیلہ کی آواز لرز گئی اور دونوں بھائی اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے اس کے قدموں میں بیٹھ گئے۔

''نہیں بیگم سائیں آپ کے جوتوں کی خاک ہیں ہم آج تک ہم سے جو گستاخیاں ہوگئیں، انہیں معاف کردو۔ اب آپ یہ بتاؤ بیگم سائیں! کیا کریں ہم کیا کریں؟'' دونوں کی آواز ابھری اور اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ شرجیلہ کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

قربان کے اغواء کی خبر کیتھرائن نے سنی تو دنگ رہ گئی۔ ہر وقت غازی شاہ کی ٹوہ میں رہتی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے اسے غازی شاہ کے انداز میں کچھ تبدیلیاں محسوس ہو رہی تھیں' یہ تبدیلیاں یقینی طور پر کسی خاص عمل کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھیں' وہ ہر وقت یہ سوچتی رہتی تھی کہ غازی شاہ کو ہر قیمت پر اس کی مٹھی میں رہنا چاہیے یہی اس کی جیت تھی ورنہ سچ بات یہ تھی کہ لندن سے آنے کے بعد یہاں اسے دشمنوں ہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ اپنی شیطانی ذہانت سے کام لے کر ان دشمنوں سے اچھی طرح نمٹ رہی تھی لیکن بہر حال اس کے لئے اسے غازی شاہ کا ہی سہارا مل رہا تھا۔ غازی شاہ کو جو اطلاع ملی تھی وہ کیتھرائن نے بھی بخوبی سنی تھی اور جب غازی شاہ اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ بھی پھرتی سے ایک طرف دوڑ گئی۔ کچی کھائی کے بارے میں اسے معلومات حاصل تھیں' اب اتنے عرصے سے علی خیر محمد گوٹھ میں رہ رہی تھی اس کے آس پاس کے علاقوں سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر لی تھی۔ تنہا فضل شاہ کے گوٹھ پہنچ گئی تھی' چنانچہ وہ جیپ دوڑاتی ہوئی کچی کھائی کی طرف چل پڑی' غازی شاہ کو اس نے بہت فاصلے پر دیکھا تھا اور بڑی احتیاط کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ کچی کھائی کے اس علاقے میں پہنچ گئی جہاں ایک عمارت بنی ہوئی تھی اس نے اپنی جیپ بڑی بڑی جھاڑیوں کے درمیان ایک جگہ روک دی اور اسے اچھی طرح ڈھک کر چھپتی چھپاتی وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ غازی شاہ کو اس نے اس عمارت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا' یہ تگ ودو کسی عام عورت کے بس کی بات نہیں تھی لیکن سچ یہ ہے کہ کیتھرائن عام عورت تھی ہی کہاں۔ آخر کار اس نے بھاگ دوڑ کر کے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں وہ مکرم شاہ کے عقوبت خانے کا جائزہ لے سکے اور جب اس نے اس عقوبت خانے کا یہ منظر دیکھا تو دنگ رہ گئی جن لوگوں نے قربان کے بارے میں اطلاع دی تھی ان کی باتیں کافی حد تک سمجھ میں آ گئی تھیں' لیکن قربان کی یہ کیفیت ہو گئی اس کا اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہ پوری محنت اور ذہانت کے ساتھ اندر ہونے والے ڈرامے کو دیکھنے لگی الفاظ بھی اس کی سمجھ میں آ رہے تھے' مکرم شاہ اور غازی شاہ آپس میں

گفتگو کر رہے تھے اور یہ گفتگو لفظ بہ لفظ کیتھرائن کے کانوں تک پہنچ رہی تھی اور اس کے ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے یہ تو بڑی خوفناک صورتحال پیدا ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی' بہر حال وہ سارے واقعات سنتی رہی اور کچھ ہی لمحوں میں اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ بساط الٹ چکی ہے اور اب اس سنگین صورتحال سے نمٹنے کا کوئی موثر ذریعہ نہیں رہا ہے۔ یقینی طور پر غازی شاہ بھی اس کی صورتحال سے واقف ہو گیا ہے' لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ریوالور لے کر ان سب پر گولیاں برسا دے۔ یہیں اس عقوبت خانے میں ان کی قبریں بنا دے اور حقیقت یہ ہے کہ یہی ایک غلطی ہو گئی تھی اس سے' اس کے پاس ہتھیار موجود تھے لیکن اس وقت اس بھاگ دوڑ میں اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر جائے جو کچھ وہ سن رہی تھی اس نے اسے آتش فشاں بنا دیا تھا۔ غازی شاہ اس کا غلام' اس کا کتا عرصے سے اس سے غداری کر رہا ہے' ناگی بابا! زندہ ہے شمیلا زندہ ہے اور وہ بیوقوف بنتی رہی ہے۔ یہ تو بڑی خوفناک بات تھی' بہر حال کیتھرائن شدید دیوانگی کا شکار ہو گئی تھی' سارا کھیل اس کی سمجھ میں آ گیا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ بس اب زندگی کا دوسرا دور شروع ہو گیا ہے۔ یہاں علی خیر محمد گوٹھ میں تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی' یہ ان لوگوں کا علاقہ ہے' کاش! یہ واقعات لندن میں پیش آئے ہوتے تو میں تمہیں دکھاتی غازی شاہ کہ تم کتنے ذہین آدمی ہو۔ غلطی ہو گئی ذرا سی تم پر اعتبار کر کے دھوکا کھا گئی' لیکن غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے' بہر حال یہ ساری باتیں سننے کے بعد وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا چنانچہ وہ چھپتی چھپاتی واپس پلٹی اور جیپ لے کر دوڑ پڑی۔ غازی شاہ ابھی وہیں تھا اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کب واپس آئے گا' کیتھرائن حویلی پہنچ گئی۔ اس کا سارا وجود آگ کی طرح سلگ رہا تھا' ایک بستر پر سیدھی سیدھی لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے دماغ میں انگلینڈ بسا لیا۔ ایک انگریز عورت کی حیثیت سے کیا سوچ سکتی ہے وہ' وہ اپنا تجزیہ کر رہی تھی یہ تو غلط ہو گیا ہے۔ یہاں سے نکلنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ غازی شاہ اس کا دشمن بن چکا ہے' شرجیلہ اور مکرم شاہ تو ہیں ہی اس کے دشمن' سب سے زیادہ جنون اسے شمیلا کی زندگی کا تھا۔ اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ لیٹے رہنے سے زندگی کا کوئی کام نہیں بنتا' غازی شاہ واپس آئے گا۔ پتہ نہیں کیا منصوبہ لے کر آئے' وہاں رک کر اس منصوبے کو سننا بھی اس کے لئے ممکن نہیں تھا کہ ممکن ہے دیکھ لی جائے اب اس وقت اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ مکمل طور سے اپنی زندگی بچانے کی کوشش کر لے واقعی یہ لوگ تو اسے چبا کر پھینک دیں گے۔ غازی شاہ کا لہجہ بتاتا تھا کہ اب وہ اس سے بالکل منتشر ہو چکا ہے۔ کیتھرائن نے پھرتی سے اپنے کاغذات وغیرہ سمیٹے چار جوڑے کپڑے اٹیچی میں رکھے کاغذات سنبھال کر

رکھے اور اس کے بعد وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔ دوسرے کمرے میں دل مراد سو رہا تھا اس نے دل مراد کو اٹھایا اس کے بھی کچھ کپڑے اس نے لے لئے تھے۔ دل مراد کو اپنے بازوؤں میں دبائے وہ برق رفتاری سے باہر آئی۔ دور دور تک دیکھا غازی شاہ ابھی واپس نہیں آیا تھا اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور وہاں سے چل پڑی۔ ہمت والی عورت تھی ہر چیز پر گہری نگاہ رکھتی تھی۔ دل مراد کو اس نے اپنی برابر کی سیٹ پر لٹایا ہوا تھا اور برق رفتاری سے جیپ ڈرائیو کرتی ہوئی اس مخصوص سڑک پر جا رہی تھی جو اسے کراچی لے جا سکتی تھی۔ اس کا ذہن دھواں ہو رہا تھا۔ اپنے طور پر اس نے بڑے مناسب فیصلے کئے تھے' بہر حال چلتی رہی۔ راستے میں ایک پیٹرول پمپ آیا تو اس نے جیپ کی سوئی پر نگاہ ڈالی۔ ڈیزل کافی تھا' لیکن کراچی کا راستہ بھی اتنا قریب نہیں تھا۔ بہت بڑی رقم ساتھ لے کر آتی تھی' ظاہر ہے اس کی ضرورت تو لمحہ لمحہ پیش آتی ہے۔ چنانچہ اس نے ڈیزل بھروایا اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑی۔ جیپ کی رفتار کافی تیز تھی وہ یہ سفر طے کرتی رہی' اس وقت اس نے اپنے ذہن کو بالکل پرسکون چھوڑ دیا تھا۔ سوچنے کے لئے بہت کچھ ہے' لیکن اتنی جلدی بھی نہیں ہے' چنانچہ وہ یہ سفر طے کر کے آخر کار سپر ہائی وے سے اندر داخل ہو گئی۔ فیڈرل بی ایریا کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ کر اس نے ایک شادی ہال کے سامنے جیپ روکی اور اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر نیچے اتر آئی' دل مراد اس کے کندھے سے لگا ہوا تھا۔ کافی فاصلہ سے کرنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی کو اشارہ کیا اور ٹیکسی اس کے قریب آ گئی۔

''ہوٹل مہران'' اس نے کہا' ٹیکسی ڈرائیور اس کی صورت دیکھ کر حیران ہوا تھا' وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ انگریز عورت ہے۔ ذرا سا بیوقوف بنانے میں مدد ملے گی مگر اس نے جس اعتماد کے ساتھ ہوٹل مہران کہا تھا اس نے ڈرائیور کے حوصلے پست کر دیئے' بہر حال ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی' تھوڑا فاصلے طے کرنے کے بعد وہ بولا۔

''دو سو روپے ہوں گے میڈم! آپ نے مجھ سے پیسے نہیں پوچھے''

''خاموش ہو جاؤ' تم کہتے ہو میں دو سو روپے ہی دوں گی' کیتھرائن نے کہا' ٹیکسی ڈرائیور نے ایک تجربہ کیا تھا۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے ہوٹل مہران کا نام اس عورت کو معلوم ہو' ہوٹل مہران کو تو ہوٹل مہران ہی کہا جا سکتا تھا۔ چاہے وہ انگریزی زبان میں ہو یا اردو زبان میں لیکن بعد میں کیتھرائن نے جن صاف الفاظ میں اس سے یہ بات کہی وہ ڈرائیور کے حوصلے پست کرنے کے لئے کافی تھی۔ بہر حال کیتھرائن غازی شاہ کے ساتھ دو چار بار ادھر آ چکی تھی' غازی شاہ ہوٹل میں بھی ٹھہرا تھا لیکن مہران میں نہیں البتہ کیتھرائن نے راستوں سے گزرتے

ہوئے ہوٹل مہران دیکھا تھا۔ مہران کے کاؤنٹر آفس سے اسے کمرہ حاصل ہو گیا۔ اس نے غلط ملط پتہ لکھا تھا اور اس کے بعد پورٹر نے اسے اس کے کمرے تک پہنچا دیا۔ پانچویں منزل کے اس کمرے میں پہنچنے کے بعد کیتھرائن نے دل مراد کو دیکھا' دل مراد تو خیر اس سے ملا ہوا تھا۔ رونے پیٹنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا تاہم اس نے ویٹر کو طلب کر کے بچے کے لئے بہت سی چیزیں منگوائیں اور ویٹر کو دو بڑے نوٹ دے دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اشیاء اسے فراہم ہو گئیں۔ کیتھرائن تھوڑی دیر تک سوچتی رہی اور اس کے بعد اس نے اپنے موبائل فون کو آن کیا اور اس پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆......☆......☆

مکرم شاہ اور غازی شاہ نظریں جھکائے ہوئے ماں کے پاس کھڑے ہوئے تھے' شرجیلہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوتی تھی' پھر شرجیلہ نے نگاہیں اٹھا کر قربان کو دیکھا اور بولی۔

''قربان! میں نہیں جانتی کہ تم غازی شاہ کے وفادار ہو یا کیتھرائن کے غازی شاہ نے تو جو کچھ کہا وہ اس پر تائب اور شرمندہ ہے' لیکن یہ سنا ہے کہ تم کیتھرائن کے اشارے پر علی خیر محمد کو فضل شاہ کے پاس لے گئے تھے۔ قربان نے نگاہیں اٹھا کر غازی شاہ کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''آپ کے سامنے بیگم سائیں! میرے فرشتوں کی بھی مجال نہیں ہو سکتی کہ کوئی غلط بات کہوں' میں غازی شاہ کا کتا ہوں' آپ مکرم شاہ سائیں سے پوچھ لو انہوں نے جو سزا مجھے دی ہے وہ کم نہیں ہے بیگم سائیں! لیکن میں نے زبان نہیں کھولی۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ سائیں مکرم کی میں عزت نہیں کرتا۔ بیگم سائیں! آپ مانو یا نہ مانو' سائیں مکرم کو میں بہت عزت اور بہت محبت دیتا ہوں۔ پر بیگم سائیں! میں اگر غازی شاہ کا وفادار نہ ہوتا تو سائیں مکرم کو ہر بات کا جواب دیتا' دیکھو بیگم سائیں آپ بھی اگر غازی شاہ صاحب میرے کو حکم نہیں دیں گے کہ میں کچھ بولوں تو میں آپ سب کو ایک بات بولتا ہوں۔ میرے بدن کی پوری کھال اتار دو ایک لفظ نہیں پوچھ سکو گے مجھ سے۔ معاف کرنا چھوٹے سائیں آپ کی والدہ ہیں' آپ مجھے اجازت دے دو کہ میں ان کی باتوں کا جواب دے دوں اس کے بغیر تو کچھ ممکن نہیں ہے''

''بڑی بیگم سائیں! جو کچھ پوچھ رہی ہیں قربان! اس کا جواب بڑی بیگم سائیں کو دو'' غازی شاہ نے کہا۔

''بیگم سائیں قربان آپ کے لئے ہزار جانیں دے سکتا ہے' یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لو بیگم سائیں! کیتھرائن بیگم سائیں نے جو کچھ مجھ سے کہا میں نے کیا لیکن اس لئے کیا کہ

چھوٹے سائیں اپنی بیگم کے احکامات کی تعمیل چاہتے تھے۔ بے شک اس میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ علی خیر محمد کو اغواء کرا دیا جائے لیکن پھر بھی بیگم سائیں! چھوٹی بیگم سائیں کی ہدایات میں نے مانیں اور بڑی بیگم سائیں! بہت سی ایسی باتوں کی اطلاعات بھی میں نے چھوٹے سائیں کو دیں جو آپ لوگوں کے خلاف تھیں۔ انہوں نے ان باتوں کا نوٹس بھی لیا' مطلب یہ ہے آپ کو بتانے کا کہ میں تو اپنے چھوٹے سائیں کا غلام ہوں۔ گردن کاٹنے کو کہیں' گردن کاٹ دوں گا۔''

''تمہیں یہ نہیں معلوم کہ فضل شاہ نے علی خیر محمد کو کہاں رکھا ہے۔''

''ہاں بیگم سائیں! میرے کو نہیں معلوم' فضل شاہ بولتا ہے کہ اس نے چھوٹے سائیں کو ملک سے باہر نکال دیا ہے''

''جھوٹ بولتا ہے کتا! اس کا پتہ تو مکمل طور سے ہمیں مل چکا ہے'' قربان نے کوئی جواب نہیں دیا' شرجیلہ کہنے لگی۔

''دیکھو غازی شاہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے سوچنا ضروری ہے تم مجھے سوچنے کا موقع دو''

''آپ جیسا حکم کرو بیگم سائیں!'' غازی شاہ نے جواب دیا۔

''مکرم شاہ! قربان کو چھوڑو بیکار ہے اس سے کچھ معلوم کرنا'' غازی شاہ یہ تمہاری ذمے داری ہے کہ تم اپنے اس آدمی کو کنٹرول میں رکھو' تاکہ ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔''

''جی بیگم سائیں! آپ اطمینان رکھیں قربان! بھروسے کا آدمی ہے''

''کیتھرائن سے بھی ابھی تم کسی ایسی بات کا اظہار مت کرو جو اسے ہوشیار کر دے' ہم اس کے بارے میں اچھی طرح غور کر کے بات کریں گے۔ بہر حال وہ غیر ملکی عورت ہے ٹھیک ہے ہمیں اس کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں' لیکن اس کا سفارت خانہ ہم سے باز پرس کر سکتا ہے۔ اگر ہمارے ہاتھوں اسے کوئی نقصان پہنچا'' غازی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''جاؤ' تم لوگ آرام کرو' مکرم شاہ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے' بیگم سائیں نے کہا۔

غازی شاہ گردن جھکائے واپس پلٹ پڑا تھا۔ قربان اس کے ساتھ تھا راستے میں غازی شاہ نے کہا۔

''قربان کتنی بے عزتی ہوئی ہے ہماری' یار! پتا ہے کہ کیا صورتحال ہے' کیتھرائن سے میں سچ کہتا ہوں' تم سے مجھے آج بھی محبت ہے' مگر واقعی وہ اچھی عورت نہیں ہے۔ یہ لوگ ٹھیک کہتے تھے اس کے بارے میں مگر تعجب کی بات ہے کہ کیا واقعی وہ علی خیر محمد گوٹھ کے لوگوں

سے انگریزوں کی یہاں ناکامی کا انتقام لے رہی ہے۔ حیرت کی بات ہے' اول تو بات بڑی پرانی ہے اور پھر اس کا ان باتوں سے کیا تعلق قربان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ غازی شاہ نے اس سے ہمدردی سے پوچھا۔

''سائیں مکرم شاہ نے بہت مارا ہے تجھے'' قربان ہنس پڑا پھر بولا۔

''نہیں سائیں! بہت شریف آدمی ہے وہ بڑے ہلکے پھلکے ہاتھ تھے ان کے' بس وہ سسرا دلاور شاہ! غازی شاہ نے شرمندگی سے گردن جھکا لی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حویلی میں داخل ہو گیا' یہاں پہنچ کر وہ پوری طرح محتاط ہو گیا تھا۔ اسے کیتھرائن سے شدید نفرت کا احساس ہو رہا تھا' کم بخت عورت وبال جان بن گئی' کیا سوچا تھا اس کے بارے میں اور کیا ہو گیا۔ واقعی بزرگوں کا کہنا ہی درست ہوتا ہے۔ بچھو کا کام صرف ڈنگ مارنا ہوتا ہے' وہ مسلسل ڈنگ مار رہی تھی یہ الگ بات ہے کہ پہلے اسے محسوس نہیں کیا جا رہا تھا' لیکن اب جب اس کے اقدامات کا احساس ہو رہا تھا تو یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ واقعی بہت خطرناک تھی۔ سچ بزرگوں کا کہنا بالکل درست ہوتا ہے۔ بالکل ہی درست بہر حال ابھی بیگم سائیں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا اس کے بارے میں' چنانچہ ذرا احتیاط برتنی تھی۔ غازی شاہ نے اپنا حلیہ درست کیا قربان! کو آرام کے لئے بھیج دیا اور اس کے بعد اندر پہنچ گیا۔ کیتھرائن موجود نہیں تھی' دل مراد بھی نہیں تھا۔ ملازموں سے اس کے بارے میں پوچھا تو ملازم نے عجیب ہی انکشاف کیا' چھوٹی بیگم سائیں جیپ لے کر گئیں ہیں۔''

''خود لے کر گئیں ہیں''

''جی چھوٹے سائیں''

''کہاں گئیں کچھ بتا کر گئیں''

''نہیں''

''دل مراد بھی ساتھ ہے''

''ہاں''

''اچھا تعجب ہے'' پھر اس نے بڑی حویلی سے معلومات حاصل کی کہ کیتھرائن بڑی بیگم سائیں کے پاس تو نہیں آئی' لیکن وہاں سے پتا چلا کہ وہ نہیں آئی ہے۔ اصل میں سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ کیتھرائن اگر کہیں گئی بھی ہے تو خود جیپ ڈرائیو کر کے کیوں گئی یہ ذرا تعجب کی بات تھی۔ گھنٹہ دو گھنٹہ' چار گھنٹہ' چھ گھنٹہ یہاں تک کہ رات ہو گئی' کیتھرائن واپس نہیں آئی تھی۔ اب غازی شاہ کو تشویش ہوئی وہ پریشان ہو کر پرانی حویلی پہنچ گیا۔ مکرم شاہ بھی موجود تھا' شرجیلہ

بھی' اس نے کہا۔

''بڑے سائیں! کیتھرائن غائب ہے''

''غائب ہے'' مکرم شاہ اور شرجیلہ نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔

''ہاں بڑے سائیں! جب میں گھر واپس آیا تو اس وقت تو وہ موجود نہیں تھی خود جیپ لے کر گئی ہے' ایسا نہیں کرتی ہے وہ عام طور سے ڈرائیور اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ دل مراد کو بھی وہ اپنے ساتھ لے گئی ہے''

''اوہ' کہاں جاسکتی ہے وہ''

''سائیں! ایک خیال اور ہے میرے دل میں فضل شاہ کے پاس تو نہیں گئی وہ''

''جاسکتی ہے''

''ہاں سائیں! کیوں نہیں' میں آپ سے اجازت لینے آیا ہوں وہاں جا کر دیکھوں''

''چلو میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ''

''نہیں سائیں! آپ نہ جاؤ''

''ایک بات بتاؤ' قربان کی کیا کیفیت ہے''

''ٹھیک ہے سائیں! اس وقت سے ملا نہیں ہے مجھے''

''تم ایسا کرو قربان کو فضل شاہ کے پاس بھیجو اور اس سے معلومات حاصل کراؤ کہ کیتھرائن وہاں تو نہیں پہنچی' کیتھرائن وہاں نہیں پہنچی تھی۔ یہ بات غازی شاہ کو معلوم ہوگئی۔ رات گزر گئی جس طرح بھی یہ رات گزری تھی غازی شاہ اچھی طرح جانتا تھا اور اب اس کے دل میں یہ احساس جڑ پکڑ رہا تھا کہ کیتھرائن صورتحال سے واقف ہو کر نکل گئی ہے وہ جس قدر چالاک اور شیطان عورت تھی اس کے بارے میں غازی شاہ اب اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ پہلے والی ساری غلط فہمیاں دور ہو چکی تھیں اور اسے اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ کیتھرائن شیطان کی طرح چالاک اور فتنہ پرور ہے۔ وہ اب تک جو کھیل کھیلتی رہی ہے وہ انتہائی خطرناک خبر ہے۔ بہرحال غازی شاہ انگاروں پر لوٹتا رہا۔ کیتھرائن نے وار کر ڈالا تھا' وہ دل مراد کو بھی نکال لے گئی تھی۔ بڑی بیگم سائیں! اور مکرم شاہ رات ہی کو آ گئے تھے اور بڑے تشویش میں ڈوبے رہے تھے ایک عجیب سی ہلچل مچ گئی تھی۔ دوسرے دن کوئی ساڑھے بارہ بجے کے قریب پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ایک فون موصول ہوا جس میں غازی شاہ کی جیپ ایک جگہ کھڑی بتائی گئی تھی اور یہ فون کراچی سے آیا تھا''

''سر! جیپ کے رجسٹریشن سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ جیپ آپ کی ہے۔ خیریت یہ

وہاں لاوارث کھڑی ہوئی ہے۔ علاقے کے لوگوں نے بتایا کہ کل سے یہ یہاں موجود ہے''

''آپ براہ کرم اسے پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا دیجئے ہم اس سلسلے میں آپ کو مطمئن کریں گے''

''ٹھیک ہے جناب'' غازی شاہ نے خوفزدہ انداز میں مکرم شاہ کو بات بتائی اور مکرم شاہ نے کہا۔

''میرے خدا اس کا مطلب ہے کہ وہ کراچی چلی گئی''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیوں آخر کیوں؟''

''غازی شاہ! تم ایک کام کرو تم کراچی چلے جاؤ''

''لیکن وہ اس طرح بتائے بغیر گئی ہے کراچی جا کر میں اسے کہاں تلاش کروں''

''کیا کہہ سکتا ہوں انتظار کرو' ہوسکتا ہے وہ تم سے رابطہ قائم کرے'' دفعتاً ہی غازی شاہ کو کچھ خیال آیا اس کا موبائل بند پڑا ہوا تھا ہوسکتا ہے کیتھرائن نے موبائل سے اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔ کیتھرائن کے اپنے پاس بھی ایک موبائل موجود تھا' غازی شاہ نے جلدی سے موبائل اٹھا کر اس کی سی ایل آئی میں نمبر تلاش کیئے اور ٹائم کے ساتھ ساتھ اسے کیتھرائن کا فون نمبر مل گیا۔ مکرم شاہ بھی اس وقت وہیں موجود تھا۔ غازی شاہ نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

''پتہ نہیں دماغ کیوں خراب ہوگیا' اس سے ٹیلی فون پر رابطہ تو کیا جاسکتا تھا یا وہی نہیں آیا' یہ دیکھئے اس کا نمبر سی ایل آئی پر موجود ہے اس نے رنگ کیا ہے''

''ٹرائی کرو' ٹرائی کرو مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے پاس موبائل موجود ہے۔ رنگ کر کے دیکھو اسے غازی شاہ کو پندرہ منٹ تک کیتھرائن کو اس کے موبائل پر کال کرتا رہا لیکن کیتھرائن سے رابطہ نہیں قائم ہوسکا' اس نے اپنا فون بند کر رکھا تھا اس کی اطلاع غازی شاہ نے مکرم شاہ کو دی اور مکرم شاہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''یقیناً وہ نیک ارادوں سے نہیں گئی' پتہ نہیں اس کم بخت کے دل میں کیا آیا ہے' غازی شاہ پر تم جان سکتے ہو کہ کراچی میں وہ کہاں کہاں رابطے رکھ سکتی ہے' ہمیں تو تم نے کوئی خبر ہی نہیں لگنے دی ہے''

''آپ بولو بڑے سائیں! میں کیا کروں؟''

''کراچی جاؤ' قربان کو ساتھ لے جاؤ اور ان پوائنٹس پر اسے تلاش کرو جہاں وہ جا سکتی ہے''

''پوائنٹس'' غازی شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی پھر بولا۔

''اگر وہ کسی برے ارادے سے گئی ہے تو پھر کسی پوائنٹ پر کہاں ملے گی خیر میں جاتا ہوں دیکھتا ہوں کہاں ہے وہ'' غازی شاہ نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

کیتھرائن بہت چالاک تھی' اس وقت اس نے موبائل فون پر غازی شاہ کا نمبر ڈائل کیا اسے صورتحال سے آگاہ کر کے اپنی کچھ باتیں منوانا چاہتی تھی' لیکن پھر فوراً ہی اس نے فون بند کر دیا۔ ابھی فوراً ہی غازی شاہ سے رابطہ نہیں قائم کرنا چاہیے تھا وہ بھی تو چالاک آدمی ہے جب اسے اس بات کا علم ہو جائے گا کہ وہ گھر سے فرار ہو چکی ہے تو ظاہر ہے وہ بھی کچھ کرنے کی کوشش کرے گا اور جو کچھ وہ کرے گا وہ خطرناک ہو گا اس سے پہلے جو کچھ وہ سن چکی ہے اس کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ یعنی یہ کہ شمیلا زندہ ہے۔ ناگی بابا بھی زندہ ہے اور اگر یہ دونوں زندہ ہیں تو کہاں ہیں یہ پتہ چلنا چاہیے' چنانچہ اس نے یہ فون کرنے کا فیصلہ ملتوی کر دیا تھا' اس کا ذہن برق رفتاری سے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا' پھر دفعتاً اسے یاد آیا کہ اس نے ڈاکٹر فوزیہ کو اس سلسلے میں اپنا رازدار بنایا تھا اور اسے کافی رقم دی تھی' ڈاکٹر فوزیہ نے اس سے غداری کیوں کی جبکہ ڈاکٹر فوزیہ نے شمیلا کی موت کی تصدیق دی تھی اس کا مطلب ہے کہ ڈاکٹر فوزیہ بھی غازی شاہ سے ملی ہوئی تھی اس کو فوراً ہی خیال آیا کہ ڈاکٹر فوزیہ اس سلسلے میں اس کی معاون ہو سکتی ہے۔ بہرحال اس نے موبائل کی میموری میں ڈاکٹر فوزیہ کا نمبر تلاش کیا اور پھر اسے رنگ کرنے لگی۔ ہسپتال میں ڈاکٹر فوزیہ موجود نہیں تھی' ہسپتال والوں نے بتایا کہ وہ کچھ بیمار ہے اور چند روز کی چھٹی پر اپنے گھر پر موجود ہے۔ کیتھرائن نے ہسپتال سے ڈاکٹر فوزیہ کے گھر کے بارے میں تفصیل معلوم کی اور اس کے بعد وہ تیار ہو کر وہاں سے چل پڑی۔ ڈاکٹر فوزیہ کے گھر کی تلاش میں اسے بہت زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اسے اس کے مطلوبہ پتے پر پہنچا دیا تھا اور ڈاکٹر فوزیہ کے بارے میں اسے پتہ چلا کہ وہ اپنے بیڈروم میں موجود ہے اس نے ملازمہ سے کہا۔

''آپ ڈاکٹر فوزیہ سے کہیے کہ ان کی ایک بہت ہی اہم ملاقاتی ان کے پاس آئی ہے۔ کیتھرائن نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ڈاکٹر فوزیہ کو پہلے تو رقم سے سمجھانے کی کوشش کرے گی اور اگر ایسا ممکن نہ ہوا تو پھر اسے اذیتیں دے گی چنانچہ اس نے ڈاکٹر فوزیہ سے ملاقات کرنے کے لئے اپنے پاس انتظامات کر لئے تھے۔ ڈاکٹر فوزیہ نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔

''ہیلو مس کیتھرائن! کہیے آپ خیریت سے تو ہیں اور آپ کا یہ دل مراد آپ کے دل

کی مراد''

''ہاں میرے دل کی مراد' ڈاکٹر فوزیہ! کیسی طبیعت ہے آپ کی''

؟''یار! بیمار ہو گئی ہوں'' ڈاکٹر فوزیہ نے جواب دیا

''ایک ڈاکٹر اگر بیمار ہو جائے تو کیا حیرت کی بات نہیں ہے''

''کیوں ڈاکٹر کیا انسان نہیں ہوتا آپ بیٹھیے تو سہی''

''میں نے فون کیا تھا ہسپتال آپ کو''

''ہاں وہاں سے میں دو تین دن کی چھٹی پر ہوں کوئی خاص کام تھا''

''بڑی اہم بات کرنی تھی آپ سے رازداری کی بات ہے''

''بولئے بولئے''

''دروازہ بند کر دوں''

''ضرورت نہیں ہے''

''پھر بھی آپ براہ کرم اپنے کسی ملازم کو بلا کر کہہ دیجئے کہ ہمیں دیر تک ڈسٹرب نہ کیا جائے''

''آپ بے فکر ہیں کیتھرائن! یہاں پر میرے طلب کرنے کے علاوہ کوئی نہیں آتا''

''پھر بھی پلیز''

''ایسی آخر کیا اہم بات ہے'' ڈاکٹر فوزیہ نے حیرانی سے کہا پھر اس نے ایک ملازمہ کو طلب کر کے اس سے کہہ دیا کہ جب تک وہ اسے نہ بلائے کوئی اس طرف نہ آئے۔ جب ملازمہ چلی گئی تو کیتھرائن نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا تھا' دل مراد کو ایک صوفے پر لٹا کر وہ ایک کرسی گھسیٹ کر ڈاکٹر فوزہ کے پاس آ بیٹھی۔

''ڈاکٹر میں بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں' بہت ہی مشکل میں''

''ارے ارے خیریت میڈم کیتھرائن''

''ڈاکٹر فوزیہ آپ کو ساری صورتحال معلوم ہے' یہ بھی معلوم ہے آپ کو کہ میں نے آپ کو خاصی رقم دے کر اپنا کچھ کام کرایا تھا''

''ہاں'' ڈاکٹر فوزیہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''آپ نے تصدیق کی تھی کہ شمیلا مر چکی ہے''

''ہاں' یہ تصدیق کی تھی میں نے'' ڈاکٹر فوزیہ نے اعتراف کرنے میں ہی عافیت سمجھی ظاہر ہے کیتھرائن! یہ بات بلاوجہ نہیں کہہ رہی ہو گی''

''جھوٹ بولا تھا آپ نے ڈاکٹر'' کیتھرائن نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں میڈم کیتھرائن! پہلی بات تو یہ کہ کسی انسان کی زندگی لینے کا جرم کرنے کے بعد ساری زندگی بے سکونی میں گزرتی ہے۔ آپ نے مجھے جس کام کے لئے کہا تھا وہ جس حد تک مجھ سے ممکن ہوسکتا تھا میں نے کیا اور پھر آپ کیا سمجھتی ہیں' غازی شاہ صاحب اس کے بعد مجھے زندہ چھوڑ دیتے وہ طاقتور شخصیت کے مالک ہیں میں نے آپ سے رقم لی لیکن وہ کام میں نے نہیں کیا۔''

''بڑی خوشی ہوئی مجھے ڈاکٹر فوزیہ! آپ نے بڑی سچائی سے حقیقتوں کا اعتراف کر لیا۔ چلئے ٹھیک وہ تو ایک انسانی جان لینے کا مسئلہ تھا' آپ نے وہ جان نہیں لی بچے کے بارے میں اس عورت کو کیا بتایا گیا''

''یہ کہ بچہ مردہ پیدا ہوا ہے''

ٹھیک ڈاکٹر فوزیہ! میں نے یہ طے کیا تھا کہ اگر آپ نے حقیقتوں کا اعتراف نہیں کیا تو میں آپ کو قتل کر دوں گی' یہ فیصلہ کر کے آئی تھی میں' لیکن ایک اور پیشکش میں آپ کو کر رہی ہوں۔ یہ دیکھئے' کیتھرائن نے ہزار ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''حسب معمول ایک لاکھ' آپ مجھے شمیلا کا پتہ بتایئے' کہاں ملاقات ہوسکتی ہے اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں''

''میں اپ کو اس کا پتہ بتا رہی ہوں' کیونکہ ایک بار میں اسے دیکھنے کے لئے اس کے گھر گئی تھی'' غازی شاہ صاحب نے مجھ سے کہا تھا لیکن آپ کسی سے یہ بات نہیں کہیں گی کہ میں نے آپ کو اس کا پتہ بتایا تھا۔

''وعدہ کرتی ہوں اور میں وعدے پورے ہی کیا کرتی ہوں'' کیھتر ائن نے کہا اور ڈاکٹر فوزیہ کیتھرائن کو یہ پتا سمجھانے لگی' کیتھرائن نے پوری طرح پتہ نوٹ کرنے کے بعد کہا۔

''اور ڈاکٹر فوزیہ اب آپ کسی کو یہ نہیں بتائیں گی کہ میں آپ کے پاس آئی تھی''

''ٹھیک ہے میں نہیں بتاؤں گی''

''یہ رقم آپ کی میں چلتی ہوں'' کیتھرائن نے کہا اور پھر وہ ڈاکٹر فوزیہ کے پاس سے نکل آئی' خاصی کشمکش اور الجھن کا شکار تھی' اپنے ہوٹل واپس آگئی اور سوچنے لگی کہ اب پتا کرنا چاہیے۔ آخری فیصلہ اس نے یہی کیا تھا کہ اپنا کام سرانجام دے کر اپنے سفارت خانے

سے کہے گی کہ اس کے تحفظ کا بندوبست کیا جائے۔ یہی ضروری بھی تھا بہت دیر تک بیٹھی سوچتی رہی اور اس کے بعد اس نے دوبارہ غازی شاہ کا ٹیلی فون نمبر ڈائل کیا اور رابطے کا انتظار کرنے لگی چند ہی لمحوں کے بعد غازی شاہ سے رابطہ قائم ہوگیا۔ غازی شاہ نے بے چین لہجے میں کہا۔

''کیتھرائن تم کہاں ہو' کیوں چلی گئی ہو گھر سے میں تمہارے لئے کتنا پریشان ہوں تم اچھی طرح جانتی ہو''

''ہاں غازی شاہ تم میرے لئے کتنے پریشان ہو گے میں اچھی طرح جانتی ہوں''

''کیا مطلب ہے تمہارا' تمہارے لہجے میں یہ طنز کیوں ہے؟''

''غازی شاہ کچھ باتیں تفصیل سے کرنا چاہتی ہوں تم سے کیا ہوا تمہیں' کیوں مجھ سے برگشتہ ہو گئے۔ اتنی چاہت و محبت کے ساتھ انگلینڈ سے لائے اور اس کے بعد مجھے شیطانوں کے حوالے کر دیا' جنہوں نے مجھے تباہ و برباد کرنے کی ہر کوشش کر ڈالی' کیا سے کیا بنا دیا۔ غازی شاہ یہ سب کچھ تمہارے علم میں ہے' آسانی سے برداشت کر لیا تم نے سب کچھ نہ صرف یہ بلکہ میرے خلاف سازشوں میں بھی شریک ہو گئے۔ غازی شاہ میرا نام کیتھرائن ہے' میں دوستوں کی دوست اور دشمنوں کی دشمن ہوں' اگر تم مجھے ایک کمزور عورت سمجھتے ہو تو غلطی تمہاری ہے میری نہیں ہے۔ میں جسمانی طور پر تم سے کمزور سہی لیکن دماغی طور پر تم سے کہیں زیادہ طاقتور ہوں سمجھے۔ دماغی طور پر تم سے زیادہ طاقتور ہوں' میں تمہیں تباہ و برباد کر سکتی ہوں' نہیں جانتے تم مجھے غازی شاہ تم مجھے نہیں جانتے۔

''کیتھرائن! کیا ہماری محبت میں تباہی اور بربادی کا تصور ابھی باقی ہے''

''محبت نہیں غازی شاہ اب محبت کا نام نہ لو' ایسی کوئی چیز اگر ہمارے درمیان تھی تو یہ بہت پہلے کی بات ہے' اب ایسا نہیں ہے غازی شاہ! اب ایسا نہیں ہے' تم خود اعتراف کر چکے ہو میں نے تم لوگوں کی وہ تمام گفتگو سن لی ہے جو تمہاری مادر مہربان اور تمہاری بڑے بھائی کے درمیان ہو رہی تھی۔ اب تم لوگ میرے بارے میں کیا ارادہ رکھتے ہو''

''کیتھرائن! دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں' ساری باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن تمہارا اس طرح چلے جانا مناسب نہیں تھا''

''کیا مناسب تھا اور کیا مناسب نہیں ہے وہ اب میرے اوپر چھوڑ دو سنو' میں سمجھ گئی ہوں کہ اب تم مجھے برداشت نہیں کر سکتے۔ بڑی بیگم سائیں کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اب تم اس کے ٹرانس میں آگئے ہو۔ غازی شاہ! بیس کروڑ روپے کراچی میں ایک شاندار رہائشگاہ جو ڈیفنس کے کسی علاقے میں ہو' یہ دونوں چیزیں کاغذات تیار کر کے میرے حوالے کر

دی جائیں اور یہ کاغذات میرے سفارتخانے کی معرفت مجھے دیئے جائیں۔ دل مراد سے دست برداری کا اعلان کیا جائے۔ دل مراد میرے پاس رہے گا اور وقت آنے پر اسے علی خیر محمد گوٹھ کا وڈیرہ بنایا جائے گا۔ یہ کام تمہیں کرنا ہوگا اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پندرہ دن کے اندر اندر میں دل مراد کو قتل کر کے اس کی لاش تمہیں بھجوادوں گی اور اس کے بعد لاپتہ ہو جاؤں گی۔ ہوسکتا ہے میرے قتل کا الزام بھی تم پر عائد ہو جائے۔

''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں غازی شاہ' میں تین دن کے اندر اندر یہ تمام کارروائی چاہتی ہوں' پندرہ دن تک انتظار کروں گی اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔''

''کیتھرائن! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں''

''مذاق مت کرو غازی شاہ! تم کیا چاہتے ہو اور کیا نہیں چاہتے ہو اس سے کوئی غرض نہیں ہے جو میں چاہتی ہوں وہ تمہیں بتا چکی ہوں۔ چوبیس گھنٹے کے بعد تمہیں دوبارہ رنگ کروں گی اور خدا حافظ نہیں کہوں گی۔'' کیتھرائن نے فون بند کر دیا اس کے چہرے پر ایک سنگینی تھی اور وہ اس وقت بڑی سفاک نظر آ رہی تھی۔ بہرحال اپنے اس عمل کی تکمیل کے بعد نجانے کیوں اسے ایک عجیب سے سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر اس کے بعد تقریباً چار گھنٹے تک وہ بستر پر لیٹی اپنے آئندہ اقدامات کے بارے میں غور کرتی رہی اور اس کے بعد خوش ہو رہی تھی کہ دل مراد وہ پہلی بار اس کی ماں متعارف کرائے گی اور شمیلہ کو بتائے گی کہ اس کے سامنے آ کر اس کے خلاف سازش کرنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ بہرحال اس کے بعد اس نے تیاریاں کیں' شمیلا کو قتل کرنے کا پورا منصوبہ اس نے اپنے دل میں بنالیا تھا۔ بہرحال عورت تھی سب کچھ برداشت کر سکتی تھی۔ شمیلہ کو اس نے صرف ایک مشین کی حیثیت سے استعمال کرنا چاہا تھا' لیکن یہ مشین اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی تو وہ اسے آگے کے سفر کا موقع نہیں دینا چاہتی۔ یہ تمام تر کام کرنے کے بعد آخر کار وہ تمام تیاریاں کر کے دل مراد کو ساتھ لے کر ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ٹیکسی اسے اس کی منزل کی جانب لے چلی' ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ بہت سے تصورات تھے' لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ تقدیر کا ہر فیصلہ اس وقت اس کے خلاف ہو رہا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے جس شخص نے مکان کے دروازے پر اس کا استقبال کیا وہ دین بخش تھا۔ دین بخش جو کیتھرائن کو اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن کیتھرائن اسے نہیں جانتی تھی۔ کیتھرائن اس کے پاس پہنچی اور اس نے کہا۔

''باباجی' یہاں شمیلہ بیگم سائیں رہتی ہیں' علی خیر محمد گوٹھ کے غازی شاہ صاحب کی

بیگم' دین بخش ایک دم سنبھل گیا اس نے کہا۔

''جی بیگم سائیں! وہ ادھر ہی رہتی ہیں''

''ناگی بابا! بھی ادھر ہی رہتے ہیں''

''جی بیگم سائیں! ناگی بابا اس وقت گئے ہوئے ہیں''

''میں شمیلا بیگم سے ملنا چاہتی ہوں''

''آیئے میں آپ کو ان کے پاس لے چلتا ہوں' دین بخش نے ادب سے گردن جھکا کر کہا اور چور نگاہوں سے دل مراد کو دیکھنے لگا۔ کیتھرائن سست قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھی اور ڈرائینگ روم میں پہنچ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد شمیلہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تھی وہ ہمیشہ کیتھرائن کی عزت کرتی رہی تھی۔ معصوم اور سادہ لوح عورت کیتھرائن کے پاس پہنچی اور اس نے کیتھرائن کو سلام کیا اور بولی۔

''چھوٹی بیگم سائیں! آپ نے تو ہمیں خود سے جدا ہی کر دیا۔ آپ نے ایسا کیوں کر دیا بیگم سائیں' اس نے معصوم نگاہوں سے دل مراد کو دیکھا اور بولی۔

''یہ کون ہے بیگم سائیں! کتنا پیارا بچہ ہے'' کیتھرائن عجیب سی نگاہوں سے شمیلہ کو دیکھنے لگی' پھر شمیلہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''آپ ادھر آئیں بیگم سائیں! ہم نے کبھی نہیں سوچا تھا ہمیں پتہ نہیں یہاں لا کر کیوں رکھ دیا گیا ہے''

''شمیلہ! تمہارے ہاں ولادت ہوئی تھی بچے کا کیا ہوا''

''مرا ہوا پیدا ہوا تھا بیگم سائیں! شمیلہ نے افسردگی سے کہا۔

''بڑی بیوقوف ہو تم شمیلہ! پوری کہانی ہی نہیں معلوم تمہیں ادھر دیکھو یہ بچہ تمہارا ہے۔ یہ تمہارے ہاں پیدا ہوا تھا لیکن تمہارے چالاک شوہر نے اسے مردہ بنا کر پیش کیا اور اسے میری گود میں لا کر ڈال دیا وہ تم سے مخلص نہ پہلے کبھی تھا نہ اب ہے' شمیلہ نے دہشت بھری نگاہوں سے دل مراد کو دیکھا پھر بولی۔

''یہ میرا بچہ ہے بیگم سائیں''

''ہاں''

''یہ میرا بچہ ہے'' شمیلہ اپنی جگہ سے اٹھی تو کیتھرائن نے کہا۔

''بیٹھی رہو اپنی جگہ' تم نے اور غازی شاہ نے ملکر میرے ساتھ غداری کی ہے' شمیلہ بہرحال میں بہت زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتی میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ایک نگاہ اپنے بچے

کو دیکھ لو اور اس دنیا سے چلی جاؤ' تمہارا پہلے بھی اس دنیا سے چلی جانا زیادہ بہتر تھا ہم اسی بنیاد پر تمہیں یہاں لائے تھے کہ کچھ عرصے کی زندگی دی جائے تمہیں اس وقت تک جب تم غازی شاہ کو ایک بیٹے کا باپ نہ بنا دو تم اپنا یہ کام مکمل کر چکی ہو دیکھ لو ایک بار اپنے بیٹے کو اور اس کے بعد'' کیتھرائن نے اپنے پرس کی جانب ہاتھ بڑھایا اسی وقت رقیہ اندر آ گئی۔''

''چائے بنا کر لاؤ بیگم صاحب'' کیتھرائن ایک دم سنبھل گئی۔ شمیلہ کے منہ سے آواز نہیں نکلی تھی' کیتھرائن نے خود کہا۔

''نہیں بی بی تم جاؤ میں چائے نہیں پیونگی'' رقیہ چلی گئی شمیلہ کا بن تھر تھر کانپ رہا تھا' کیتھرائن نے پھر کہا۔

''سمجھیں تمہاری زندگی میرے لئے ممکن نہیں ہے شمیلہ! مجھے معاف کرنا'' لیکن کیتھرائن یہ بات نہیں دیکھ سکی تھی کہ صوفے کے پیچھے سے ایک سرا ابھر رہا ہے۔ یہ غازی شاہ تھا اور جیسے ہی کیتھرائن نے اپنے پرس سے پستول نکالا غازی شاہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ کیتھرائن کے حلق سے ایک عجیب سی چیخ نکل گئی تھی۔ غازی شاہ کا دوسرا ہاتھ کیتھرائن کے منہ پر پڑا اور وہ صوفے سے نیچے الٹ پڑی' کیونکہ غازی شاہ بہر حال ایک طاقتور آدمی تھا۔ غازی شاہ نے ریوالور اٹھا کر اپنے قبضے میں کیا اور خونخوار نگاہوں سے کیتھرائن کو دیکھتا ہوا بولا۔

''قربان! اندر آ جاؤ اور قربان اندر آ گیا تو غازی شاہ نے کہا۔

''دل مراد کو اٹھا لو'' قربان نے آگے بڑھ کر دل مراد کو صوفے سے اٹھا لیا تھا۔

''اور کیتھرائن تم' تم واقعی انگریز کی اولاد ہو' اس انگریز کی اولاد جس کی رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر عیاری اور مکاری بسی ہوئی ہے۔ کیتھرائن! افسوس میں واقعی تمہیں محبتوں کے راستے یہاں لایا تھا۔ مجھ سے زیادہ میرے ماں باپ تم سے واقف تھے اور تمہاری نسل سے واقف تھے۔ کیتھرائن! علی خیر محمد گوٹھ کے لوگوں نے تمہیں کبھی قبول نہیں کیا تمہیں کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ان کا موقف بالکل ٹھیک تھا' وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار تھے' میں ہی بے وقوف تھا۔ ارے پاگل عورت! اگر یہاں تیرا وہ استقبال نہیں ہوا جس کی توقع مجھے اور تجھے ہم دونوں کو تھی' تو یہ کوئی ایسی بات تو نہیں تھی بعد میں تیرا بہترین رویہ ان لوگوں کو تیرا گرویدہ بنا سکتا تھا۔ مگر تو نے فوراً انتقام کے راستے اختیار کئے اور اس انتقام میں دیوانہ ہو کر تمام غیر اخلاقی حرکتوں کو اپنا لیا۔ میں تو اب یہ سمجھتا ہوں کہ تو لندن سے یہیں پلان لے کر آئی تھی'' کیتھرائن کے منہ سے غصے سے جھاگ نکلنے لگے اس نے کہا۔''

''تم یہاں آ گئے غازی شاہ! مجھے بتاؤ تم یہاں کیسے آ گئے''

''کیوں تیرا کیا خیال تھا کیتھرائن ہم لوگ اتنے ہی بیوقوف ہیں کہ تیرے ارادوں سے واقف ہونے کے بعد یہ نہ سمجھتے کہ تو اس وقت کہاں ہے۔ شمیلہ کی حفاظت مجھ پر فرض تھی' نہ صرف میں بلکہ قربان' بابا دین بخش اور بابا ناگی سب تیرے اردگرد موجود ہیں' ہم تیرا انتظار کر رہے تھے۔ کیتھرائن' ہم تیرا انتظار کر رہے تھے'' کیتھرائن نے پھیکے انداز میں ہنس کر کہا۔

''میں جانتی ہوں بازی جب الٹتی ہے تو ایسے ہی الٹتی ہے' الٹ گئی یہ بازی چلو خیر کوئی بات نہیں ہے' لیکن غازی شاہ! بہت برا کیا تو نے بہت برا کیا۔ حالانکہ سر جیمز الیگزینڈر نے مجھے یہ کہہ کر تیرے ساتھ پاکستان بھیجا تھا کہ کیتھرائن ایسٹ انڈیا کمپنی ہزاروں منصوبے بنانے کے بعد ہندوستان پر قبضہ کیا تھا اس میں بہت زیادہ لوگ شامل تھے۔ بہت سے افراد تھے اور بہت بڑے بڑے منصوبے تھے لیکن میں تجھے اس بھروسے کے ساتھ علی خیر محمد گوٹھ بھیج رہا ہوں کہ تو تنہا ان لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچا دے گی جنہوں نے انگریزوں کے دور حکومت میں انگریز کو علی خیر محمد گوٹھ پر اپنی من مانی نہیں کرنے دی اور اس کے بعد میں فخر سے حکومت برطانیہ سے کہوں گا کہ دیکھو اس خاندان کی ایک بیٹی نے وہ کر دکھایا جو تم لوگ اپنی تمام تر فوجوں کے ساتھ مل کر نہیں کر سکے تھے۔''

''آہ کتنا سچ کہتی تھیں بیگم سائیں! کتنا سچ کہتی تھیں پردہ میری ہی آنکھوں پر پڑ گیا تھا' نہیں کیتھرائن نہیں' جنبش مت کر اپنی جگہ سے تیرے سارے بدن میں سوراخ کر سکتا ہوں میں' بول زندہ رہنا چاہتی ہے یا نہیں' غازی شاہ کی غراہٹ ابھری اور کیتھرائن سنبھل گئی۔ غازی شاہ نے اشارہ کیا اور ناگی بابا اور دین بخش اندر آ گیا۔

''بابا دین بخش! دل مراد کو گود میں لے لو اور ناگی بابا رسا لے آؤ۔ اس ناگن کو باندھ کر رکھنا بڑا ضروری ہے'' نجانے کیوں غازی شاہ کو یقین تھا کہ کیتھرائن جیسی خطرناک عورت پتہ لگا کر یہاں ضرور پہنچ جائے گی۔ گوٹھ سے وہ سیدھا ادھر ہی آیا تھا اور کیتھرائن کا انتظار کر رہا تھا۔ باقی تو اسے تلاش کرنا بہت مشکل کام تھا۔ کیتھرائن کو رسیوں سے باندھ دیا گیا اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ شمیلا البتہ ڈری اور سہمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سادہ لوح عورت کی سمجھ میں اب بھی سارے واقعات نہیں آئے تھے۔ غازی شاہ نے اسے کچھ بتایا بھی نہیں تھا تاکہ وہ خوفزدہ نہ ہو جائے تب غازی شاہ نے گردن خم کر کے کہا۔

''شمیلا جو کچھ ہوا اور جیسے ہوا اس کے بارے میں تفصیل میں تمہیں بتا دوں گا اس وقت میرے ایک جرم کو معاف کر دو ساری زندگی اس کے لئے تم سے معافی مانگتا رہوں گا۔''

''نہیں چھوٹے سائیں! آپ کیسی باتیں کر رہے ہو' آپ میرے ٹکڑے کر ڈالو' میں اسے کبھی جرم نہیں سمجھوں گی سائیں! میں تو آپ کی غلام ہوں' جوتوں کو دھول ہوں آپ کی' آپ بھلا کوئی جرم کیسے کر سکتے ہو' سائیں حکم کرو کیا کہنا چاہتے ہو''

''دل مراد تمہارا بیٹا ہے' یہ وہ بچہ ہے جو مردہ نہیں پیدا ہوا بس کیتھرائن کی سازش نے مجھے بھی بے وقوف بنا دیا اور بحالت مجبوری مجھے یہ کہنا پڑا کہ یہ بچہ مردہ پیدا ہوا ہے۔ یہ تمہارا بچہ ہے شمیلا یہ سو فیصد تمہاری اولاد ہے لو اسے اپنی آغوش میں لے لو یہ کہہ کر غازی شاہ نے دل مراد کو شمیلہ کی آغوش میں دے دیا۔ شمیلہ دیوانی ہو گئی تھی وہ پاگلوں کی طرح دل مراد کو چوم کر کہہ رہی تھی۔

''میرا بیٹا' میرا بچہ' میرا بچہ اور سب کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں سوائے کیتھرائن کے جو آگ بھری نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

غیاث علی نے اپنی کام مکمل کر لیا اور پھر ایک دو پہر وہ مرزا طارق بیگ کے پاس پہنچ گیا۔

''سر! یہ آپ کے حکم کی مکمل تعمیل'' اس نے ایک فائل مرزا طارق بیگ کے سامنے رکھ دی اور طارق بیگ نے فائل اٹھا کر اسے دیکھنا شروع کیا وہ ایک ایک کاغذ دیکھتا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں تحسین کے جذبات ابھر رہے تھے۔

''واہ' کیا کام کیا ہے تم نے غیاث علی! یہ حقوق شہریت تو تقریباً ساٹھ سال پرانے ہیں۔''

''سر! آپ نے اس پر ایک خاص بات نہیں محسوس کی۔''

''وہ کیا؟''

''یہ لیٹر پیڈ کینیا کے اس وقت کے ہیں جب ساٹھ سال پہلے وہاں حقوق شہریت وغیرہ دیئے جاتے تھے''

''میں کاغذ تک دیکھ رہا ہوں اس کاغذ کی پیلاہٹ بتاتی ہے کہ یہ اتنا ہی پرانا ہے مگر غیاث علی تم نے یہ کام کیسے کیا''

''کیا کریں جناب! یہ کم بخت دولت جو ہے بس یوں سمجھ لیجئے اس دور کی حکمراں ہے' یہ دوسرے کاغذات دیکھئے آپ تصدیق نامے ہیں غرض و غایت ہے' آپ ذرا دیکھیں''

''ہاں ہاں دیکھ رہا ہوں میں'' مرزا طارق بیگ ایک ایک کاغذ دیکھتا رہا اور عش عش

کرتا رہا۔ غیاث علی نے واقعی وہ کام سرانجام دیا تھا جس کی تردید ناممکن تھی۔ پرانے کاغذات ہر دور کے لحاظ سے اس دور کے لیٹر پیڈ پر اور پھر وہاں سے یہاں تک کہ وہ رسید بھی موجود تھی جو اس کاروبار کی خریداری کے سلسلے میں اور اسے ہینڈ اوور کرنے کے سلسلے میں تھی۔ اس پر بھی کینیا کی حکومت کے تمام تصدیق نامے ثبت تھے۔

''غیاث علی تم نے وہ کام کیا ہے کہ بس میں بتا نہیں سکتا' تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری یہ محنت بے کار جائے گی۔ تمہیں اور بھی بہت سے ایسے کام دیئے جائیں گے اخراجات جو بھی ہوئے ہوں تم چار گنا کر کے مجھ سے لے لو''

''نہیں جناب! ہمارا آپ کا کوئی نیا سلسلہ تو ہے نہیں' میں آپ کو اس کا بل بنا کر دے دوں گا وہ ادا کر دیجئے گا''

''بل مت دینا بس مجھے یونہی منہ سے بتا دینا کیا خرچ ہوا ہے تمہارا'' غیاث علی کے جانے کے بعد مرزا طارق بیگ بہت دیر تک سوچتا رہا اس کے بعد اس نے اپنی بیوی سے کہا۔''

''بھئی جب کام ہونے ہوتے ہیں تو اس طرح ہوتے ہیں' کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے کمال کی بات ہے۔ اچھا اب ذرا کچھ اور مشورہ کرنا ہے تم سے' مگر نہیں تم بے چاری کہاں اس چکر میں پڑو گی۔ رات کے کھانے پر ایک بار پھر مرزا طارق بیگ نے غیاث علی کو بلا لیا۔ اتنا ذمے دار اور ذہین شخص ہی بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔''

''غیاث علی یہ بات میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ سب کچھ میں نے کیوں کیا ہے؟''

''جی سر! مختصر الفاظ میں''

''بس یہ الفاظ کیا بلکہ قصہ مختصر ہے بات یہ ہے کہ میں عالیہ کی شادی اس نوجوان سے کرنا چاہتا ہوں جس نے یہاں آ کر مشہور کیا تھا کہ اس کا تعلق کینیا سے ہے' دو آدمی اس کے ساتھ ہیں بلکہ تین افراد سمجھ لو ان میں ایک اوصاف احمد ہے دو اور میاں بیوی ہیں۔ یہ لوگ ایک سازش کے تحت یہاں آئے تھے' بات اصل میں یہ ہے غیاث علی کہ ان کی سازش ناکام ہونی چاہیے۔ ان لوگوں کو کسی طرح ڈرا دھمکا کر بالکل ہی غائب کر دو''

''ہو جائے گا جناب! بالکل ہو جائے گا آپ بالکل فکر نہ کریں''

''ہاں یہ مشورہ بھی کرنا چاہتا تھا تم سے اور تمہیں بتانا بھی چاہتا تھا اس سلسلے میں کام چونکہ تمہیں ہی کرنا ہے یہ میں نے ایک چیک بنا دیا ہے اس میں جو رقم دل چاہے بھر لینا''

''جناب یہ آپ کی محبت ہے' میں چاہتا ہوں کہ آپ ہی کے سامنے اس میں رقم بھی بھر لی جائے''

''غیاث علی اس چیک کو جیب میں رکھ لو' جب میں نے تم پر مکمل اعتماد کیا ہے تو پھر تم کیوں الجھ رہے ہو''

''بہت شکریہ جناب' بے حد شکریہ' احسان مند ہوں آپ کا'' غیاث علی نے جواب دیا اور بات ختم ہوگئی۔ غیاث علی کو مرزا طارق بیگ نے مکمل بات سمجھا دی تھی اس کے فوراً بعد مرزا طارق بیگ نے عالیہ سے کہا۔

''عالیہ بیٹے! شہزادہ خرم کا کیا حال ہے''

''ٹھیک ہیں ڈیڈی''

''ملاقات تو ہوتی رہتی ہے نا''

''ہاں کیوں نہیں' ملتے ہیں ہم روزانہ ملاقات کرتے ہیں' آپ کی اجازت سے ڈیڈی!''

''ہاں بھئی ہاں' میں تم سے کوئی باز پرس نہیں کر رہا ہوں' اسے کل دوپہر کو کھانے پر بلاؤ ایک اہم میٹنگ کرنی ہے اس سے۔''

''بہتر ہے ڈیڈی! بلا لیتی ہوں' اس میٹنگ میں نیاز اللہ صاحب بھی موجود تھے' علی خیر محمد اپنی تمام تر فطرت کو تبدیل کر چکا تھا۔ اب وہ ایک نیک انسان بننے کی کوشش میں سرگرداں تھا۔ مرزا طارق بیگ اس وقت اس سے بڑی تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے تھے' لیکن اس گفتگو میں انہوں نے بیٹی اور بیوی کو شریک نہیں کیا تھا البتہ یہ میٹنگ نیاز اللہ صاحب کے حجرے میں ہوئی تھی۔ علی خیر محمد کچھ حیران حیران سا تھا' مرزا طارق بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بیٹے! میں تمہیں شہزادہ خرم ہی کے نام سے پکاروں گا''

''جی انکل'' علی خیر محمد حیران حیران سا بولا''

''نیاز اللہ صاحب میرے والد ہیں' ہم سب کا ان سے زیادہ خیر خواہ اور کون ہو سکتا ہے' انہوں نے مجھے اس سلسلے میں ساری تفصیل بتا دی ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ تمہارا نام علی خیر محمد ہے اور تم مکرم شاہ کے بیٹے ہو' علی خیر محمد میں مکرم شاہ صاحب سے بھی مل چکا ہوں۔ بہت اچھے انسان ہیں وہ' ہمارے درمیان کچھ معاملات طے پا رہے ہیں دیکھو' میں تمہیں ساری باتیں بتا دوں۔ فضل شاہ نے جو تمہیں یہاں بھیجا ہے' وہ میرا کاروباری دشمن ہے' کالے کاروبار کرتا ہے وہ جس کے بہت سے ثبوت میرے پاس ہیں وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی مٹھی میں آ جاؤں تو بیٹے! میں اس سلسلے میں کچھ کارروائی کرنا چاہتا ہوں''

''جی انکل فرمائیے''

''بیٹا! دیکھو یہ بزرگوں کے کرنے کی باتیں ہوتی ہیں بچوں سے نہیں کی جاتیں لیکن میں تمہیں مکمل اعتماد میں لے کر قدم آگے بڑھانا چاہتا ہوں' پہلا جواب مجھے دو''

''کیا تم عالیہ سے محبت کرتے ہو''

''جی انکل'' علی خیر محمد نے گردن جھکا کر کہا۔

''اس سے شادی کرنا چاہتے ہو''

''جی''

''اچھا تمہیں معلوم ہے کہ وہ لوگ تمہیں قاتل بنا چکے ہیں''

''جی میں نے دادا جان کو بتایا تھا''

''مجھے معلوم ہے' بیٹا! علی خیر محمد کے نام سے تم کم از کم پاکستان حکومت کے لئے ہمیشہ وانٹڈ رہو گے' تم نے جو نیا روپ اختیار کیا ہے جس نے اس کی تکمیل کر دی ہے۔ یہ دیکھو یہ تمہارا قاتل موجود ہے۔ فضل شاہ نے صرف ایک کہانی گھڑی تھی اور اس پر اخراجات کر کے تمہیں یہ کوٹھی وغیرہ دلا دی تھی' مگر میں نے اس کہانی کو مکمل کر دیا ہے' یہ سارا سلسلہ بالکل الگ ہی رہا ہے فائل دیکھنے کے بعد علی خیر محمد نے حیرانی سے کہا۔

''تو اب انکل؟''

''مطلب یہ ہے کہ اب تم شہزادہ خرم ہی رہو گے والدین سے آزادی سے مل جل سکو گے' باقی سارے معاملات میں سنبھال لوں گا اس کی بالکل فکر مت کرنا' میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد تمہاری شادی کر دی جائے تاکہ یہ سلسلہ مکمل ہو جائے اور پھر فضل شاہ سے کہہ دیا جائے کہ اب اوقات میں رہے ورنہ دوسری صورت اس کے لئے بہت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ تم مجھے ایک بات بتاؤ' فضل شاہ کے لئے تمہارے دل میں کیا مقام ہے' علی خیر محمد ہنسنے لگا پھر بولا۔

''انکل! وہ ایک بے مقام شخصیت ہے' آپ اس کی بالکل پرواہ نہ کریں''

''گڈ یہی میں بھی معلوم کرنا چاہتا تھا تو بیٹے! باقی وہ لوگ جو فضل شاہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ یعنی تمہارے سرپرست جو تمہیں بعقول ان کے وہاں سے لے کر آئیں ہیں تو میں ان کو ٹھیک کر لوں گا۔ سمجھداری سے کام لیا تو آرام سے رہیں گے ورنہ جس مشکل میں گرفتار رہوں گے اس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''جی انکل'' علی خیر محمد نے گردن خم کرتے ہوئے کہا اور اس کے بعد بہت دیر تک یہ

سارے معاملات طے ہوتے رہے تھے۔

☆......☆......☆

مرزا طارق بیگ کا معاملہ اب صرف یہی نہیں رہا تھا کہ اسے اپنی بیٹی کے لئے ایک داماد مل گیا تھا بلکہ اس کا ایک بدترین دشمن اس کے ہاتھوں ایک ایسی شکست کھانے والا تھا کہ زندگی بھر یاد رکھے۔ دولت جب حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور انسان کو اس کے مصرف کی تلاش میں دقت ہونے لگتی ہے تو پھر اسی طرح کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اب یہ کھیل نئی جہت اختیار کر چکا تھا' علی خیر محمد مکمل طور سے مرزا طارق بیگ سے تعاون کر رہا تھا۔ مرزا طارق بیگ نے خفیہ طریقے سے کوششیں کیں اور اس کے بعد اس نے مکرم شاہ سے ملاقات کی مکرم شاہ آجکل کیتھرائن کے سلسلے میں مصروف تھا۔ غازی شاہ نے کیتھرائن کو خفیہ طور پر علی خیر محمد گوٹھ منتقل کر دیا تھا اور علی خیر محمد گوٹھ تو خیر ایسی جگہ تھی جہاں ایک کیتھرائن کیا پچاس افراد کو اس طرح غائب کئے جا سکتے تھے کہ ان کا نام و نشان نہ ملے۔ بہر حال کیتھرائن قید خانے میں تھی اور بالکل بے بس ہو چکی تھی' ابھی تک غازی شاہ نے اس کی گرفتاری کے بعد اس سے ملاقات نہیں کی تھی۔ دل مراد کو مکمل طور سے شمیلہ کے حوالے کر دیا گیا تھا اور شمیلہ اپنی محبت اور ماماتا کو سمندر سے زیادہ گہرا بنائے ہوئے تھی۔ ناگی بابا بھی خوش تھا دین بخش کو خصوصی طور پر ان دونوں کی حفاظت کا ٹھیکہ دے دیا گیا تھا۔ شرجیلہ ابھی تک علی خیر محمد گوٹھ میں ہی تھی اور اپنے طور پر منصوبے بنا رہی تھی۔ اصل مسئلہ کیتھرائن کا تھا' کیتھرائن ذرا مناسب صورتحال اختیار کرے تو باقی تمام معاملات دیکھے جائیں۔ ان حالات میں اچانک ہی مرزا طارق بیگ علی خیر محمد گوٹھ پہنچ گیا وہ بھی اب ان لوگوں کے لئے ایک محترم شخصیت اختیار کر چکا تھا۔ چنانچہ اس کا بہترین استقبال کیا گیا' غازی شاہ اور مکرم شاہ اسے شرجیلہ سے ملانے کے لئے لائے۔ مرزا طارق بیگ نے بڑے مودبانہ انداز میں شرجیلہ بیگم کو سلام کیا ان دونوں نے ایک بار پھر مرزا طارق بیگ کا تعارف شرجیلہ سے کرایا تو شرجیلہ نے کہا۔

''ہاں' میں آپ کے بارے میں ان لوگوں سے بڑی تفصیل سے سن چکی ہوں' کہیے کیسے ہیں آپ بہت جلد ہم آپ کو آپ کے اہل خانہ سمیت' علی خیر محمد گوٹھ میں خوش آمدید کہنا چاہتے ہیں''

''ہزاروں بار حاضری دوں گا شاید آپکو تمام تر صورتحال کے بارے میں علم ہو''

''تمام تر تو نہیں اصل میں یہ دن ہماری زندگی کے بڑے الجھے ہوئے دن گزر رہے ہیں۔ ہم اپنے حالات کا تذکرہ آپ سے کیا کریں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ اپنی بقاء کے سلسلے میں

سرگرداں ہیں''

''ہاں مرزا صاحب خاندان کے کسی ایک فرد سے اگر کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس کا ازالہ ممکن نہ ہو تو سارے خاندان کو بھگتنا پڑتا ہے''

''بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں' لیکن کچھ ایسی صورتحال پیش آگئی ہے کہ مجھے آپ کے پاس آنا پڑا''

''ہاں ہاں کہیے''

''شرجیلہ بیگم کو اس بارے میں پتہ نہیں کچھ معلوم ہے یا نہیں' میں آپ کو ذرا سی تفصیل بتا دوں' بیگم سائیں علی خیر محمد آپ کا پوتا جن الجھنوں میں پھنسا ہے اس کے بارے میں آپ کو پتا ہوگا۔ معاف کیجئے گا چونکہ تھوڑے بہت آپ کے خاندانی معاملات میرے علم میں ہیں۔ اس لئے میں اس موضوع پر ذرا سا کھل کر گفتگو کر رہا ہوں آپ سے آپ کی انگریز بہو نے جو کام کیا ہے اس نے بڑی الجھنیں پیدا کر دی تھیں۔ بے چارے بچے کو قاتل بنا دیا گیا' بہر حال آپ کے اور میرے تعلقات بہت ہیں لیکن آپ جانتی ہیں کہ اگر ہم نے ان تعلقات کو استعمال کر کے علی خیر محمد کی زندگی بچانے کی کوشش کی تو زندگی بھر بلیک میل ہوتے رہیں گے ہم اس بلیک میلنگ کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں میں نے بلکہ شاید تھوڑی تفصیل اور بتا دوں آپ کو فضل شاہ نے علی خیر محمد کو ایک نیا نام اور نیا رنگ دے کر کراچی منتقل کیا تھا میں نے اس کی تکمیل کر دی ہے۔ مکرم شاہ صاحب اب اگر آپ اپنے بیٹے پر اپنی اولاد ہونے کا دعویٰ خود بھی کرتے ہیں تو آپ اسے ثابت نہیں کر سکیں گے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے کیونکہ وہ کینیا میں پیدا ہوا' وہیں اس نے پرورش پائی۔ اس کی اور اس کے باپ کی زندگی کے باسٹھ سال کینیا کی حکومت کے ریکارڈ میں داخل ہو چکے ہیں اور وہ اپنا کاروبار فروخت کر کے یہاں آ چکا ہے۔ اب اگر اس کے کاروبار کے فروخت کا بھی جائزہ کیا جائے گا تو تمام باتیں ثابت ہو جائیں گی میں نے یہ کام کر دکھایا ہے یہ دیکھئے۔ مرزا طارق بیگ نے ایک فائل کھول کر اس کے سامنے رکھ دی اور سب اس کے اوپر جھک گئے۔ بہر حال جتنا جس کی سمجھ میں آ سکا' مکرم شاہ نے کہا۔

''مرزا صاحب! آپ لوگ تو سائیں کمال کے لوگ ہوتے ہو' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت کینیا پر آپ کی حکمرانی کب رہی۔ خیر علی خیر محمد کو تو یہ لوگ مجھ سے چھین ہی چکے ہیں' میں اسے صبر کر چکا تھا' لیکن اب کم از کم یہ بات تو میرے دل میں رہے گی کہ میرا بیٹا زندہ سلامت ہے اور بہر حال جس طرح بھی ہے وقت گزار رہا ہے۔

''ہاں سائیں یہی زیادہ اچھا ہے' دیکھئے نا ہم ان بچوں کے لئے تو قربانیاں دیتے

ہی رہتے ہیں۔اب مجھے دیکھئے میں نے اپنی بیٹی کے لئے یہ ساری قربانیاں دی ہیں جبکہ مجھے اس سلسلے میں کوئی لالچ نہیں ہے ہاں اس کے ساتھ ساتھ میرے دشمن کو بھی بدترین شکست پہنچ رہی ہے وہ میرے لئے خوشی کا باعث ہے اور سنئے میں اب چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ان دونوں کی شادی کر دی جائے آپ سے اجازت لینے آیا ہوں۔'' مکرم شاہ نے حیرت سے اسے دیکھا اور بولا''

''مگر......ہم......میں......میں''

''سائیں آپ' بیگم صاحب آپ اور غازی شاہ آپ' کیونکہ آپ بھی علی خیر محمد کے چچا ہو' یہ بات تو آپ لوگ جانتے ہو کہ علی خیر محمد کو اب آپ علی خیر محمد کے نام سے نہیں پکار سکتے اس کا نام شہزادہ خرم ہی رہے گا۔سائیں! وہ زندہ سلامت ہے آپ کے سامنے ہے جب چاہو اس سے مل سکتے ہو جب چاہو اسے بلا سکتے ہو' رشتے پیدا کرنا کون سی بڑی بات ہے بات صرف قانون کی زبان بند کرنے کی ہے اور وہ بھی اس لئے کہ ہم اپنے بچے کی زندگی چاہتے ہیں' کیونکہ وہ بے گناہ ہے بہرحال آپ لوگ اپنے طور پر مصروف رہو میں یہ کام جلد از جلد کر لینا چاہتا ہوں اور سنئے۔ مجھے افسوس ہوگا کہ آپ ک اس شادی میں شریک نہیں ہوں گے' ہمارا اور آپ کا واسطہ تو بعد میں پڑے گا جب ہم سارے حالات ٹھیک کر لیں گے سائیں! آپ اپنے طور پر فیصلہ کر کے اس کا جواب دو کہ کیا میں اس کے لئے تیاریاں کر دوں' میں فضل شاہ ہی کی مرضی کے مطابق سارے کام کروں گا اور اس کے بعد فضل شاہ کو منہ کی کھانی پڑے گی۔مکرم شاہ نے ایک لمحے کے لئے کچھ کہنا چاہا لیکن غازی شاہ جلدی سے بولا۔

''سائیں مکرم شاہ آپ ایسا کرنے دو مرزا صاحب کو' اسی میں ہم سب کی مصلحت اور بھلائی ہے'' مکرم شاہ نے گردن ہلا دی تھی شرجیلہ نے کہا۔

''ہاں مکرم شاہ حسرتیں تو ہمارے دل میں بھی بہت سی ہیں لیکن اس وقت علی خیر محمد کی زندگی کے لئے یہ سب بہت ضروری ہے''

''ٹھیک ہے' بیگم سائیں اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو مجھے کیا اعتراض ہے' سب ایک دوسرے سے گلے ملے۔مرزا طارق بیگ مٹھائی کا ٹوکرہ لے کر آیا' مٹھائی اندر آئی' آنکھوں میں آنسو اور منہ میں لڈو ایک نئی مثال قائم ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

مرزا طارق بیگ کے چلے جانے کے بعد مکرم شاہ' شرجیلہ اور غازی شاہ خاموش بیٹھے رہے تھے سب کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے ان دنوں وہ لوگ جس ذہنی بحران

سے گزر رہے تھے وہ نا قابل یقین سا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ بہرحال مکرم شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اللہ تعالیٰ کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا' میرا بیٹا زندہ ہے' افریشم کیا تمہارے دل کو اس بات کی خوشی نہیں ہوگی کہ علی خیر محمد ہم میں ہے نہ تو اسے سزائے موت ہونی ہے اور نہ وہ کسی مشکل میں پڑے گا۔ بابا علی خیر محمد گوٹھ سے کراچی کا فاصلہ ہی کتنا ہے جب اپنی آنکھوں میں پیاس لگے گی جا کر پیاس بجھا لیا کریں گے۔مرزا طارق بیگ سے کہیں گے کہ ہم سے دوستی استوار کریں' کبھی کبھی ہمارا بچہ ہمیں دیکھا دیا کرے سب کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے' غازی شاہ نے کہا۔

''بڑے سائیں! اصولی طور پر تو ہونا یہ چاہیے کہ مجھے اور کیتھرائن کو سزائے موت ملے' پر بابا! معاف نہیں کروں گا میں اپنے آپ کو بھی''

''نہیں بیٹے! خدا نے ہمارے ساتھ کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ علی خیر محمد زندہ سلامت ہے اور تم راہ راست پر آ چکے ہو''

''بابا سائیں! میں پریشان ہوں کہ کیتھرائن کے سلسلے میں کیا کیا جائے''

''دیکھو سارے کام خوش اسلوبی سے ہونے دو' میں دیکھوں گا کہ کیا کیا جا سکتا ہے جو کچھ بھی کریں گے سوچ سمجھ کر ہی کریں گے۔ بہرحال ہمارے لئے سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کرتے ہوئے ہمیں دل مراد دے دیا ہے۔علی خیر محمد گوٹھ سردار کے بغیر نہیں رہے گا' پہلے یہ سرداری میں تمہیں منتقل کروں گا اور اس کے بعد تم اپنے بیٹے کو۔''

''نہیں بڑے سائیں! یہ آپ کیا کہہ رہے ہو' غازی شاہ زار و قطار رو پڑا شرجیلہ بھی ہچکیاں لے لے کر رونے لگی تھی' مکرم شاہ نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہاں ہمیں ایک ہی چیز مل گئی کیا کم ہے غازی شاہ! ہمیں علی خیر محمد کی زندگی مل گئی ٹھیک ہے سرداری اس کے نصیب میں نہیں تھی غازی شاہ جب ان دونوں کے پاس سے اٹھا تو بڑا دل برداشتہ تھا۔اپنی رہائشگاہ میں آیا تو قید خانے کے ملازم نے اطلاع دی کہ کیتھرائن اس سے ملنا چاہتی ہے۔ غازی شاہ کیتھرائن کو قید کرنے کے بعد اس سے نہیں ملا تھا اس کے دل میں اب بھی نفرت کا طوفان تھا۔ بہرحال وہ کیتھرائن کی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد قید خانے میں داخل ہو گیا اس کا خیال تھا کہ کیتھرائن جنون کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوگی اور بھوکی بلی کی طرح اس لئے اپنے آپ کو تیار کئے ہوئے تھا اب کیتھرائن کے دل میں اس کے لئے ذرا بھی مروت نہیں تھی اگر کیتھرائن کو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کا موقع مل جاتا تو لازمی بات تھی

کہ وہ شمیلا کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتی اور بہر حال یہ بہت برا ہوتا۔ لیکن وہ حیران رہ گیا کہ کیتھرائن آرام سے قید خانے میں ایک جگہ بیٹھی ہوئی ہے اس کے آس پاس کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں کیونکہ اس سلسلے میں غازی شاہ نے اپنے ملازموں کو ہدایت دے دی تھی کہ وہ جو کچھ بھی طلب کرے اسے کھانے پینے کے لئے دے دیا جائے۔ کیتھرائن اس وقت بھی بیٹھی پھل کھا رہی تھی وہ غازی شاہ کو دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

''آؤ بے وفا محبوب!'' غازی شاہ خاموشی سے آگے بڑھتا چلا گیا' کیتھرائن اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''کچھ کھاؤ گے' ویسے تمہارے آدمیوں نے مجھے پھلوں کو کاٹنے کے لئے چھری نہیں دی ان کا خیال ہے کہ شاید میں خودکشی کرلوں۔ چھوٹے سائیں ایک بات کہوں آپ سے' ہم لوگ' ہم لوگ ہی کہوں گی' کیونکہ آپ نے مجھے اپنے آپ سے تو دور کر دیا ہے ہم فرنگی نسل کے لوگوں کی بات کر رہے ہیں ہم لوگوں کو جب خودکشی کرنا ہوتی ہے نا تو ہم ایک کام کرتے ہیں ہم خودکشی کی وجہ کو باقی نہیں رہنے دیتے۔ بیٹھو سائیں بیٹھو آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے اب ایسا بھی کیا ہمارا تمہارا رشتہ تو قائم ہے نا''

''چکنی چپڑی باتیں مت کرو کیتھرائن! کیا کہنا چاہتی ہو یہ بتاؤ''

''تو بیٹھ تو جاؤ سائیں! اتنا تو کرلو میرے لئے غازی شاہ اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا کیتھرائن بولی۔

''تمہاری پیاس دل میں اب بھی اسی طرح ہے سائیں! جس طرح پہلے دن تھی۔''

''ہوں پیاس تو نجانے تمہارے دل میں کس کس کے لئے ہے کیتھرائن! فضل شاہ نے تمہیں اپنے بستر پر آنے کی دعوت دی تھی' جانتی ہو تم نے فضل شاہ سے کیا کہا تھا۔ غازی شاہ بولا اور کیتھرائن چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

'''کیا مطلب سائیں''

''تم نے فضل شاہ سے کہا تھا کہ یہ استعمال شدہ جسم تمہارے لئے بے مقصد ہے تم اس طرح کے دوسرے جسم استعمال کر سکتے ہو' لیکن اگر ہمارے تمہارے مفادات یکجا ہو جائیں تو تمہارے لئے زیادہ فائدہ مند رہیں گے۔ فضل شاہ تم سے ضد کرتا کہ نہیں اسے تمہارا جسم چاہیے تو میرا خیال ہے تمہیں اعتراض نہ ہوتا۔'' کیتھرائن قہقہہ لگا کر ہنسی اور پھر بولی۔

''سائیں! بات اصل میں یہ ہے کہ یہ تم لوگوں کی بے وقوفی ہے''

''کیا مطلب؟''

''دیکھو انسان سر سے پاؤں تک ضرورت اور مجبوری کا پتلا ہے' جسم کا کوئی بھی حصہ اگر اپنے کسی مفاد کے لئے استعمال کیا جائے تو اتنی بری بات تو نہیں ہے تم زمین پر پڑی ہوئی کوئی بھی چیز اپنے ہاتھوں سے اٹھاتے ہو ہاتھ استعمال کرتے ہو اس تک جانے کے لئے پیروں کا استعمال کرتے ہو۔ اسے دیکھنے کے لئے آنکھوں کا استعمال کرتے ہو' اسے سوچنے کے لئے دماغ کا استعمال کرتے ہو۔ کسی چیز کو چکھنے کے لئے زبان اور ہونٹوں کا استعمال کرتے ہو سائیں! یہ استعمال تو ایک مجبوری ہے' اسی طرح جسم کے تمام اعضاء استعمال کئے جا سکتے ہیں' ہمارا یہی تصور ہے''

''یہی تو فرق ہے تم میں اور ہم میں کیتھرائن! تم آج بھی اسی یورپ کی بات کرتی ہو جسے چھوڑے ہوئے تمہیں برسوں گزر گئے' تم واقعی اس گھرانے کے لائق نہیں تھی اس غلطی کا اعتراف تو میں کر چکا ہوں''

''چلو چھوڑو سائیں! بڑی تلخ تلخ باتیں کر رہے ہیں ہم سائیں! ایک بات بتاؤ کوئی ایسی ترکیب ہو سکتی ہے کہ میں تمہاری زندگی میں دوبارہ وہی مقام حاصل کرلوں جو مجھے پہلے حاصل تھا۔''

''اپنی سب سے بڑی غلطی بتاؤ کیتھرائن''

''ایک'' کیتھرائن ہنس کر بولی اور غازی شاہ اس کی بے غیرتی پر حیران رہ گیا۔

''جتنی بتا سکتی ہو بتاؤ'' اس نے کہا۔

''دو غلطیاں کی ہیں سائیں! دو غلطیاں' پہلی غلطی یہ کی ہے کہ اس بوڑھی بلی کو زندہ چھوڑ دیا' مجھے اسے اسی وقت مار دینا چاہیے تھا جب اس نے مجھے بانجھ کرنے کی سازش کی تھی''

''کس کی بات کر رہی ہے تو'' غازی شاہ کیتھرائن کا مطلب سمجھ کر غرایا۔

''تمہارے لہجے سے تم کا غائب ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ جس کے بارے میں میں باتیں کر رہی ہوں تم اسے پہچان چکے ہو' دوسری غلطی سائیں! تمہاری شادی کی تھی بچہ تو کہیں سے بھی لیا جا سکتا تھا اسے تمہارا اور اپنا بچہ ظاہر کیا جا سکتا تھا۔ شمیلا سے شادی کی دوسری غلطی کی تھی میں نے' اب میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ ان دونوں میں سے بڑی غلطی کون سی ہے۔''

''خیر..... جو غلطیاں تو کر چکی ہے کیتھرائن اب اس کی سزا کا وقت آ گیا ہے۔''

''میرے بارے میں کیا سوچا ہے سائیں! قتل کر دو گے مجھے۔''

ابھی تو تو قیدی ہے''

''سائیں! ایک مہربانی کر دو''

''کیا؟''

''یا تو میرے پاس آ جایا کرو' مجھے بھی اپنی زندگی کے کچھ لمحات دیا کرو یا پھر میرے لئے سزا کا فیصلہ جلدی کر دو''

''کیتھرائن! فی الال تو تیرے لئے یہی سزا کافی ہے کہ تو اس قید خانے میں رہے''

''ہوں...... اچھا باقی دونوں باتوں میں سے کوئی بات قابل قبول نہیں''

''نہیں''

''ٹھیک ہے سائیں! تمہاری مرضی ہے'' کیتھرائن نے غمناک لہجے میں کہا اور ایک سیب اٹھا کر دانتوں سے کترنے لگی۔

☆......☆......☆

مرزا طارق بیگ بھی معمولی حیثیت کا مالک نہیں تھا' بہرحال ایک بڑا بزنس مین تھا اور اس کے علاوہ بھی وہ بہت کچھ تھا۔ تمام تر منصوبہ بندیاں ہوتی رہی تھیں' علی خیر محمد پر اب اسے اچھی طرح اعتبار تھا' ادھر عالیہ بھی علی خیر محمد پر بری طرح جان دیتی تھی۔ ان دونوں کی محبت دیکھ کر مرزا طارق بیگ ہمیشہ مستعد ہو جاتا تھا۔ بیٹی کو بے حد پیار کرتا تھا اور اس کی ہر خوشی کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتا تھا' چنانچہ اب مکرم شاہ وغیرہ سے ملاقات کرنے اور ان سے اجازت لینے کے بعد اس نے اپنے طور پر تیاریاں شروع کر دیں تھیں ان تیاریوں کے پہلے مرحلے کے طور پر وہ علی خیر محمد کی کوٹھی میں حمایت علی شاہ اور ان کی بیگم سے جا کر ملا' بہت سی مٹھائی' بہت سے پھل وغیرہ لے کر وہ وہاں پہنچا تھا اور اوصاف نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ حمایت شاہ اور اس کی بیگم بھی آ گئے اور انہوں نے بھی مرزا طارق بیگ کا خیر مقدم کیا۔

''ارے مرزا صاحب! یہ لدے پھندے آپ کیسے چلے آ رہے ہیں''

''بھئی الٹی گنگا بہہ رہی ہے ہماری ثقافت اور روایات تو یہی تھیں کہ جب بیٹے اور بیٹی کا بیاہ کرنا ہوتا تھا تو بیٹے والے رشتہ اور پیغام لے کر آیا کرتے تھے لیکن بھائی اس نئے دور میں کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔ اب اس چیز کا کوئی تصور نہیں رہا۔''

''نہیں مرزا صاحب نہیں۔ ایسی کیا بات ہے' اصل میں ہمیں اگر ذرا سا بھی سہارا مل جاتا کہ ہمیں یہ مقام دیا جا رہا ہے تو ہم سر کے بل حاضر ہوتے''

''ارے نہیں بھائی نہیں' مجھے آپ کا سر بڑا عزیز ہے' خاص طور سے بہن صاحبہ کا مرزا طارق بیگ نے ہنستے ہوئے حمایت شاہ کی بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور سب ہنسنے

''ہاں تو آپ سمجھ گئے ہوں گے''

''یہی کہ میں کس لئے آیا ہوں''

''بھائی! سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اپنے منہ سے ہم کیا کہیں''

''میاں تو ہم کہے دیتے ہیں' اصل میں ہم اپنے بیٹے شہزادہ خرم اور اپنی بیٹی عالیہ بیگ کی شادی کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ آپ شہزادہ خرم کے سرپرست ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ آپ سے گفتگو کرنا بہت ضروری ہے۔''

''آپ نے تو ہمیں بہت بڑا مقام دے دیا ہے۔ مرزا صاحب! آپ کی اس محبت اور عنایت کا ہم بھلا آپ کو کیا صلہ دے سکیں گے۔ ہم خود آپ سے یہ عاجزانہ درخواست کرتے ہیں۔''

''تو پھر آ جاؤ یار! شام کے کھانے پر وہاں آ کر درخواست کرو تا کہ باقی ساری باتیں وہیں طے ہو جائیں۔''

''ضرور حاضری دیں گے یہ ہماری خوش نصیبی ہوگی۔'' مرزا طارق بیگ تھوڑی سی ضیافت کے بعد رخصت کر دیئے گئے۔ حمایت شاہ اور اس کی بیگم خوشی سے اچھل پڑے تھے۔ اوصاف کو بلایا گیا علی خیر محمد کو اس گفتگو میں شریک نہیں کیا گیا تھا۔

''تم جانتے ہو کہ ہم کون ہیں اور تم کون ہو۔'' حمایت شاہ نے اوصاف سے کہا۔

''ہاں جناب! کیوں نہیں۔''

''اس سلسلے میں فوری طور پر فضل شاہ صاحب سے رابطہ قائم کرنا بے حد ضروری ہے۔''

''امیر شاہ صاحب اس وقت یہیں موجود ہیں آپ کہیں تو میں ان سے رابطہ قائم کر دوں اوصاف نے کہا۔''

''فوراً۔'' امیر شاہ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا گیا۔ اور امیر شاہ کوٹھی پہنچ گیا۔

''شاہ جی! کام بن گیا ہے جو ذمہ داری میرے سپرد کی گئی تھی۔ ہم نے خوش اسلوبی سے پوری کر ڈالی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مرزا طارق بیگ اپنی بیٹی کا رشتہ لے کر آئے تھے۔''

''کیا؟'' امیر شاہ خوشی سے اچھل پڑا۔

''ہاں اب آپ فوری طور پر فضل شاہ صاحب سے رابطہ قائم کر کے ہمارے لیے

ہدایات حاصل کیجئے۔''

''تم شام کو وہاں جا رہے ہو۔''

''آپ بتائیے۔''

''جانا ہے بھئی جانا ہے۔ یہ کام تو تم کرو اور سنو...... یہ اجازت تو میں تمہیں دیتا ہوں کہ جتنی جلدی مرزا طارق بیگ یہ رشتہ کرنا چاہے تم ہاں کر دو۔ جتنی بھی جلدی ممکن ہو سکے چونکہ فضل شاہ صاحب یہی تو چاہتے ہیں۔''

''آپ کا حکم ہے جناب۔''

''ہاں بالکل۔'' امیر شاہ نے جواب دیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے میں شام کو جا رہا ہوں اور سنو اوصاف تمہیں اس سلسلے میں ساری تیاریاں مکمل کرنی ہیں اور امیر شاہ صاحب آپ مجھے اس سلسلے میں اور کچھ ہدایات دیں گے۔''

''ابھی نہیں اب تو یہ کام بہت ارجنٹ ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے میں گوٹھ جا کر پھر واپس آ جاؤں بہرحال رات کو جب تم وہاں سے واپس آؤ گے تو میں تمہیں کوٹھی میں ہی ملوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمایت شاہ نے کہا امیر شاہ نے فوری طور پر گوٹھ روانگی کا بندوبست کیا تھا اور آخر کار وہ فضل شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

''شاہ جی جو پودا آپ نے لگایا تھا وہ ایک تناور درخت بن گیا ہے اور اس نے فوراً ہی پھل دینا شروع کر دیئے ہیں۔''

''امیر شاہ! یہ تو شاعر کب سے ہو گیا بھئی کام کی بات کیا کرو یہ شاعری جیسی چیزیں مجھے پسند نہیں انسان کے ہاتھ پاؤں رینٹھ کر رہ جاتے ہیں۔''

''شاہ جی! مرزا طارق بیگ اور حمایت شاہ کے درمیان علی خیر محمد اور طارق بیگ کی بیٹی کے رشتے بات طے ہو گئی ہے۔ اب سے تھوڑی دیر کے بعد بھی شام کے وقت حمایت شاہ رشتہ لے کر مرزا طارق بیگ کے گھر جا رہا ہے۔ فضل شاہ بھی خوشی سے اچھل پڑا تھا اس نے کہا۔

''کیا واقعی؟''

''ہاں آپ کا کیا حکم ہے؟''

''سنو تمہیں فوراً واپس جانا ہے ان دونوں سے کہو میرا مطلب ان میاں بیوی سے ہے کہ رشتے کی تاریخ ایک ہفتے کے اندر اندر کی طے ہو جانی چاہیے۔ یہ تو اچھی بات ہے ارے واہ مگر مجھے یقین تھا کہ علی خیر محمد اتنا ہی ہونہار لڑکا ہے کہ ذرا سی دیر میں سارے راستے ہموار کرے گا۔ سب خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔ امیر شاہ واپس پہنچا حمایت شاہ اور اس کی

بیوی مرزا طارق بیگ کی کوٹھی جانے کے لیے تیاریاں کر رہے تھے طے یہ کیا گیا تھا کہ علی خیر محمد بھی ساتھ ہی جائے گا۔ مرزا طارق بیگ نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ بہرحال امیر شاہ نے وہی پیغام حمایت شاہ کو دیا۔

''ہاں بھئی بات ہو گئی ہے شاہ صاحب سے شادی کی تاریخ ایک ہفتے کے اندر اندر کی طے ہونی چاہیے۔''

''ایسا ہی ہو گا جناب! ایسا ہی ہو گا۔'' حمایت شاہ نے خوشی سے جواب دیا ایک عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ وقت مقررہ پر یہ تمام لوگ تیار ہو کر آخر کار مرزا طارق بیگ کی کوٹھی کی جانب چل پڑے۔ حمایت شاہ اور اس کی بیوی اور اوصاف کرائے کے لوگ تھے ظاہر ہے انہیں ذاتی طور پر ان چیزوں سے کیا دلچسپی پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن بہرحال جس چیز کا کرایہ وصول کیا تھا اسے تو نبھانا ہی تھا۔ مرزا طارق بیگ کی کوٹھی میں ان کا اس طرح سے استقبال کیا گیا جس طرح معزز مہمانوں کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اور مرزا طارق بیگ نے ان کی بہترین ضیافت کی اس کے بعد کام کی باتیں شروع ہوئیں حمایت شاہ نے کہا۔

''بیٹے عالیہ! آپ شہزادہ خرم کے ساتھ ذرا سیر و تفریح کر لیجئے۔ ہم کام کی باتیں کر رہے ہیں۔'' جب یہ دونوں چلے گئے تو مرزا طارق بیگ نے ہنس کر کہا۔

''حمایت شاہ صاحب! آپ کتنے عرصے کینیا میں رہے؟ حمایت شاہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے بوکھلاہٹ کے آثار نمودار ہوئے تھے اس نے کہا۔

''طویل عرصہ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟''

''نہیں میرا مطلب ہے کہ آپ کو پاکستانی ثقافت کے بارے میں آج تک معلوم ہے۔ آپ نے ان دونوں کو باہر بھیج دیا ہمارے دور کے بزرگ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''

''بیٹے! یہی اچھا بھی لگتا ہے۔ اب یہ ہمارے بچے ہمارا احترام کرنا نہیں بھولے ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اسقدر ماڈرن نہ ہوں۔ کم از کم بچوں کو احترام کی حد میں تو رہنے دیں۔ نیاز اللہ صاحب نے کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' رسمی گفتگو کے بعد اصلی گفتگو شروع ہوئی۔''

''ہاں حمایت شاہ صاحب تو پھر کیا فیصلہ کیا آپ نے اس سلسلے میں؟''

''بھائی بیگ صاحب! ہم بھی یہ درخواست لے کر حاضر ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں جس قدر جلد یہ سب کچھ ہو سکے اچھا ہے اب یہ بتائیے اس سلسلے میں ہمیں کتنا وقت دے سکتے

ہیں آپ۔"

"بس میری طرف سے تو تمام تیاریاں مکمل ہیں آپ جب کہیں۔"

"تو بس تین دن کے بعد کی کوئی تاریخ تعین کر لی جائے۔"

"کیوں نہیں۔"

مرزا طارق بیگ نے کہا۔

"واہ یہ تو بڑا اچھا ہو رہا ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم مصروف عمل ہو جائیں۔"

"دیکھیے بات صرف اتنی سی ہے۔ کارڈ چھپوانا اور لوگوں کو بلوانا گھنٹوں کا کام ہوتا ہے۔ معافی چاہتا ہوں شمشاد صاحب! بات اصل میں وہی ہے کہ آپ دولت خرچ کیجیے شہد کا چھتہ آپ لگائیے آپ دیکھیے مکھیاں کس طرح بھنبھناتی ہوئی آ جاتی ہیں۔"

"بے شک، بے شک۔"

"یہ کام ہم کر لیں گے اور رہا آپ کا معاملہ تو آپ کو ہم ایک مشورہ دیتے ہیں آپ کے اگر یہاں کچھ شناسا موجود ہیں۔ تو آپ بے شک انہیں ساتھ لے کر آئیے۔ یہاں پر ایک طریقہ کار ہے۔ مساجد میں نکاح ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد ڈنر دے دیا جاتا ہے۔ ہم یوں کرتے ہیں کہ ایک اعلیٰ درجے کے ولیمہ ڈنر کا بندوبست کیے لیتے ہیں۔ نکاح سادگی کے ساتھ اپنے گھر میں کر لیا جائے۔ آپ ساری مشکلیں حل کرتے جا رہے ہیں مرزا صاحب! حمایت شاہ نے کہا۔

"بھئی اس کی وجہ ہے نا ظاہر ہے آپ لوگ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ ابھی آپ کو یہاں سیٹ ہونے میں وقت لگے گا۔" مرزا طارق بیگ بھی حرفوں کا بنا ہوا تھا۔ غرض یہ کہ یہ تمام باتیں تکمیل کو پہنچ گئیں اور اس کے بعد یہ لوگ رخصت ہو گئے۔ حمایت شاہ اس کی بیوی اوصاف اور علی خیر محمد کوٹھی واپس پہنچے تو فضل شاہ بذات خود وہاں موجود تھا اور بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے علی خیر محمد کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"واہ مکرم شاہ کے بیٹے! تو نے وہ کر دکھایا جو لوگ برسوں میں نہیں کرتے اصل میں تیری صلاحیتوں کے بارے میں تو مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔ جو بچہ چھوٹی سی عمر میں بندے کو پھڑکا دے وہ معمولی شخصیت تو نہیں ہو سکتی۔ تو واقعی اس قابل ہے کہ تجھے سونے میں تولا جائے۔"

"مگر آپ غلطی کر رہے ہیں شاہ صاحب! علی خیر محمد نے کہا۔"

"کیا؟"

"آپ مجھے مکرم شاہ کا بیٹا کہہ کر پکار رہے ہیں جبکہ ہم لوگوں نے اپنے ذہن میں بٹھا

لیا ہے کہ ہم کینیا سے آئے ہیں اور یہاں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔" فضل شاہ نے قہقہہ لگایا تھا۔ بہت دیر تک وہ لوگ گفتگو کرتے رہے، ساری تفصیلات سننے کے بعد فضل شاہ نے کہا۔

"سارے کام خود بخود ہو رہے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بے چارہ مرزا طارق بیگ خود چوہے دان کی طرف دوڑ رہا ہے، آنے دو آنے دو یہ کہہ کر فضل شاہ خوب ہنسا اور دیر تک یہ ہنگامہ پرور محفل جاری رہی۔ پھر فضل شاہ یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ سارے کام بڑی خوش اسلوبی سے کیے جائیں۔ امیر شاہ کو اس نے ہدایت کی کہ اب وہ اس وقت تک کراچی میں ہی رہے جب تک یہ سارا مسئلہ طے نہ ہو جائے۔ بہرحال یہ ساری تیاریاں ہو گئیں اور پھر وہ دن آ گیا جو ان دونوں کے نکاح کا دن تھا۔ مکرم شاہ کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی لیکن غازی شاہ اور مکرم شاہ کا اس تقریب پر سایہ بھی نہیں پڑنا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ فضل شاہ اس کی مانیٹرنگ کر رہا ہو گا۔ چنانچہ ابھی ان لوگوں کو دور ہی رہنا تھا۔ فضل شاہ بھی اپنی تیاریوں میں مصروف تھا، نکاح ہو گیا اور اس کے بعد ولیمے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ مرزا طارق بیگ نے ڈنر کی دعوت فضل شاہ کو بھی دی تھی اور ولیمے کی اس محفل میں شہر کے بڑے بڑے معززین شامل ہوئے تھے۔ علی خیر محمد واقعی ایک حسین و جمیل شخصیت کا مالک تھا۔ بہت ہی چھوٹی سی عمر تھی اس کی لیکن قد و قامت بے مثال تھا ادھر عالیہ بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ پولیس کے بہت سے حکام موجود تھے اور ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو علی خیر محمد کے چہرے کو پہچانتے تھے۔ ایک بہت بڑے پولیس آفیسر نے کہا۔

"یہ نوجوان کچھ جانا پہچانا سا نہیں لگتا۔" پولیس آفیسر کے ماتحت نے فوراً ہی ٹینشن ہو کر کہا۔

"سر! آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی۔"

"تمیز کی بات کیا کرو، تمہارے منہ سے بدبو آ رہی ہے، میں تمہارے منہ کی کون سی بات چھین سکتا ہوں۔"

"نہیں سر میں سچ عرض کر رہا ہوں۔"

"تو عرض کرو نا جلدی سے۔"

"سر! علی خیر محمد گوٹھ کا وہ لڑکا جو وہاں وڈیرے مکرم شاہ کا لڑکا ہے اور کئی افراد کا قاتل ہے، بالکل اس شخص کا ہمشکل ہے جو اس وقت دولہا کی شکل میں یہاں موجود ہے۔ لیکن بہرحال ہم شکلوں کا وجود تو ہوتا ہے، بعض ہم شکل ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔"

"جی سر! میں تو ایسے ہی عرض کر رہا تھا۔"

'' یہ صاحب زادے تو کینیا سے آئے ہیں اور یہاں کافی عرصے سے مقیم ہے' بہر حال ادھر تقریباً فضل شاہ بھی موجود تھا اور ایک طرف بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا مرزا طارق بیگ نے اس سے خصوصی طور پر ملاقات کر کے کہا۔

'' ہیلو فضل شاہ! بھئی بہت اچھے آدمی ہو کم از کم دوسروں کو خوشیوں میں شریک ہونا جانتے ہو۔

'' سائیں طارق بیگ! یہ آپ کی نہیں یہ تو ہماری خوشی ہے بلکہ آپ سچ پوچھو تو ہم آپ سے زیادہ خوش ہیں۔

'' ہاں ہاں کیوں نہیں' کاروباری رقابت اپنی جگہ اور بچوں کی خوشیوں میں شریک ہونا اپنی جگہ تم بھی جب مجھے اپنے بچوں کی کسی تقریب میں بلاؤ گے تو بڑی خوشی کے ساتھ حاضر ہوں گا''

'' سائیں بڑا فرق ہوتا ہے دل دل کی بات ہوتی ہے' آپ ہمارے بچوں کی خوشیوں میں کبھی شریک نہیں ہوں گے یہ بات ہم جانتے ہیں''

'' بھئی بہت سی باتیں تم جانتے ہو' مگر یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ ساری باتیں تم ہی جانتے ہو کچھ باتیں ہم بھی جانتے ہیں'' مرزا طارق بیگ بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ فضل شاہ نے تو یہ الفاظ اس لئے کہے تھے۔ ظاہر ہے اس واقعہ کے بعد مرزا طارق بیگ اس کا دوست نہیں بلکہ بدترین دشمن ہوگا اور دشمن تقاریب میں شریک نہیں ہوتے وہ یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ اس وقت میں تیری تقریب میں شرکت کے لئے نہیں آیا بلکہ اپنے مقصد کی تکمیل اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے آیا ہوں لیکن بہرحال ایسی باتیں کہنے کی نہیں ہوتیں۔ تقریب جاری رہی نجانے کیوں اس وقت علی خیر محمد کے دل میں بار بار اپنے ماں باپ کا خیال آ رہا تھا وہ زندگی میں پہلی بار کچھ متاثر ہوا تھا اور جب اس کی ملاقات نیاز اللہ بیگ صاحب سے ہوئی تو اس نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

'' دادا جان! مجھے اپنے ماں باپ بہت یاد آ رہے ہیں''

'' بیٹے! زندگی کا جو عذاب تم پر مسلط کر دیا گیا ہے' اس کا خراج بھی ادا کرنا ہے' بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم مصلحت کے لفافے میں رکھ لیتے ہیں اور یہ ہماری مجبوری ہوتی ہے کیونکہ مصلحت کا وجود ہے اور مصلحت کو قائم رکھنا پڑتا ہے۔'' علی خیر محمد ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا' ولیمہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا اور سارے معاملات تقریباً طے ہو گئے' شب عروسی میں عالیہ سے ملاقات ہوئی تو علی خیر محمد نے ہنستے ہوئے کہا۔

'' جی عالیہ بیگم! دیکھا آپ نے وہ وقت ہی غلط تھا جب آپ ہمارے سامنے آئیں

تھیں ہم وڈیرے لوگ جب کسی چیز کو پسند کرتے ہیں تو وہ ہماری ملکیت بن جاتی ہے''

'' جی' دیکھ لیا اور مان بھی لیا'' عالیہ نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

'' ارے ارے لڑو گی نہیں اس بات پر۔''

'' کسی بات پر نہیں لڑوں گی آپ سے۔''

'' وہ کیوں؟''

'' بس نہیں لڑوں گی۔''

'' نہیں بھئی' لڑائی تو زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہے' لڑنا چاہیے۔''

'' جی نہیں محبت زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہے پیار کرنا چاہیے۔''

'' مجھ سے بحث کرو گی۔''

'' جی''

'' ہو گئی نا لڑائی''

'' لڑائی''

'' تو اور کیا''

'' مطلب''

'' بھئی بحث کرنے کو جھگڑا کرنا ہی تو کہتے ہیں''

'' سوری میری بحث واپس'' عالیہ نے ہنستے ہوئے کہا' دونوں بے حد خوش نظر آ رہے تھے علی خیر محمد نے کہا۔

'' عالیہ بیگم! کل ہمیں کچھ اور کام کرنا ہے''

'' کیا؟''

'' کل کا دن ہماری خاص مصروفیت کا دن ہے''

'' وہ کیسے میں سمجھی نہیں''

'' سمجھنا ہے سمجھا دیں گے چلیے کل سمجھا دیں گے'' بہرحال ان ساری باتوں کا بہت ہی اچھا انداز جاری تھا۔ حمایت شاہ اس کی بیوی اور اوصاف اپنی اس کامیابی پر بہت خوش تھے وہ جانتے تھے کہ فضل شاہ انہیں بہترین انعام سے نوازے گا اور وہ خوب دولت لے کر یہاں سے جائیں گے۔ بہرحال وہ اپنے اس کارنامے پر بہت خوش تھے' ادھر علی خیر محمد اپنی تیاریوں میں مصروف تھا۔ بذات خود وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں تھا' بے انتہا چالاک اور خود اعتمادی کے ساتھ فیصلے کرنے والا اس نے عالیہ سے کہا۔

''عالیہ ڈیئر! حقیقت یہ ہے کہ تم سے محبت کرنے کے بعد اور تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بعد میرا نظریہ زندگی ہی تبدیل ہو گیا' میں نے تم سے محبت کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب زندگی کی سچائیوں کو اپنانا ہوگا۔ حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ چچی سائیں نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ انہوں نے مجھ سے میرا نام میری شخصیت چھین لی اور صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے میرے ہی نام کی سرداری چھین لی۔ لیکن خیر وہ الگ بات ہے مجھے سب سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ انہوں نے مجھ سے میرے ماں باپ چھین لئے۔''

''نہیں خرم ایسی بات نہیں ہے' برائی تم نے نہیں کی تھی برائی تم سے کرائی گئی تھی اور بے شک بعض اوقات نام زندگی پر اس طرح مسلط ہو جاتے ہیں کہ زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔ شہزادہ خرم کا نام حاصل کرنے کے بعد میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ تمہاری زندگی پر سے وہ سورج گرہن ہٹ گیا جس نے تمہاری زندگی کو کھانا شروع کر دیا تھا۔ مجھے کوئی سردار نہیں بننا یا سردار کی بیوی نہیں بننا۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے' ہم خود کراچی اس جدید زندگی میں اپنا مقام بنائیں گے''

''مگر مجھے میرے ماں باپ کا دکھ ہے''

''نہیں خرم وقت کے ساتھ ساتھ ہر زخم ٹھیک ہو جاتا ہے ماں باپ بھلا کوئی بھولنے کی چیز ہیں ہم انہیں اپنے سر کا تاج بنائیں گے ہم ان کے قدموں میں ہی زندگی گزاریں گے بس ذرا سا بدلے ہوئے نام کے ساتھ تم یہ بتاؤ مجھے کب ان کے پاس لے جاؤ گے' میں چھوٹی بیگم سائیں اور بڑی بیگم سائیں سے ملنا چاہتی ہوں میں بڑے سائیں مکرم شاہ سے بھی ملنا چاہتی ہوں' غازی شاہ سے ملنا چاہتی ہوں''

''یہی تو میں تم سے کہنا چاہ رہا تھا''

''کیا مطلب؟''

''آج ہی رات ہم چل رہے ہیں''

''کیا مطلب؟''

''ہم آج رات ہی چل رہے ہیں''

''کہاں؟''

''علی خیر محمد گوٹھ''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' سائیں آپ میرے مرد ہو بس جو فیصلہ آپ کرو گے میں اس کیلئے دل و جان سے حاضر ہوں۔ نتیجہ اچھا نکلے یا برا میں تو بس یہ جانتی ہوں کہ شہزادہ

خرم مجھ سے جو کچھ کہیں گے اس کی تکمیل کرنا میری زندگی کا پہلا فرض ہے''

''بہت اچھے ہو تم لوگ دادا جان بھی بہت اچھے ہیں صحیح بات تو یہ ہے کہ دادا جان کے چند جملوں نے مجھے بڑی رہنمائی کی ہے میں تیاریاں کرتا ہوں اور تیاریاں بھی خوب تھیں۔ رات کو ساڑھے گیارہ بجے ایک آخری لاری اسے بس کہنا مناسب نہیں ہے' سندھ کے پرانے علاقوں میں پرانے طرز کی لاریاں آج بھی چلتی ہیں ویسے تو جدید ترین بسیں موجود ہیں لیکن ان لاریوں کا بھی معقول بندوبست ہے چنانچہ ایک لاری سے ایک برقع پوش عورت اور ایک میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس نوجوان شخص جس کی مونچھیں سو فیصدی نقلی تھیں۔ سفر کر رہے تھے' نوجوان کے بدن سے پسینے کی بدبو اٹھ رہی تھی' عورت کا برقع بھی پھٹا پرانا ہی سا تھا۔ یہ لوگ علی خیر محمد گوٹھ پر اترے اور رات کی تاریکی میں سفر کیا جانے لگا کھیتوں اور کھلیانوں کے بیچ میں سے گزر کر یہ ایک عظیم الشان حویلی کے پچھلے حصے میں پہنچے۔ برقع میں لپٹی ہوئی عالیہ تھی اور میلا کچیلا نوجوان علی خیر محمد بدبو کے لئے ایسا لباس لیا گیا تھا جو شاید کسی فقیر کے بدن سے ہی اتارا گیا ہوگا۔ عالیہ راستے بھر کڑھتی چلی آئی تھی۔ حویلی کے پچھلے حصے میں پہنچ کر علی خیر محمد نے ایک چھوٹے سے درخت کے پاس پہلا قیام کیا اور ہنس کر عالیہ سے بولا۔

''چل ری عالیہ! میرے ہاتھوں پر چڑھ اور اس دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود جا۔''

''ارے باپ رے باپ' ایسا تو میں نے کبھی نہیں کیا''

''ارے چھوڑو اب تم ایک غریب سندھی کی بیوی ہو۔ طاقتور، توانا، تندرست چلو اندر کود جاؤ'' بہرحال عالیہ کود گئی تو علی خیر محمد بھی آ گیا۔ رات بہت زیادہ ہو گہری نہیں تھی۔ علی خیر محمد جانتا تھا کہ حویلی کے مکیں کب تک جاگتے ہیں اور کب تک سوتے ہیں۔ ابھی تو یہاں کے لوگ بڑی دیر تک جاگیں گے لیکن اسے رازداری اور غلام گردشوں میں محتاط طریقے سے سفر کرتے ہوئے خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا چونکہ ملازمین ادھر سے آ جا رہے تھے۔

حویلی میں لاتعداد کمرے تھے جو خالی پڑے ہوئے تھے۔ چھپنے کے لیے ایسے کمروں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ شرجیلہ بیگم سائیں کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ تب علی خیر محمد نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ بند نہیں تھا اندر سے شرجیلہ کی آواز سنائی دی۔

''آ جاؤ کون ہے۔'' علی خیر محمد دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ عالیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی شرجیلہ نے اس برقع پوش عورت اور اس بدبودار شخص کو ناک سکوڑ کر دیکھا اور بولی۔

''ارے ارے کون ہو تم اور حویلی میں کیسے گھس آئے۔''

"بیگم سائیں کی خیر! بھکاری ہیں بھیک مانگنے آئے ہیں۔"

"پاگل ہو تم اندر کیسے آ گئے تم؟" شرجیلہ نے علی خیر محمد کے بدلے ہوئے لہجے کو پہچانا نہیں تھا۔

"پیچھے ایک دروازہ ہے بڑی بیگم سائیں۔ اس دروازے سے اندر آ گئے۔ ویسے تو بڑے دروازے سے ہمیں کوئی اندر نہیں آنے دیتا۔"

"میں بلاتی ہوں نوکروں کو یہ کیا بدتمیزی ہے اگر تمہیں کچھ مانگنا تھا تو باہر کھڑے ہو کر مانگتے۔"

"کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں بڑی بیگم سائیں! جن میں باہر کا کوئی کام نہیں ہوتا ساری باتیں اندر کی باتیں ہوتی ہیں۔" اس بار علی خیر محمد اپنے اصل لہجے میں بولا تھا۔ شرجیلہ نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کی پیشانی شکن آلودہ ہو گئی اسے یہ لہجہ جانا پہچانا محسوس ہوا تھا۔

"ارے کیا دیکھ رہی ہو سلام کرو بڑی بیگم سائیں کو۔" عالیہ نے برقع اتارا لباس وہ بالکل ہی معمولی سا پہنے ہوئے تھی جو علی خیر محمد نے اسے مہیا کیا تھا۔ لیکن چہرے کو کہاں لے جاتی۔ شرجیلہ بیگم نے اسے دیکھا پھر علی خیر محمد کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا پھر علی خیر محمد نے اپنے چہرے سے مونچھیں اور سندھی اسٹائل کی ٹوپی اتار دی۔ پھر شرجیلہ بیگم اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔

"میرا بچہ' میرا بیٹا' اور اس کے بعد اس نے ان دونوں کو اپنے بازو میں بھر لیا۔

"ارے تم اس طرح ارے تم نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا"

"دل پر چھریاں چل رہی تھیں' بڑی بیگم سائیں! آپ کے بغیر شادی کر بیٹھا میں قصور میرا نہیں بیگم سائیں آپ لوگ خود میری حفاظت نہیں کر سکے۔ ماں اور بابا کو ادھر ہی بلا لو' میری بہنوں کو بھی بلا لو' میرا تو بھی ان سے واسطہ ہی نہیں رہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد افریشم مکرم شاہ' غازی شاہ اور افریشم کی دونوں بیٹیاں اندر آ گئیں۔ سب کے سب بری طرح جذباتی ہو گئے تھے' سبھی آنسو بہا رہے تھے' علی خیر محمد نے کہا۔

"دیکھو بابا! ہم لوگ آپ کی دعائیں اور آپ کی محبتیں لینے آئے ہیں' ہمیں آنسو نہ دو نہیں رہا جا رہا تھا ہم سے"

"تو یہ کپڑے کہاں سے لے آیا علی خیر محمد سو روپے میں خریدے ہیں اور پچاس روپے میں عالیہ کے کپڑے خریدے ہیں ایک فقیر پہنے پھر رہا تھا کلفٹن پر بیٹھا ہوتا ہے۔ سو روپے دے کر اس سے کپڑے لئے اور اسے نئے کپڑے بھی دے دیئے اور اسی طرح اس کی

بیوی کو بھی پچاس روپے اس طرح ڈیڑھ سو روپے میں یہ کپڑے لئے۔ اسی روپے کا برقع لیا۔ اسی روپے یہاں تک آنے میں لاری میں خرچ ہوئے ہیں۔" علی خیر محمد کے الفاظ نے ماحول کو تھوڑا سا بدل دیا تھا' بہرحال وہ یہاں آ کر بہت خوش ہوا تھا' شرجیلہ نے کہا۔

"عالیہ بیٹے! تیرے لئے اتنا کچھ موجود ہے میرے پاس کہ جب ہم تجھے پہنچائیں گے تو تیرے پاس رکھنے کی جگہ بھی نہیں ہو گی' مگر مصلحت ابھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔"

"بڑی بیگم سائیں! آپ میرے گھر کو لاکھوں چیزوں سے بھر دیں' لیکن آپ کی دعائیں اور آپ کی محبت مجھے جو کچھ دیں گی وہ مجھے کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتا' عالیہ نے کہا اور اس کی اس فراخدلی اور محبت کے انداز نے سب کے دل موہ لئے' یہ رات جاگنے کی رات تھی۔ صبح پانچ بجے وہ دونوں اسی حلیے میں وہاں سے واپس چل پڑے تھے' گھر والے بھی خوش ہو گئے تھے۔ افریشم نے' شرجیلہ بیگم نے' غازی شاہ نے سب نے بڑے پیار سے ان دونوں کو رخصت کیا تھا۔

☆......☆......☆

اوصاف بہت سی باتوں کا شناسا تھا' ایک جوان آدمی ہونے کی حیثیت سے وہ اس ہونے والی کارروائی سے بہت خوش تھا' لیکن حمایت شاہ اور اس کی بیوی اب انتظار کر رہے تھے کہ انہیں ان کی محنت کا صلہ ملے اور ایک دن جب عالیہ اور علی خیر محمد عادت کے مطابق سمندر کے کنارے سیر و تفریح کے لئے نکلے ہوئے تھے کہ ایک جیپ حویلی سے اندر داخل ہو گئی اور اس سے پانچ چھ افراد نیچے اترے۔ بند جیپ سے اترنے والے خاصے سرکش اور ذرا وحشی قسم کے انسان معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے اوصاف' حمایت شاہ' اور حمایت شاہ کی بیوی کو پکڑ لیا اور گن پوائنٹ پر انہیں لا کر جیپ میں بٹھا دیا اور اس کے بعد جیپ ہائی وے سے باہر نکل گئی۔ تینوں کے حواس گم ہو گئے تھے' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں اس طرح ان کے گھر سے اغواء کرنے والے کون ہیں۔ بڑا جارحانہ انداز تھا ان کا زیادہ فاصلہ نہیں طے کیا گیا تھا کوئی دس ہی منٹ کے بعد وہ ایک عمارت کے پاس پہنچ کر عمارت میں اندر داخل ہو گئے۔ پھر انہیں عمارت کے تہہ خانے میں لایا گیا اور یہاں انہیں پیروں میں زنجیریں باندھ کر اسیر کر دیا گیا۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد مرزا طارق بیگ اور غیاث الدین ان سے ملے مرزا طارق بیگ کو دیکھ کر حمایت شاہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں تھیں۔

"آپ سمدھی صاحب آپ" مرزا طارق بیگ آگے بڑھا اور اس نے الٹے ہاتھ کا ایک زوردار تھپڑ حمایت شاہ کے منہ پر رسید کر دیا۔

’’بے اوقات کتے سمدھی ہوں میں تیرا‘‘

’’لیکن آپ......آپ......آپ یہ سب کچھ کیوں کیا ہے آپ نے‘‘

’’ہوں‘ حمایت شاہ! مجھے بہت پہلے تیری اصل شخصیت معلوم ہو چکی تھی‘ تو مرزا طارق بیگ کے خلاف فضل شاہ کا آلہ کاربن کر آ تو گیا تھا‘ لیکن فضل شاہ نے تجھے یہ نہیں بتایا کہ مرزا طارق بیگ کیا چیز ہے‘ میں نے تمہاری چال ناکام بنا دی۔ عالیہ علی خیر محمد شاہ سے محبت تو ضرور کرنے لگی تھی لیکن میں نے علی خیر محمد شاہ کو اس کی اصلیت [illegible] پر مجبور کر دیا اور اب تم لوگوں کی ساری چالیں ناکام ہو چکی ہیں لیکن فضل شاہ کو آخری ڈوز دینے کے لئے یہ ضروری تھا کہ تم تینوں کو وہاں سے ہٹا لیا جائے اور اب فضل شام کو اس کی اصل تصویر دکھائی جائے گیا ورتم‘ تمہاری لاشیں کسی بھی دن سمندر سے برآمد ہو جائیں گی۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ تم کسی سمندری حادثے کا شکار ہوئے ہو‘‘ حمایت شاہ اور اوصاف پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے۔ حمایت شاہ کی بیوی پر تو سکتہ ہی طاری ہو گیا تھا‘ مرزا طارق بیگ ہنستا ہوا وہاں سے باہر نکل آیا۔ بہر حال وہ بھی ایک خطرناک آدمی تھا اور جب فضل شاہ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب صورتحال مکمل طور پر اس کے قبضے میں آ گئی ہے تو پھر ایک دن وہ مرزا طارق بیگ کے گھر جا پہنچا اس کی قیمتی پجیرو مرزا طارق بیگ کی حویلی تک پہنچی اور پھر وہ اجازت لے کر اندر داخل ہو گیا۔ مرزا طارق بیگ اس وقت گھر پر ہی موجود تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا۔

’’آؤ فضل شاہ آؤ‘ میں سوچ رہا تھا کہ کہاں سو گئے تم‘ میں تو تمہارا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

خیریت بیگ صاحب! ہماری کیا ضرورت پیش آ گئی۔‘‘

’’نہیں مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں پیش آئی‘ البتہ تمہیں میری ضرورت تھی‘‘ مرزا طارق بیگ نے کہا۔

’’بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی‘‘

’’چھوڑو‘ چھوڑو اچھا یہ بتاؤ کیا پلائیں تمہیں‘‘

’’نہیں بیگ صاحب! میں ذرا کچھ اور بات کرنا چاہتا ہوں آپ سے‘‘

’’بولو بولو‘‘

’’بیگ صاحب وہ جو کہتے ہیں نا کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں‘ میرا خیال ہے اب راتیں بڑی ہونے کا وقت آ گیا ہے‘‘

’’ہو سکتا ہے راتیں تو بڑی ہوتی ہیں‘ سردیوں کی راتیں بڑی ہوتی ہیں بابا‘‘

’’وہ بیگ صاحب! ایک بہت بڑا مسئلہ ہے‘ مگر میں مختصر الفاظ میں آپ کو بتا دیتا ہوں آپ کا داماد جو ہے نا‘ اس کا تعلق کینیا سے نہیں ہے‘ علی خیر محمد نام ہے اس کا اور جس گوٹھ کا یہ باشندہ ہے اس کا نام بھی علی خیر محمد ہے۔ میں مختصر الفاظ میں آپ کو اس کے ماضی کی کہانی سنائے دیتا ہوں‘‘ یہ کہہ کر فضل شاہ نے علی خیر محمد کے بارے میں تمام تفصیل بتائی کہ وہ مکرم شاہ کا بیٹا ہے اور کھد وانا کے ساتھ رہ کر ڈاکے تک ڈال چکا ہے‘ اس نے کئی قتل کئے ہیں اور بہت خطرناک ہے وہ۔‘‘

’’لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نام بدل کر یہاں کیسے آیا؟‘‘

’’سائیں! میں نے بھیجا تھا اسے‘ فضل شاہ نے مکاری سے ہنستے ہوئے کہا‘‘

’’تم نے‘‘

’’ہاں‘‘

’’کیوں؟‘‘

’’اس لئے سائیں کہ وہ آپ کی بیٹی سے شادی کرے اور ہمارے آپ کے مفادات ایک ہو جائیں‘ وہ آپ کو مجبور کرے اور آپ مجبور ہو جائیں‘ سائیں! ہم نے مال لگایا ہے مال کمانے کے لئے‘‘

’’تو کیا چاہتے ہو تم‘‘

’’سائیں بہت سے ایسے مسئلے ہیں جن کے لئے ہم آپ مفاہمت کر لیں گے لیکن پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ کو ہماری اس کاوش کا مزہ آیا یا نہیں‘‘

’’اصل میں بات یہ ہے فضل شاہ! کہ پاگل تو تم ہمیشہ کے ہو اور میں اب بھی تمہیں پاگل ہی سمجھتا ہوں‘ ایک پاگل کی باتوں کا کیا برا ماننا‘ معمولی سی بات یہ ہے کہ علی خیر محمد نام کے کسی شخص سے میں واقف نہیں ہوں‘ شہزادہ خرم کینیا سے آیا‘ میں نے مکمل طور پر تصدیق کر لی ہے کیا سمجھے‘ جواب میں فضل شاہ خوب ہنسا تھا پھر اس نے کہا۔

’’تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ میں کارروائی کرتا ہوں‘ آپ کے داماد کو گرفتار کرا دیتا ہوں اس کے بعد باقی باتیں ہو جائیں گی‘‘

’’ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے‘‘

’’دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ سب سے پہلے اپنے ایک فائل پر کام کرنا چھوڑ دیجئے‘‘

’’جاؤ فضل شاہ! اب میں تمہیں چائے کے لئے بھی نہیں پوچھوں گا‘‘ مرزا طارق

بیگ نے فضل شاہ کو دھکے دے کر باہر نکلوا دیا اور پھر فضل شاہ دوسری بار پولیس لے کر ہی علی خیر محمد کی کوٹھی پہنچا تھا' لیکن یہاں نہ اسے حمایت شاہ ملا نہ اس کی بیوی ماورنہ ہی اوصاف اس سے پہلے مرزا طارق بیگ علی خیر محمد کو ساری تفصیل بتا چکا تھا علی خیر محمد نے پولیس کو بیان دیا کہ اس کا نام شہزادہ خرم ہی ہے اور وہ کینیا سے آیا ہے جس طرح چاہے تصدیق کر لی جائے۔ اس دوران مرزا طارق بیگ بھی وہاں پہنچ گیا اور اس نے اعلیٰ پولیس افسروں کو بتایا کہ یہ شخص جس کا نام فضل شاہ ہے اس کا دشمن ہے اور طرح طرح سے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے اس کے خلاف زبردست کارروائی کی جائے۔ بہر حال ہتک عزت کا کیس کر دیا گیا تھا۔ نتیجے میں فضل شاہ کو ایک کرڑ روپے جرمانہ ادا کرنا پڑا' یہ بات عدالت میں ثابت کر دی گئی تھی' تمام کاغذات اور ثبوتوں کے ساتھ کہ یہ لڑکا شہزادہ خرم ہے جو کینیا سے یہاں آیا ہے۔ پوری تفتیش کے بعد جب تشفی ہو گئی تو فضل شاہ کو ایک کروڑ روپے ادا کرنے کی ہدایت کی گئی اور فضل شاہ تلملا کر رہ گیا لیکن بات اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی۔ علی خیر محمد بھی بدل گیا تھا' حمایت شاہ وغیرہ کا نام ونشان نہیں تھا ساری کوششیں کرنے کے بعد فضل شاہ نے خاموشی ہی اختیار کر لی تھی۔

ادھر کیتھرائن کی تقدیر کا فیصلہ بھی کر دیا گیا غازی شاہ نے اسے لندن بھجوانے کے انتظامات کر دیئے اور کچھ عرصے کے بعد کیتھرائن کو لندن روانہ کر دیا گیا۔ ہاں جب وہ چلی گئی تو تھوڑے ہی عرصے کے بعد شمیلا کو حویلی میں طلب کیا گیا اور جب غازی شاہ شمیلا کو لے کر علی خیر محمد گوٹھ کے سرحدی حصے میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ تقریباً آدھا علی خیر محمد گوٹھ باجے' گاجوں آتش بازی اور ہنگامہ آرائی کے ساتھ ان دونوں کے استقبال کے لئے موجود تھا' وہ تصور جو کیتھرائن نے اپنے ذہن میں باندھا تھا اور جو غازی شاہ نے اس سے وعدے کئے تھے وہ شمیلا کی تقدیر میں تھے اور شمیلا اور ناگی بابا اس شان وشوکت کے ساتھ بڑی حویلی پہنچے تھے جہاں ان کے استقبال کے لئے ایسی زبردست تیاریاں کی گئیں تھیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ تین دن تک جشن منایا گیا' علی خیر محمد پر سے اب وہ تمام الزامات ہٹ گئے تھے اور تعلقات کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس تقریب میں خود مرزا طارق بیگ اس کی بیوی' داماد اور بیٹی بڑی شان وشوکت کے ساتھ شریک ہوئے تھے' بات وہی وتی ہے کہ تقدیر جس کے لئے جو فیصلے کرتی ہے وہی ہوتی ہے۔ کیتھرائن کی تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں تھا یہ سرخروئی تو قدرت نے شمیلا کی تقدیر میں لکھی تھی۔